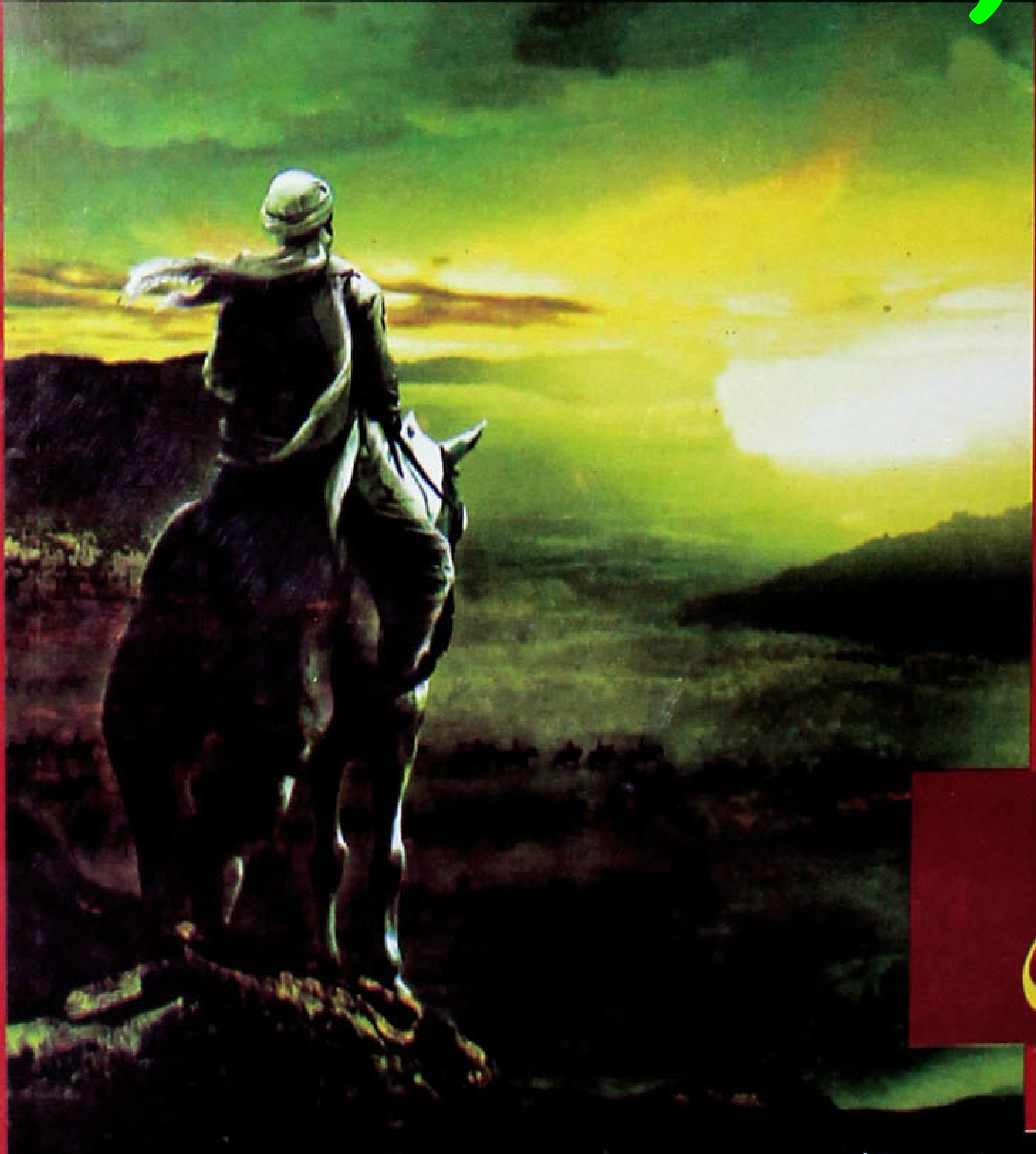
داستان ایمان فروشوں کی

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں

عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

جلد دوم، سوم

2 , 3



التمش

مکتبہ داستان

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد دوم، سوم)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں

عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

حکایت پبلشرز
26-پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔
فون: 37356541

نام کتاب	....	داستان ایمان فروشوں کی (جلد دوم، سوم)
مصنف	....	التمش
ناشر	....	وقاص شاہد مکتبہ داستان، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
سن اشاعت	....	جون 2013ء
قیمت	....	600روپے

ملنے کے پتے

حکایت پبلشرز

26-پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔

فون: 37356541-37321898

علم و عرفان پبلشرز

40۔اُردو بازار، لاہور۔فون نمبر:37352332-37232336

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

اشرف بک ایجنسی

کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

کمیٹی چوک، راولپنڈی

جہانگیر بکس

بوہڑ گیٹ، ملتان

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہِ کرم مطلع فرما دیں۔انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔(ناشر)

فہرست

تعارف

آپ نے اس ولولہ انگیز سلسلے کا پہلا حصہ پڑھ لیا ہے۔ دوسرا حصہ پیش کیا جارہا ہے۔

ہم ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے مصنف محترم التمش کے ممنون ہیں، جنہوں نے ''حکایت'' میں مجاہدِ اعظم سلطان صلاں الدین ایوبی کے دور کی قیمتی کہانیوں کا یہ سلسلہ شروع کیا۔ ان میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور نوجوان نسل کے مطالبوں کی تسکین کریں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اُس قومی جذبے کو بھی زندہ و بیدار کریں گے، جسے ہمارا دشمن پُرلذت اور تخریبی کہانیوں کے ذریعے مارنے کی کوشش کررہا ہے۔

صلاح الدین ایوبی کے دور میں جتنی اسلام کش سازشیں ہوئی ہیں، اتنی اور کسی دور میں نہیں ہوئیں۔ صلیبیوں کو میدانِ جنگ میں صلاح الدین ایوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا تو انہوں نے مسلمان امراء اور سالاروں کو ہاتھ میں لینے کے لیے جہاں بے دریغ زرو جواہرات استعمال کیے، وہاں غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک عیسائی اور یہودی لڑکیوں کا بھی استعمال کیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی نوجوان نسل کی کردار کشی کے نہایت دل کش ذرائع اختیار کیے۔ انہوں نے حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں کو بھی استعمال کیا۔

اُس دور کا دشمن آج بھی ہمارا دشمن ہے اور ابھی تک وہی پُرلذت حربے استعمال کررہا ہے۔ یہ کہانیاں خود بھی پڑھیں، بچوں کو بھی پڑھائیں۔ اگر آپ سچے دل سے فحش، عریاں اور مخرب الاخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کتاب گھر لے جایئے...... آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے اور صلاح الدین ایوبی کو پکار رہی ہے۔

عنایت اللہ (مرحوم)
مدیر ''حکایت'' لاہور

قاہرہ میں بغاوت اور سلطان ایوبی

فلسطین ابھی صلیبیوں کے پاؤں تلے کراہ رہا تھا۔ یروشلم صلیب پر لٹکا ہوا تھا۔ اس مقدس شہر سے خون رس رہا تھا، وہاں کے مسلمان جو صلیبیوں کے ظالمانہ استبداد کے شکنجے میں آئے ہوئے تھے، پس رہے تھے، تڑپ رہے تھے اور صلاں الدین ایوبی کا انتظار کررہے تھے۔ اُن تک یہ اطلاعیں پہنچ چکی تھیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی فلسطین کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے اور شوبک کا قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ یہ اُن کے لیے خوش خبری تھی مگر یہ خوش خبری پیغامِ اجل ثابت ہوئی۔ صلیبیوں نے شوبک کی شکست کا انتقام یروشلم اور دیگر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں سے لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو مُردہ کر دینا چاہتے تھے تاکہ وہ جاسوسی نہ کرسکیں اور حملے کی صورت میں صلاح الدین ایوبی کی مدد کرنے کی جراٗت نہ کریں۔ سب سے زیادہ مظالم کرک کے مسلمانوں پر توڑے جارہے تھے۔ شوبک کے بعد کرک ایک بڑا قلعہ تھا جس پر صلیبیوں کو بہت ناز تھا۔ ایسا ہی ناز انہیں شوبک پر بھی تھا، مگر اُس کے ناز کو سلطان صلاح الدین ایوبی کی نہایت اچھی چال اور اس کے مجاہدین کی شجاعت نے ریت کے ذروں کی طرح بکھیر دیا تھا۔ اب صلیبی کرک کو مضبوط کررہے تھے، وہاں کے مسلمان باشندوں پر تشدد ایک احتیاطی تدبیر تھی۔ صلیبیوں کو یہ وہم ہوگیا تھا کہ مسلمان جاسوسی کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی انہوں نے شوبک کی طرح مشتبہ مسلمانوں کو بیگار کیمپ میں پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

''فلسطین کی فتح ہمارا ایک عظیم مقصد ہے مگر کرک سے مسلمانوں کو نکالنا اس سے بھی عظیم تر مقصد ہونا چاہیے''۔ جاسوسوں کے ایک گروہ کا سربراہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو بتارہا تھا۔ وہ طلعت چنگیز نام کا ایک تُرک تھا جو چھ جاسوسوں کو شوبک سے بھاگے ہوئے عیسائی باشندوں کے بہروپ میں کرک لے گیا تھا۔ وہ تین مہینوں بعد واپس آیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان کی موجودگی میں وہاں کے حالات بتارہا تھا۔ صلیبی فوج جو بھاگ کر کرک پہنچی تھی، اس کے متعلق اُس نے بتایا کہ خاصی بُری حالت میں ہے اور فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں۔ اس ہاری ہوئی فوج نے کرک میں جاتے ہی مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ اندھادھند گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ مسلمان عورتوں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا ہے، جہاں کسی مسلمان پر ذرا سا شک ہوتا ہے، اُسے پکڑ کر بیگار کیمپ میں لے جاتے ہیں، جہاں انسان ایسا مویشی بن جاتا ہے جو بول نہیں سکتا۔ صبح کے اندھیرے سے رات کے اندھیرے تک کام کرتا، سوکھی روٹی اور پانی پر زندہ رہتا ہے...... ''ہم نے وہاں زمین دوز مہم چلائی ہے کہ جتنے مسلمان جوان ہیں یا لڑنے کی عمر میں ہیں، وہ یہاں سے نکل کر شوبک پہنچیں اور فوج میں بھرتی ہو جائیں، تاکہ کمک کا انتظار کیے بغیر کرک پر حملہ کیا جاسکے'' ...... چنگیز تُرک نے کہا...... ''ہماری موجودگی میں کچھ لوگ وہاں سے نکل آئے تھے، لیکن یہ کام ایک تو اس لیے مشکل ہے کہ ہر طرف صلیبی فوج پھیلی ہوئی ہے اور دوسری مشکل یہ ہے کہ اپنے کنبوں، خصوصاً عورتوں کو وہ عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں آسکتے۔ فوری ضرورت یہ ہے کہ کرک پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو نجات دلائی جائے''۔

اس سے پہلے ایک اور جاسوس یہ اطلاع دے چکا تھا کہ صلیبیوں کی سکیم اب یہ ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کرک کا محاصرہ کرے گا تو صلیبیوں کی ایک فوج، جو ایک صلیبی حکمران ریمانڈ کے زیر کمان ہے، عقب سے حملہ کرے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پہلے ہی اپنے فوجی سربراہوں سے کہہ دیا تھا کہ صلیبی عقب سے حملہ کریں گے۔ اس صورتِ حال کے لیے اُسے زیادہ فوج کی ضرورت تھی۔ اس نے چنگیز کو رُخصت کر کے علی بن سفیان سے کہا..... ''جذبات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں فوراً کرک پر حملہ کر دینا چاہیے۔ میں اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہاں کے مسلمان کس جہنم میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن حقائق کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی صفوں کو مستحکم کیے بغیر آگے ایک قدم نہ اُٹھاؤ، ضرب اُس وقت لگاؤ، جب تمہیں یقین ہو کہ کاری ہوگی۔ ہم اُن عورتوں اور بچوں کو نہیں بھول سکتے جو دشمن کے ہاتھوں ذلیل و خوار اور قتل ہو رہے ہیں۔ یہ ہمارے گمنام شہید ہیں، یہ قوم کی عظیم قربانی ہے۔ میں انہی کی آبرو اور انہی کے وقار کے لیے فلسطین لینا چاہتا ہوں، اگر میرا مقصد یہ نہ ہو تو جنگ کا مقصد ڈاکہ اور لوٹ مار رہ جاتا ہے۔ وہ قوم جو اپنی اُن بچیوں اور بچوں کو بھول جائے جو دشمن کے استبداد میں ذلیل و خوار اور قتل ہوئے، وہ قوم ڈاکوؤں اور رہزنوں کا گروہ بن جاتی ہے۔ اس قوم کے افراد دشمن سے انتقام لینے کی بجائے ایک دوسرے کو لوٹتے، ایک دوسرے کو دھوکے اور فریب دیتے ہیں۔ اُن کے حاکم قوم کو لوٹتے اور عیش و عشرت کرتے ہیں اور جب دشمن انہیں کمزور پا کر اُن کے سر پر آ جاتا ہے تو کھوکھلے نعرے لگا کر قوم کو بے وقوف بناتے ہیں اور دشمن کے ساتھ درپردہ سودا بازی کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کا کچھ حصہ اور اس حصے کی آبادی نہایت رازدارانہ طریقے سے دشمن کے حوالے کر کے باقی ملک میں اپنی حکمرانی قائم رکھتے ہیں، پھر وہ اور زیادہ عیش اور لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دشمن انہیں بخشے گا نہیں...... یہ عیش چند روزہ ہے، لہٰذا قوم کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بھی جلدی جلدی نچوڑ لو''۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایسی متعدد قوموں کے نام لیے اور کہا..... ''وہ توسیع پسند تھے۔ اُن کے سامنے اس کے سوا کوئی مقصد نہ تھا کہ ساری دنیا پر بادشاہی کریں اور دُنیا بھر کی دولت سمیٹ کر اپنے قدموں میں ڈھیر لگا لیں۔ انہوں نے دوسری قوموں کی عصمت دری کی اور اُن کی اپنی بیٹیاں اور بہنیں دوسروں کے ہاتھوں بے آبرو ہوئیں۔ ان قوموں کے حکمران پرائی زمین پر ہلاک ہوئے اور اُن کا نام و نشان کس نے مٹایا؟ ان قوموں نے، جو غیرت مند تھیں اور جنہیں احساس تھا کہ اُن کی زمین کو اور اُن کی عصمت کو دشمن نے ناپاک کیا ہے اور اس کا انتقام لینا ہے۔ ہم بھی حملہ آور ہیں، صلیبی بھی حملہ آور ہیں، لیکن ہم میں فرق ہے۔ وہ دور دراز ملکوں سے ہمارے مذہب کا نام و نشان مٹانے آئے ہیں۔ وہ اس لیے آئے ہیں کہ مسلمان عورتوں کو اپنی گرفت میں لے کر ان کے بطن سے صلیبی پیدا کریں۔ ہم اُن کی آبرو کے دفاع کے لیے حملہ آور ہوئے ہیں۔ اگر ہم کفر کے طوفان کو نہ روکیں تو ہم بے غیرت ہیں اور ہم مسلمان نہیں اور اگر اسلام کا دفاع اس انداز سے کریں کہ دشمن کے انتظار میں گھر بیٹھے رہیں اور جب وہ حملہ آور ہو تو اپنے گھر میں اُس کے خلاف لڑیں اور پھر فخر سے کہیں کہ ہم نے دشمن کا حملہ پسپا کر دیا ہے تو یہ ثبوت ہے ہماری بزدلی کا۔ دفاع کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن تمہیں مارنے کے لیے نیام سے تلوار نکالنے لگے تو تمہاری تلوار اُس کی گردن کاٹ چکی ہو۔ وہ کل حملے کے لیے آنے والا ہو تو آج اُس پر حملہ کر دو''۔

''میرے پاس اس کا ایک ہی علاج ہے کہ محترم نورالدین زنگی سے کمک مانگی جائے''۔ علی بن سفیان نے کہا..... ''اور کرک پر حملہ کر دیا جائے''۔

''یہ بھی نقصان دہ ہوگا''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا..... ''زنگی کے پاس اتنی فوج موجود رہنی چاہیے

کہ صلیبی ہمارے عقب پر حملہ کریں تو زنگی اُن کے عقب پر حملہ کر سکے۔ میں مدد مانگنے کا قائل نہیں۔ اس کی بجائے میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ کرک میں چھاپہ مار دستے بھیج کر صلیبیوں کا جینا حرام کیے رکھوں۔ مجھے اُمید ہے کہ ہمارے جاسوس چھاپہ مار صلیبیوں کی جڑیں چوہوں کی طرح کاٹتے رہیں گے، مگر اس کی سزا وہاں کے بے گناہ مسلمان باشندوں کو ملے گی۔ چھاپہ مار تو اپنا کام کر کے اِدھر اُدھر ہو جائیں گے۔ وہ ہر قسم کی سختی اور مصیبت جھیل سکتے ہیں۔ ہمارے نہتے بہن بھائی کچلے جائیں گے۔ البتہ اس تجویز پر غور کرو کہ وہاں سے مسلمان کنبوں کو نکالنے کا کوئی خفیہ انتظام کیا جائے۔ حملے میں کچھ وقت لگے گا۔ ہمیں خاصی بھرتی مل گئی ہے۔ کرک کے جوان بھی آگئے ہیں اور آرہے ہیں''۔

☆

''میں محسوس کرنے لگا ہوں کہ ہمیں یہاں کے باشندوں کے متعلق اپنی پالیسی میں تبدیلی کرنی پڑے گی''۔ صلیبیوں کے محکمۂ جاسوسی اور سراغ رسانی کے سربراہ ہرمن نے کہا۔ قلعہ کرک میں چند ایک صلیبی بادشاہ، اُن کے فوجی کمانڈر اور انتظامیہ کے حکام جمع تھے۔ وہ جوں جوں اپنی ہاری ہوئی فوج کو دیکھ رہے تھے، ان کی عقل پر غصہ اور انتقام غالب آتا جا رہا تھا۔ وہ شکست کو بہت جلدی فتح میں بدلنا چاہتے تھے۔ اُن میں ان کی انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن، واحد آدمی تھا جو ٹھنڈے دِل سے سوچتا اور عقل کی بات کرتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے صلیبی بھائی کرک کے مسلمان باشندوں کے ساتھ کیسا وحشیانہ سلوک کر رہے ہیں۔ اس نے کہا...... ''آپ نے یہی سلوک شوبک کے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انہوں نے وہاں ''مسلمانوں کے کیمپ'' سے اُس مسلمان فوجی کو بھگا دیا جسے ہم نے خطرناک جاسوس سمجھ کر قید میں ڈال دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسے وہاں کے مسلمانوں نے پناہ دی تھی۔ وہ قلعے کے اندرونی حالات اور دفاع کو دیکھ گیا تھا۔ اس کے علاوہ صلاح الدین ایوبی نے ہمارے قلعے کی دیوار جو توڑی تھی، اس میں اندر کے مسلمانوں کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ آپ کے سلوک سے اس قدر تنگ آئے ہوئے تھے کہ انہوں نے جان کی بازی لگا کر مسلمان فوج کی مدد کی اور جب فوج کا ہراول دستہ اندر آیا تو مسلمانوں نے اس کی رہنمائی کی''۔

''اسی لیے ہم کرک کے مسلمانوں کا دم خم توڑ رہے ہیں کہ اُن میں جذبہ اور ہمت ہی نہ رہے''...... ایک صلیبی سالار نے کہا۔

''اس کی بجائے اگر آپ انہیں اپنا دوست بنالیں تو وہ آپ کی مدد کریں گے''۔ ہرمن نے کہا...... ''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں پیار اور محبت سے انہیں اُن کا مذہب تبدیل کیے بغیر صلیب کا گرویدہ بنالوں گا۔ میں انہیں مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑا دوں گا''۔

''تم بھول رہے ہو ہرمن!'' ایک مشہور صلیبی بادشاہ ریمانڈ نے کہا...... ''تم چند ایک مسلمانوں کو لالچ دے کر انہیں غدار بنا سکتے ہو، مگر ہر ایک مسلمان کو اسلامی فوج کے خلاف نہیں کر سکتے۔ پوری قوم غدار نہیں ہو سکی۔ ہرمن! تم ان لوگوں پر اتنا بھروسہ نہ کرو، ہم انہیں دوست نہیں بنانا چاہتے۔ ہم ان کی نسل ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی غیر مسلم کسی مسلمان کے ساتھ محبت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام سے محبت کرتا ہے، جبکہ ہمارا مقصد اسلام کا خاتمہ ہے۔ کرک میں، یروشلم میں، عقرہ اور عدیسہ میں اور جہاں بھی صلیب کی حکمرانی ہے، مسلمانوں کو اس قدر پریشان کرو کہ وہ مر جائیں یا وہ صلیب کے آگے گھٹنے ٹیک دیں''۔

''مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صلاح الدین ایوبی کو باقاعدہ معلوم ہوتا جا رہا ہے''۔ ہرمن نے

کہا..... ''آپ اسے اُکسا رہے ہیں کہ وہ کرک پر جلدی حملہ کرے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ ہماری فوج فوری حملے کے آگے ٹھہرنے کے قابل نہیں''۔

''اس کا حل یہ نہیں کہ ہم مسلمان باشندوں کو سر پر بٹھا لیں''۔ فلپ آگسٹس نے کہا..... ''آپ لوگ مسلمان جنگی قیدیوں کو ابھی تک پال رہے ہیں۔ انہیں قتل کیوں نہیں کر دیتے؟''

''اس لیے کہ ایوبی ہمارے قیدیوں کو قتل کر دے گا''۔ گے آف لوزینان نے جواب دیا..... ''ہمارے پاس مسلمانوں کے کل تین سو اکسٹھ جنگی قیدی ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ہمارے بارہ سو پچھتر قیدی ہیں''۔

''کیا ہم ایک مسلمان کو مارنے کے لیے چار صلیبی نہیں مروا سکتے؟''..... آگسٹس نے کہا..... ''ہمارے وہ قیدی جو صلاح الدین ایوبی کے پاس ہیں، بزدل تھے، وہ لڑنے کی بجائے قید ہوئے۔ وہ زندہ رہنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مر جائیں تو اچھا ہے، تم اطمینان سے مسلمان قیدیوں کو ختم کر دو''۔

''کیا مسلمان باشندوں کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کر کے اور مسلمان جنگی قیدیوں کو قتل کر کے تم صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دو گے؟'' سالار کے عہدے کے ایک صلیبی نے کہا..... ''اس وقت فوج کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی اگر پیش قدمی کر آیا تو اُسے کس طرح روکیں گے اور اُس سے شوبک کا قلعہ واپس کس طرح لیا جا سکتا ہے۔ کرک کے تمام مسلمانوں کو قتل کر دو۔ پھر کیا ہوگا؟ صلاح الدین ایوبی کی طرح تم اپنی نظر میں وسعت کیوں نہیں پیدا کرتے۔ کیا ہرمن بتا سکتا ہے کہ مصر میں اس کی زمین دوز کارروائیاں کیا ہیں اور کامیابی کتنی ہے؟''

''توقع سے زیادہ''۔ ہرمن نے جواب دیا۔ ''علی بن سفان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ شوبک میں ہے۔ میں نے قاہرہ سے اس کی غیر حاضری سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے۔ قاہرہ کے نائب ناظم مصلح الدین کو فاطمیوں نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ مصلح صلاح الدین ایوبی کا معتمدِ خاص ہے، لیکن اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔ فاطمیوں نے در پردہ اپنا ایک خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ وہ قاہرہ کے اندر سے بغاوت اور سوڈانیوں کے حملے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارے فوجی افسر سوڈان کی فوج تیار کر رہے ہیں۔ قاہرہ میں صلاح الدین ایوبی جو فوج چھوڑ آیا ہے، اس کے دو نائب سالار ہمارے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں، اُدھر سے سوڈانی حملہ کریں گے۔ قاہرہ میں بغاوت ہوگی اور فاطمی اپنی خلافت کا اعلان کر دیں گے''۔

''تم لوگ یہ بھول رہے ہو کہ صلاح الدین ایوبی اس قدر تیز آدمی ہے کہ کرک پر حملہ ملتوی کر کے قاہرہ پہنچ جائے گا''۔ ریمانڈ نے کہا..... ''اُسے یہیں رہنے پر مجبور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے یہیں اُلجھا لیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کا راستہ روک لیا جائے اور اس کا ایک بھی سپاہی قاہرہ تک نہ پہنچ سکے''۔

''مجھے سو فیصد اُمید ہے کہ قاہرہ میں جو اس کی فوج ہے، وہ اس کے کام نہیں آ سکے گی''۔ ہرمن نے کہا..... ''میرے آدمیوں نے فوج میں اس قسم کے شکوک پیدا کر دیے ہیں کہ انہیں قاہرہ میں پیچھے چھوڑ کر مالِ غنیمت سے محروم کر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ شوبک کی سینکڑوں عیسائی لڑکیاں صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ آئی ہیں جو اُس نے وہاں فوج کے حوالے کر دی ہیں۔ میری کامیابی یہ ہے کہ میں نے مسلمان فوجی حکام کے ہی منہ میں یہ افواہیں ڈال کر اُن کی فوج میں پھیلائی ہیں۔ میں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ قاہرہ کی تمام فوج سوڈانیوں کا ساتھ دے گی اور صلاح الدین ایوبی کو بغاوت فرو کرنے کے لیے یہاں سے تمام فوج لے جانی پڑے گی، مگر یہ فوج اُس وقت وہاں پہنچے گی جب قاہرہ ایک بار پھر فاطمی خلافت کی گدی بن چکا ہوگا اور وہاں سوڈان کی فوج قابض ہوگی۔ ضروری نہیں کہ ہم یہاں صلاح الدین ایوبی پر

حملہ کریں اور اُسے روکیں۔ ہم اُسے بھٹکنے کے لیے کھلا چھوڑ دیں گے۔ ہم اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں مروائیں گے''۔
ہرمن نے زور دے کر کہا...... ''آپ ابھی تک مسلمان کی نفسیات نہیں سمجھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میری بعض کارگر باتیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مسلمان اگر فوجی ہو اور اس کے دماغ میں ٹریننگ کے دوران یہ بٹھا دیا جائے کہ وہ ملک اور قوم کا محافظ ہے تو وہ ملک اور قوم کی خاطر جان قربان کر دیتا ہے۔ دُنیا کی بادشاہی اس کے قدموں میں رکھ دو، وہ سپاہی رہنا پسند کرے گا، قوم سے غداری نہیں کرے گا۔ اگر اسی فوجی میں جنسی لذت، شراب نوشی اور عہدوں کی خواہش پیدا کر دو تو وہ اپنا مذہب بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ہم نے جن مسلمان فوجی حکام کو اپنے ساتھ ملایا ہے، اُن میں یہی خامیاں پیدا کی تھیں اور کر رہے ہیں......
''مگر فوجی کو غدار بنانا اتنا آسان نہیں جتنا انتظامیہ کے حکام کو اپنے ہاتھ میں لینا آسان ہے۔'' ہرمن نے کہا...... ''انتظامیہ کے ہر حاکم میں امراء اور وزراء کی صف میں آنے کی شدید خواہش ہوتی ہے۔ ان لوگوں پر بادشاہ بننے کا خبط سوار ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ دیکھیں۔ ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بعد یہ لوگ خلافت پر ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ ان کے جرنیلوں نے نہایت دیانت داری سے اپنا کام جاری رکھا۔ وہ دوسرے ملکوں کو تہ تیغ کرتے رہے اور اسلامی سلطنت کو وسیع کرنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن اُن کے خلیفوں نے جہاں دیکھا کہ فلاں جرنیل ایسا مقبول ہو گیا ہے کہ اس کی فتوحات کی بدولت قوم اُسے خلیفہ سے زیادہ مقام دینے لگی ہے تو خلیفہ اور اُس کے حواریوں نے اس جرنیل کو غلط احکام دے کر اُسے ذلیل اور رُسوا کر دیا۔ خود خلیفہ کی گدی مخالفین سے محفوظ نہ رہی۔ مخالفین کی نگاہ اسلامی سلطنت کی وسعت سے ہٹ کر خلافت کے حصول پر مرکوز ہو گئی۔ جرنیل ہارتے چلے گئے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم عرب میں بیٹھے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی انہی جرنیلوں میں سے ہے جو سلطنت کو اُنہی سرحدوں تک لے جانا چاہتا ہے جہاں تک یہ پہلے جرنیلوں نے پہنچائی تھیں۔ اس شخص میں خوبی یہ ہے کہ وہ انتظامیہ اور خلافت کی پروا نہیں کرتا۔ اس نے مصر کی خلافت کو اپنے ارادوں کے سامنے رکاوٹ بنتے دیکھا تو خلیفہ کو ہی معزول کر دیا۔ یہ دلیرانہ قدم اس نے فوجی طاقت اور اپنی فہم و فراست کے بل بوتے پر اُٹھایا ہے''۔

ہرمن بولتا جا رہا تھا۔ تمام حکمران اور صلیبی کمانڈر انہماک سے سُن رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا...... ''صلاح الدین ایوبی اپنی قوم کی اس کمزوری کو سمجھ گیا ہے کہ غیر فوجی قیادت گدی کی خواہش مند ہے اور یہ خواہش ایسی ہے کہ جوزن اور زر پرستی اور شراب نوشی جیسی عادتیں پیدا کرتی ہے۔ ہم نے صرف اُن فوجی افسروں کو ہاتھ میں لیا ہے جو اقتدار کے خواہش مند ہیں۔ اسی لیے ہم زیادہ تر اثر انتظامیہ کے سربراہوں پر ڈال رہے ہیں۔ فوج کو کمزور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے لوگوں کی نظروں میں رسوا کر دیا جائے۔ یہ کام میرا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ آپ شاید میری تائید نہ کریں، لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ صلاح الدین ایوبی کو میدانِ جنگ میں آسانی سے شکست نہیں دے سکتے۔ وہ صرف لڑنے کے لیے نہیں لڑتا۔ اس کے عزم کی بنیاد ایک ایسے منصوبے پر ہے جسے اس کی ساری فوج سمجھتی ہے۔ اس کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خلیفہ سے یا غیر فوجی قیادت سے حکم نہیں لیتا۔ وہ کٹر مسلمان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں خُدا اور قرآن پاک سے حکم لیتا ہوں۔ میرے جو جاسوس بغداد میں ہیں، انہوں نے اطلاع دی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے نورالدین زنگی کو ساتھ ملا کر یہاں سے انقلابی تجاویز بھیجی ہیں جن پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ امیر العلماء سے یہ فتویٰ صادر کرایا گیا ہے کہ خلافت صرف ایک ہی ہو گی اور یہ بغداد کی خلافت ہو گی۔ یہ خلافت دوسرے ممالک کے متعلق احکام نافذ کرنے اور سمجھوتوں کی بات چیت کرنے سے پہلے اعلیٰ فوجی قیادت سے منظوری لے گی۔ جنگی امور فوجی حکام کے ہاتھ میں ہوں

گے۔خلیفہ دور دراز علاقوں میں لڑنے والے جرنیلوں کو کوئی حکم نہیں بھیج سکتا۔تیسرے یہ کہ خلیفہ کا نام خطبے میں نہیں لیا جائے گا اور خلافت کا اثر ورسوخ ختم کرنے کے لیے صلاح الدین ایوبی نے حکم جاری کرا دیا ہے کہ خلیفہ یا اس کے نائب یا کوئی قلعہ دار وغیرہ جب دورے وغیرہ کے لیے باہر نکلیں گے تو لوگوں کو راستے میں کھڑے ہونے ،نعرے لگانے اور سلام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

''صلاح الدین ایوبی نے سب سے اہم کام یہ کیا ہے کہ سُنّی شیعہ تفرقہ مٹا دیا ہے''۔ ہرمن نے کہا..... ''اُس نے شیعوں کو فوج اور انتظامیہ میں پوری نمائندگی دے دی ہے اور نہایت پُر اثر طریقوں سے شیعہ علماء کو قائل کر لیا ہے کہ وہ ایسی رسمیں ترک کر دیں جو اسلام کے منافی ہیں..... صلاح الدین ایوبی کے یہ انقلابی اقدامات ہمارے لیے نقصان دہ ہیں۔ہم مسلمانوں کی انہی خامیوں کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے جو در اصل جاری ہے کہ مسلمانوں کی انتظامی قیادت کو صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف کیا جائے''۔

''صرف آج نہیں، ہمیشہ کے لیے''۔فلپ آگسٹس جو مسلمانوں کا کٹر دشمن تھا بولا۔''ہماری عداوت صرف صلاح الدین ایوبی سے نہیں۔ ہماری جنگ اسلام کے خلاف ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایوبی مر جائے تو یہ قوم کوئی دوسرا ایوبی پیدا نہ کر سکے۔اس قوم کو عقیدوں ،غلط اور بے بنیاد عقیدوں کے ہتھیاروں سے مارو۔ان میں بادشاہ بننے کا جنون طاری کر دو۔انہیں عیاش بنا دو اور ایسی روایات پیدا کر دو کہ یہ لوگ خلافت کی گدی پر آپس میں لڑتے رہیں، پھر اس خلافت کو اس کی فوج پر سوار کر دو۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ قوم ایک نہ ایک دن صلیب کی غلام ہو جائے گی۔اس کا تمدن اور اس کا مذہب صلیب کے رنگ میں رنگا ہوا ہوگا۔ وہ بادشاہی اور خلافت کے حصول کے لیے آپس میں دست و گریبان ہوں گے اور اپنے مخالفین کو دبانے کے لیے ہم سے مدد مانگیں گے۔اُس وقت ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہوگا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی کہ میں نے جو پیشین گوئی کی ہے، وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی ہے۔اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے یہودی تمہیں اپنی لڑکیاں پیش کر رہے ہیں، انہیں استعمال کرو۔یہودیوں کو صرف اس لیے اپنا دشمن سمجھو کہ وہ یروشلم کو اپنا مقدس شہر اور فلسطین کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔انہیں کہو کہ فلسطین تمہارا ہے۔آخر میں یہ خطہ ہم تم کو ہی دیں گے، ابھی ہمارا ساتھ دو، لیکن یہ احتیاط ضرور کرنا کہ یہودی بہت چالاک قوم ہے۔اُسے جب تمہاری طرف سے خطرہ نظر آیا تو تمہارے ہی خلاف ہو جائے گی۔اس کی دولت اور اس کی لڑکیاں استعمال کرو اور اس کے عوض انہیں فلسطین پیش کرو''۔

☆

قلعہ شوبک اور قلعہ کرک سے بہت دور ایک ایسا وسیع خطہ تھا جو مٹی، ریت اور سلوں کی پہاڑیوں اور اونچی نیچی چٹانوں میں گھرا ہوا تھا۔ یہ خطہ کم و بیش ڈیڑھ ایک میل وسیع اور چوڑا تھا۔اس میں بہت سا علاقہ ریتلا میدانی تھا اور اس میں کھڈ بھی تھے اور کم اونچی ٹیکریاں بھی۔ جب صلیبی حکمران اور کمانڈر اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنا رہے تھے اور نہایت پُر کشش اور خطرناک طریقے وضع کر رہے تھے، صحرا کا یہ خطہ میدانِ جنگ بنا ہوا تھا۔ ہزاروں پیادہ عسکری، گھوڑ سوار اور شتر سوار بھاگ دوڑ رہے تھے۔تلواریں اور برچھیوں کی انیاں چمک رہی تھیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ سے گرد گھیرے بادلوں کی طرح آسمان کی طرف اُٹھ رہی تھی۔اس گرد میں برچھیاں بھی اُڑ رہی تھیں، تیر بھی۔ پیادہ سپاہی گھوڑوں سے آگے نکل جانے کی رفتار سے دوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ایک پہاڑی کے دامن میں آگ کے شعلے اُڑتے اور پہاڑی سے ٹکرا کر بھڑکتے اور بجھ جاتے تھے۔شور و غل آسمان کو ہلا رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ایک بلند چٹان پر کھڑا یہ نظارہ انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت دیر سے اس میدان کے اردگرد کی چٹانوں پر گھوم رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو نائب تھے۔

"میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ جس رفتار سے سکھلائی ہو رہی ہے۔ نئے سپاہی چند دنوں میں تجربہ کار ہو جائیں گے"۔ ایک نائب نے کہا۔ "آپ نے جن سواروں کو وہ اتنا چوڑا کھڈ پھلانگتے ہوئے دیکھا تھا، وہ سب کرک سے آئے ہوئے سوار ہیں۔ میں انہیں اناڑی سمجھتا تھا، تیراندازوں کا معیار بھی اچھا ہو رہا ہے"۔

میدانِ جنگ کا یہ منظر دراصل ٹریننگ تھی، جس کے متعلق صلاح الدین ایوبی نے بڑے سخت احکام جاری کیے تھے۔ اِردگرد سے بہت سے جوان فوج میں بھرتی کیے گئے تھے اور کرک سے بھی بہت سے مسلمان چوری چھپے نکل آئے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا کمال تھا کہ کرک سے بھی جوان حاصل کر لیے تھے۔ شوبک کے وہ مسلمان جنہوں نے صلیبیوں کا ظلم وتشدد برداشت کیا تھا، جوش وخروش سے صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ ان کی ٹریننگ کا انتظام وہیں کر دیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، اس میں ذاتی دلچسپی لے رہا تھا۔ اُسے اُس کے نائب یقین دلا رہے تھے کہ وہ نئی بھرتی کو تھوڑے سے عرصے میں پختہ کار بنا دیں گے۔

"سپاہی صرف ہتھیاروں کے استعمال اور جسمانی پھرتی سے تجربہ کار نہیں بن سکتا"۔ سلطان ایوبی نے کہا...... عقل اور جذبے کا استعمال ضروری ہے۔ مجھے ایسی فوج کی ضرورت نہیں جو اندھا دُھند دشمن پر چڑھ دوڑے اور صرف ہلاک کرے۔ مجھے ایسی فوج چاہیے، جسے معلوم ہو کہ اس کا دشمن کون ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں۔ میری فوج کو علم ہونا چاہیے کہ یہ خدا کی فوج ہے اور خدا کی راہ میں لڑ رہی ہے۔ جوش وخروش، جو میں دیکھ رہا ہوں، بہت ضروری ہے مگر مقصد واضح نہ ہو، اپنی حیثیت واضح نہ ہو تو یہ جوش جلدی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ انہیں بتاؤ اور ذہن نشین کراؤ کہ ہم فلسطین کیوں لینا چاہتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ غداری کتنا بڑا جرم ہے۔ انہیں سمجھاؤ کہ تم صرف فلسطین کے لیے نہیں، بلکہ اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لیے لڑ رہے ہو اور تم آنے والی نسلوں کے وقار کے لیے لڑ رہے ہو۔ عملی سکھلائی کے بعد انہیں وعظ دو اور ان پر ان کی قومی عظمت واضح کرو"۔

"ہر شام انہیں وعظ دیئے جاتے ہیں، سالارِ اعظم!" ایک نائب نے کہا...... "ہم انہیں صرف درندے اور وحشی نہیں بنا رہے"۔

"اور یہ خیال رکھو کہ ان کے دلوں میں قوم کی وہ بیٹیاں نقش کر دو جو کفار کے ہاتھوں اغوا اور بے آبرو ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا...... "انہیں قرآن پاک کے وہ ورق یاد دلاتے رہنا، جنہیں صلیبیوں نے پاؤں تلے مسلا تھا اور انہیں وہ مسجدیں یاد دِلاتے رہنا، جن میں کفار نے گھوڑے اور مویشی باندھے تھے اور باندھ رہے ہیں۔ بیٹی کی عزت اور مسجد کا احترام مسلمان کی عظمت کے نشان ہوتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ جس روز تم عصمت اور مسجد کو ذہن سے اُتار دو گے، اُس روز تم اپنے لیے اس دُنیا کو جہنم بنا لو گے اور آخرت میں جو عذاب ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے"۔

پہاڑیوں پر جو دو دو چار چار سپاہی گھوم پھر رہے تھے، وہ پہرہ دار تھے۔ صلیبیوں کے جوابی حملے کا خطرہ موجود تھا۔ دور آگے تک فوج موجود تھی، پھر بھی ٹریننگ کے اس علاقے کے گرد پہرے کی ضرورت تھی۔ ان پہرہ داروں میں سے دو ایک چوٹی پر جا رہے تھے، وہ رُک گئے۔ انہیں نیچے ایک ٹیکری پر صلاح الدین ایوبی کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اُن کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ فاصلہ دو اڑھائی سو گز تھا۔ ایک پہرہ دار نے کہا...... "کم بخت کی پوری پیٹھ ہمارے سامنے ہے، اگر یہاں سے تیر چلاؤں تو اس کے دل کے پار کر سکتا ہوں۔ کیا خیال ہے؟"

"پھر بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟" اس کے ساتھی نے پوچھا۔
"ہاں!" دوسرے نے کہا...... "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر یہ لوگ ہمیں پکڑ کر جان سے مار ڈالیں تو کوئی بات نہیں۔ وہ زندہ پکڑ کر ایسے شکنجے میں جکڑیں گے کہ ہمیں اپنے تمام ساتھیوں کے نام بتانے پڑیں گے"۔
"یہ کام اس کے محافظوں کو کرنے دو"۔ اس کے ساتھی نے کہا...... "اگر صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنا اتنا آسان ہوتا تو یہ اب تک زندہ نہ ہوتا"۔
"یہ کام اب ہو جانا چاہیے"۔ دوسرے نے کہا...... "سنا ہے فاطمی کہتے ہیں کہ تم کچھ کیے بغیر ہم سے منہ مانگی رقم لیتے جا رہے ہو"۔
"مجھے اُمید ہے کہ یہ کام جلدی ہو جائے گا"۔ اس کے ساتھی نے کہا...... "سنا تھا کہ حشیشین بہت دلیر ہیں۔ قتل کرنے کے لیے جان پر کھیل جاتے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے کچھ کر کے تو نہیں دکھایا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ایوبی کے محافظ دستے میں تین حشیشین ہیں۔ یہ تو ان کا کمال ہے کہ محافظ دستے تک پہنچ گئے ہیں اور کسی کو اُن کی اصلیت کا علم نہیں ہوا، مگر وہ قتل کب کریں گے؟ کم بخت ڈرتے ہیں"۔
وہ باتیں کرتے آگے چلے گئے۔

☆

مورخین لکھتے ہیں کہ مصر سے صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری سے وہاں مخالفین کی زمین دوز سرگرمیاں اُبھر آئیں تو صورتِ حال ایسی پیدا کر دی گئی جسے صرف معجزہ سنبھال سکتا تھا۔ یہ ایک سازش تھی جو فاطمی خلافت کی معزولی اور تخریب کاروں کی گرفتاری کے بعد بظاہر دب گئی تھی، لیکن راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح دہکتی رہی تھی۔ اس کی پشت پناہی کرنے والے صلیبی تھے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے وہ مسلمان زُعما تھے جن پر سلطان ایوبی کو بھروسہ تھا۔ صلیبیوں نے یہودی لڑکیاں حاصل کر لی تھیں جو عرب اور مصر کی زبان روانی سے بولتی اور اپنے آپ کو ہر رنگ میں ڈھال سکتی تھیں۔ مصر کی انتظامیہ کے متعدد حکام اقتدار میں حصے کے یا کُلی طور پر خودمختاری کے خواہش مند تھے۔ ان میں قومی وقار اور جذبہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ حرموں کے بادشاہ تھے۔ ان لوگوں کو آلۂ کار بنانے والوں میں فاطمیوں نے دانش مندی کا ثبوت دیا اور انہوں نے حسن بن صباح کے حشیشین کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔
اُس وقت کے وقائع نگاروں نے جن میں اسد الاسدی، ابن الاثیر، ابی الضرا اور ابن الجوزی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ صلیبیوں نے سوڈانیوں کو مدد دے کر انہیں مصر پر حملے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ مصر میں جو تھوڑی سی فوج تھی، وہ بغاوت کے لیے تیار کر دی گئی تھی۔ صلاح الدین ایوبی کے حامی سخت پریشان تھے کہ وہ قبل از وقت نہ پہنچا تو مصر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ان وقائع نگاروں اور دو اور گمنام کاتبوں کی غیر مطبوعہ تحریروں سے ایک کہانی کی کڑیاں ملتی ہیں۔ ان میں قاہرہ کے محکمۂ مالیات کے ایک بڑے ناظم خضر الحیات کا ذکر ملتا ہے۔ وہ خزانے کا بھی ذمہ دار تھا۔ دوسرے علاقوں کی جزیے اور تاوان وغیرہ کی رقمیں، زکوٰۃ، سزا کے طور پر وصول ہونے والے جرمانے، عطیات اور نظامتِ مصر کا تمام تر حساب کتاب اور پیسہ مالیات کے محکمے میں آتا اور خرچ ہوتا تھا۔ یہ بڑا ہی اہم اور نازک محکمہ تھا۔ اس کے ناظم کا قابلِ اعتماد ہونا بہت ضروری تھا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی خوش نصیبی تھی کہ ناظم خضر الحیات دین دار مسلمان تھا۔
ایک رات وہ باہر سے آیا۔ گھر میں داخل ہوا تو اندھیرے کو چیرتا ہوا ایک تیر آیا جو خضر الحیات کی پیٹھ میں اُتر اور

دل تک پہنچا۔ اُس کی کربناک آواز سُن کر ملازم باہر آیا، پھر گھر کے افراد باہر آئے۔ مشعل کی روشنی میں خضر کو اوندھے منہ پڑے دیکھا۔ اتفاق سے کسی نے دیکھ لیا کہ خضر کے دائیں ہاتھ کی انگلی زمین پر تھی اور مٹی پر اس انگلی سے اس نے کچھ لکھا تھا، وہ مر چکا تھا۔ زمین پر اس نے انگلی سے لکھا تھا...... ''مصلح''...... ''ح'' پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس حرف کی گولائی کے نصف میں جا کر اس کی جان نکل گئی ہوگی۔ لاش اُٹھالی گئی اور اس لفظ کو محفوظ رکھا گیا۔ ایک آدمی کو کوتوال غیاث بلبیس کو بلانے دوڑا دیا گیا۔ یہی کہا جا سکتا تھا کہ خضر نے مرتے مرتے مٹی پر اپنے قاتل کا نام لکھا ہے۔ غیاث بلبیس کوتوال بھی تھا اور مصر کی تمام تر پولیس کا حاکمِ اعلیٰ بھی۔ یہ بھی صلاح الدین ایوبی کا قابلِ اعتماد حاکم تھا۔ علی بن سفیان کی طرح شہری جرائم کا ماہر سراغ رساں تھا۔

بلبیس نے آتے ہی زمین پر لکھے ہوئے لفظ ''مصلح'' کو غور سے دیکھا۔ اتنے میں شہر کا نائب ناظم مصلح الدین خضر کے قتل کی خبر سن کر آ گیا۔ بلبیس نے اُسے دیکھتے ہی زمین پر پاؤں رگڑ کر ''مصلح'' کا لفظ مٹا دیا۔ مصلح الدین چونکہ شہر کا نائب تھا۔ اس لیے کوتوالی کا محکمہ اس کے ماتحت تھا۔ اس نے بلبیس کو حکم کے لہجے میں کہا...... ''قاتل کا سراغ صبح سے پہلے مل جانا چاہیے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا''...... بلبیس نے اسے یقین دلایا کہ قاتل کو جلدی پکڑ لیا جائے گا۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ رات کو ہی بلبیس نے خضر الحیات کے نائب معاون اور اس کے دفتر میں اُن افراد کو بلا لیا جو مقتول کے قریب رہتے تھے اور بتا سکتے تھے کہ قتل کے روز ان کی سرگرمیاں کیا رہیں۔ ان لوگوں سے اُسے پتا چلا کہ آج شہری انتظامیہ کے حکامِ اعلیٰ کا ایک اجلاس تھا جس میں فوج کا کوئی نمائندہ نہیں تھا۔ خضر کا نائب اس کی مدد کے لیے اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس میں مالیات کے سلسلے میں فوج کے اخراجات زیرِ بحث آئے تو خضر نے کہا کہ مصر میں بعض اخراجات روکنے پڑیں گے، کیونکہ امیرِ مصر، صلاح الدین ایوبی نے شوبک میں بہت سی فوج بھرتی کی ہے جس کے لیے کثیر رقم کی ضرورت ہے۔

نائب ناظم مصلح الدین نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ فوج کے اخراجات غیر ضروری ہیں۔ مزید فوج بھرتی کرنے کے بجائے ہمیں توجہ اس فوج کے مسائل کی طرف دینی چاہیے جو پہلے ہی ہمارے لیے ایک مہنگا مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ مصر میں جو فوج ہے، اس میں بے اطمینانی اور بدامنی پائی جاتی ہے۔ شوبک سے جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا ہے، اس میں سے اس فوج کے لیے کوئی حصہ نہیں بھیجا گیا۔ خضر الحیات نے کہا...... ''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیرِ مصر نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے کی بدعت ختم کر دی ہے؟ یہ نہایت اچھا فیصلہ ہے۔ مالِ غنیمت کے لالچ سے لڑنے والی فوج کا کوئی قومی جذبہ اور مذہبی نظریہ نہیں ہوتا''۔

اس مسئلے پر بحث تُرش کلامی میں بدل گئی۔ مصلح الدین نے یہاں تک کہہ دیا کہ امیرِ مصر مصری سپاہیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کر رہا، جتنا شامی اور تُرک سپاہیوں کے ساتھ کرتا ہے۔ اُس نے غصے میں کچھ اور نار وا باتیں کہہ دیں، جن کے جواب میں خضر نے کہا...... ''مصلح! تمہاری زبان سے صلیبی اور فاطمی بول رہے ہیں''...... اس پر اجلاس ہنگامے کی صورت اختیار کر لیا اور برخاست ہو گیا۔ خضر الحیات کے معاون اور نائب نے بتایا کہ اجلاس کے بعد مصلح الدین خضر الحیات کے دفتر میں آیا، وہاں پھر ان میں گرما گرمی ہوئی۔ مصلح الدین خضر کو اس پر قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مصری فوج مطمئن نہیں۔ اُس نے پھر وہی باتیں دہرائیں جو اس نے اجلاس میں کہی تھیں۔ خضر الحیات نے کہا...... ''اگر ایسا ہی ہے تو میں یہ مسئلہ تمہاری طرف سے امیرِ مصر کے آگے رکھ دوں گا، لیکن میں یہ ضرور لکھوں گا کہ تم نے اجلاس میں تمام شرکاء کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ امیرِ مصر فوج میں امتیازی سلوک کر رہا ہے اور میں یہ بھی لکھوں گا کہ تم نے ہمیں یہ یقین دلانے کی بھی کوشش کی کہ صلاح الدین ایوبی نے شوبک کا مالِ غنیمت شامیوں اور تُرکوں میں تقسیم کر دیا ہے اور میں یہ

رائے ضرور دوں گا کہ تم نے جو الزامات عائد کیے ہیں، انہیں سچ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے اور فوج میں جو افواہیں دشمن پھیلا رہا ہے، ان کے متعلق تم نے کہا ہے کہ یہ افواہیں نہیں، بلکہ سچ ہے''۔

خضر الحیات کے نائب نے بیان دیا کہ مصلح الدین جب خضر کے کمرے سے نکلا تو اس کے منہ سے یہ الفاظ سُنے گئے تھے..... ''اگر تم زندہ رہے تو سب کچھ لکھ کر صلاح الدین ایوبی کے آگے رکھ دینا''۔

غیاث بلبیس نے فوری طور پر مصلح الدین سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک تو اس کی حیثیت بہت اونچی تھی اور دوسرے یہ کہ بلبیس اُس کے خلاف مزید شہادت جمع کرنا چاہتا تھا۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ اگر اُس نے مصلح الدین پر بغیر ٹھوس شہادت کے ہاتھ ڈالا تو یہ اقدام اس کے اپنے لیے مصیبت بن جائے گا، اگر صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں موجود ہوتا تو بلبیس اس کی پشت پناہی حاصل کر لیتا۔ وہ اتنا سمجھ گیا تھا کہ یہ قتل ذاتی رنجش کا نتیجہ نہیں۔ خضر الحیات ذاتی رنجش رکھنے والا حاکم نہیں تھا۔ رات کو اُس نے چند ایک لوگوں کے دروازے کھٹکھٹائے اور تفتیش میں لگا رہا۔ اپنے خفیہ آدمیوں کو بھی سرگرم کر دیا، لیکن اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

☆

بعد کی شہادتوں اور واقعات سے جو واردات سامنے آئی، وہ کچھ اس طرح بنتی ہے کہ قتل کی رات سے اگلی رات مصلح الدین اپنے گھر گیا تو پہلی بیوی نے اُسے کمرے میں بلایا۔ اُس نے بیس اشرفیاں مصلح الدین کے آگے کرتے ہوئے کہا..... ''خضر الحیات کا قاتل یہ بیس اشرفیاں واپس کر گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ تم نے پچاس اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے کہے تھے۔ میں نے تمہارا کام کر دیا تو تم نے صرف بیس اشرفیاں بھیجی ہیں۔ یہ میں تمہاری بیوی کو واپس دے چلا ہوں۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ اب ایک سو اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے لوں گا، اگر دو دِن تک مال نہ پہنچا تو ویسا ہی تیر جو خضر کے دِل میں اُترا ہے، تمہارے بھی دِل میں اُتر جائے گا''۔

مصلح الدین کا رنگ اُڑ گیا، سنبھل کر بولا..... ''تم کیا کہہ رہی ہو؟ کون تھا وہ؟ میں نے کسی کو خضر الحیات کے قتل کے لیے یہ رقم نہیں دی تھی؟''

''تم خضر کے قاتل ہو''۔ بیوی نے کہا..... ''مجھے معلوم نہیں کہ قتل کی وجہ کیا ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ تم نے اُسے قتل کرایا ہے''۔

یہ مصلح الدین کی پہلی بیوی تھی۔ اُس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بمشکل تیس سال کی ہو گی۔ خاصی خوب صورت عورت تھی۔ کوئی ایک ماہ قبل وہ گھر میں ایک غیر معمولی طور پر خوب صورت اور جوان لڑکی لے آیا تھا۔ ایک خاوند کے لیے بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اُس زمانے میں زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ کوئی بیوی دوسری بیویوں سے حسد نہیں کرتی تھی، مگر مصلح الدین نے پہلی بیوی کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ جب سے نئی بیوی آئی تھی اُس نے پہلی بیوی کے کمرے میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا..... بیوی نے اُسے کئی بار بلایا تو بھی وہ نہ گیا۔ بیوی کے اندر انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ آدمی جو اُسے بیس اشرفیاں دے گیا تھا۔ غالباً مصلح الدین سے بڑا ہی سنگین انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے اس کی پہلی بیوی کو بتا دیا تھا کہ خضر الحیات کو مصلح الدین نے قتل کرایا ہے۔

''تم اپنی زبان بند رکھنا''۔ مصلح الدین نے بیوی کو بارعب لہجے میں کہا..... ''یہ میرے کسی دشمن کی چال ہے۔ وہ میرے اور تمہارے درمیان دشمنی پیدا کرنا چاہتا ہے''۔

''تمہارے دِل میں میری دشمنی کے سوا اور رہا ہی کیا ہے؟''...... بیوی نے پوچھا۔

''میرے دِل میں تمہاری پہلے روز والی محبت ہے۔'' مصلح الدین نے کہا...... ''کیا تم اس آدمی کو پہچانتی ہو؟''

''اُس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا'' ۔ بیوی نے کہا...... ''مگر تمہارا نقاب اُتر گیا ہے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے'' ...... مصلح الدین نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر بیوی نے اُسے بولنے نہ دیا۔ اُس نے کہا...... ''مجھے شک ہے تم نے بیت المال کی رقم ہضم کی ہے، جس کا علم خضر الحیات کو ہو گیا تھا۔ تم نے کرائے کے قاتل سے اُسے راستے سے ہٹا دیا ہے''۔

''مجھ پر جھوٹے الزام عائد نہ کرو'' ...... مصلح الدین نے کہا...... ''مجھے رقم ہضم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''تمہیں نہیں، اُس فرنگن کو رقم کی ضرورت ہے، جسے تم نے نکاح کے بغیر گھر رکھا ہوا ہے'' ۔ بیوی نے جل کر کہا...... ''تمہیں شراب کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ اگر یہ الزام جھوٹا ہے تو بتاؤ کہ یہ چار گھوڑوں کی بگھی کہاں سے آئی ہے؟ گھر میں آئے دن ناچنے والیاں جو آتی ہیں، وہ کیا مفت آتی ہیں؟ شراب کی جو دعوتیں دی جاتی ہیں، اُن کے لیے رقم کہاں سے آتی ہے؟''

''خدا کے لیے چپ ہو جاؤ'' ۔ مصلح الدین نے غصے اور پیار کے ملے جلے لہجے میں کہا...... ''مجھے معلوم کر لینے دو، وہ آدمی کون تھا جو یہ خطرناک چال چل گیا ہے۔ اصل حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی''۔

''میں اب چپ نہیں رہ سکوں گی'' ۔ بیوی نے کہا...... ''تم نے میرا سینہ انتقام سے بھر دیا ہے۔ میں سارے مصر کو بتاؤں گی کہ میرا خاوند قاتل ہے۔ ایک مومن کا قاتل ہے۔ تم میری محبت کے قاتل ہو۔ اس قتل کا انتقام لُوں گی''۔

مصلح الدین منت سماجت کر کے اُسے چپ کرانے لگا اور اُسے قائل کر لیا کہ وہ صرف دو روز چپ رہے، تاکہ وہ اس آدمی کو تلاش کر کے ثابت کر سکے کہ وہ قاتل نہیں ہے۔ اُس نے بیوی کو یہ بھی بتایا کہ غیاث بلبیس نے چند ایک مشتبہ افراد پکڑ لیے ہیں اور قاتل بہت جلدی پکڑا جائے گا۔

رات گزر گئی۔ اگلا دِن بھی گزر گیا۔ مصلح الدین گھر سے غائب رہا۔ اس کی دوسری بیوی یا داشتہ بھی کہیں نظر نہ آئی۔ شام کے بعد مصلح الدین گھر آیا اور پہلی بیوی کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ پیار اور محبت کی باتیں کرتا رہا۔ بیوی اُس کے فریب میں نہیں آنا چاہتی تھی، مگر پیار کے دھوکے میں آ گئی۔ مصلح الدین نے اُسے کہا کہ وہ اس آدمی ڈھونڈ رہا ہے، جو بیس اشرفیاں دے گیا تھا...... کچھ دیر بعد بیوی سو گئی۔ اُس رات مصلح الدین نے ملازموں کو چھٹی دے دی تھی۔ گھر میں ایسی خاموشی تھی جو پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مصلح الدین بہت دیر سوئی ہوئی بیوی کے کمرے میں رہا، پھر اُٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

آدھی رات کا عمل ہو گا۔ ایک آدمی اس گھر کی باہر والی دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک آدمی اُس کے کندھوں پر چڑھ گیا۔ تیسرا آدمی ان دونوں کو سیڑھی بنا کر اوپر گیا اور دیوار سے لٹک کر اندر کی طرف کود گیا۔ اس نے اندر سے بڑا دروازہ کھول دیا۔ اس کے دونوں ساتھی اندر آ گئے۔ اس گھر میں رکھوالی والا کُتا ہر رات کھلا رہتا تھا، اس رات وہ بھی ڈربے میں بند تھا۔ شاید ملازم جاتے ہوئے بھول گئے تھے کہ اُسے کھلا رہنا ہے۔ تینوں آدمی برآمدے میں چلے گئے۔ اندھیرا گہرا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتے گئے۔ گھپ اندھیرے میں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ایک نے اُس کمرے کے دروازے پر جا ہاتھ رکھا، جس میں مصلح الدین کی پہلی بیوی جسے وہ فاطمہ کے نام سے بلایا کرتا تھا، سوئی ہوئی تھی۔ کواڑ کھل گیا۔ کمرہ تاریک تھا۔ تینوں آدمی اندر گئے اور اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے فاطمہ کے پلنگ تک پہنچ گئے۔ ایک آدمی کا ہاتھ فاطمہ کے منہ پر لگا تو اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھی کہ مصلح الدین کا ہاتھ ہے۔ اس نے ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا...... ''کہاں جا

رہے ہیں آپ؟"

اس کے جواب میں ایک آدمی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ کر اس کا کچھ حصہ اُس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ فوراً بعد تینوں نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ایک نے منہ پر ایک اور کپڑا کس کر باندھ دیا۔ ایک نے ایک بوری کی طرح کا تھیلا کھولا۔ دوسرے دو آدمیوں نے فاطمہ کو دُہرا کر کے رسیوں سے اُس کے ہاتھ اور پاؤں باندھے اور اُسے تھیلے میں ڈال کر تھیلے کا منہ بند کر دیا۔ انہوں نے تھیلا اُٹھایا اور باہر نکل گئے۔ بڑے دروازے سے بھی نکل گئے۔ گھر میں کوئی مرد ملازم نہیں تھا۔ خادمائیں بھی اس رات چھٹی پر تھیں۔ تھوڑی دور ایک درخت کے ساتھ تین گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ تینوں آدمی گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ایک نے تھیلا اپنے آگے رکھ لیا۔ تینوں گھوڑے قاہرہ سے نکل گئے اور سکندریہ کا رُخ کر لیا۔

صبح ملازم آ گئے۔ مصلح الدین نے فاطمہ کے متعلق پوچھا، دو خادماؤں نے اسے تلاش کر کے بتایا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔ بہت دیر تک جب اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو مصلح الدین ایک خادمہ کو الگ لے گیا۔ بہت دیر تک اُس کے ساتھ باتیں کرتا رہا، پھر اُسے ساتھ لیے غیاث بلبیس کے پاس چلا گیا۔ اُسے کہا کہ اُس کی بیوی لاپتہ ہو گئی ہے۔ اس نے اس شک کا اظہار کیا کہ خضر الحیات کو فاطمہ نے قتل کرایا ہے اور خضر نے مرتے مرتے انگلی سے "مصلح" جو لکھا تھا، وہ دراصل مصلح کی بیوی لکھنا چاہتا تھا، لیکن موت نے تحریر پوری نہ ہونے دی۔ اس کے ثبوت میں اُس نے اپنی خادمہ سے کہا کہ وہ بلبیس کو اس آدمی کے متعلق بتائے۔ خادمہ نے بیان دیا کہ پرسوں شام ایک اجنبی آیا، جس کے چہرے پر نقاب تھا۔ اُس وقت مصلح الدین گھر پر نہیں تھا۔ اُس آدمی نے دروازے پر دستک دی تو یہ خادمہ باہر گئی۔ اجنبی نے کہا کہ وہ فاطمہ سے ملنا چاہتا ہے۔ خادمہ نے کہا کہ گھر میں کوئی مرد نہیں، اس لیے وہ فاطمہ سے نہیں مل سکتا۔ اس نے کہا کہ فاطمہ سے یہ کہہ دو کہ وہ اشرفیاں واپس کرنے آیا ہے، کہتا ہے کہ میں پوری رقم لوں گا۔ خادمہ نے فاطمہ کو بتایا تو اُس نے اس آدمی کو اندر بلا لیا۔

خادمہ نے بیان میں کہا کہ فاطمہ نے اُسے برآمدے میں کھڑا رہنے کو کہا اور یہ ہدایت دی کہ کوئی آ جائے تو میں اسے خبردار کر دوں۔ خادمہ کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑی رہی۔ اندر کی باتیں جو اُسے سنائی دیں، ان میں اس آدمی کا غصہ اور فاطمہ کی منت سماجت تھی۔ ان باتوں سے صاف پتا چلتا تھا کہ فاطمہ نے اس آدمی سے کہا تھا کہ علی بن سفیان کے نائب حسن بن عبداللہ کو قتل کرنا ہے، جس کے عوض وہ اسے پچاس اشرفیاں اور دو ٹکڑے سونا دے گی۔ خادمہ کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ فاطمہ نے اس آدمی کو بیس اشرفیاں کس وقت اور کہاں بھیجی تھیں اور کون لے گیا تھا۔ وہ پوری پچاس اشرفیاں مانگ رہا تھا۔ فاطمہ اُسے کہہ رہی تھی کہ اُس نے غلط آدمی کو قتل کیا ہے۔ یہ نقاب پوش اجنبی کہہ رہا تھا کہ تم نے یقین کے ساتھ بتایا تھا کہ حسن بن عبداللہ فلاں وقت خضر الحیات کے گھر جائے گا۔ وہ گھات میں بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک آدمی کو خضر کے گھر کے دروازے کے قریب جاتے دیکھا۔ اُس کا قد بُت حسن بن عبداللہ کی طرح تھا۔ قتل کرتے وقت اتنی مہلت نہیں ملی کہ شکار کو اچھی طرح دیکھ کر یقین کر لیا جائے۔ تم نے جو وقت بتایا تھا، یہ وہی وقت تھا۔ میں نے تیر چلا دیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ وہ فاطمہ سے پچاس اشرفیاں مانگ رہا تھا۔ فاطمہ نے پہلے تو منت سماجت کی، پھر وہ بھی غصے میں آ گئی اور کہا کہ اصل آدمی کو قتل کرو گے تو ان بیس اشرفیوں کے علاوہ پچاس اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے دوں گی۔ اس آدمی نے کہا کہ میں نے کام کر دیا ہے، اس کی پوری اُجرت لوں گا۔ فاطمہ نے انکار کر دیا۔ وہ آدمی بڑے غصے میں یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں پوری اُجرت وصول کراؤں گا۔ فاطمہ نے خادمہ کو سختی سے کہا کہ وہ اس آدمی کے متعلق کسی سے ذکر نہ کرے۔ اُس نے خادمہ کو دو اشرفی انعام دیا۔ آج صبح وہ اس کے کمرے میں گئی تو فاطمہ وہاں نہیں تھی۔ اُسے شک ہے کہ اس آدمی نے انتقاماً اسے اغوا کر لیا ہے۔

غیاث بلبیس نے کچھ سوچ کر مصلح الدین کو باہر بھیج دیا اور خادمہ سے پوچھا...... ''یہ بیان تمہیں کس نے پڑھایا ہے؟ فاطمہ نے یا مصلح الدین نے؟''

''فاطمہ تو یہاں نہیں ہے''۔ اُس نے کہا...... ''یہ میرا اپنا بیان ہے''۔

''مجھے سچ بتا دو''۔ بلبیس نے کہا...... ''فاطمہ کہاں ہے، وہ کس کے ساتھ گئی ہے؟'' خادمہ گھبرانے لگی۔ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ بلبیس نے کہا...... ''کوتوالی کے تہہ خانے میں جانا چاہتی ہو؟ اب تم واپس نہیں جا سکو گی''۔

وہ غریب عورت تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ کوتوالی کے تہہ خانے میں جا کر سچ اور جھوٹ الگ الگ ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے جسم کے جوڑ بھی الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ رو پڑی اور بولی...... ''سچ کہتی ہوں تو آقا سزا دیتا ہے، جھوٹ بولتی ہوں تو آپ سزا دیتے ہیں''...... بلبیس نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اُسے تحفظ کا یقین دلایا۔ خادمہ نے کہا...... ''میں نے قتل کے دوسرے روز صرف اتنا دیکھا تھا کہ ایک نقاب پوش آیا تھا۔ آقا مصلح الدین گھر نہیں تھے۔ نقاب پوش نے فاطمہ کو باہر بلایا تھا۔ وہ بڑے دروازے کے باہر اور فاطمہ اندر تھی۔ وہ اس کے سامنے نہیں ہوئی۔ ملازموں نے اُسے دیکھا تھا، لیکن کسی نے بھی قریب جا کر نہیں سنا کہ ان کے درمیان کیا باتیں ہوئی۔ نقاب پوش چلا گیا تو فاطمہ اندر آئی۔ اُس نے چھوٹی سی ایک تھیلی اُٹھا رکھی تھی۔ فاطمہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں چلی گئی تھی...... دوسری شام مصلح الدین نے چاروں ملازموں اور سائیس کو رات بھر کی چھٹی دے دی تھی۔ چار ملازموں میں دو مرد اور دو عورتیں ہیں''۔

''اس سے پہلے ملازموں کو کبھی رات بھر کے لیے چھٹی دی گئی ہے؟''...... بلبیس نے پوچھا۔

''کبھی نہیں''۔ اس نے جواب دیا...... ''کوئی ایک ملازم کبھی چھٹی لے لیتا ہے، سب کو کبھی چھٹی نہیں دی گئی۔ خادمہ نے سوچ کر کہا...... ''عجیب بات یہ ہے کہ آقا نے کہا تھا کہ آج رات کتے کو بند رہنے دینا۔ اس سے پہلے ہر رات کتا کھلا رکھا جاتا تھا۔ بڑا خونخوار کتا ہے۔ اجنبی کو بُو پر چیرنے پھاڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے''۔

''مصلح الدین کے تعلقات فاطمہ کے ساتھ کیسے تھے؟'' غیاث بلبیس نے پوچھا۔

''بہت کھچے ہوئے''۔ خادمہ نے بتایا...... ''آقا ایک بڑی خوب صورت اور جوان لڑکی لایا ہے جس نے آقا کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ فاطمہ کے ساتھ آقا کی بول چال بھی بند ہے''۔

غیاث بلبیس نے خادمہ کو الگ بٹھا کر مصلح الدین کو اندر بلایا اور باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو سپاہی تھے۔ انہوں نے مصلح الدین کو دائیں اور بائیں بازوؤں سے پکڑ لیا اور باہر لے جانے لگے۔ مصلح الدین نے بہت احتجاج کیا۔ بلبیس یہ حکم دے کر باہر نکل گیا کہ اسے قید میں ڈال دو۔ اُس نے دوسرا حکم یہ دیا کہ مصلح الدین کے گھر پر پہرہ کھڑا کر دو، کسی کو باہر نہ جانے دو۔

☆

اُس وقت فاطمہ قاہرہ سے بہت دُور شمال کی طرف ایک ایسی جگہ پہنچ چکی تھی جہاں ارد گرد اونچے ٹیلے، سبزہ اور پانی بھی تھا۔ یہ جگہ عام راہ گزر سے ہٹی ہوئی تھی۔ وہاں وہ سورج نکلنے کے وقت پہنچی تھی، گھوڑے رُک گئے۔ اُسے تھیلے سے نکالا گیا، اُس کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا اور ہاتھ پاؤں بھی کھول دیئے گئے۔ اُس کے ہوش ٹھکانے نہیں تھے۔ وہ تین نقاب پوشوں کے نرغے میں تھی۔ تین گھوڑے کھڑے تھے۔ فاطمہ چیخنے چلانے لگی۔ نقاب پوشوں نے اُسے پانی پلایا اور کچھ کھانے کو دیا۔ وہ ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ اُس کے پیٹ میں پانی اور کھانا گیا اور تازہ ہوا لگی تو جسم میں طاقت آ گئی۔ وہ اچانک اُٹھی

اور دوڑ پڑی۔ تینوں بیٹھے دیکھتے رہے۔ کوئی بھی اس کے تعاقب میں نہ گیا۔ دُور جا کر وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں چلی گئی تو ایک نقاب پوش گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایڑ لگائی اور فاطمہ کو جا لیا۔ وہ دوڑ دوڑ کر تھک گئی، لیٹ گئی۔ نقاب پوش نے اُسے اُٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا اور خود اس کے پیچھے سوار ہو کر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس لے گیا۔

''بھاگو''۔ ایک نے اُسے تحمل سے کہا۔ ''کہاں تک بھاگو گی۔ یہاں سے تو کوئی تنومند مرد بھی بھاگ کر قاہر نہیں پہنچ سکتا''۔ فاطمہ روتی، چیختی اور گالیاں دیتی تھی۔ ایک نقاب پوش نے اُسے کہا...... ''اگر ہم تمہیں قاہرہ واپس لے چلیں تو بھی تمہارے لیے کوئی پناہ نہیں۔ تمہیں تمہارے خاوند نے ہمارے حوالے کیا ہے''۔

''یہ جھوٹ ہے''۔ فاطمہ نے چلا کر کہا۔

''یہ سچ ہے''۔ اُس نے کہا۔ ''ہم نے تمہیں اُجرت کے طور پر لیا ہے۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں تمہارے ہاتھ میں بیس اشرفیوں کی تھیلی دے آیا تھا۔ تم نے خاوند سے کہہ دیا کہ تم قاتل ہو اور تم نے بے وقوفی یہ کی کہ اُسے یہ بھی کہہ دیا کہ تم کوتوال کو بتا دو گی۔ وہ تم سے پہلے ہی تنگ آیا ہوا تھا۔ اُس کی داشتہ نے اُس کے دل پر اور اس کی عقل پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ لڑکی کون ہے اور کہاں سے آئی ہے اور کیا کرنے آئی ہے۔ دوسرے دن تمہارا خاوند ہمارے ٹھکانے پر آیا۔ ایسا بے ایمان آدمی ہے کہ اُس نے ہمیں خضرالحیات کے قتل کے عوض پچاس اشرفی اور سونے کے دو ٹکڑے دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر کام ہو گیا تو صرف بیس اشرفی بھیجی۔ میں نے تمہیں استعمال کیا اور یہ رقم تمہارے ہاتھ میں دے دی تا کہ تمہیں بھی اس راز کا علم ہو جائے۔ ہمارا تیر نشانے پر بیٹھا۔ دوسرے دن وہ ہمارے ٹھکانے پر آیا اور پچاس اشرفیاں دینے لگا۔ سونے کے ٹکڑے پھر ہضم کر رہا تھا۔ میرے اِن ساتھیوں نے کہا کہ اب ہم بہت زیادہ اُجرت لیں گے۔ اگر نہیں دے گا تو ہم کسی نہ کسی طرح کوتوال تک خبر پہنچا دیں گے۔ اسے اب خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ تمہیں بھی پتا چل گیا تھا کہ قاتل وہی ہے۔ اس کا علاج اس نے یہ سوچا کہ ہمیں کہا کہ تم میری بیوی کو اُٹھا لے جاؤ۔ میں تمہارے لیے راستہ صاف دوں گا۔ ہم جان گئے کہ وہ اپنی داشتہ کے زیرِ اثر تم سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور اب وہ اُس لیے تمہیں غائب کرنا چاہتا ہے کہ تم اس کے جُرم کی گواہ بن گئی ہو اور اُسے کہہ بھی چکی ہو کہ تم کوتوال کو خبر کر دو گی''۔

فاطمہ کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ وہ حیرت زدہ ہو کر اُن تینوں کو باری باری دیکھتی تھی۔ اُن کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ یہ آنکھیں ڈراؤنی اور خوفناک تھیں۔ اُن کی زبان میں مٹھاس اور اپنائیت کی جھلک ضرور تھی۔ انہوں نے اُسے دھمکی نہیں دی، بلکہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس کا تڑپنا، رونا اور بھاگنا بے کار ہے۔

''میں نے تمہیں دیکھا تھا''۔ نقاب پوش نے اُسے کہا...... ''جب مصلح الدین نے کہا کہ میری بیوی کو اُجرت کے طور پر اُٹھا لے جاؤ تو میں نے سکندریہ کی منڈی کے بھاؤ سے تمہاری قیمت کا اندازہ کیا۔ تم ابھی جوان ہو اور تم حسین بھی ہو۔ تم بڑے اچھے داموں بک سکتی ہو۔ ہم مان گئے۔ اگر تمہارا خاوند ہمیں اتنی زیادہ اُجرت نہ دیتا تو ہم نے اسے بتا دیا کہ اُسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا اور اس کی داشتہ کو اغوا کر لیا جائے گا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ آج رات اُس کے گھر کوئی ملازم نہیں ہو گا۔ کُتا بھی بندھا ہوا ہو گا۔ البتہ بڑا دروازہ اندر سے بند ہو گا کہ تم دیکھ لو تو شک نہ کرو...... ہم تینوں ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہو کر تمہارے گھر کی دیوار پھلانگی۔ ہم نے ہاتھوں میں خنجر لے رکھے تھے اور ہم سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے، کیونکہ ہمیں تمہارے خاوند پر بھروسہ نہیں تھا۔ وہ ہمیں مروا سکتا تھا، لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہمارے لیے راستہ واقعی صاف تھا۔ تمہیں اُٹھایا اور لے آئے''۔

''اِس نے یہ کہانی تمہیں اس لیے سنائی ہے کہ تم اپنے خاوند کے گھر کو دِل سے نکال دو''...... دوسرے نقاب پوش نے کہا...... ''ہم تمہیں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ہم تین آدمی اکیلی عورت کی مجبوری سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے۔ ہم بیوپاری ہیں۔ کرائے کا قتل اور اغوا ہمارا پیشہ ہے۔ ہم تمہارے جسم کے ساتھ کھیل کر خوش ہونے والے نہیں۔ تین مرد ایک عورت کو اغوا اور مجبور کر کے تفریح کریں تو یہ کوئی فخر والی بات نہیں''۔

''تم مجھے سکندر کے بازار میں بیچو گے؟'' فاطمہ نے بے بسی کے لہجے میں پوچھا...... ''میری قسمت میں اب عصمت فروشی لکھی ہے؟''

''نہیں''۔ ایک نقاب پوش نے جواب دیا...... ''عصمت فروشی کے لیے جنگلی اور صحرائی لڑکیاں خریدی جاتی ہیں، تم حرم کی چیز ہو۔ کسی باعزت امیر کے پاس جاؤ گی۔ ہمیں بھی تو اچھی قیمت چاہیے۔ ہم تمہیں مٹی میں نہیں پھینکیں گے۔ تم اب رونا اور غم کرنا چھوڑ دو، تا کہ تمہارے چہرے کی دلکشی اور رونق قائم رہے، ورنہ تم عصمت فروشی کے قابل رہ جاؤ گی۔ تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ''۔

☆

یہ دیکھ کر اِن لوگوں نے اس کے ساتھ کوئی بے ہودہ حرکت نہیں کی، دست درازی نہیں کی، فاطمہ کو کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ رات بھر وہ اذیت میں بھی رہی تھی۔ تھیلے میں دُہری کر کے اسے بند کیا گیا تھا، جسم درد کر رہا تھا۔ وہ لیٹی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کا دِل خوف اور گھبراہٹ کی گرفت میں تھا۔ اِس صورتِ حال کو وہ قبول نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ تینوں نقاب پوش سوئے ہوئے ہیں۔ وہ بھی رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ فاطمہ نے پہلے تو یہ سوچا کہ کسی ایک کا خنجر نکال کر تینوں کو قتل کر دے، لیکن اتنی جُرأت نہ کر سکی۔ تینوں کو قتل کرنا آسان نہیں تھا۔ اُس نے گھوڑے دیکھے۔ ان لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اُتاری تھیں۔ وہ آہستہ سے اُٹھی اور دبے پاؤں ایک گھوڑے تک پہنچی۔ سورج ٹیلوں کے پیچھے جا رہا تھا اور فاطمہ کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ قاہرہ سے کس طرف اور کتنی دُور ہے۔ اس نے یہ خطرہ مول لے لیا اور صحرا کی وُسعت میں بھٹک بھٹک کر مر جائے گی، ان لوگوں کے ہاتھوں سے ضرور نکلے گی۔

اُس نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ایڑ لگا دی۔ ٹاپوؤں نے نقاب پوشوں کو جگا دیا۔ انہوں نے فاطمہ کو ٹیلے کی اوٹ میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ دو نقاب پوش گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تعاقب میں گھوڑے سرپٹ بھگا دیئے۔ فاطمہ کے لیے مشکل یہ تھی کہ اُسے ٹیلوں کے قید خانے سے نکلنے کا راستہ معلوم نہ تھا۔ صحرائی ٹیلے بھول بھلیوں جیسے ہوتے ہیں۔ صرف صحرا کے بھیدی ان سے واقف ہوتے ہیں۔ فاطمہ ایسے رُخ ہولی جہاں آگے ایک اور ٹیلے نے راستہ روک رکھا تھا۔ اُس نے وہاں جا کر پیچھے دیکھا تو نقاب پوش تیزی سے اس کے قریب آ رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کو ٹیلے پر چڑھا اور ایڑ ماری گئی، گھوڑا اچھا تھا۔ اوپر جا کر پرے اُتر گیا۔ وہ ایک طرف کو گھوڑا موڑ لے گئی۔ آگے راستہ مل گیا۔ نقاب پوش بھی پہنچ گئے۔ فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ فاطمہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، جب اُس نے اپنے سامنے سمندر کی طرح کھلا صحرا اور چار شتر سوار اپنی سمت آتے دیکھے۔ اُس نے چلانا شروع کر دیا...... ''بچاؤ، ڈاکوؤں سے بچاؤ''...... وہ اُن تک پہنچ گئی۔

اُس کے پیچھے دونوں نقاب پوشوں کے گھوڑے باہر آئے۔ شتر سواروں کو دیکھ کر انہوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچیں اور گھوڑے موڑے بھی۔ شتر سواروں نے اونٹ دوڑا دیئے۔ ایک نے کمان میں تیر رکھ کر چھوڑا تو تیر ایک گھوڑے کی گردن میں اُتر گیا۔ گھوڑا درد سے تڑپا، اُچھلا اور بے قابو ہو گیا۔ سوار گر گیا۔ شتر سواروں نے انہیں للکارا تو دوسرے نے

گھوڑا روک لیا۔ انہیں معلوم تھا کہ چار شتر سوار تیر اندازوں کی زد میں ہیں۔ فاطمہ نے بتایا کہ ان کا ایک ساتھی اندر ہے۔ ان دونوں کو پکڑ لیا گیا...... یہ چاروں سلطان ایوبی کی فوج کے کسی گشتی دستے کے سپاہی تھے۔ سلطان ایوبی نے سارے صحر میں گشتی پہرے کا انتظام کر رکھا تھا، تاکہ اچانک حملے کا خطرہ نہ رہے اور صلیبی تخریب کار مصر میں داخل نہ ہو سکیں۔ ان گشتی دستوں کا بہت فائدہ تھا۔ انہوں نے کئی مشتبہ لوگ پکڑے تھے۔ اب یہ نقاب پوش اُن کے پھندے میں آ گئے۔ فاطمہ نے انہیں بتایا کہ اُسے کس طرح یہاں تک لایا گیا ہے، وہ کس کی بیوی ہے۔ اُن نے یہ بھی بتایا کہ ناظم مالیات قتل ہو گیا ہے۔ قتل اس کے خاوند مصلح الدین نے کرایا ہے، جو شہر کا ناظم ہے اور قاتل ان تینوں میں سے ایک ہے۔

تیسرے نقاب پوش کو بھی پکڑ لیا گیا۔ اُن سے خنجر لے لیے گئے۔ ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ اُن کا ایک گھوڑا تیر لگنے سے بھاگ گیا تھا۔ ایک گھوڑے پر دو نقاب پوشوں کو اور تیسرے پر ایک کو بٹھا کر سپاہی اپنے کمانڈر کے پاس لے چلے۔ فاطمہ کو انہوں نے اونٹ پر بٹھا لیا۔ اس اونٹ کا سوار اپنے ایک ساتھی کے پیچھے سوار ہو گیا۔ اس قافلے کے سامنے چار میل کی مسافت تھی جو انہوں نے سورج غروب ہونے تک طے کر لی۔ وہ ایک نخلستان تھا، جہاں خیمے بھی نصب تھے۔ یہ اس دستے کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ فاطمہ کو اس کمان دار کے سامنے پیش کیا گیا۔ تینوں نقاب پوشوں کو پہرے میں بٹھا دیا گیا۔ انہیں اگلے روز قاہرہ بھیجنا تھا۔

☆

صلیبیوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کرک میں بیٹھے بیٹھے صلاح الدین ایوبی کا انتظار نہیں کریں گے۔ انہوں نے فوج کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ فرانس کی فوج کو انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو راستے میں روکنے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ ریمانڈ کی فوج مسلمانوں کی فوج پر عقب سے حملے کے لیے مقرر ہوئی۔ کرک کے قلعے کے دفاع کے لیے جرمنی کی فوج تھی، جس کے ساتھ فرانس اور انگلستان کے کچھ دستے تھے۔ انہیں جاسوسوں نے بتا دیا تھا کہ سلطان ایوبی نئی فوج تیار کر رہا ہے۔ صلیبی حکمرانوں نے اس اقدام کا جائزہ لیا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ٹریننگ کیمپ پر حملہ کر کے پیچھے ہٹ آئیں لیکن اُن کی انٹیلی جنس نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ دلیل یہ دی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے دفاع کی تین تہیں بنا رکھی ہیں، جن میں ایک تہہ متحرک ہے۔ اس کے علاوہ اس کے دیکھ بھال کے دستے دُور دُور تک گھومتے پھرتے ہیں اور صحرا میں ہلتی ہوئی ہر چیز کو قریب جا کر دیکھتے ہیں۔ ان دفاعی انتظامات کو دیکھ کر صلیبیوں نے اس حملے کا خیال دل سے نکال دیا۔

ایک امریکی مصنف انٹنی ویسٹ نے متعدد مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ صلیبیوں کے پاس صلاح الدین ایوبی کی نسبت چار گنا فوج تھی، جس میں زرہ پوش پیادہ اور سوار دستوں کی بہتات تھی۔ اگر یہ فوج صلاح الدین ایوبی پر براہِ راست حملہ کر دیتی تو مسلمان زیادہ دیر جم نہ سکتے، مگر صلیبی فوج کو شوبک کی شکست میں جو نقصان اُٹھانا پڑا تھا، اس سے ایک دہشت بھی تھی جو میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے فوجیوں پر طاری تھی۔ صلیبیوں کا مورال متزلزل تھا، جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شوبک کو وہ لوہے کا قلعہ سمجھتے تھے۔ وہ اپنی فوج کو صحرا میں بھیج کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ سلطان ایوبی قلعوں سے دُور ہی ختم کر دیں گے۔ وہ کرک کے دفاع میں بیٹھے رہے اور ایوبی نے شوبک لے لیا اور صحرا میں صلیبیوں کو آمنے سامنے کی جنگ کا موقع دیئے بغیر انہیں چھاپہ ماروں سے مروا دیا۔ اس کی ''آگ کی ہانڈیوں'' نے گھوڑوں اور اونٹوں کو اتنا دہشت زدہ کیا کہ خاصے عرصے تک جانور معمولی سی آگ دیکھ کر بھی بدک جاتے تھے۔ انٹنی ویسٹ نے یہ ثبوت بھی مہیا کیا ہے کہ صلیبی فوج مختلف بادشاہوں اور ملکوں کی مرکب تھی جو بظاہر متحد تھی، لیکن یہ اتحاد برائے نام تھا۔

ہر بادشاہ اور اس کی فوج کا اعلیٰ کمانڈر ملک گیری اور بادشاہی کی توسیع کا خواہش مند تھا۔ ان میں صرف یہ جذبہ مشترک تھا کہ مسلمان کو ختم کرنا ہے، مگر اُن کے دلوں میں جو اختلافات تھے، وہ اُن کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ صلیبی سازشوں کے ماہر تھے اور مسلمانوں کے جس علاقے پر قابض ہو جاتے تھے، وہاں قتلِ عام اور آبرو ریزی شروع کر دیتے تھے۔ اس کے برعکس صلاح الدین ایوبی محبت اور اخلاقی قدروں کو ایسی خوبی سے استعمال کرتا تھا کہ دشمن بھی اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اُس نے اپنی فوج میں یہ خوبی پیدا کر دی تھی کہ دس سپاہیوں کا چھاپہ مار دستہ ایک ہزار نفری کے فوجی کیمپ کو تہس نہس کر کے غائب ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ جان قربان کرنے کو معمولی سی قربانی سمجھتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی جس انداز سے میدانِ جنگ میں تھوڑی سی فوج کو ترتیب دیتا تھا، وہ بڑی سے بڑی فوج کو بھی بے بس کر دیتی تھی۔ شوبک اور کرک کے میدان میں بھی اس نے اسی جنگی دانش مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ صلیبیوں نے اس کا جائزہ لیا، اپنی فوج کی جسمانی اور جذباتی کیفیت دیکھی تو انہوں نے براہِ راست حملے کا خیال چھوڑ دیا اور کوئی دوسرا ڈھنگ سوچ لیا، لیکن اس ڈھنگ کے متعلق بھی انہیں شک تھا۔ اس کا علاج انہوں نے یہ کیا کہ مصر میں بغاوت بھڑکانے اور سوڈانیوں کو مصر پر حملہ کرنے پر اُکسانے کا اہتمام کر لیا۔

مصر کے نائب ناظم امور شہری مصلح الدین کی طرف سے انہیں اُمید افزا رپورٹیں مل رہی تھیں، وہاں ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ مصر کا ناظمِ مالیات خضر الحیات قتل ہو گیا ہے اور مصلح الدین پکڑا گیا ہے۔ کرک تک یہ اطلاع پہنچنے کے لیے کم از کم پندرہ دن درکار تھے، کیونکہ راستے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی۔ قاصد بہت دُور کا چکر کاٹ کر اور قدم پھونک پھونک کر کرک جا سکتے تھے۔ بہت دِنوں کا چلا ہوا ایک قاصد اُس رات وہاں پہنچا جس رات فاطمہ اغوا ہوئی تھی۔ اُس نے رپورٹ دی کہ بغاوت کے لیے فضا سازگار ہے، لیکن سوڈانی ابھی حملے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے ہاں گھوڑوں کی کمی ہے، ان کے پاس اونٹ زیادہ ہیں۔ انہیں کم و بیش پانچ سو اچھے گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اتنی ہی زینیں درکار ہیں۔ فرانسیسی فوج کے کمانڈر نے کہا کہ پانچ سو گھوڑے فوراً روانہ کر دیئے جائیں اور ان کے ساتھ صلیبی فوج کے پانچ سات افسروں کو بھی بھیج دیا جائے جو سوڈانیوں کی جنگی اہلیت اور کیفیت کا جائزہ لے کر حملہ کرائیں۔

صلیبیوں کے پاس گھوڑوں کی کمی تھی۔ انہوں نے کرک میں اعلان کر دیا کہ مصر پر حملے کے لیے پانچ سو گھوڑوں کی فوری ضرورت ہے۔ عیسائی باشندوں نے تین چار دنوں میں گھوڑے مہیا کر دیئے جو ایسے راستے سے روانہ کر دیئے گئے، جس کے متعلق یقین تھا کہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ ان کا راہنما وہی جاسوس تھا جو گھوڑے مانگنے آیا تھا۔ وہ سوڈانی تھا اور تین سال سے جاسوسی کر رہا تھا۔ ان گھوڑوں کے ساتھ آٹھ صلیبی فوج کے افسر تھے، جنہیں سوڈانی حملے کی قیادت کرنی تھی۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو یہاں سے نکلنے نہیں دیا جائے گا...... سلطان صلاح الدین ایوبی کو صرف یہ معلوم تھا کہ مصر کے حالات ٹھیک نہیں، لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ حالات آتش فشاں پہاڑ بن چکے ہیں جو پھٹنے والا ہے۔ علی بن سفیان نے اسے یہ تسلی دے رکھی تھی کہ اُس نے جاسوسی کا جو جال بچھایا ہے، وہ خطروں سے قبل از وقت خبردار کر دے گا۔ انہیں خضر الحیات کے قتل اور مصلح الدین کی گرفتاری کا بھی علم نہیں تھا۔ غیاث بلبیس کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع بھجوا دے، لیکن اُس نے یہ کہہ کر اس مشورے پر عمل نہیں کیا تھا کہ تفتیش مکمل کر کے اصل صورتِ حال سے سلطان ایوبی کو آگاہ کرے گا۔

☆

فاطمہ کو گشتی دستے کے کمانڈر نے رات الگ خیمے میں رکھا۔ سحر کا دُھندلکا ابھی صاف نہیں ہوا تھا۔ اب اُسے اور تینوں نقاب پوشوں کو آٹھ محافظوں کے ساتھ قاہرہ کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ یہ قافلہ سورج غروب ہونے کے بعد قاہرہ پہنچا اور سیدھا کوتوالی گیا۔ غیاث بلبیس اس واردات کی تفتیش میں مصروف تھا۔ اُس وقت وہ تہہ خانے میں تھا۔ اُس نے مصلح الدین کے گھر کی تلاشی لی اور وہاں سے اُس کی داشتہ کو برآمد کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ازبک مسلمان بتاتی تھی۔ اُس نے بلبیس کو گمراہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ اس کے جواب میں بلبیس نے اُسے اُس کوٹھڑی کی جھلک دکھائی، جہاں بڑے بڑے سخت جان مرد بھی سینے کے راز اُگل دیا کرتے تھے۔ لڑکی نے اعتراف کر لیا کہ وہ یروشلم سے آئی ہے اور عیسائی ہے۔ اُس نے اعتراف کے ساتھ بلبیس کو اپنے جسم اور دولت کے لالچ دینے شروع کر دیئے۔ بلبیس نے مصلح الدین کے گھر کی تلاشی میں جو دولت برآمد کی تھی، اِس نے اُس کا دماغ ہلا دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ مصلح الدین کیوں صلیبیوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ خود لڑکی اس قدر پُرکشش اور چرب زبان تھی کہ اُسے ٹھکرانے کے لیے پتھر دِل کی ضرورت تھی۔

بلبیس نے اپنا ایمان ٹھکانے رکھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ تو کوئی بہت بڑی سازش تھی جس کی کڑیاں یروشلم سے جا ملتی ہیں۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ وہ ہر ایک بات بتا دے۔ لڑکی نے جواب دیا...... ''میں جو کچھ بتا سکتی تھی، بتا دیا ہے۔ اس سے آگے کچھ بتاؤں گی تو یہ صلیب کے ساتھ دھوکا ہوگا۔ میں صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھا چکی ہوں کہ اپنے فرض کی ادائیگی میں جان دے دوں گی۔ میرے ساتھ جو بھی سلوک کرنا چاہو کر لو، کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اگر مجھے آزاد کر کے یروشلم یا کرک پہنچا دو گے تو منہ مانگی دولت تمہارے قدموں میں رکھ دی جائے گی۔ مصلح الدین تمہاری قید میں ہے۔ اس سے پوچھ لو، وہ تمہارا بھائی ہے۔ شاید کچھ بتا دے''۔

بلبیس نے اُس سے مزید کچھ بھی نہ پوچھا۔ وہ مصلح الدین کے پاس چلا گیا۔ مصلح الدین بڑی بُری حالت میں تھا۔ اسے چھت کے ساتھ اس طرح لٹکایا گیا تھا کہ رسہ کلائیوں سے بندھا تھا اور اس کے پاؤں فرش سے اوپر تھے۔ بلبیس نے جاتے ہی اُس سے پوچھا...... ''مصلح دوست! جو پوچھتا ہوں، بتا دو۔ تمہاری بیوی کہاں ہے؟ اور اسے کس سے اغوا کرایا ہے؟ اب تمہیں کچھ اور باتیں بھی بتانی پڑیں گی۔ تمہاری داشتہ اپنے آپ کو بے نقاب کر چکی ہے''۔

''کھول دے مجھے رذیل انسان!''...... مصلح الدین نے غصے اور درد سے دانت پیس کر کہا...... ''امیر مصر کو آنے دے۔ میں تیرا یہی حشر کراؤں گا''۔

اتنے میں بلبیس کے ایک اہل کار نے آکر اس کے کان میں کچھ کہا۔ حیرت سے اُس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ وہ دوڑتا ہوا تہ خانے سے نکلا اور اوپر چلا گیا۔ وہاں مصلح الدین کی بیوی اور اسے اغوا کرنے والے تین آدمی بیٹھے تھے۔ فاطمہ نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح اغوا ہوئی اور تینوں کس طرح پکڑے گئے ہیں۔ بلبیس فاطمہ اور تینوں مجرموں کو تہ خانے میں لے گیا اور مصلح الدین کے سامنے جا کھڑا کیا۔ مصلح الدین نے انہیں دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بلبیس نے پوچھا...... ''ان تینوں میں سے قاتل کون ہے؟''...... مصلح الدین خاموش رہا۔ بلبیس نے تین دفعہ پوچھا۔ وہ پھر بھی خاموش رہا۔ بلبیس نے تہ خانے کے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ آدمی آگے آیا اور مصلح الدین کی کمر کے گرد بازو ڈال کر اس کے ساتھ لٹک گیا۔ اس آدمی کا وزن مصلح الدین کی کلائیاں کاٹنے لگا جو رسے سے بندھی ہوئی تھیں۔ اُس نے درد سے چیختے ہوئے کہا...... ''درمیان والا''۔

بلبیس تینوں کو الگ لے گیا اور انہیں کہا کہ وہ بتا دیں کہ وہ کون ہیں اور یہ سارا سلسلہ کیا ہے، ورنہ وہ یہاں سے

زندہ نہیں نکل سکیں گے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور بولنے پر رضامند ہو گئے۔ بلبیس نے انہیں الگ الگ کر دیا اور فاطمہ کو اوپر لے گیا۔ فاطمہ نے اُسے وہی بات سنائی جو سنائی جا چکی ہے۔ اُس نے اپنے متعلق یہ بتایا کہ اس کی ماں سوڈانی اور باپ مصری ہے۔ تین سال گزر رے، وہ اپنے باپ کے ساتھ مصر آئی۔ مصلح الدین نے اُسے دیکھ لیا اور اس کے باپ کے پاس آدمی بھیجے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ رقم کتنی طے ہوئی۔ باپ اسے مصلح الدین کے گھر چھوڑ گیا اور ایک تھیلی لے کر چلا گیا۔ مصلح الدین نے ایک عالم اور چند ایک آدمیوں کو بلا کر باقاعدہ نکاح پڑھوایا اور وہ اس کی بیوی بن گئی۔ وہ اس کے ساتھ بہت محبت کرتا تھا۔ محبت فاطمہ کی کمزوری تھی۔ باپ سے اسے محبت اور شفقت نہیں ملی تھی۔ اُسے شک تھا کہ باپ اُسے یہاں بیچنے کے لیے ہی لایا تھا۔ مصلح الدین کے خلاف اُسے کبھی بھی شک نہیں ہوا تھا وہ اتنا بُرا آدمی ہے۔ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اس کی باہر کی سرگرمیوں کے متعلق فاطمہ کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے شوبک کی طرف کوچ کیا تو اس کے فوراً بعد مصلح الدین میں ایک تبدیلی آئی۔ وہ رات بہت دیر تک باہر رہنے لگا۔ ایک رات فاطمہ نے دیکھا کہ وہ شراب پی کر آیا ہے۔ فاطمہ کا باپ شرابی تھا۔ وہ شراب کی بُو اور شرابی کو پہچان سکتی تھی۔ اُس نے مصلح الدین کی محبت کی خاطر یہ بھی برداشت کیا۔ پھر گھر میں رات کے وقت اجنبی سے آدمی آنے لگے۔ مصلح الدین نے ایک رات فاطمہ کو اشرفیوں کی دو تھیلیاں اور سونے کے چند ایک ٹکڑے دکھا کر گھر میں رکھ لیے اور ایک رات جب وہ شراب میں بدمست ہو کر آیا تو اُس نے فاطمہ سے کہا.... ''اگر مصر کا شمالی علاقہ جو بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ ملتا ہے، مجھے مل جائے تو تم پسند کرو گی یا سوڈان کی سرحد کے ساتھ کا علاقہ؟ تم جو پسند کرو اس کی تم ملکہ ہو گی اور میں بادشاہ''...... فاطمہ اتنے اونچے دماغ کی لڑکی نہیں تھی کہ اس سلسلے میں اس سے کچھ پوچھتی۔ وہ سمجھی کہ اس کا خاوند زیادہ شراب پی کر بہک گیا ہے۔ ہوش میں وہ ایسی باتیں نہیں کرتا تھا، پھر ایک روز ایک بڑی حسین لڑکی اس کے گھر لائی گئی۔ ساتھ دو آدمی تھے۔ یہ لڑکی اس کے گھر میں ہی رہی۔ نکاح نہیں پڑھا گیا۔ اس لڑکی نے فاطمہ کو دوست بنانے کی بہت کوشش کی، لیکن اُسے اس لڑکی سے نفرت ہو گئی۔ اس لڑکی نے اُس سے اُس کا خاوند چھین لیا۔ اس کے بعد خضر الحیات کے قتل کا واقعہ ہوا۔

☆

تینوں نقاب پوشوں نے پہلے بلبیس کو غلط باتیں بتانے کی کوشش کی، لیکن بلبیس انہیں راستے پر لے آیا۔ تینوں نے الگ الگ جو بیان دیئے، ان سے یہ انکشاف ہوا کہ تینوں حشیشین کے گروہ کے آدمی ہیں۔ انہیں صلیبیوں کی طرف سے مصلح الدین کے ساتھ لگایا گیا تھا۔ مصلح الدین کو بے شمار دولت، ایک عیسائی لڑکی دی گئی تھی اور یہ وعدہ کہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت کامیاب کرا دے تو مصر کی سرحد کے ساتھ اسے ایک الگ ریاست بنا کر دی جائے گی، جس کی حکمرانی اس کے ہاتھ میں اور اس عیسائی لڑکی کے ہاتھ میں ہوگی۔ مصلح الدین نے اعلیٰ حکام کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا تھا، مگر خضر الحیات اس کے ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مالیات اور بیت المال پر قبضہ ضروری تھا جو خضر الحیات کی موجودگی میں ممکن نہ تھا۔ خزانے کا محافظ دستہ جانبازوں کا منتخب گروہ تھا۔ مصلح الدین خضر الحیات کو قتل کروا کے اس دستے کو تبدیل کرانا چاہتا تھا۔ اس میں باغی افراد رکھنے تھے اور دو حشیشین۔ ان تینوں کے ذمے ہر اُس حاکم کا قتل تھا جس کا فیصلہ مصلح الدین کو کرنا تھا۔ انہیں اس کام کی اُجرت صلیبیوں کی طرف سے باقاعدہ مل رہی تھی۔ وہ چونکہ یہ کام کاروبار اور پیشے کے طور پر کرتے ہیں، اس لیے فالتو اُجرت لینے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے مصلح الدین سے پچاس اشرفیاں اور سونا الگ مانگا جو اُس نے خضر الحیات کے قتل کے بعد انہیں نہیں دیا۔ اُس نے کہا تھا کہ تمہیں پوری اُجرت مل رہی ہے۔

انہوں نے اسے قتل کی دھمکی دی تو اس نے انہیں اپنی بیوی پیش کی اور کہا کہ تمہیں اس کی اچھی قیمت مل جائے گی۔ فاطمہ اس کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی تھی۔

مصلح الدین ابھی تک چھت کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اُسے بیان لینے کے لیے اُتارا گیا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جاسوس لڑکی کی کوٹھڑی میں گئے تو وہ مری پڑی تھی۔ اُس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ طبیبوں نے آ کر دیکھا اور کہا کہ اس نے زہر کھالیا ہے۔ اس کے پاس چھوٹا سا ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، صاف پتا چلتا تھا کہ اس میں زہر بندھا ہوا تھا جو لڑکی نے اپنے کپڑوں میں کہیں چھپا رکھا تھا...... بہت دیر بعد مصلح الدین ہوش میں آیا لیکن وہ بہکی بہکی باتیں کرتا تھا۔ بولتے بولتے چپ ہو جاتا اور پھٹی پھٹی نظروں سے سب کو دیکھنے لگتا، پھر بے معنی سی باتیں شروع کر دیتا۔ طبیبوں نے اسے دوائیاں کھلائیں لیکن اس کا دماغ اذیت سے اور پکڑے جانے کے صدمے سے بگڑ گیا تھا۔

اُسی رات غیاث بلبیس کے پاس ایک معزز شخصیت آئی۔ اس کا نام زین الدین علی بن نجا الواعظ تھا۔ اس نے بلبیس سے کہا کہ اُسے پتا چلا ہے کہ کچھ جاسوس اور تخریب کار پکڑے گئے ہیں اور وہ بھی کچھ انکشاف کرنا چاہتا ہے۔ زین الدین مذہب، سیاست اور معاشرت کے میدان کا بزرگ قائد تھا۔ وہ پیر و مُرشد تو نہیں تھا لیکن بڑے بڑے حاکم بھی اس کے مُرید تھے۔ چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اسے پیروں کی طرح مانتا تھا۔ اُسے حاکموں اور معاشرت میں اونچی حیثیت کے دو چار افراد سے پتا چلا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کی غیر حاضری سے دشمن فائدہ اُٹھا رہا ہے اور ایسی چابکدستی سے سازش اور بغاوت کا زہر پھیلا رہا ہے کہ کسی کو پکڑنا آسان نہیں۔ زین الدین نے غیاث بلبیس اور علی بن سفیان کے نائب حسن بن عبداللہ کو بتانے کی بجائے اپنے طور پر اس تخریب کاری کی جاسوسی شروع کر دی تھی۔ فوج کے چھوٹے بڑے افسر بھی اس کی محفل میں آتے تھے۔ اُس نے ان سے بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں اور متعدد ذمہ دار افراد کے نام اور ان کی سرگرمیاں بھی معلوم کر لی تھیں۔ اُس نے دراصل ذاتی طور پر تخریب کاروں کے خلاف اپنا ایک گروہ تیار کر لیا تھا، جس نے نہایت نازک راز حاصل کر لیے تھے۔

ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے اپنی تصنیف ''سلطان صلاح الدین ایوبی'' میں سازش اور بغاوت کے انکشاف کا سہرا زین الدین علی کے سر باندھا ہے اور تین چار مورخین کے حوالے دیئے ہیں، لیکن اُس دور کی جو تحریریں محفوظ ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ محکمۂ مالیات کے ناظم کے قتل سے صلیبیوں کی یہ سازش بے نقاب ہوئی تھی، جس کے آلۂ کار وہ مسلمان تھے جن پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو اعتماد تھا۔ بہر حال اس بزرگ شخصیت کی ذاتی کاوش اور اس کا جو حاصل تھا، وہ قومی سطح کا ایسا کارنامہ تھا جسے مورخین نے بجا طور پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس نے بلبیس سے کہا کہ وہ ابھی کچھ دن اور اپنی جاسوسی جاری رکھنا چاہتا تھا، تاکہ ہر ایک سازشی کی نشاندہی ہو جائے، لیکن ان تخریب کاروں کی گرفتاری کی خبر شہر میں مشہور ہوگئی ہے، جس سے ان کے ساتھی روپوش ہو جائیں گے۔ اُس نے نام اور پتے وغیرہ بتا دیئے۔ اپنے آدمی بھی بلبیس کے حوالے کر دیئے۔ حسن بن عبداللہ کو بلا لیا گیا۔

حسن اور بلبیس نے فیصلہ کیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو فوری طور پر اطلاع دے دی جائے۔ اس کے لیے زین الدین کو ہی منتخب کیا گیا اور اُسی روز اُسے بارہ سواروں کے محافظ دستے کے ساتھ شوبک روانہ کر دیا گیا۔

☆

تیسری شام یہ قافلہ شوبک پہنچ گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب زین الدین کو دیکھا تو حیران بھی ہوا

اور خوش بھی۔ وہ اس شخصیت سے واقف تھا۔ بغل گیر ہو کر ملا۔ زین الدین نے کہا...... ''میں کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔ ناظم مالیات خضر الحیات قتل ہو چکا ہے اور اس کا قاتل آپ کا نائب مصلح الدین کوتوالی میں پاگل ہو گیا ہے''...... سلطان کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ زین الدین نے اُسے تسلی دی اور تفصیلات بتائیں۔ اُس فوج کے متعلق جو مصر میں تھی، اُس نے بتایا کہ اس میں بے اطمینانی پھیلا دی گئی ہے۔ اس قسم کی افواہیں پھیلائی گئی ہیں کہ شوبک کو سر کرنے والی فوج کو سونے چاندی سے مالا مال کر دیا گیا ہے اور اسے عیسائی لڑکیاں بھی دی گئی ہیں۔ مصر والی فوج میں یہ دہشت بھی پیدا کر دی گئی ہے کہ سوڈانیوں کا بہت بڑا لشکر مصر پر حملہ کرنے والا ہے، جسے مصر کی یہ تھوڑی سی فوج روک نہیں سکے گی۔ اس فوج کے ہر ایک سپاہی کو قتل کر دیا جائے گا اور صلاح الدین ایوبی چاہتا ہی یہی ہے کہ یہ فوج قتل ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ افواہ بھی پھیلائی گئی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی محاذ پر شدید زخمی ہو گیا ہے، شاید زندہ نہیں رہے گا۔ اس کے کمانڈر وہاں من مانی کر رہے ہیں۔ زین الدین نے بتایا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے زخمی ہونے کی خبر پر یقین کر لیا گیا ہے۔ اسی لیے مصلح الدین جیسے حاکم مصر کو صلیبیوں کی مدد سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور اپنی اپنی خود مختار ریاستوں کے قیام کے انتظامات کر رہے ہیں۔

سلطان ایوبی نے وقت ضائع کیے بغیر برق رفتار قاصد بلایا اور نور الدین زنگی کے نام ایک پیغام میں مصر کے یہ سارے حالات لکھے اور اس سے فوجی مدد مانگی۔ اُس نے لکھا کہ میں یہاں رہتا ہوں تو مصر ہاتھ سے جاتا ہے، چلا جاتا ہوں تو شوبک کی فتح شکست میں بدل جائے گی۔ لیا ہوا علاقہ کسی قیمت پر واپس نہیں دیا جائے گا۔ میں ابھی فیصلہ نہیں کر سکا کہ یہاں رہوں یا مصر چلا جاؤں...... اُس نے قاصد سے کہا کہ وہ دن اور رات گھوڑا بھگاتا رہے۔ گھوڑا تھک جائے تو جو کوئی سوار سامنے آئے، اس سے گھوڑا بدل لے۔ کوئی انکار کرے تو اُسے قتل کر دے۔ رفتار کم نہ ہو...... اور اُسے یہ ہدایت بھی دی کہ اگر وہ دشمن کے گھیرے میں آ جائے تو نکلنے کی کوشش کرے اور اگر پکڑا جائے تو پیغام منہ میں ڈال کر نگل لے۔ دشمن کے ہاتھ پیغام نہ لگے۔ قاصد روانہ ہو گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایسا ہی ایک اور قاصد بلایا اور اُسے اپنے بھائی تقی الدین کے نام پیغام لکھ کر اُسے وہی ہدایات دیں جو پہلے قاصد کو دی تھیں۔ اس پیغام میں اُس نے بھائی کو لکھا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، جتنے لڑاکا آدمی اکٹھے کر سکتے ہو، گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور قاہرہ پہنچو۔ راستے میں بلا ضرورت رُکنا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں تمہیں کہاں ملوں گا۔ ملوں گا بھی یا نہیں۔ اگر قاہرہ میں ہماری ملاقات نہ ہو سکی اور اگر میں زندہ نہ ہوا تو امارتِ مصر سنبھال لینا۔ مصر بغداد کی خلافت کی مملکت ہے اور خدائے ذوالجلال نے اس مملکت کی ذمہ داری ایوبی خاندان کو سونپی ہے۔ روانگی سے پہلے قبلہ والد محترم (نجم الدین ایوب) کے آگے جھکنا اور انہیں کہنا کہ وہ تمہاری پیٹھ پر ہاتھ پھیریں، پھر محترمہ والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر اُن کی روح سے دعائیں لے کر آنا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ میں جہاں ہوں، وہاں اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہو گا۔ تم مصر میں اس پرچم کو سر بلند رکھو۔

یہ قاصد بھی روانہ ہو گیا۔

ان دونوں میں سے جو قاصد نور الدین زنگی کے پاس پہنچا، اس کی جسمانی حالت یہ تھی کہ اس کا بایاں بازو تلواروں کے زخموں سے قیمہ بنا ہوا تھا اور اس کی پیٹھ میں ایک تیر اُترا ہوا تھا۔ وہ زنگی کے قدموں میں گرا۔ اتنا ہی کہہ سکا کہ راستے میں دشمن مل گیا تھا۔ اس حال میں پیغام لے کے نکلا ہوں۔

اُس نے پیغام زنگی کے ہاتھ میں دیا اور شہید ہو گیا۔ نور الدین زنگی کی فوج جب شوبک کے قریب پہنچی تو قلعے اور شہر میں اعلان ہو گیا کہ صلیبیوں کا بہت بڑا حملہ آ رہا ہے۔ گرد آسمان تک جا رہی تھی۔ پتا نہیں چلتا تھا کہ گرد میں کیا ہے،

امکان یہی تھا کہ یہ صلیبی فوج ہے۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر شوبک کی فوج مقابلے کے لیے تیار ہوگئی، لیکن گرد میں جو جھنڈے نظر آئے۔ وہ اسلامی تھے، پھر گرد میں سے تکبیر کے نعرے سنائی دیئے۔ قلعے سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے نائبین استقبال کے لیے آگے چلے گئے۔

☆

تین چار روز بعد صبح سویرے قاہرہ میں جو فوج تھی اُسے میدان میں جمع ہونے کا حکم ملا۔ فوجی چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ انہیں تیاری کا یہ حکم ملا ہے۔ بعض نے کہا کہ بغاوت ہوگی۔ کسی نے کہا کہ سوڈانیوں کا حملہ آرہا ہے۔ ان کے کمانڈروں تک کو علم نہیں تھا کہ اس اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ یہ حکم فوج کی مرکزی کمان سے جاری ہوا تھا...... جب تمام فوج اپنی ترتیب سے میدان میں آگئی تو ایک طرف سے چھ سات گھوڑے دوڑتے آئے۔ سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سب سے آگے صلاح الدین ایوبی تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ شوبک میں ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک عجیب حرکت کی۔ اُس نے تہ بند کے سوا تمام کپڑے اُتار کر پھینک دیئے۔ سر بھی ننگا کر دیا اور فوج کی تمام صفوں کے سامنے سے گھوڑا اُڑاتی چال چلاتا گزر گیا۔ پھر سامنے آکر بلند آواز سے کہا...... ''میرے جسم پر کسی نے کوئی زخم دیکھا ہے؟ کیا میں زندہ ہوں یا مردہ؟''

''امیرِ مصر کا اقبال بلند ہو''...... ایک شتر سوار نے کہا...... ''ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ زخمی ہیں اور جانبر نہیں ہو سکیں گے''۔

''اگر یہ خبر جھوٹی ہے تو وہ افواہیں بھی جھوٹی ہیں جو تمہارے کانوں میں ڈالی گئی ہیں''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے اتنی بلند آواز سے کہا کہ آخری صف تک اس کی آواز پہنچتی تھی۔ اُس نے کہا...... ''جن مجاہدین کے متعلق تمہیں بتایا گیا ہے کہ وہاں سونا اور چاندی لوٹ رہے ہیں اور عیسائی لڑکیوں کے ساتھ عیش کر رہے ہیں۔ وہ ریگستان میں اگلا قلعہ اور اس سے اگلا قلعہ اور اس سے اگلا قلعہ سر کرنے کی تیاریوں میں پاگل ہو رہے ہیں۔ وہ کیوں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ تمہاری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کو صلیبی درندوں سے بچا سکیں۔ شوبک میں ہم نے مسلمان بچیوں اور ان کی ماؤں اور ان کے باپوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ بچیاں عیسائیوں کے پاس اور ان کی مائیں اور اُن کے باپ عیسائیوں کی بیگار کر کر کے مر رہے تھے۔ اب کرک، یروشلم اور فلسطین کی ہر بستی میں جو عیسائیوں کے قبضے میں ہے، مسلمانوں کا یہی حال ہو رہا ہے۔ مسجدیں اصطبل بنا دی گئی ہیں اور قرآن کے مقدس ورق گلیوں میں عیسائیوں کے قدموں میں مسلے جا رہے ہیں''۔

یہ تقریر اتنی جوشیلی اور سنسنی خیز تھی کہ ایک کمان دار نے چلا کر کہا...... ''پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں بھی محاذ پر کیوں نہیں لے جایا جاتا؟''

''تمہیں یہاں اس لیے بٹھایا گیا ہے کہ دشمن کی پھیلائی ہوئی افواہیں سنو اور ان پر یقین کرو''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''تم یہاں اپنے پرچم کے خلاف بغاوت کرو، تاکہ سوڈانیوں کے ساتھ صلیبی اس سرزمین پر بھی قبضہ کرلیں اور تمہاری بیٹیوں کی بھی عصمت دری کریں۔ تم قرآن کے ورق اپنے ہاتھوں باہر کیوں نہیں بکھیر دیتے؟ کیا تم قرآن کی توہین صلیبیوں سے کرانا چاہتے ہو؟ تم جو اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتے، قوم کی آبرو کی حفاظت کیا کرو گے''...... تمام فوج میں ہلچل سی پیدا ہوگئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''تمہیں چند ایک کمان دار نظر نہیں آرہے۔ وہ میں تمہیں دکھاتا ہوں''۔

اُس نے اشارہ کیا تو ایک طرف سے دس گیارہ آدمی گردنوں میں رسیاں پڑی ہوئی اور ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے، آگے لائے گئے۔ انہیں صفوں کے آگے سے گزارا گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اعلان کیا...... ''یہ تمہارے

کمان دار تھے، لیکن یہ اُس قوم کے دوست ہیں جو تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمہارے قرآن کی دشمن ہے۔ یہ پکڑے گئے ہیں''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے فوج کو خضرالحیات کے قتل اور مصلح الدین کی گرفتاری کا پورا واقعہ سنایا اور مصلح الدین کو سامنے لایا گیا۔ وہ ابھی تک پاگل پن کی حالت میں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی گزشتہ رات کو توالی کے تہہ خانے میں اُسے دیکھ آیا تھا۔ اُس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو پہچانا نہیں تھا۔ وہ اپنی ریاست اور خودمختار حکمرانی کی باتیں کر رہا تھا۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُسے گھوڑے پر بٹھا کر فوج کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس نے فوج کو دیکھا اور بلند آواز سے بولا...... ''یہ میری فوج ہے۔ مصر کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دو۔ میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ صلاح الدین ایوبی مصر کا دشمن ہے۔ تم اُسے قتل کر دو''۔

وہ بولے جا رہا تھا۔ اُس کے منہ سے پاگل پن کی جھاگ نکل رہی تھی۔ فوج کی صفوں سے ''ٹِنگ'' کی آواز آئی اور ایک تیر مصلح الدین کی شہہ رگ میں اُتر گیا۔ وہ گر رہا تھا، جب کئی اور تیر اس کے جسم میں اُتر گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے چلا کر تیر اندازوں کو روکا۔ کمان داروں نے تیر چلانے والوں کو آگے آنے کو کہا۔ اُن میں سے ایک نے کہا...... ''ہم نے غدار کو مارا ہے۔ اگر یہ قتل ہے تو گردنیں حاضر ہیں''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں معاف کر دیا۔ اُس کے جسم پر ابھی تک صرف تہ بند تھا۔ باقی جسم ننگا تھا۔ اُس نے جلاد کو وہیں بلایا اور ان غداروں کو جنہیں فوج کے سامنے لایا گیا تھا، جلاد کے حوالے کر کے اُن کے سر جسموں سے الگ کرا دیئے۔

اُس نے ایک اور حکم دے کر سب کو حیران کر دیا۔ اُس نے حکم دیا کہ یہ فوج یہیں سے محاذ کو کوچ کرے گی۔ تمہارا ذاتی اور دیگر ساز و سامان اور رسد تمہارے پیچھے آئے گی...... فوج کوچ کر گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ مصر فوج کے بغیر رہے گا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے غداروں کے کٹے ہوئے سر دیکھے۔ وہ کسی سے کوئی بات کرنے لگا تو اسے ہچکی سی آئی اور اُس کے آنسو بہہ نکلے۔ اُس نے کپڑے پہنے اور ایک سمت چل پڑا۔ اس نے اپنے ساتھ کے حکام سے کہا...... ''مجھے خطرہ یہ نظر آ رہا ہے کہ دشمن ملتِ اسلامیہ میں اسی طرح غدار پیدا کرتا رہے گا اور وہ دِن آ جائے گا، جب غداروں کی گردنیں مارنے والے بھی دشمن کو دوست کہنے لگیں گے۔ میرے دوستو! اسلام کو سربلند دیکھنا چاہتے ہو تو دوست اور دشمن کو پہچانو''۔

مصر کے جن حاکموں کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے فوج کو کیوں کوچ کرا دیا ہے، انہیں اُس نے بتایا کہ یہ فوج یہاں فارغ بیٹھی تھی۔ میں یہ حکم دے گیا تھا کہ اسے فارغ نہ رہنے دیا جائے۔ جنگی مشقیں جاری رہیں اور شہر سے دُور لے جا کر اس فوج کو وقتاً فوقتاً جنگی حالت میں رکھا جائے اور ذہنی تربیت بھی جاری رہے، مگر میرے حکم پر عمل نہیں کیا گیا۔ میں نے دو ذمہ دار حاکموں کو سزائے موت دے دی ہے۔ انہوں نے ایک سازش کے تحت فوج کو فارغ رکھا۔ سپاہی جوئے اور نشے سے دِل بہلانے لگے اور ان کے ذہن افواہوں کو قبول کرنے لگے۔ تم شاید سوچ رہے ہو کہ مصر میں فوج نہیں رہی۔ گھبراؤ نہیں۔ فوج آ رہی ہے۔ جس فوج نے شوبک فتح کیا ہے، وہ قاہرہ میں داخل ہو چکی ہے۔ اُس نے میرے پیچھے پیچھے کوچ کیا تھا۔ وہ فوج دشمن کو اور دشمن کے گناہوں کو بہت قریب سے دیکھ آئی ہے۔ اسے کوئی باغی نہیں کر سکتا۔ اس کے سپاہی شہیدوں کو دھوکہ نہیں دیں گے اور یہ فوج جو یہاں سے جا رہی ہے۔ یہ کرک پر حملہ کرے گی یا دشمن اس پر حملہ کرے گا۔ پھر یہ بھی دشمن کو جان جائے گی، جو سپاہی ایک بار دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑے، اُسے کوئی لالچ غداری پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

یہ انقلاب اس طرح آیا تھا کہ نورالدین زنگی اور اپنے بھائی تقی الدین کی طرف قاصد بھیج کر سلطان صلاح

الدین ایوبی خفیہ طور پر قاہرہ کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ اپنے نائبین کو کمان دے کر اُس نے سخت ہدایت دی تھی کہ اُس کی غیر حاضری کی کسی کو خبر نہ ہو۔ اُس نے کہا کہ زنگی ضرور مدد بھیجے گا۔ جونہی اس کی مدد آئے، اتنی ہی اپنی فوج یہاں سے قاہرہ بھیج دی جائے، لیکن راستے میں پڑاؤ زیادہ نہ کرے۔ اس سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ اگر مصر کی فوج باغی ہوگئی تو محاذ سے آنے والی فوج بغاوت فرد کرے گی اور اگر حالات ٹھیک ہوئے تو مصر کی فوج محاذ پر آجائے گی اور محاذ کی فوج مصر میں رہے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ پہنچا تو اس کی موجودگی خفیہ رکھی گئی۔ رات ہی رات اُس نے زین الدین کی نشاندہی کے مطابق تمام غداروں کو سوتے میں پکڑ وایا۔ کئی اور جگہوں پر چھاپے مروائے۔ تین حشیشین نے بھی بعض افراد کے نام بتائے تھے۔ انہیں بھی پکڑا گیا۔ کسی کے عہدے اور رتبے کا لحاظ نہ کیا گیا۔

فاطمہ کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے حکم کے مطابق زین الدین کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے کہا گیا کہ کسی موزوں جگہ اس کی شادی کر دی جائے۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی تقی الدین کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے تین دِن انتظار کرنا پڑا۔ تقی الدین کم وبیش دوسو سواروں کے ساتھ آ گیا۔ سلطان ایوبی نے اُسے مصر کے حالات اور واقعات اور آئندہ لائحہ عمل بتا کر قائم مقام امیرِ مصر مقرر کر دیا اور یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ سوڈان پر نظر رکھے اور جب ضرورت سمجھے، حملہ کر دے۔

یہ ہدایات اور احکام دے کر سلطان صلاح الدین ایوبی شوبک کو روانہ ہونے لگا تو علی بن سفیان جو اُس کے ساتھ آیا تھا، بولا...... ''کرک کے صلیبیوں نے آپ کے لیے ایک تحفہ بھیجا ہے۔ اگر کچھ دیر اور انتظار کریں تو تحفہ دیکھتے جائیں''...... علی بن سفیان سلطان صلاح الدین ایوبی کو حیرت میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اس نے سلطان ایوبی کو باہر چلنے کو کہا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ہو کر علی بن سفیان کے ساتھ چلا گیا۔ تھوڑی ہی دُور میدان میں پانچ سو گھوڑے کھڑے تھے۔ ہر گھوڑے پر زین تھی۔ ان گھوڑوں سے ذرا پرے سات آٹھ صلیبی رسیوں سے بندھے ہوئے کھڑے تھے۔ اور اپنی فوج کا ایک سرحدی دستہ بھی مستعد کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے پوچھا کہ یہ گھوڑے کہاں سے آئے ہیں؟ علی بن سفیان نے ایک آدمی کو بلا کر سلطان کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا...... ''یہ میرا جاسوس ہے۔ یہ تین سال سے صلیبیوں کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ یہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ وہ اسے اپنا جاسوس سمجھتے ہیں، لیکن یہ میرا جاسوس ہے۔ یہ کرک گیا تھا اور صلیبی بادشاہوں کو سوڈانیوں کا یہ پیغام دیا تھا کہ انہیں پانچ سو گھوڑوں اور زینوں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے گھوڑے دے کر اپنے یہ فوجی افسر بھی بھیج دیئے۔ یہ اُس سوڈانی فوج کی قیادت کرنے جا رہے تھے، جسے مصر پر حملے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ میرا شیر انہیں شمال کی طرف سے گھما کر ایک پھندے میں لے آیا اور اپنے اس سرحدی دستے کو بلایا۔ اپنی شناخت بتائی اور یہ دستہ پانچ سو گھوڑوں اور ان صلیبی فوجی افسروں کو قاہرہ ہانک لایا''۔

صلیبی افسروں کو معلومات حاصل کرنے کے لیے علی بن سفیان نے اپنے نائب حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا اور خود سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ شوبک کو روانہ ہوگیا۔

کھنڈروں کی آواز

سازش اور غداری کے مجرموں کا خون قاہرہ کی ریت نے ابھی اپنے اندر جذب نہیں کیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی تقی الدین اُس کے بلاوے پر دو سو منتخب سواروں کے ساتھ قاہرہ پہنچ گیا۔ سازش کے مجرموں کی گردنیں کاٹی جا چکی تھیں اور یوں نظر آتا تھا جیسے قاہرہ کی ریت اِن مرے ہوئے مسلمانوں کا خون اپنے اندر جذب کرنے سے گریز کر رہی ہے جو صلیبیوں کے ساتھ مل کر سلطنتِ اسلامیہ کے پرچم کو سرنگوں کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اِن سب کی لاشیں دیکھیں۔ ان کے کٹے ہوئے سر ان کے بے جان جسموں کے سینوں پر رکھ دیئے گئے تھے۔ صرف ایک لاش تھی جو سب سے بڑے غدار کی تھی اور جس پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو کلی طور پر اعتماد تھا۔ اس لاش کا سر اس کے ساتھ ہی تھا۔ ایک تیر اُس کی شہ رگ میں داخل ہو کر دوسری طرف نکلا ہوا تھا۔ یہ قاہرہ کا نائب مصلح الدین تھا۔ فوج کے سامنے جب اس کا جرم سنایا جا رہا تھا تو ایک جوشیلے اور محبِ اسلام سپاہی نے کمان میں تیر ڈال کر مصلح الدین کی شہ رگ سے پار کر دیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے سپاہی کی اس غیر قانونی حرکت کو جو ڈسپلن کے خلاف تھی، صرف اس لیے نظر انداز کر کے معاف کر دیا تھا کہ کوئی بھی صاحبِ ایمان اسلام کے خلاف غداری برداشت نہیں کر سکتا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ہی اپنی فوج میں ایمان کی یہ قوت پیدا کی تھی۔

ان لاشوں کو دیکھ کر سلطان ایوبی کے چہرے پر ایسی خوشی کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی کہ اُس کی صفوں اور نظامِ حکومت میں سے اتنے زیادہ غدار اور سازشی پکڑے گئے اور انہیں سزائے موت دے دی گئی ہے۔ اُس کے چہرے پر اداسی اور آنکھیں گہری سرخ تھیں، جیسے وہ آنسو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غصہ تو تھا ہی جس کا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا......

''ان میں سے کسی کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا۔ ان کی لاشیں ان کے رشتہ داروں کو نہیں دی جائیں گی، تاکہ انہیں کفن نہ پہنائے جائیں۔ رات کے اندھیرے میں انہیں ایک ہی گہرے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دو اور زمین ہموار کر دو۔ اس دُنیا میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہے''۔

''امیرِ محترم!''...... سلطان صلاح الدین ایوبی کے ایک رفیق اور معتمد خاص قاضی بہاؤ الدین شداد نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے کہا...... ''کوتوال اور شاہدوں کے بیان اور قاضی کا فیصلہ تحریر میں لا کر دستاویز میں محفوظ کر لینا ضروری ہیں، تاکہ یہ اعتراض نہ رہے کہ یہ فیصلہ صرف ایک فرد کا تھا۔ آپ کا فیصلہ برحق ہے۔ انصاف کر دیا گیا ہے، مگر قانون کا تقاضا کچھ اور ہے''۔

''کیا قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ دینِ الٰہی کی جڑیں کفار کے ساتھ مل کر کاٹنے والے کو یہ حق دیا جائے کہ وہ قانون کے سامنے کھڑا ہو کر دین داروں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کے پاسبانوں کو جھوٹا ثابت کرے؟''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایسے تحمل سے کہا جس میں ایک دین دار مسلمان کا عتاب صاف جھلک رہا

تھا۔ اُس نے ان تمام حاکموں کو جو وہاں موجود تھے، مخاطب ہو کر کہا...... ''اگر میں نے بے انصافی کی ہے تو مجھے اتنے زیا انسانوں کے قتل کے جرم میں سزائے موت دے دو اور میری لاش شہر سے دُور پھینک دو، جہاں صحرائی لومڑیاں اور گدھ میری کوئی ہڈی بھی اس زمین پر نہ رہنے دیں، لیکن میرے رفیقو! مجھے سزا دینے سے پہلے قرآن پاک الف لام میم ۔ والناس تک پڑھ لینا، اگر قرآن مجھے سزا دیتا ہے تو میری گردن حاضر ہے''۔

''بے انصافی نہیں ہوئی سالارِ اعظم!''...... کسی اور نے کہا...... ''قاضی شداد کا مقصد یہ ہے کہ قانون بے حرمتی نہ ہو''۔

''میں سمجھ گیا ہوں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''ان کا مقصد آئینے کی طرح صاف ہے۔ میں آپ سب صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حاکمِ وقت ذاتی طور پر جانتا ہے کہ جسے غداری کے جرم میں اس کے سامنے لایا گیا ہے، غداری کا مجرم ہے تو حاکمِ وقت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ شہادتوں اور قانون کے دیگر جھمیلوں میں پڑے بغیر غدار کو وہ سزا دے، جس کا وہ حق دار ہے، اگر وہ سزا دینے سے گریز کرتا، ڈرتا یا ہچکچاتا ہے تو وہ حاکمِ وقت خود بھی غدار ہے یا کم از نااہل اور بے ایمان ضرور ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ قاضی کے سامنے جا کر مجرم اُسے بھی مجرم کہہ دیں گے۔ میرا سینہ صاف ہے مجھے غداروں کی صف میں کھڑا کر دو۔ خدا کا ہاتھ مجھے اُس سے الگ کر دے گا۔ اگر تمہارے سینے رب کعبہ کے نور سے م ہیں تو مجرموں کا سامنا کرنے سے مت ڈرو۔ تاہم میرے دوست بہاؤالدین شداد نے جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کر کا غذات تیار کر کے محترم قاضی سے فیصلہ تحریر کرا لو۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ان کا نہیں ہوگا۔ تحریر کر دیا جائے کہ امیرِ مصر افواجِ مصر کا سالارِ اعلیٰ بھی ہے، نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ان مجرموں کو سزائے موت دی ۔ جن کا جرم بلا شک و شبہ ثابت ہو گیا تھا''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے بھائی تقی الدین کی طرف دیکھا۔ وہ بڑ لمبے سفر سے آیا تھا، تھکا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے کہا...... ''میں تمہارے چہرے پر تفکر اور تھکن دیکھ رہا ہوں، لیکن آرام نہیں کر سکو گے۔ تمہارا سفر ختم نہیں ہوا، بلکہ اب شروع ہوا ہے۔ مجھے شوبک جلدی جانا ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ ضرور باتیں کر کے جاؤں گا''۔

''جانے سے پہلے ایک حکم اور صادر فرما جائیے''...... ناظمِ شہر نے کہا...... ''جنہیں سزائے موت دی گئی ہے، ا کی بیواؤں اور بچوں کا کیا بنے گا''۔

''ان کے لیے بھی میرے اسی حکم پر عمل کرو جو میں ان سے پہلے غداروں کے اہل و عیال کے متعلق دے : ہوں''۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا...... ''بیواؤں کے متعلق یہ چھان بین کر لو کہ اپنے خاوندوں کی طرح اُن میں ۔ کسی کا تعلق دشمن کے ساتھ نہ ہو۔ ہمارے ہاں زن پرستی نے بھی غدار پیدا کیے ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ صلیبیوں ہماری بھائیوں کو خوب صورت لڑکیاں دے کر ان کے عوض ان کا ایمان خریدا ہے۔ ان میں سے جو بیوائیں نیک اور موم ہیں، ان کی شادیاں ان کی منشا کے مطابق کر دو۔ کسی پر اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش نہ کرنا۔ خیال رکھنا کہ کوئی عورت بے سہ نہ رہے اور باعزت روٹی سے محروم نہ رہے اور اس میں محتاجی کا احساس نہ پیدا ہو۔ یہ بھی خیال رکھنا کہ ان کے کانوں کوئی یہ نہ پھونک دے کہ ان کے خاوندوں کو بے گناہ سزائے موت دی گئی ہے۔ انہیں ذہن نشین کرا دو کہ تم خوش قسمت ہو ایسے گناہ گار خاوندوں سے نجات مل گئی ہے...... اور اُن کے بچوں کی تعلیم و تربیت خصوصی انتظامات کے تحت کرو۔ تم اخراجات بیت المال سے لو۔ غداروں کے بچے غدار نہیں ہوا کرتے، بشرطیکہ ان کی تعلیم و تربیت صحیح ہو۔ یہ سب مسلمانو

کے بچے ہیں۔ان کی تعلیم وتربیت ایسی ہو کہ ان میں محرومی کا احساس پیدا نہ ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کے گناہ کا کفارہ بچے کو ادا کرنا پڑے''۔

☆

سلطان ایوبی کو واپسی کی جلدی تھی، اُسے فکر یہ تھا کہ اس کی غیر حاضری میں صلیبی کوئی جنگی کارروائی نہ کردیں۔ نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک تو وہاں (کرک اور شوبک کے علاقہ میں) میں پہنچ چکی تھی۔قاہرہ کی فوج ابھی اُدھر جارہی تھی، لیکن ان دونوں فوجوں کو اس علاقے سے روشناس کرانا تھا۔اُس نے اپنے دفتر میں جا کر اپنے بھائی تقی الدین، علی بن سفیان، اس کے نائب حسن عبداللہ، کوتوال غیاث بلبیس اور چند ایک نائبین اور حکام کو بلا لیا، وہ زیادہ تر ہدایات تقی الدین کو دینا چاہتا تھا۔اُس نے اجلاس میں اعلان کیا کہ اُس کی غیر حاضری میں اُس کا بھائی تقی الدین قائم مقام امیرِ مصر اور یہاں کی افواج کا سالارِ اعلیٰ ہوگا اور اسے اتنے ہی اختیارات حاصل ہوں گے جو سلطان ایوبی کے اپنے تھے۔

''تقی الدین!''...... سلطان ایوبی نے اپنے بھائی سے کہا......''آج سے دِل سے نکال دو کہ تم میرے بھائی ہو۔نااہلی، بددیانتی، کوتاہی، غداری یا سازش اور بے انصافی کا ارتکاب کرو گے تو اُسی سزا کے مستحق سمجھے جاؤ گے جو شریعت کے قانون میں درج ہے''۔

''میں اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، امیرِ مصر!''...... تقی الدین نے کہا...''اور ان خطروں سے بھی آگاہ ہوں جو مصر کو درپیش ہیں''۔

''صرف مصر کو نہیں''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا......''یہ خطرے سلطنتِ اسلامیہ کو درپیش ہیں اور اسلام کے فروغ اور سلطنت کی توسیع کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی بھی خطہ، جو سلطنتِ اسلامیہ کہلاتا ہے، وہ کسی ایک فرد یا گروہ کی جاگیر نہیں۔وہ خدائے عزّوجل کی سرزمین ہے اور تم سب اس کے پاسبان اور امین ہو۔اس کی مٹی کا ذرّہ ذرّہ تمہارے پاس امانت ہے۔اس کی مٹی بھی جب اپنے کام میں لانا چاہو تو سوچ لو کہ تم کسی دوسرے انسان کا حق تو نہیں مار رہے؟ خدا کی امانت میں خیانت تو نہیں کررہے؟...... میری باتیں غور سے سن لو تقی الدین! اسلام کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کے پیروکاروں میں غداروں اور سازش پسندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔کسی قوم نے اتنے غدار پیدا نہیں کیے، جتنے مسلمانوں نے کیے ہیں۔یہاں تک کہ ہماری تاریخ جو جہاد اور اللہ کے نام پر جنگ وجدل کی قابلِ فخر تاریخ ہے، غداری کی بھی تاریخ بن گئی ہے اور اپنی قوم کے خلاف سازش گری ہماری روایت بن گئی ہے...... علی بن سفیان سے پوچھو تقی! ہمارے وہ جاسوس جو صلیبیوں کے علاقوں میں سرگرم رہتے ہیں، بتاتے ہیں کہ صلیبی حکمران، مذہبی پیشوا اور دانشور اسلام کی اس کمزوری سے واقف ہیں کہ مسلمان زن، زر اور اقتدار کے لالچ میں اپنے مذہب، اپنے ملک اور اپنی قوم کا تختہ اُلٹ دینے سے بھی گریز نہیں کرتا''۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اجلاس کے شرکاء پر نگاہ دوڑائی اور کہا...''ہمارے جاسوسوں نے ہمیں بتایا ہے کہ صلیبیوں نے اپنے جاسوسوں کو ذہن نشین کرایا ہے کہ مسلمان کی تاریخ جتنی فتوحات کی ہے، اتنی ہی غداری کی تاریخ ہے۔مسلمانوں نے اتنی فتوحات حاصل نہیں کیں، جتنے غدار پیدا کیے ہیں۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد مسلمان خلافت پر ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔انہوں نے اقتدار کی خاطر ایک دوسرے کو قتل کیا۔ایک خلیفہ یا امیر مقرر ہوا تو خلافت اور امارت کے دوسرے امیدواروں نے اُس کے خلاف یہاں تک

سازشیں کیں کہ اسلام کے دشمنوں تک سے درپردہ مدد لی اور جس کے ہاتھ میں خلافت اور امارت آگئی، اُس نے ہر اُس قائد کو قتل کرایا جس سے اقتدار کو خطرہ محسوس ہوا۔ قومی وقار ختم ہوتا گیا اور ذاتی اقتدار رہ گیا۔ پھر تحفظ اسی کا ہوتا رہا۔ سلطنت کی توسیع ختم ہوئی، پھر سلطنت کا دفاع ختم ہوا اور پھر سلطنت سکڑنے لگی۔ صلیبی ہماری اس تاریخی کمزوری سے آگاہ ہیں کہ ہم لوگ ذاتی اقتدار کے تحفظ اور استحکام کے لیے سلطنت کا بہت بڑا حصہ بھی قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی ہماری تاریخ بنتی جا رہی ہے......

''تقی الدین اور میرے رفیقو! میں جب ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں اور جب اپنے موجودہ دور میں غداروں کی بھرمار اور سازشوں کے جال کو دیکھتا ہوں تو یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمان تاریخ کی تحریروں کے ساتھ بھی غداری کریں گے۔ وہ قوم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لکھیں گے کہ وہ بہادر ہیں اور انہوں نے دشمن کو ناک چنے چبوا دیئے ہیں، مگر درپردہ دشمن کو دوست بنائے رکھیں گے۔ اپنی شکستوں پر پردے ڈالے رکھیں گے۔ سلطنتِ اسلامیہ سکڑتی چلی جائے گی اور ہمارے خود ساختہ خلیفے اس کا الزام کسی اور پر تھوپیں گے۔ مسلمانوں کی ایک نسل ایسی آئے گی جس کے پاس صرف نعرہ رہ جائے گا، ''اسلام زندہ باد''۔ وہ نسل اپنی تاریخ سے آگاہ نہیں ہوگی۔ اس نسل کو یہ بتانے والا کوئی نہ ہوگا کہ اسلام کے پاسبان اور علم بردار وہ تھے جو وطن سے دُور ریگزاروں میں، پہاڑوں میں، وادیوں میں اور اجنبی ملکوں میں جا کر لڑے۔ وہ دریا اور سمندر پھلانگ گئے۔ انہیں کڑکتی بجلیاں، آندھیاں اور اولوں کے طوفان بھی نہ روک سکے۔ وہ اُن ملکوں میں لڑے جہاں کے پتھر بھی اُن کے دشمن تھے۔ وہ بھوکے لڑے، پیاسے لڑے، ہتھیاروں اور گھوڑوں کے بغیر بھی لڑے۔ وہ زخمی ہوئے تو کسی نے ان کے زخموں پر مرہم نہ رکھا، وہ شہید ہو گئے تو ان کے رفیقوں کو ان کے لیے قبریں کھودنے کی مہلت نہ ملی۔ وہ خون بہاتے گئے، اپنا بھی اور دشمن کا بھی۔ پیچھے ایوانِ خلافت میں شراب بہتی رہی۔ برہنہ لڑکیوں کے ناچ ہوتے رہے۔ یہودی اور صلیبی سونے سے اور اپنی بیٹیوں کے حسن سے ہمارے خلیفوں اور ہمارے امیروں کو اندھا کرتے گئے۔ جب خلیفوں نے دیکھا کہ قوم ان تیغ زنوں کی پجاری ہوتی جارہی ہے، جنہوں نے یورپ اور ہندوستان میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں تو خلیفوں نے ان مجاہدین اسلام پر لوٹ مار اور زنا کاری جیسے الزام تھوپنے شروع کر دیئے۔ انہیں کمک اور رسد سے محروم کر دیا۔ مجھے قاسم اور وہ کمسن اور خوبرو بیٹا یاد آتا ہے، جس نے اس حال میں ہندوستان کے ایک طاقتور حکمران کو شکست دی اور ہندوستان کے اتنے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا تھا کہ اُس نے کمک نہیں مانگی، رسد نہیں مانگی۔ مفتوحہ علاقوں کا ایسا انتظام کیا کہ ہندو اُس کے غلام ہو گئے اور اُس کی شفقت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ مجھے جب یہ لڑکا یاد آتا ہے تو دِل میں درد اُٹھتا ہے۔ اُس وقت کے خلیفہ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اُس پر زنا کا الزام عائد کیا اور مجرم کی حیثیت سے واپس بلایا''...... سلطان صلاح الدین ایوبی کو ہچکی سی آئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے...... ''میرا عزیز دوست صلاح الدین ایوبی اپنی فوج کے سینکڑوں شہیدوں کی لاشیں دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر رونق آجایا کرتی تھی، مگر صرف ایک غدار کو سزائے موت دے کر جب اُس کی لاش کو دیکھتا تو اس کا چہرہ بجھ جاتا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے...... محمد بن قاسم کا ذکر کرتے کرتے اُسے ہچکی آئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ آنسو روک رہا ہے۔ کہنے لگا...... ''دشمن اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اپنوں نے اسے شہید کر دیا۔ دشمن نے اُسے فاتح تسلیم کیا۔ اپنوں نے اُسے زانی کہا...... صلاح الدین ایوبی نے زیاد کے بیٹے طارق کا بھی ذکر کیا اور اُس روز وہ اتنا جذباتی ہو گیا تھا کہ اس کی زبان رکتی ہی نہیں تھی، حالانکہ وہ کم گو تھا۔ حقیقت پسند تھا۔ ہم

سب پر خاموشی طاری تھی اور ہم سب جسم کے اندر عجیب سا اثر محسوس کر رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی بلا شک و شبہ عظیم قائد تھا۔ وہ ماضی کو نہیں بھولتا تھا۔ حال کے خطروں اور تقاضوں سے نبرد آزما رہتا اور اُس کی نظریں صدیوں بعد آنے والے مستقبل پر لگی رہتی تھیں''۔

''صلیبیوں کی نظریں ہمارے مستقبل پر لگی ہوئی ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''صلیبی حکمران اور فوجی حکام کہتے ہیں کہ وہ اسلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ وہ ہماری سلطنت پر قابض نہیں ہونا چاہتے۔ وہ ہمارے دلوں کو نظریات کی تلوار سے کاٹنا چاہتے ہیں۔ میرے جاسوسوں نے مجھے بتایا ہے کہ صلیبیوں کا سب سے زیادہ اسلام دشمن بادشاہ فلپ آگسٹس کہتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو ایک مقصد دے دیا ہے اور ایک روایت پیدا کر دی ہے۔ اب صلیبیوں کی آنے والی نسلیں اس مقصد کی تکمیل کے لیے سرگرم رہیں گی۔ ضروری نہیں کہ وہ تلوار کے زور سے اپنا مقصد حاصل کریں گے۔ ان کے پاس کچھ حربے اور بھی ہیں...... تقی الدین! جس طرح اُن کی نظر مستقبل پر ہے، اُسی طرح ہمیں بھی مستقبل پر نظر رکھنی چاہیے، جس طرح انہوں نے ہم میں غدار پیدا کرنے کی روایت قائم کی ہے، اسی طرح ہمیں ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ غداری کے جراثیم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔ غداروں کو قتل کرتے چلے جانا کوئی علاج نہیں، غداری کا رجحان ختم کرنا ہے۔ اقتدار کی ہوس ختم کر کے حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا کرنی ہے۔ یہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ قوم کی آنکھوں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن کا تصور موجود ہو۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ صلیبیوں کی تہذیب میں ایسی بے حیائی ہے، جو پُرکشش ہے۔ قومیں ان کی تہذیب میں جذب ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اُن کے ہاں شراب بھی جائز ہے، عورتوں کا غیر مردوں کے ساتھ ناچنا، کودنا اور تنہا رہنا بھی جائز ہے۔ ہمارے اور اُن کے درمیان یہی سب سے بڑا فرق ہے کہ ہم عصمتوں کے پاسبان ہیں اور وہ عصمتوں کے بیوپاری۔ یہی وہ فرق ہے جو ہمارے مسلمان بھائی مٹا دیتے ہیں۔ تقی الدین! تمہارا ایک محاذ زمین کے اوپر ہے، دوسرا زمین کے نیچے۔ ایک محاذ دشمن کے خلاف ہے اور دوسرا اپنوں کے خلاف۔ اگر اپنوں میں غدار نہ ہوتے تو ہم اس وقت یہاں نہیں یورپ کے قلب میں بیٹھے ہوئے ہوتے اور صلیبی ہمارے خلاف اپنی حسین بیٹیوں کی بجائے کوئی بہتر ہتھیار استعمال کرتے اور اچھی قسم کی جنگی چالیں چلتے۔ ایمان کی حرارت تیز ہوتی تو اس وقت تک صلیب ایندھن کی طرح جل چکی ہوتی''۔

''مجھے آپ کی بہت سی دشواریوں کا علم یہاں آکر ہوا ہے''...... تقی الدین نے کہا...... ''محترم نورالدین زنگی بھی پوری طرح آگاہ نہیں کہ مصر میں آپ غداروں کی ایک فوج کے گھیرے میں آئے ہوئے ہیں۔ آپ اُن سے کمک مانگ لیتے۔ انہیں مدد کے لیے کہتے''۔

''تقی بھائی!''...... سلطان ایوبی نے جواب دیا...... ''مدد صرف اللہ سے مانگی جاتی ہے۔ مدد اپنوں سے مانگی جائے یا غیروں سے، اپنا ایمان کمزور کر دیتی ہے۔ صلیبیوں کی فوج زرہ بکتر میں ہے۔ میرے سپاہی معمولی سے کپڑوں میں ملبوس ہیں، پھر بھی انہوں نے صلیبیوں کو شکست دی ہے۔ ایمان لوہے کی طرح مضبوط ہو تو زرہ بکتر کی ضرورت نہیں رہتی۔ زرہ بکتر اور خندقیں تحفظ کا احساس پیدا کرتی ہیں اور سپاہی کو اپنے اندر قید کر لیتی ہیں۔ یاد رکھو، میدان میں خندق سے باہر رہو، گھوم پھر کر لڑو، دشمن کے پیچھے نہ جاؤ۔ اسے اپنے پیچھے لاؤ۔ مرکز کو قائم رکھو، پہلوؤں کو پھیلا دو اور دشمن کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لو۔ محفوظ وہاں رکھو جہاں سے وہ دشمن کے عقب میں جا سکے۔ چھاپہ ماروں کے بغیر کبھی جنگ نہ لڑنا۔ چھاپہ ماروں سے دشمن کی رسد تباہ کراؤ۔ وہ رسد جو پیچھے سے آئے اور وہ بھی جو دشمن اپنے ساتھ رکھے۔ چھاپہ ماروں کو دشمن کے

جانوروں کو مارنے یا ہراساں کرنے کے لیے استعمال کرو۔ آمنے سامنے کی ٹکر سے بچو۔ جنگ کو طول دو۔ دشمن کو پریشان کیے رکھو...... میں جو فوج چھوڑ چلا ہوں، یہ محاذ سے آئی ہے۔ اس فوج میں جان پر کھیل جانے والے چھاپہ مار دستے بھی ہیں۔ اسے صرف اشارے کی ضرورت ہے۔ میں نے اس فوج میں ایمان کی حرارت پیدا کر رکھی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر اس فوج کا ایمان سرد کر دو۔ ہم پر جو حملہ ہو رہا ہے، وہ ہمارے ایمان پر ہو رہا ہے۔ صلیبی تمدن کے اثرات بڑی تیزی سے مصر میں آ رہے ہیں''۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے بھائی تقی الدین کو پوری تفصیل سے بتایا کہ سوڈان میں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ سوڈانیوں میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی ہے، جو مسلمان ہیں، نہ عیسائی۔ ان میں مسلمان بھی ہیں، جن میں مصر کی اُس فوج کے بھگوڑے بھی ہیں، جسے بغاوت کے جرم میں توڑ دیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''لیکن گھر بیٹھے دشمن کا انتظار نہ کرتے رہنا۔ جاسوس تمہیں خبریں دیتے رہیں گے۔ حسن بن عبداللہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں محسوس کرو کہ دشمن کی تیاری مکمل ہو چکی ہے اور وہ اب حملے کے لیے اجتماع کر رہا ہے، تم وقت ضائع کیے بغیر حملہ کر دو اور دشمن کو تیاری کی حالت میں ہی ختم کر دو، لیکن پیچھے کے انتظامات مضبوط رکھنا۔ قوم کو محاذ کے حالات سے بے خبر نہ رکھنا۔ اگر خدانخواستہ شکست ہو جائے تو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو تسلیم کر لینا اور قوم کو بتا دینا کہ شکست کے اسباب کیا تھے۔ جنگ قوم کے خون اور پیسے سے لڑی جاتی ہے۔ بیٹے قوم کے شہید اور اپاہج ہوتے ہیں۔ لہٰذا قوم کو اعتماد میں لینا ضروری ہے۔ جنگ کو بادشاہوں کا کھیل نہ سمجھنا۔ یہ ایک قومی مسئلہ ہے۔ اس میں قوم کو اپنے ساتھ رکھنا...... میں نے جس فاطمی خلافت کو معزول کیا تھا، اس کے حواری ہمارے خلاف سرگرم ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے در پردہ اپنا خلیفہ مقرر کر رکھا ہے۔ ان کا خلیفہ العاضد تو مر گیا ہے، لیکن وہ خلافت کو اس اُمید پر زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ سوڈانی مصر پر حملہ کریں گے۔ ہماری فوج بغاوت کرے گی اور صلیبی چپکے سے اندر آ کر فاطمی خلافت بحال کر دیں گے۔ فاطمیوں کو حسن بن صباح کے قاتل گروہ کی حمایت حاصل ہے۔ میں علی بن سفیان کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس کا نائب حسن بن عبداللہ اور کوتوال غیاث بلبیس تمہارے ساتھ رہیں گے۔ یہ اس زمین دوز گروہ پر نظر رکھیں گے...... فوج کی بھرتی تیز کر دو اور انہیں جنگی مشقیں کراتے رہو''۔

''تھوڑے ہی عرصے سے ہمیں اطلاعیں مل رہی ہیں کہ مصر کے جنوب مغربی علاقے سے فوج کے لیے بھرتی نہیں مل رہی''...... حسن بن عبداللہ نے کہا...... ''یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے لوگ فوج کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں''۔

''معلوم کرایا ہے کہ باعث کیا ہے؟''...... علی بن سفیان نے پوچھا۔

''میرے دو مخبر اس علاقے میں قتل ہو چکے ہیں''...... حسن بن عبداللہ نے کہا...... ''وہاں سے خبر لینا آسان نہیں، تاہم میں نے نئے مخبر بھیج دیے ہیں''۔

''میں اپنے ذرائع سے معلوم کر رہا ہوں''...... غیاث بلبیس نے کہا...... ''مجھے شک ہے کہ اس وسیع علاقے کے لوگ نئے وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ علاقہ دشوار گزار ہے۔ لوگ سخت جان ہیں، لیکن عقیدوں کے ڈھیلے اور توہمات پرست ہیں''۔

''توہم پرستی بہت بڑی لعنت ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اُس علاقے پر نظر رکھو اور وہاں کے لوگوں کو توہمات سے بچاؤ''۔

☆

تین چار روز بعد کرک کے قلعے میں بھی ایک اجلاس منعقد ہوا۔ وہ صلیبی حکمرانوں اور فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کا اجلاس تھا۔ اُنہیں یہ تو معلوم تھا کہ صلاح الدین ایوبی فلسطین کا ایک قلعہ (شوبک) لے چکا ہے اور اب کرک پر حملہ کرے گا۔ انہیں اس احساس نے پریشان کر رکھا تھا کہ اگر مسلمانوں نے کرک کو بھی شوبک کی طرح فتح کر لیا تو یروشلم کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔ صلیبی جان گئے تھے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ ایک جگہ لیتا ہے، فوج کی کمی نئی بھرتی سے پوری کرتا ہے، اُسے پوری فوج کے ساتھ ٹریننگ دیتا ہے اور جب اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اگلی ٹکر لینے کے قابل ہو گیا ہے تو آگے بڑھتا ہے۔ چنانچہ وہ کرک کے دفاع کو مضبوط کر رہے تھے اور باہر آ کر لڑنے کی بھی سکیم بنا چکے تھے، مگر اس اجلاس میں انہیں اپنی سکیم میں رڈ و بدل کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، کیونکہ اُن کے انٹیلی جنس کے سربراہ ہرمن نے انہیں سلطان ایوبی، اس کی فوج اور مصر کے تازہ حالات کے متعلق انقلابی خبریں دی تھیں۔

صلیبی جاسوسوں نے بہت ہی تھوڑے وقت میں کرک میں یہ اطلاعیں پہنچا دیں تھیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اُس فوج کو قاہرہ لے گیا ہے جو اس محاذ پر لڑی اور شوبک کا قلعہ لیا تھا اور قاہرہ میں جو فوج ہے، اسے عجلت میں محاذ پر بھیج دیا گیا ہے اور نور الدین زنگی نے اپنی بہترین فوج کی کمک اس محاذ پر بھیج دی ہے اور سلطان ایوبی کا بھائی تقی الدین دمشق سے قاہرہ پہنچ گیا ہے، جہاں وہ سلطان ایوبی کا قائم مقام ہو گا اور سلطان ایوبی قاہرہ چلا گیا ہے، جہاں وہ سازشیوں کو سزائے موت دے کر محاذ کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ صلیبیوں کے لیے یہ خبر اچھی نہیں تھی کہ قاہرہ کا نائب ناظم مصلح الدین بھی پکڑا گیا اور غداری کے جرم میں مارا گیا ہے۔ مصلح الدین صلیبیوں کا کارآمد اور اہم ایجنٹ تھا۔ صلیبی نظامِ جاسوسی کا سربراہ ہرمن اجلاس کو ان تبدیلیوں سے آگاہ کر رہا تھا۔ اُس نے کہا...... ''مصلح الدین کے مارے جانے سے ہمیں نقصان تو ہوا ہے، لیکن تقی الدین کا تقرر ہمارے لیے اُمید افزا ہے۔ وہ بے شک صلاح الدین ایوبی کا بھائی ہے، لیکن وہ سلطان ایوبی نہیں ہے، میرے تخریب کار جاسوس اُسے چکر دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ بھی اُمید افزا ہے کہ صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان قاہرہ سے غیر حاضر ہیں''۔

''میں حیران ہوں کہ تمہارے حشیشین کیا کر رہے ہیں؟''...... ریمانڈ نے پوچھا...... ''کیا وہ دوہرا کھیل تو نہیں کھیل رہے؟ کمبخت ابھی تک صلاح الدین ایوبی کو قتل نہیں کر سکے۔ ہم بہت رقم ضائع کر چکے ہیں''۔

''رقم ضائع نہیں ہو رہی''...... ہرمن نے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ صلاح الدین ایوبی محاذ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اُس کے ساتھ چوبیس باڈی گارڈ قاہرہ گئے ہیں۔ ان میں چار حشیشین ہیں، ان کے لیے موقع آ گیا ہے۔ میں نے انتظام کر دیا ہے۔ وہ صلاح الدین کو راستے میں قتل کر دیں گے''۔

''ہمیں خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''یہ فرض کر کے سوچو کہ صلاح الدین ایوبی قتل نہیں ہو سکا اور وہ زندہ سلامت محاذ پر موجود ہے۔ اُس کے پاس اب تازہ دم فوج ہے۔ اُس نے نئی بھرتی کو ٹریننگ دے لی ہے اور اُسے نور الدین زنگی کی کمک مل گئی ہے۔ اُس نے شوبک جیسا مضبوط اڈہ بھی حاصل کر لیا ہے۔ لہٰذا اب اس کی رسد قاہرہ سے نہیں آئے گی۔ شوبک میں اُس نے بے شمار رسد جمع کر لی ہے۔ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ میں اُسے موقع نہیں دینا چاہتا کہ وہ کرک کا محاصرہ کر لے اور ہم محاصرے میں لڑیں''۔

''اب ہم محاصرے تک نوبت نہیں آنے دیں گے''...... ایک اور صلیبی حکمران نے کہا...... ''ہم باہر لڑیں گے اور اس انداز سے لڑیں گے کہ شوبک کا محاصرہ کر لیں''۔

''صلاح الدین ایوبی صحرائی لومڑی ہے''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''اسے صحرا میں شکست دینا آسان نہیں۔ وہ ہمیں شوبک کے محاصرے کی اجازت دے دے گا، مگر ہمارا محاصرہ کرلے گا۔ میں اس کی چالیں سمجھ چکا ہوں۔ اگر تم اُسے آمنے سامنے لاکر لڑا سکتے ہو تو تمہیں فتح کی ضمانت دے سکتا ہوں، مگر تم اسے سامنے نہیں لاسکو گے۔

بہت دیر کے بحث مباحثے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ نصف فوج کو قلعے سے باہر بھیج دیا جائے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کے قریب خیمہ زن کردیا جائے اور اس کی فوج کی نقل وحرکت پر گہری نظر رکھی جائے۔ اس سکیم میں باہر لڑنے والی فوج کی تعداد کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج سے تین گنا نہ ہوتو دگنی ضرور ہو۔ عقب سے حملے کے لیے الگ فوج مقرر کی گئی اور پلان میں یہ بھی شامل کیا گیا کہ مسلمان فوج کی کمک اور رسد شوبک سے آئے گی، لہٰذا شوبک اور مسلمانوں کے درمیانی فاصلے کو چھاپہ ماروں کی زد میں رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ فوجی کمانڈروں نے کہا کہ سامنے اتنی زیادہ قوت سے حملہ کیا جائے کہ صلاح الدین ایوبی جم کر لڑنے پر مجبور ہو جائے۔ صلیبیوں کو دراصل اپنی بکتر فوج پر بھروسہ تھا۔ اُن کی بیشتر فوج زرہ پوش تھی۔ سروں پر آہنی خود تھے۔ پیشانیوں سے ناک اور منہ تک چہرے آہنی خودوں کے مضبوط نقابوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے اونٹوں کو بھی زرہ پوش کرلیا تھا۔ اونٹوں کے سروں پر آہنی غلاف چڑھا دیئے گئے تھے اور پہلوؤں کے ساتھ لوہے کی پتریاں لٹکتی تھیں جو تیروں کو روک لیتی تھیں۔ اُنہوں نے کوشش کی تھی کہ بہتر قسم کے گھوڑے حاصل کرسکیں۔ یورپی ممالک سے لائے ہوئے گھوڑے صحرا میں جلدی تھک جاتے اور پیاس سے بے حال ہو جاتے تھے۔ صلیبیوں نے عربی علاقوں سے گھوڑے خریدے تھے، مگر ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے قافلوں سے گھوڑے چھیننے شروع کردیئے تھے۔ گھوڑے چرائے بھی تھے۔ سلطان ایوبی کے گھوڑے بہتر تھے۔ عربی نسل کے یہ صحرائی گھوڑے پیاس سے بے نیاز میلوں بھاگ سکتے تھے۔

ان جنگی تیاریوں اور اہتمام کے علاوہ صلیبیوں نے نظریاتی جنگ کا محاذ جو کھولا تھا، اس کے متعلق اُن کے انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر، ہرمن نے رپورٹ پیش کی کہ صلاح الدین ایوبی کو مصر کے جنوب مغرب کے سرحدی علاقے سے بھرتی نہیں ملے گی۔ یہ وہی علاقہ تھا جس کے متعلق سلطان صلاح الدین ایوبی کی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ نے رپورٹ دی تھی کہ وہاں کے لوگ اب فوج میں بھرتی نہیں ہوتے، بلکہ بعض لوگ فوج کے خلاف بھی ہو گئے ہیں۔ یہ جفاکش اور جنگجو قبائل کا علاقہ تھا جس نے سلطان ایوبی کو نہایت اچھے سپاہی دیئے تھے، مگر اب ہرمن کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ صلیبی تخریب کار اُس علاقے میں پہنچ گئے ہیں، وہاں نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ حسن بن عبداللہ نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس علاقے کے لوگ فوج کے خلاف کیوں ہو گئے ہیں، دو مخبر بھیجے تھے، دونوں قتل ہو گئے تھے۔ ان کی لاشیں نہیں ملی تھیں۔ پُراسراری ایک اطلاع ملی تھی کہ ہمیشہ کے لیے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ وہ علاقہ جو بہت وسیع وعریض تھا جاسوسوں اور مخبروں کے لیے بہت ہی مضبوط قلعہ بن گیا تھا، وہاں سے کوئی معلومات حاصل ہوتی ہی نہیں تھیں۔ اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ وہاں کے لوگ ہیں تو مسلمان، لیکن توہم پرست اور عقیدے کے بہت ڈھیلے ہیں۔

ہرمن نے تفصیلات بتائے بغیر کہا کہ اُس کا تجربہ کامیاب رہا ہے۔ وہ اب مصر کے تمام سرحدی علاقے میں اس طریقۂ کار کو پھیلائے گا۔ پھر ان اثرات کو مصر کے اندر لے جانے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے اُمید ظاہر کی کہ وہ مصر کے قصبوں اور شہروں کو بھی اپنے اثر میں لے لے گا۔ اُس نے کہا...... ''میں مسلمانوں کی ایک ایسی خامی کو اُن کے خلاف استعمال کر رہا ہوں، جسے وہ اپنی خوبی سمجھتے ہیں۔ مسلمان درویشوں، فقیروں، وظیفے اور چلّے کرنے والوں، عاملوں اور

مولویوں اور کنیا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہنے والے مجذوب قسم کے لوگوں کے فوراً مرید بن جاتے ہیں۔ درویشوں وغیرہ کا یہ گروہ اسلامی فوج کے ان سالاروں کے خلاف ہے، جنہوں نے ہمارے خلاف جنگیں لڑ کر شہرت حاصل کی ہے۔ یہ درویش اپنے متعلق لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ خدا اُن کے ہاتھ میں ہے اور وہ خدا کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ وہ صرف نام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں میدانِ جنگ میں جانے کی ہمت اور جرأت نہیں، لہٰذا وہ گھر بیٹھے وہی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو سالاروں نے جہاد میں حاصل کی ہے۔ اگر دیانت داری اور غیر جانب داری سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے یہ فوجی لیڈر جن میں صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی بھی شامل ہیں، قابلِ تحسین انسان ہیں۔ ان میں سے جنہوں نے یورپ تک اسلام پھیلا دیا اور سپین کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا، بجا طور پر حق رکھتے ہیں کہ قوم اپنی عبادت میں بھی ان کا نام لے مگر اُن کے خلیفوں نے اپنا نام عبادت میں شامل کر کے فوجی لیڈروں کی اہمیت گھٹا دی اس کے ساتھ مسلمانوں میں نام نہاد عالموں اور اماموں کا ایک گروہ پیدا ہوا جو عمل سے گھبراتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہیں، وہ عالم اور امام ہیں۔ یہ گروہ خلیفوں کی آڑ میں جہاد کے معنی مسخ کر رہا ہے، تاکہ لوگ جہاد میں جانے کی بجائے ان کے گرد جمع ہوں اور انہیں خدا کے برگزیدہ انسان مانیں۔ اُن کے پاس پُراسراری باتیں اور باتیں کرنے کا ایسا طلسماتی انداز ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان برگزیدہ انسانوں کے سینے میں وہ راز چھپا ہوا ہے، جو خدا نے ہر بندے کو نہیں بتایا۔ چنانچہ سیدھے سادھے مسلمان اُن کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ میں مسلمانوں کو اسلام کی ہی باتیں سنا سنا کر اسلام کی بنیادی رُوح سے دُور لے جا رہا ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہودیوں نے نظریاتی تخریب کاری کر کے اسلام کو کافی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ میں انہی کے اصولوں پر کام کر رہا ہوں۔''

یہی وہ محاذ تھا جس کے متعلق سلطان صلاح الدین ایوبی پریشان رہتا تھا۔ پریشانی کا اصل باعث یہ تھا کہ اس محاذ پر اپنی ہی قوم کے افراد اُس کے خلاف لڑ رہے تھے اور یہ محاذ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔

☆

تقی الدین اور اپنے اُن حکام کو جنہیں قاہرہ میں رہنا تھا، ہدایات دے کر سلطان صلاح الدین ایوبی محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ چوبیس ذاتی محافظوں کا دستہ تھا۔ صلیبیوں کو باڈی گارڈز کی نفری کا علم تھا اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ اس دستے میں چار حشیشین ہیں، جو نہایت کامیاب اداکاری سے اور بہادری کے کارناموں سے محافظ دستے کے لیے منتخب ہو گئے تھے۔ ان کا مقصد صلاح الدین ایوبی کا قتل تھا، لیکن انہیں موقع نہیں مل رہا تھا، کیونکہ محافظ دستے کی نفری چوبیس سے کہیں زیادہ رہتی اور ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی۔ کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ ان چاروں کی ڈیوٹی اکٹھی لگی ہو۔ محافظوں کے کمانڈر بہت ہوشیار اور چوکس رہتے تھے۔ انہیں یہ تو علم تھا کہ ان کے درمیان قاتل بھی موجود ہیں، وہ بیدار رہتے تھے کہ کوئی محافظ کوتاہی نہ کرے۔ اب سلطان ایوبی سفر میں تھا۔ اُس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ محافظوں کی پوری فوج کو ساتھ نہیں رکھے گا، چوبیس کافی ہیں، حالانکہ راستے میں صلیبی چھاپہ ماروں کا خطرہ تھا۔

سلطان ایوبی قاہرہ سے دن کے پچھلے پہر روانہ ہوا تھا۔ آدھی رات سفر میں اور باقی آرام میں گزری۔ سحر کی تاریکی میں اُس نے کوچ کا حکم دیا۔ دوپہر کا سورج گھوڑوں کو پریشان کرنے لگا تو ایک ایسی جگہ یہ قافلہ رُک گیا، جہاں پانی بھی تھا، درخت بھی اور ٹیلوں کا سایہ بھی تھا۔ ذرا سی دیر میں سلطان ایوبی کے لیے خیمہ نصب کر دیا گیا۔ اس کے اندر سفری چارپائی اور بستر بچھا دیا گیا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر سلطان ایوبی اونگھنے کے لیے لیٹ گیا۔ دو محافظ خیمے کے آگے اور

پیچھے کھڑے ہو گئے۔ دستے کے باقی محافظ قریب ہی سایہ دیکھ کر بیٹھ گئے۔ کچھ گھوڑوں کو پانی پلانے کے لیے لے گئے۔ علی بن سفیان اور دیگر حکام جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ تھے، ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ گئے۔ انہوں نے خیمے نصب نہیں کرائے تھے۔ اس جگہ کے خدوخال ایسے تھے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا خیمہ اُن کی نظروں سے اوجھل تھا۔ صحرا کا سورج زمین و آسمان کو جلا رہا تھا، جس کسی کو جہاں چھاؤں ملی، وہاں بیٹھ یا لیٹ گیا۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے پر جن دو محافظوں کی ڈیوٹی لگی، وہ دونوں حشیشین تھے، جو ایک عرصہ سے ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔ اس موقع کو پوری طرح موزوں بنانے کے لیے یہ صورت پیدا ہو گئی کہ محافظوں کی زیادہ تر نفری گھوڑوں کو پانی پلانے چلی گئی تھی۔ پانی ایک ٹیلے کے دوسری طرف تھا۔ قافلے کا سامان اُٹھانے والے اونٹوں کے شتربان بھی اونٹوں کو پانی کے لیے لے گئے تھے۔ جو محافظ ڈیوٹی والوں کے علاوہ پیچھے رہ گئے تھے، اُن میں دو اور حشیشین تھے۔ انہوں نے اشاروں اشاروں میں طے کر لیا۔ صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے سامنے کھڑے محافظ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر دیکھا اور باہر والوں کو اشارہ کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، اس حالت میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ اُس کی پیٹھ خیمے کے دروازے کی طرف تھی۔ محافظ دبے پاؤں اندر چلا گیا۔ اُس نے خنجر نہیں نکالا، تلوار نہیں نکالی، بلکہ اُس کے ہاتھ میں جو برچھی تھی، وہ بھی اُس نے خیمے کے باہر رکھ دی تھی۔ ہر محافظ کی طرح وہ قوی ہیکل جوان تھا۔ دیکھنے میں وہ سلطان ایوبی کی نسبت دُگنا نہیں تو ڈیڑھ گنا طاقتور ضرور تھا۔

وہ دبے پاؤں سلطان ایوبی تک گیا اور بجلی کی تیزی سے سلطان کی گردن دونوں ہاتھوں میں جکڑ لی۔ سلطان ایوبی جاگ اُٹھا۔ اُس نے کروٹ بھی بدل لی، لیکن جس شکنجے میں اُس کی گردن آ گئی تھی، اُس سے گردن چھڑانا ممکن نہیں تھا۔ اسلام کے اس جری جرنیل کی زندگی صرف دو منٹ رہ گئی تھی۔ وہ اب پیٹھ کے بل پڑا تھا۔ حملہ آور نے اُس کے پیٹ پر گھٹنہ رکھ کر ایک ہاتھ اُس کی گردن سے ہٹا دیا، دوسرے ہاتھ سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی شہ رگ کو دبائے رکھا۔ اُس نے اپنے کمر بند سے ایک پڑیا سی نکالی۔ اسے ایک ہی ہاتھ سے کھولا اور صلاح الدین ایوبی کے منہ میں ڈالنے لگا۔ وہ سلطان کو زہر دے کر مارنا چاہتا تھا، کیونکہ گلا دبا کر مارنے سے صاف پتا چل جاتا ہے کہ گلا دبایا گیا ہے۔ سلطان ایوبی بے بس تھا۔ پیٹ پر اتنے قوی ہیکل جوان کا گھٹنہ اور بوجھ تھا۔ شہ رگ دشمن کے شکنجے میں تھی اور سانس رُک گیا تھا۔ اُس کا منہ کھلا ہوا تھا جو اُس نے پڑیا دیکھ کر بند کر لیا۔ اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔ موت سر پر آ گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے کمر بند سے تلوار نما خنجر نکال لیا، جو وہ زیور کی طرح اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ حملہ آور اُس کے منہ میں زہر ڈالنے کی کوشش میں مگن تھا، دیکھ نہ سکا کہ سلطان نے خنجر نکال لیا ہے۔ سلطان ایوبی نے خنجر اُس کے پہلو میں اُتار دیا۔ کھینچا اور ایک بار پھر خنجر حملہ آور کے پہلو میں اُتر گیا۔ حملہ آور سانڈ جیسا آدمی تھا۔ اتنی جلدی مر نہیں سکتا تھا۔ سلطان ایوبی سپاہی تھا۔ وہ خنجر کے وار اور ہدف سے آگاہ تھا۔ اُس نے خنجر حملہ آور کے پہلو سے نکالا نہیں۔ وہیں خنجر کو گھمایا اور نیچے کو جھٹکا دیا۔ حملہ آور کی انتڑیاں اور پیٹ کا اندرونی حصہ باہر آ گیا۔

حملہ آور کے ہاتھ سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی گردن چھوٹ گئی۔ دوسرے ہاتھ سے زہر کی پڑیا گر پڑی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جسم کو جھٹکا دیا، حملہ آور کو دھکا دیا اور حملہ آور چارپائی سے نیچے جا پڑا۔ وہ اب اُٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ یہ معرکہ بمشکل آدھے منٹ میں ختم ہو گیا، مگر خیمے سے باہر دوسرا محافظ کھڑا تھا۔ اُس نے اندر دھمک سی سنی تو پردہ اُٹھا کر جھانکا، وہاں کچھ اور ہی نقشہ دیکھا۔ وہ تلوار سونت کر آیا اور سلطان صلاح الدین ایوبی پر وار کیا، مگر سلطان خیمے کے درمیانی بانس کے پیچھے ہو گیا۔ تلوار بانس پر لگی۔ صلاح الدین ایوبی تو جیسے پیدائشی تیغ زن تھا۔ اُدھر تلوار بانس میں لگی، اِدھر

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جھپٹا مارنے کے انداز سے حملہ آور پر خنجر کا وار کیا۔ حملہ آور بھی لڑا کا تھا۔ اسی لیے تو وہ محافظ دستے کے لیے چُنا گیا تھا۔ وہ وار بچا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے محافظ دستے کے کمانڈر کو آواز دی۔ حملہ آور نے دوسرا وار کیا، تو سلطان صلاح الدین ایوبی آگے سے ہٹ گیا، مگر ایسا ہٹا کہ حملہ آور کے پہلو میں چلا گیا۔ اب کے حملہ آور سلطان کے خنجر کا وار نہ بچا سکا۔ سلطان ایوبی کی پکار پر دو محافظ خیمے میں آئے۔ دونوں نے سلطان ایوبی پر حملہ کر دیا۔ اتنے میں سلطان ایوبی دوسرے محافظ کو بھی زخمی کر چکا تھا، مگر وہ ابھی تک لڑ رہا تھا۔ اس کے دو اور ساتھی آ گئے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے حوصلہ قائم اور دماغ حاضر رکھا۔ اللہ نے مدد کی کہ دستے کا کمانڈر اندر آ گیا۔ اس نے دوسرے محافظوں کو آوازیں دیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے کہنے پر وہ حملہ آوروں سے اُلجھ گیا۔ اتنے میں چار پانچ محافظ آ گئے۔ اُدھر سے علی بن سفیان اور دوسرے حکام بھی شور سن کر آ گئے۔ خیمے میں دیکھا تو اُن کے رنگ اُڑ گئے۔ چار محافظ لہولہان ہو کے پڑے تھے۔ دو مر چکے تھے، تیسرا مر رہا تھا، وہ ہوش میں نہیں تھا۔ اس کا پیٹ اوپر سے نیچے تک پھٹا ہوا اور سینے پر دو گہرے زخم تھے۔ چوتھے کے پیٹ میں ایک زخم تھا اور دوسرا زخم ران پر۔ وہ زمین پر بیٹھا، ہاتھ جوڑ کر چلاّ رہا تھا...... ''میں زندہ رہنا چاہتا ہوں، مجھے میری بہن کے لیے زندہ رہنے دو''...... سلطان ایوبی نے اپنے محافظوں کو روک دیا۔ محافظ اتنے بھڑکے ہوئے تھے کہ انہوں نے تیسرے محافظ کو بے ہوشی میں سانس لیتے دیکھا تو اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ چوتھے کو سلطان ایوبی نے بچا لیا۔ یہ رحم کا جذبہ بھی تھا اور یہ ضرورت بھی کہ اس سے بیان لینے تھے اور اس سازش کی کڑیاں بھی ملانی تھیں۔

صلاح الدین ایوبی کا طبیب بھی اس کے قافلے کے ساتھ تھا۔ وہ جراح بھی تھا، ہر جگہ اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُسے کہا کہ اس زخمی کو ہر قیمت پر زندہ رکھنے کی کوشش کرے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو خراش تک نہیں آئی تھی، وہ ہانپ رہا تھا، لیکن جذباتی طور پر بالکل مطمئن تھا۔ غصے کا شائبہ تک نہ تھا۔ اُس نے مُسکرا کر کہا...... ''میں حیران نہیں ہوا، ایسا ہونا ہی تھا''...... علی بن سفیان کی جذباتی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ یہ اُس کی ذمہ داری تھی کہ محافظ دستے کے لیے جسے منتخب کیا جائے، اُس کے متعلق چھان بین کرے کہ وہ قابلِ اعتماد ہے۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ دستے کے باقی سپاہیوں میں کوئی ان کا ساتھی رہ گیا ہے یا باقی دیانت دار ہیں...... سلطان صلاح الدین ایوبی کے بستر پر وہ پُڑیا پڑی ہوئی تھی جو حملہ آور اُس کے منہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ ایک سفید سا سفوف تھا جس میں سے کچھ بستر پر بکھر گیا تھا۔ طبیب نے یہ سفوف دیکھا اور جب سنا کہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا تو طبیب کا رنگ اُڑ گیا۔ اُس نے بتایا کہ یہ ایسا زہر ہے کہ جس کا صرف ایک ذرّہ بھی حلق سے نیچے اُتر جائے تو تھوڑی سی دیر میں انسان نہایت اطمینان سے مر جاتا ہے۔ وہ تلخی محسوس نہیں کرتا اور نہ وہ اپنے اندر کوئی اور تبدیلی محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا بستر اُٹھوا کر باہر بھجوایا اور صاف کرا دیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے زخمی کو اُٹھوا کر اپنے بستر پر لٹا دیا۔ اس کے پیٹ میں تلوار لگی تھی اور دوسرا زخم ران پر تھا۔ پیٹ کا زخم مہلک نظر نہیں آتا تھا، ترچھا تھا۔ ران کا زخم لمبا تھا اور گہرا بھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سلطان صلاح الدین ایوبی سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ سلطان کے خلاف اس کے دِل میں کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ کوئی نظریاتی عداوت بھی نہیں تھی۔ وہ کرائے کا قاتل تھا۔ اپنی شکست کے ساتھ اُسے اپنی ایک غیر شادی شدہ بہن کا غم کھائے جا رہا تھا۔ وہ بار بار اس کا نام لیتا اور کہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ میرا گناہ بخش دو۔ ایک مسلمان بہن کی خاطر مجھے بخش دو۔

''زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے''...... سلطان ایوبی نے ایسے لہجے میں کہا کہ جس میں تحمل تھا، مگر رعب اور جلال بھی تھا۔ سلطان نے کہا...... ''تم نے دیکھ لیا ہے کہ کون مارتا اور کون زندہ رکھتا ہے، لیکن میرے دوست! اس وقت تمہاری جان جس کے ہاتھ میں ہے، تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اپنا گناہ دیکھو۔ اپنی بے بسی دیکھو، میں تمہیں تمہارے ساتھیوں کی لاش کے ساتھ زندہ باہر صحرا میں پھینک دوں گا۔ صحرا کی لومڑیاں اور بھیڑیئے تمہیں اس حال میں نوچ نوچ کر کھائیں گے کہ تم زندہ رہو گے، ہوش میں ہو گے، مگر بھاگ نہیں سکو گے۔ بوٹی بوٹی ہو کر مرو گے اور اپنے گناہ کی سزا پاؤ گے۔''

زخمی تڑپ اُٹھا۔ اُس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا...... سلطان ایوبی نے پوچھا...... ''تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ میرے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے؟''

''میں فاطمیوں کا آدمی ہوں''...... اُس نے جواب دیا...... ''ہم چاروں حشیشین تھے۔ کوئی دو سال اور کوئی تین سال پہلے آپ کی فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ ہمیں سکھایا گیا تھا کہ آپ کے محافظ دستے میں کس طرح پہنچا جا سکتا ہے''۔ اُس نے بولنا شروع کر دیا اور راز کی باتیں بتانے لگا۔ اُس نے بتایا کہ محافظ دستے میں یہی چار قاتل تھے۔ اُس کے بیان کے دوران سلطان صلاح الدین ایوبی نے طبیب سے کہا کہ وہ اس کی مرہم پٹی کرتا رہے۔ طبیب نے اُسے ایک دوا پلا دی اور خون روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے زخمی کو تسلی دی کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ زخمی انکشاف کرتا گیا۔ اُس نے معزول فاطمی خلافت اور حشیشین کے معاہدے کو بے نقاب کیا۔ فاطمیوں نے صلیبیوں سے جو مدد لی تھی اور لے رہے تھے، اُس کی تفصیل بتائی...... خاصا وقت صرف کر کے طبیب نے اُس کی مرہم پٹی مکمل کر دی۔ اصل مرہم تو سلطان ایوبی کی شفقت تھی، جس میں انتقام کا ذرا سا بھی شک نہیں ہوتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا کہ لاشیں باہر پھینک دو اور اس زخمی کے متعلق اُس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ وہیں سے اسے قاہرہ لے جائے اور اُس نے جو نشاندہیاں کی ہیں، اُن کے خلاف کارروائی کرے۔ زخمی نے نہایت کارآمد سراغ دیئے، جن میں کچھ ایسے خطرناک تھے جن کی تفتیش علی بن سفیان ہی اچھی طرح کر سکتا تھا۔ اُسے اُسی وقت اونٹ پر خاص طریقے سے لٹا کر علی بن سفیان واپسی کے سفر پر چل پڑا۔

صلاح الدین ایوبی پر متعدد بار قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ تاریخ میں ان تمام کا ذکر نہیں آیا۔ مندرجہ بالا طرز کے دو حملوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک بار ایک فدائی قاتل نے سلطان صلاح الدین ایوبی پر اسی طرح سوتے میں خنجر کا وار کیا تھا۔ خنجر پگڑی میں لگا اور سلطان ایوبی جاگ اُٹھا تھا۔ یہ قاتل سلطان ایوبی کے ہاتھوں مارا گیا اور اُس کے محافظ دستے کے چند ایسے محافظ پکڑے گئے تھے جو کرائے کے قاتل تھے۔

☆

مصر کے جنوب مغربی علاقے میں جو سوڈان کی سرحد کے ساتھ ملتا تھا، صدیوں پرانی کسی پیچ در پیچ عمارت کے کھنڈر تھے۔ اُس زمانے میں مصر کی سرحد کچھ اور تھی۔ صلاح الدین ایوبی کہا کرتا تھا کہ مصر کی کوئی سرحد ہے ہی نہیں۔ تاہم سوڈانیوں نے ایک خیالی سی سرحد بنا رکھی تھی۔ کھنڈروں کے اِرد گرد کا علاقہ دشوار گزار تھا۔ غالباً فرعونوں کے وقتوں میں یہ علاقہ سرسبز تھا اور وہاں پانی کی بہتات تھی۔ خشک جھیلیں اور ندیوں کے گہرے اور خشک پاٹ بھی تھے۔ ریتلی چٹانیں بھی تھیں اور ریتلی مٹی کے ٹیلے بھی۔ ان کی شکلیں کسی بہت بڑی عمارت کے کھنڈروں کی مانند تھیں، کہیں ٹیلہ ستون کی طرح دُور اوپر تک چلا گیا تھا اور کہیں ٹیلے دیواروں کی طرح کھڑے تھے، جہاں جہاں جگہ ہموار تھی، وہاں ریت تھی۔ چٹانیں

اونچی بھی تھیں، نیچی بھی۔ اس علاقے کے اردگرد کہیں کہیں پانی تھا، لہٰذا درخت تھے اور وہاں کے رہنے والے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ کم وبیش چالیس میل لمبا اور دس بارہ میل چوڑا یہ علاقہ آباد تھا۔ یہ آبادی مسلمان تھی۔ ان میں کچھ لوگ مسلمان نہیں تھے۔ ان کے عجیب وغریب سے عقیدے تھے۔

فرعونوں کی عمارت کے کھنڈروں سے لوگ ڈرا کرتے تھے۔ ان کے اردگرد کا علاقہ بھی ایسا تھا کہ دیکھنے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، وہاں سے کوئی گزرتا ہی نہیں تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہاں فرعونوں کی بدرُوحیں رہتی ہیں جو دن کے دوران بھی جانوروں کی صورت میں گھومتی پھرتی رہتی ہیں اور کبھی اونٹوں پر سوار سپاہیوں کے بھیس میں اور کبھی خوب صورت عورتوں کے روپ میں نظر آتی ہیں اور رات کو وہاں سے ڈراؤنی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ کوئی ایک سال سے یہ کھنڈر لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اس سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کے لیے بھرتی کی مہم شروع ہوئی تھی تو بھرتی کرنے والے اس علاقے کے اردگرد بھی گھومتے پھرتے رہے تھے، وہاں کے باشندوں نے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ ٹیلوں کے اندر نہ جائیں، انہیں پُراسرار آوازوں، ڈراؤنی چیزوں اور بدروحوں کی کہانیاں سنائی گئی تھیں۔ اس علاقے سے فوج کو بہت بھرتی ملی تھی، مگر اس کے بعد بھرتی کرنے والے گئے تو لوگوں کا رجحان بدلا ہوا تھا۔ سرحد پر گشت کرنے والے دستوں نے رپورٹ دی تھی کہ گشتی سنتری بھی اس علاقے کے اندر نہیں جایا کرتے تھے اور انہوں نے کبھی کسی انسان کو اُدھر جاتے نہیں دیکھا تھا، مگر اب وہ لوگوں کو اندر جاتا دیکھتے ہیں اور وہاں سے آنے والے ڈرے ہوئے نہیں ہوتے، بلکہ مطمئن سے نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ ہر جمعرات کے روز رات تک، اندر میلہ سا لگتا ہے اور اس کے بعد اس قسم کا واقعہ ہوا کہ سرحدی دستوں کے چار پانچ سپاہی لاپتہ ہو گئے۔ اُن کے متعلق یہ رپورٹ دی گئی تھی کہ بھگوڑے ہو گئے ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جہاں دشمن کے ملکوں میں جاسوس بھیج رکھے تھے، وہاں اس نے اپنے ملک میں بھی جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ غیر مسلم مورخوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو خاص طور پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ اُس نے آج کے انٹیلی جنس نظام اور کمانڈو طریقۂ جنگ کو خصوصی اہمیت دے کر ٹریننگ کے نئے طریقے دریافت کیے اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ صرف دس افراد سے ایک ہزار نفری کی فوج کا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے یورپی مورخوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے اس فن کو تاریخ میں اتنی جگہ نہیں دی، جتنی دینی چاہیے تھی لیکن اُس دور کے وقائع نگاروں نے جو تحریریں قلمبند کی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ اسلام کا یہ عظیم پاسبان انٹیلی جنس، گوریلا اور کمانڈو اپریشن کا کس قدر ماہر تھا۔ اندرونِ ملک اس کی انٹیلی جنس گوشے گوشے پر نظر رکھتی اور فوج کی مرکزی کمان کو رپورٹیں دیتی رہتی تھی۔ یہ اسی نظام کی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت تھا کہ مصر کے دُور دراز کے ایسے علاقے کی سرگرمیوں کی بھی اطلاع مرکز کو پہنچا دی گئی تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس چھوٹے سے خطے کو تو خدا نے بھی فراموش کر رکھا ہے مگر مخبروں نے وہاں کے لوگوں کی صرف ذہنی تبدیلی دیکھی اور اسی کی اطلاع دی تھی، انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہوتا ہے۔ اس اطلاع کے بعد دو مخبر قتل یا لاپتہ ہو گئے تھے۔

وہاں کے لوگوں نے نہ صرف ٹیلوں کے ڈراؤنے علاقے کے اندر جانا شروع کر دیا، بلکہ وہ فرعونوں کی اس پیچ در پیچ عمارت کے کھنڈروں میں بھی جانے لگے تھے، جہاں جانے کے تصور سے ہی اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک گاؤں میں ایک شتر سوار آیا۔ یہ اجنبی مسلمان اور مصری تھا۔ اُس کا

اونٹ اچھی نسل کا اور تندرست تھا۔ اس مسافر نے گاؤں والوں کو اکٹھا کر کے یہ قصہ سنایا کہ وہ غربت سے تنگ آ چکا تھا۔ اب وہ رہزنی اور چوری کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ پیدل تھا۔ وہ اس اُمید پر اس علاقے میں آ گیا کہ یہاں کوئی آبادی نہیں ہے، اس لیے رہزنی کرتے پکڑا نہیں جائے گا۔ وہ بہت دِن پیدل چلتا رہا، مگر اسے کوئی شکار نہ ملا۔ آخر ٹیلوں کے اس علاقے میں جہاں کوئی نہیں جاتا، وہ جا کر گر پڑا۔ اس کے جسم میں طاقت نہیں رہی تھی۔ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے خدا سے مدد مانگی۔ اسے ایک گونج دار آواز سنائی دی...... "تم خوش قسمت ہو کہ تم نے ابھی گناہ نہیں کیا۔ گناہ کی صرف نیت کی ہے۔ اگر تم کسی کو لوٹ کر یہاں آتے تو تمہارا جسم ہڈیوں کا پنجر بن جاتا اور شیطان کے چھوڑے ہوئے درندے تمہارا گوشت جو تمہارے سامنے پڑا ہوا ہوتا، تمہیں دکھا دکھا کر کھا جاتے۔

اس آواز نے اجنبی پر غشی طاری کر دی۔ اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُسے اٹھا رہا ہے۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو وہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک سفید ریش بزرگ کھڑا تھا جو دودھ کی مانند سفید اور آنکھوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ وہ جان گیا کہ یہ آواز جو اُس نے سنی تھی، اسی بزرگ کی تھی۔ اجنبی کی زبان بند ہو گئی اور وہ کانپنے لگا۔ بزرگ نے اسے اُٹھا کر کہا...... "مت ڈر مسافر! یہ سب لوگ جو یہاں آنے سے ڈرتے ہیں، بدنصیب ہیں۔ انہیں شیطان اِدھر آنے نہیں دیتا۔ تم جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ یہاں اب فرعونوں کی خدائی نہیں رہی۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مملکت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہیں آسمان سے اُترنے والے ہیں۔ اب اسلام کی قندیلیں اسی کھنڈر سے روشن ہوں گی، جن کی روشنی ساری دُنیا کو منور کر دے گی۔ جاؤ، لوگوں کو ہمارا پیغام دو، انہیں یہاں لاؤ"...... اجنبی نے کہا کہ وہ اُٹھ نہیں سکتا، چل نہیں سکتا، جسم سوکھ گیا ہے۔ سفید ریش بزرگ نے کہا...... "تم اٹھو اور پچاس قدم شمال کی طرف جاؤ۔ پیچھے مُڑ کر نہ دیکھنا، ڈرنا نہیں۔ لوگوں تک پیغام پہنچا دینا، ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ تمہیں ایک اونٹ بیٹھا ہوا نظر آئے گا۔ اس کے ساتھ کھانا اور پانی ہوگا اور اس کے ساتھ جو کچھ ہو گا وہ تمہارا ہو گا"۔

اجنبی نے گاؤں والوں کو سنایا کہ وہ اُٹھ کر چلنے لگا تو اس کے جسم میں طاقت آ گئی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ یہ کسی فرعون کی بدروح ہے۔ اُس نے پیچھے نہیں دیکھا۔ بدروح کے ڈر سے قدم گنتا رہا اور راستہ گھوم گیا۔ پچاس قدم پر یہ اونٹ بندھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کھانا بندھا ہوا تھا، جو اس نے کھا لیا اور پانی پی لیا۔ اُس کے جسم میں ایسی طاقت آ گئی جو پہلے اُس کے جسم میں نہیں تھی۔ اس نے لوگوں کو ایک تھیلی کھول کر دکھائی جس میں سونے کی اشرفیاں تھیں۔ یہ تھیلی اونٹ کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اجنبی اونٹ پر سوار ہوا اور اس گاؤں میں آ گیا، جس میں بیٹھا وہ قصہ سنا رہا تھا۔ اس کے بعد اُس نے گاؤں والوں کو سفید ریش بزرگ کا پیغام دیا اور چلا گیا۔ اس کا سنانے کا انداز ایسا پُر اثر تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ٹیلوں کے علاقے میں جانے کا اشتیاق پیدا ہو گیا، لیکن گاؤں کے بوڑھوں نے کہا کہ یہ اجنبی انسان نہیں، بلکہ کھنڈر کے شر شرار کا حصہ ہے...... انسانی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ چھپے ہوئے کو بے نقاب کرنے کی اور بھید کو پا لینے کی کوشش کرتی ہے، جن جسموں میں جوانی کا خون ہوتا ہے، وہ خطرے مول لے لیتے ہیں۔ گاؤں کے جوانوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ وہاں جائیں گے۔ اشرفیوں کا جادو بڑا سخت تھا، جس سے وہ لوگ بچ نہیں سکتے تھے۔

☆

اس چالیس میل لمبے اور دس میل چوڑے خطے میں جتنے گاؤں تھے، ان سب سے اطلاعیں ملیں کہ ایک اجنبی مسافر یہی قصہ سنا گیا ہے۔ کچھ لوگ تذبذب میں تھے اور کچھ تذبذب اور فیصلے کے درمیان بھٹک رہے تھے، مگر اُدھر جانے

سے ڈرتے تھے، بعض آدمی گئے بھی لیکن ٹیلوں کے پُراسرار علاقے کو دُور سے دیکھ کر واپس آ گئے۔ کچھ روز بعد دو جوان سال شتر سوار تمام علاقے میں گھوم گئے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی قصہ سنایا جو ذرا مختلف تھا۔ وہ بہت دُور کے سفر پر گھوڑوں پر جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ دو ٹٹو تھے جن پر قیمتی مال تھا۔ یہ تجارت کا مال تھا جو وہ سوڈان لے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ مال کے ساتھ گھوڑے اور ٹٹو بھی چھین لیے اور انہیں زندہ چھوڑ دیا۔ یہ دونوں ٹیلوں کے علاقے میں آ کر تھکن، بھوک، پیاس اور غم سے گر پڑے۔ انہیں بھی سفید ریش بزرگ نظر آیا۔ اُس نے انہیں وہی پیغام دیا اور کہا...... ''تمہیں شیطان کے درندوں نے لوٹا ہے۔ تم اللہ کے نیک بندے ہو، جاؤ، تمہیں پچاس قدم پر دو اونٹ کھڑے ملیں گے اور ان کے ساتھ جو کچھ بندھا ہو گا وہ تمہارا ہو گا، لیکن مال و زر دیکھ کر آپس میں لڑ نہ پڑنا، ورنہ ہمیشہ کے لیے اندھے ہو جاؤ گے''...... انہیں بھی اس بزرگ نے کہا کہ گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو پیغام دیں کہ ان کھنڈروں سے ڈریں نہیں۔

اس کے بعد ایسی ہی بہت سی روائتیں سنی اور سنائی جانے لگیں۔ ان میں ڈر اور خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا، بلکہ ایسی کشش تھی کہ لوگوں نے ٹیلوں کے اِردگرد پھرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے بعض لوگوں کو اندرونی علاقے سے باہر جاتے اور آتے بھی دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ اندر ایک درویش بزرگ ہے جو غیب کا حال بتاتا اور آسمانوں کی خبر دیتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ امام مہدی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتا تھا۔ ایک بات وثوق سے کہی جاتی تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہے، خدا کا بھیجا ہوا ہے اور گناہ گاروں سے نہ ملتا ہے، نہ انہیں نظر آتا ہے۔ اس کے پاس جانے کے لیے نیت صاف ہونی چاہیے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ مُردوں کو بھی زندہ کرتا ہے...... یہ طلسماتی اور پُراسرار روائتیں اور حکائتیں لوگوں کو اندرونی علاقے میں لے جانے لگیں۔ آگے جا کر انہوں نے پہلی بار وہ کھنڈر دیکھے، جن سے وہ ڈرتے تھے۔ وہ ان کے اندر بھی گئے۔ یہ کمروں، غلام گردشوں اور غاروں جیسے راستوں کی بھول بھلیاں تھیں۔ ایک کمرہ بہت ہی وسیع اور اس کی چھت اونچی تھی۔ جالے لٹک رہے تھے اور ماحول پر ہیبت طاری تھی، لیکن وہاں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں سیڑھیاں فرش سے نیچے جاتیں اور تہ خانوں میں جا کر ختم ہوتی تھیں۔

یہ عمارت اُن فرعونوں کی تھی جو اپنے آپ کو خدا کہتے تھے۔ وہ کسی کسی کو نظر آتے تھے۔ لوگوں کو اس عمارت میں اکٹھا کر لیا کرتے اور لوگوں کو ان کی صرف آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ آواز ایسی سُرنگوں میں سے گزر کر آتی تھی جن کے دہانے بڑے کمرے میں تھے، مگر نظر نہیں آتے تھے۔ بولنے والا سرنگ کے دوسرے سرے پر ہوتا تھا جس کے متعلق کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ کہاں ہے۔ وہ اسے خدا کی آواز سمجھتے تھے جو عام آدمی کو نظر نہیں آتا۔ ان بڑے کمروں میں روشنیوں کا ایسا انتظام ہوا کرتا تھا کہ مشعلیں نظر نہیں آتی تھی، کمرے روشن رہتے تھے۔ آئینے کی طرح چمکیلی دھات کی چادریں استعمال کی جاتی تھیں، جن سے چھپی ہوئی مشعلوں کی روشنی منعکس ہوتی تھی...... وہ تو صدیوں پرانی بات تھی۔ اب صلاح الدین ایوبی کے دور میں اس عمارت میں پھر وہی آوازیں گونجنے لگیں، جنہیں لوگ خدا کی آوازیں سمجھا کرتے تھے۔ ذرا سے وقت میں لوگوں کے دِلوں سے کھنڈروں کی ہیبت نکل گئی۔ وہ جب بڑے کمرے میں جاتے تو اس سے پہلے انہیں اندھیری اور فراخ سرنگوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ آگے بہت ہی فراخ اور اونچی چھت والا کمرہ آ جاتا، جس میں روشنی ہوتی مگر کوئی مشعل نظر نہیں آتی تھی۔ وہاں گونج کی طرح آواز آتی...... ''ہم نے تمہیں اندھیروں میں سے نکال کر روشنی دکھائی ہے۔ کوہ طور کی روشنی ہے۔ اس نور کو دلوں میں داخل کر لو۔ فرعونوں کی بدروحیں بھی مر گئی ہیں۔ اب یہاں موسیٰ علیہ السلام کا نور ہے اور اس نور کو عیسیٰ علیہ السلام اور زیادہ منور کرے گا۔ خدا کو یاد کرو، کلمہ پڑھو''۔ اور لوگ حیرت سے منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے

ایک دوسرے کو دیکھتے اور کلمہ طیبہ گنگنانا شروع کر دیتے تھے۔

اگر اس آواز میں خدا، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کلمہ طیبہ کا ذکر نہ ہوتا تو لوگ شاید اس کا یہ اثر قبول نہ کرتے، جو وہ کر رہے تھے۔ وہ سب مسلمان تھے۔ اپنے مذہب کے نام پر وہ اس اثر کو قبول کرتے تھے..... اور جب انہیں یہ آواز سنائی دی..... ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے غارِ حرا کے اندھیرے میں رسالت عطا کی تھی۔ تمہیں بھی ان غاروں کے اندھیرے میں خدا کا نور نظر آئے گا''..... تو لوگوں نے سر جھکا لیے اور اس آواز کو جس کی گونج میں طلسماتی اثر تھا، اپنے دِل پر نقش کر لیا، لیکن لوگ اس ہستی تک پہنچنا چاہتے تھے جس کی یہ آواز تھی اور جو مسافروں کو اونٹ، کھانا، پانی اور اشرفیاں دیتی اور مردوں کو زندہ کرتی تھی۔ لوگوں کی بیتابیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے گھروں کو جاتے تو انہیں عورتیں بتاتیں کہ ایک اجنبی آیا تھا جو کھنڈر والے درویش کی کرامات سنا گیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اُس نے درویش کی زیارت کی ہے۔ ایک روز ان دیہات میں جو سب سے بڑا گاؤں ہے، وہاں کی مسجد کے پیش امام سے لوگوں نے استفسار کیا۔ اُس نے کہا..... ''وہ مقدس انسان ہے، صرف نیک لوگوں سے ملتا ہے، نیک وہ ہوتا ہے جو خون خرابہ نہ کرے، صلح اور امن کی زندگی بسر کرے۔ یہ مقدس درویش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام لایا ہے۔ اس پیغام میں محبت ہے، جنگ و جدل نہیں۔ اس پیغام میں یہ نصیحت ہے کہ کسی کو زخمی نہ کرو، بلکہ زخمی کے زخموں پر مرہم رکھو..... اگر تم لوگ ان اصولوں پر زندگی بسر کرو گے تو یہ درویش تمہاری کایا پلٹ دے گا''۔

جب ایک امام مسجد نے بھی اس مقدس درویش کو اور اس کی آواز کو برحق کہہ دیا تو کسی شک وشبے کی گنجائش نہ رہی۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کھنڈروں میں جانے لگے تو اعلان ہوا کہ ہر جمعرات کے روز اندر جانے کی اجازت ہوگی اور شام کو میلہ لگا کرے گا۔ چنانچہ اُس روز سے جمعرات کا دن مخصوص ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی عورتوں کو بھی وہاں جانے کی اجازت مل گئی۔ اب کھنڈروں کے اندر اپنی مرضی سے کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ جمعرات کے روز ان کے اِردگرد میلے کا سماں ہوتا تھا۔ دُور دُور سے لوگ اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں پر اور پیدل بھی آتے اور شام کو کھنڈروں میں جانے کے وقت کا انتظار کرتے تھے..... اندر کی سنسنی خیز دُنیا میں انقلاب آ گیا، وہاں اب لوگوں کو گناہ اور نیکی کے، تاریکی اور روشنی کے تصورات ایسی صورت میں نظر آتے تھے کہ لوگ انہیں مجسم اور متحرک صورت میں دیکھتے اور حیرت زدہ ہوتے تھے۔ کسی کو کوئی اُلٹا سیدھا سوال اور شک کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی وہ کسی سوال اور شک کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

سورج غروب ہوتے ہی اندھیرے سرنگ کا منہ کھل جاتا جو اندر لے جاتی تھی۔ یہ دراصل اس عمارت کے درمیان سے گزرنے والا راستہ تھا۔ اس کی دیواریں بہت بڑے بڑے بلاکوں کی تھیں۔ اوپر ایسی ہی چھت تھی۔ یہ سرنگ ہر دس بارہ قدموں بعد دائیں یا بائیں کو مُڑتی تھی۔ اس کے دروازے یا دہانے سے باہر چند ایک آدمی کھڑے ہوتے تھے۔ ان کے پاس کھجوروں کے انبار لگے ہوتے تھے۔ یہ کھجوریں لوگوں کی لائی ہوئی ہوتی تھیں، جسے نذرانہ کہا جاتا تھا۔ زائرین کھجوریں ایک جگہ ڈھیر کر دیتے تھے۔ کھجوروں کے پاس پانی کے مشکیزے رکھے ہوتے تھے۔ شام کو جب زائرین کو اندر جانے کی اجازت ملتی تھی تو دروازے پر ہر ایک کو تین کھجوریں کھلا کر چند گھونٹ پانی پلایا جاتا اور اندر بھیج دیا جاتا۔ تاریک سرنگ سے گزر کر جب یہ لوگ روشن ہال کمرے میں پہنچتے تو وہاں انہیں آوازیں سنائی دیتیں..... ''کلمہ طیبہ پڑھو۔ اپنے اللہ کو یاد کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہونے والا ہے۔ دِل سے بدی اور دشمنی نکال دو۔ لڑائی جھگڑا ختم کر دو اور دیکھو ان کا حشر جنہیں جنت کا دھوکہ دے کر لڑایا گیا تھا''۔

اس آواز کے ساتھ ہی لوگوں کی آنکھوں میں نہایت تیز روشنی پڑتی۔ انہیں ایک طرف منہ کر کے کھڑا کیا جاتا تھا۔ ان کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتیں تو روشنی ذرا مدھم ہو جاتی۔ اس کے بعد روشنی کبھی تیز ہوتی، کبھی مدھم اور لوگوں کے سامنے والی دیوار پر ستارے چمکتے نظر آتے۔ ان ستاروں میں جنبش ہوتی اور انتہائی مکروہ اور بھدی شکلوں والے انسان جاتے نظر آتے۔ گونج دار آواز سنائی دیتی ...... "یہ سب تمہاری طرح جوان اور خوب صورت تھے۔ انہوں نے خدا کا پیغام نہ سنا۔ یہ کمر کے ساتھ تلواریں سجا کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے جیسے خوب صورت جوانوں کو قتل کیا۔ انہیں دھوکہ دیا گیا کہ تم لڑو، مر جاؤ گے تو جنت میں جاؤ گے۔ دیکھ لو ان کا انجام۔ خدا نے انہیں شیطان کے درندے بنا کر کھلا چھوڑ دیا ہے" ......

ان آوازوں کے ساتھ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سنائی دیتی۔ کچھ اور آوازیں بھی سنائی دیتیں جو مختلف درندوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ روشنی اتنی تیز ہو جاتی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتیں، پھر لمبے لمبے دانتوں والے درندے دائیں سے بائیں جاتے نظر آتے۔ یہ بھی انسان تھے، لیکن ان کی شکلیں بڑے ہی ڈراؤنے بھیڑیوں جیسی تھیں۔ انہوں نے بازوؤں پر برہنہ لڑکیاں اُٹھا رکھی تھیں۔ یہ لڑکیاں جوان اور خوب صورت تھیں۔ لڑکیاں تڑپتی تھیں۔ بادل کی گرج اور زیادہ بلند سنائی دیتی اور آواز آتی ...... "انہیں اپنے حسن پر ناز تھا۔ انہوں نے خدا کے حُسن کو ناپاک کیا تھا" ...... ان ڈراؤنی اور بھیانک شکلوں کے بعد بڑے ہی خوبرو مرد اور خوب صورت عورتیں گزرتیں۔ یہ سب ہنستے کھیلتے جاتے تھے۔ یہ نیک اور پاک لوگ تھے، جن کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ انہوں نے کبھی لڑائی جھگڑے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ سراپا محبت، پیار اور خلوص تھے۔

اس کے بعد زائرین کو ایک تہ خانے میں لے جایا جاتا، جہاں انسانی ہڈیوں کے پنجر بھی تھے اور خوب صورت لڑکیاں بھی گھومتی پھرتی اور مُسکراتی نظر آتی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آواز سنائی دیتی ...... "حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ظہور ہونے والا ہے ...... جنگ و جدل اور خون خرابہ دِل سے نکال دو" ...... تہ خانے کا ایک راستہ اور تھا جس سے لوگوں کو باہر نکال دیا جاتا۔ لوگوں پر ایسا تاثر طاری ہوتا تھا جیسے وہ سو گئے تھے اور انہوں نے بڑا ہی عجیب خواب دیکھا ہو، جو ڈراؤنا تھا اور خوب صورت بھی۔ وہ ایک بار پھر اندر جانے کو بے تاب ہوتے تھے، لیکن کسی کو اس طرف جانے نہیں دیا جاتا تھا، جدھر سے لوگ اندر جاتے تھے۔ وہ اپنے گھروں کو واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔ رات وہیں کھنڈروں کے قریب ہی گزار دیتے تھے۔ وہاں کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھ کر انہیں اندر کے راز بتاتے تھے۔ ایک راز یہ تھا کہ اندر جس کی آواز سنائی دیتی ہے وہ خدا کی طرف سے یہ پیغام لے کر آیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دُنیا میں آ رہے ہیں اور خلیفہ العاضد بھی دُنیا میں واپس آ گیا ہے۔

العاضد فاطمی خلافت کا خلیفہ تھا، جس کی گدی مصر میں تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے معزول کر کے مصر کو بغداد کی خلافتِ عباسیہ کے تحت کر دیا تھا۔ العاضد اس کے فوراً بعد مر گیا تھا۔ یہ دو اڑھائی سال پہلے کا واقعہ تھا۔ فاطمیوں نے صلیبیوں اور حشیشین کے ساتھ ساز باز کر کے ایک سازش تیار کی تھی، جس کے تحت سلطان صلاح الدین ایوبی کا تختہ اُلٹنا اور مصر میں فاطمی خلافت بحال کرنا تھا۔ اس سازش کی کامیابی کے لیے سوڈانیوں کو تیار کیا جا رہا تھا کہ وہ مصر پر حملہ کر دیں۔

کھنڈر کے مریدوں کی تعداد میں اور اس کی عقیدت مندی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور جنوب مغربی علاقے کے لوگ قائل ہوتے جا رہے تھے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خلیفہ العاضد کو واپس بھیج چکے ہیں اور خود بھی واپس آ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے فوج میں بھرتی ہونے سے توبہ کر لی تھی، کیونکہ وہ جنگ و جدل کو گناہ سمجھنے لگے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کو ایک گناہ گار بادشاہ قرار دے دیا گیا تھا جو اپنی بادشاہی کو وسعت دینے کے لیے جوانوں کو یہ دھوکہ دے کر فوج میں بھرتی کرتا تھا کہ وہ شہید ہوں گے اور سیدھے جنت میں جائیں گے۔ کھنڈروں کے اندر کی دُنیا لوگوں کے لیے عبادت گاہ بن گئی تھی،

بعض نے تو ٹیلوں کے علاقے میں یہ ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ وہ اس مقدس درویش کی زیارت کے لیے بے قرار رہتے تھے، جس کی آواز کھنڈروں میں سنائی دیتی تھی، مگر وہ انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ایک نیا فرقہ جنم لے رہا تھا۔

اس زخمی حشیش کو جو سلطان صلاح الدین ایوبی پر قاتلانہ حملے میں زخمی ہوا تھا، علی بن سفیان قاہرہ لے گیا، جہاں اسے ایک الگ تھلگ مکان میں رکھا گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے حکم کے مطابق اس کے علاج کے لیے ایک جراح مقرر کر دیا گیا۔ وہ آخر مجرم تھا۔ اُسے جس مکان میں رکھا گیا، اس کے دروازے پر ایک سنتری کھڑا رہتا تھا۔ وہ ابھی بھاگنے کے قابل نہیں تھا۔ کھنڈروں کی نشاندہی اسی نے کی تھی۔ فیصلہ ہوا تھا کہ یہ ٹھیک ہو جائے تو اس کی رہنمائی میں جاسوس بھیج کر کھنڈروں کے اندر کے حالات دیکھے جائیں گے۔ ہو سکتا تھا کہ یہ زخمی جھوٹ بول رہا ہو۔ علی بن سفیان نے قاہرہ آتے ہی اپنے نائب حسن بن عبداللہ اور کوتوال غیاث بلبیس سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس علاقے میں اپنا کوئی مخبر اور جاسوس نہ بھیجیں، جس کے متعلق انہیں رپورٹ ملی ہے کہ وہاں کے لوگ فوج کے خلاف ہو گئے ہیں۔ علی کو کسی بہت بڑے اور کارآمد انکشاف کی توقع تھی۔

زخمی کو معلوم نہیں، کیوں یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہے گا۔ وہ روتا تھا اور بار بار اپنے گاؤں کا نام بتا کر کہتا تھا کہ میری بہن کو بلا دو، میں اسے دیکھ نہیں سکوں گا۔ علی بن سفیان اس کی اسی کمزوری کو اُس سے مزید راز اگلوانے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ زخمی اپنی بہن کے متعلق غیر معمولی طور پر جذباتی تھا۔ علی کو جب یقین ہو گیا کہ زخمی کے سینے میں اب اور کوئی بات نہیں رہ گئی تو اُس نے دو پیامبر بلا کر انہیں زخمی کا گاؤں اور علاقہ بتایا اور کہا کہ اس کی بہن کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ یہ علاقہ مصر کے جنوب مغرب میں ہی تھا...... پیامبر اُسی وقت روانہ ہو گئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی محاذ پر پہنچ گیا اور شوبک کے قلعے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے پر قاتلانہ حملے کا کوئی تاثر نہیں تھا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کے محافظ دستے کا کمانڈر اور دیگر حکام جو اُس کے ساتھ تھے، بہت پریشان اور شرمسار تھے۔ وہ ڈرتے بھی تھے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کسی نہ کسی مقام پر اُن پر برس پڑے گا اور جواب طلبی بھی کرے گا مگر اُس نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ البتہ اپنی مرکزی کمان کے فوجی حکام سے کہا...... "آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ آپ میری جنگی چالیں غور سے دیکھتے رہا کریں۔ دشمن نے جو دوسرا محاذ کھول رکھا ہے، اس پر گہری نظر رکھیں اور تخریب کاروں کی پکڑ دھکڑ اور سرکوبی کرتے رہیں"...... اُس نے کسی سے اتنا بھی نہ کہا کہ محافظ دستے کی چھان بین کی جائے۔ اس نے اتنے بڑے حادثے کا کوئی اثر ہی نہ لیا۔ شوبک قلعے میں پہنچا اور سب سے پہلے پوچھا کہ کوئی جاسوس واپس آیا ہے یا نہیں۔ اسے بتایا گیا کہ دو جاسوس کارآمد معلومات لائے ہیں۔ اُس نے دونوں کو بلا لیا اور صلیبیوں کے ارادوں کے متعلق رپورٹیں لیں۔ اُسے تقریباً وہ تمام پلان بتا دیا گیا جو صلیبیوں نے تیار کیا تھا۔ اُس نے نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کے سالار اور مصر سے آئی ہوئی فوج کے سالار اور دونوں کے نائبین کو بلا بھیجا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔

چوتھے روز زخمی حشیش کی بہن آ گئی۔ اُس کے ساتھ چار آدمی تھے، جن کے متعلق بتایا گیا کہ زخمی کے چچا اور تایا زاد بھائی ہیں۔ بہن جوان اور پُرکشش تھی اور اپنے بھائی کے لیے بہت ہی پریشان تھی۔ زخمی اس کا اکیلا بھائی تھا۔ اُن کے ماں باپ مر چکے تھے۔ اُسے اور اس کے ساتھ آئے ہوئے چار آدمیوں کو زخمی کے پاس لے جانے کے لیے علی بن سفیان کی اجازت کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے بہن کو اجازت دے دی، اُس کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں کو نہ ملنے دیا۔ انہوں نے منت سماجت کی اور کہا کہ وہ اتنی دُور سے آئے ہیں۔ انہیں صرف اتنی اجازت دی جائے کہ زخمی کو دیکھ لیں۔ وہ

کوئی بات نہیں کریں گے۔ علی بن سفیان نے اس طرح اجازت دی کہ خود اُن کے ساتھ ہوگا اور انہیں فوراً باہر نکال دے گا۔
اُس نے ایسا ہی کیا۔ اُسی وقت اِن سب کو زخمی کے پاس لے گیا۔ بہن نے بھائی کو دیکھا تو اُس کے اوپر گر پڑی۔ بھائی کا منہ چومنے لگی اور زار و قطار رونے لگی۔ دوسرے آدمیوں کے متعلق علی بن سفیان نے زخمی سے کہا کہ ان سے ہاتھ ملا لو، یہ واپس جا رہے ہیں۔ اُس نے چاروں سے ہاتھ ملایا تو علی بن سفیان نے انہیں باہر چلے جانے کو کہا اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ آئندہ اسے نہیں مل سکیں گے۔ وہ چلے گئے۔ بہن نے علی بن سفیان کے قدموں میں بیٹھ کر اُس کے پاؤں پکڑ لیے اور رو رو کر منت کی کہ اُسے بھائی کی خدمت کے لیے وہیں رہنے دیا جائے۔ علی بن سفیان ایک بہن کی ایسی جذباتی التجا کو ٹھکرا نہ سکا۔ اُس نے لڑکی کی جامہ تلاشی لی اور اُسے وہیں رہنے کی اجازت دے دی اور وہاں سے چلا گیا۔

بہن بھائی اکیلے رہ گئے تو بہن نے بھائی سے پوچھا کہ اُس نے کیا کیا ہے۔ بھائی نے بتا دیا۔ بہن نے پوچھا کہ اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ بھائی نے جواب دیا...... ''امیرِ مصر پر قاتلانہ حملے کا جرم بخشا تو نہیں جائے گا۔ اگر ان لوگوں نے مجھ پر رحم کیا تو سزائے موت نہیں دیں گے، ساری عمر کے لیے تہہ خانے کی قید میں ڈال دیں گے''۔

''پھر میں ساری عمر تمہیں نہیں دیکھ سکوں گی؟'' بہن نے پوچھا۔

''نہیں شارجا!'' ...... بھائی نے رندھیائی ہوئی آواز میں کہا...... ''پھر میں مر بھی نہیں سکوں گا، جی بھی نہیں سکوں گا۔ وہ جگہ بڑی خوفناک ہے، جہاں ہمیشہ کے لیے قید کر دیں گے''۔

بہن جس کا نام شارجا تھا، بچوں کی طرح بلبلا اُٹھی۔ اس نے کہا...... ''میں نے تمہیں اُس وقت بھی روکا تھا، کہ ان لوگوں کے چکر میں نہ پڑو، مگر تم نے کہا کہ صلاح الدین ایوبی کا قتل جائز ہے۔ تم لالچ میں آ گئے تھے۔ تم نے میری بھی پروا نہ کی، میرا کیا بنے گا۔ تم نہ ہوئے تو میرا آسرا کون ہوگا''۔

زخمی بھائی کا ذہن تقسیم ہو گیا تھا۔ کبھی وہ پچھتاوے کی باتیں کرتا اور کہتا کہ وہ ان لوگوں کے جھانسے میں آ گیا تھا۔ اُس نے یہ بھی کہا...... ''صلاح الدین ایوبی انسان نہیں، خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہے۔ ہم چار ہٹے کٹے جوان مل کر اتنا بھی نہ کر سکے کہ اس کے جسم پر خنجر کی نوک سے خراش ہی ڈال دیتے۔ اُس پر زہر نے بھی اثر نہیں کیا۔ اس اکیلے نے تین کو جان سے مار دیا اور مجھے موت کے منہ میں ڈال دیا''۔

''یہ کہنے والے جھوٹ تو نہیں کہتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کا ایمان اتنا مضبوط ہے کہ اُسے کوئی گناہ گار قتل نہیں کر سکتا''۔ بہن نے کہا...... ''تم چاروں مسلمان تھے۔ اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ بھی مسلمان ہے''۔

''اس نے خدا کے خلیفہ کی گدی کی توہین کی ہے''۔ زخمی بھائی کا دماغ اُلٹی طرف چل پڑا۔ اُس نے جوشیلے لہجے میں کہا...... ''تم نہیں جانتی کہ خلیفہ العاضد خدا کے بھیجے ہوئے خلیفہ تھے''۔

''جو کوئی جو کچھ بھی تھا'' ...... بہن نے کہا...... ''میں یہ جانتی ہوں کہ تم میرے بھائی ہو اور مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہو۔ کیا تمہارے بچنے کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟''

''شاید پیدا ہو جائے''۔ بھائی نے جواب دیا...... ''میں نے اس شرط پر انہیں سارے راز بتا دیئے ہیں کہ میرا گناہ بخش دیں، مگر میرا گناہ اتنا سنگین ہے جو شاید نہ بخشا جائے''۔

اس وقت زخمی کو سو جانا چاہیے تھا اور اُسے اتنا زیادہ بولنا نہیں چاہیے تھا، کیونکہ پیٹ کے زخم کھل جانے کا ڈر تھا، مگر وہ بولتا جا رہا تھا اور بہن رو رہی تھی۔ بولتے بولتے اُسے پیٹ کے زخم میں ٹیسیں محسوس ہونے لگیں اور وہ بے حال

ہوگیا۔ اس نے بہن سے کہا..... ''شارجا! باہر جاؤ۔ کوئی آدمی ملے تو اُسے کہو کہ طبیب یا جرّاح کو بلا دے۔ میں مر ہوں''۔ شارجا دوڑتی باہر گئی۔ باہر سنتری کھڑا تھا۔ اُس نے اُسے بھائی کی حالت بتائی تو اُس نے شارجا کو اس جرّاح ک گھر کا راستہ بتا دیا، جسے زخمی کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اُسے سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ دن ہو یا رات، زخمی کو ز رکھنے کی پوری کوشش کرے۔ وہ شاہی جرّاح تھا۔

شارجا دوڑتی گئی۔ جرّاح کا گھر بالکل قریب تھا۔ شارجا نے جرّاح کو بھائی کی حالت بتائی تو وہ بھاگم بھاگ اور زخمی کو دیکھا۔ اُس کے پیٹ کی پٹی خون سے لال ہوگئی تھی۔ جرّاح نے فوراً پٹی کھولی۔ خون بند کرنے کے لیے اس سفوف ڈالے اور بہت سا وقت صرف کر کے پٹی باندھی۔ خون بند ہوگیا۔ اُس نے زخمی کو دوائی پلا دی، جس کے اثر اُسے نیند آگئی اور وہ سوگیا۔ شارجا اس جواں سال جرّاح کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ اتنی را گئے کوئی اس کے مجرم بھائی کو دیکھنے آجائے گا، لیکن جرّاح دوڑتا آیا اور اس نے اتنے انہماک سے زخمی کی مرہم پٹی کی شارجا کو حیران کردیا۔ زخمی کی آنکھ لگ گئی تو جرّاح نے آنکھیں بند کر کے اور ہاتھ اوپر اُٹھا کر سرگوشی کی..... ''زندگی اور مو تیرے ہاتھ میں ہے، میرے خدا! اس بدنصیب کے حال پر کرم کرو۔ اسے زندگی عطا کرو، خدائے عزّ وجل''۔

شارجا کے آنسو نکل آئے۔ اُس پر جرّاح کا تقدس طاری ہوگیا۔ اُس نے جرّاح کے قریب دو زانو ہو کر ا ایک ہاتھ پکڑا اور چوم لیا۔ جرّاح کے پوچھنے پر شارجا نے بتایا کہ وہ زخمی کی بہن ہے۔ اُس نے جرّاح سے پوچھا..... '' آپ کے دل میں اتنا زیادہ رحم ہے کہ میرے بھائی کو آپ تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے یا اسے اس لیے زندہ رکھنا چاہتے ہیں یہ آپ کو راز کی ساری باتیں بتا دے؟''

''مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس کے پاس کوئی راز ہے یا نہیں''۔ جرّاح نے کہا..... ''میرا فرض ہے کہ ا زندہ رکھوں اور اس کے زخم بالکل ٹھیک کردوں۔ میری نگاہ میں مومن اور مجرم میں کوئی فرق نہیں''۔

''آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے''۔ شارجا نے کہا..... ''اگر معلوم ہوتا تو آپ اس کے زخم پر م رکھنے کی بجائے اس میں نمک بھر دیتے''۔

''مجھے معلوم ہے''۔ جرّاح نے جواب دیا..... ''لیکن میں اسے زندہ رکھنے کی پوری کوشش کروں گا''۔

شارجا اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے جرّاح کے ساتھ اپنی باتیں شروع کردیں۔ اسے بتایا کہ اُس کے ماں با بچپن میں مرگئے تھے۔ اُس وقت اس کا بھائی دس گیارہ سال کا تھا۔ اس نے شارجا کو پالا پوسا اور جوان کیا۔ اگر اس کا ب نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی اسے اغوا کر کے لے جاتا۔ بھائی نے زندگی بہن کے لیے وقف کردی تھی۔ جرّاح انہماک سے اس باتیں سنتا رہا اور اُسے اس خیال سے باہر صحن میں لے گیا کہ زخمی کی آنکھ نہ کھل جائے۔ جرّاح ایسے انداز سے شارج باتیں سن رہا تھا، جسے وہ رات یہیں گزارے گا، مگر وہ جانے لگا تو شارجا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا..... ''آپ چلے جائیں تو مجھے ڈر آئے گا''..... جرّاح نے اُسے بتایا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا اور اس کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتا۔ جر گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ شارجا کی خاطر کچھ دیر اور رُک گیا اور رات کے پچھلے پہر گیا..... دوسرے دن کا سورج ابھی ط نہیں ہوا تھا کہ وہ زخمی کو دیکھنے آگیا۔ اُس نے رات والے انہماک سے اس کی مرہم پٹی کی۔ زخمی کو دودھ پلایا اور ایسا دیا جو شارجا نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

اس دوران علی بن سفیان آیا۔ زخمی کی حالت دیکھ کر چلا گیا، لیکن جرّاح نہ گیا۔ وہ شارجا کے ساتھ باتیں کر

اس کی باتیں سنتا رہا۔ اُس روز شام تک وہ تین بار زخمی کو دیکھنے آیا۔ حالانکہ وہ صرف دوپہر کو آیا کرتا تھا۔ شام کو وہ چلا گیا تو زخمی نے اپنی بہن سے کہا...... ''شارجا! میری ایک بات غور سے سن لو۔ میری زندگی اس جرّاح کے ہاتھ میں ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں دیکھ کر یہ میرا علاج پہلے سے زیادہ اچھے طریقے سے کرنے لگا ہے۔ میں موت قبول کر لوں گا، مگر اسے اتنی زیادہ قیمت نہیں دوں گا جو اِس نے دِل میں رکھ لی ہے...... مجھے شک نہیں یقین ہے کہ یہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے تمہاری عزت کا نذرانہ لینا چاہتا ہے''۔

''میں تو اسے فرشتہ سمجھتی ہوں''۔ شارجا نے کہا...... ''اس نے ابھی تک کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں کیا اور میں بچی بھی تو نہیں، لیکن میں اسے ایسا سمجھتی نہیں''۔

شارجا کا انداز ایسا تھا جس نے بھائی کو شک میں ڈال دیا کہ وہ جرّاح میں دلچسپی لیتی ہے۔

☆

اُس رات جرّاح آیا۔ زخمی سو گیا تھا۔ شارجا جاگ رہی تھی۔ وہ جرّاح کے ساتھ صحن میں چلی گئی۔ کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ جرّاح نے اسے کہا کہ اُس کا بھائی دوائی کے اثر سے اتنی گہری نیند سو گیا ہے کہ صبح تک اس کی آنکھ شاید نہیں کھلے گی۔ آؤ، میرے گھر چلو...... شارجا کچھ جھجکی، لیکن جرّاح کی پیش کش ٹھکرا نہ سکی۔ اُس کے ساتھ چلی گئی۔ یہ خوبرو، جواں سال اور حلیم طبع جرّاح اکیلا رہتا تھا۔ شارجا بالغ دماغ لڑکی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ آج رات یہ آدمی اُس کے سامنے بے نقاب ہو جائے گا، مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ اس کے ساتھ ہمدرد دوستوں کی طرح باتیں کرتا رہا۔ لڑکی کو اُس کے اتنے مشفقانہ سلوک نے پریشان کر دیا۔ اُس نے بے اختیار اس سے پوچھا...... ''میں صحرا کے دور دراز علاقے کی غریب سی لڑکی ہوں اور ایک ایسے مجرم بہن ہوں جس نے مصر کے بادشاہ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اس کے باوجود آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں، جس کی میں حق دار نہیں ہوں''...... جرّاح نے مُسکراہٹ کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی نے صاف کہہ دیا...... ''مجھ میں اس خوبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ میں جوان لڑکی ہوں اور شاید میری شکل و صورت بھی اچھی ہے''۔

''تم میں ایک خوبی اور بھی ہے، جس کا تمہیں علم نہیں''۔ جرّاح نے کہا...... ''تمہاری عمر اور تمہاری ہی شکل و صورت کی میری ایک بہن تھی۔ جس طرح تم بہن بھائی اکیلے ہو، اسی طرح میں اور میری بہن اکیلے رہ گئے تھے۔ میں نے تمہارے بھائی کی طرح اپنی بہن کو پالا پوسا اور اپنی زندگی اور ساری خوشیاں اس کے لیے وقف کر دی تھیں۔ وہ بیمار ہوئی اور میرے ہاتھوں میں مر گئی۔ میں اکیلا رہ گیا۔ تمہیں دیکھا تو شک ہوا کہ جیسے میری بہن مجھے مل گئی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو جوان اور خوب صورت لڑکی سمجھتی ہو اور میری نیت پر شک ہے تو اس کا یہی علاج ہے کہ میں تم میں ایسی دلچسپی کا اظہار نہیں کروں گا جو اب تک کیا ہے۔ تمہارے بھائی میں پوری دلچسپی لیتا رہوں گا۔ اُسے ٹھیک کرنا میرا فرض ہے''۔

شارجا رات دیر سے وہاں سے واپس آئی۔ جرّاح اُس کے ساتھ تھا۔ لڑکی کے شکوک رفع ہو چکے تھے۔

دوسرے دن جرّاح زخمی کو دیکھنے آیا۔ اُس نے شارجا کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ وہ جانے لگا تو شارجا نے باہر جا کر اسے روک لیا۔ وہ رو رہی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ جرّاح اُس سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔ جرّاح نے اُسے بتایا کہ وہ ناراض نہیں لیکن وہ اسے کسی اور شک میں نہیں ڈالنا چاہتا...... رات کو جب زخمی سو گیا تو شارجا وہاں سے نکل گئی اور جرّاح کے گھر چلی گئی۔ یہ اس کی بے تابی تھی جس پر وہ قابو نہ پا سکی۔ بہت دیر تک جرّاح کے پاس رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ گانٹھیں پڑی ہوئی تھیں، جنہیں وہ کھولنا چاہتی تھی۔ اُس نے جرّاح سے پوچھا...... ''کیا خلیفہ خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں؟''

''خلیفہ انسان ہوتا ہے''۔ جرآح نے جواب دیا...... ''خدا کے بھیجے ہوئے نبی اور پیغمبر تھے۔ یہ سلسلہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر ختم ہو گیا ہے۔''

''صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا ہے؟'' لڑکی نے پوچھا

''نہیں''۔ جرآح نے جواب دیا...... ''وہ بھی انسان ہے، لیکن عام انسانوں سے اس کا رُتبہ بلند ہے، کیونکہ وہ خدا اور خدا کے بھیجے ہوئے آخری رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے عظیم پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانا چاہتا ہے''۔

ایسے اور بہت سے سوال تھے جو شارجانے پوچھے اور جرآح نے اس کے شکوک رفع کیے۔ اُس نے کہا...... ''پھر میرا بھائی بہت بڑا گناہ گار ہے۔ اگر اسے کوئی یہ باتیں بتا دیتا جو آپ نے مجھے بتائی ہیں تو وہ اس گناہ سے بچا رہتا۔ اب تو اس کی جاں بخشی نہیں ہوگی''۔

''ہو جائے گی''۔ جرآح نے اسے بتایا...... ''اگر صلاح الدین ایوبی نے کہہ دیا ہے کہ اُسے زندہ رکھنے کی کوشش کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے سزا نہیں دی جائے گی۔ اُسے چاہیے کہ گناہوں سے توبہ کر لے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اُسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی''۔

میں ساری عمر صلاح الدین ایوبی کی اور آپ کی خدمت میں گزار دوں گی''۔ شارجانے روتے ہوئے کہا...... ''اور میرا بھائی آپ سب کا غلام رہے گا''...... وہ جذباتی ہو گئی۔ اُس نے جرآح کے ہاتھ پکڑ کر کہا...... ''آپ مجھ سے جو قیمت وصول کرنا چاہیں، میں دوں گی۔ آپ مجھے اپنی لونڈی بنا لیں، اس کے عوض میرے بھائی کو ٹھیک کر دیں اور اسے سزا سے بچا لیں''۔

قیمت اللہ سے وصول کی جاتی ہے''۔ جرآح نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا...... ''بھائی کے گناہ کی سزا بہن کو نہیں دی جائے گی اور بھائی کی صحت کی قیمت بہن سے وصول نہیں کی جائے گی۔ سب کا پاسبان اللہ ہے۔ اس کی ذاتِ باری نے مجھے تمہاری عصمت کی پاسبانی اور تمہارے بھائی کی صحت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ دعا کرو کہ میں اس امانت میں خیانت نہ کروں۔ بہن کی دُعا عرش کو بھی ہلا دیا کرتی ہے۔ دُعا کرو...... دُعا کرو...... اس خدا کی عظمت کو یاد رکھو، جس کے خلاف تمہیں گمراہ کیا جا رہا ہے''۔

جرآح نے اس لڑکی پر طلسم طاری کر دیا۔ ایک تو باتیں ہی ایسی تھی جو جرآح نے اسے بتائی تھیں۔ تاثر تو جرآح کے سلوک نے پیدا کیا تھا۔ جرآح کے متعلق تو اُسے کچھ اور ہی شک ہو گیا تھا، لیکن وہ کچھ اور نکلا۔ اُسے جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ ایسی تنہائی میں اور رات کے وقت اتنی حسین اور جوان لڑکی اس کے رحم و کرم پر ہے...... رات آدھی گزر گئی تھی۔ جرآح نے اسے کہا...... ''اُٹھو، تمہیں وہاں تک چھوڑ آؤں اور تمہارے بھائی کو بھی دیکھ آؤں''۔

دونوں گھر سے نکلے اور آہستہ آہستہ چل پڑے۔ رات تاریک تھی۔ وہ دونوں مکان کے پچھواڑوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یہ چھوٹی سی ایک گلی تھی جس میں گزرتے ہی وہ مکان آ جاتا تھا جہاں زخمی حشیش قید میں پڑا تھا اور اس کے دروازے پر سنتری کھڑا رہتا تھا وہ دونوں اس گلی میں داخل ہوئے ہی تھی کہ پیچھے سے دونوں کو مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا گیا۔ دونوں کے منہ کپڑوں میں بندھ گئے۔ ان کی آواز بھی نہ نکل سکی۔ جرآح جسمانی لحاظ سے کمزور نہیں تھا، مگر وہ بے خبری میں جکڑا گیا تھا۔ حملہ آور چار پانچ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے دونوں کو اُٹھا لیا اور تاریکی میں غائب ہو گئے۔ کچھ دور گھوڑے کھڑے تھے۔ جرآح کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے گئے اور اسے گھوڑے پر ڈال کر ایک آدمی

گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اُسے کسی کی آواز سنائی دی جو شارجا سے مخاطب تھی...... "شور نہ کرنا شارجا! تمہارا کام ہو گیا ہے۔ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے لائے ہیں۔"

شارجا کے منہ سے کپڑا اُتار دیا گیا تھا۔ جرّاح کو اس کی آواز سنائی دی...... "اسے چھوڑ دو۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے"۔

"اس کی تو ہمیں ضرورت ہے"۔ کسی نے کہا۔

"شارجا!"...... کسی نے حکم کے لہجے میں کہا...... "خاموشی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ"۔

"اوہ! شارجا کی آواز سنائی دی۔ "یہ تم ہو؟"

"سوار ہو جاؤ"۔ کسی نے پھر حکم دیا۔ "وقت ضائع نہ کرو"۔

اور گھوڑے سرپٹ دوڑ پڑے۔ ذرا سی دیر میں قاہرہ سے نکل گئے۔ شارجا نہایت اچھی سوار تھی۔

☆

صبح سنتری بدلنے کا وقت ہوا۔ نیا سنتری آیا تو رات والا سنتری وہاں نہیں تھا۔ اُس نے اندر جا کے دیکھا تو وہاں زخمی سویا ہوا تھا۔ اُس کے اوپر کمبل پڑا ہوا تھا۔ اس کا منہ بھی ڈھکا ہوا تھا۔ نیا سنتری باہر والے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ ابھی جرّاح زخمی کو دیکھنے آئے گا اور علی بن سفیان بھی آئے گا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ زخمی کی بہن زخمی کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے سوا اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں، مگر بہن بھی اُسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ سورج طلوع ہوا تو علی بن سفیان آیا۔ اس نے سنتری سے پوچھا کہ جرّاح آچکا ہے یا زخمی کو دیکھ کر چلا گیا ہے؟ سنتری نے اُسے بتایا کہ جرّاح نہیں آیا۔ پہلا سنتری یہاں نہیں تھا اور اندر زخمی کی بہن بھی نہیں ہے۔ علی بن سفیان یہ سوچ کر اندر گیا کہ زخمی کی تکلیف بڑھ گئی ہو گی اور اس کی بہن جرّاح کو بلانے چلی گئی ہو گی۔ علی بن سفیان کے لیے ہی نہیں، یہ زخمی سلطنتِ اسلامیہ کے لیے بھی مصر جتنا قیمتی تھا۔ اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار تھا اور ایک بڑی خطرناک سازش کے بے نقاب ہونے کی توقع تھی۔

وہ تیزی سے اندر گیا۔ زخمی کے سر سے پاؤں تک کمبل پڑا تھا۔ علی بن سفیان کو تازہ خون کی بو محسوس ہوئی۔ اُس نے زخمی کے منہ سے کمبل ہٹایا تو یوں بدک کر پیچھے ہٹ گیا، جیسے وہ زخمی نہیں اژدہا تھا۔ اُس نے وہیں سے باہر کھڑے سنتری کو آواز دی۔ سنتری دوڑتا ہوا اندر گیا۔ علی بن سفیان نے اُسے زخمی کا چہرہ دکھاتے ہوئے پوچھا...... "یہ رات والا سنتری تو نہیں؟"...... نئے سنتری نے چہرہ دیکھ کر حیرت اور گھبراہٹ سے بوجھل آواز میں کہا...... "یہی تھا۔ یہ اس بستر میں کیوں سویا ہوا ہے حضور؟...... زخمی کہاں ہے؟"

"یہ سویا ہوا نہیں"۔ علی بن سفیان نے اُسے کہا...... "مرا ہوا ہے"۔

اس نے کمبل اُٹھا کر پرے پھینک دیا۔ بستر خون سے لال تھا۔ وہ زخمی حشیش نہیں، بلکہ رات والے سنتری کی لاش تھی۔ علی بن سفیان نے دیکھا، لاش کے دل کے قریب خنجر کے دو زخم تھے۔ زخمی حشیش غائب تھا۔ علی بن سفیان نے کمرے میں، صحن میں اور باہر زمین کو غور سے دیکھا۔ کہیں خون کا قطرہ بھی نظر نہ آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سنتری کو زندہ اُٹھا کر اندر لایا گیا اور بستر پر لٹا کر اس کے دل میں خنجر مارے گئے۔ اسے تڑپنے نہیں دیا گیا، ورنہ خون کے چھینٹے بکھرے ہوئے ہوتے۔ وہ مر گیا تو اس پر کمبل ڈال دیا گیا اور قاتل زخمی قیدی کو اُٹھا کر لے گئے اور اس کی بہن کو بھی لے گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ زخمی کی بہن نے زخمی کے فرار میں مدد دی ہے۔ وہ جوان اور حسین لڑکی تھی۔ اُس نے سنتری کو پھانس لیا

ہوگا۔ اُسے اندر لے گئی ہوگی۔ لڑکی کے ساتھیوں نے سنتری کو بے خبری میں پکڑ لیا ہوگا۔ علی بن سفیان کو اپنی اس غلطی پر تاسف ہوا کہ اُس نے زخمی کے چار ساتھیوں کو زخمی سے ملنے کی اجازت دی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ زخمی کے چچا زاد اور تایا زاد بھائی ہیں۔ وہ اندر آ کر دیکھ گئے تھے کہ یہاں کے حفاظتی اقدامات کیا ہیں۔ اُسے بہن کو بھی یہاں رہنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔ اُس نے یہ بھی یقین نہیں کیا تھا کہ یہ لڑکی زخمی کی بہن تھی یا اس گروہ کی فرد تھی۔

علی بن سفیان کو غصہ آیا اور وہ اپنی بھول پر پچھتایا بھی، لیکن اُس نے دل ہی دل میں زخمی اور اُس کے ساتھیوں کے اتنے کامیاب فرار کو سراہا۔ علی بن سفیان جیسے سراغ رساں کو دھوکہ دینا آسان نہیں تھا۔ وہ لوگ اُسے بھی جُل دے گئے تھے۔ اُس نے نئے سنتری سے کچھ باتیں پوچھیں تو اُس نے بتایا کہ اس سے پہلے وہ رات کو بھی پہرے پر کھڑا رہ چکا ہے۔ اُس نے لڑکی کو جراح کے ساتھ اُس کے گھر جاتے اور رات بہت دیر بعد دونوں کو واپس آتے دیکھا تھا۔ اس سے علی بن سفیان کو شک ہوا کہ لڑکی نے جراح کو بھی اپنے حسن و جوانی کے زیر اثر کر لیا تھا۔ علی نے سنتری سے کہا کہ دوڑ کر جائے اور جراح کو بلا لائے۔ سنتری کے جانے کے بعد وہ سراغ ڈھونڈنے لگا۔ باہر گیا۔ زمین دیکھی۔ اُسے پاؤں کے نشان نظر آئے لیکن نشان اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ زخمی شہر میں تو روپوش نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا۔ زخمی کے گاؤں پر جہاں سے اُس کی بہن کو لایا گیا تھا، چھاپہ مارا جائے۔ وہ گاؤں بہت دُور تھا۔

سنتری نے واپس آ کر بتایا کہ جراح گھر نہیں ہے۔ علی بن سفیان اس کے گھر گیا۔ اس کے ملازم نے بتایا کہ جراح رات بہت دیر بعد ایک لڑکی کے ساتھ باہر نکلا تھا، پھر واپس نہیں آیا۔ اس لڑکی کے متعلق اس نے بتایا کہ پہلے بھی جراح کے ساتھ آ چکی ہے اور دونوں بہت دیر تک اندر بیٹھے رہے تھے۔ علی بن سفیان کو یقین ہو گیا کہ جراح بھی زخمی کے فرار میں شریک ہے اور یہ لڑکی کے حُسن کے جادو کا کمال ہے۔ علی نے اپنے محکمے کے سراغ رسانوں کو بلایا اور انہیں فرار کے متعلق بتایا۔ وہ سب اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ ایک جگہ انہیں بہت سے گھوڑوں کے کھروں کے نشان نظر آئے۔ اردگرد کے رہنے والوں میں سے تین چار آدمیوں نے بتایا کہ رات انہوں نے بہت سے گھوڑے دوڑنے کی آوازیں سنی تھیں۔ سراغ رساں کھروں کو دیکھتے شہر سے نکل گئے، مگر آگے جانا بے کار تھا۔ رات کے بھاگے ہوئے گھوڑوں کو اب کھرے دیکھ دیکھ کر پکڑنا کسی پہلو ممکن نہیں تھا۔ انہیں صرف اتنا پتا چلا کہ مفرور اس سمت کو گئے ہیں۔ علی بن سفیان کے کرنے کا کام اب یہی رہ گیا تھا کہ قائم مقام امیرِ مصر تقی الدین کو اطلاع دے دے کہ زخمی حشیش کو اس کے ساتھی اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ اُسے یہ خیال بھی آیا کہ زخمی نے راز کی جو باتیں بتائیں تھیں، وہ بے بنیاد تھیں اور اُس نے اپنی جان بچانے اور فرار کا موقعہ پیدا کرنے کے لیے یہ چال چلی تھی۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھی اور علی بن سفیان کو بھی اُلو بنا گیا تھا۔

آدھا دن گزر گیا تھا جب علی بن سفیان تقی الدین کو اطلاع دینے کے لیے چلا گیا۔ اُس وقت اُس کا زخمی قیدی جو کھڑا ہونے کے بھی قابل نہیں تھا، وہ قاہرہ سے بہت دُور ایک ویرانے میں پہنچ چکا تھا، مگر وہ زندہ نہیں تھا۔ جراح کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ ایک گھوڑے پر بے جان چیز کی طرح پڑا تھا۔ اُس کی ٹانگیں گھوڑے کے ایک طرف اوپر کا دھڑ اور بازو دوسری طرف تھے۔ رات بھر وہ اسی حالت میں رہا تھا۔ صبح کا اُجالا صاف نہیں ہوا تھا جب گھوڑے رُکے۔ جراح کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ اُسے پٹی باندھنے والا آدمی نظر نہ آ سکا، کیونکہ اس کا سر نیچے تھا۔ پٹی بندھ جانے کے بعد اُس کے پاؤں کھول دیئے گئے اور اُسے گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے ہاتھ بندھے رہے۔ اس کے پیچھے ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور گھوڑے ذرا سے آرام کے بعد پھر چل پڑے۔ اُسے اتنا ہی پتا چل سکتا تھا کہ اس کے پیچھے چند اور

گھوڑے آرہے ہیں اور سوار آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں...... گھوڑے چلتے گئے اور سورج اوپر اُٹھتا گیا، پھر جراح نے محسوس کیا کہ گھوڑا چڑھائی چڑھ رہا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دائیں بائیں مُڑ رہا ہے۔ نیچے اُتر رہا ہے۔ اس سے وہ اندازہ کر رہا تھا کہ یہ علاقہ ٹیلوں اور کھائیوں کا ہے۔

بہت دیر بعد جب سورج سر پر آ گیا تھا، اُسے پیچھے سے بلند آوازیں سنائی دیں، جن سے اُسے پتا چلا کہ کوئی سوار گر پڑا ہے۔ اس کا گھوڑا رُک گیا اور پیچھے کو مڑا۔ اُسے اس طرح کی آوازیں سنائی دیں۔ "اٹھاؤ سائے میں لے چلو۔ بے ہوش ہو گیا ہے۔ اوہ خدایا۔ اس کا خون بہہ رہا ہے" ...... اُسے شارجا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی "جراح کی آنکھیں اور ہاتھ کھول دو۔ وہ خون روک لے گا، ورنہ میرا بھائی مر جائے گا" یہ زخمی حشیش تھا جو گھوڑے سے گر پڑا تھا۔ رات بھر کی گھوڑ سواری سے اور گھوڑا اتنی تیز بھگانے سے اس کے پیٹ کا زخم کھل گیا تھا اور ران کے زخم سے بھی خون جاری ہو گیا تھا۔ وہ درد کو برداشت کرتا رہا تھا، خون نکلتا رہا۔ آخر یہاں آ کر خون اتنا نکل گیا کہ اس پر غشی طاری ہوئی اور گھوڑے سے گر پڑا۔ اُسے اُٹھا کر ایک ٹیلے کے سائے میں لے گئے۔ اُس کے منہ میں پانی ڈالا لیکن پانی حلق سے نیچے نہ گیا۔ اُس کے کپڑے خون سے تر ہو گئے تھے۔

جراح کی آنکھیں کھول دی گئیں اور اُسے کہا گیا کہ وہ ادھر اُدھر نہ دیکھے۔ اس نے اپنی پیٹھ میں خنجر کی نوک محسوس کی۔ وہ آگے آگے چل پڑا۔ ٹیلے کے دامن میں زخمی پڑا تھا اور شارجا اُس کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے جراح سے کہا "خدا کے لیے میرے بھائی کو بچاؤ" ...... جراح نے سب سے پہلے زخمی کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اس کے لیے حکم تھا کہ وہ ادھر اُدھر نہ دیکھے۔ وہ بیٹھ گیا تھا اور زخمی کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اُس کی پیٹھ میں خنجر کی نوک چبھ رہی تھی۔ زخمی کی نبض محسوس کر کے وہ تیزی سے اُٹھا اور پیچھے کو مڑا۔ اُس کے سامنے چار آدمی کھڑے تھے، جن کے چہرے سیاہ نقابوں میں تھے۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ جراح نے غصے سے کہا "تم سب پر اللہ کی لعنت ہو۔ تم نے اسے بچانے کے بجائے اس کی جان لے لی ہے۔ تم سب اس کے قاتل ہو۔ یہ مر چکا ہے۔ ہم نے اسے چارپائی سے ہلنے بھی نہیں دیا تھا اور تم اسے گھوڑے پر بٹھا کر لائے۔ اس کے زخم کھل گئے اور جسم کا تمام خون ضائع ہو گیا"۔

شارجا بھائی کی لاش پر گر پڑی اور چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ نقاب پوشوں نے جراح کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اُسے وہاں سے کچھ دور لے گئے۔ لاش گھوڑے پر ڈال دی گئی اور قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔ جراح کو شارجا کے رونے اور چلانے کی جگر سوز آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ جراح کے گھوڑے پر جو سوار تھا، اس سے جراح نے کہا کہ یہ زخمی بالکل ٹھیک ہو سکتا تھا مگر تم لوگوں نے اسے مار دیا۔ اُسے کوئی سزا نہ ملتی۔ سوار نے کہا...... "ہم اسے زندہ رکھنے کے لیے نہیں لائے تھے۔ ہم نے دراصل وہ راز اغوا کیا ہے جو اس کے پاس تھا۔ اس کے مرنے کا ہمیں کوئی غم نہیں، ہم خوش ہیں کہ تم اور تمہاری حکومت اس راز سے بے خبر ہے جو اس کے سینے میں تھا"۔

"مجھے تم لوگ کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟" جراح نے پوچھا۔

"ہم تمہیں پیغمبروں کی طرح رکھیں گے"۔ سوار نے جواب دیا۔ "تمہیں گرم ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔ ہم تمہیں اس لیے لائے تھے کہ راستے میں زخمی کو تکلیف ہوئی تو اس کی مرہم پٹی کرو گے، مگر ہم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارے پاس نہ کوئی دوائی ہے نہ مرہم۔ تمہیں اغوا کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ہم اس لڑکی کو بھی ساتھ لانا چاہتے تھے۔ ہم اسے لے آتے تو تم جو اس کے ساتھ تھے، ہمارے تعاقب میں پوری فوج ہوتی۔ اس لیے تمہیں بھی اُٹھا لانا ضروری تھا۔ تیسری وجہ یہ

ہے کہ ہمیں ایک جرّاح کی ضرورت ہے۔ تمہیں ہم اپنے ساتھ رکھیں گے"۔

"میں ایسے کسی آدمی کا علاج نہیں کروں گا جو میری حکومت کے خلاف ہوگا"...... جرّاح نے کہا...... "تم سب صلیبیوں اور سوڈانیوں اور فاطمیوں کے دوست ہو اور اُن کے اشاروں پر سلطنتِ اسلامیہ کے خلاف تخریب کاری کر رہے ہو۔ میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا"۔

"پھر تم قتل ہو جاؤ گے"۔ سوار نے کہا۔

"یہ میرے لیے بہتر ہوگا"۔ جرّاح نے جواب دیا۔

"پھر ہم تمہارے ساتھ وہ سلوک کریں گے جو تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگا"...... سوار نے جواب دیا...... "پھر تم ہمارا ہر حکم مانو گے، لیکن میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ بُرے سلوک کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ تم نے صلاح الدین ایوبی کی بادشاہی دیکھی ہے۔ ہماری بادشاہی دیکھو گے تو اپنی زبان سے کہو گے کہ میں یہیں رہنا چاہتا ہوں، یہ تو جنت ہے اگر تم نے ہماری جنت کو ٹھکرا دیا تو ہم تمہیں اپنا جہنم دکھائیں گے"۔

گھوڑے چلتے رہے۔ جرّاح آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کے اندھیرے میں اپنے مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ فرار کی ترکیبیں بھی سوچتا رہا۔ اُسے بار بار شارجا کا خیال آتا، مگر وہ یہ سوچ کر مایوس ہو جاتا تھا کہ یہ لڑکی بھی اسی گروہ کی ہے، وہ اس کی مدد نہیں کرے گی۔

☆

اُن کا سفر اتنا لمبا نہیں تھا، لیکن سرحدی دستوں اور اُن کے گشتی سنتریوں کے ڈر سے مجرموں کا یہ قافلہ بچ بچ کر، چھپ چھپ کر اور بڑی دُور کا چکر کاٹ کر جا رہا تھا۔ شام کے بعد بھی یہ قافلہ چلتا رہا اور رات گزرتی رہی۔ آدھی رات سے ذرا پہلے قافلہ رُک گیا۔ جرّاح کو گھوڑے سے اُتار کر اُس کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور چونکہ اندھیرا تھا۔ اس لیے اس کی آنکھوں سے پٹی بھی کھول دی گئی۔ اُسے کھانے کو کچھ دیا گیا، پانی بھی پلایا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ بھی باندھ دیئے گئے اور پاؤں بھی اور اُسے سو جانے کو کہا گیا۔ سوار تھکے ہوئے تھے۔ اس سے ایک رات پہلے کے جاگے ہوئے تھے، لیٹے اور سو گئے۔ گھوڑوں کو زینیں اُتار کر ذرا پرے باندھ دیا گیا تھا۔ جرّاح کے بھاگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بندھا ہوا تھا، وہ بھی سو گیا۔

کچھ دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھا کہ اُسے روانگی کے لیے جگایا جا رہا ہے، لیکن کوئی اس کے پاؤں کی رسی کھول رہا تھا۔ وہ چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ مرنے کے لیے بھی تیار ہو گیا۔ اُسے یہ بھی توقع تھی کہ اُسے قتل کر کے پھینک جائیں گے لیکن پاؤں کی رسی کھلنے کے بعد جب یہ سایہ اُس کے ہاتھوں کی رسّی کھولنے لگا تو اُسے نے جھک کر جرّاح کے کان میں کہا...... "میں نے دو گھوڑوں پر زینیں کس دی ہیں۔ خاموشی سے میرے پیچھے آؤ۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ وہ بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں"...... یہ شارجا کی آواز تھی۔

جرّاح آہستہ سے اُٹھا اور شارجا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ریت پر پاؤں کی آہٹ پیدا ہی نہیں ہوتی تھی۔ آگے دو گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک پر شارجا سوار ہو گئی۔ دوسرے پر جرّاح سوار ہو گیا۔ شارجا نے کہا...... "اگر تم اچھے سوار نہیں ہو تو ڈرنا نہیں، گرو گے نہیں۔ ایڑ لگاؤ اور لگام ڈھیلی چھوڑ دو۔ گھوڑے دائیں کو دائیں بائیں موڑنا تو جانتے ہو گے"...... جرّاح نے جواب دیئے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ شارجا کا گھوڑا بھی اس کے ساتھ ہی دوڑا۔ دوڑتے گھوڑے سے شارجا

کہا..... ''میرے پیچھے رہو۔ میں راستہ جانتی ہوں۔ اندھیرے میں مجھ سے الگ نہ ہو جانا''۔

سرپٹ بھاگتے گھوڑوں نے مجرموں کو جگا دیا، لیکن تعاقب آسان نہیں تھا۔ انہیں پہلے تو دیکھنا تھا کہ یہ کس کے گھوڑے ہیں۔ انہیں شارجا کے بھاگنے کا خطرہ ہی نہیں تھا۔ کچھ وقت دیکھنے میں لگ گیا ہوگا کہ وہ کون تھے اور ذرا دیر بعد ہی، انہیں پتا چلا ہوگا کہ شارجا اور جرّاح بھاگ گئے ہیں، پھر انہیں اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈالنی تھیں۔ اس میں اتنا وقت صرف ہو گیا ہوگا کہ بھاگنے والے دو اڑھائی میل دُور نکل گئے ہوں گے..... شارجا اور جرّاح نے بار بار پیچھے دیکھا۔ آوازیں سننے کی بھی کوشش کی۔ انہیں یقین سا ہو رہا تھا کہ اُس کے تعاقب میں کوئی نہیں آ رہا۔ وہ ابھی گھوڑوں کی رفتار کم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے، اس لیے ایڑ لگاتے چلے گئے۔ آخر وہ حد آ گئی جہاں گھوڑے خود ہی آہستہ ہونے لگے، لیکن وہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ جرّاح نے شارجا سے کہا کہ یہاں کہیں نہ کہیں کوئی سرحدی دستہ ہونا چاہیے، مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہوگا۔ شارجا کو بھی معلوم نہیں تھا، اُس نے جرّاح کو بتایا کہ وہ ان دستوں سے بچنے کے لیے دُور کے راستے سے گئے تھے، ورنہ اُس کا گاؤں دُور نہیں تھا۔ اُس نے اُسے یہ یقین دلایا کہ وہ قاہرہ کی صحیح سمت کو جا رہے ہیں اور قاہرہ دُور نہیں۔

اگلا دِن آدھا گزر گیا تھا، جب علی بن سفیان قائم مقام امیرِ مصر تقی الدین کے سامنے بیٹھا تھا۔ تقی الدین کہہ رہا تھا..... ''میں اس پر حیران نہیں کہ آپ جیسے تجربہ کار حاکم نے یہ غلطی کی تھی کہ مشکوک لڑکی کو زخمی قیدی کے پاس رہنے کی اجازت دے دی اور چار مشکوک افراد کو بھی زخمی کے پاس لے گئے۔ میں اس پر حیران ہوں کہ یہ گروہ اتنا زیادہ دلیر اور منظم ہے۔ زخمی کو اُٹھا لے جانا، سنتری کو قتل کر کے زخمی کے بستر پر ڈال جانا، دلیرانہ اقدام بھی ہے اور یہ ایک منظم جُرم ہے''۔

''میرا خیال ہے کہ اس جُرم کو جرّاح اور لڑکی نے آسان بنایا ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا..... ''اس جُرم میں بھی ہماری قوم کی اسی کمزوری نے کام کیا ہے جس کے متعلق صلاح الدین ایوبی پریشان رہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ عورت اور اقتدار کا نشہ ملتِ اسلامیہ کو لے ڈوبے گا۔ جرّاح کو میں نیک اور صاحبِ کردار سمجھتا تھا مگر ایک لڑکی نے اُسے بھی اندھا کر دیا۔ بہرحال زخمی قیدی کے گاؤں کا پتا چل گیا ہے۔ میں نے ایک دستہ روانہ کر دیا ہے''۔

''اور جنوب مغربی علاقے کے جس کھنڈر کا زخمی قیدی نے ذکر کیا تھا اُس کے متعلق آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' تقی الدین نے پوچھا۔

''مجھے شک ہے کہ اُس نے جھوٹ بولا تھا''..... علی بن سفیان نے جواب دیا۔ ''اُس نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ بے بنیاد قصہ گھڑا تھا۔ تاہم اُس علاقے کی سراغ رسانی کی جائے گی''۔

وہ اسی مسئلے پر باتیں کر رہے تھے کہ دربان نے اندر آ کر ایسی اطلاع دی جس نے دونوں کو سُن کر دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی زبانیں بولنے سے معذور ہو گئی ہوں۔ علی بن سفیان اُٹھا اور یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ ''کوئی اور ہوگا''..... اُس کے پیچھے تقی الدین بھی باہر نکل گیا، مگر وہ کوئی اور نہیں اُن کا اپنا جرّاح ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ زخمی قیدی کی بہن شارجا تھی۔ ان کے گھوڑے بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ جرّاح اور شارجا کے چہرے اور سر گرد سے اَٹے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک اور منہ کھلے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان نے ذرا غصے سے پوچھا..... ''قیدی کو کہاں چھوڑ آئے؟''..... جرّاح نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ہمیں ذرا دم لینے دو۔ دونوں کو اندر لے گئے۔ اُن کے لیے پانی اور کھانا وغیرہ منگوایا گیا۔

جرّاح نے تفصیل سے بتایا کہ وہ کس طرح اغوا ہوا تھا اور سفر میں زخمی قیدی مر گیا ہے۔ اُسے بالکل علم نہیں تھا کہ

زخمی قیدی کو بھی اغوا کیا گیا ہے۔ یہ اسے اگلے روز سفر میں پتا چلا جب زخمی گھوڑے سے گرا اور زخم کھل جانے کی وجہ سے مر گیا۔ جراح کو جس طرح شارجا نے آزاد کرایا اور اس کے ساتھ بھاگی وہ بھی تفصیل سے سنایا...... شارجا نے اپنا بیان دیا تو علی بن سفیان جان گیا کہ یہ صحرائی لڑکی ہے، اجڈ اور دلیر ہے اور یہ اتنی چالاک نہیں جتنا سمجھا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی کے سہارے اور اُسی کی خاطر زندہ تھی۔ اس بھائی کی خاطر وہ جان دینے کے لیے بھی تیار رہتی تھی۔ جراح نے جس خلوص سے اُس کے بھائی کا علاج کیا، اس سے وہ اتنی متاثر ہوئی کہ اس کی مُرید بن گئی۔ جراح کو وہ فرشتہ سمجھنے لگی۔ پہلے روز اُس کے ساتھ جو چار آدمی آئے تھے، وہ اُس کے کچھ نہیں لگتے تھے۔ وہ اس کے چچازاد اور تایازاد بھائی نہیں تھے۔ وہ اسی گروہ کے آدمی ہیں جو صلاح الدین ایوبی کو اور اس کے اعلیٰ حاکموں کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ جب علی بن سفیان کے آدمی شارجا کے گاؤں اُسے ساتھ لانے گئے تھے، اُس وقت یہ چاروں آدمی گاؤں میں تھے۔ انہیں پتا چلا کہ شارجا کا بھائی زخمی ہو کر قید ہو گیا ہے تو وہ اس ارادے سے ساتھ چل پڑے کہ زخمی کو اغوا کریں گے۔ انہیں ڈر یہ تھا کہ زخمی کے پاس جو راز ہے، وہ فاش نہ ہو۔ وہ جانتے تھے کہ زخمی کہاں اور کس کارروائی میں زخمی ہوا ہے۔

شارجا کے بیان کے مطابق، اس کا ارادہ بھی یہی تھا کہ بھائی کو اغوا کرائے گی۔ اُس نے بھائی کے پاس رہنے کی جو التجا کی تھی اس سے اُس کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ بھائی کی خدمت اور دیکھ بھال کرے گی اور دوسرا یہ کہ موقعہ ملا تو اسے اغوا کرائے گی۔ وہ چاروں آدمی زخمی سے مل کر واپس نہیں گئے۔ بلکہ قاہرہ میں ہی رہے تھے۔ وہ شارجا کے اشارے کے منتظر تھے لیکن جراح نے لڑکی کو اتنا متاثر کیا کہ اس کی سوچ ہی بدل گئی۔ جراح نے اُسے یقین دلایا کہ اس کے بھائی کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔ اس کے علاوہ جراح نے اُسے ایسی باتیں بتائیں جو اُس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ جراح نے اُس کے اندر اسلام کی عظمت بیدار کر دی تھی اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کر کے اُسے اپنا مُرید بنا لیا تھا۔ وہ ہر وقت جراح کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سننے کے لیے بے تاب رہنے لگی۔ ایک روز وہ جراح کے گھر جا رہی تھی تو اُسے ان چاروں میں سے ایک آدمی راستے میں مل گیا۔ اُس نے شارجا سے کہا کہ زخمی کے اغوا میں اب دیر نہیں ہونی چاہیے۔ شارجا نے اُسے کہا کہ وہ ارادہ بدل چکی ہے۔ اس کا بھائی یہیں رہے گا۔ اس آدمی نے شارجا سے کہا کہ اگر اُس نے شہر میں آ کر اپنا دماغ خراب کر لیا ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ زخمی یہاں نہیں رہے گا۔

شارجا کو توقع نہیں تھی کہ یہ چاروں اتنی دلیری سے اُس کے بھائی کو اغوا کر لیں گے۔ اُس نے انہیں فیصلہ سنا دیا کہ وہ اُن کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔ اس آدمی نے اُسے کہا..... ''ہم تمہاری ہر ایک حرکت کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ تم نے جراح کو پھانس لیا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم خود اس کے جال میں پھنس گئی ہو''۔

شارجا نے اُسے دھتکار دیا۔ اسے چونکہ توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنی دلیری کا مظاہرہ کر سکیں گے۔ اس لیے اس نے جراح کے ساتھ بھی ذکر نہ کیا کہ اُس کے زخمی بھائی کے اغوا کا خطرہ ہے۔ اُسی رات شارجا اور جراح ان چاروں کے چنگل میں آ گئے۔ انہیں جب گھوڑوں پر سوار کرانے کے لیے اُٹھا لے گئے تو اس نے دیکھا کہ ایک گھوڑے پر اُس کا زخمی بھائی بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ کچھ خوش ہوئی کہ اُس کا بھائی آزاد ہو گیا ہے۔ وہ فرار پر آمادہ ہو گئی، لیکن جراح کو ان لوگوں کی قید میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اُس نے انہیں کہا بھی کہ اُسے چھوڑ دو، لیکن وہ نہ مانے۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ راستے میں شارجا کو بتایا گیا کہ اس کے بھائی کو کس طرح اغوا کیا گیا ہے۔ وہاں صرف دو آدمی گئے تھے۔ ایک نے سنتری سے کہیں کا راستہ پوچھنے کے بہانے اسے باتوں میں لگا لیا، دوسرے نے پیچھے سے اُس کی گردن جکڑ

لی، اور دونوں اُسے اُٹھا کر اندر لے گئے۔ زخمی انہیں دیکھ کر اُٹھ بیٹھا، اس کے بستر پر سنتری کو لٹا دیا گیا اور اس کے دل پر خنجر کے دو گہرے وار کر کے اُسے ختم کر دیا گیا، پھر اُس پر کمبل ڈال دیا گیا۔ دونوں نے زخمی قیدی کو اُٹھایا اور نکل گئے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شارجا جرّاح کے گھر میں ہے۔ انہیں ڈر تھا کہ وہ نہیں مانے گی اور اغوانا کام بنا دے گی، لیکن اُسے بھی وہاں سے غائب کرنا ضروری تھا، کیونکہ اُس کے پاس بھی ایک راز تھا۔ دو آدمی گھات میں بیٹھے تھے۔ جونہی جرّاح اور شارجا تنگ اور تاریک گلی میں آئے تو انہیں جکڑ لیا گیا اور اغوا کامیاب ہو گیا۔

☆

علی بن سفیان جیسا گھاگھ سراغ رساں کوئی اور تجربہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے جرّاح اور شارجا کے بیانوں پر فوری اعتبار نہ کیا۔ یہ بھی سازش کی ایک کڑی ہو سکتی تھی۔ اُس نے دونوں کو الگ کر دیا اور اُن سے اپنے انداز سے پوچھ گچھ کی۔ جرّاح دانش مند آدمی تھا۔ اُس نے علی بن سفیان کو قائل کر لیا کہ اُس نے جو بیان دیا ہے وہ لفظ بہ لفظ درست ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک تو جذباتی پہلو تھا۔ اس لڑکی کی شکل وصورت اس کی مری ہوئی بہن سے ملتی جلتی تھی، اس لیے وہ اسے اچھی لگی اور وہ اُسے اپنے گھر بھی لے جاتا اور زخمی کے مکان میں بھی اس کے ساتھ زیادہ وقت بیٹھا رہتا تھا۔ جرّاح نے بتایا کہ اُس کے اِس سلوک سے لڑکی اتنی متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنے کچھ شکوک اُس کے سامنے رکھ دیئے۔ یہ اُس لڑکی کا دوسرا پہلو تھا جس پر جرّاح نے زیادہ توجہ دی۔ لڑکی مسلمان تھی، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس پر بڑے ہی خطرناک اثرات جو باہر سے آئے تھے، کام کر رہے تھے۔ جرّاح نے اس کے ذہن سے یہ اثرات صاف کر دیئے۔ لڑکی چونکہ پسماندہ ذہن کی تھی، صحرا کے دور دراز گوشے کی رہنے والی تھی، اس لیے اُس کے ذہن میں جو کچھ ڈالا گیا، وہ اسی کو صحیح سمجھتی تھی۔ اس کی باتوں سے یہ انکشاف ہوا کہ اس علاقے میں اسلام کے منافی اثرات اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف تخریب کاری زور شور سے اور بلا روک ٹوک جاری ہے۔

شارجا سے علی بن سفیان نے کوئی بیان نہیں لیا، اُس پر سوال کرتا رہا اور اس کے جوابوں سے ایک بیان مرتب ہو گیا۔ اُس نے فرعونوں کے اُس کھنڈر کے متعلق وہی انکشاف کیا جو بیان کیا جا چکا تھا۔ وہ بھی اس کھنڈر کے اس پُر اسرار آدمی کی معتقد تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ گناہ گاروں کو نظر نہیں آتا اور اُس کی صرف آواز سنائی دیتی ہے۔ شارجا نے بتایا کہ اس کا بھائی فوج میں تھا اور وہ گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ اُسے گاؤں کے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ وہ اس کھنڈر میں چلی جائے، کیونکہ وہ مقدس انسان خوب صورت کنواریوں کو بہت پسند کرتا ہے۔ شارجا پر علی بن سفیان کی ماہرانہ جرح سے لڑکی کے سینے سے یہ راز بھی نکل آیا کہ اُس کے گاؤں کی تین کنواری لڑکیاں اس کھنڈر میں چلی گئیں تھیں، پھر واپس نہیں آئیں۔ ایک بار اُس کا بھائی گاؤں آیا تھا۔ شارجا نے اُس سے پوچھا کہ وہ کھنڈر چلی جائے؟ بھائی نے اُسے منع کر دیا تھا۔ شارجا اچھی طرح بیان تو نہ کر سکی لیکن یہ پتا چل گیا کہ مصر کے جنوب مغربی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔ جرّاح کے متعلق لڑکی نے بتایا کہ اُسے اگر گاؤں میں لے جاتے اور قید میں ڈال دیتے تو وہاں سے بھی وہ اُسے اپنی جان کی بازی لگا کر آزاد کرا دیتی۔ اُس کا جب بھائی مر گیا تو اُس نے گاؤں تک جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور تہیہ کر لیا کہ وہ جرّاح کو یہیں سے آزاد کرائے گی۔ ان چاروں مجرموں کو وہ اپنا ہمدرد سمجھا کرتی تھی، لیکن جرّاح نے اُسے بتایا تھا کہ یہ اللہ کے بہت بڑے مجرم ہیں۔ ان کے متعلق اسے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ انہیں اس کے بھائی کے ساتھ ہمدردی نہیں، بلکہ اس راز سے دلچسپی تھی جو اُس کے پاس تھا۔ اسی لیے انہوں نے اُسے مار دیا۔

علی بن سفیان نے اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کرنا چاہتی ہے اور اپنے متعلق اُس نے کیا سوچا ہے۔ اُس نے

جواب دیا کہ وہ ساری عمر جرّاح کے قدموں میں گزار دے گی اور اگر جرّاح اُسے آگ میں کود جانے کو کہے گا تو وہ کود جائے گی۔ اُس نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ کھنڈر تک جانے والوں کی رہنمائی کرے گی اور اپنے علاقے کے ہر اُس فرد کو پکڑوائے گی جو مصر کی حکومت کے خلاف کام کر رہا ہے۔

علی بن سفیان کے مشورے پر فوج اور انتظامیہ کے اعلیٰ حکام کا اجلاس بلایا گیا اور صورتِ حال تقی الدین کے سامنے رکھی گئی۔ سب کا یہ خیال تھا کہ تقی الدین مصر میں نیا نیا آیا ہے اور اتنی بڑی ذمہ داری بھی اس کے سر پر پہلی بار پڑی ہے، اس لیے وہ محتاط فیصلے کرے گا اور شاید کوئی خطرہ مول نہ لینا چاہے۔ اجلاس میں بیشتر حکام نے اس پر اتفاق کیا کہ چونکہ اتنے وسیع علاقے کی اتنی زیادہ آبادی گمراہ کر دی گئی ہے، اس لیے اس آبادی کے خلاف کارروائی نہ کی جائے۔ مسئلہ یہ تھا کہ کھنڈرات کے اندر کے جو حالات معلوم ہوئے تھے، اُن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں سے ایک نیا عقیدہ نکلا ہے جسے لوگوں نے قبول کر لیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ اپنے معبد اور عقیدے پر فوجی حملہ برداشت نہیں کریں گے۔ اس کا حل یہ پیش کیا گیا کہ اس علاقے میں اپنے معلم، عالم اور دانشور بھیجے جائیں جو لوگوں کو راہِ راست پر لائیں۔ ان کے جذبات کو مجروح نہ کیا جائے...... اجلاس میں ایک مشورہ یہ بھی پیش کیا گیا کہ سلطان ایوبی کو صورتِ حال سے آگاہ کیا جائے اور اُن سے حکم لے کر کارروائی کی جائے۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انسانوں سے ڈرتے ہیں'' ...... تقی الدین نے کہا...... ''اور آپ کے دل میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ڈر نہیں جن کے سچے مذہب کی وہاں توہین ہو رہی ہے۔ امیر مصر اور سالارِ اعلیٰ کو خبر تک نہیں دی جائے گی کہ مصر میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا آپ اس سے بے خبر ہیں کہ وہ میدانِ جنگ میں کتنے طاقتور دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر ہیں؟ کیا آپ صلاح الدین ایوبی کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم سب دو چار ہزار گناہگاروں اور دشمنانِ دین سے ڈرتے ہیں؟ میں براہِ راست کارروائی کا اور بڑی ہی سخت کارروائی کا قائل ہوں''۔

''گستاخی معاف امیرِ محترم!'' ...... ایک نائب سالار نے کہا...... ''صلیبی ہم پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ ہم اس الزام کی تردید عملی طور پر کرنا چاہیے ہیں۔ ہم پیار اور خلوص کا پیغام لے کر جائیں گے''۔

''تو پھر اپنی کمر کے ساتھ تلوار کیوں لٹکائے پھرتے ہو؟'' ...... تقی الدین نے طنزیہ لہجے میں کہا...... ''فوج پر اتنا خرچ کیوں کر رہے ہو؟ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ ہم فوج کو چھٹی دے دیں اور ہتھیار دریائے نیل میں پھینک کر مبلغوں کا ایک گروہ بنالیں اور درویشوں کی طرح گاؤں گاؤں، قریہ قریہ دھکے کھاتے پھریں؟'' ...... تقی الدین نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیغام کے خلاف صلیب کی تلوار نکلے گی تو اسلام کی شمشیر نیام میں نہیں پڑی رہے گی اور جب شمشیر اسلام نیام سے نکلے گی تو ہر اُس سر کو تن سے جدا کرے گی جو کلمۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جھکنے سے انکار کرتا ہے، وہ ہر اُس زبان کو کاٹے گی جو کلمۂ حق کو جھٹلاتی ہے۔ صلیبی اگر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم نے اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا ہے تو میں اُن سے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ سلطنت اسلامیہ کیوں سکڑتی چلی آرہی ہے؟ خود مسلمان کیوں اسلام کے دشمن ہوئے جا رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ صلیبیوں نے عورت اور شراب سے، زر و جواہرات اور ہوسِ اقتدار سے اسلام کی تلوار کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ وہ ہم پر جنگ پسندی اور تشدد کا الزام عائد کر کے ہماری عسکریت روایات کو ختم کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے خلاف لڑ نہیں سکتے۔ اُن کے بری لشکر اور بحری بیڑے ناکام ہو گئے ہیں۔ وہ ہمارے درمیان تخریب کاری کر رہے ہیں۔ اللہ کے سچے دین کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ ان کے خلاف تلوار نہ اُٹھاؤ۔

''غور سے سنو میرے دوستو! صلیبی اور آپ کے دوسرے دشمن آپ کو محبت کا جھانسہ دے کر آپ کے ہاتھ سے تلوار لینا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کی پیٹھ پر وار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ اصول محض ایک فریب ہے کہ کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دو۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے یہ معلوم نہیں کہ کرک میں وہ مسلمان آبادی کا کیا حشر کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے شوبک فتح کر کے وہاں مسلمانوں کا بیگار کیمپ نہیں دیکھا تھا؟ وہاں مسلمان عورتوں کی جو انہوں نے عصمت دری کی، وہ نہیں سنی تھیں؟ مقبوضہ فلسطین میں مسلمان خوف اور ہراس کی، بے آبروئی اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صلیبی مسلمانوں کے قافلے لوٹتے اور عورتوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر تلوار اُٹھانا جرم ہے۔ اگر یہ جرم ہے تو میں اس جرم سے شرمسار نہیں۔ صلیبیوں کی تلوار نہتوں کو کاٹ رہی ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ اللہ اور رسولِ صلی علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ صلیب اور بُتوں کے پجاری نہیں..... تمہاری تلوار صرف وہاں ہاتھ سے گر پڑنی چاہیے، جہاں سامنے نہتے ہوں اور اُن تک خدا کا پیغام نہ پہنچا ہو۔ ہمیں اس اصول کا قائل نہیں ہونا چاہیے کہ لوگوں کے جذبات پر حملہ نہ کرو۔ میں نے دیکھا ہے کہ عرب میں چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران اور نا اہل اُمراء لوگوں کو خوش کرنے کے لیے بڑے دلکش اور دِلوں کو موہ لینے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے غلط جذبات اور احساسات کو اور زیادہ بھڑکا کر انہیں خوش رکھتے ہیں، تا کہ لوگ انہیں عیش و عشرت سے اور غیر اسلامی طرزِ زندگی سے روک نہ سکیں۔ ان امراء کا طریقہ کار یہ ہے کہ انہوں نے خوشامدیوں کا ایک گروہ پیدا کر لیا ہے جو اُن کی ہر آواز پر لبیک کہتا ہے اور رعایا میں گھوم پھر کر ثابت کرتا رہتا ہے کہ اُن کے امیر نے جو بات کہی ہے، وہ خدا کی آواز ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے، بدکار اور عیاش انسانوں کے غلام ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ قوم حاکم اور محکوم میں تقسیم ہوتی چلی جا رہی ہے......

''ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمن ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے اور ہماری قوم کے ایک حصے کو کفر کی تاریکیوں میں لے جا رہا ہے، اگر ہم نے سخت رویہ اختیار نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کفر کی تائید کر رہے ہیں۔ میرے بھائی صلاح الدین ایوبی نے مجھے کہا تھا کہ غداری ہماری روایت بنتی جا رہی ہے، لیکن میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ یہ بھی روایت بنتی جا رہی ہے کہ ایک ٹولہ حکومت کیا کرے گا اور قوم محکوم ہو گی۔ حکمران ٹولہ قوم کا خزانہ شراب میں بہائے گا اور قوم پانی کے گھونٹ کو بھی ترسے گی۔ میرے بھائی نے ٹھیک کہا تھا کہ ہمیں قوم اور مذہب کے مستقبل پر نظر رکھنی ہے۔ ہمیں قوم میں وقار اور کردار کی بلندی پیدا کرنی ہے۔ آنے والی نسلیں ہماری قبروں سے جواب مانگیں گی۔ اس مقصد کے لیے ہمیں ایسی کارروائی سے گریز نہیں کرنا چاہیے جو ملک اور مذہب کے لیے سود مند ہو۔ اگر یہ برحق اقدام قوم کے چند ایک افراد کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ ہم قوم کا مفاد اور وقار چند ایک افراد کی خوشنودی پر قربان نہیں کر سکتے۔ ہم ملک کے ایک اتنے بڑے حصے کو صرف اس لیے دشمن کی تخریب کاری کے سپرد نہیں کر سکتے کہ وہاں کے لوگوں کے جذبات مجروح ہوں گے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ وہاں کے لوگ سیدھے سادے اور بے علم ہیں۔ انہیں اپنے وہ مسلمان بھائی جو قبیلوں کے سردار ہیں اور مذہب کے اجارہ دار ہیں، دشمن کا آلۂ کار بن کر گمراہ کر رہے ہیں''۔

اجلاس میں کسی کو توقع نہیں تھی کہ تقی الدین کا ردِ عمل اتنا شدید اور فیصلہ اتنا سخت ہوگا۔ اُس نے جو دلائل پیش کیے، ان کے خلاف کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ کوئی مشورہ ہی پیش کرتا۔ اُس نے کہا..... ''مصر میں جو فوج ہے، یہ محاذ سے آئی ہے اور اس سے پہلے بھی لڑ چکی ہے۔ اس فوج کے صرف پانچ سو گھوڑ سوار، دو سو شتر سوار اور پانچ سو پیادہ آج شام اُس علاقے کی طرف روانہ کر دو جہاں وہ مشکوک کھنڈرات ہیں۔ یہ فوج اس علاقے سے اتنی دُور رہے گی کہ ضرورت پڑے تو

فوری طور پر محاصرہ کر سکے۔ میرے ساتھ دمشق سے جو دو سوار آئے ہیں، وہ علاقے کے اندر جا کر کھنڈروں پر حملہ کریں گے۔ ایک چھاپہ مار دستہ کھنڈروں کے اندر جائے گا۔ دو سوار کھنڈروں کو محاصرے میں رکھیں گے۔ اگر باہر سے حملہ ہوا یا مزاحمت ہوئی تو فوج کو بڑا حصہ مقابلہ کرے گا اور محاصرہ تنگ کرتا جائے گا۔ اس کارروائی میں فوج کو سختی سے حکم دیا جائے کہ کسی نہتے کو نہیں چھیڑا جائے گا''۔

اس فیصلے کے فوراً بعد فوجی حکام کوچ، حملے اور محاصرے وغیرہ کا منصوبہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

☆

سلطان ایوبی مصر کی تازہ صورتِ حال سے بے خبر کرک اور شوبک قلعوں کے درمیان میل ہا میل وسیع صحرا میں جہاں ریتلی چٹانوں، ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے بھی تھے اور جہاں کسی کسی جگہ پانی اور سائے کی بھی افراط تھی، صلیبیوں کے نئے جنگی منصوبے کے مطابق اپنی افواج کی صف بندی کر رہا تھا۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا تھا کہ صلیبی دُگنی طاقت سے جو زیادہ تر زرہ پوش اور بکتر بند ہو گی، قلعے سے باہر آ کر حملہ کریں گے۔ یہ فوج سلطان ایوبی کی فوج کو آمنے سامنے کی جنگ میں اُلجھالے گی اور دوسری فوج عقب سے حملے کرے گی۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو دُور دُور تک پھیلا دیا۔ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جہاں جہاں پانی اور سبزہ تھا، وہاں فوراً قبضہ کر لیا۔ ان جگہوں کے دفاع کے لیے اُس نے بڑے سائز کی کمانوں والے تیر انداز بھیج دیئے۔ ان کے تیر بہت دور تک جاتے تھے۔ وہاں منجنیقیں بھی رکھیں، جو آگ کی ہانڈیاں پھینکتی تھی۔ یہ اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ دشمن قریب نہ آسکے۔ بلندیوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ سلطان ایوبی نے تمام دستوں کو حکم دیا کہ دشمن سامنے سے حملہ کرے تو وہ اور زیادہ پھیل جائیں تاکہ دشمن بھی پھیلنے پر مجبور ہو جائے۔ اُس نے اپنی فوج کو ایسی ترتیب میں کر دیا کہ دشمن یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان فوج کے پہلو کدھر اور عقب کس طرف ہے۔

سلطان ایوبی نے فوج کا ایک بڑا حصہ ریزرو میں رکھ لیا تھا۔ ایک حصے کو اس طرح متحرک رکھا کہ جہاں کمک کی ضرورت پڑے، فوراً کمک دے سکے۔ اُس کا سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار اُس کے چھاپہ مار دستے تھے اور اس سے زیادہ خطرناک اُس کا جاسوسی کا نظام تھا جو اُسے صلیبیوں کی نقل و حرکت کی خبریں دے رہا تھا۔ شوبک کا قلعہ سلطان ایوبی سر کر چکا تھا۔ صلیبیوں کے منصوبے میں یہ بھی تھا کہ ان کے لیے حالات ساز گار ہوئے تو وہ شوبک کو محاصرے میں لے کر فتح کر لیں گے۔ انہیں توقع تھی کہ اُن کا اتنا زیادہ لشکر سلطان ایوبی کی قلیل تعداد فوج کو صحرا میں ختم کر دے گا، یا اتنا کمزور کر دے گا کہ وہ شوبک کو باہر سے مدد نہیں دے سکے گی۔ اُن کے اس منصوبے کے پیشِ نظر سلطان ایوبی نے شوبک کی وہ طرف جس طرف سے صلیبی اس قلعے پر حملہ کر سکتے تھے، خالی چھوڑ دی۔ اُس نے صلیبیوں کے لیے موقع پیدا کر دیا کہ وہ راستہ صاف دیکھ کر شوبک پر حملہ کریں۔ اُس طرف سے اس نے دیکھ بھال والی چوکیاں بھی ہٹا دیں اور دُور دُور تک علاقہ خالی کر دیا۔

صلیبیوں کے جاسوسوں نے کرک میں فوراً اطلاع پہنچائی کہ سلطان ایوبی نے صلیبیوں کے ساتھ صحرا میں لڑنے کے لیے فوج شوبک سے دور اکٹھی کر لی ہے اور شوبک کا راستہ صاف ہو گیا ہے۔ صلیبیوں نے فوراً اپنی اس فوج کو جو سلطان ایوبی کے سامنے سے حملہ کرنے کے لیے باہر نکالی تھی، حکم دے دیا کہ رُخ بدل کر شوبک کی طرف چلی جائے۔ چنانچہ یہ فوج اُدھر کو ہو لی۔ اس کے پیچھے رسد کے ذخیرے جا رہے تھے۔ فوج جب شوبک سے چار میل دُور رہ گئی تو اُسے روک لیا گیا۔ اس فوج کا عارضی پڑاؤ تھا۔ رسد کی گھوڑا گاڑیاں، اونٹ اور خچر ہزاروں کی تعداد میں چلے آرہے تھے۔ انہیں کوئی خطرہ نہ تھا، کیونکہ مسلمانوں کی فوج کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ صلیبی حکمران بہت خوش تھے۔ انہیں شوبک کا قلعہ اپنے قدموں

میں پڑا نظر آرہا تھا، مگر رات کو انہیں اپنے پیچھے پانچ چھ میل دُور آسمان لال سرخ نظر آیا۔ شعلے اتنے بلند تھے کہ اتنی دُور سے بھی نظر آ رہے تھے۔ صلیبیوں نے سوار دوڑا دیئے۔ جہاں سے شعلے اُٹھ رہے تھے، وہاں اُن کی رسد تھی۔ سوار وہاں پہنچے تو انہیں صحرا میں بے لگام گھوڑے اور بے مہار اونٹ ہر طرف دوڑتے بھاگتے نظر آئے۔

یہ تباہی سلطان ایوبی کے ایک چھاپہ مار دستے کی بپا کی ہوئی تھی۔ رسد میں گھوڑوں کے لیے خشک گھاس سے لدی ہوئی سینکڑوں گھوڑا گاڑیاں تھیں۔ انہیں رسد کے کیمپ کے اِرد گرد کھڑا کیا گیا تھا۔ صلیبی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کی ہر ایک حرکت پر سلطان ایوبی کی نظر ہے۔ رات کو جب رسد کا کیمپ سو گیا تو مسلمان چھاپہ ماروں نے اونٹوں پر جا کر خشک گھاس میں آتشیں فلیتوں والے تیرے چلائے۔ گھاس فوراً جل اُٹھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیمپ شعلوں کے گھیرے میں آ گیا۔ ان کے نرغے میں آئے ہوئے انسان جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑے تو اِن میں سے بہت سے تیروں کا شکار ہو گئے، جو جانور رسیاں توڑ سکے وہ تو بھاگ گئے اور جو کھل نہ سکے، وہ زندہ جل گئے۔ دُور دُور تک پھیلا ہوا کیمپ جہنم بن گیا۔ چھاپہ ماروں نے کئی ایک اونٹ اور گھوڑے پکڑ لیے اور واپس چلے گئے۔

صبح طلوع ہوئی۔ صلیبی کمانڈروں نے جا کر رسد کا کیمپ دیکھا۔ وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔ اُن کی ایک ماہ کی رسد تباہ ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ شوبک کا راستہ جو صاف تھا، یہ سلطان ایوبی کی ایک چال تھی۔ انہوں نے بغیر دیکھے کہہ دیا کہ کرک سے شوبک تک اُن کی رسد اور کمک کا راستہ محفوظ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے شوبک کا محاصرہ ملتوی کر دیا۔ رسد کے بغیر محاصرہ ناممکن تھا اور جب انہیں اطلاع ملی کہ گزشتہ رات اس فوج کی بھی رسد تباہ ہو گئی ہے، جو سلطان ایوبی کی فوج پر سامنے سے حملہ کرنے کے لیے جمع تھی تو انہوں نے اپنے تمام تر جنگی منصوبے پر نظرِ ثانی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں کہیں بھی سلطان ایوبی کی فوج نظر نہیں آ رہی تھی۔ انہیں جاسوس یہ بھی نہیں بتا سکے تھے کہ مسلمانوں کی فوج کا اجتماع کہاں ہے۔ دراصل یہ اجتماع کہیں بھی نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ صلیبیوں نے دونوں محاذوں پر پیش قدمی روک دی ہے تو اُس نے اپنے کمانڈروں کو بلا کر کہا..... "صلیبیوں نے جنگ ملتوی کر دی ہے، لیکن ہماری جنگ جاری ہے۔ وہ دونوں فوجوں کے آمنے سامنے کے تصادم کو جنگ کہتے ہیں۔ میں چھاپوں اور شب خونوں کو جنگ کہتا ہوں۔ اب چھاپہ ماروں کو سرگرم رکھو۔ صلیبی دونوں طرف سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ انہیں اطمینان سے پیچھے نہ ہٹنے دو۔ انتہائی عقب یا پہلو پر شب خون مارو اور غائب ہو جاؤ۔ صلیبی آپ کو اپنے سامنے لا کر لڑنا چاہتے ہیں، لیکن میں آپ کو اُس میدان میں اُن کے سامنے لے جاؤں گا جو آپ کی مرضی کا ہو گا اور جہاں کی ریت بھی آپ کی مدد کرے گی"۔

سلطان ایوبی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ اپنے عملے اور محافظ دستے کے ساتھ خانہ بدوش تھا۔ کسی ایک جگہ نہ ٹھہرنے کے باوجود معلوم ہوتا تھا، جیسے ہر جگہ موجود ہے۔

☆

مصر میں سلطان ایوبی کا بھائی تقی الدین صلیبیوں کے دوسرے محاذ پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ یہ مصر کا جنوب مغربی علاقہ تھا، جہاں کے ڈراؤنے ٹیلوں کے اندر فرعونوں کے ہولناک کھنڈرات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے واپس آنے والے تھے۔ تمام تر علاقہ ایک نئے عقیدے کا پیرو کار ہو گیا تھا..... جمعرات کی شام تھی۔ زائرین کا ہجوم کھنڈر کے غار نما دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ اندر بڑے کمرے میں پُراسرار آواز گونج رہی تھی۔ لوگوں کو دیوار پر گناہ گار اور نیکوکار

جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہاں وہی سماں تھا جو ہر جمعرات کے روز ہوا کرتا تھا۔ اچانک اُس پُراسرار مقدس انسان کی آواز خاموش ہوگئی، جس کے متعلق مشہور تھا کہ گناہ گاروں کو نظر نہیں آتا۔ اس کی بجائے ایک اور آواز سنائی دی۔ ''گمراہ انسانو! آج کی رات گھروں کو نہ جانا۔ کل صبح تم پر وہ راز فاش ہو جائے گا، جس کے لیے تم بے تاب ہو۔ یہاں سے فوراً باہر نکل جاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں۔ اس کھنڈر سے دُور جا کر سو جاؤ'' ...... بڑے کمرے میں حیرت زدہ لوگوں کو دیوار پر جو چمکتے ہوئے ستارے نظر آتے تھے، وہ ماند پڑے گئے۔ اُس وقت ان ستاروں میں سے حسین لڑکیاں اور خوبرو مرد ہنستے کھیلتے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ فوجی قسم کے کچھ آدمی انہیں پکڑ پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ کہیں سے چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بادل جو گرجتے تھے، وہ بھی خاموش ہو گئے۔ لوگوں کے لیے یہ جگہ بڑی ہی مقدس تھی۔ وہ خوف زدہ ہو کے باہر کو بھاگے اور کھنڈر خالی ہو گیا۔

یہ انقلاب تقی الدین اور علی بن سفیان لائے تھے۔ اُن کے ساتھ فوج کی وہی نفری تھی، جو تقی الدین نے اپنے حکم میں بتائی تھی۔ یہ دستے شام کے بعد ٹیلوں والے علاقے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ان کی راہنمائی شارجا کر رہی تھی، جو گھوڑے پر سوار تھی۔ وہ انہیں جمعرات کی شام وہاں لے گئی تھی، کیونکہ اُس روز وہاں میلہ لگتا تھا اور دُور دور سے لوگ آتے تھے۔ فوج کے بڑے حصے کو جس میں پانچ سو گھوڑ سوار، دو سو شتر سوار اور پانچ سو پیادہ تھے۔ اس علاقے سے ذرا دُور رکھا گیا تھا۔ انہیں نہتے لوگوں کے خلاف استعمال نہیں کرنا تھا۔ اُن کے ذمہ یہ فرض تھا کہ سوڈان کی سرحد پر نظر رکھیں، چونکہ کھنڈروں کے اندر کی تخریب کاری صلیبیوں اور سوڈانیوں کی پشت پناہی پر ہو رہی تھی۔ اس لیے یہ خطرہ تھا کہ وہاں فوجی کارروائی کی گئی تو سوڈانی حملہ کر دیں گے۔ تقی الدین نے اس علاقے کے قریب کے سرحدی دستوں کو جو سرحدوں کی حفاظت کے لیے وہیں رہتے تھے، قریب بلا کر اپنے تحت کر لیا تھا۔

دو سو گھوڑ سوار جو تقی الدین کے ساتھ دمشق سے آئے تھے، وہ وہاں کے چُنے ہوئے اور دیوانگی کی حد تک دلیر سوار تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے تیر اندازی اُن کا خصوصی کمال تھا۔ پیادہ سپاہیوں میں سلطان ایوبی کے اپنے ہاتھوں تیار کیے ہوئے چھاپہ مار بھی تھے۔ انہیں ایسی ٹریننگ دی گئی تھی کہ انتہائی دشوار ٹیلوں اور درختوں پر حیران کن رفتار سے چڑھتے اور اُترتے تھے۔ چند گز پھیلی ہوئی آگ سے گزر جانا اُن کا معمول تھا۔ اِن چھاپہ مار جانبازوں کو اُس وقت کھنڈر کی طرف روانہ کیا گیا، جب لوگ اندر جا رہے تھے، وہاں تک انہیں شارجا لے گئی تھی۔ علی بن سفیان اُن کے ساتھ تھا۔ تیز رفتار قاصد بھی ساتھ تھے، تاکہ پیغام رسانی میں تاخیر نہ ہو۔ کھنڈر کے دروازے کے باہر دو آدمی کھڑے اندر جانے والوں کو تین تین کھجوریں کھلا رہے تھے۔ دروازے کے اندر گھپ اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے سے لوگ گزر کر اندر روشن کمرے میں جاتے تھے۔ باہر صرف ایک مشعل جل رہی تھی، جس کی روشنی معمولی سی تھی۔

چھ آدمی جن کے سر چادروں میں ڈھکے ہوئے تھے، زائرین کے ساتھ دروازے تک گئے اور ہجوم سے ہٹ کر کھجوریں کھلانے والوں کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ انہیں کہا گیا کہ وہ سامنے سے گزریں، لیکن وہ سن ہو کے رہ گئے، کیونکہ ان کی پیٹھوں میں خنجروں کی نوکیں رکھ دی گئی تھیں۔ یہ چھ آدمی چھاپہ مار تھے۔ انہوں نے ایک ایک آدمی کے پیچھے ہو کر خنجر ان کی پیٹھوں سے لگا کر آہستہ سے کان میں کہا تھا...... ''زندہ رہنا چاہیے ہو تو یہاں سے باہر چلے جاؤ۔ تم سب فوج کے گھیرے میں ہو'' ...... کھجوریں کھلانے اور پانی پلانے والے آدمی ذرا سی بھی مزاحمت کے بغیر باہر نکل گئے۔ چھاپہ ماروں نے خنجر اس طرح چغوں میں چھپا لیے کہ لوگوں میں سے کوئی دیکھ نہ سکا۔ یہ چار آدمی جونہی باہر کو آئے، وہاں دس بارہ چھاپہ

مار دیہاتیوں کے لباس میں کھڑے تھے۔ انہوں نے چاروں کو گھیر لیا اور دھکیلتے ہوئے دُور لے گئے۔ وہاں انہیں رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ چھ چھاپہ مار جو کھجوروں اور پانی کے مشکیزوں کے پاس رہ گئے تھے، انہوں نے اندر جانے والے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ کھجوروں اور پانی کے بغیر اندر جاؤ، کیونکہ اندر سے نیا حکم آیا ہے۔ سیدھے سادے دیہاتی اندر جاتے رہے۔

اُن کے ساتھ اب چھاپہ مار بھی اندر جا رہے تھے اور مشعلیں بھی اندر جا رہی تھیں۔ لوگ حیران تھے کہ مشعلیں کیوں لے جائی جا رہی ہیں۔ کم و بیش پچاس مشعلیں اور دو سو چھاپہ مار اندر چلے گئے۔ وہ روشن کمرے میں نہ گئے، بلکہ ان تاریک راستوں اور غلام گردشوں میں چلے گئے، جن میں باہر کے لوگ نہیں جا سکتے تھے۔ ان میں سے بعض کے پاس خنجر اور خنجر نما تلواریں تھیں اور بعض کے پاس چھوٹی کمانیں۔ اُس دروازے سے بھی جس سے لوگ باہر نکلتے تھے، چھاپہ مار داخل ہو گئے۔ وہ ہدایت کے مطابق تاریک بھول بھلیوں میں جا رہے تھے۔ تقی الدین کے دو سو گھوڑ سوار آ گئے اور انہوں نے پورے کھنڈر کو گھیرے میں لے لیا۔ ان کے ساتھ پیادہ دستہ بھی تھا، جس کے سپاہیوں نے اندر سے نکلنے والوں کو روک کر ایک طرف اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ چھاپہ مار مشعل برداروں کے ساتھ اندر گئے تو انہیں ایسے محسوس ہونے لگا جیسے کسی کے پیٹ میں چلے گئے ہوں۔ اندر کے راستے اور کمرے انتڑیوں کی مانند تھے...... یہ راستے انہیں ایک ایسے طلسم میں لے گئے، جسے دیکھ کر چھاپہ مار بدک کر رُک گئے۔ یہ ایک بہت کشادہ کمرہ تھا، جس کی چھت اونچی تھی۔ اندر بہت سے مرد اور عورتیں تھیں۔ ان میں کچھ ایسے تھے، جن کے چہرے بھیڑیوں کی طرح تھے، بعض تھے تو انسان لیکن وہ اس قدر بدصورت اور بھیانک چہروں والے تھے کہ دیکھ کر ڈر آتا تھا، وہ جن اور بھوت لگتے تھے اور ان کے درمیان خوب صورت اور جوان لڑکیاں بھڑکیلے اور چمکیلے کپڑے پہنے ہنس کھیل رہی تھیں۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ چند ایک خوب صورت لڑکیاں خوبرو مردوں کے ساتھ مٹک مٹک کر چل رہی تھی۔ اُدھر چھت سے فرش تک پردے لٹکے ہوئے تھے، جو دائیں بائیں ہٹتے، کھلتے اور بند ہوتے تھے۔ دوسری طرف آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی چمکتی اور بجھتی تھی۔

اگر چھاپہ ماروں کو یہ یقین نہ دلایا گیا ہوتا کہ کھنڈر کے اندر جو کوئی بھی ہے اور جس حُلیئے میں بھی ہے، وہ انسان ہوگا اور اندر کوئی بدروح، روح یا بھوت پریت نہیں، تو چھاپہ مار وہاں سے بھاگ جاتے۔ وہاں خوب صورت لڑکیاں اور خوبرو مرد تھے، وہ بھی ڈراؤنے لگتے تھے...... اس عجیب و غریب مخلوق نے جب مشعل بردار چھاپہ ماروں کو دیکھا تو انہیں ڈرانے کے لیے ڈراؤنی آوازیں نکالنے لگے، جو آدمی بدصورت، چڑیلوں اور بھیڑوں کے چہروں والے تھے، اُن کی آوازیں زیادہ خوف ناک تھیں۔ اس دوران ایک دو آدمیوں نے شاید ڈر کر اپنے چہرے بے نقاب کر دیئے۔ یہ بھیڑیوں کے چہرے تھے جو انہوں نے اُتارے تو اندر سے انسانوں کے چہرے نکلے۔ چھاپہ ماروں نے سب کو گھیر کر پکڑ لیا اور سب کے نقاب اُتار دیئے، وہاں شراب بھی پڑی تھی۔ ان سب کو باہر لے گئے۔ کھنڈر کے دوسرے حصوں کی تلاشی میں ایک آدمی پکڑا گیا جو ایک تنگ سی سُرنگ کے منہ میں منہ ڈالے بھاری آواز میں کہہ رہا تھا...... ''گناہوں سے توبہ کرو۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام آنے والے ہیں......'' اور ایسے کئی الفاظ تھے جو وہ بول رہا تھا۔ یہ سُرنگ گھوم پھر کر اُس روشن کمرے میں جاتی تھی، جہاں زائرین کو یہ پُراسرار، ڈراؤنی اور خوب صورت مخلوق دکھا کر حیرت زدہ کیا جاتا تھا۔ اس آدمی کو وہاں سے ہٹا کر چھاپہ ماروں کے ایک کمان دار نے سرنگ میں منہ ڈال کر کہا کہ اے گمراہ لوگوں، آج رات گھروں کو نہ جانا، کل صبح تم پر وہ راز فاش ہو جائے گا، جس کے لیے تم بے تاب ہو۔

کھنڈرات کے اندر کسی نے بھی مزاحمت نہ کی۔ خنجروں اور تلواروں کے آگے سب اپنے آپ کو گرفتاری کے

لیے پیش کرتے چلے گئے۔ چھاپہ مار اُن آدمیوں کی نشاندہی پر جنہیں گرفتار کرلیا گیا تھا، اُن جگہوں تک پہنچے جہاں بجلی کی طرح چمکنے والی روشنیوں کا انتظام تھا۔ ڈھکی چھپی جگہوں میں مشعلیں جل رہی تھی۔ اُن کے پیچھے لکڑی کے تختے تھے، جن پر ابرق چپکایا ہوا تھا۔ ان تختوں کے زاویے بدلتے تھے تو ابرق کی چمک لوگوں کی آنکھوں میں پڑتی اور چندھیا دیتی تھی۔ کمرہ تاریک کرنے کے لیے مشعلوں کو پیچھے کرلیا جاتا تھا۔ بادل گرجنے کی آوازیں دھات کی چادروں کو جھٹکے دے کر پیدا کی جاتی تھیں۔ پردوں پر جگہ جگہ ابرق کے ٹکڑے چپکا دیئے گئے تھے، جن پر روشنی پڑتی تو ستاروں کی طرح چمکتے تھے۔ اس طرف پردوں کا رنگ ایسا تھا کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ کپڑا ہے۔ وہ اُسے پھٹی ہوئی دیوار سمجھتے تھے۔ عقل اور ہوش والے انسان کے لیے یہ کوئی معمہ نہیں تھا۔ بے شک یہ روشنیوں کے خاص انتظام کا جادو تھا، جو لوگوں کو مسحور کرلیتا تھا، لیکن اندر جو جاتا تھا، اُس کی عقل اور ہوش پر اُس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔ انہیں اندر جاتے وقت دروازے پر جو تین کھجوریں کھلائی جاتی اور پانی پلایا جاتا تھا۔ ان میں نشہ آور آمیزش ہوتی تھی۔ اس کا اثر فوراً ہو جاتا تھا۔ اس اثر کے تحت زائرین کے ذہنوں پر جو بھی تصور بٹھایا جاتا اور کانوں میں جو بھی آوازیں ڈالی جاتی، وہ اسے سوفیصد صحیح اور برحق سمجھ لیتے تھے۔ اسی نشے کا اثر تھا کہ لوگ باہر جا کر دوبارہ اندر آنے کی خواہش کرتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ اُس عقیدے کا تاثر نہیں، بلکہ اس نشے کا اثر ہے جو انہیں کھجوروں اور پانی میں دیا جاتا ہے۔

کھجوروں کے انبار اور پانی کے مشکیزوں پر بھی قبضہ کرلیا گیا تھا۔ اندر پکڑ دھکڑ اور تلاشی کا سلسلہ جاری تھا۔ باہر دو سو سپاہیوں نے کھنڈروں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہر طرف مشعلوں کی روشنی تھی۔ فوج کا بڑا حصہ اور دو سرحدی دستے سوڈان کی سرحد کے ساتھ ساتھ گھوم پھر رہے تھے......رات گزر گئی۔ سوڈان کی طرف سے کوئی حملہ نہ ہوا۔ کھنڈرات میں بھی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ صبح کے اُجالے نے اس علاقے کو روشن کیا تو وہاں ہراساں دیہاتیوں کا ہجوم تھا۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر سو گئے تھے۔ گھوڑ سواروں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔

☆

کچھ دیر بعد تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے بٹھا دیا گیا۔ ان کی تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان تھی۔ ایک طرف سے ایک جلوس آیا جسے فوجی ہانک کر لا رہے تھے۔ اس جلوس میں بھیڑیوں اور چڑیلوں کے چہروں والے انسان تھے۔ اس میں مکروہ اور بڑی بھیانک شکلوں والے انسان بھی تھے اور اس جلوس میں وہ تمام مخلوق تھی جو لوگوں کو کھنڈر کے اندر دکھائی جاتی تھی اور بتایا جاتا تھا کہ یہ آسمان ہے جہاں یہ لوگ مرنے کے بعد گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اُن کا سب سے بڑا گناہ یہ بتایا جاتا تھا کہ یہ جنگ و جدل کے عادی تھے، یعنی یہ فوجی تھے۔ اس جلوس سے الگ دس بارہ لڑکیوں کو بھی لوگوں کے سامنے لایا گیا۔ یہ بہت ہی خوب صورت لڑکیاں تھیں۔ ان کے ساتھ خوبرو مرد تھے۔ ان دونوں جلوسوں کو لوگوں کے ہجوم کے سامنے ایک اونچی جگہ پر کھڑا کر دیا گیا اور انہیں کہا گیا کہ لوگوں کو اپنے چہرے دکھاؤ۔ سب نے بھیڑیوں اور چڑیلوں کے مصنوعی چہرے اُتار دیئے۔ اُن کے اندر سے اچھے بھلے انسانی چہرے نکل آئے۔ جو آدمی مکروہ اور بھیانک چہروں والے تھے، وہ بھی مصنوعی چہرے تھے۔ یہ چہرے بھی اُتار دیئے گئے۔

لوگوں سے کہا گیا کہ وہ ان آدمیوں اور ان لڑکیوں کے قریب سے گزرتے جائیں اور انہیں پہچانیں۔ لوگ تو اسی پر حیران ہو گئے کہ یہ آسمان کی مخلوق نہیں، اسی زمین کے انسان ہیں۔ لڑکیاں بھی پہچان لی گئیں۔ ان میں زیادہ تر اسی علاقے کی رہنے والی تھیں اور تین چار یہودی تھیں، جنہیں صلیبی اسی مقصد کے لیے لائے تھے۔ لوگ انہیں دیکھ چکے تو ان

مجرموں کو سامنے لایا گیا جنہوں نے یہ طلسماتی اہتمام کر رکھا تھا۔ ان میں چھ صلیبی تھے جو مصر کے اس علاقے کی زبان بولتے اور سمجھتے تھے۔ انہوں نے بہت سے آدمی اس علاقے سے اپنے ساتھ ملا لیے تھے۔ رات گرفتاری کے بعد اُن سے اعتراف کرا لیا گیا تھا کہ انہوں نے تین چار مسجدوں میں اپنے امام رکھ دیئے تھے جو لوگوں کو مذہب کے پردے میں غیر اسلامی نظریات کے معتقد بنا رہے تھے۔ اس گروہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو قائل کیا جائے کہ فوج میں بھرتی نہ ہوں، کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ گروہ اس مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ان تخریب کاروں نے یہ کامیابی بھی حاصل کر لی تھی کہ اس علاقے کے لوگوں میں سوڈانیوں کی محبت پیدا کر دی تھی اور اُن کا مذہب تبدیل کیے بغیر انہیں بے مذہب کر دیا تھا۔

لوگوں سے کہا گیا کہ اب وہ کھنڈروں کے اندر جا کر گھومیں پھریں اور اس فریب کاری کا ثبوت اپنی آنکھوں دیکھیں۔ لوگ اندر چلے گئے، جہاں جگہ جگہ فوجی کھڑے تھے اور لوگوں کو دکھا رہے تھے کہ انہیں کیسے کیسے طریقوں سے دھوکہ دیا جاتا رہا ہے۔ بہت دیر بعد جب تمام لوگ اندر سے گھوم پھر آئے تو تقی الدین نے اُن سے خطاب کیا اور انہیں بتایا کہ کھجوروں اور پانی میں انہیں نشہ دیا جاتا ہے۔ اندر جو جنت اور جہنم تھا، وہ اس نشے کے زیر اثر نظر آتا تھا۔ میں ان مجرموں سے کہتا ہوں کہ اندر چل کر مجھے آسمان کی مخلوق چلتی پھرتی دکھائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہاں اور مرا ہوا خلیفہ العاضد کہاں ہے۔ یہ سب فریب تھا۔ یہ وہ نشہ ہے جو حشیشین کا پیر استاد حسن بن صباح لوگوں کو پلا کر انہیں جنت دکھایا کرتا تھا۔ وہ تو ایک وقت میں چند ایک آدمیوں کو نشہ پلاتا تھا، مگر یہاں اسلام کے اِن دشمنوں نے اتنے وسیع علاقے کی پوری آبادی پر نشہ طاری کر دیا ہے۔

تقی الدین نے لوگوں کو اصلیت دکھا کر انہیں بتایا کہ ابتداء میں ایک درویش کی کہانی سنائی گئی تھی جو مسافروں کو اونٹ اور اشرفیاں دیا کرتا ہے۔ یہ محض بے بنیاد کہانیاں تھیں اور بے سر و پا جھوٹ۔ کہانیاں سنانے والوں کو تمہارے دین و ایمان کے دشمن بے دریغ مال و دولت دیتے تھے...... تقی الدین نے اس فریب کاری کے تمام پہلو بے نقاب کیے اور جب اُس نے مجرموں کی اصلیت کو بے نقاب کیا تو لوگ جوش میں آ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مجرموں پر ہلہ بول دیا۔ اُس وقت لوگوں کا وہ نشہ اُتر چکا تھا جو رات کو انہیں کھجوروں اور پانی میں دیا گیا تھا۔ فوج نے ہجوم پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے تمام مجرموں اور لڑکیوں کو جان سے مار کر چھوڑا۔

تقی الدین نے فوج کو اسی علاقے میں پھیلا دیا اور فوج کی نگرانی میں وہاں ایک تو تخریب کاروں کے ایجنٹوں کو گرفتار کیا اور دوسرے یہ کہ مسجدوں میں قاہرہ کے عالم متعین کر دیئے جنہوں نے لوگوں کو مذہبی اور عسکری تعلیم و تربیت شروع کر دی۔ فرعونوں کے کھنڈروں کو لوگوں کے ہاتھوں مسمار کرا دیا گیا۔

تقی الدین نے قاہرہ جا کر پہلا کام یہ کیا کہ جرّاح اور شارجا کی خواہش کے مطابق انہیں شادی کی اجازت دے دی اور دوسرا کام یہ کیا کہ اُس نے فوج کی مرکزی کمان کو حکم دیا کہ سوڈان پر حملے کی تیاری کی جائے۔ اُس نے کھنڈروں کی مہم میں دیکھ لیا تھا کہ پڑوسی سوڈانیوں نے مصر کے اتنے وسیع علاقے کو اپنے اثر میں لے لیا تھا اور یہ اثر شدید جوابی کارروائی کے بغیر ختم نہیں ہوگا۔ اُس پر انکشاف بھی ہوا تھا کہ سوڈانی صلیبیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور وہ باقاعدہ حملے کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔ لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ سوڈان پر حملہ کیا جائے۔ اس سے اگر سوڈان کا کچھ علاقہ قبضے میں آئے یا نہ آئے، اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ دشمن کی تیاریاں درہم برہم ہو جائیں گی اور ان کا منصوبہ لمبے عرصے کے لیے تباہ ہو جائے گا۔ تقی الدین کو سلطان ایوبی کی پشت پناہی حاصل تھی۔

......۞......

رَینی الیگزینڈر کا آخری معرکہ

مصر کے قائم مقام امیر تقی الدین نے صلیبیوں کی نظریاتی یلغار کو بروقت فوجی کارروائی سے روک دیا اور اُس خفیہ اور پُر اسرار اڈے کو ہی مسمار کر دیا، جہاں سے یہ فتنہ اُٹھا تھا، مگر وہ مطمئن نہیں تھا، کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ یہ اسلام کش زہر قوم کی رگوں میں اُتر گیا ہے۔ اس صلیبی تخریب کاری کو سوڈان سے پشت پناہی مل رہی تھی اور سوڈانیوں کو صلیبیوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ تقی الدین نے اس اڈے کو بھی تباہ کرنے کے لیے سوڈان پر حملے کی تیاریاں تیز کر دیں۔ سلطان ایوبی نے وہاں بھی جاسوس بھیج رکھے تھے، جن کی جانبازانہ کوششوں سے وہاں کے بڑے نازک راز مل رہے تھے، مگر ان رازوں سے جو فائدہ سلطان ایوبی اُٹھا سکتا تھا، وہ اس کے بھائی تقی الدین کے بس کی بات نہیں تھی۔ دونوں بھائیوں کا جذبہ تو ایک جیسا تھا، لیکن دونوں کی ذہانت میں بہت فرق تھا۔ دونوں بھائی جس کارروائی کا فیصلہ کرتے تھے، وہ شدید ہوتی تھی۔ فرق یہ تھا کہ سلطان ایوبی محتاط رہتا تھا اور تقی الدین بے صبر ہو کر احتیاط کا دامن چھوڑ دیتا تھا۔ اُسے جب فوجی مشیروں نے کہا کہ سوڈان پر حملے کا فیصلہ دانش مندانہ ہے، لیکن محترم ایوبی سے مشورہ لے لینا ضروری ہے تو تقی الدین نے اپنے مشیروں کے اس مشورے کو مسترد کرتے ہوئے کہا...... ''کیا آپ لوگ امیر محترم کو یہ تاثر دینا چاہتے کہ آپ اُن کے بغیر کچھ سوچ نہیں سکتے اور کچھ کر نہیں سکتے؟ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ مصر سے اتنی دُور محترم ایوبی کس طوفان میں گھرے ہوئے ہیں؟ اگر ہم نے ان سے مشورے اور فیصلے کا انتظار کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سوڈانی حملے میں پہل کر کے ہم پر سوار ہو جائیں گے''۔

''آپ ابھی حملے کا حکم دیں''۔ ایک نائب سالار نے کہا...... ''فوج اسی حالت میں، رسد کے بغیر کوچ کر جائے گی، لیکن اتنی بڑی اور اتنی اہم مہم کے لیے گہری سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ ہم کوچ کی تیاری کے تمام تر انتظامات بہت تھوڑے وقت میں کر لیں گے۔ آپ محترم ایوبی کو اطلاع ضرور دے دیں تاکہ وہ اور محترم نور الدین زنگی ادھر بھی دھیان رکھیں''۔

تقی الدین نہیں مانا۔ اُس نے کہا...... ''آپ مصر میں ایک ایک غدار اور ایک ایک تخریب کار کو پکڑتے اور اُسے ختم کرتے ہیں۔ میں اُس منبعے کو بند کرنا چاہتا ہوں، جہاں سے تخریب کاری اور غداری پیدا ہو رہی ہے۔ اس کام کے لیے مجھے کسی کے حکم اور مشورے کی ضرورت نہیں''۔

تقی الدین چند ایسے عناصر اور کوائف کو نظر انداز کر رہا تھا جو اُس کے حملے کو ناکام کر سکتے تھے۔ ایک یہ کہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے جاسوس مصر میں موجود تھے جو یہاں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ تقی الدین کی کمزوری یہ بھی تھی کہ اس کے دشمن کے جاسوس مسلمان بھی تھے جو انتظامیہ اور فوج میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے مقابلے میں تقی الدین کے جاسوس سوڈانیوں کے پالیسی سازوں اور حکام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ سلطان ایوبی نے ۱۱۶۹ میں مصر کی جس سوڈانی فوج کو بغاوت کے جرم میں توڑ دیا تھا۔ اس کے کئی ایک کمان دار اور عہدے دار سوڈان میں تھے۔ وہ سلطان ایوبی کی جنگی چالوں سے واقف تھے۔ انہوں نے انہی چالوں کے مطابق اپنی فوج کی تربیت کی تھی۔ صلیبیوں نے انہیں نہایت اچھا

اسلحہ اور ضرورت سے زیادہ جنگی سامان دے رکھا تھا۔ یہ گھر کے بھیدی تھے۔ تقی الدین نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ سوڈان کے جس علاقے میں پیش قدمی کرنے جا رہا ہے۔ وہ ایک وسیع صحرا ہے جہاں پانی خطرناک حد تک کم ہے اور وہ مقام جہاں حملہ کرنا ہے، اتنا دُور ہے جہاں تک رسد کو خطرے میں ڈالے بغیر رواں رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔ مصر کے اندرونی حالات کو قابو میں رکھنے اور تخریب کاری کے انسداد کے لیے بھی فوج درکار تھی، مگر تقی الدین اس قدر بھڑکا ہوا تھا کہ اُس نے مکمل طور پر نیک نیتی اور اسلامی جذبے کی شدت کے زیر اثر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اور سلطان ایوبی کو اطلاع نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس کی اس خودمختاری میں وہی جذبہ تھا جو سلطان ایوبی میں تھا۔ اسے احساس تھا کہ سلطان ایوبی کا مقابلہ تند اور تیز طوفان سے ہے اور صلیبی فیصلہ کن جنگ لڑنے کا اہتمام کیے ہوئے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سوچا تھا، دُرست تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کرک سے آٹھ نو میل دور ایک چٹانی علاقے میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیے ہوئے تھے۔ یہ اس کا عارضی قیام تھا۔ وہ اپنے ہیڈکوارٹر کو خانہ بدوش رکھا کرتا تھا، جس مقام پر اسے حملہ کرانا یا شب خون مروانا ہوتا، وہ اس کے قریب رہتا اور حملہ کرنے والے دستے کے کمانڈر کو بتا دیا کرتا تھا کہ وہ اُن کی واپسی کے وقت کہاں ہوگا۔ اُس کے چھاپہ مار (کمانڈو جانباز) صلیبی فوج کی تمام تر کمک تباہ کر چکے تھے۔ چھاپہ ماروں کے چھوٹے چھوٹے گروہ اُس صلیبی فوج کے لیے ناگہانی مصیبت بنے ہوئے تھے، جو صحرا میں پھیلی ہوئی تھی۔ صلیبیوں کا نقصان تو بہت ہو رہا تھا، لیکن چھاپہ ماروں کی شہادت غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ دس جانباز جاتے تو تین چار واپس آتے تھے۔ یہ رپوٹیں بھی ملنے لگی تھیں کہ صلیبیوں نے ایسے انتظامات کر لیے ہیں جو شب خون اور چھاپے کو کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ لہٰذا اب چھاپہ ماروں کو جان کی بازی لگانی پڑتی تھی۔ سلطان ایوبی اب اپنی چالیں اور فوجوں کا پھیلاؤ بدلنے کی سوچ رہا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے صلیبی مجھے آمنے سامنے آنے پر مجبور کر رہے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے اپنے فوجی نائبین سے کہا...... ''میں انہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا اور میں اب اپنے اتنے زیادہ جوان مروانے سے بھی گریز کروں گا''۔

''میں چھاپہ مار دستوں کی نفری میں اضافہ کرنے کا مشورہ دُوں گا''۔ ایک نائب نے کہا... ''اور میں یہ بھی مشورہ دوں گا کہ ہمیں دشمن کی قوت کو صرف اس لیے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ہماری فوج میں جذبہ زیادہ ہے۔ جذبہ سپاہی کو بے جگری سے لڑا کر مروا سکتا ہے، فتح کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ صلیبیوں کے مقابلے میں ہماری نفری بہت کم ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ صلیبی فوج کا بیشتر حصہ زرہ پوش ہے''۔

سلطان ایوبی مُسکرایا اور بولا...... ''لوہا جو انہوں نے پہن رکھا ہے، وہ انہیں نہیں ہمیں فائدہ دے گا۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ صلیبی کوچ کرتے ہیں تو رات کو کرتے ہیں یا صبح کے وقت؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دھوپ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، سورج اُوپر اُٹھتا ہے تو اس کی تمازت زرہ بکتر کو انگاروں کی طرح گرم کر دیتی ہے۔ زرہ پوش سپاہی اور سوار لوہے کے خود اور آہنی سینہ پوش اُتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوہے کا وزن اُن کی حرکت کی تیزی ختم کر دیتا ہے۔ میں انہیں دوپہر کے وقت لڑاؤں گا جب اُن کے سروں پر رکھا ہوا لوہا اُن کا پسینہ نکال کر اُن کی آنکھوں میں ڈالے گا اور وہ اندھے ہو جائیں گے۔ آپ نفری کی کمی کو متحرک طریقۂ جنگ سے اور جذبے سے پورا کریں''۔

اتنے میں سلطان ایوبی کے انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان کا ایک نائب زاہدان آ گیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ سلطان ایوبی کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ ان دونوں آدمیوں کو اُس نے بٹھایا اور پوچھا...... ''کیا خبر ہے؟''۔

دونوں نے اپنے گریبان کے اندر ہاتھ ڈالے اور لکڑی کی بنی ہوئی وہ صلیبیں باہر نکالیں جو اُن کی گردنوں سے بندھی

ہوئی تھیں۔ وہ صلیبی نہیں مسلمان تھے۔ اپنے آپ کو صلیبی ظاہر کرنے کے لیے وہ صلیبیں گلے میں لٹکا لیتے تھے۔ دونوں نے صلیبیں اُتار کر نیچے پھینک دیں۔ ان میں سے ایک نے اپنی رپورٹ پیش کی۔

یہ دونوں جاسوس تھے جو کرک سے واپس آئے تھے۔ پہلے بھی ذکر آچکا تھا کہ کرک فلسطین کا ایک قلعہ بند شہر تھا، جس پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ صلیبی شوبک نام کا ایک قلعہ سلطان ایوبی کے ہاتھ ہار چکے تھے۔ وہ کرک کسی قیمت پر دینا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے دفاعی انتظامات بڑے ہی سخت کر دیئے تھے جن میں ایک بندوبست یہ تھا کہ وہ قلعہ بند ہو کر نہیں لڑنا چاہتے تھے۔ شوبک سے جب عیسائی اور یہودی باشندے مسلمانوں کے ڈر سے کرک بھاگ رہے تھے، اُس وقت سلطان ایوبی نے اپنی فوج اور انتظامیہ کو یہ حکم دیا تھا کہ بھاگنے والے غیر مسلموں کو روکیں اور انہیں واپس لا کر ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، لیکن سلطان ایوبی نے ایک خفیہ حکم یہ بھی دیا تھا کہ زیادہ تر باشندوں کو جانے دیں۔ اس حکم میں راز یہ تھا کہ غیر مسلم باشندوں میں سلطان کے جاسوس بھی جا رہے تھے۔ اپنے جاسوس دشمن کے اس شہر میں اور مضافات میں جس پر تھوڑے عرصے بعد حملہ کرنا تھا، بھیجنے کا یہ موقع نہایت اچھا تھا۔ مسلمان جاسوس عیسائی اور یہودی پناہ گزینوں کے بھیس میں کرک چلے گئے تھے۔ وہاں کے مسلمان باشندوں کو ساتھ ملا کر انہوں نے خفیہ اڈے بنا لیے تھے۔ وہ وہاں سے اطلاعات بھیجتے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی ذاتی طور پر ان کی رپورٹیں سنا کرتا تھا۔

اُس روز دو جاسوس آئے تو سلطان ایوبی نے انہیں فوراً اپنے خیمے میں بلا لیا اور باقی سب کو باہر نکال دیا۔

جاسوسوں کی رپورٹ میں صلیبیوں کی فوج کی نقل و حرکت اور ترتیب کے متعلق اطلاعات تھیں۔ سلطان ایوبی اُن کے مطابق نقشہ بناتا رہا۔ اس دوران اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جاسوسوں نے جب کرک کے مسلمان باشندوں کی بے بسی اور مظلومیت کی تفصیل سنائی تو سلطان کے چہرے پر نمایاں تبدیلی آ گئی۔ ایک بار تو وہ جوش میں اُٹھ کر کھڑا ہوا اور خیمے میں ٹہلنے لگا۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا کہ شوبک سے صلیبی شکست کھا کر کرک پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ سلطان ایوبی کو بہت سے حالات کا تو پہلے سے علم تھا۔ ان دو جاسوسوں نے اُسے بتایا کہ اب وہاں بازار میں جن مسلمانوں کی دُکانیں ہیں، وہ بہت پریشان ہیں۔ غیر مسلم تو اُن کی دکانوں پر جاتے ہی نہیں، مسلمانوں کو بھی ڈرا دھمکا کر اُن کی دکانوں سے دُور رکھا جاتا ہے۔ وہاں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی باقاعدہ مہم شروع کی گئی ہے۔ عیسائی اور یہودی مسجدوں کے سامنے اونٹ، گھوڑے اور دیگر مویشی باندھ دیتے ہیں۔ اذان اور نماز پر کوئی پابندی نہیں، لیکن جب اذان ہوتی ہے تو غیر مسلم شور مچاتے، ناچتے اور مذاق اُڑاتے ہیں۔

جاسوسوں نے بتایا کہ مسلمانوں کا قومی جذبہ ختم کرنے کے لیے وہاں اس قسم کی افواہیں زور و شور سے پھیلائی جا رہی ہیں کہ صلاح الدین ایوبی اتنا شدید زخمی ہو کر دمشق چلا گیا ہے کہ اب تک مر چکا ہوگا اور یہ بھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کمان کی کمزوری کی وجہ سے صحرا میں بکھر گئی ہے اور سپاہی مصر کی طرف بھاگ رہے ہیں اور یہ بھی کہ مسلمان اب کرک پر حملہ کرنے کے قابل نہیں رہے اور بہت جلدی شوبک بھی صلیبیوں کو واپس ملنے والا ہے اور یہ بھی کہ سوڈانی فوج نے مصر پر حملہ کر دیا ہے اور مصر کی فوج سوڈانیوں کے ساتھ مل گئی ہے۔ جاسوسوں نے بتایا کہ اب علی الصبح پادری، مسلمان محلوں میں گھومتے پھرتے اور ہر مسلمان گھر کے دروازے پر گھنٹیاں بجاتے، اپنے مذہبی گیت گاتے اور مسلمانوں کو دعائیں دیتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کا اور کوئی پرچار نہیں کرتے۔ یہ پرچار وہاں کی عیسائی اور یہودی لڑکیاں کرتی ہیں، جو مسلمان نوجوانوں کو جھوٹی محبت کا جھانسہ دے کر اُن کے ذہن تباہ کر رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں مسلمان لڑکیوں کی سہیلیاں بن کر انہیں اپنی آزادی کی بڑی ہی دلکش

تصویر دکھاتی ہیں اور انہیں بتاتی ہیں کہ مسلمان فوج جو علاقہ فتح کرتی ہے، وہاں مسلمان لڑکیوں کو بھی خراب کرتی ہے۔

ان رپورٹوں میں سلطان ایوبی کے لیے کوئی بات نئی نہیں تھی۔ ابتداء میں اُس کے جاسوس اُسے کرک کے مسلمانوں کی حالتِ زار بتا چکے تھے، وہاں کے مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ سلطان ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف کوئی حوصلہ شکن افواہ نہیں سننا چاہتے تھے، لیکن وہاں جو بھی بات اُن کے کانوں میں پڑتی تھی، حوصلہ شکن ہوتی تھی۔ وہ ڈرتے بات نہیں کرتے تھے۔ ان کے گھروں کی دیواروں کے بھی کان تھے۔ وہ اکٹھے بیٹھنے سے بھی ڈرتے تھے۔ جنازے اور بارات کے ساتھ بھی جاسوس ہوتے تھے اور مسجدوں میں بھی جاسوس ہوتے تھے۔ ان کی بدنصیبی تو یہ تھی کہ جاسوسی ان کے اپنے مسلمان بھائی کرتے تھے۔ وہ اپنے گھروں میں بھی سرگوشیوں میں باتیں کرتے تھے۔ کسی مسلمان کے خلاف صرف یہ کہہ دینا کہ وہ صلیبی حکومت کے خلاف ہے۔ اُسے بیگار کیمپ میں بھیجنے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

''لیکن سالارِ اعظم!'' ایک جاسوس نے کہا..... ''اب وہاں ایک اور چال چلی جا رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک ہونے لگا ہے۔ صلیبی حکومت نے اس کی ایک مثال یہ پیش کی ہے کہ ایک عیسائی حاکم نے ایک مسجد کو بوسیدہ حالت میں دیکھا تو اس کی مرمت کا حکم دیا اور اپنی نگرانی میں مرمت کرادی۔ انہوں نے بیگار کیمپ کے مسلمانوں کو رہا تو نہیں کیا، لیکن انہیں کچھ سہولتیں دے دی ہیں۔ روزمرہ مشقت کا وقت بھی کم کر دیا ہے، لیکن ان کے کانوں میں یہی ڈالا جاتا ہے کہ تم نے صلیب کے خلاف بہت بڑا جرم کیا ہے، پھر بھی تم پر رحم کیا جا رہا ہے۔ یہ پیار اور محبت کا ہتھیار بڑا ہی خطرناک ہے۔ اس جھوٹے پیار سے غیر مسلم مسلمان نوجوانوں کو نشے اور جُوئے کا عادی بناتے جا رہے ہیں، اگر ہم نے حملے میں وقت ضائع کیا تو کرک کے مسلمان اگر مسلمان ہی رہے تو برائے نام مسلمان ہوں گے، ورنہ وہ قرآن سے منہ موڑ کر گلے میں صلیب لٹکا لیں گے۔ اس صورت میں وہ اُس وقت ہماری کوئی مدد نہیں کریں گے، جب ہم کرک کا محاصرہ کریں گے۔ اس پیار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے اور گرفتاریاں ہوتی رہتی ہیں۔ ابھی تک مسلمانوں کا جذبہ قائم ہے اور وہ ثابت قدم رہنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک غیر مسلموں کے پیار کو قبول نہیں کیا، مگر وہ زیادہ دیر تک ثابت قدم نہیں رہ سکیں گے''۔

یہی وہ صورتِ حال تھی جس کی تفصیل سن کر سلطان ایوبی پریشان ہوگیا تھا۔ اُسے یہ اطلاع بہت تکلیف دے رہی تھی کہ مسلمان مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کر رہے ہیں۔ اُس کے لیے پریشانی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مقبوضہ علاقے میں صلیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف پیار کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نوجوانوں کی کردار کشی کا بھی عمل شروع ہوگیا تھا۔ ان دونوں سے زیادہ خطرناک وہ افواہیں تھیں جو وہاں کے مسلمانوں میں اسلامی فوج کے خلاف پھیلائی جا رہی تھیں۔ اُس نے اپنے نظامِ جاسوسی کے نائب زاہدان کو بلایا اور پوچھا..... ''کیا تم نے ان کی باتیں سن لی ہیں؟''

''ایک ایک لفظ سنا اور انہیں آپ کے پاس لایا ہوں'' ۔زاہدان نے جواب دیا۔

''علی بن سفیان کو قاہرہ سے بلالوں؟'' ۔سلطان ایوبی نے پوچھا..... ''یا تم اُس کی جگہ پُر کر سکو گے؟ یہ معاملہ نازک ہے۔ دشمن کے شہر میں مسلمانوں کو افواہوں اور دشمن کے زہریلے پیار سے بچانا ہے''۔

''علی بن سفیان کو قاہرہ سے بلانے کی ضرورت نہیں''..... زاہدان نے جواب دیا..... ''حسن بن عبداللہ کو بھی اُن کے ساتھ رہنے دیں۔ مصر کے حالات اچھے نہیں۔ ملک تخریب کاروں اور غداروں سے بھرا پڑا ہے۔ کرک کے مسئلے کو میں سنبھال لوں گا''۔

''تم نے کیا سوچا ہے؟''......سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس سے پوچھا۔ وہ دراصل زاہدان کا امتحان لے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زاہدان مخلص اور محنتی سراغ رساں ہے اور اپنے شعبے کے سربراہ علی بن سفیان کا شاگرد ہے۔ اس پر سلطان کو پورا پورا اعتماد تھا، پھر بھی وہ یقین کرنا ضروری سمجھتا تھا کہ یہ شاگرد اپنے استاد کی کمی پوری کرے گا۔ اُس نے زاہدان کا جواب سنے بغیر کہا......''زاہدان! میں نے میدانِ جنگ میں شکست نہیں کھائی۔ یہ خیال رکھنا کہ میں اس محاذ پر بھی شکست کھانا نہیں چاہتا، جس پر صلیبیوں نے حملہ کیا ہے۔ میں کرک کے مسلمانوں کو اخلاقی اور نظریاتی تباہی سے بچانا چاہتا ہوں''۔

''آپ جانتے ہیں کہ کرکت مین ہمارے جاسوس موجود ہیں''......زاہدان نے کہا......''میں انہیں اس مقصد کے لیے استعمال کروں گا۔ وہ وہاں کے مسلمانوں کو آپ کے متعلق اور ہماری فوج اور مصر کے متعلق صحیح خبریں سناتے رہیں گے اور انہیں آپ کا پیغام دیں گے''۔

''وہاں کی مسلمان عورتوں میں قومی جذبے کی کمی نہیں''۔ ایک جاسوس بول پڑا۔ اُس نے کہا......''ہم جوان لڑکیوں سے کہیں گے کہ وہ گھر گھر جا کر عورتوں کے ذہن صاف کرتی رہیں گی۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ وہاں کی لڑکیاں لڑنے کے لیے بھی تیار ہیں''۔

''عورتیں اگر گھر اور بچوں کی تربیت کا محاذ سنبھالے رکھیں تو اسی سے اسلام کے فروغ اور سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع میں بہت مدد ملے گی''......سلطان ایوبی نے کہا۔ ''انہیں اس مقصد کے لیے استعمال کرو کہ مسلمان گھرانوں میں اور بچوں میں غیر اسلامی اثرات داخل نہ ہونے دیں۔ میں اس کوشش میں مصروف ہوں کہ کرک پر جلدی حملہ کردوں اور شوبک کی طرح وہاں کے بھی مسلمانوں کو آزاد کراؤں''......اُس نے زاہدان سے پوچھا......''اس مقصد کے لیے کسے کرک بھیجو گے؟''

''انہی دونوں کو''۔ زاہدان نے جواب دیا......''یہ آنے جانے کے راستوں اور طریقوں سے واقف ہو چکے ہیں اور وہاں کے حالات اور ماحول سے مانوس ہیں''۔

یہ دونوں آدمی غیر معمولی طور پر ذہین جاسوس تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں ہدایات دینی شروع کر دیں۔

☆

کرک میں مسلمان باشندوں پر پیار کا جو ہتھیار چلایا جا رہا تھا، وہ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر، جرمن نژاد ہرمن کی اختراع تھی۔ وہ شوبک کی شکست کے بعد صلیبی حکمرانوں پر زور دے رہا تھا کہ کرک کے مسلمانوں کو پیار کا دھوکہ دے کر صلیب کا وفادار بنایا جائے یا کم از کم صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر دیا جائے۔ صلیبی حکمران مسلمانوں سے اتنی زیادہ نفرت کرتے تھے کہ اُن کے ساتھ جھوٹا پیار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ تشدد اور درندگی سے مسلمانوں کا قومی جذبہ اور وقار ختم کرنے کے قائل تھے۔ ہرمن اپنے فن کا ماہر تھا۔ انسانوں کی نفسیات سمجھتا تھا۔ اُس نے صلیبی حکمرانوں کو بڑی مشکل سے اپنا ہم خیال بنایا اور یہ پالیسی مرتب کرائی کہ شہر اور مضافات کے اس علاقے کے مسلمانوں کو جو صلیبی استبداد میں ہے، مشتبہ اور جاسوس سمجھا جائے، جس مسلمان کے خلاف ذرا سی بھی شہادت ملے، اُسے گرفتار کر کے غائب کر دیا جائے، لیکن ہر مسلمان شہری کو دہشت زدہ نہ کیا جائے۔ اس پالیسی کی بنیادی شق یہ تھی کہ لڑکیوں کے ذریعے مسلمان لڑکیوں کو بے پردہ کیا جائے اور مسلمان لڑکیوں کو ذہنی عیاشی اور نشے کا عادی بنا دیا جائے۔ مختصر یہ ہے کہ ان کی کردار کشی کا انتظام کیا جائے۔ لہٰذا اس پالیسی پر عمل شروع کر دیا گیا تھا۔ ابتدا افواہوں سے کی گئی تھی۔ ہرمن نے یہ منظوری بھی لے لی تھی کہ مسلمانوں میں غداری کے جراثیم پیدا کرنے کے لیے خاصی رقم خرچ کی جائے۔ چند ایک مسلمانوں کو خوب صورت اور تندرست گھوڑ وں

کی تھیلیاں دے کر انہیں شہزادہ بنا دیا جائے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف مخبری اور اُن میں افواہیں پھیلانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ انہیں شاہی دربار میں وقتاً فوقتاً مدعو کر کے اُن کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا جائے۔ اُن کی مستورات کو بھی مدعو کر کے اُن کی عزت کی جائے کہ وہ اپنی اصلیت اور اپنا مذہب ذہن سے اُتار دیں۔ ہرمن نے کہا تھا...... ''اگر آپ مسلمان کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو اس کے دماغ میں بادشاہی کا کیڑا ڈال دیں۔ انہیں گھوڑے اور تھیلیاں دے کر اس کے دامن میں چند ایک اشرفیاں ڈال دیں۔ پھر وہ بادشاہی کے نشے میں آپ کے اشاروں پر ناچے گا۔ شراب بھی پئے گا اور اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں ننگا کر کے آپ کے حوالے کر دے گا۔ اگر آپ مسلمان کا مستقبل تاریک کرنا چاہتے ہیں تو یہ نسخہ آزمائیں۔ میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں اور اب پھر بتاتا ہوں کہ یہودیوں نے مسلمانوں کی اخلاقی تباہی کے لیے اپنی لڑکیاں پیش کی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کا سب سے پرانا اور سب سے بڑا دشمن یہودی ہے۔ اسلام کی جڑیں تباہ کرنے کے لیے یہودی اپنی بیٹیوں کی عزت اور اپنی پونجی کا آخری سکہ بھی قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں''۔

یہودیوں میں خطرہ یہ تھا کہ وہ اسی خطے کے رہنے والے تھے، اس لیے مسلمانوں کی زبان بولتے تھے اور اُن کے رسم و رواج اور گھریلو زندگی سے بھی واقف تھے۔ اُن کی شکلیں اور کئی دیگر کوائف ملتے جلتے تھے۔ کوئی یہودی لڑکی مسلمانوں کا لباس پہن کر کسی مسلمان گھر میں جا بیٹھے تو اُسے بلاشک وشبہ مسلمان سمجھ لیا جاتا تھا۔ اس مشابہت سے یہودی پورا پورا فائدہ اُٹھا رہے تھے اور اسلامی معاشرت میں غیر اسلامی زہر داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

جس روز سلطان ایوبی نے دو جاسوسوں کو ہدایات دیں اور زاہدان سے کہا تھا کہ وہ کرک میں جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کو صحیح خبریں پہنچائے، اس سے بیس روز بعد کرک میں ایک پاگل اور مجذوب اچانک کہیں سے نمودار ہوا۔ اس نے ہاتھ میں لکڑی کی بنی ہوئی گز بھر لمبی صلیب اُٹھا رکھی تھی، جسے وہ اوپر کر کے چلاتا تھا...... ''مسلمانوں کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ شوبک میں مسلمان اپنی بیٹیوں کی عصمت دری کر رہے ہیں۔ مصر میں مسلمانوں نے شراب پینا شروع کر دی ہے۔ خدائے یسوع مسیح نے کہا ہے کہ اب یہ قوم روئے زمین پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ مسلمانو! نوح کے دوسرے طوفان سے بچنا چاہتے ہو تو صلیب کے سائے میں آ جاؤ۔ اگر صلیب پسند نہیں تو خدائے یہودہ کے آگے سجدہ کرو۔ مسجدوں میں تمہارے سجدے بے کار ہیں''۔

لباس اور شکل وصورت سے وہ اچھا بھلا لگتا تھا، لیکن باتوں اور انداز سے پگلا معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی داڑھی بھی تھی۔ لمبا چغہ پہن رکھا تھا۔ سر پر پگڑی اور اس پر رومال ڈالا ہوا تھا، جو کندھوں پر بھی پھیلا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے اور کپڑوں پر گرد تھی جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے۔ اُس کے پاؤں گرد آلود تھے۔ اُسے کوئی روکتا اور بات کرتا تھا تو رک جاتا تھا، لیکن کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ کوئی بات جیسے سنتا سمجھتا ہی نہیں تھا۔ سوال کوئی بھی پوچھو وہ اپنا اعلان دہرانے لگتا تھا...... ''مسلمانوں کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے وغیرہ''...... کسی نے بھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے۔ عیسائی اس لیے خوش تھے کہ اس نے ہاتھ میں صلیب اُٹھا رکھی تھی اور خدائے یسوع مسیح کا نام لیتا تھا۔ یہودی اس لیے خوش تھے کہ وہ خدائے یہودہ کا نام لیتا تھا اور دونوں کی یہ خوشی مشترک تھی کہ وہ مسلمانوں کی تباہی کی خوش خبری سنا رہا تھا۔ صلیبی فوج کے چند ایک سپاہیوں نے اس کی للکار سنی تو انہوں نے قہقہہ لگایا۔ شہری انتظامیہ کی فوج (جو بعد میں پولیس کہلائی) نے اُسے دیکھا تو اُسے پاگل کہہ کر نظر انداز کر دیا۔ مسلمانوں میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس کا منہ بند کرتے۔ مسلمان اُس کے منہ سے اپنی تباہی کا اعلان سن کر ڈر بھی گئے تھے اور انہیں غصہ بھی آیا تھا، مگر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

یہ مجذوب شہر کی گلیوں اور بازاروں میں گھوم رہا تھا اور اس اعلان کو دہراتا جا رہا تھا..... ''مسلمانو! صلیب کے سائے میں آ جاؤ۔ تمہاری تباہی کا وقت آ گیا ہے۔ مسجدوں میں تمہارے سجدے بے کار ہیں''۔ کہیں کہیں وہ یہ بھی کہتا تھا..... ''کرک میں مسلمانوں کی فوج نہیں آئے گی۔ ان کا صلاح الدین ایوبی مر چکا ہے۔'' بعض اوقات وہ اوٹ پٹانگ اور بے معنی فقرے سے بولتا تھا جو ثابت کرتے تھے کہ وہ پاگل ہے۔ بچے اُس کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ بڑے عمر کے آدمی بھی کچھ دُور تک اس کے پیچھے پیچھے چلتے اور رُک جاتے تھے، وہاں سے چند اور آدمی اُس کے پیچھے چل پڑتے تھے۔ مسلمان اُسے غصے کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے اور اپنے بچوں کو اس کے پیچھے جانے سے روکتے تھے۔ صرف ایک مسلمان تھا جو اس پاگل کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ وہ پاگل سے دس بارہ قدم دُور تھا۔ یہ ایک جواں سال مسلمان تھا۔ راستے میں دو عیسائی نوجوانوں نے اُسے طعنے دیئے۔ ایک نے اُسے کہا..... ''عثمان بھائی تم بھی صلیب کے سائے میں آ جاؤ''۔ اُس نے انہیں قہر بھری نظروں سے دیکھا اور چپ رہا۔ ان عیسائیوں کو معلوم نہیں تھا کہ عثمان کے پاس ایک خنجر ہے اور وہ اس پاگل کو قتل کرنے کے لیے اس کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔

اُس کا پورا نام عثمان صارم تھا۔ اُس کے ماں باپ زندہ تھے اور اس کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی، جس کا نام النور صارم تھا۔ اس لڑکی کی عمر بائیس تیئس سال تھی۔ عثمان اس سے تین چار سال بڑا تھا۔ جو جوشیلا جوان تھا۔ اسلام کے نام پر جان نثار کرتا تھا۔ صلیبی حکومت کی نظر میں وہ مشتبہ بھی تھا، کیونکہ وہ مسلمان نوجوانوں کو صلیبی حکومت کے خلاف زمین دوز کارروائیوں کے لیے تیار کرتا رہتا تھا۔ وہ ابھی کوئی جرم کرتا پکڑا نہیں گیا تھا۔ اُس نے جب اس پاگل کی آواز سنی تو باہر نکل آیا۔ پاگل اتنی بڑی صلیب بلند کیے مسلمانوں کے خلاف بلند آواز میں واہی تباہی بکتا جا رہا تھا۔ عثمان صارم نے یہ بھی دیکھا یہ تو کوئی پاگل ہے۔ اُس نے صلیب دیکھی اور پاگل کے الفاظ سُنے تو اُس پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ اپنے گھر جا کر اُس نے خنجر لیا اور کُرتے کے اندر ناف میں اُڑس کر پاگل کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ اُسے ایسی جگہ قتل کرنا چاہتا تھا، جہاں اُسے کوئی پکڑ نہ سکے۔ وہ صلیبیوں کے خلاف مزید کارروائیوں کے لیے زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ پاگل سے دس بارہ قدم پیچھے چلا گیا اور اس کا اعلان سنتا گیا۔ جب دو عیسائیوں نے اُسے طعنے دیئے اور ایک نے کہا کہ عثمان تم بھی صلیب کے سائے میں آ جاؤ تو اُن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کے دِل میں قتل کا ارادہ اور زیادہ پختہ ہو گیا۔

پاگل کے پیچھے اور اُس کے ساتھ ساتھ لوگوں اور بچوں کا جلوس جمع ہو گیا تھا۔ قتل کا یہ موقعہ اچھا نہیں تھا۔ دن گزرتا گیا اور پاگل کی آواز دھیمی پڑتی گئی۔ اُس کے پیچھے چلنے والے کم ہوتے گئے۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ باقی تھی۔ ایک مسجد آ گئی۔ پاگل مسجد کے دروازے میں بیٹھ گیا اور اس نے صلیب اوپر کر کے کہا..... ''اب یہ گرجا ہے، مسجد نہیں ہے''..... اُس وقت عثمان صارم اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اُسے اچھی طرح احساس تھا کہ یہ بے شک پاگل ہے لیکن اس کے قتل کی سزا بھی موت ہو گی کیونکہ اس نے صلیب اٹھا رکھی ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف نعرے لگا رہا ہے۔ عثمان صارم نے پاگل کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا..... ''یہاں سے فوراً اٹھو اور اپنی صلیب کے ساتھ غائب ہو جاؤ، ورنہ صلیبی یہاں سے تمہاری لاش اٹھائیں گے۔''

پاگل نے اُسے نظر بھر کر دیکھا۔ اُس کے سامنے بہت سے بچے کھڑے تھے۔ اُس نے عثمان صارم کی دھمکی کا جواب دیئے بغیر بچوں کو ڈانٹ کر بھاگ جانے کو کہا۔ بچے ڈر کر بھاگ گئے تو پاگل مسجد کے اندر چلا گیا۔ عثمان صارم کے لیے یہ موقع بہت اچھا تھا۔ اُس نے کچھ سوچے بغیر چوکڑی بھری، دروازے کے اندر گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اُس نے

تیزی سے خنجر نکالا، مگر وار کرنے لگا تو پاگل نے گھوم کر دیکھا۔ عثمان کے خنجر کا وار اپنی طرف آتا دیکھ کر اُس نے صلیب آگے کر کے وار صلیب پر لیا اور کہا...... ''رُک جاؤ جوان، اندر چلو، میں مسلمان ہوں''۔

عثمان صارم نے دوسرا وار نہ کیا۔ پاگل جوتے اُتار کر مسجد کے اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے صلیب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اندر جا کر اُس نے عثمان صارم سے نام پوچھا اور کہا...... ''میں مسلمان ہوں، میری باتیں غور سے سن لو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کب سے میرے پیچھے آرہے ہو؟''

''میں سارا دن تمہارے پیچھے پھرتا رہا ہوں''۔ عثمان صارم نے جواب دیا...... ''مگر مجھے قتل کا موقعہ نہیں مل رہا تھا''۔

''تم مجھے قتل کیوں کرنا چاہتے ہو؟'' پاگل نے پوچھا

''کیونکہ میں اسلام اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا''۔ عثمان صارم نے جواب دیا...... ''تم پاگل ہو یا نہیں، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔

پاگل نے اُس سے کئی اور باتیں پوچھیں۔ آخر اُس نے کہا...... ''مجھے تم جیسے ایک جوان کی ضرورت تھی۔ اچھا ہوا کہ تم خود ہی میرے پیچھے آگئے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے اپنے مطلب کا کوئی مسلمان بڑی مشکل سے ملے گا۔ میں صلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔ میں نے یہ ڈھونگ صلیبیوں کو دھوکہ دینے کے لیے رچایا ہے۔ میں نے اسی بھیس میں سفر کیا ہے۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یاد رکھو کہ مسجد میں کوئی صلیبی آگیا تو میں پھر وہی بکواس شروع کر دوں گا، جو دن بھر کرتا رہا ہوں۔ تم غور سے سنتے رہنا، جیسے تم مجھ سے متاثر ہو رہے ہو۔ میں بہت تیزی سے بولوں گا۔ شام کی نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ مسلمانوں میں صلیبیوں کے بھی جاسوس ہیں۔ میں نمازیوں کے آنے تک اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں''۔

عثمان صارم نے کبھی جاسوس نہیں دیکھا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ غیر معمولی طور پر ذہین جاسوس ہے، جس نے اُسے چند سوال پوچھ کر پہچان لیا ہے کہ یہ جوان قابلِ اعتماد ہے۔ جاسوس نے اُسے کہا...... ''اپنے جیسے چند ایک جوان تیار کرو اور کچھ مسلمان لڑکیوں کو بھی تیار کرو۔ تمہیں ہر ایک مسلمان گھرانے میں یہ پیغام پہنچانا ہے کہ صلاح الدین ایوبی آرہا ہے اور وہ اپنی فوجوں کے ساتھ یہاں سے صرف آدھے دن کی مسافت جتنا دُور ہے۔ اس کی تمام فوج کرک پر حملہ کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہے، بلکہ اس فوج نے صلیبی فوج کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ مصر میں حالات پُرسکون ہیں، وہاں صلیبیوں نے جو تخریب کاری کی تھی، وہ جڑ سے اُکھاڑ دی گئی ہے''۔

''صلاح الدین ایوبی کب حملہ کرے گا؟''...... عثمان صارم نے پوچھا۔ ''ہم اُس کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم اُسے یقین دلاتے ہیں کہ تم باہر سے حملہ کرو گے تو ہم صلیبیوں پر اندر سے حملہ کریں گے۔ خدا کے لیے جلدی آؤ''۔

''تحمل سے کام لو جوان!''...... جاسوس نے کہا...... ''پہلے صلاح الدین ایوبی کا پیغام سن لو اور یہ ہر ایک نوجوان کے ذہن پر نقش کر دو۔ ایوبی نے کہا ہے کہ کرک کے مسلمان نوجوانوں سے کہنا کہ تم ملک اور مذہب کے پاسبان ہو۔ میں پہلی جنگ لڑکپن میں لڑی تھی اور محاصرے میں لڑی تھی۔ فوج کی کمان میرے چچا کے پاس تھی۔ اُس نے مجھے کہا تھا کہ محاصرے میں گھبرا نہ جانا۔ اگر تم اس عمر میں گھبرا گئے تو تمہاری ساری عمر گھبراہٹ اور خوف میں گزرے گی۔ اگر اسلام کے علمبردار بننا چاہتے ہو تو یہ علَم آج ہی اُٹھا لو اور دشمن کی دیواریں توڑ کر نکل جاؤ، پھر گھوم کر آؤ اور دشمن پر جھپٹ پڑو۔ میں گھبرایا نہیں۔ تین مہینوں کے محاصرے نے ہمیں فاقہ کشی بھی کرائی، لیکن ہم محاصرہ توڑ کر نکل آئے اور ہم نے جس خوراک سے پیٹ بھرے، وہ دشمن کی رسد سے چھینی ہوئی خوراک تھی۔ ہمارے جو گھوڑے محاصرے میں بھوک سے مر گئے تھے، ہم

نے ان کی کمی دشمن کے گھوڑوں سے پوری کی۔

''صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ میری قوم کے بیٹوں سے کہنا کہ تم پر دشمن نے پیار کے ہتھیار سے حملہ کیا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا دوست نہیں ہوسکتا۔ صلیبی میدانِ جنگ میں ٹھہر نہیں سکے۔ ان کے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں، اس لیے وہ اب مسلمانوں کی اُبھرتی ہوئی نسل کے ذہن سے قومیت اور مذہب نکالنے کے جتن کر رہے ہیں، انہوں نے جو ہتھیار استعمال کیا ہے، وہ بڑا ہی خطرناک ہے۔ یہ ہے ذہنی عیاشی، کاہلی اور کوتاہی۔ تم میں یہ تینوں خرابیاں پیدا کرنے کے لیے عیسائی اور یہودی ایک ہوگئے ہیں۔ یہودی اپنی لڑکیوں کے ذریعے تم میں حیوانی جذبے بھڑکا رہے ہیں اور تمہیں نشے کا عادی بنا رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ حیوانی جذبے اور نشے سے تمہاری عاقبت خراب ہوگی اور موت کے بعد تم جہنم میں جاؤ گے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کردار کی یہ خرابیاں تمہارے لیے اس دُنیا کو ہی جہنم بنا دیں گی۔ تم جسے جنت کی لذت سمجھتے ہو، وہ جہنم کا عذاب ہے۔ تم صلیبیوں کے غلام ہو جاؤ گے جو تمہاری بہنوں کو بے آبرو کرتے پھریں گے، تمہارے قرآن کے ورق گلیوں میں اُڑیں گے اور تمہاری مسجدیں اصطبل بن جائیں گی۔

''صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ باوقار قوم کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی روایات کو نہ بھولو۔ صلیبی ایک طرف تم پر تشدد کر رہے ہیں اور دوسری طرف تمہیں دولت اور گھوڑا گاڑیوں کا لالچ دے رہے ہیں۔ مسلمان ان عیاشیوں کا قائل نہیں ہوتا..... تمہاری دولت تمہارا کردار اور ایمان ہے۔ یہ صلیبیوں کی شکست کا ثبوت ہے کہ وہ تمہاری تلوار سے خوف زدہ ہو کر اتنے اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کو بے حیا بنا کر تمہیں اپنا غلام بنانے کے جتن کر رہے ہیں میری قوم کے بیٹو! اپنے کردار کو محفوظ رکھو۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ ظالم حکمران دراصل کمزور حکمران ہوتا ہے۔ وہ اپنے مخالفین میں سے کسی کو ظلم و تشدد سے زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی کو دولت کا لالچ دے کر۔ تم ظلم و تشدد سے بھی نہ ڈرو اور کسی لالچ میں بھی نہ آؤ۔ تم قوم کا مستقبل ہو۔ ہم قوم کا ماضی ہیں۔ دشمن تمہارے ذہنوں سے تمہارا درخشندہ ماضی نکال کر اس میں اپنے نظریات اور مفادات کی سیاہی بھرنے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ اسلام کا مستقبل تاریک ہو جائے۔ اپنی اہمیت پہچانو۔ دشمن تمہیں صرف اس لیے اپنے تابع کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ تم سے خائف ہے۔ اپنی نظر آج پر نہیں کل پر رکھو، کیونکہ تمہارے دشمن کی نظر تمہارے مذہب کے کل پر ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ کفار تمہارا کیا حال کر رہے ہیں۔ اگر ذہنی عیاشی میں پڑ گئے تو تمام ترملتِ اسلامیہ کا یہی حشر ہوگا''۔

جاسوس نے سلطان ایوبی کا پیغام بہت تیزی سے عثمان صارم کو سُنا دیا اور اُسے عمل کے طریقے بتانے لگا۔ اُس نے کہا..... ''سالارِ اعظم نے خاص طور پر کہا ہے کہ اپنے اوپر جوش اور جذبات کا غلبہ طاری نہ کرنا۔ عقل پر جذبات کو غالب نہ آنے دینا۔ اشتعال سے بچنا۔ اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ احتیاط لازمی ہے۔ جاسوس نے اُسے بتایا کہ وہ اور اُس کے ساتھی کسی نہ کسی روپ میں اُسے خود ہی ملتے رہیں گے اور یہ رابطہ قائم رہے گا۔ فوری طور پر ضرورت یہ ہے کہ مسلمان اپنے گھروں میں چوری چھپے کمانیں، تیر اور برچھیاں بنائیں اور گھروں میں چھپا کر رکھیں۔ عورتوں کو گھروں کے اندر ہی خنجر، برچھی مارنے اور وار سے بچنے کے لیے طریقہ سکھائیں۔ یہودی لڑکیوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ ان کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ کریں جس سے انہیں کوئی شک پیدا ہو۔ اپنے طور پر کوئی جنگی کارروائی نہ کریں۔ پہلے منظم ہو جائیں، پھر قیادت بنائیں۔ ہر ایک فرد کا ذرا سا بھی عمل قائد کی نظر میں ہونا چاہیے اور کسی فرد کا کوئی اقدام قائد کی اجازت کے بغیر نہ ہو''۔

سورج غروب ہونے لگا تھا۔ مسجد کا پیش امام آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی جاسوس نے صلیب اُٹھائی اور دوڑتا ہوا

نکل گیا۔ باہر سے پھر وہی اعلان سنائی دینے لگا...... ''مسلمانو! صلیب کے سائے میں آجاؤ۔ تمہارا اسلام مر گیا ہے''......

امام نے عثمان صارم کو قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا...... ''یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟ اور تم نے اسے اندر کیوں بٹھا رکھا تھا؟ اسے ہلاک کیوں نہ کر دیا؟ تمہاری رگوں میں مسلمان باپ کا خون جم گیا ہے؟ میں اتنا بوڑھا نہ ہوتا تو یہاں سے اُسے زندہ باہر نہ جانے دیتا''۔

''میں اُس کے پیچھے اسی لیے آیا تھا کہ یہ یہاں سے زندہ نہ نکل سکے''۔ عثمان صارم نے کہا اور امام کو اپنا خنجر دکھا کر کہنے لگا...... ''خدا کا شکر ہے کہ اُس نے میرا خنجر صلیب پر روک لیا تھا۔ یہ آدمی پاگل نہیں، عیسائی اور یہودی بھی نہیں۔ یہ مسلمان ہے۔ صلاح الدین ایوبی کا پیغام لایا ہے''...... اس نے بوڑھے امام کو سلطان ایوبی کا پیغام سنایا اور کہا...... ''میں اس پیغام پر عمل کروں گا۔ آج شام سے ہی بسم اللہ کر رہا ہوں، لیکن ہمیں ایک امیر کی ضرورت ہے۔ کیا آپ ہماری قیادت کریں گے؟ یہ سوچ لیں کہ صلیبی حکومت کو خبر مل گئی تو سب سے پہلے امیر کی گردن اُڑائی جائے گی''۔

''کیا مسجد میں کھڑے ہو کر میں کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ میں قوم سے الگ رہوں گا؟'' امام نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ فیصلہ قوم کرے گی کہ میں امیر اور قائد بننے کے قابل ہوں یا نہیں۔ میں خدا کے گھر میں کھڑا یہ عہد کرتا ہوں کہ میری دانش، میرا مال میری اولاد اور میری جان اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لیے اور صلیب کو رُو بہ زوال کرنے کے لیے وقف ہو گئی ہے...... میرے عزیز بیٹے! صلاح الدین ایوبی کے پیغام کا ایک ایک لفظ ذہن میں بٹھا لو۔ اُس نے ٹھیک کہا ہے کہ نوجوان قوم اور مذہب کا مستقبل ہوتے ہیں۔ وہ اسے روشن بھی کر سکتے ہیں اور وہ آوارہ ہو کر اسے تاریک بھی کر سکتے ہیں۔ جب کوئی نوجوان صلیبیوں اور یہودیوں کی بے حیائی کا دلدادہ ہو کر لڑکیوں کو بُری نظر سے دیکھتا ہے تو وہ محسوس نہیں کرتا کہ اُس کی اپنی بہن بھی اُس جیسے نوجوانوں کی بُری نظر کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں قومیں تباہ ہوتی ہیں...... میرے نوجوان بیٹے! خدا کے اس گھر میں عہد کرو کہ تم صلاح الدین ایوبی کے پیغام پر عمل کرو گے''۔

☆

عثمان صارم نے گھر جا کر اپنی بہن النور کو الگ بٹھا کر سلطان ایوبی کا پیغام سنایا اور کہا...... ''النور! ہمارا مذہب اور ہمارا قومی وقار تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہا ہے۔ آج سے اپنے آپ کو پردہ نشین لڑکی سمجھنا چھوڑ دو۔ مسلمان لڑکیوں تک یہ پیغام پہنچا کر انہیں اس جہاد کے لیے تیار کر لو۔ میں تمہیں خنجر، تیر کمان اور برچھی کا استعمال سکھا دوں گا۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ کسی کو شک بھی نہ ہو کہ ہم لوگ کیا کر رہے ہیں''۔

''میں ہر طرح کی قربانی کے تیار ہوں''۔ النور نے کہا...... ''میں اور میری تمام سہیلیاں تو پہلے ہی سوچ رہی ہیں کہ ہم اپنی آزادی اور اپنی قوم کے لیے کیا کر سکتی ہیں۔ ہم تو مردوں کے منہ کی طرف دیکھ رہی ہیں''۔

عثمان صارم نے اُسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کے متعلق جتنی خبریں یہاں مشہور کی جاتی ہیں، وہ سب جھوٹی ہوتی ہیں۔ تمام مسلمان گھرانوں میں جا کر عورتوں کو صحیح خبریں سناؤ۔ عثمان صارم نے اُسے صحیح خبریں سنائیں اور یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں میں غدار اور صلیبیوں میں مخبر بھی ہیں۔ اُس نے بہن کو ایسے تین چار گھرانے بتائے اور کہا کہ ان عورتوں کو ہاتھ میں لو اور انہیں بتاؤ کہ ان کے آدمی غدار ہیں۔ انہیں یہ بھی کہو کہ عیسائی اور یہودی لڑکیوں کے پیار سے بچو۔ ان کا پیار محض دھوکہ ہے۔

''کیا میں رینی کو یہاں آنے سے روک دوں؟''...... عثمان صام نے کہا...... ''وہ بہت تیز اور ہوشیار لڑکی ہے''۔

رینی ایک نوجوان عیسائی لڑکی تھی۔ عثمان صارم کے گھر سے تھوڑی ہی دُور اس کا گھر تھا۔ اُس کا باپ شہری انتظامیہ کے کسی اونچے عہدے پر فائز تھا۔ لڑکی کا پورا نام رَینی الیگزینڈر تھا۔ وہ النور کی سہیلی بنی ہوئی تھی۔ عثمان صارم کے ساتھ بھی اُس نے گہرے مراسم پیدا کر لیے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ عثمان صارم ابھی اس کے قریب نہیں ہوا تھا۔ یہ وجیہہ جوان سمجھتا تھا کہ یہ عیسائی لڑکی ہے اور یہاں جاسوسی کرنی آتی ہے۔ اُس نے رینی کو کبھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کر لیتا تھا تا کہ اُسے شک نہ ہو۔ اب جب اُسے یہ ضرورت پیش آئی کہ رَینی اُس کے گھر نہ آیا کرے تو رَینی کو یہ کہنا اس کے لیے مشکل ہو گیا کہ اب ہمارے گھر نہ آیا کرو، مگر اُسے روکنا ضروری تھا کیونکہ وہ گھر میں اپنی بہن کو جنگی ٹریننگ دینا چاہتا تھا اور اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں اب کیا کیا راز آئیں گے۔ اُس نے سوچ سوچ کر یہ طریقہ پسند کیا کہ النور سے کہا کہ رَینی جب بھی آئے تم یہ کہہ کر باہر چلی جایا کرو کہ کسی سہیلی کے گھر جا رہی ہوں۔ اس طرح اُسے ٹالتی رہو۔ وہ خود ہی آنا چھوڑ دے گی۔

کرک شہر کے لوگ اس پاگل کی باتیں کر رہے تھے جو مسلمانوں کی تباہی کی پیشین گوئی کرتا پھر رہا تھا۔ غیر مسلموں کو وہ بہت ہی اچھا لگا تھا۔ سب اُسے ڈھونڈتے پھرتے تھے، لیکن وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ سرکاری طور پر بھی اُسے تلاش کیا جا رہا تھا، کیونکہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے اور اُن کا جذبہ سرد کرنے کے لیے اس پاگل کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ وہ اُسی رات کہیں لاپتہ ہو گیا تھا۔ دس بارہ روز اُس کی تلاش ہوتی رہی۔ صلیبی حکام نے شہر کے باہر بھی گھوڑ سوار دوڑا دیئے۔ انہیں توقع تھی کہ وہ اس شہر سے کہیں دوسرے شہر جا رہا ہوگا، مگر وہ کسی کو نہ ملا اور دس بارہ دِن گزر گئے۔

ان دس بارہ دنوں میں عثمان صارم نے النور اور اس کی تین سہیلیوں کو ہتھیاروں کا استعمال سکھا دیا۔ اُس نے انہیں تیغ زنی بڑی محنت سے سکھائی۔ اُس کے علاوہ اُس نے مسلمان نوجوانوں کو در پردہ سلطان ایوبی کا پیغام سنا کر زمین دوز محاذ پر جمع کر لیا۔ ان نوجوانوں نے اُن مسلمان کاریگروں کو تیار کر لیا جو برچھیاں اور تیر و کمان وغیرہ بناتے تھے۔ یہ سب صلیبیوں کے ملازم تھے۔ وہ اپنے لیے کوئی ہتھیار نہیں بنا سکتے تھے۔ مسلمانوں کو کوئی ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کاریگروں نے گھروں میں چوری چھپے ہتھیار بنانے شروع کر دیئے۔ یہ بہت ہی خطرناک کام تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں صرف سزائے موت ہی نہیں تھی، بلکہ مرنے سے پہلے صلیبی درندوں کی بھیانک اذیتیں تھیں، وہاں کوئی مسلمان کوئی معمولی سے جرم میں یا محض شک میں پکڑا جاتا تو اس سے پوچھا جاتا تھا کہ مسلمان گھرانوں کے اندر کیا ہو رہا ہے اور جاسوس کہاں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے جسم کو روئی کی طرح دھننا شروع کر دیتے تھے۔ کاریگر جو ہتھیار بناتے تھے، وہ عثمان صارم جیسے نوجوان رات کو مختلف گھروں میں چھپا دیتے تھے۔ دن کے وقت لڑکیاں بُرقعہ نما لبادوں میں خنجر اور تیر کمان چھپا کر مسلمانوں کے گھروں میں لے جاتی رہتی تھیں، مگر ہتھیار بنانے اور گھروں میں پہنچانے کی رفتار بہت سست تھی۔

اُدھر سلطان ایوبی کو ایک جاسوس نے اطلاع دے دی کہ کرک اور مضافات کے مسلمانوں تک اس کا پیغام پہنچ گیا ہے اور وہاں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے زمین دوز محاذ بنا لیا ہے۔ یہ اطلاع لانے والا بھی ایک ذہین اور نڈر جاسوس تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ جاسوس جس نے سلطان ایوبی کا پیغام عثمان صارم تک پہنچایا تھا، پاگل کے بہروپ میں کامیاب رہا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس اطلاع پر بہت خوش تھا۔ اس نے کہا...... ''جس قوم کے نوجوان بیدار رہیں، اُسے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی''۔

''اس کامیابی نے میرا حوصلہ بڑھا دیا ہے''۔شعبۂ جاسوسی کے نائب زاہدان نے کہا...... ''اگر آپ اجازت دیں تو میں مقبوضہ علاقے کے نوجوانوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اتنا بھڑکا سکتا ہوں کہ وہ شعلے بن کر کرک اور یروشلم کو آگ لگا دیں گے''۔

''اور اس آگ میں وہ خود بھی جل مریں گے''۔سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں نوجوانوں کو شعلے نہیں بنانا چاہتا۔ میں اُن کے سینوں میں ایمان کی چنگاری سلگانا چاہتا ہوں۔نوجوانوں کو بھڑکانا کوئی مشکل کام نہیں۔ان میں سے کوئی اشرفی کی چمک اور لالچ سے تمہارے ہاتھ میں کھیلنے لگے گا اور زیادہ تعداد ان کی ہے جو جذباتی الفاظ اور جوشیلے نعروں سے بھڑک اُٹھتے ہیں، پھر تم ان سے جو کچھ کرانا چاہتے ہو کرا لو۔انہیں آپس میں بھی لڑا سکتے ہو۔اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ جاہل اور گنوار ہیں اور ان کا اپنا دماغ ہی نہیں۔اصل وجہ یہ ہے کہ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے کہ خون کا جوش کچھ کر گزرنے پر مجبور کرتا ہے۔اس عمر میں ذہن عیاشی کی طرف بھی مائل ہوتا ہے اور عملِ صالح کی طرف بھی۔تم نوجوان ذہن کو جو بھی تحریک اور اشتعال دے دو، وہ اسی کا اثر قبول کر لے گا۔تمہارے دشمن ہماری قوم کے اُبھرتے ہوئے ذہن میں عیاشی اور جنسی لذت کے جراثیم ڈال رہے ہیں۔ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم انہیں جہاد کی طرف مائل کر کے دشمن کے خلاف استعمال نہ کر سکیں۔تم یہ کوشش کرو کہ نوجوان بھڑکیں نہیں، بلکہ سرد رہیں اور سوچیں۔رسولِ مقبول ﷺ کی اس حدیث کو سمجھیں کہ اپنے آپ کو جانو اپنے دشمن کو پہچانو۔ان کی سوچیں بدل دو۔اُن میں قومیت کا احساس پیدا کرو۔یہ نوجوان قوم کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں۔انہیں بھڑکا کر جلنے سے بچاؤ۔انہیں مروانا دانش مندی نہیں۔دانائی یہ ہے کہ اُن کے ہاتھوں دشمن کو مرواؤ، لیکن دشمن کا تصور واضح کرو۔ کوئی مسلمان مجھے بُرا بھلا کہے تو وہ نہ اسلام کا دشمن ہے، نہ غدار ہے۔وہ میرا دشمن ہے۔میں اُسے قانون کا سہارا لے کر سزا نہیں دوں گا، جو اسلام در سلطنتِ اسلامیہ کے تحفظ کے لیے بنایا گیا ہے۔ملت کا قانون ملت کے امیر کے ذاتی استعمال کے لیے نہیں ہوتا۔غداری کی سزا اُسے دی جاتی ہے جو ملک اور قوم کی جڑیں کاٹے اور دین کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرے، خواہ حکمران خود ہی اس کا مجرم ہو، وہ غدار ہے اور سزا کا مستحق''۔

''اس صورت میں جبکہ وہاں نوجوان تیار ہو گئے ہیں، ہم انہیں کس طرح استعمال کریں''۔زاہدان نے پوچھا۔

''انہیں جوش میں نہ آنے دو''۔سلطان ایوبی نے جواب دیا...... ''ان کی سوچیں بیدار کر۔وہاں کے حالات کے مطابق وہ خود فیصلہ کریں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔وہ جذبات کے غلبے کے تحت نہ سوچیں، وہاں اور زیادہ ذہین جاسوس بھیجو اور یہ یاد رکھو زاہدان کہ دشمن ہمیں نہیں ہمارے نوجوان بچوں کا کردار بگاڑنے کی کوشش کر رہا ہے یا ہمارے اُن حاکموں کا جن کے ذہن بچوں کی طرح خام ہیں۔کسی بھی قوم کو جنگ کے بغیر شکست دینا چاہو تو اس کے نوجوانوں کو ذہنی عیاشی میں ڈال دو۔یہ قوم اس حد تک تمہاری غلام ہو جائے گی کہ اپنی مستورات تمہارے حوالے کر کے اس پر فخر کرے گی۔ صلیبی اور یہودی ہماری قوم کو اسی سطح پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں''...... سلطان ایوبی کو جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو۔اُس نے زہدان سے کہا...... ''میں نے کسی سے کہا تھا کہ کرک کے اُن مسلمانوں تک جو ہتھیار بنا رہے ہیں، آتش گیر مادہ پہنچا دیا ہیں بتا دو کہ یہ کس طرح بنتا اور استعمال ہوتا ہے''۔

''وہ انہیں بتا دیا گیا ہے''۔زاہدان نے جواب دیا...... ''اطلاع ملی ہے کہ مسلمانوں نے یہ مادہ تیار کرنا شروع کر دیا ہے''۔

☆

کرک میں ایسے حالات فوراً ہی پیدا ہو گئے جن میں وہاں کے نوجوانوں کو خود ہی سوچنا اور عمل کرنا پڑا۔ مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں نے قافلے لوٹنے کا بھی سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ قافلے اتنے عام نہیں تھے۔ تاجر اور دیگر سفر کرنے والے اکٹھے ہوتے رہتے تھے۔ ان کی تعداد ڈیڑھ دو سو ہو جاتی تو قافلے کی صورت میں چلتے تھے۔ یہ ایک حفاظتی اقدام ہوتا تھا۔ قافلے کے ساتھ لڑنے والے مسلح افراد بھی ہوتے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی افراط ہوتی تھی۔ تاجروں کا بے شمار مال اور دولت ہوتی تھی۔ قافلے میں چند ایک کنبے بھی ہوتے تھے۔ یہ لوگ نقل مکانی کرتے تھے۔ صلیبی استبداد میں آئے ہوئے مسلمان اکثر وہاں سے ہجرت کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے علاقوں میں جاتے رہتے تھے۔ اتنے بڑے قافلے کو چند ایک ڈاکو نہیں لوٹ سکتے تھے۔ قافلے والے مقابلہ کرتے تھے۔ صلیبیوں نے یہ کام اپنی فوج کے سپرد کیا تھا۔ انہیں اگر کسی قافلے کی اطلاع مل جاتی تو اپنی فوج کے ایک دو دستوں کو صحرائی لوگوں کے بھیس میں بھیج کر اسے لوٹ لیتے تھے۔ قافلوں میں صرف مسلمان ہوتے تھے۔ یہ جرم اُن صلیبی بادشاہوں نے بھی کرایا اور لوٹے ہوئے مال سے حصہ وصول کیا، جنہیں آج تاریخ میں صلیبی جنگوں کا ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

اس جرم میں مسلمان امراء بھی شامل تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کے حکمران تھے۔ اُن کے پاس فوج بھی تھی۔ لٹے ہوئے قافلوں کے دو چار آدمی فریاد لے کر ان حکمرانوں کے دربار میں جاتے تھے تو اُن کی شنوائی نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ان حکمرانوں کو بھی صلیبی لڑکیوں، شراب اور تھوڑے سے سونے کی صورت میں حصہ دیا کرتے تھے۔

اگر یہ حکمران چاہتے تو صلیبی ڈاکوؤں کا قلع قمع کر سکتے تھے، مگر انہوں نے صلیبی ڈاکوؤں کو ایسی کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ یہ ڈاکو ان کی ریاستوں کے اندر بھی آ کر لوٹ مار کر جاتے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں اندھا کر کے یہ فائدہ بھی اُٹھایا کہ ان کی ریاستوں کے سرحدی علاقے ہڑپ کرتے گئے۔ انہوں نے بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مسلسل ڈاکوؤں سے پریشان کر کے جزیہ بھی وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح سلطنتِ اسلامیہ سکڑتی چلی جا رہی تھی۔ نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی ان مسلمان ریاستوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ ان حکمرانوں کو وہ صلیبیوں سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ ایک بار نور الدین زنگی نے صلاح الدین ایوبی کو ایک پیغام بھیجا تھا جس میں کئی اور باتوں کے علاوہ ان چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کے متعلق لکھا تھا...... ''ان مسلمان حکمرانوں نے اپنی عیش و عشرت کے لیے اپنی ریاستیں صلیبیوں کے پاس گروی رکھ دی ہیں۔ وہ کفار سے تحفے اور زر و جواہرات اور اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکیاں لیتے اور اسلام کا نام ڈبوتے جا رہے ہیں۔ یہ مسلمان کفار سے زیادہ ناپاک اور خطرناک ہیں۔ وہ بادشاہی کے نشے میں بدمست ہیں اور صلیبی اُن کی جڑوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ صلیبیوں کو شکست دینے سے پہلے ضروری ہو گیا ہے کہ ان مسلمان ریاستوں پر قبضہ کر کے انہیں سلطنتِ اسلامیہ میں مدغم کیا جائے اور خلافتِ بغداد کے تحت لایا جائے۔ اس کے بغیر اسلام کا تحفظ ممکن نہیں''۔

ان خطروں کے باوجود کبھی کبھی کوئی بہت بڑا قافلہ صحرا میں جاتا نظر آ جاتا تھا۔ کرک سے چند میل دُور سے ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ اس میں ایک سو سے زیادہ اونٹ تھے۔ بہت سے گھوڑے بھی تھے۔ قافلے میں تاجروں کا مال تھا اور چند ایک کنبے تھے۔ ایک کنبہ ایسا بھی تھا، جس میں دو جوان لڑکیاں تھیں، یہ بہنیں تھیں۔ قافلہ حسبِ معمول مسلمانوں کا تھا۔ کرک کے علاقے سے قافلہ گزر رہا تھا تو صلیبیوں کو پتا چل گیا۔ انہوں نے اپنی فوج کا ایک دستہ بھیج دیا جس نے دن دہاڑے قافلے پر جا حملہ کیا۔ قافلے کے گھوڑسواروں نے مقابلہ تو بہت کیا مگر صلیبیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں ریت خون سے لال ہو گئی۔ صلیبیوں نے بچوں تک کو کاٹ ڈالا۔ پندرہ سولہ جواں سال مسلمان رہ گئے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔ دونوں لڑکیوں کو

پکڑ لیا۔ انٹوں اور گھوڑوں کو مال و اسباب سمیت کرک لے گئے۔

یہ قافلہ جب کرک میں داخل ہوا تو آگے آگے قیدی تھے۔ ان کے پیچھے دو گھوڑوں پر دو لڑکیاں سوار تھیں، جن کا لباس بتاتا تھا کہ مسلمان ہیں۔ ان کے پیچھے صلیبی تھے، جن کے چہروں پر نقاب تھے اور ان کے پیچھے مال و اسباب سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار تھی۔ لڑکیاں رو رہی تھیں۔ کرک کے شہری تماشہ دیکھنے کے لیے باہر نکل آئے۔ وہ تالیاں پیٹتے اور قہقہے لگاتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لٹا ہوا یہ قافلہ مسلمانوں کا ہے اور قیدی بھی مسلمان ہیں۔ ان قیدیوں میں ایک جوان سال قیدی آفاق نام کا تھا۔ دونوں مغویہ لڑکیاں اس کی بہنیں تھیں۔ آفاق زخمی بھی تھا۔ اس کی پیشانی اور کندھے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ لٹے ہوئے قافلے کے آگے آگے شہر میں داخل ہوا تو تماشائیوں کو دیکھ کر اس نے بلند آواز سے کہا...... ''کرک کے مسلمانو! ہمارا تماشہ دیکھ رہے ہو؟ ڈوب مرو۔ ان لڑکیوں کو دیکھو، یہ میری نہیں تمہاری بہنیں ہیں۔ یہ مسلمان ہیں''۔

ایک صلیبی نے پیچھے سے اس کی گردن پر گھونسہ مارا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ اس کے ہاتھ رسیوں سے پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ ایک قیدی نے اُسے اُٹھایا تو آفاق پھر چلایا...... ''کرک کے مسلمانو! یہ تمہاری بیٹیاں ہیں''...... اُسے دو تین نقاب پوشوں نے پیٹنا شروع کر دیا۔ اس کی بہنیں چیخ چیخ کر رو رہی تھیں اور فریادیں کرتی تھیں...... ''خدا کے لیے ہمارے بھائی کو نہ مارو۔ ہمارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کر لو، اسے نہ مارو''...... ایک بہن چلا رہی تھی...... ''آفاق خاموش ہو جاؤ۔ تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے''...... مگر آفاق چپ نہیں ہو رہا تھا۔ تماشائیوں میں مسلمان بھی تھے جو اپنا خون پی رہے تھے، مگر بے بس تھے۔ ان کی غیرت اُن کی نظروں کے سامنے سے گزرتی جا رہی تھی اور وہ دیکھ رہے تھے۔ اُن میں نوجوان مسلمان بھی تھے اور ان میں عثمان صارم بھی تھا۔ اُس نے اپنے نوجوانوں دوستوں کی طرف دیکھا۔ سب کی آنکھیں لال تھیں اور دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

عثمان صارم تھوڑی دُور تک اس قافلے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ آگے ایک غریب سا موچی بیٹھا تھا، جو لوگ کے جوتے مرمت کیا کرتا تھا۔ اُسے کسی مسلمان نے اپنی گھر کی ڈیوڑھی میں سونے کی جگہ دے رکھی تھی۔ دن بھر وہ باہر بیٹھا جوتے مرمت کرتا رہتا تھا۔ بدقسمت قافلہ اُس کے سامنے سے بھی گزرا۔ اُس نے بھی آفاق کی للکار اور لڑکیوں کی آہ و زاری سنی۔ آفاق کے چہرے کو خون سے لال دیکھا۔ اُس پر صلیبیوں کا ظلم ہوتا بھی دیکھا، لیکن اس طرح دیکھا جیسے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اس موچی کو نہ کبھی کسی نے مسجد میں جاتے دیکھا تھا، نہ گرجے میں۔ وہ یہودیوں کی عبادت گاہ میں بھی کبھی نہیں گیا تھا۔ اس کی طرف وہی توجہ دیتا تھا، جسے جوتا مرمت کرانا ہوتا تھا، اُسے کبھی کسی نے بولتے نہیں سنا تھا۔ وہ خلق کا راندہ ہوا انسان تھا، جسے صلیبیوں کے ساتھ بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اسلامیوں کے ساتھ بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔

عثمان صارم چلتے چلتے اس موچی کے قریب سے گزرنے لگا تو رُک گیا۔ قیدی آگے نکل گئے تھے۔ اونٹ جا رہے تھے۔ جب آخری اونٹ گزر گیا تو عثمان صارم نے دونوں جوتے اُتار کر موچی کے آگے رکھ دیئے اور اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ موچی کسی کا جوتا مرمت کر رہا تھا۔ اُس نے عثمان صارم کو سر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ عثمان نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا...... ''ان دونوں لڑکیوں کو آج رات آزاد کرانا ہے''۔

''جانتے ہو، یہ لڑکیاں رات کو کہاں ہوں گی؟''...... موچی نے سر اُٹھائے بغیر اتنی دھیمی آواز میں پوچھا کہ عثمان صارم کے سوا کوئی اور نہیں سن سکتا تھا۔

''جانتا ہوں''۔ عثمان صارم نے جواب دیا...... ''صلیبی بادشاہوں کے پاس ہوں گی، لیکن ہم میں سے کسی نے

بھی وہ جگہ اندر سے نہیں دیکھی''۔

''میں نے دیکھی ہے''۔موچی نے اپنے کام میں مگن رہ کر کہا......''وہاں سے لڑکیوں کو نکالنا ممکن نہیں''۔

''تم کس مرض کی دوا ہو؟''......عثمان صارم نے ایسے لہجے میں کہا جس میں جذبات کا لرزہ اور غصہ تھا۔کہنے لگا''ہماری رہنمائی کرو،اگر ہم لڑکیوں تک پہنچ گئے تو پکڑے گئے تو لڑکیوں کی گردنیں کاٹ دیں گے۔انہیں صلیبیوں کے پاس نہیں رہنے دیں گے''۔

''کتنے جوانوں کی قربانی دے سکتے ہو؟''موچی نے پوچھا۔

''جتنے جوان مانگو گے''۔

''کل رات''۔

''آج رات''۔عثمان صارم نے دبدبے سے کہا......''آج ہی رات برجیس! آج ہی رات''۔

''امام کے پاس پہنچو''۔موچی نے کہا۔

''کتنے جوان؟''

''برجیس موچی نے سوچ کر کہا......''آٹھ......ہتھیار سن لو۔خنجر۔آتش گیر مادہ''۔

عثمان صارم نے اپنے جوتے پہنے اور چلا گیا۔

☆

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔عثمان صارم نے راستے میں اپنے سات ہم جولیوں کو گھروں سے بلا کر انہیں امام کے گھر پہنچنے کو کہا اور خود امام کے گھر چلا گیا۔یہ اُسی مسجد کا امام تھا،جس میں عثمان صارم کی ملاقات''پاگل''سے ہوئی تھی۔عثمان نے ہی امام کو اپنی زمیں روز جماعت کی امامت پیش کی تھی،جسے جماعت کے ہر فرد نے قبول کرلیا تھا۔یہ لوگ کسی نہ کسی کے گھر میں مل بیٹھتے اور لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔اب ان دو مغویہ لڑکیوں کا مسئلہ سامنے آگیا تو عثمان صارم نے ان کی رہائی کا ارادہ کرلیا جو دراصل خودکشی کا ارادہ تھا۔وہ موچی کے کہنے کے مطابق امام کے گھر چلا گیا۔امام بے چینی سے اپنی ڈیوڑھی میں ٹہل رہا تھا۔عثمان صارم کو دیکھ کر رُک گیا اور پوچھا......''عثمان!تم نے اس قیدی کی للکار سنی تھی؟معلوم ہوتا تھا،وہ لڑکیاں اس کی بہنیں تھیں''۔

''میں اسی للکار پر لبیک کہنے آیا ہوں محترم امام!''عثمان صارم نے کہا......''برجیس آرہا ہے اور میرے سات دوست بھی آرہے ہیں''۔

''تم کیا کرو گے؟''امام نے پوچھا......''تم کر ہی کیا سکو گے؟......میں جانتا ہوں کہ ہماری بے شمار لڑکیاں کافروں کے قبضے میں ہیں،مگر ان دو لڑکیوں نے مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے''۔اُس نے منہ اوپر کرکے گہری آہ بھری اور کہا......''یا خدا مجھے صرف ایک رات کے لیے جوان کردے یا آج ہی رات میری جان لے لے۔اگر میں زندہ رہا تو تمام عمر ان لڑکیوں کی آہ وزاری مجھے سنائی دیتی رہے گی اور میں پاگل ہو جاؤں گا''۔

''ہمیں اپنی دانش کی روشنی دکھائیں''۔عثمان صارم نے کہا......''مجھے اُمید ہے کہ ہم آپ کو ایک رات سے زیادہ بے چین نہیں رہنے دیں گے''۔

عثمان صارم کے دو ساتھی اندر آئے۔امام نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور تینوں سے مخاطب ہو کر کہا......''آج یوں

معلوم ہوتا ہے، جیسے میری دانش جواب دے گئی ہے۔ مجھے اس طرح بے قابو نہیں ہونا چاہیے،لیکن کوئی غیرت کو للکارے تو جذبے بھڑک اُٹھتے ہیں، جنہیں مطمئن کرنے کے لیے جوان ہونا ضروری ہوتا ہے...... لیکن میرے بچو! میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں، مجھ میں اب برداشت کی قوت نہیں رہی،تم جو کچھ کرنے کا ارادہ کرو، سنبھل کر کرنا''۔

ایک ایک کرکے سات نوجوان جمع ہوگئے اور اُن کے فوراً بعد موچی آگیا۔اس نے بوری اُٹھا رکھی تھی جس میں پرانے جوتے اوراوزار تھے۔اُس نے بوری پھینکی اور کمر سیدھی کی۔وہ ہنس پڑا۔وہ جب سیدھا کھڑا ہوا تو کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہ موچی ہے جو دُنیا کی گہما گہمی سے رشتہ توڑے ہوئے، راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کرتا رہتا ہے۔اُس وقت جب وہ امام کے گھر میں تھا اور دروازہ بند ہو چکا تھا، وہ موچی نہیں برجیس تھا...... علی بن سفیان کے محکمۂ جاسوسی کے ایک خفیہ شعبے کا تجربہ کار اور نہایت عقل مند جاسوس...... اُس نے امام سے کہا...... ''یہ لڑکے آج ہی ان دونوں لڑکیوں کو صلیبیوں کی قید سے آزاد کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔اس کام میں صرف پکڑے جانے کا یا ناکامی کا ہی خطرہ نہیں، بلکہ یقینی موت کا خطرہ ہے۔''

''ہم یہ خطرہ قبول کرتے ہیں محترم برجیس!''...... ایک نوجوان نے کہا...... ''آپ اس فن کے استاد ہیں۔ ہماری رہنمائی کریں''۔

''اگر عقل کی بات سنیں،تو میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں''...... برجیس نے کہا...... ''صلیبیوں کے پاس بہت سی مسلمان لڑکیاں ہیں۔ان میں سے بعض کو انہوں نے بچپن میں قافلوں اور گھروں سے اغوا کیا تھا اور انہیں اپنی تعلیم و تربیت دے کر ہمارے خلاف جاسوسی اور تمہاری کردار کشی کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔تم لوگ ایک ایک لڑکی کو تو آزاد نہیں کرا سکتے۔اگر تم سب میرے فن سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو میں کہوں گا کہ دو لڑکیوں کی خاطر تم جیسے آٹھ جوان قربان کر دینا عقل مندی نہیں۔بُردباری اور تحمل ضروری ہے''۔

''میں تحمل کو کس طرح قبول کر سکتا ہوں؟''...... عثمان صارم نے بھڑک کر کہا۔

''میری طرح''۔ برجیس نے کہا...... ''کیا میں پیشے کا موچی ہوں؟ میں جب مصر میں ہوتا ہوں تو میری سواری کے لیے عربی گھوڑا تیار رہتا ہے اور میرے گھر میں دو ملازم ہیں مگر یہاں تین مہینوں سے راستے میں بیٹھا لوگوں کے غلیظ جوتے مرمت کرتا رہتا ہوں...... میں تمہیں دو لڑکیوں کی آزادی کے لیے پورے کرک اور اس سے آگے کے بہت وسیع علاقے کو آزاد کرانے کے لیے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔برداشت کرو، انتظار کرو''۔

عثمان صارم اور اس کے ساتوں دوست برداشت کی حدوں سے نکل چکے تھے۔اُن کی باتوں سے پتا چلتا تھا کہ اُن میں انتظار کی بھی ہمت نہیں رہی۔وہ کسی کی راہنمائی کے بغیر ہی اُس جگہ پر حملہ کرنے کو تیار تھے، جہاں توقع تھی کہ لڑکیاں ہوں گی۔انہوں نے امام کی بھی باتیں سننے سے انکار کر دیا۔آخر برجیس نے انہیں بتایا کہ اس کے دو جاسوس اُس جگہ معمولی ملازم ہیں، جہاں صلیبی حکمران رات کو اکٹھے ہوتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔یہ دونوں جاسوس عیسائیوں کے بھیس میں شوبک کی فتح کے بعد وہاں سے بھاگنے والے عیسائیوں کے ساتھ آئے تھے۔انہیں یہاں نوکری مل گئی تھی اور وہ کامیاب جاسوسی کر رہے تھے۔

تم سب نے وہ عمارت دیکھی ہے جہاں وہ صلیبی حکمران جو ہماری فوج کے خلاف لڑنے کے لیے برطانیہ، اٹلی، فرانس اور جرمنی وغیرہ سے آئے ہوئے ہیں، رہتے ہیں۔اس عمارت میں ایک بڑا کمرہ ہے، جہاں وہ شام کے بعد اکٹھے ہوتے، شراب پیتے اور ناچتے ہیں۔اُن کی تفریح کے لیے لڑکیاں موجود ہوتی ہیں۔وہ آدھی رات تک وہاں اُدھم مچاتے

رہتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہے کہ وہ جگہ ذرا بلندی پر ہے، جہاں سے پورا شہر نظر آتا ہے۔ وہاں فوج کا پہرہ بھی ہوتا ہے۔ اس عمارت تک پہنچنا ممکن نہیں۔ کوئی عام آدمی بلکہ کوئی خاص شہری بھی اس عمارت کے قریب نہیں جا سکتا۔ میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ دو لڑکیاں کہاں ہوں گی، مگر اُن تک رسائی کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہماری فوج باہر سے ابھی حملہ کر دے۔ اس صورت میں تمام حکمران اور فوجی حکام اس عمارت سے چلے جائیں گے اور حملہ روکنے میں لگ جائیں گے، مگر آج رات حملہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صلاح الدین ایوبی کب حملہ کریں گے"۔

"ضرورت حملے کی ہے"۔ امام نے برجیس سے وضاحت چاہی...... "دوسرے لفظوں میں ضرورت یہ ہے کہ اس عمارت میں جو لوگ ہیں، وہ وہاں سے چلے جائیں اور لڑکیاں وہیں رہ جائیں۔ اس صورت میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اس عمارت میں داخل ہو کر لڑکیوں کو اُٹھا لائیں"۔

"جی ہاں!" برجیس نے اپنے تجربے کی بنا پر خود اعتمادی سے کہا۔ "اگر شہر کے اندر کوئی بڑا ہی شدید اور خطرناک قسم کا ہنگامہ ہو جائے، کہیں آگ لگ جائے اور آگ جنگی ساز و سامان کو لگے تو شاید حکمران اور دیگر لوگ وہاں سے نکل کر موقعۂ واردات پر چلے جائیں"۔ برجیس گہری سوچ میں کھو گیا۔ اُس نے عثمان صارم اور اس کے ساتھیوں کو باری باری دیکھا اور کچھ دیر بعد کہا...... "ہاں میرے مجاہدو! اگر ایک جگہ آگ لگا سکتے ہو تو لڑکیوں کی رہائی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے"۔

"جلدی بتاؤ محترم!"...... عثمان صارم نے بے صبر ہو کر پوچھا...... "کہاں آگ لگانی ہے۔ کہو تو سارے شہر کر آگ لگا دیں"۔

"تم سب نے وہ جگہ دیکھی ہے، جہاں صلیبیوں کی فوج کے گھوڑے بندھے رہتے ہیں؟" برجیس نے کہا...... "وہاں اس وقت کم و بیش چھ سو گھوڑے ایک جگہ بندھے ہوئے ہیں۔ باقی مختلف جگہوں پر ہیں۔ ان کے قریب اتنی ہی تعداد میں اونٹوں کی بندھی ہوئی ہے۔ ان سے ذرا ہی پرے گھوڑوں کے خشک گھاس کے پہاڑ کھڑے ہیں۔ اس سے تھوڑا ہٹ کر فوج کے خیموں کے ڈھیر پڑے ہیں، وہاں گھوڑا گاڑیاں بھی کھڑی ہیں اور ایسا سامان بے شمار پڑا ہے، جسے فوراً آگ لگ سکتی ہے، مگر اس کے اِردگرد سنتری گھوم پھر رہے ہوتے ہیں، وہاں سے رات کے وقت کسی کو گزرنے کی اجازت نہیں۔ اگر تم اس گھاس اور خیموں کے انباروں کو آگ لگا سکو تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ صلیبی حکمران ساری دُنیا کو بھول کر وہاں پہنچ جائیں گے۔ گھاس، کپڑے اور لکڑی کے شعلے آسمان تک جائیں گے۔ سارے شہر پر خوف طاری ہو جائے گی۔ آگ لگانے کے ساتھ ہی اگر تم زیادہ سے زیادہ گھوڑوں کو کھول دو تو وہ ڈر کر ایسا بھاگیں گے کہ لوگوں کو کچلتے پھریں گے، مگر سوچنا یہ ہے کہ آگ کون لگائے گا، گھوڑے کون کھولے گا اور آگ لگانے کے لیے وہاں پہنچا کس طرح جائے گا"۔

"فرض کر لو، آگ لگ گئی" ایک نوجوان نے کہا...... "اور وہ عمارت بھی خالی ہو گئی تو ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

"میں ساتھ ہوں گا"۔ برجیس نے جواب دیا...... "اُس عمارت میں تم میرے بغیر نہیں جا سکو گے، وہاں میرے دو ساتھی موجود ہیں۔ وہ مجھے بتا دیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں، مگر یہ بھی سوچ لو کہ لڑکیوں کو اُٹھا لائیں گے تو انہیں کہیں چھپانا بھی ہو گا اور اُس کے بعد کرک کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ صلیبی یقین ہی نہیں کریں گے کہ یہ مسلمان کے سوا کسی اور کا کام ہو سکتا ہے"۔

"مسلمان پہلے کتنے کچھ آرام میں ہیں؟"...... امام نے کہا...... "میں مشورہ دیتا ہوں کہ ہم یہ کام کر گزریں۔ صلیبیوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ مسلمان کتنا ہی مجبور اور بے بس کیوں نہ ہو، وہ غلام نہیں رہ سکتا اور اس کا وار جگر چاک کر دیا کرتا ہے"۔

برجیس تو تھا ہی کمانڈو قسم کا جاسوس۔ وہ کئی راز معلوم کر کے سلطان ایوبی تک پہنچا چکا تھا، لیکن اُسے اس قسم کی تخریب کاری کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ایسی شدید کارروائی کو ضروری سمجھتا تھا تا کہ صلیبیوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان کیا کر سکتا ہے۔ اُس نے عثمان صارم اور اُس کے ساتھیوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ اس سلسلے کی دو کڑیاں بہت نازک تھیں۔ ایک یہ کہ آگ لگانے کے لیے تین چار لڑکیاں جائیں۔ وہ سنتری سے کسی اعلیٰ فوجی حاکم کا پتہ پوچھیں اور سنتری کو مار ڈالیں۔ برجیس نے لڑکیوں کو بھیجنے کی اس لیے سوچی تھی کہ عورت، خصوصاً نوجوان لڑکی، جو تاثر پیدا کر سکتی ہے، وہ کوئی مرد نہیں کر سکتا۔ مرد شک پیدا کر سکتا ہے۔ دوسرا خطرناک مرحلہ یہ آیا کہ کتنے نوجوان صلیبی حکمرانوں کی عمارت پر حملہ آور ہوں۔ برجیس اور امام نے متفقہ طور پر کہا کہ زیادہ نہ ہوں۔ یہی آٹھ ہوں تو بہتر ہے، کیونکہ زیادہ ہجوم نظر آ سکتا ہے اور کسی نہ کسی کے پکڑے جانے کا خطرہ زیادہ ہو گا۔

پھر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اتنی دلیر لڑکیاں کہاں سے ملیں گی۔ عثمان صارم نے کہا کہ ایک اس کی بہن النور ہو گی۔ ایک اور نوجوان نے کہا کہ دوسری اُس کی بہن ہو گی۔ باقی چھ نوجوانوں میں کسی کی بہن نہیں تھی۔ اُمید ظاہر کی گئی کہ یہ دو لڑکیاں اپنی اپنی ایک سہیلی کو ساتھ لے لیں گی۔ برجیس نے ان لڑکیوں کو ان کا کام سمجھانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔

سورج غروب ہو گیا تھا۔ امام مسجد ایک طرف چلا گیا۔ باقی سب ایک ایک کر کے باہر نکلے۔ سب سے آخر میں برجیس باہر نکلا۔ وہ پھر وہی موچی تھا جسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اُس کے اِرد گرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ جھکا جھکا اس طرح مری ہوئی چال چلا جا رہا تھا جیسے ساری دُنیا کے رنج و غم کا بوجھ اُس کے کندھوں پر گر پڑا ہو۔

☆

عثمان صارم اپنے گھر سے ابھی کچھ دُور تھا کہ اُسے رینی الیگزینڈر مل گئی۔ وہ عثمان کی بہن النور کی گہری سہیلی بنی ہوئی تھی۔ دونوں بہن بھائی چاہتے تھے کہ وہ اُن کے گھر نہ آیا کرے، لیکن عثمان صارم اُسے اچانک گھر آنے سے روک کر کسی شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ رینی اُس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کیا کرتی تھی جس سے عثمان کو یہ خیال بھی آتا تھا کہ وہ اُس کا کردار خراب کر کے اس کا قومی جذبہ مارنا چاہتی ہے۔ اُس شام رینی راستے میں مل گئی۔ اُس نے مسکرا کر دیکھا اور رُکنا نہ چاہا، مگر رینی رُک گئی اور اُس کا راستہ روک لیا۔ عثمان صارم کو ایسا کوئی ڈر نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہے اور ایک عیسائی لڑکی کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتا پکڑا گیا تو سزا پائے گا۔ وہ جانتا تھا کہ صلیبی اور یہودی انہیں دیکھ کر خوش ہوں گے کہ اُن کی ایک لڑکی مشتبہ مسلمان نوجوان کو اپنا گرویدہ بنا رہی ہے۔ وہ بھی رُک گیا اور بولا ... ''میں ذرا جلدی میں ہوں رینی''۔

''تمہیں کوئی جلدی نہیں عثمان!'' ...... رینی نے دوستانہ لہجے میں کہا... ''کیا تم اتنی آسانی سے مجھ سے پیچھا چھڑا سکو گے؟''

''میں تم سے پیچھا چھڑانے کی تو نہیں سوچ رہا''۔

''جھوٹ نہ بولو عثمان!'' رینی نے مُسکرا کر کہا...... ''میں تمہارے گھر سے آ رہی ہوں۔ تمہاری بہن نے مجھے صاف کہہ دیا ہے کہ یہاں اب کم آیا کرو۔ عثمان ناراض ہوتا ہے...... کیوں عثمان! یہ بات تم نے خود کیوں نہ کہہ دی؟''۔

عثمان صارم خاموش رہا۔ اس کی بہن نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ اُس کے لیے جواب دینا مشکل ہو گیا۔ اُسے خاموش دیکھ کر رینی نے کہا...... ''مجھے یہ تو بتا دو کہ میں تمہارے گھر کیوں نہ آیا کروں؟''۔

عثمان صارم کی ذہنی حالت کچھ اور تھی۔ وہ جلدی میں تھا اور اُس کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ وہ ٹالنے کے

لیے کوئی موزوں جواب نہ سوچ سکا۔ اُس کے منہ سے وہی بات نکل گئی جو اُس کے دل میں تھی۔ اس نے کہا...... ''ریٔنی! معلوم نہیں میں خود کیوں نہ تمہیں کہہ سکا کہ ہمارے گھر نہ آیا کرو۔ اب سن لو۔ ہماری آپس میں کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو، ہم قومی لحاظ سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم ذاتی محبت کی بات کرو گی، مگر میں قومی محبت کا قائل ہوں جو صلیب اور قرآن مجید میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ میرا وطن ہے۔ تمہاری قوم یہاں کیا کر رہی ہے؟...... جب تک تمہاری قوم کے آخری آدمی کا بھی وجود یہاں رہے گا، ہم ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے...... میرے دِل میں جو کچھ تھا، وہ تمہیں بتا دیا ہے''۔

''اور میرے دل میں جو کچھ ہے، وہ بھی سن لو''۔ ریٔنی نے کہا...... ''میرے دل سے تمہاری محبت نہ صلیب نکال سکتی ہے، نہ قرآن مجید۔ میں جب تک تمہیں دیکھ نہ لوں، مجھے چین نہیں آتا۔ تمہیں مسکراتا دیکھتی ہوں تو میری روح بھی مسکرا اُٹھتی ہے۔ سن لو عثمان! اگر تم نے مجھے اپنے گھر آنے سے روکا تو ہم دونوں کے لیے اچھا نہیں ہوگا''۔

''تم مجھے دھمکی دے سکتی ہو۔ تم حکمران قوم کی لڑکی ہو نا!'' عثمان صارم نے تحمل سے کہا۔

''اگر میرے دماغ میں حکمرانی کا نشہ ہوتا تو تم یہاں نہ کھڑے ہوتے۔ قید خانے میں گل سڑ رہے ہوتے''۔ ریٔنی نے کہا...... ''تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ مجھے تمہارے متعلق کچھ معلوم نہیں؟ کہو تو تمہاری زمین دوز کارروائیوں کی تفصیل سنا دوں۔ کہو تو تمہارے گھر سے وہ سارے خنجر، تیر و کمان اور آتش گیر مادہ برآمد کرا دوں جو تم نے اپنے گھر میں میری قوم اور میری حکومت کے خلاف استعمال کرنے کے لیے چھپا رکھا ہے اور جو تمہیں گھر میں رکھنے کی اجازت نہیں۔ النور کو تم تیغ زنی سکھا رہے ہو اور تمہارے ساتھ جو دوست ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں، اُن میں سے کئی ایک کو جانتی ہوں، لیکن عثمان! تم نہیں جانتے کہ تمہارے اور قید خانے کے درمیان میرا وجود حائل ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرا باپ کون ہے اور وہ کیا نہیں جانتا اور کیا نہیں کر سکتا۔ وہ پانچ مرتبہ گھر میں بتا چکا ہے کہ عثمان کی گرفتاری ضروری ہو گئی ہے۔ میں نے پانچوں مرتبہ باپ سے منت کر کے کہا ہے کہ عثمان کی بہن میری بڑی پیاری سہیلی ہے اور اس کا باپ ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ دو تین بار میرے باپ نے مجھے ڈانٹ کر کہا ہے کہ میں تم لوگوں کے ساتھ تعلق توڑ دوں۔ مجھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمان اس قابل نہیں کہ اُن کے ساتھ اتنی زیادہ محبت اور مروت کی جائے، لیکن میں ماں باپ کی اکیلی اولاد ہوں، وہ مجھے ناراض نہیں کرنا چاہتے''۔

سورج غروب ہو گیا تھا۔ شام تاریک ہونے لگی تھی۔ عثمان صارم خاموش رہا۔ اُس کا ذہن کسی اور طرف تھا۔ وہ کچھ جواب دیئے بغیر چل پڑا۔ ابھی دو ہی قدم اُٹھائے تھے کہ ریٔنی نے آگے ہو کر اُسے اس طرح روک لیا کہ اس کا سینہ عثمان کے سینے سے لگ گیا۔ ریٔنی نے دونوں ہاتھ اس کے کولہوں پر رکھ دیئے۔ اس کے جسم سے عثمان کو ایسی عطر بیز بو آئی جو مسلمان گھرانوں میں نہیں ہوتی تھی۔ لڑکی اُس کے قریب ہو گئی۔ اتنی قریب کہ اُن کی سانسیں ٹکرانے لگیں۔ ریٔنی کے ملائم ریشم جیسے بال جب عثمان صارم کے گالوں سے لگے تو وہ یوں تڑپ اُٹھا جیسے پھندے سے آزاد ہونے کی کوشش کی ہو۔ ریٔنی نے اُسے چھوڑ دیا۔

''مجھے آزاد کر دو ریٔنی!'' عثمان صارم نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا...... ''مجھے پتھر بن جانے دو۔ میرا راستہ کوئی اور ہے۔ ہم اکٹھے نہیں چل سکیں گے''۔

''محبت قربانی مانگتی ہے''۔ ریٔنی نے نشیلی آواز میں کہا...... ''کہو کیا قربانی مانگتے ہو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم جو جی میں آئے کرو، میں تمہیں قید نہیں ہونے دوں گی''۔

''اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں''۔ عثمان صارم نے طنزیہ کہا۔ ''کہ میں تمہیں بتاؤں گا ہی نہیں کہ میرے جی میں

کیا آئی ہے اور میں کیا کرنے والا ہوں۔ میں تمہارے اس حسین جسم اور ریشمی بالوں کے جادو میں نہیں آؤں گا''۔

''تو پھر مجھے ثابت کرنا پڑے گا کہ میں تمہارے لیے قربانی کر سکتی ہوں''۔ رینی نے کہا...... ''جاؤ عثمان! تم جلدی میں ہو، لیکن میں تمہارے گھر آنے سے باز نہیں آؤں گی''۔

عثمان صارم دوڑ پڑا۔ رینی اُسے دیکھتی رہی اور آہ بھر کر چلی گئی۔

☆

عثمان صارم گھر میں داخل ہوا تو برجیس وہاں پہنچ چکا تھا۔ عثمان صارم اندر چلا گیا اور اپنے باپ، ماں اور النور کو تفصیل سے بتایا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کا ایک قافلہ لوٹا ہے اور دو لڑکیوں کو بھی ساتھ لے آئے ہیں۔ اُس نے تمام تر واقعہ سنا کر کہا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن لڑکیوں کو آزاد کرانے جا رہا ہے اور اس مہم میں النور کی بھی ضرورت ہے۔ عثمان صارم کے باپ کی ٹانگ صلیبیوں کے خلاف لڑتے ہوئے جوانی میں کٹ گئی تھی اور وہ باقی عمر اس افسوس میں کاٹ رہا تھا کہ وہ جہاد کے قابل نہیں رہا۔ اُس نے عثمان سے کہا...... ''بیٹا! تم نے اگر اتنے خطرناک کام کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے یہ سننا نہ پڑے کہ تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ غداری کی ہے۔ اس کام میں پکڑے جانے کا امکان زیادہ ہے۔ اگر تم پکڑے گئے اور تمہارے ساتھی نکل آئے تو جان دے دینا، اپنے ساتھیوں کے نام پتے نہ بتانا۔ میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کی فوج کے لیے جوان کر رہا تھا، لیکن تمہاری بہن کی شادی کر کے تمہیں رخصت کرنے کا سوچا تھا۔ جاؤ اور میری روح کو مطمئن کر دو۔ ایک بار پھر سن لو۔ میں کسی سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ تمہاری رگوں میں صارم کا خون نہیں تھا''۔

باپ نے بیٹی کو بھی اجازت دے دی۔ عثمان صارم نے اُسے بتایا کہ برجیس ڈیوڑھی میں بیٹھا ہے اور وہ اس مہم کی کمان اور رہنمائی کرے گا۔ باپ ڈیوڑھی میں برجیس کے پاس چلا گیا۔ عثمان نے النور سے کہا کہ وہ فوراً اپنی ایک یا دو ایسی سہیلیوں کو بلا لائے جو اس کام میں شامل ہونے کی جرأت رکھتی ہیں۔ النور اُسی وقت باہر نکل گئی اور ذرا سی دیر میں دو سہیلیوں کو بلا لائی۔ اتنے میں عثمان صارم کا ایک ساتھی اپنی بہن کے ساتھ آ گیا۔ ایک ایک کر کے ساتوں جوان آ گئے۔ برجیس نے لڑکیوں کو بتایا کہ وہ کس راستے کہاں جائیں گی۔ راستے میں انہیں ایک سنتری روکے گا۔ لڑکیاں اس سے پوچھیں گی کہ اوپر کو کون سا راستہ جاتا ہے۔ وہ کہیں گی کہ شاہ رینالڈ نے انہیں بلایا ہے، لیکن وہ غلط راستے پر آ گئی ہیں۔ اُن میں سے ایک لڑکی نوکرانیوں کے بھیس میں ہوگی، جس کے سر پر سامان ہوگا۔ سنتری کو ختم کرنا ہوگا، پھر آگ لگانی ہوگی۔ آگ لگانے والا سامان ''نوکرانی'' کے سر پر ہوگا۔ گھوڑے اس طرح بندھے ہوں گے کہ لمبے لمبے رسّوں کے سرے زمین میں دبائے ہوئے ہوں گے اور گھوڑوں کی پچھلی ایک ایک ٹانگ سے زنجیر یا رسّی بندھی ہوگی جو رسّوں سے گزاری ہوئی ہوگی۔ ان لمبے رسّوں کو خنجروں سے کاٹ دینا ہوگا اور چند ایک گھوڑوں کو خنجر بھی مارنے ہوں گے تاکہ وہ منہ زور ہو کر بھاگ اٹھیں۔

برجیس نے لڑکیوں کو فوراً لباس اور حلیہ درست کرنے کو کہا اور ایک کو نوکرانی بنا دیا۔ اُس کے منہ اور ہاتھوں پر مٹی اور سیاہی سی مل دی۔ پھر وہ عثمان صارم اور اس کے ساتھیوں کو ہدایات دینے لگا۔ وہ خود اُن کے ساتھ جا رہا تھا۔ عثمان صارم کے باپ نے بھی انہیں کچھ مشورے دیئے۔ پھر سب کو خنجر دیئے گئے۔ خاصا وقت گزر گیا تھا، لیکن برجیس کہہ رہا تھا کہ ابھی شہر جاگ رہا ہے۔ اُس جگہ کی رونق اُس وقت جاگتی تھی جب شہر سو جاتا تھا۔ تیاریوں میں وقت گزرتا رہا اور روانگی کا وقت ہو گیا۔ سب کو اکیلے اکیلے جانا اور ایک طے شدہ مقام پر ملنا تھا۔ لڑکیوں کا راستہ الگ تھا۔ انہیں اندازاً وقت بتا دیا گیا تھا جب انہیں آگ لگانی تھی۔ اُس وقت برجیس کی جماعت کو حملے کے مقام پر ہونا چاہیے...... یہ بے حد نازک اور خطرناک مہم تھی جس میں

وقت کی غلطی اور کسی کی کوئی بے احتیاطی سب کو ایسے قید خانے میں ڈال سکتی تھی جو جہنم سے کم نہیں تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ لڑکیوں کا تھا، کیونکہ وہ لڑکیاں تھیں۔ تصور کیا جاسکتا تھا کہ اُن کے پکڑے جانے کی صورت میں اُن کا کیا حشر ہوگا۔ النور نے کہا کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہوا تو لڑکیاں اپنے خنجروں سے خودکشی کرلیں گی۔ وہ کفار کے ہاتھ زندہ نہیں آئیں گی۔

شہر پر خاموشی طاری ہوتے ہوتے سارا شہر خاموش ہوگیا۔ کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ صرف ایک جگہ تھی جہاں رات کے سکوت کا ذرہ بھر اثر نہیں تھا۔ یہ وہ عمارت تھی جہاں صلیبیوں کی متحدہ کمان کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہیں صلیبی حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں کی رہائش بھی تھی۔ یہ لوگ اُس ہال میں ایک ایک کرآچکے تھے، جہاں وہ ہر رات شراب نوشی اور رقص کی محفل جمایا کرتے تھے۔ اُس رات اُن کا موضوع دو نئی مسلمان لڑکیاں اور مال و اسباب تھا جو قافلے سے لوٹا گیا تھا...... کسی نے پوچھا کہ یہ لڑکیاں کسی اور کام بھی آسکتی ہیں؟ اس کا جواب ایک فوجی کمانڈر نے یہ دیا کہ لڑکیاں بالغ ذہن کی ہیں۔ اس لیے انہیں جاسوسی وغیرہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ ایک کی عمر سولہ سترہ سال ہے اور دوسری کی بائیس تئیس سال۔ کچھ عرصہ تفریح کے لیے استعمال ہوسکتی ہیں۔

''اس کے بعد انہیں اپنے دو فوجی افسروں کے حوالے کردینا''...... ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا...... ''وہ اُن کے ساتھ شادی کرلیں گے''۔

یہ لڑکیاں اُن کے ہنسی مذاق اور غلیظ باتوں کا موضوع بنی رہیں اور وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے رہے۔ اُس وقت لڑکیاں دو الگ الگ کمروں میں تھیں۔ وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔ دونوں کے ساتھ ایک ایک خادمہ تھی۔ یہ ادھیڑ عمر عورتیں بڑی خرانٹ اور اس فن کی ماہر تھیں۔ وہ لڑکیوں کو نہلا چکی تھیں اور انہیں رات کا لباس پہنا رہی تھی۔ لڑکیوں نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اُن کے آگے ایسے ایسے کھانے رکھے گئے تھے جو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے، لیکن انہوں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے متعلق معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہے اور اُس کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ دونوں عورتیں انہیں بڑے ہی حسین سبز باغ دکھا رہی تھیں۔ ایک کو بتایا جارہا تھا کہ اُسے فرانس کے بادشاہ نے پسند کیا ہے جو اُسے زرو جواہرات سے لاد دے گا۔ دوسری کو جرمن کے بادشاہ کی ملکہ بننے کے خواب دکھائے جا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں بڑے پیار سے دھمکیاں بھی دی جارہی تھیں کہ انہوں نے اگر ان بادشاہوں کو ناراض کیا تو وہ انہیں فوجی سپاہیوں کے حوالے کردیں گے۔

یہ لڑکیاں صحرائی دیہات کی رہنے والی تھیں۔ کوئی ایسی بزدل بھی نہیں، لیکن بے بس ہوگئی تھیں۔ اپنے تحفظ میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ اُن کے ماں باپ اور بڑے بھائی نے اُن کی عصمت کی خاطر صلیبی استبداد کے علاقے سے ہجرت کی تھی، مگر صلیبیوں کے پھندے میں آگئے۔ لڑکیاں پکڑی گئیں۔ ماں باپ مارے گئے اور بھائی قید ہوگیا۔ خدا کے سوا ان کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ قید سے نکل بھاگنے کے بھی قابل نہیں تھیں۔ وہ روتی تھیں تو صرف خدا کو یاد کرتی اور خدا کو ہی مدد کے لیے پکارتی تھیں۔ اپنی عزت کے علاوہ اپنے بھائی آفاق کے لیے وہ بہت پریشان تھیں۔

اُس وقت آفاق بیگار کیمپ میں تڑپ رہا تھا۔ وہ زخمی تھا اور اُسے پیٹا بھی بہت گیا تھا۔ پہلے کے قیدی شام کے وقت روزمرہ کی مشقت سے آئے تھے۔ انہوں نے ان نئے قیدیوں کو دیکھا۔ اُن کی بپتا سنی۔ اُن میں صرف آفاق زخمی تھا۔ کسی نے اس کی مرہم پٹی نہیں کی تھی۔ تین چار قیدیوں نے مرہم اور کچھ دیسی دوائیاں چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ رات کو انہوں نے آفاق کے زخم صاف کیے اور مرہم بھر کر اوپر کپڑے باندھ دیئے۔

آفاق کو اپنے زخموں کا درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کا دھیان اپنی بہنوں کی طرف تھا۔ قیدیوں سے وہ پوچھتا تھا کہ اُس کی بہنیں کہاں ہوں گی اور ان کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہوگا۔ اُسے بتایا گیا کہ اس قید خانے کی کوئی دیوار نہیں اور انہیں بیڑیاں بھی نہیں ڈالی گئیں، پھر بھی وہ یہاں سے بھاگ نہیں سکتا، کیونکہ سنتری گھوم پھر رہے ہیں اور اگر وہ یہاں سے نکل بھی جائے تو جائے گا کہاں۔ کہیں نہ کہیں پکڑا جائے گا۔ اس کی سزا اتنی اذیت ناک موت ہوگی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اُسے بتایا گیا کہ یہاں کئی کئی سالوں سے قیدی پڑے ہیں جو کرک ہی کے رہنے والے ہیں، لیکن بھاگنے کی جرأت نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ پکڑے نہ گئے تو صلیبی اُن کے پورے خاندان کو قید میں ڈال دیں گے۔ ان تمام مجبوریوں اور خطروں کے باوجود آفاق فرار اور بہنوں کو رہا کرانے کی سوچ رہا تھا۔ اُس کا جسم چلنے کے بھی قابل نہیں تھا۔ قیدی دِن بھر کے تھکے ماندے بے ہوشی کی نیند سو گئے اور آفاق جاگ رہا تھا۔

☆

''لڑکیاں پکڑی نہ گئی ہوں''۔ عثمان صارم نے سرگوشی میں کہا۔

''خدا کو یاد کرو عثمان!'' برجیس نے کہا..... ''ہم اس وقت موت کے منہ میں ہیں۔ دِل سے تمام خوف نکال دو اور خدا کو دِل میں بٹھالو..... تمہیں دوسرے لڑکوں پر بھروسہ ہے؟''۔

''پورا بھروسہ''۔ عثمان نے کہا..... ''ان کا فکر نہ کرو۔ مجھے لڑکیوں کا فکر ہے''۔

''خدا کو یاد کرو''۔ برجیس نے کہا..... ''ہم چوری کرنے نہیں آئے۔ اللہ مدد کرے گا''۔

اُس وقت عثمان صارم اور برجیس گھر میں نہیں تھے۔ وہ اُس عمارت سے جس میں مغویہ لڑکیاں تھیں، اتنی دُور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے، جہاں سے عمارت انہیں اپنے سر پر کھڑی نظر آ رہی تھی۔ اُن کے سات ساتھی اُن سے تھوڑی ہی دُور بکھر کر انہی کی طرح چھپے ہوئے تھے۔ برجیس نے انہیں اچھی طرح بتا دیا تھا کہ کون سے اشارے پر انہیں کیا کرنا ہے۔ عثمان صارم کو اُن چار لڑکیوں کا غم تھا جو فوجی سامان اور گھاس کو آگ لگانے کے لیے گئی تھیں۔ اُن میں اُس کی اپنی بہن النور بھی تھی۔ اُس وقت تک آگ لگ جانی چاہیے تھی۔ توقع یہ تھی کہ اگر سکیم کامیاب رہی تو آگ کے شعلے اُٹھیں گے، پھیلیں گے۔ اس عمارت سے تمام کمانڈر وغیرہ آگ کی طرف بھاگیں گے جو ایک قدرتی ردعمل تھا، کیونکہ فوجی سامان کو آگ لگنے کی صورت میں وہ اپنی محفل عیش وطرب میں مگن نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کے جاتے ہی ان نوجوانوں کو عمارت پر ٹوٹ پڑنا تھا، مگر لڑکیوں کو گئے بہت وقت ہو گیا تھا۔ شاید سنتری نے انہیں روک کر واپس بھیج دیا ہوگا۔

لڑکیاں ابھی سنتری تک ہی نہیں پہنچی تھی، کیونکہ وہاں سنتری تھا ہی نہیں۔ سنتری کا نہ ہونا خطرہ تھا، کیونکہ زندہ رہنے کی صورت میں وہ انہیں آگ لگاتے پکڑ سکتا تھا۔ لڑکیوں نے سنتری کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ وہ خشک گھاس کے پہاڑوں جیسے ڈھیروں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ اندھیرے میں انہیں خیموں کے انبار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اکٹھی جا رہی تھی۔ انہیں ایک جگہ ڈنڈے سے بندھی ہوئی مشعل کا شعلہ نظر آیا۔ وہ اُدھر چلی گئیں۔ سنتری سامنے آ گیا۔ مشعل کا ڈنڈا زمین میں گڑھا ہوا تھا۔ سنتری نے مشعل اُٹھالی اور لڑکیوں کے قریب آ کر انہیں روکا۔ وہ لڑکیوں کا بھڑکیلا لباس اور سج دھج دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ ان کے ساتھ ایک نوکرانی تھی جس نے سر پر گٹھڑی سی اُٹھا رکھی تھی۔ سنتری نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہی ہیں۔

''معلوم ہوتا ہے ہم غلط راستے پر آ گئی ہیں''۔ النور نے بڑی شوخ ہنسی سے کہا..... ''شاہ رینالڈ کا دعوت نامہ آیا

تھا۔ہم نے رات کو آنے کا وعدہ تھا۔ذرا دیر ہوگئی تو کسی نے بتایا کہ یہ راستہ چھوٹا ہے۔یہاں تو آگے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے وغیرہ بندھے ہوئے ہیں۔ہم کدھر جائیں؟''

ایک معمولی سے سنتری پر رعب طاری کرنے کے لیے شاہ ریناللہ کا نام ہی کافی تھا۔وہ جانتا تھا کہ صلیبی بادشاہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ریناللہ نے ان لڑکیوں کو عیش وعشرت اور ناچ گانے کے لیے بلایا ہوگا۔لڑکیوں کے لباس، عمریں اور اُن کی شکل وصورت اور النور کے بات کرنے کا انداز اور کھلنڈر سا انداز بتا رہا تھا کہ یہ اُس کے اعلیٰ حکام کے مطلب کی لڑکیاں ہیں۔اُس نے انہیں راستہ بتانا شروع کر دیا۔ایک لڑکی اس کے پیچھے ہوگئی اور اتنی زور سے خنجر اس کی پیٹھ میں گھونپا کہ دِل کو چیرتا آگے نکل گیا۔اُس کے ہاتھ سے مشعل گر پڑی۔النور نے مشعل پر دونوں پاؤں رکھ کر اس کا شعلہ بجھا دیا۔باقی لڑکیوں نے بھی سنتری کے جسم میں اپنا خنجر داخل کر دیا۔سنتری کی آواز بھی نہ نکلی۔برجیس نے انہیں بتایا تھا کہ گھاس کو آگ لگے گی تو اس کی روشنی میں انہیں خیموں کے ڈھیر اور گاڑیاں نظر آجائیں گی۔گھاس کے پہاڑ تو انہیں اندھیرے میں بھی نظر آرہے تھے جو لڑکی تو کرانی بنی ہوئی تھی۔اس نے جلدی سے سر سے گٹھڑی اُتاری۔اس میں آتش گیر مادہ اور آگ لگانے کا سامان تھا۔

انہوں نے گھاس کے ایک ڈھیر کو آگ لگا دی۔پھر دوسرے اور تیسرے کو اور ذرا سی دیر میں تمام ڈھیروں کو آگ لگ گئی۔اب خطرہ بڑھ گیا تھا، کیونکہ روشنی ہوگئی تھی۔تھوڑی دور انہیں لپٹے ہوئے خیموں کے ڈھیر نظر آگئے۔یہ کپڑا تھا۔اسے آگ لگانا مشکل نہ تھا۔خیمے بھی جلنے لگے۔خالی گھوڑا گاڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑی تھیں۔لڑکیوں میں غیر معمولی پھرتی آگئی تھی۔انہوں نے تین چار گاڑیوں پر آتش گیر مادہ پھینکا اور آگ لگا دی۔اتنی دیر میں گھاس کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے۔لڑکیاں گھوڑوں کی طرف بھاگیں۔ابھی تک کوئی بیدار نہیں ہوا تھا۔لڑکیوں نے خنجروں سے وہ لمبے لمبے رسے کاٹ دیئے، جن کے سرے زمین میں دبے ہوئے تھے اور ہر رسے کے ساتھ چالیس سے پچاس گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔لڑکیوں نے چند ایک گھوڑوں کو خنجر مارے۔وہ بدک کر اور شعلوں کے ڈر سے ہیبت ناک آواز سے ہنہنانے لگے اور اندھا دُھند بھاگنے لگے۔جو گھوڑے کھل نہ سکے۔انہوں نے اودھم بپا کر دیا۔معلوم نہیں کتنے گھوڑے کھل کر اِدھر اُدھر دوڑنے اور ہنہنانے لگے۔اونٹ کھلے تھے اور آرام سے بیٹھے تھے۔وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اندھا دھند بھاگنے لگے۔

چاروں لڑکیاں بے لگام گھوڑوں اور بے مہار اونٹوں کے نرغے میں آگئیں۔دوسری طرف شعلے تھے جن کی تپش دور سے بھی جسموں کو جلاتی تھی اور جانوروں کے اس قدر زیادہ شور وغل اور دھماکوں جیسے ٹاپوؤں سے فوج بیدار ہوگئی۔

مغویہ لڑکیوں کو دُلہنیں بنا دیا گیا تھا۔دونوں کے کمروں میں بیک وقت ایک ایک آدمی داخل ہوا۔یہ صلیبیوں کے جنگجو حکمران تھے۔وہ شراب میں بدمست تھے۔خادمائیں باہر نکل گئیں۔لڑکیاں کمروں میں بھاگ دوڑ کر پناہیں ڈھونڈنے لگیں۔اُن کی عصمت کا پاسبان خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔ایک لڑکی دو زانو گر پڑی اور ہاتھ جوڑ کر رو کر خدا کو مدد کے لیے پکارا۔صلیبی نے قہقہہ لگایا اور اُس کی طرف بڑھا...... باہر اُسے شور وغل سنائی دیا۔یہ غیر معمولی شور تھا۔اُس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو ایسے لگا جیسے پورے شہر کو آگ لگ گئی ہو۔گھوڑوں اور اونٹوں کی خوف زدگی کا یہ عالم کہ کچھ گھوڑے اس بلندی پر بھی چڑھ آئے جس پر یہ عمارت تھی۔اُس کا نشہ فوراً اُتر گیا۔دوسرا ابھی باہر نکل آیا۔دو تین آدمی دوڑتے آئے اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا کہ گھاس، خیموں اور گاڑیوں کو آگ لگ گئی ہے۔دوڑتے ہوئے جانوروں نے کئی آدمیوں کو کچل دیا ہے۔

اگر آگ شہر کو لگتی تو یہ حکام پروانہ کرتے، وہاں فوج کا سامان جل رہا تھا اور فوج کے سینکڑوں جانور کھل گئے

تھے۔ ذرا سی دیر میں تمام حکمران اور کمانڈر اور وہاں جو کوئی بھی تھا، دوڑتے نکل گئے۔ وہ اپنی نگرانی میں آگ بجھانے کا بندوبست کرنا چاہتے تھے۔ اس عمارت کے اردگرد جو مسلح پہرہ تھا وہ بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ باڈی گارڈز بھی اپنے حکام کے پیچھے دوڑتے گئے۔ برجیس نے بلند آواز سے پکارا...... ''تم بھی چلو''......اور وہ عمارت کی طرف اُٹھ دوڑا۔ اس کے آٹھ جوان بھی دوڑ پڑے۔ اُن کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ عمارت کے برآمدوں میں جا کر اُس نے اپنے اُن دو ساتھیوں کو پکارنا شروع کر دیا جو وہاں عیسائیوں کے بھیس میں ملازم تھے۔ اُن میں سے ایک مل گیا۔ اُس نے برجیس کو پہچان لیا۔ برجیس نے اس سے پوچھا کہ آج جو لڑکیاں یہاں لائی گئی ہیں، وہ کہاں ہیں۔ اُسے معلوم نہیں تھا۔ اُس نے کمرے دکھا دیئے اور خود بھی ساتھ ہولیا۔ وہاں اب سہولت یہ پیدا ہوگئی تھی کہ کوئی ذمہ دار آدمی موجود نہ تھا، پیچھے نوکر چاکر رہ گئے تھے جو آگے جا کر بلندی سے آگ کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ برجیس کی سکیم پوری طرح کامیاب تھی۔

وہ ملازم کی رہنمائی میں اُن کمروں میں جانے لگے جہاں لڑکیاں ہوتی تھیں، وہاں برآمدوں میں کچھ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ اُن میں بعض نیم برہنہ تھیں۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آج جو لڑکیاں آئی ہیں وہ کہاں ہیں۔ انہیں بھی معلوم نہ تھا۔ آخر ایک کمرے میں گئے تو ایک لڑکی مل گئی۔ وہ کمرے میں دبکی ہوئی تھی۔ عثمان صارم اور اُس کے بعض ساتھیوں نے اُسے دن کے وقت دیکھا تھا۔ جب ان دونوں کو لٹتے ہوئے قافلے کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ برجیس کی پارٹی کے تمام آدمی نقاب پوش تھے۔ انہیں دیکھ کر لڑکی نے چیخ ماری۔ برجیس نے اُسے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اور اسے رہا کرانے آئے ہیں، مگر وہ لڑکی اتنی ڈری ہوئی تھی کہ اُن کے ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ انہوں نے اُسے زبردستی اُٹھا لیا۔ دوسرے کمرے میں اُس کی بہن مل گئی اس کا ردِعمل بھی یہی تھا۔ اُسے بھی زبردستی اُٹھایا گیا۔ دوسری لڑکیاں جو ایک عرصے سے صلیبیوں کے پاس تھیں، یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ وہ آدمیوں کو ڈاکو سمجھ کر اِدھر اُدھر بھاگ گئیں۔ مغویہ بہنیں چیخ و پکار کر رہی تھی۔ انہیں برجیس نے غصے سے کہا کہ وہ سب مسلمان ہیں انہیں مسلمان گھرانوں میں لے جا کر چھپائیں گے۔ بڑی ہی مشکل سے انہیں خاموش کیا گیا اور جانبازوں کی یہ جماعت وہاں سے نکل گئی۔

☆

آگ کا منظر بے حد خوفناک تھا۔ شعلے توقع سے کہیں زیادہ اونچے جا رہے تھے اور دُور دُور تک پھیل گئے اور پھیلتے ہی چلے جا رہے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں نے سارے شہر میں قیامت بپا کر رکھی تھی۔ سارا شہر جاگ اُٹھا تھا۔ گلیوں میں، سڑکوں پر اور میدانوں میں ان جانوروں نے اس قدر دہشت گردی پھیلا دی تھی کہ لوگ دبک کر گھروں میں بیٹھ گئے تھے اور آگ نے جو دہشت پھیلائی تھی، اس سے بعض لوگ گھروں سے بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ افراتفری اور بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ وہ عقل مند اور موقع شناس تھے۔ انہوں نے آگ، بھاگتے دوڑتے جانور اور افراتفری دیکھی تو یہ معلوم کیے بغیر کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ یہ مشہور کر دیا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوجیں شہر میں داخل ہوگئی ہیں اور شہر کو آگ لگا رہی ہیں۔ یہ افواہ مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ یہ افواہ آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ غیر مسلموں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

صلیبی حکمران اور اعلیٰ حکام آگ کی جگہ پہنچے تو وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ انہوں نے بھی یہی سمجھا کہ مسلمانوں کی فوج قلعے میں کہیں نقب لگا کر اندر آ گئی ہے۔ انہوں نے فوج کو قلعے کے دفاع کے لیے جنگی ترتیب میں فوراً چلے جانے کا حکم دیا اور اسی فوج کے کچھ حصے کو قلعے کے باہر جانے کو کہا۔ دو تین کمانڈر دوڑ کر قلعے کی دیوار پر چڑھے اور باہر دیکھا۔ باہر خاموشی

تھی۔ کسی طرف سے حملہ نہیں ہوا تھا۔ قلعے کا عقبی دروازہ کھول دیا گیا، تا کہ فوج باہر جا سکے۔ رات کے وقت قلعے کا دروازہ نہیں کھولا جاتا تھا، لیکن اس خیال سے دروازہ کھول دیا گیا کہ سلطان ایوبی کا کوئی جانباز دستہ اندر آ گیا ہے، جس نے بھگدڑ مچادی ہے۔ یہ باہر کے حملے کا پیش خیمہ ہے۔ فوج آ رہی ہو گی۔ اس فوج کو شہر سے دُور روکنے کے لیے صلیبیوں نے رات کو ہی فوج باہر بھیج دی اور دروازہ کھولنے کا خطرہ مول لے لیا۔ یہ فیصلہ دراصل گھبراہٹ میں کیا گیا تھا اور یہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ بعض غیر مسلموں نے جو عقبی دروازے کے قریب تھے، دیکھ لیا کہ وہ دروازہ کھل گیا ہے۔ وہ اندھادھند دروازے کی طرف بھاگے۔ انہیں دیکھ کر دوسرے شہری بھی ان کے پیچھے گئے۔ وہاں سے فوج گزر رہی تھی۔ شہریوں کا سیلاب آ گیا جسے کوئی نہ روک سکا۔

آگ پھیلتی جا رہی تھی۔ گھوڑا گاڑیوں کے قریب ہی رسد کی بوریوں کے انبار تھے۔ بہت سا دیگر اقسام کا سامان بھی پڑا تھا۔ آگ پر قابو پانا ضروری تھا۔ شہری گھروں میں چھپ گئے تھے یا بھاگ رہے تھے۔ یہ کام فوج کر سکتی تھی۔ فوج کی کچھ نفری کو بلا لیا گیا اور اس کے ساتھ ہی کسی کو ان مسلمان قیدیوں کا خیال آ گیا جو بیگار کیمپ میں پڑے ہوئے تھے۔ فوراً حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو اس اعلان کے ساتھ لے آؤ کہ وہ آگ پر قابو پا لیں تو انہیں صبح کے وقت رہا کر دیا جائے گا۔ قیدی باہر کے شور سے جاگ اُٹھے تھے اور سنتری انہیں ڈنڈے مار مار کر سو جانے کو کہہ رہے تھے۔ اتنے میں حکم آ گیا کہ قیدیوں کو پانی لانے اور آگ پر پھینکنے کے لیے لے چلو۔ رہائی کا اعلان بھی کیا گیا۔ ان میں آفاق بھی تھا۔ اس کا جسم ٹھنڈا ہو کر اور زیادہ دُکھنے لگا تھا۔ اُس نے ایک قیدی سے کہا ..... ''صلیبیوں کی ساری سلطنت جل جائے میں آگ بجھانے نہیں جاؤں گا''۔

''پاگل نہ بنو''...... ایک قیدی نے اُسے کہا..... ''ان لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ آگ بجھاؤ اور کل رہا ہو جاؤ، لیکن یہ دھوکہ ہے۔ یہ کافر جھوٹ بولتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ چلو اور بھاگ نکلو۔ ہم نہیں بھاگ سکتے، کیونکہ یہ لوگ ہمارے گھروں سے واقف ہیں، تم نکل جانا''۔

''جاؤں گا کہاں؟''

قیدی نے اسے اپنے گھر کا پتہ بتا کر کہا...... ''میں کوشش کروں گا کہ موقع محل دیکھ کر تمہیں اپنے گھر پہنچا دوں، لیکن وہاں زیادہ دن نہ رُکنا، کیونکہ صلیبی میرے سارے کنبے کو سزا دیں گے''۔

قیدیوں کو صلیبی لے گئے اور انہیں تقسیم کر کے مختلف کنوؤں پر لے جایا گیا۔ فوجی پانی نکال رہے تھے۔ قیدیوں نے مشکیزے اٹھانے شروع کر دیئے۔ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے اور آگ پر پانی پھینکتے تھے۔ ایک دو چکروں میں سنتری ان کے ساتھ رہے مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ قیدی اور فوجی گڈمڈ ہو گئے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ صلیبی کمانڈر گھبراہٹ میں سب کو گالیاں دے رہے تھے۔ اتنے میں گھوڑوں کا ذرا ساور ریوڑ دوڑتا ہوا آیا۔ آگ بجھانے والے قیدی اور فوجی ان کی زد میں آ گئے۔ سب ادھر اُدھر بھاگ اُٹھے۔ بعض کچلے بھی گئے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے آفاق کو وہ پرانا قیدی اپنے ساتھ لے گیا۔ مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہ خوش تھے کہ مسلمان فوج آ گئی ہے۔ قیدی اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اُس کا سارا خاندان جاگ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب بہت مسرور ہوئے، لیکن اُس نے آفاق کو اُن کے حوالے کر کے کہا...... ''اسے چھپا لو اور جلدی شہر سے نکال دینا۔ میں نہیں رُک سکتا۔ صلیبیوں نے کل رہائی کا وعدہ کیا ہے۔ اُسے ابھی کوئی نہیں جانتا۔ اگر میں یہاں رُک گیا تو شاید کبھی بھی رہائی نہیں ملے گی''۔

''کیا یہ سچ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج اندر آ گئی ہے؟''...... قیدی کے باپ نے پوچھا۔

''کچھ پتا نہیں''...... قیدی نے جواب دیا...... ''آگ بہت زور کی ہے۔ معلوم نہیں کب بجھے گی''۔

''اگر ہماری فوج نہیں آئی تو پھر ہم یہ خطرہ کیسے مول لے سکتے ہیں؟''......قیدی کے باپ نے کہا۔

''یہ آدمی خود ہی نکل جائے گا''......قیدی نے کہا......''یہ کل یہاں سے نکل جائے گا''۔

''اس کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں''......قیدی کے باپ نے کہا......''ابھی ابھی تمہارا چھوٹا بھائی دو مسلمان لڑکیوں کو لایا ہے۔انہیں اُس نے اور صارم کے بیٹے عثمان نے اوران کے دوستوں نے صلیبیوں کے شاہی خانے سے اغوا کیا ہے۔ دونوں کو ہم نے گھر میں چھپالیا ہے''۔

''کون ہے وہ لڑکیاں؟''......قیدی نے پوچھا۔

''کہتے ہیں انہیں کل ایک قافلے سے صلیبیوں نے اغوا کیا تھا''......باپ نے جواب دیا......'' کا بھائی سنا ہے،قید میں ہے''۔

آفاق نے تڑپ کر پوچھا......''کہاں ہیں وہ لڑکیاں؟''

ذراسی دیر میں آفاق اپنی بہنوں کو گلے لگا رہا تھا۔خدا نے اُن کی فریادیں سن لی تھیں۔ یہ بڑا ہی جذباتی منظر تھا۔ اُن کے ماں باپ مارے گئے تھے۔وہ لٹ گئے تھے۔انہیں ایسی معجزہ نما ملاقات کی توقع نہیں تھی......جس قیدی کا یہ گھر تھا، وہ دوڑ کر باہر نکل گیا۔وہ قید سے بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔اُس کا چھوٹا بھائی، برجیس اور عثمان صارم کے ساتھ تھا۔وہ لڑکیوں کو گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔

وہ اچانک آ گیا۔اس نے لڑکیوں سے کہا......''فوراً اُٹھو شہر سے نکلنے کا موقع پیدا ہو گیا ہے''......آفاق کے متعلق اسے بتایا گیا کہ ان لڑکیوں کا بھائی ہے اور قید سے فرار ہو کر آیا ہے۔اُس نے آفاق کو بھی اپنے ساتھ لیا اور باہر لے گیا۔باہر تین گھوڑے تھے۔یہ برجیس کا انتظام تھا۔اُس نے دونوں بہنوں کو گھوڑوں پر سوار کیا اور جب تیسرے گھوڑے پر خود سوار ہونے لگا تو اُسے آفاق کے متعلق بتایا گیا۔اُس نے آفاق کو تیسرے گھوڑے پر سوار کیا اور خود چل پڑا۔اُس نے اتنا ہی کہا......''خدا حافظ دوستو! زندہ رہے تو پھر ملیں گے''......اور وہ دوڑ پڑا۔وہ شہر کے عقبی دروازے کی طرف جا رہا تھا، جہاں سے ڈرے ہوئے شہریوں کا جلوس باہر کو بھاگا جا رہا تھا۔یہ دروازہ برجیس نے پہلے سے دیکھ رکھا تھا۔شہر سے نکلنے کا موقع پیدا ہو گیا تھا۔اُس نے کہیں سے تین گھوڑے پکڑے اور لے آیا۔کسی صلیبی کمانڈر نے دیکھ لیا کہ شہری تو بھاگ رہے ہیں۔اُس نے دروازہ بند کرنے کا حکم دے دیا۔برجیس جب وہاں پہنچا تو دروازہ آہستہ آہستہ بند ہو رہا تھا اور شہریوں کا ایک ہجوم دروازے میں پھنس گیا تھا۔ایک واویلا بپا تھا۔برجیس نے چلانا شروع کر دیا......''پیچھے سے فوج آ رہی ہے۔ دروازہ کھول دو۔بھاگو۔مسلمان آ رہے ہیں''۔ہجوم نے آگے کو زور لگایا تو بند ہوتے ہوتے دروازہ کھل گیا۔انسان رُکے ہوئے دریا کی طرح بند توڑ کر نکل گئے۔

باہر نکل کر برجیس نے آفاق سے کہا کہ کسی ایک بہن کے پیچھے سوار ہو جاؤ،اگر میں تمہارے ساتھ سوار ہوا تو ایک گھوڑے پر دو مردوں کا وزن زیادہ ہو جائے گا۔ہمارا سفر لمبا ہے۔آفاق ایک بہن کے پیچھے سوار ہو گیا۔دوسری سے اُس نے کہا کہ وہ سواری سے ڈرے نہیں۔گھوڑا اسے گرائے گا نہیں۔انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔برجیس کو معلوم تھا کہ راستے میں صلیبی فوج خیمہ زن ہے۔اسے یہ بھی معلوم تھا کہ کون سی جگہ فوج نہیں ہے۔وہ اُس سمت ہولیا۔کرک کے بھاگے ہوئے لوگ اِدھر اُدھر بکھرتے جا رہے تھے۔شعلوں کی روشنی دُور دُور تک جا رہی تھی۔آفاق اور لڑکیوں کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں کس طرح رہا کرایا گیا ہے۔برجیس خاموش تھا۔وہ اگر بولتا تو صرف اتنا کہ آفاق سے اس کی خیریت پوچھتا تھا اور اس

کی جو بہن گھوڑے پر اکیلی سوار تھی، اس سے پوچھ لیتا تھا کہ وہ ڈر تو نہیں رہی۔ کرک کے شعلے پیچھے ہٹتے جا رہے تھے اور رات گھوڑوں کی رفتار کے ساتھ گزرتی جا رہی تھی۔

☆

صبح طلوع ہوئی تو برجیس سلطان ایوبی کی فوج کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس نے ایک کمان دار سے اپنا تعارف کرایا اور سلطان ایوبی کے متعلق پوچھا کہ کہاں ہوگا۔ کمان دار اُسے اپنے دستوں کے کمان دار کے پاس لے گیا، جس نے اسے بتا دیا کہ سلطان ایوبی کہاں ہو سکتا ہے۔ برجیس اپنی اس کامیابی پر بے حد خوش تھا۔ اُس نے صرف لڑکیوں کو صلیبیوں سے آزاد نہیں کرایا تھا، بلکہ کرک میں آتش زنی جیسی تخریبی کارروائی کر کے صلیبی فوج کے غیر مسلم شہریوں کے جذبے پر خوف طاری کر آیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کو یہ مشورہ دینا چاہتا تھا کہ کرک پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔

کرک کی صبح بڑی بھیانک تھی۔ شعلوں کی بلندی اور تندی ختم ہو گئی تھی، لیکن آگ ابھی تک سلگ رہی تھی۔ صلیبی فوج کی رسد اور جانوروں کا تمام تر خشک چارہ جل گیا تھا۔ خیموں کے علاوہ بے شمار جنگی سامان نذرِ آتش ہو گیا تھا۔ کچھ اونٹ زندہ جل گئے تھے۔ تمام گھوڑے اور اونٹ رات بھر دوڑ دوڑ کر تھک گئے اور اب سارے شہر میں آوارہ پھر رہے تھے۔ جگہ جگہ ان لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں، جو بے لگام گھوڑوں اور بے مہار اونٹوں کی زد میں آ کر کچلے گئے تھے۔ فوجی اور قیدی ابھی تک کنوؤں سے پانی لا لا کر آگ پر پھینک رہے تھے۔ صلیبی حکام ابھی تک یہ سمجھ رہے تھے کہ سلطان ایوبی کی فوج اندر آ گئی ہے، لیکن وہاں ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ انہوں نے قلعے کی دیواروں پر جا کر ہر طرف دیکھا۔ باہر صلیبیوں کی اپنی فوج قلعے کے اِردگرد موجود تھی۔ اسلامی فوج کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ اب یہ تفتیش کرنی تھی کہ آگ کس طرح لگی۔

اُس سنتری کی لاش ملی جسے لڑکیوں نے خنجروں سے ہلاک کیا تھا، لیکن گھوڑوں اور اونٹوں نے اُسے ایسی بُری طرح روندا تھا کہ خنجروں کے زخم پہچانے نہیں جاتے تھے۔ اس سے تھوڑی دور چار زنانہ لاشیں ملیں۔ یہ اُس میدان میں پڑی ہوئی تھیں، جہاں گھوڑے اور اونٹ باندھے جاتے تھے۔ یہ تفتیش کرنے والا حاکم کوئی معمولی آدمی نہیں، بلکہ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر ہرمن تھا۔ اس میدان میں لاشیں تو اور بھی پڑی تھیں لیکن اسے چار عورتوں کی لاشیں ملیں۔ ان کے چہرے گھوڑوں کے پاؤں تلے آ آ کر مسخ ہو گئے تھے۔ جسم کا کوئی حصہ سلامت نہیں تھا۔ یہ لاشیں ایک دوسری سے دُور دُور پڑی تھیں۔ ان کے کپڑے تار تار ہو گئے تھے۔ خاک و خون میں اُن کا اصل رنگ نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا ہی پتا چلتا تھا کہ یہ زنانہ کپڑے ہیں۔ لاشیں دیکھ کر بھی یہ ثبوت ملتا تھا کہ یہ عورتوں کی ہیں۔ سب کے جسموں سے کھال اُکھڑی ہوئی اور کئی جگہوں سے گوشت باہر آیا ہوا تھا۔ کئی ہڈیاں ننگی ہو گئی تھیں اور ٹوٹی ہوئی بھی تھیں۔ ہر لاش کے گلے میں زنجیر اور زنجیر کے ساتھ ایک چھوٹی صلیب بندھی ہوئی تھی۔ یہ صلیبیں اس امر کا ثبوت تھا کہ عورتیں عیسائی تھیں۔

ہرمن اور فوجی افسر حیران تھے کہ عورتوں کی لاشیں یہاں کیوں پڑی ہیں۔ یہ فوجی علاقہ تھا اور اُس طرف سے کسی شہری کو گزرنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی یہ عام گزرگاہ تھی۔ یہ تو جانوروں اور رسد وغیرہ کی جگہ تھی، وہاں چند اور لاشیں بھی پڑی تھیں، وہ فوجیوں کی تھیں۔ عورتیں رات کے وقت اِدھر کیوں آئیں؟...... اس سوال کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ صرف قیاس آرائی کی جا سکتی تھی جو کی گئی۔ کہا گیا کہ فوجی پیشہ ور عورتوں کو اِدھر لے آئے ہوں گے، مگر اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ آگ کس طرح لگی۔ شہر کے مسلمانوں پر شک کیا جا سکتا تھا، لیکن مجرموں کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔ حکم دے دیا گیا کہ خفیہ پولیس اور فوج کے سراغ رساں شہر میں مشتبہ مسلمانوں کی چھان بین کریں اور جس پر ذرا سا بھی شک ہو اُسے قید میں

ڈال کر اذیت رساں تحقیقات کریں۔

النور اور اس کی تینوں لڑکیوں کے گھر والے بہت پریشان تھے۔لڑکیاں واپس نہیں آئی تھیں۔ڈر یہ تھا کہ پکڑی نہ گئی ہوں۔انہوں نے اپنا فرض مکمل کامیابی سے ادا کیا تھا،لیکن وہ ابھی تک لاپتہ تھیں۔عثمان صارم اور اس کے دوست ان تماشائیوں کے ہجوم میں جا کھڑے ہوئے جو آتش زدہ جگہ کھڑے تھے۔وہاں انہیں پتا چلا کہ چار عورتوں کی لاشیں ملی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ چار عورتوں کی لاشیں فلاں جگہ رکھ دی گئی ہیں۔تمام شہری انہیں دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کریں۔ تماشائیوں کا ہجوم اُدھر چلا گیا۔عثمان صارم اور اُس کے دوستوں نے اکٹھی رکھی ہوئی چار لاشوں کو دیکھا۔ان کی صلیبیں اُن کے سینوں پر رکھ دی گئی تھیں۔کوئی بھی کسی لاش کو نہ پہچان سکا۔پہچاننے کے لیے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔چہروں سے بھی کھال اُتری ہوئی تھی۔بعض کے چہرے اندر کو پچک گئے تھے۔

عثمان صارم کے آنسو نکل آئے۔وہ تماشائیوں میں سے نکل گیا۔اُس کے دوست بھی اُس سے جا ملے۔ان سب کو معلوم تھا کہ یہ لاشیں کن کی ہیں۔ان میں ایک عثمان صارم کی بہن النور کی لاش تھی۔باقی تین لاشیں اس کی سہیلیوں کی تھیں۔چاروں رات کو اپنا فرض ادا کر کے شہید ہو گئی تھیں۔ان کی شہادت کا عینی شاہد کوئی بھی نہیں تھا۔لاشوں کی حالت جو کہانی بیان کرتی تھی وہ کچھ اس طرح ہو سکتی تھی کہ ان لڑکیوں نے سنتری کو ہلاک کر کے آگ لگائی۔بعد میں گھوڑوں کے رسّے کاٹے اور انہی گھوڑوں کی بھگدڑ کی زد میں آ گئیں۔معلوم نہیں کتنے سو گھوڑے اور اونٹ لاشوں کو روندتے رہے۔دو لڑکیوں کی عصمت بچانے کے لیے چار لڑکیاں قربان ہو گئیں۔برجیس نے اپنے ہاتھوں ان لڑکیوں کے گلوں میں صلیبیں لٹکائی تھیں تاکہ بوقت ضرورت وہ صلیبیں دکھا کر ظاہر کر سکیں کہ وہ عیسائی ہیں۔

ان لڑکیوں کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔انہیں صلیبیوں نے عیسائی سمجھ کر اپنے قبرستان میں کہیں دفن کر دیا۔ان کے لواحقین نے ماتم نہیں کیا۔ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی گئی۔گھروں میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔چاروں لڑکیوں کے باپوں نے ایک ہی جیسے جذبات کا اظہار کیا۔انہوں نے کہا کہ اسلام کے نام پر وہ چار بیٹے قربان کرنے کو تیار ہیں،مگر اُن سے جو قربانی لی جانے لگی وہ بڑی ہی اذیت ناک تھی۔صلیبی فوج نے تمام مسلمان گھروں کی خانہ تلاشی شروع کر دی۔خطرہ تھا کہ جو ہتھیار انہوں نے گھروں میں چھپا رکھے ہیں،وہ پکڑے جائیں گے۔سب نے ہتھیار اندرونی کمروں کے فرش کھود کر دبا دیئے۔دوسرا خطرہ یہ تھا کہ جو چار لڑکیاں شہید ہو گئی تھی،ان کے متعلق جواب دینا مشکل تھا کہ کہاں چلی گئی ہیں۔آگ کی رات کے دوسرے ہی دن امام کو جب لڑکیوں کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو اس نے پہلی بات یہ کہی......

''تمہارے غیر مسلم پڑوسی اور مسلمان مخبر ضرور پوچھیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں تو کیا جواب دو گے؟''

امام دانش مند اور دُور اندیش انسان تھا۔اس نے گہری سوچ کے بعد کہا......''چاروں لڑکیوں کے باپ اور بھائی میرے ساتھ آئیں''......وہ آ گئے تو اُس نے سب کو ایک طریقہ بتایا اور کچھ باتیں ذہن نشین کرائیں۔وہ سب کو صلیبیوں کی انتظامیہ کے دفتر میں لے گیا اور وہاں کے سب سے بڑے حاکم سے ملاقات کی اجازت لے کر بڑے غصے اور جذباتی لہجے میں کہا......''میں ان لوگوں کا امام ہوں۔یہ میرے پاس فریاد لے کر آئے ہیں کہ رات آگ لگی تو یہ سب آگ بجھانے کے لیے اُٹھ دوڑے۔یہ رات بھر کنوؤں سے پانی نکالتے رہے۔شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔یہ لوگ صبح کے وقت گھروں کو گئے تو انہیں پتا چلا کہ آپ کی فوج کے کچھ آدمی ان کے گھروں میں گھس گئے اور ان کی کنواری لڑکیاں اُٹھا کر لے گئے۔ہماری چار لڑکیاں لاپتہ ہیں''۔

''ہماری فوج پر الزام لگانے سے پہلے سوچ لو''...... صلیبی حاکم نے رعب سے کہا۔

''جناب! میں مذہبی پیشوا ہوں''...... امام نے کہا...... ''میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں دھتکار سکتے ہیں اور اپنی فوج کو بے گناہ کہہ سکتے ہیں لیکن خدا سے آپ کوئی اچھا بُرا عمل نہیں چھپا سکتے۔ آپ ہمارے حاکم ہیں۔ خدا تو نہیں۔ ان لوگوں نے آپ کی فوج کو نقصان سے بچانے کے لیے ساری رات آگ سے لڑائی لڑی۔ آپ انہیں یہ صلہ دے رہے ہیں کہ یہ بھی تسلیم نہیں کرنا چاہتے کہ ان کی لڑکیوں کو آپ کے فوجی اُٹھالے گئے ہیں''۔

کچھ دیر کی بحث کے بعد حاکم نے انہیں کہا کہ ان لڑکیوں کو تلاش کیا جائے گا۔ امام اُس سے یہی کہلوانا چاہتا تھا۔ باہر آ کر جب وہ واپسی کے لیے چلے تو امام نے سب سے کہا کہ اب یہی مشہور کر دو کہ رات ان کی لڑکیاں اغوا ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہی مشہور کر دیا گیا۔ ان کے پڑوس میں رہنے والے غیر مسلموں نے یقین کر لیا۔ رات شہر کی حالت ہی ایسی تھی کہ لوٹ مار اور اغوا آسانی سے کی جا سکتی تھی۔

☆

برجیس سلطان ایوبی کے خیمے میں بیٹھا تھا۔ آفاق کی مرہم پٹی سلطان ایوبی کا جرّاح کر چکا تھا۔ آفاق کی دونوں بہنیں بھی خیمے میں بیٹھی تھیں۔ برجیس رات کا کارنامہ سنا چکا تھا۔ سلطان ایوبی بار بار لڑکیوں کو دیکھتا تھا۔ ہر بار اُس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ برجیس نے کہا کہ وہ کرک کو ایسی افراتفری اور بھگدڑ میں چھوڑ آیا ہے کہ فوری طور پر حملہ کیا جائے تو حملہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ شہر میں فوجوں کے لیے رسد نہیں رہی۔ جانوروں کے لیے چارہ نہیں رہا۔ جانور ڈرے ہوئے ہیں۔ شہر پر خوف طاری ہے۔ فوج بھی ڈری ہوئی ہے۔

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ بہت دیر بعد اُس نے سر اُٹھایا اور اپنے نائبین اور مشیروں کو بلایا۔ اس نے پہلا حکم یہ دیا کہ ان لڑکیوں اور ان کے بھائی کو قاہرہ روانہ کر دیا جائے اور ان کی رہائش اور وظیفے کا انتظام کیا جائے۔

''آپ میری بہنوں کو اپنی عافیت میں لے لیں''...... آفاق نے کہا...... ''میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ مجھے اپنی فوج میں شامل کر لیں۔ مجھے اپنی ماں اور باپ کے خون کا انتقام لینا ہے۔ اگر آپ مجھے کرک میں داخل کر سکیں تو میں اندر تباہی مچا دوں گا''۔

''جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''بڑی لمبی تربیت کی ضرورت ہے۔ تم صرف اپنی ماں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کو بے تاب ہو، مجھے ان تمام باپوں اور تمام بیٹیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جو صلیبی درندوں کا شکار ہوئی ہیں۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کرو''۔

آفاق کی جذباتی حالت ایسی تھی کہ سلطان ایوبی اسے زبردستی قاہرہ بھیجنے سے گریز کرنے لگا۔ اسے کہا کہ پہلے اپنا علاج کرائے، صحت یاب ہو جائے پھر اس کی خواہش پوری کر دی جائے گی...... اتنے میں نائب سالار اور اعلیٰ کمان دار آگئے۔ ان میں زاہدان بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے آفاق اور اُس کی بہنوں کو باہر بھیج دیا۔ اُس نے اجلاس میں یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا کرک کو فوراً محاصرے میں لے لیا جائے؟...... اُس نے سب کو کرک کی اُس وقت کی کیفیت بتائی۔ اس مسئلے پر بحث شروع ہو گئی۔ زاہدان نے اپنے جاسوسوں اور رپورٹوں کی روشنی میں کہا کہ صلیبی فوج صرف کرک میں نہیں باہر بھی ہے اور اس کا ایک حصہ ایسی پوزیشن میں ہے جو ہماری فوج کا محاصرہ باہر سے توڑ دے گا۔ انہوں نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ رسد کی آمدورفت کی حفاظت کے لیے ان کی پوری فوج موجود ہے۔ اگر ان کے پاس وقتی طور پر رسد کی کمی آگئی ہے تو یہ سمجھ

کر حملہ کرنا کہ ہمارا محاصرہ کامیاب ہوگا، محض خوش فہمی ہے۔اُن کے پاس صرف وہی رسد اور سامان نہیں تھا جو جل گیا ہے۔ ان کی ہر ایک فوج کے ساتھ اپنی اپنی رسد اور سامان موجود ہے اور اُن کی نفری ہم سے پانچ چھ گنا ہے۔

اجلاس کے دوسرے شرکاء نے اپنے اپنے مشورے پیش کیے۔ان کی اکثریت فوری حملے کے حق میں تھی اور بعض نے انتظار کی تجویز پیش کی۔تجاویز اور مشورے جیسے کیسے بھی تھے سلطان ایوبی نے سنے۔اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کمانڈروں کا جذبہ شدید تھا۔ان میں بیشتر نے کہا کہ حملہ جلدی کریں یا دیر سے۔یہ پیش نظر رکھیں کہ ایک بار حملہ کر کے یہ نہ سننا پڑے کہ محاصرہ اُٹھالو، کیونکہ ہم کمزور ہیں۔سلطان ایوبی خاموشی سے سنتا رہا۔اس نے آخر میں فوج کے جذبے اور دیگر کوائف کے متعلق پوچھا۔اُسے تسلی بخش جواب ملا۔

''میں جلدی حملہ کرنا چاہتا ہوں''...... آخر میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''لیکن میں جلد بازی کا قائل نہیں۔میرے سامنے صرف کرک کا قلعہ بند شہر نہیں بلکہ صلیبیوں کی وہ تمام فوج ہے جو انہوں نے باہر پھیلا رکھی ہے۔ زاہدان نے ٹھیک کہا ہے کہ کرک کے اندر تباہی سے ہمیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔تاہم حملہ جلدی ہوگا۔فاصلہ زیادہ نہیں۔ایک ہی رات میں ہمارے دستے کرک تک پہنچ سکتے ہیں، مگر انہیں ایک جنگ قلعے سے باہر لڑنی پڑے گی۔کوچ سے بیشتر ہمیں کرک کے مسلمانوں کو تیار کرنا پڑے گا۔مجھے اندر کی جو تازہ اطلاعیں ملی ہیں، وہ یہ ہیں کہ وہاں کے مسلمان در پردہ ایک جماعت کی صورت میں منظم ہو چکے ہیں۔اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ محاصرے کی صورت میں شہر میں تخریب کاری کریں گے۔ان کی لڑکیاں بھی میدان میں نکل آئی ہیں۔صرف چار لڑکیوں نے صلیبیوں کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ پچاس پچاس نفری کے چار دستے بھی نہیں پہنچا سکتے۔ہم کوشش کریں گے کہ شہر میں اپنے چھاپہ مار بھی داخل کر دیں''۔

''مداخلت کی معافی چاہتا ہوں''...... برجیس نے کہا...... ''اگر چھاپہ مار بھیجنے ہیں تو فوراً بھیجئے۔کرک کے جو شہری بھاگ گئے ہیں، وہ یقیناً واپس جائیں گے۔ان کے پردے میں چھاپہ مار داخل کیے جاسکتے ہیں۔اس کے بعد ممکن نہیں ہوگا۔آتش زنی کے واقعہ کے بعد صلیبی محتاط ہو جائیں گے اور شہر کے تمام دروازے بند کر دیں گے۔مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے ساتھ آج ہی روانہ ہو جاؤں۔وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جائیں۔وہاں سے ہتھیار مل جائیں گے۔''

آخر فیصلہ یہ ہوا کہ آج ہی رات چھاپہ مار برجیس کی قیادت میں روانہ کر دیے جائیں۔جہاں تک گھوڑے لے جاسکتے ہیں، وہاں تک گھوڑوں پر جائیں۔آگے پیدل جائیں۔گھوڑے واپس لانے کے لیے کچھ آدمی ساتھ بھیج دیے جائیں۔اُسی وقت زاہدان سے کہا گیا کہ وہ برجیس کی ہدایات کے مطابق چھاپہ ماروں کو شہری لباس مہیا کرنے اور شام کے بعد روانہ کر دے۔سلطان ایوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کو جنگی نوعیت کی ہدایات دیں اور خاص طور پر کہا...... ''یہ یاد رکھنا کہ جس فوج سے ہم حملہ کرا رہے ہیں۔یہ وہ فوج نہیں جس نے شوبک فتح کیا تھا۔یہ فوج مصر سے آئی ہے جس میں دشمن نے بے اطمینانی پھیلائی تھی۔اس فوج کو محاصرے میں لڑنے کا تجربہ نہیں۔کمان داروں کو چوکنا رہنا پڑے گا۔مجھے شک ہے کہ اس فوج میں تخریبی ذہن کے سپاہی بھی ہیں۔میں نے جو دستے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، وہ ترک اور شامی ہیں اور نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کو بھی اپنے پاس محفوظ میں رکھوں گا۔حالات تمہارے خلاف ہو گئے تو گھبرا کر پیچھے نہ ہٹ آنا۔میں تمہارے پیچھے موجود رہوں گا...... اور یہ بھی یاد رکھو کہ کرک کے مسلمانوں کے ساتھ اُمیدیں وابستہ نہ کیے رکھنا۔ان کے لیے جو ہدایات بھیج رہا ہوں، وہ ایسی ہرگز نہیں ہوں گی کہ یہ اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال لیں کہ ان کی مستورات کی عزت بھی محفوظ نہ رہے۔میں ان سے اتنی زیادہ قربانی نہیں مانگوں گا۔وہ محکوم اور مجبور ہیں۔ظلم و تشدد کا شکا

ہیں۔ ہم اُن کی آزادی اور نجات کے لیے جارہے ہیں، ان کے بھروسے پر نہیں جارہے''۔

☆

چار پانچ دنوں تک کرک میں یہ کیفیت رہی کہ مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے پڑ رہے تھے۔ کئی مسلمان محض شک میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔ بیگار کیمپ کے جن قیدیوں کو اس وعدے پر آگ بجھانے کے لیے لے گئے تھے کہ انہیں رہا کر دیا جائے گا، اُنہیں رہا نہیں کیا گیا تھا۔ صلیبیوں نے مظالم کا ایک نیا دور شروع کر دیا تھا۔ ان کا نقصان معمولی نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے سوا یہ دلیرانہ تخریب کاری اور کوئی نہیں کر سکتا۔ گرفتار ہونے والوں میں عثمان صارم کے دو دوست بھی تھے جو لڑکیوں کو رہا کرانے کے لیے اُن کے ساتھ تھے۔ انہیں درندوں کی طرح اذیتیں دی جارہی تھیں۔ صلیبی بربریت کی حدوں سے بھی آگے نکل گئے تھے، مگر انہیں کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ صرف یہ دو کم عمر لڑکے تھے جن کے سینوں میں سراغ تھا، لیکن ان کی زبانیں بند تھیں۔ ان کے جسموں میں کچھ نہیں رہا تھا۔ چکر شکنجے میں کَس کَس کر اور جھٹکے دے دے کر اُن کے جوڑ الگ کر دیئے گئے تھے، لیکن لڑکے خاموش تھے۔

آخر ہرمن خود قید خانے میں گیا۔ اس کی توجہ بھی ان دو لڑکوں پر تھی۔ اسے مسلمان مخبروں نے بتایا تھا کہ آتش زنی میں ان دو لڑکوں کا بھی ہاتھ ہے۔ مسلمان مخبر دو تھے۔ دونوں ان لڑکوں کے پڑوسی تھے۔ وہ معمولی سی حیثیت کے آدمی ہوا کرتے تھے، لیکن اب گھوڑا گاڑیوں میں سواری کرتے تھے اور صلیبیوں کے درباری بن گئے تھے۔ وہ صلیبی حاکموں کو گھروں میں بھی مدعو کرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ بٹھاتے اور فخر کرتے تھے۔ ان کی دو دو تین تین بیویاں تھیں اور وہ شراب بھی پیتے تھے۔ انہوں نے ان دو لڑکوں کو آتش زنی کی رات کہیں مشکوک حالت میں دیکھا تھا اور انہیں گرفتار کرا دیا۔ ہرمن نے قید خانے میں ان دونوں نوجوانوں کی حالت دیکھی تو اُس نے محسوس کیا کہ نزع کی حالت میں پہنچ کر بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا تو یہ کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔ ان کے جسم عادی ہو چکے ہیں۔ وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ انہیں بڑا اچھا کھانا کھلایا۔ پیار اور شفقت سے پیش آیا۔ ڈاکٹروں کو بلا کر انہیں دوائی پلائی اور تشدد کے زخموں اور چوٹوں کا علاج کرایا۔ پھر انہیں سلا دیا۔ وہ فوراً ہی گہری نیند سو گئے۔

ہرمن دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ان میں سے ایک نوجوان صاف الفاظ میں بڑبڑانے لگا۔ ''میں کیا جانوں؟ میرا جسم کاٹ دو۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اگر کچھ معلوم ہوگا تو کبھی نہیں بتاؤں گا۔ تم گردن کے ساتھ صلیب باندھتے ہو، میں نے قرآن کی ایک آیت باندھی ہوئی ہے''۔

''تم نے آگ لگائی تھی'' ...... ہرمن نے کہا ...... ''تم نے صلیبیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ تم بہادر ہو۔ مر گئے تو شہید کہلاؤ گے''۔

''اگر مر گیا تو'' ...... نوجوان بڑبڑایا ...... ''اگر مر گیا تو۔ جب تک جسم میں جان ہے۔ اس جان میں ایمان بھی رہے گا۔ جان نکل جائے گی، ایمان نہیں نکلے گا''۔

ہرمن نے اس کے سوئے ہوئے ذہن میں اپنے مطلب کی باتیں ڈالنے کی بہت کوشش کی لیکن نوجوان کے ذہن نے قبول نہ کیں۔ اتنے میں دوسرا لڑکا بھی بڑبڑانے لگا۔ ہرمن نے اس کی طرف توجہ دی۔ اسی طرح اُس کے ذہن میں بھی باتیں ڈالیں جو اُس نوجوان نے اُگل دیں۔ ہرمن کے ساتھ اُس کے تین چار سراغ رساں بھی تھے۔ اُس نے بہت دیر کی کوشش کے بعد آہ بھری اور کہا ...... ''مزید کوشش بے کار ہے۔ ان کی زبان سے تم کوئی راز نہیں اُگلوا سکو گے۔ یہ بے گناہ

معلوم ہوتے تھے، مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اپنے عقیدے اور جذبے کے پکے ہیں۔ میں نے انہیں مرغن کھانوں میں اتنی زیادہ حشیش کھلائی ہے جتنی گھوڑے کو کھلا دو تو وہ بھی باتیں کرنے لگے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا قومی جذبہ جسے یہ لوگ ایمان کہتے ہیں ان کی روحوں میں اُترا ہوا ہے۔ تم ان کی روحوں پر کوئی نشہ طاری نہیں کر سکتے۔ دوسری صورت یہی ہے کہ یہ بے گناہ ہوں گے''۔

وہ بے گناہ نہیں تھے۔ وہ آتش زنی اور لڑکیوں کو آزاد کرانے کی مہم میں شریک تھے۔ صلیبی جسے گناہ اور جرم کہہ رہے تھے، وہ مسلمان کے لیے عظیم نیکی اور جہاد تھا جو ان لڑکوں نے روح اور ایمان کی قوت سے کیا تھا۔ حشیش نے انہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ ان کی عقل کو سُلا دیا تھا مگر ان کی روحیں بیدار تھیں۔ صلیبی ان کی زبان سے ہلکا اشارہ بھی نہ لے سکے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ لڑکے بے قصور ہیں۔ یہ صلیبیوں کی مجبوری تھی...... ان لڑکوں کی آنکھ کھلی تو باہر ویرانے میں پڑے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں بے ہوشی کی حالت میں دُور لے جا کر پھینک دیا۔ وہ اُٹھے، ایک دوسرے کو دیکھا اور گھروں کو چل دیئے۔

جو عیسائی اور یہودی باشندے آتش زنی کی رات شہر سے نکل گئے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر کہ کوئی حملہ نہیں ہوا اور امن وامان ہے تو واپس آنے لگے۔ صلیبیوں کی فوج جو باہر خیمہ زن تھی، اُس نے بھی انہیں یقین دلایا کہ کوئی حملہ نہیں ہوا۔ وہ چلے چلے جائیں۔ چنانچہ ایک حکم کے تحت شہر کے دو دروازے ان لوگوں کے لیے کھلے رکھے گئے جو واپس آ رہے تھے۔ لوگ کنبہ در کنبہ چلے آ رہے تھے...... اور انہی میں برجیس بھی کرک میں داخل ہو گیا اور اس کے ساتھ سلطان ایوبی کے پندرہ چھاپہ مار بھی شہر میں داخل ہو گئے۔ کرک کے لوگوں نے دیکھا کہ وہ چپ چاپ اور غریب سا موچی جو دُنیا کے ہنگاموں سے بے خبر راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کیا کرتا تھا، تین دنوں کی غیر حاضری کے بعد پھر راستے میں آ بیٹھا ہے۔ اُس نے رات ہی رات پندرہ چھاپہ ماروں کو عثمان صارم اور اس کے نوجوان ساتھیوں کی مدد سے مسلمان گھرانوں میں چھپا دیا تھا۔ ان میں اب کوئی کسی دکان میں ملازم تھا، کوئی صلیبیوں کے اصطبل کا سائیس بن گیا تھا، کوئی مذہب کے طالب علم کے روپ میں مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔

انہیں اب یہ دیکھنا تھا کہ سلطان ایوبی کے حملے کی صورت میں وہ اندر سے کیا کر سکتے ہیں۔ کرنے والا کام صرف یہ تھا کہ کہیں سے قلعے کی دیوار میں اتنا بڑا شگاف پیدا کریں کہ اس میں سے گھوڑے بھی اندر آ سکیں یا قلعے کا کوئی دروازہ کھول سکیں۔ وہ انہی کاموں کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے۔ عثمان صارم نے اپنی نوجوان جماعت میں اضافہ کر لیا تھا۔ لڑکیاں بھی تیار ہو گئی تھیں، مگر ریٰنی الیگزینڈر سائے کی طرح عثمان صارم کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اُسے راستے میں روک لیتی تھی، اُس کے گھر چلی جاتی تھی اور ایک روز اس نے عثمان صارم سے پوچھا...... ''عثمان! النور کہاں ہے؟''

''تمہاری قوم کے کسی گناہ گار کے پاس''...... عثمان صارم نے جل کر جواب دیا...... ''اُس پر اللہ کی لعنت''۔

''رحمت کہو عثمان!''...... ریٰنی نے کہا...... ''تم ہمارے خلاف لڑ کر مرنے والوں کو شہید کہا کرتے ہو۔ النور شہید ہو گئی ہے''۔

''عثمان صارم چکرا گیا۔ اُسے کوئی جواب نہ بن پڑا''۔

''اور اُن دو لڑکیوں کو اُٹھانے والوں میں تم بھی تھے۔'' ریٰنی نے کہا...... ''لیکن تم ابھی تک گرفتار نہیں ہوئے۔ میں نے کہا تھا نا کہ تمہاری قید اور آزادی کے درمیان میرا وجود حائل ہے...... کہو۔ اور کتنی قربانی مانگتے ہو''۔

عثمان صارم آخر نوجوان تھا۔ جسم میں جتنا جوش اور جذبہ تھا، اتنی عقل نہیں تھی۔ وہ دانش مند نہیں تھا۔ ریٰنی کی باتوں نے اسے پریشان کر دیا۔ اُس نے جھنجھلا کر پوچھا...... ''ریٰنی! تم کیا چاہتی ہو؟''

''ایک یہ کہ میری محبت قبول کرلو'' ...... رینی نے جواب دیا ...... ''دوسرا یہ کہ ان زمین دوز حرکتوں سے باز آجاؤ''۔

''تم اپنی قوم اور اپنی حکومت سے محبت کرتی ہو''۔عثمان صارم نے کہا ...... ''اگر تمہارے دل میں میری محبت اتنی ہی شدید ہے تو میری قوم سے ہمدردی کیوں نہیں کرتی؟''

''مجھے نہ اپنی قوم سے محبت ہے نہ تمہاری قوم سے''۔رینی نے کہا ...... ''میں تمہیں خطرناک کارروائیوں سے صرف اس لیے روک رہی ہوں کہ تم مارے جاؤ گے۔حاصل کچھ بھی نہ ہوگا۔میں جذباتی نہیں، حقیقت کی بات کر رہی ہوں کہ سلطان ایوبی کرک فتح نہیں کر سکے گا۔اپنے باپ کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق بات کر رہی ہوں۔جنگ محاصرے کی نہیں ہوگی، باہر کرک سے دُور ہوگی۔ہمارے کمانڈر سلطان ایوبی کی چالیں سمجھ گئے ہیں۔شوبک کی شکست سے انہوں نے سبق حاصل کرلیا ہے۔اب کرک کے محاصرے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔اگر تم لوگوں نے شہر کے اندر سے کوئی کارروائی کی تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مارے جاؤ گے یا گرفتار ہو کر باقی عمر ناقابلِ برداشت اذیتوں میں گزارو گے۔میں تمہیں صرف زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتی ہوں''۔

عثمان صارم سر جھکائے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔اسے رینی کی آواز سنائی دی ...... ''سوچو عثمان! سوچو۔میری باتیں ایک غیر قوم کی لڑکی کی باتیں سمجھ کر ذہن سے اُتار نہ دینا''۔

☆

''میں آپ سب کو ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ یہ کرک ہے شوبک نہیں۔'' سلطان ایوبی نے اپنے کمانڈروں کو آخری ہدایات دیتے ہوئے کہا ...... ''صلیبی چوکنے اور بیدار ہیں۔میری جاسوسی مجھے بتا رہی ہے کہ ہمیں ایک جنگ کرک سے باہر لڑنی پڑے گی۔شہر کے اندر سے مسلمانوں نے کوئی زمین دوز کارروائی کی تو شاید وہ ہمارے کام نہیں آسکے گی۔اس کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بے چارے مارے جائیں گے۔میں انہیں اتنے بڑے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔انہیں بچانے کی ایک ہی صورت ہے کہ حملہ تیز اور بہت سخت کرو'' ...... ایسے ہی چند اور ضروری احکامات کے بعد سلطان ایوبی نے اُس فوج کو کوچ کا حکم دے دیا جسے کرک کا محاصرہ کرنا تھا۔

کوچ سورج غروب ہونے کے بعد کیا گیا۔فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔صبح طلوع ہونے تک فوج کرک کے مضافات میں پہنچ گئی، جہاں سے محاصرے کی ترتیب میں آگے بڑھی۔اس فوج کے سالار کے لیے یہ ایک عجوبہ تھا کہ راستے میں اُسے صلیبیوں کا کوئی ایک دستہ بھی نظر نہ آیا۔اُسے بتایا گیا تھا کہ صلیبیوں نے باہر بھی فوج خیمہ زن کر رکھی ہے۔اسے ایسے راستے سے بھیجا گیا تھا جس طرف صلیبیوں کی فوج نہیں تھی۔پھر بھی مزاحمت ضروری تھی جو بالکل ہی نہ ہوئی۔مسلمانوں کی اس فوج نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔قلعے کی دیواروں سے تیروں کی بارش برسنے لگی۔سلطان ایوبی کی فوج نے اس کے جواب میں کوئی شدید کارروائی نہ کی۔اس کے کمان دار اِدھر اُدھر سے دیواروں پر چڑھنے یا نقب لگانے یا کسی دروازے کو توڑ کر اندر جانے کے امکانات دیکھتے پھر رہے تھے۔انہوں نے تیر اندازوں کو بھی خاموش رکھا۔ان کے ساتھ وہ جاسوس تھے جو شہر سے واقف تھے۔وہ انہیں بتا رہے تھے کہ اندر کوئی سی اہم جگہ کہاں ہے۔

شہر کے اندر ابھی کسی کو خبر نہیں ملی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کرلیا ہے، لیکن یہ محاصرہ ابھی مکمل نہیں تھا۔عقب ابھی خالی تھا جہاں دو دروازے تھے۔اچانک قلعے کے اندر فوجی علاقے میں آگ برسنے لگی۔یہ آتش گیر مادے والی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی ایجاد تھی۔یہ منجنیقوں سے اندر پھینکی جا رہی تھیں۔شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی فوج قلعے کی دیوار پر چڑھ گئی اور باہر کو تیر پہ تیر چلا رہی تھی۔شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔عیسائی اور یہودی باشندوں

گھروں میں دبک گئے۔ مسلمان باشندے دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ وہ سلطان ایوبی کی فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ کچھ مسلمان ایسے تھے جو دعاؤں کے ساتھ بڑی خطرناک سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ یہ وہاں کے نوجوان تھے، جن میں لڑکیاں بھی تھیں اور ان میں سلطان ایوبی کے پندرہ چھاپہ مار بھی تھے۔ شہر کی افراتفری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ کہیں اکٹھے ہو گئے اور قلعے کے بڑے دروازے کو اندر سے کھولنے یا توڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دروازہ بہت مضبوط اور موٹی لکڑی کا تھا جس پر لوہے کی موٹی موٹی پتریاں بھی مڑھی ہوئی تھیں۔ اُسے توڑنا آسان نہیں تھا۔ باہر سے مسلمان فوج نے دروازے پر منجنیقوں سے ہانڈیاں پھینکیں۔ یہ دوسری قسم کی تھیں۔ یہ ٹوٹتی تھیں تو ان میں سے سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔ اس پر فلیتے والے آتشیں تیر چلائے جاتے تو سیال مادہ کو آگ لگ جاتی تھی۔ اس طریقے سے دروازے کو آگ لگائی گئی لیکن لوہے نے لکڑی کو نہ جلنے دیا۔ دروازہ بہت ہی مضبوط تھا۔ اوپر سے صلیبیوں نے وہ تیر برسانے شروع کر دیئے جو بہت دُور تک جاتے تھے۔ یہ منجنیقوں تک پہنچ گئے جن سے کئی آدمی زخمی اور شہید ہو گئے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے منجنیقیں پیچھے کر لی گئیں اور آگ پھینکنے کا طریقہ ناکام ہو گیا۔

آخر مسلمان تیر اندازوں کو حکم دیا گیا کہ قلعے کی دیواروں پر جو دشمن کے سپاہی ہیں، اُن پر تیر برسائیں۔ سارا دن دونوں طرف سے تیر انداز ہوتی رہی۔ ہوا میں صرف تیر اُڑتے نظر آتے تھے۔ صلیبی دفاعی پوزیشنوں میں تھے اور دیواروں کی بلندی پر بھی تھے، اس لیے زیادہ نقصان مسلمان فوج کا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے نقب زن جو قلعوں کی دیواریں توڑنے کے ماہر تھے، ہر طرف گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ دیوار میں کہاں شگاف ڈالا جا سکتا ہے، وہاں چاروں طرف سے اتنے تیر آرہے تھے کہ دیوار کے قریب جانا خودکشی کے برابر تھا۔ شام سے کچھ دیر پہلے نقب زنوں کی آٹھ آدمیوں کی ایک جماعت آگے بڑھی۔ یہ جانباز جب دیوار سے تھوڑی دُور رہ گئے تو اوپر سے اُن پر اس قدر تیر برسے اور تیروں کے ساتھ اتنی زیادہ برچھیاں آئیں کہ آٹھوں جانباز وہیں شہید ہو گئے۔ ایک ایک کے جسم میں کئی کئی تیر اور برچھیاں لگیں۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ رینی اپنے گھر میں تھی۔ اُس کا باپ تھکا ہوا آیا تھا۔ یہ کہہ کر سو گیا کہ جلدی جاگ اُٹھے گا، کیونکہ رات کو بھی اُسے کام پر جانا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ شہر کے مسلمانوں کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ وہ اندر سے کوئی بڑی خطرناک کارروائی کرنے والے ہیں۔ ہمیں ہر ایک مسلمان گھرانے پر نظر رکھنی پڑے گی۔ یہ کہہ کر وہ سو گیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو کسی ملازم کی بجائے رینی نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک مسلمان کھڑا تھا جو بڑی اونچی حیثیت کا مالک تھا۔ صلیبیوں کی طرف سے اُسے خوب انعام و اکرام ملتا تھا۔ رینی نے اُسے بتایا کہ اس کا باپ سویا ہوا ہے۔ وہ پیغام دے دے۔ تھوڑی دیر بعد وہ جاگے گا تو اُسے بتا دیا جائے گا۔ مسلمان نے کہا کہ وہ خود بات کرنا چاہتا ہے۔ بات بہت اہم اور نازک ہے۔

''آج رات مسلمان کے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے''...... رینی کے پوچھنے پر اُس نے مختصراً بتایا۔ اُس نے کہا......''میں نے ان کا ہمدرد اور ساتھی بن کر یہ راز حاصل کیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ ان میں باہر سے آئے ہوئے چھاپہ مار بھی ہیں اور نیا انکشاف یہ ہے کہ وہ غریب موچی جو راستے میں بیٹھا رہتا ہے وہ سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہے اور اس کا نام برجیس ہے...... میں تمہارے والد کو یہ خبر دینا چاہتا ہوں تاکہ ان لوگوں کو پھانسنے کے لیے گھات لگائی جائے''۔

رینی نے چند ایک مسلمان نوجوانوں کے نام لے کر عثمان صارم کا بھی نام لیا اور پوچھا...... کیا یہ لڑکے بھی اس مہم میں شامل ہیں؟''

''صارم کا بیٹا عثمان تو اس گروہ کا سرغنہ ہے''...... مسلمان مخبر نے بتایا...... ''اور ان کا سب سے بڑا سرغنہ امام رازی ہے''۔

''آپ تھوڑی دیر تک آ جائیں''...... رینی نے اُسے کہا...... ''باپ کو ذرا سی دیر سونے دیں''۔

مگر وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ صلیبیوں کو خوش کرنے اور اُن سے انعام وصول کرنے کا اسے نہایت موزوں موقع مل گیا تھا۔ اس کے متعلق مسلمانوں کو معلوم نہیں تھا کہ قرآن کی بجائے صلیب کا وفادار ہے۔ اُسی روز مسلمان نوجوانوں اور چھاپہ ماروں نے دیوار توڑنے کی سکیم بنائی تھی۔ اس خفیہ اجتماع میں تین چار بزرگ، امام اور یہ مسلمان بھی تھا جس نے لڑکوں کو اچھے مشورے دیئے اور سب سے زیادہ جذبے کا اظہار کیا تھا۔ مسلمانوں کو شک تک نہ ہوا کہ وہ صلیبیوں کا پالا ہوا سانپ ہے، سبھی اُسے شہر کا امیر اور معزز تاجر سمجھتے تھے جس کے حسن سلوک کی بدولت صلیبی بھی اُس کی عزت کرتے تھے۔

وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ رینی گہری سوچ میں کھو گئی۔ اس نے اُسے اندر بٹھانے کی بجائے یہ کہا کہ وہ اُسے پوری بات سنائے اور یہ بھی کہا کہ آؤ ذرا باہر ٹہل لیتے ہیں، اتنی دیر میں باپ جاگ اُٹھے گا۔ وہ تو صلیبیوں کا غلام تھا۔ اتنے بڑے افسر کی بیٹی کے ساتھ خراماں خراماں چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ کنویں تک پہنچ گئے۔ یہ کنواں شہریوں کے لیے کھودا گیا تھا۔ بہت ہی دُور سے پانی نکلا تھا۔ رینی کنویں کے منہ پر رُک گئی۔ مسلمان مخبر اُسے بات سنا رہا تھا۔ وہ بھی کنویں کے قریب کھڑا تھا۔ رینی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اور پوری طاقت سے دھکہ دیا۔ مسلمان پیچھے کو گرا اور سیدھا کنویں میں گیا۔ اُس کی چیخ سنائی دی جو ''دھڑام'' کی آواز میں ختم ہو گئی۔

رینی اس مسرت کے ساتھ گھر آ گئی کہ اُس نے ایک ایسا راز کنویں میں ڈبو دیا ہے جو عثمان صارم کی یقینی موت کا باعث بن سکتا تھا۔

☆

وہاں سے وہ ڈرتی ہوئی عثمان صارم کے گھر گئی۔ اُس کی ماں کے پاس بیٹھی، النور کی باتیں کرتی رہی۔ اُس نے عثمان کے متعلق پوچھا تو اُس کی ماں نے بتایا کہ وہ شام کے بعد ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ رینی کو خیال آ گیا کہ وہ دیوار توڑنے کی مہم پر چلا گیا ہوگا۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ ان کے اجتماع میں کوئی اور مخبر بھی ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور نے فوج کو اطلاع دے دی ہو۔ وہ باہر نکل گئی اور اُس طرف چل پڑی جس طرف سے ان لوگوں نے دیوار توڑنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اُس مسلمان نے جسے اُس نے کنویں میں پھینک دیا تھا، بتا دیا تھا کہ چھاپہ مار دیوار کے اوپر جا کر صلیبی تیر اندازوں کو ایسے طریقے سے ختم کریں گے کہ کسی کو پتا نہ چل سکے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نیچے سے دیوار کھودیں گے۔ دیوار مٹی کی تھی۔ اس کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے اوپر دو گھوڑے پہلو بہ پہلو آسانی سے دوڑ سکتے تھے۔ مٹی کی وجہ سے اس کی کھدائی مشکل نہیں، وقت طلب تھی۔ اس پارٹی نے بوقت ضرورت لڑائی کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ ان کے پاس خنجر اور برچھیاں بھی تھیں۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دلیرانہ مہم تھی جس کی ناکامی کے امکانات زیادہ تھے۔ انہوں نے جگہ ایسی منتخب کی تھی، جہاں پکڑے جانے کا امکان ذرا کم تھا۔

یہ گروہ مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ رینی اُس طرف دوڑی جا رہی تھی۔ وہ عثمان صارم کو روکنا چاہتی تھی۔ اُسے شاید علم ہو گیا تھا کہ یہ لوگ پکڑے جائیں گے اور عثمان صارم، مارا جائے گا۔ ان جانبازوں کا جانے کا طریقہ اور راستہ کچھ اور تھا۔ رینی پہلے وہاں پہنچ گئی جہاں سے دیوار توڑنی تھی۔ وہاں ابھی کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اُس نے اندھیرے میں اِدھر

اُدھر دیکھا۔ اچانک پیچھے سے اُسے کسی نے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر پرے لے گیا۔ یہ ایک فوجی تھا۔ پرے لے جا کر فوجی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے باپ کا نام لیا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ وہاں سے چلی جائے مگر وہ وہاں سے نہیں ہٹنا چاہتی تھی۔ وہاں دراصل فوج کا ایک پورا دستہ چھپا ہوا تھا۔ اس کے کمانڈر نے رینی کو بتایا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ یہاں نقب لگانے آرہا ہے اور اُسے پکڑنے کے لیے گھات لگائی گئی ہے...... یہ اطلاع ایک اور مسلمان مخبر نے فوج کو دی تھی۔

رینی انہیں یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ گھات سے اُٹھ جائیں۔ وہ تو صرف عثمان صارم کو بچانا چاہتی تھی۔ اس مسلمان نوجوان کی محبت نے اُس کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اتنے میں ایک فوجی نے کہا...... ''اطلاع غلط نہیں تھی، وہ آرہے ہیں'' ...... رینی تڑپ اُٹھی۔ اُس نے چلا کر کہا...... ''عثمان! واپس چلے جاؤ'' ...... دستے کے کمانڈر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا...... ''یہ بدبخت جاسوس معلوم ہوتی ہے، اسے گرفتار کرلو'' ...... لیکن گرفتاری کی انہیں مہلت نہ ملی، کیونکہ کچھ دُور سے شور شرابہ سنائی دینے لگا تھا۔

جانبازوں کی یہ پارٹی سیدھی گھات میں آگئی تھی۔ صلیبیوں کے دستے کی تعداد زیادہ تھی۔ پیشتر اس کے کہ جانباز سنبھلتے، وہ گھیرے میں آچکے تھے۔ مشعلیں جل اُٹھیں جن کی روشنی میں جانباز صاف نظر آنے لگے۔ ان کے پاس کھدائی کا سامان، برچھیاں اور خنجر تھے۔ بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ان میں گیارہ لڑکیاں تھیں۔ صلیبی کمانڈر نے باآواز بلند کہا...... ''لڑکیوں کو زندہ پکڑو'' ...... چھاپہ ماروں میں سے کسی نے کہا...... ''مجاہدو! بھاگنا نہیں۔ ایک ایک لڑکی کو ساتھ رکھو''۔

اور جو معرکہ لڑا گیا، وہ بڑا ہی خون ریز تھا۔ چھاپہ مار تو تربیت یافتہ لڑاکے تھے۔ خوب لڑے، لیکن لڑکوں اور لڑکیوں نے صلیبیوں کو حیران کردیا۔ لڑکیاں ڈرنے کی بجائے نوجوانوں کو للکار رہی تھیں۔ انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش میں متعدد صلیبی ان کے خنجروں کا شکار ہوگئے، مگر صلیبی تعداد میں زیادہ تھے۔ چونکہ یہ معرکہ قلعے میں لڑا جارہا تھا، اس لیے صلیبی فوج کے دو دستے آگئے۔ اس معرکے میں ایک نسوانی آواز بار بار سنائی دیتی تھی...... ''عثمان نکل جاؤ...... عثمان! تم نکل جاؤ'' ...... یہ رینی کی آواز تھی۔ اُس وقت تک عثمان لڑ رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک صلیبی آیا۔ عثمان کے پاس خنجر تھا اور صلیبی کے پاس تلوار۔ اچانک اس صلیبی کی پیٹھ میں ایک خنجر داخل ہوگیا۔ یہ رینی کا خنجر تھا۔ ایک اور صلیبی نے اُسے للکارا۔ اُس نے مرے ہوئے صلیبی کی تلوار اُٹھالی اور مقابلے پر اُتر آئی۔

عثمان صارم اُس کی مدد کے لیے آگے بڑھا لیکن کسی صلیبی کی تلوار نے اُسے شہید کردیا۔ کچھ دیر بعد جانبازوں میں صرف دو لڑکیاں زندہ رہیں۔ وہ اکٹھی تھیں اور بہت سے صلیبیوں کے گھیرے میں آگئیں۔ گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ خنجر پھینک دیں۔ دونوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ دونوں نے بیک وقت اپنا اپنا خنجر اپنے اپنے دِل پر رکھا اور دوسرے لمحے انہوں نے خنجر اپنے دِلوں میں اُتار دیئے۔ رینی کو زخمی کرکے پکڑ لیا گیا تھا۔ اس نے بعد میں پاگل پن کی کیفیت میں بیان دیا کہ وہ اس سکیم کو ناکام کرکے عثمان صارم کو بچانا چاہتی تھی۔

قلعے کی دیوار توڑنے کی اُمید ختم ہوگئی۔ شہر کے اندر مسلمانوں کی تخریب کاری بھی ختم ہوگئی۔ مسلمانوں کی قیادت کرنے والے جانباز شہید ہوچکے تھے۔ برجیس بھی شہید ہوچکا تھا، لیکن سلطان ایوبی کی اُمیدیں صرف ان سرفروشوں کے ساتھ وابستہ نہیں تھیں۔ وہ قلعے سَر کرنا جانتا تھا۔ ابھی تو محاصرے کا دوسرا دن تھا مگر اب کے صلیبیوں نے بھی قسم کھالی تھی کہ کرک کا قلعہ سلطان ایوبی کو نہیں دیں گے۔

......❁......

میرے فلسطین، میں آؤں گا

صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے غیر معمولی طور پر مستحکم مستقر کرک پر ایسی بے خبری میں حملہ کیا تھا کہ صلیبیوں کو اُس وقت خبر ہوئی جب سلطان ایوبی کی فوج کرک کو محاصرے میں لے چکی تھی، لیکن محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ یہ سہ طرفہ محاصرہ تھا۔ جاسوسوں نے سلطان ایوبی کو یقین دلایا تھا کہ کرک شہر کے مسلمان باشندے اُن چھاپہ ماروں کے ساتھ جنہیں سلطان ایوبی نے پہلے ہی شہر میں داخل کر دیا تھا، اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے۔ محاصرے کے چوتھے پانچویں روز اندر سے ایک جاسوس نے باہر آ کر سلطان ایوبی کو یہ اطلاع دی کہ تمام چھاپہ مار اور چند ایک مسلمان شہری دیوار توڑنے کی کوشش میں شہید ہو گئے ہیں۔ ان میں مسلمان لڑکیاں بھی تھیں اور ان میں ایک عیسائی لڑکی بھی شامل ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی بتایا گیا کہ کسی ایمان فروش مسلمان نے اس جانباز جماعت میں شامل ہو کر دشمن کو اطلاع دے دی تھی جس کے نتیجے میں دشمن نے گھات لگائی اور ساری کی ساری جماعت کو شہید کر دیا۔ یہ اطلاع بھی دی گئی کہ اب اندر سے دیوار توڑنے کی اُمیدیں ختم ہو چکی ہیں۔

اُمیدیں ختم ہونی ہی تھیں۔ صلیبیوں نے جب دیکھا کہ دیوار توڑنے والوں میں کرک کے مسلمان نوجوانوں، اور لڑکیوں کی لاشیں تھیں تو انہوں نے مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ اندھا دھند شروع کر دی۔ لڑکیوں تک کو نہ بخشا۔ جوانوں کو بیگار کیمپ میں، بوڑھوں کو اُن کے اپنے گھروں میں اور جوان لڑکیوں کو قلعے کی فوجی بارکوں میں قید کر دیا۔ ان میں سے کچھ لڑکیوں نے خودکشی بھی کر لی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ کفار اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ صلاح الدین ایوبی کو بھی یہی غم کھانے لگا کہ کرک کے مسلمانوں کو یہ قربانی بہت مہنگی پڑے گی۔ اُس نے جب ان جانبازوں کی خبر سنی تو اپنے نائبین سے کہا...... ''یہ کارستانی صرف ایک ایمان فروش مسلمان کی ہے۔ اس ایک غدار نے اسلام کی اتنی بڑی فوج کو بے بس کر دیا ہے۔ ایک وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے نام پر جانیں قربان کر دیں، ایک یہ مسلمان ہیں جنہوں نے اللہ کا ایمان کفار کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔ یہ غدار اسلام کی تاریخ کا رُخ پھیر رہے ہیں''...... سلطان ایوبی غصے سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ران پر گھونسہ مار کر بولا...... ''میں کرک کو بہت جلدی فتح کروں گا اور ان غداروں کو سزا دوں گا''۔

سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا افسر، زاہدان خیمے میں داخل ہوا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا کہ...... ''آج رات کو محاصرہ مکمل ہو جانا چاہیے۔ میں آپ کو ابھی بتاتا ہوں کہ کون سے دستے کرک کے پیچھے بھیجے جائیں''۔

''مداخلت کی معافی چاہتا ہوں امیر مصر!''...... زاہدان نے کہا...... ''اب شاید آپ محاصرہ مکمل نہیں کر سکیں گے۔ ہم نے کچھ وقت ضائع کر دیا ہے''۔

''کیا تم کوئی نئی خبر لائے ہو؟''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُس سے پوچھا۔

آپ نے جس کامیابی سے دشمن کو بے خبری میں آن لیا تھا، اس سے آپ پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکے''۔ زاہدان

جواب دیا۔ وہ ایسے بے دھڑک انداز سے بول رہا تھا۔ جیسے اپنے سے چھوٹے عہدے کے آدمی کو ہدایات دے رہا ہو۔ سلطان ایوبی نے اپنے تمام سینئر اور جونیئر کمانڈروں اور تمام شعبوں کے سربراہوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اُسے بادشاہ سمجھ کر فرشی سلام نہ کیا کریں، مشورے دلیری اور خوداعتمادی سے دیں اور نکتہ چینی کھل کر کیا کریں۔ زاہدان انہی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس کی حیثیت ایسی آنکھ کی سی تھی جو اندھیروں میں بھی دیکھ لیتی تھی اور وہ ایسا کان تھا جو اپنے جاسوسوں کے ذریعے سینکڑوں میل دُور دشمن کی سرگوشیاں بھی سن لیا کرتا تھا۔ سلطان ایوبی کو اُس کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کامیاب جاسوسی کے بغیر جنگ نہیں جیتی جا سکتی۔ خصوصاً اس صورتِ حال میں جہاں صلیبیوں نے سلطنتِ اسلامیہ میں جاسوسوں اور تخریب کا جال بچھا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کو نہایت اعلیٰ اور غیر معمولی طور پر ذہین اور تجربہ کار جاسوسوں کی ضرورت تھی۔ اس میدان میں وہ پوری طرح کامیاب تھا۔ اس کی انٹیلی جنس کے تین افسر علی بن سفیان اور اُس کے دو نائب، حسن بن عبداللہ اور زاہدان جانباز قسم کے سراغ رساں اور جاسوس تھے۔ انہوں نے اس محاذ پر صلیبیوں کے کئی وار بے کار کیے تھے۔

''آپ کو معلوم تھا کہ صلیبیوں نے جہاں کرک کا دفاع مضبوط کر رکھا ہے، وہاں بہت سی فوج کرک سے دُور خیمہ زن کر رکھی ہے''۔ زاہدان نے کہا..... ''آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اس فوج کو باہر سے محاصرہ توڑنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جاسوسوں کی اطلاعیں صاف بتا رہی تھیں کہ اب صلیبی قلعے سے باہر لڑیں گے، پھر بھی آپ نے فوری طور پر محاصرہ مکمل نہیں کیا۔ اس سے دشمن نے فائدہ اُٹھا لیا ہے''۔

''تو کیا انہوں نے حملہ کر دیا ہے؟'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے بے تابی سے پوچھا۔

''آج شام تک اُن کی فوج اُس مقام پر آجائے گی جہاں ہماری کوئی فوج نہیں''۔ زاہدان نے جواب دیا..... ''میرے جاسوس جو اطلاعیں لائے ہیں، وہ یہ ہیں کہ صلیبی فوج گھوڑ سوار اور شتر سوار ہو گی۔ پیادہ دستے بہت کم ہیں۔ وہ محاصرے کی جگہ پر آجائیں گے اور دائیں بائیں حملے کریں گے۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمارا محاصرہ ٹوٹ جائے گا۔ صلیبیوں کی تعداد بھی زیادہ بتائی جاتی ہے''۔

''میں تمہیں اور تمہارے جاسوسوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں جو یہ اطلاعیں لائے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''میں جانتا ہوں یہ کام کتنا دشوار اور خطرناک ہے۔ میں تم سب کو یقین دلاتا ہوں کہ صلیبی ہمارے محاصرے کا جو خلا پُر کرنے اور محاصرے توڑنے آرہے ہیں میں انہیں اسی خلاء میں گم کر دوں گا۔ مجھے اللہ کی مدد پر بھروسہ ہے، اگر تم میں کوئی غدار نہیں تو اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے گا''۔

''ابھی وقت ہے''۔ ایک نائب سالار نے کہا..... ''اگر آپ حکم دیں تو ہم محفوظہ کے تین چار دستے صلیبیوں کے پہنچنے سے پہلے بھیج دیتے ہیں۔ محاصرے کا خلا پُر ہو جائے گا اور صلیبیوں کا حملہ ناکام ہو جائے گا''۔

سلطان ایوبی کے چہرے پر پریشانی یا اضطراب کا ہلکا سا تاثر بھی نہیں تھا۔ اس نے زاہدان سے پوچھا..... ''اگر تمہاری اطلاع بالکل صحیح ہے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ صلیبی فوج کس وقت حملے کے مقام پر پہنچے گی؟''

''اُن کی پیش قدمی خاصی تیز ہے''۔ زاہدان نے جواب دیا..... ''ان کے ساتھ خیمے اور رسد نہیں آرہی۔ پیچھے آرہی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راستے میں کوئی پڑاؤ نہیں کریں گے۔ اگر وہ اسی رفتار پر آتے رہے تو رات گہری ہونے تک پہنچ جائیں گے''۔

''خدا کرے کہ وہ راستے میں نہ رُکیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''مگر وہ تھکے ہوئے اور بھوکے پیاسے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ حملہ نہیں کریں گے۔ حملے کے مقام پر آ کر جانوروں کو آرام اور خوراک دیں گے۔ اس دوران وہ دیکھیں گے کہ ہم نے جو محاصرہ کر رکھا ہے، اس میں خلاء ہے یا نہیں۔ صلیبی اتنے کوڑھ مغز نہیں کہ ایسی پیش بنی اور پیش بندی نہ کریں''...... سلطان ایوبی نے اپنے عملے کے دو تین حکام کو بلایا اور انہیں نئی صورتِ حال سے آگاہ کر کے کہا...... ''صلیبی ہمارے جال میں آ رہے ہیں، قلعے کے عقب میں ہم نے محاصرے میں جو خلا چھوڑ دیا ہے، اسے اور زیادہ کھلا کر دو۔ دائیں اور بائیں کے دستوں سے کہہ دو کہ اُن پر عقب سے حملہ آ رہا ہے۔ اپنے پہلوؤں کو مضبوط کر لیں اور دشمن کو اپنے درمیان آنے دیں۔ کوئی تیرانداز حکم کے بغیر کمان سے تیر نہ نکالے''۔

اس قسم کے احکام کے بعد سلطان ایوبی نے پیادہ اور سوار تیراندازوں کے چند ایک دستوں کو جو اُس نے ریزرو میں رکھے ہوئے تھے، سورج غروب ہوتے ہی ایسے مقام پر چلے جانے کو کہا جو صلیبیوں کے حملے کے ممکنہ مقام کے قریب تھا۔ وہ علاقہ میدانی نہیں تھا اور صحرا کی طرح ریتلا بھی نہیں تھا۔ وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کا علاقہ تھا۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر کو بھی بلا لیا تھا۔ اُسے اس نے یہ کام سونپا کہ صلیبیوں کی فوج کے پیچھے فلاں راستے سے یہ رسد آ رہی ہے جو رات کو راستے میں تباہ کرنی ہے۔ ایسے اور کئی ایک ضروری احکامات دے کر سلطان ایوبی خیمے سے نکلا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنے عملے کے ضروری افراد کو ساتھ لیا اور محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆

صلاح الدین ایوبی خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے والا انسان نہیں تھا۔ اُس نے دُور سے محاصرے کا جائزہ لیا اور اپنے عملے سے کہا...... ''صلیبیوں سے یہ قلعہ لینا آسان نہیں۔ محاصرہ بڑے بڑے لمبے عرصے تک قائم رکھنا پڑے گا''۔ اُس نے دیکھا کہ قلعے کی سامنے والی دیوار سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ قلعے کے دروازے تک پہنچانا ناممکن تھا...... سلطان ایوبی کی فوج تیروں کی زد سے دُور تھی۔ جوابی تیراندازی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سلطان ایوبی قلعے کے پہلو کی طرف گیا۔ وہاں اُسے ایک ولولہ انگیز منظر نظر آیا۔ اس کا ایک دستہ حیران کن تیزی سے قلعے کی دیوار پر تیر برسا رہا تھا۔ چھ منجنیقیں آگ پھینک رہی تھیں۔ دیوار پر جہاں تیر اور آگ کے گولے جا رہے تھے، وہاں کوئی صلیبی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دبک گئے تھے۔ سلطان ایوبی دور کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کے تقریباً چالیس سپاہی ہاتھوں میں برچھیاں اور کدالیں اُٹھائے دیوار کی طرف سرپٹ دوڑ پڑے اور دیوار تک پہنچ گئے۔ قلعے کی دیوار پتھروں اور مٹی کی تھی۔ انہوں نے دیوار توڑنی شروع کر دی۔ اسی مقصد کے لیے اوپر تیر اور آگ کے گولے برسائے جا رہے تھے کہ اوپر سے دشمن اُن پر دیوار توڑتے وقت تیر نہ چلا سکے۔

سلطان ایوبی کے منہ سے بے اختیار نکلا...... ''آفرین''...... مگر اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ قلعے کی دیوار پر للکار سنائی دی۔ عین اُس جگہ کے اوپر سے جہاں سلطان ایوبی کے جانباز دیوار توڑ رہے تھے۔ بہت سے صلیبیوں کے سر اور کندھے نظر آئے۔ پھر بڑے بڑے ڈول اور ڈرم نظر آئے۔ یہ اُلٹا دیئے گئے۔ ان میں سے جلتی ہوئی لکڑیاں اور انگارے نکلے جو اِن مجاہدین پر گرے جو نیچے دیوار توڑ رہے تھے۔ مجاہدین نے آگے جا کر تیر برسانے شروع کر دیئے جن میں متعدد صلیبی گھائل ہو گئے۔ دیوار کی کسی اور طرف سے تیر آئے جنہوں نے مجاہدین تیراندازوں کو زخمی اور شہید کر دیا پھر دونوں طرف سے اس قدر تیز برسنے لگے کہ ہوا میں اُڑتے ہوئے تیروں کا جال تن گیا۔ جانباز دیوار توڑ رہے تھے۔ یہ کام آسان نہیں تھا، کیونکہ دیوار بہت ہی چوڑی تھی۔ نیچے سے اس کی چوڑائی اوپر کی نسبت زیادہ تھی۔ ان جانبازوں پر اوپر سے تیر نہیں

چلایا جاسکتا تھا مگر ان پر جلتی لکڑیاں اور دہکتے انگارے پھینکے جار ہے تھے۔ آگ کے ڈول اور ڈرم پھینکنے والوں میں بظاہر کوئی بھی مسلمان تیر اندازوں سے بچ کر نہیں جاتا تھا، لیکن وہ تیر کھا کر گرنے سے پہلے آگ انڈیل دیتے تھے۔

نیچے یہ عالم تھا کہ آگ بھڑک رہی تھی اور دیوار توڑنے والے شعلوں اور انگاروں میں بھی دیوار توڑ رہے تھے۔ تیروں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ آخر دیوار توڑنے والے جھلس گئے اور ان میں سے چند ایک اس حالت میں پیچھے کو دوڑے کہ اُن کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ دیوار سے ہٹے ہی تھے کہ اوپر سے تیر آئے جو اُن کی پیٹھوں میں اُتر گئے۔ اس طرح ان میں سے کوئی زندہ واپس نہ آسکا۔ دس اور مجاہدین دیوار کی طرف دوڑے اور دشمن کے تیروں میں سے گزرتے ہوئے دیوار تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے دیوار کے بہت سے پتھر نکال لیے۔ اوپر سے اُن پر بھی آگ کے ڈرم اور ڈول انڈیل دیئے گئے۔ آگ پھینکنے والوں سے دو اتنا اوپر اُٹھ گئے تھے کہ مجاہدین کے تیر سینوں میں کھا کر وہ پیچھے گرنے کی بجائے آگے کو گرے اور دیوار سے سیدھے نیچے اپنی ہی پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے، مگر دیوار توڑنے والوں میں سے بھی کوئی زندہ نہ بچا۔

سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس دستے کے کمانڈر کے پاس جا کر کہا..... ''تم پر اور تمہارے جانبازوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ اسلام کی تاریخ ان سب کو ہمیشہ یاد رکھے گی جو اللہ کے نام پر جل گئے ہیں۔ اب یہ طریقہ چھوڑ دو۔ پیچھے ہٹ آؤ۔ اتنی تیزی سے انسان اور تیر ختم نہ کرو۔ صلیبی اس قلعے کے لیے اتنی زیادہ قربانی دے رہے ہیں جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا''۔

''اور ہم بھی اتنی زیادہ قربانی دیں گے، جس کا صلیبی تصور نہیں کر سکتے''۔ کمانڈر نے کہا..... ''دیوار یہیں سے ٹوٹے گی اور ہم آپ کو یہیں سے اندر لے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ تمہاری آرزو پوری کرے''۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا..... ''اپنے مجاہدین کو بچا کر رکھو۔ صلیبی باہر سے حملہ کر رہے ہیں، تمہیں شاید باہر لڑنا پڑے گا۔ محاصرہ مضبوط رکھو۔ ہم صلیبیوں کو اندر بھوکا ماریں گے''۔

اس دستے کو پیچھے ہٹا لیا گیا، مگر کمانڈر نے سلطان ایوبی سے کہا..... ''سالارِ اعظم کی اجازت ہو تو میں شہیدوں کی لاشیں اُٹھوا لوں؟ اس مقصد کے لیے مجھے پھر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا''۔

''ہاں!'' سلطان ایوبی نے کہا..... ''اُٹھوا لو۔ کسی شہید کی لاش باہر نہ پڑی رہے''۔

سلطان ایوبی وہاں سے چلا گیا۔ اس جانباز دستے نے جس طرح اپنے ساتھیوں کی لاشیں اُٹھائیں وہ ایک ولولہ انگیز منظر تھا۔ جتنی لاشیں اُٹھائی تھیں، اتنے ہی مجاہدین شہید ہو گئے۔ سلطان ایوبی دُور نکل گیا تھا۔ جنگ کے دوران وہ اپنا پرچم ساتھ نہیں رکھا کرتا تھا، تاکہ دشمن کو معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کہاں ہے۔ وہ اپنی فوج سے دُور ہٹ گیا اور بہت دُور جا کر وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں چلا گیا۔ وہ گھوڑے سے اُترا اور ایک ٹیلے پر جا کر لیٹ گیا تاکہ اسے دشمن نہ دیکھ سکے۔ اُسے قلعہ اور شہر کی دیوار نظر آرہی تھی اور کم و بیش ایک میل لمبا وہ علاقہ بھی نظر آرہا تھا جہاں ابھی اُس کی فوج نہیں پہنچی تھی۔ اس نے ٹیلوں کے علاقے کا جائزہ لیا۔ ہر جگہ گھوما پھرا۔

اسی جائزے اور دیکھ بھال میں سورج غروب ہو گیا۔ وہ وہیں رہا۔ شام گہری ہوئی تو اُسے اطلاع دی گئی کہ اُس کے حکم کے مطابق پیادہ اور سوار تیر اندازوں کے دستے آرہے ہیں۔ اُس نے اپنے قاصد سے کہا کہ کمانڈروں کو بلایا جائے..... جب کمانڈر اس کے پاس آئے تو چھاپہ مار دستے کا کمانڈر بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اسے سلطان ایوبی نے راستہ بتا

کر اپنے ہدف پر چلے جانے کو کہا، پھر وہ دوسرے کمانڈروں کو ہدایات دینے لگا۔

☆

رات آدھی گزری تھی کہ دُور سے گھوڑوں کی آوازیں اس طرح سنائی دینے لگیں جیسے سیلاب بند توڑ کر آ رہا ہو۔ چاند پورا تھا۔ چاندنی شفاف تھی۔ صلیبیوں کے گھوڑ سوار ٹیلوں اور چٹانوں سے کچھ دُور تک آ گئے۔ اُن کے پیچھے شتر سوار تھے۔ ان کی تعداد کے متعلق مورخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ غیر مسلم مورخوں نے تعداد تین ہزار سے کم بیان کی ہے۔ مسلمان مورخ پانچ سے آٹھ ہزار تک بتاتے ہیں۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی جو تحریریں دستیاب ہو سکی ہیں، وہ کم سے کم تعداد دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہزار بتاتے ہیں۔ ان کا کمانڈر ایک مشہور صلیبی حکمران ریمانڈ تھا۔ دو مورخوں نے کمانڈر کا نام رینالٹ لکھا ہے، لیکن وہ ریمانڈ تھا۔ وہ اسی حملے کے لیے لمبے عرصے سے وہاں سے دُور خیمہ زن تھا۔ اُسے اب رات کو یا صبح ہوتے ہی سلطان ایوبی کی اُس فوج پر حملہ کرنا تھا جس نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

صلیبی سوار گھوڑوں اور اونٹوں سے اُترے۔ گھوڑوں کے ساتھ دانے کی تھیلیاں تھیں جو گھوڑوں کے آگے لٹکا دی گئیں۔ سواروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے جانور کے ساتھ رہیں اور زیادہ دیر کے لیے سو نہ جائیں۔ جانوروں کے لیے چارہ اور پانی کے مشکیزے پیچھے آ رہے تھے۔ صلیبیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں پر عقب سے اچانک حملہ کر کے گھوڑوں کو قلعے کے اندر سے پانی پلائیں گے۔ سلطان ایوبی کے دیدبان صلیبیوں کو بڑی اچھی طرح دیکھ رہے تھے اور گھبرا بھی رہے تھے، کیونکہ صلیبیوں کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ اتنی زیادہ طاقت سے وہ محاصرہ توڑ سکتے تھے۔

سحر ابھی دھندلی تھی۔ صلیبیوں کو سوار ہونے، برچھیاں اور تلواریں تیار رکھنے کا حکم ملا۔ یہ دراصل حملے کا حکم تھا۔ وہ ایک بڑی ہی لمبی صف کی صورت میں آگے بڑھے، جونہی اگلی صف نے ایڑ لگائی، عقب سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں، جن سواروں کو تیر لگے، وہ گھوڑوں پر ہی اوندھے ہو گئے یا گر پڑے اور جن گھوڑوں کو تیر لگے وہ بے قابو ہو کر بھاگ اُٹھے۔ اونٹ بھی چلے ہی تھے کہ اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ صلیبی کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہ ہوا کیا ہے اور اُن کی ترتیب بکھرتی کیوں جا رہی ہے۔ انہوں نے غصے کی حالت میں چلانا شروع کر دیا۔ زخمی گھوڑوں اور اونٹوں نے جو واویلا بپا کیا، اس نے ساری فوج پر دہشت طاری کر دی۔ صبح کا اُجالا صاف ہوا تو ریمانڈ کو معلوم ہوا کہ وہ سلطان ایوبی کے گھیرے میں آ گیا ہے۔ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ اسے بہت زیادہ سمجھ رہا تھا۔ ایسی صورتِ حال کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔ اُس نے حملہ رکوا دیا، لیکن اُس کے سواروں کی اگلی صف اُس خلاء کے قریب پہنچ چکی تھی جہاں اس پورے لشکر کو پہنچنا تھا۔

محاصرے والی فوج کو پہلے ہی خبردار کر دیا گیا تھا۔ وہ اس حملے کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کے مجاہدین نے گرد کے بادل زمین سے اُٹھتے اور اپنی طرف آتے دیکھے تو وہ تیار ہو گئے۔ گرد قریب آئی تو اس میں سے گھوڑ سوار نمودار ہوئے۔ مجاہدین نے اپنے آپ کو حملہ روکنے کی ترتیب میں کر لیا۔ وہ دائیں اور بائیں تھے۔ جونہی گھوڑے اُن کے درمیان آئے، مجاہدین پہلوؤں سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ تب صلیبی سواروں کو احساس ہوا کہ وہ اپنے لشکر سے کٹ گئے ہیں اور ان کا لشکر اپنی جگہ سے چلا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان اور نگرانی خود کر رہا تھا۔ صلیبی پیچھے کو مڑے تا کہ مقابلہ کریں لیکن سلطان ایوبی نے انہیں یہ چال چل کر بہت مایوس کیا کہ صلیبیوں کا کوئی دستہ سرپٹ رفتار سے کسی طرف حملہ کرتا تھا تو آگے مزاحمت نہیں ملتی تھی۔ البتہ پہلوؤں اور عقب سے اُس پر تیر برستے تھے۔ صلیبی کمانڈروں نے اپنے لشکر کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر دیا۔ سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اُس کی ہدایت کے مطابق آمنے سامنے کے مقابلے کی

نوبت ہی نہ آنے دی۔ صلیبیوں کے گھوڑے تھکے ہوئے تھے۔ بھوکے اور پیاسے بھی تھے۔ انہیں جنگ روکنی پڑی۔ وہ چارے اور پانی کے منتظر تھے۔ رسد کو صبح تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔

دوپہر تک رسد نہ پہنچی۔ چند ایک سوار دوڑے گئے، لیکن وہ مسلمان تیراندازوں کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ زندہ پیچھے چلے بھی جاتے تو انہیں رسد نہ ملتی۔ وہ رات کو ہی سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستے کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ اس دستے نے بڑی کامیابی سے شب خون مارا اور رسد تباہ کر دی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے محفوظہ میں سے مزید دستے بلا لیے اور ریمانڈ کے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ اگر مسلمانوں کی تعداد صلیبیوں جتنی ہوتی تو وہ حملہ کر کے صلیبیوں کو ختم کر دیتے۔ سلطان ایوبی اپنی نفری ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اس لشکر کو لڑاتے لڑاتے ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں لے جا کر گھیرے میں لے لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، صلیبی بے کار ہوتے جائیں گے، مگر صلیبیوں کو بڑی کامیابی سے گھیرے میں لے کر اُسے خود بھی نقصان ہو رہا تھا۔ اُس نے جہاں صلیبیوں کی اتنی بڑی قوت کو باندھ لیا تھا، وہاں اُس کے اپنے بہت سے ریزرو دستے بھی بندھ گئے تھے۔ انہیں اب وہ کسی اور طرف استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

اس علاقے کے اندر پانی موجود تھا جو جانوروں کو کچھ عرصے کے لیے زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔ فوج کو زندہ رکھنے کے لیے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کا گوشت کافی تھا۔ سلطان ایوبی نے شہر کا محاصرہ مکمل کرنے کا حکم دے دیا۔ صلیبی چین سے نہیں بیٹھے۔ ہر روز کسی نہ کسی جگہ جھڑپ ہوتی تھی اور دن گزرتے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے قلعے اور شہر کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ کہیں سے بھی دیوار توڑنے کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

☆

محاصرے کا سولہواں سترھواں روز تھا۔ شام کے وقت سلطان ایوبی اپنے خیمے میں بیٹھا اپنے نائبین وغیرہ کے ساتھ اس مسئلے پر باتیں کر رہا تھا کہ قلعے کو توڑنے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ محافظ نے اندر آ کر اطلاع دی کہ سوڈان کے محاذ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی تڑپ کر بولا...... ''اُسے فوراً اندر بھیج دو'' ...... اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے نکل گیا...... ''اللہ کرے یہ کوئی اچھی خبر لایا ہو''۔

قاصد اندر آیا تو سلطان ایوبی نے فوراً پہچان لیا کہ یہ قاصد نہیں، کسی دستے کا کمانڈر ہے۔ سلطان ایوبی نے بے تابی سے پوچھا...... ''کوئی اچھی خبر لائے ہو؟ ...... بیٹھ جاؤ''۔

کمانڈر نے نفی میں سر ہلایا اور بولا...... ''جس رنگ میں سالارِ اعظم دیکھیں، خبر اس لیے اچھی نہیں کہ ہم سوڈان میں فتح حاصل نہیں کر سکے اور اس لحاظ سے خبر اچھی ہے کہ ہم نے ابھی شکست نہیں کھائی اور پسپا نہیں ہوئے''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ شکست اور پسپائی کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''صاف نظر آ رہے ہیں''۔ کمانڈر نے جواب دیا...... ''میں آپ کا حکم لینے آیا ہوں کہ ہم کیا کریں۔ ہمیں کمک کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہماری یہ ضرورت پوری نہ ہوئی تو پسپائی کے بغیر چارہ نہیں''۔

سلطان ایوبی نے پورا پیغام سننے سے پہلے اُس کے لیے کھانا منگوایا اور کہا کہ کھاؤ اور پیغام سناتے جاؤ۔ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں اس کا بھائی تقی الدین مصر کا قائم مقام امیر مقرر ہوا تھا۔ اُس نے سوڈان اور مصر کی سرحد کے قریب فرعونوں کے زمانے کے کھنڈروں میں صلیبیوں کا پیدا کردہ ایک بڑا ہی خطرناک نظریہ اور ڈرامہ پکڑا تھا اور اُس کے فوراً بعد اُس نے یہ سوچ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہاں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مشیروں اور سالاروں نے اُسے کہا تھا

کہ وہ سلطان ایوبی سے اجازت لے کر حملہ کریں مگر تقی الدین نے یہ کہہ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اس لیے پریشان نہیں کرنا چاہتا کہ وہ صلیبیوں کے اتنے طاقتور لشکر کے خلاف لڑ رہا ہے۔ اُس نے جوش میں آ کر حملہ تو کر دیا تھا لیکن یہ کمانڈر پیغام لایا تھا کہ سوڈان میں شکست صاف نظر آ رہی ہے۔ عام قاصد کی بجائے تقی الدین نے ایک کمانڈر کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو محاذ کی صحیح صورتِ حال فنی نقطہ نگاہ سے سنا سکے۔ اس سے پہلے سلطان ایوبی کو صرف یہ اطلاع ملی تھی کہ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کر دیا ہے۔

کمانڈر نے جو واقعات سلطان ایوبی کو سنائے وہ مختصراً یہ تھے کہ تقی الدین نے حقائق پر نظر رکھنے کی بجائے جذبے اور جذبات سے مغلوب ہو کر حملے کا حکم دے دیا۔ اُس کا جذبہ وہی تھا جو اُس کے بھائی سلطان ایوبی کا تھا لیکن دونوں بھائیوں کی جنگی فہم و فراست میں فرق تھا۔ تقی الدین نے جو فیصلہ کیا، نیک نیتی اور اسلامی جذبے کے تحت کیا مگر وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر گیا کہ دشمن پر سوچے سمجھے بغیر ٹوٹ پڑنے کو جہاد یا جنگ نہیں کہتے۔ اُس نے سوڈان میں پھیلائے ہوئے اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں پر بھی پوری طرح غور نہ کیا۔ اُن کی صرف اس اطلاع پر توجہ مرکوز رکھی کہ سوڈانیوں کو صلیبی کمانڈر ٹریننگ دے رہے ہیں اور وہاں حملے کی تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی ہیں۔ تقی الدین نے دشمن کو تیاری کی حالت میں دبوچ لینے کا فیصلہ کر لیا، مگر اس قسم کی انتہائی اہم معلومات حاصل نہ کیں کہ سوڈانیوں کی جنگی طاقت کتنی ہے؟ وہ کتنی طاقت لڑائیں گے اور کتنی ریزو میں رکھیں گے؟ ان کے ہتھیار کیسے ہیں؟ سوار کتنے اور پیادہ کتنے ہیں؟ اور سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ تھا کہ میدانِ جنگ کس قسم کا ہوگا، مصر سے کتنی دُور ہو گا اور رسد کے انتظامات کیا ہوں گے؟

دو خرابیاں تو ابتدا میں ہی سامنے آ گئیں۔ ایک یہ کہ سوڈانیوں نے بلکہ صلیبی کمانڈروں نے تقی الدین کو سرحد پر روکا نہیں۔ اُسے بہت دُور تک سوڈان کے اُس علاقے تک جانے کے لیے راستہ دے دیا جو بڑا ہی ظالم صحرا تھا اور جہاں پانی نہیں تھا۔ دوسرا نقصان یہ سامنے آیا کہ تقی الدین کی فوج دراصل صلاح الدین ایوبی کی چالوں پر لڑنے والی فوج تھی جو انتہائی کم تعداد میں دشمن کے بڑے بڑے دستوں کو تہس نہس کر دیا کرتی تھی۔ اس فوج کو صرف سلطان ایوبی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان ایوبی آمنے سامنے کی ٹکر سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ وہ متحرک قسم کی جنگ لڑتا تھا۔ تقی الدین لشکر کشی کا قائل تھا۔ اس فوج میں تجربہ کار اور جانباز چھاپہ مار دستے بھی تھے لیکن اُن کا صحیح استعمال سلطان ایوبی جانتا تھا۔ سوڈان میں جا کر یوں ہوا کہ فوج ایک لشکر کی صورت میں بندھی رہی اور دشمن اپنی چال چل گیا۔ دشمن تقی الدین کو اپنی پسند کے علاقے میں لے گیا اور اس کی فوج پر سلطان ایوبی کے انداز کے شب خون مارنے شروع کر دیئے۔ تقی الدین کے جانوروں اور جوانوں کو پانی کی ایک بوند بھی نہیں ملتی تھی۔ چھاپہ مار دستوں کے کمانڈروں نے اُسے کہا کہ وہ انہیں صحرا میں آزاد چھوڑ دے مگر تقی الدین نے اسے خدشے کے پیشِ نظر انہیں کوئی کارروائی نہ کرنے دی کہ جمعیت اور مرکزیت ختم ہو جائے گی۔

جب رسد کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ تکلیف دہ احساس ہوا کہ وہ اتنی دُور چلے آئے ہیں جہاں تک رسد کو پہنچتے کئی دن لگیں گے اور رسد کا راستہ محفوظ بھی نہیں۔ ہوا بھی ایسے ہی کہ رسد کے پہلے ہی قافلے کی اطلاع ملی کہ دشمن نے اسے تباہ نہیں کیا، بلکہ تمام تر رسد اور جانور اُڑا لے گیا ہے۔ اس حادثے کی اطلاع پر چھاپہ مار دستوں کے ایک سینئر کمانڈر اور تقی الدین میں گرما گرمی ہو گئی۔ کمانڈر نے کہا کہ وہ لڑنے آئے ہیں اور لڑیں گے، لیکن اس طرح نہیں کہ دشمن شب خون مار رہا ہے رسد لوٹ کر لے گیا ہے اور ہم مرکزیت کے پابند بیٹھے رہیں۔ تقی الدین نے حکم کے لہجے میں سخت کلامی کی تو کمانڈر نے کہا..... ''آپ تقی الدین ہیں، صلاح الدین نہیں۔ ہم اُس عزم اور اُس طریقے سے لڑیں گے جو ہمیں صلاح الدین

سکھایا ہے۔ہم چھاپہ مار ہیں۔ہم دشمن کے پیٹ کے اندر جا کر اُس کا پیٹ چاک کیا کرتے ہیں۔آپ کا یہ لشکر بھوکا مر رہا ہے اور رسد دشمن لے گیا ہے۔ہم دشمن کی رسد لوٹ کر اپنی فوج کو کھلانے کے عادی ہیں''۔

وقائع نگار لکھتے ہیں کہ تقی الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔وہ جانتا تھا کہ چھاپہ ماروں کا یہ کمانڈر کس جذبے سے پاگل ہوا جا رہا ہے۔اس نے جذباتی لہجے میں کہا...... ''میں ذاتِ باری تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ میں ان جانبازوں کو جو فلسطین میں لڑتے ہوئے آئے ہیں، ناحق موت کے منہ میں نہیں دھکیلنا چاہتا''۔

''پھر آپ کو حملہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا''۔کمانڈر نے کہا...... ''ہم میں کون ہے جو اللہ کے نام پر جان دینے کے لیے تیار نہیں۔ہم موت کے منہ میں آ چکے ہیں اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ موت کے منہ میں جا کر اپنے آپ کو اللہ کے قریب محسوس کرتا ہے۔آپ جذبات سے نکلیں، ہم دشمن کے جال میں آ چکے ہیں''۔

تقی الدین کوئی ایسا اناڑی بھی نہیں تھا۔اُسے سلطان ایوبی کے یہ الفاظ یاد تھے کہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر کسی کو حکم نہ دینا اور میدانِ جنگ میں جا کر اپنی غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرنا۔اُس نے اس کمانڈر کی سخت کلامی کو گستاخی نہ سمجھا اور اُسی وقت تمام اعلیٰ کمانڈروں کو بلا کر جنگ کی صورتِ حال اور آئندہ اقدام کے متعلق بات چیت کی۔فیصلہ ہوا کہ چھاپہ ماروں کو جوابی کارروائیاں کرنے کے لیے پھیلا دیا جائے۔رسد کے راستے کو بھی چھاپہ مار اپنی حفاظت میں لے لیں۔فوج کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ اُسے تین حصوں میں تقسیم کر کے دشمن پر تین اطراف سے حملہ کیا جائے۔تقی الدین نے اپنے پاس جو محفوظہ رکھا وہ خاصا کم تھا۔اس تقسیم اور ترتیب سے یہ فائدہ ہوا کہ فوج اس علاقے سے نکل گئی جہاں پانی نہیں تھا۔ریت اور ٹیلوں کا سمندر تھا، مگر فوج بکھر گئی۔دشمن نے تینوں حصوں پر حملے کر کے انہیں اور زیادہ بکھیر دیا۔جانی نقصان بہت ہونے لگا۔نہایت تیزی سے کمانڈروں نے اپنے اپنے دستوں کو الگ الگ کر کے اسی نوعیت کی جنگ شروع کر دی جو انہیں سلطان ایوبی نے سکھائی تھی مگر صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ جیت نہیں سکیں گے۔انہوں نے جذبہ قائم رکھا۔رسد اور کمک کا سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔وہ شب خون مارتے اور کھانے پینے کے لیے کچھ حاصل کر لیتے تھے۔چھاپہ مار دستے نہایت جانبازی سے شب خون مارتے، دشمن کا نقصان کرتے اور جو ہاتھ لگتا وہ مختلف دستوں تک پہنچا دیتے تھے۔

مرکزی کمان ختم ہو چکی تھی۔تقی الدین اپنے عملے کے ساتھ بھاگتا دوڑتا رہتا تھا۔جذبے کی حد تک وہ مطمئن تھا۔اُسے کہیں سے بھی ایسی اطلاع نہ ملی کہ کسی دستے یا جماعت نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں۔جنگ چھوٹے چھوٹے معرکوں اور جھڑپوں میں تقسیم ہوتے ہوتے آدھے سوڈان تک پھیل گئی۔مسلمان کمانڈروں نے فرداً فرداً یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑتے رہیں گے، سوڈان سے نکلیں گے نہیں۔دشمن کا نقصان بھی ہو رہا تھا۔ایک وقت آ گیا، جب دشمن پریشان ہو گیا کہ مسلمانوں کو سوڈان سے کس طرح نکالا جائے۔مسلمان فوجی صحراؤں، بیابانوں اور دیہاتی آبادیوں میں پھیل گئے تھے۔اب مرکز کو یہ بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ جانی نقصان کتنا ہو چکا ہے اور کتنی نفری باقی ہے۔یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ دشمن بھی مصیبت میں مبتلا ہے اور اب وہ مصر پر حملہ نہیں کر سکے گا، مگر اس طریقہ جنگ سے کوئی ٹھوس فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔کوئی علاقہ فتح نہیں کیا جا سکتا تھا۔فوج مرتی جا رہی تھی۔

ان حالات میں تقی الدین نے سلطان ایوبی کو اپنے ایک کمانڈر کی زبانی پیغام بھیجا۔اُس نے کہا کہ سوڈان کی مہم صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ اسے کمک مل جائے۔اس کی تمام فوج چھاپہ مار پارٹیوں میں بٹ گئی تھی۔ان پارٹیوں کی کارروائیوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے مزید فوج کی ضرورت تھی۔تقی الدین نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ

کمک نہ مل سکے تو کیا وہ سوڈان میں بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے مصر واپس آ جائے؟ مصر میں جو فوج تھی، وہ مصر کے اندرونی حالات اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھی ناکافی تھی۔ اسے محاذ پر لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سلطان ایوبی پسپائی کا قائل نہیں تھا۔ اُس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ اپنے بھائی کو پسپائی کا حکم دے یا نہیں، لیکن حقائق اسے مجبور کر رہے تھے۔ وہ کمک نہیں دے سکتا تھا۔ وہ خود کمک کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔

☆

تقی الدین کے اس قاصد نے سلطان ایوبی کی صورتِ حال تو بتا دی لیکن صلیبیوں اور سوڈانیوں نے وہاں جو ایک اور محاذ کھول دیا تھا، وہ نہ بتایا۔ غالباً اُس کمانڈر کو معلوم نہ ہو گا۔ ایسے انکشافات بہت بعد میں ہوئے تھے۔ تقی الدین کی فوج دس دس بارہ بارہ کی ٹولیوں میں بکھر کر لڑ رہی تھی۔ بعض علاقوں میں خانہ بدوشوں کے جھونپڑے اور خیمے بھی تھے۔ بعض جگہیں ہری بھری اور سرسبز بھی تھیں اور بیشتر علاقے بنجر، ویران اور ریگستان تھے۔ ایک شام تین چھاپہ مار مجاہدین واپس اپنے ایک سینیئر کمانڈر کے پاس آئے۔ ان میں دو زخمی تھے۔ انہوں نے سنایا کہ ان کی پارٹی میں اکیس افراد تھے اور بائیسواں پارٹی کمانڈر تھا۔ دن کے وقت یہ پارٹی ایک جگہ چھپی ہوئی تھی۔ پارٹی کمانڈر اِدھر اُدھر اس طرح ٹہل رہا تھا جیسے پہرہ دے رہا ہو یا کسی کی راہ دیکھ رہا ہو۔ ایک سوڈانی شتر سوار گزرا اور پارٹی کمانڈر کو دیکھ کر رُک گیا۔ کمانڈر اس کے پاس گیا اور معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ شتر سوار چلا گیا تو پارٹی کمانڈر نے اپنے اکیس جانبازوں کو یہ خوش خبری سنائی کہ دو میل دُور ایک گاؤں ہے جہاں مسلمان رہتے ہیں۔ اس شتر سوار نے پارٹی کو اپنے گاؤں میں مدعو کیا ہے۔ رات کو گاؤں والے پارٹی کو اپنا مہمان رکھیں گے اور دشمن کی ایک جمعیت کی جگہ بھی بتائیں گے۔

تمام جانباز بہت خوش ہوئے۔ کھانا دانہ ملنے کے علاوہ دشمن پر حملے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی یہ سب اُس گاؤں کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کے دیکھا کہ صرف تین جھونپڑے تھے۔ اِدھر اُدھر درخت تھے اور پانی بھی تھا۔ سپاہیوں کو جھونپڑوں کے باہر ڈیرے ڈالنے کو کہا گیا۔ پارٹی کمانڈر ایک جھونپڑے میں چلا گیا۔ باہر مشعلیں جلا دی گئیں اور سب کو کھانا دیا گیا۔ پارٹی کمانڈر نے کہا کہ سب سو جاؤ، حملے کے وقت انہیں جگا لیا جائے گا۔ تھکے ہوئے سپاہی سو گئے۔ یہ تین جو واپس آئے ان میں سے ایک سو نہ سکا یا اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے ایک جھونپڑے میں عورتوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ جھونپڑے میں پارٹی کمانڈر دو نہایت حسین لڑکیوں کے ساتھ ہنس کھیل رہا تھا اور شراب چل رہی تھی۔ لڑکیاں صحرائی لباس میں تھیں، لیکن صحرائی لگتی نہیں تھیں۔ اس سپاہی کو باہر کچھ دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔ چاندنی میں اُس نے دیکھا کہ بہت سے آدمی آ رہے تھے، جن کے ہاتھوں میں برچھیاں اور تلواریں تھیں۔ سپاہی جھونپڑے کی اوٹ میں ہو گیا اور دیکھتا رہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جھونپڑے میں کوئی داخل ہوا۔ اُس کی آواز سنائی دی...... ''کیوں بھائی کام کر دیں؟'' ...... پارٹی کمانڈر نے کہا...... ''تم آ گئے؟ سب سوئے ہوئے ہیں۔ ختم کر دو''...... اور لڑکیوں کے قہقہے سنائی دیئے۔

وہ آدمی جو آ رہے تھے، سوئی ہوئی پارٹی پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ تو سوتے میں ختم ہو گئے اور جو جاگ اُٹھے انہوں نے مقابلہ کیا۔ یہ سپاہی چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ اُسے اپنے دو ساتھی بھاگتے نظر آئے۔ موقعہ دیکھ کر یہ سپاہی بھی بھاگ اُٹھا اور اپنے دو ساتھیوں سے جا ملا۔ وہ دونوں زخمی تھے۔ کسی نے اُن کا تعاقب نہ کیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پارٹی کمانڈر شتر سوار کے دیئے ہوئے لالچ میں آ گیا تھا یا وہ پہلے سے ہی دشمن کا ایجنٹ تھا اور اپنے آدمیوں کو مروانے کا موقعہ دیکھ رہا تھا۔ بہر حال یہ

انکشاف ہوا کہ دشمن نے بکھرے ہوئے مسلمان دستوں کو ختم کرنے یا اپنے ہاتھ میں کرنے کے لیے لڑکیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ دشمن انسانی فطرت کی کمزوریوں کو استعمال کر رہا تھا۔ ان حالات میں لڑنے والے سپاہی کو پیٹ اور جنس کی بھوک بہت پریشان کیا کرتی ہے۔ دشمن مجاہدین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر حملے الگ کر رہا تھا اور نفسیاتی ہتھیار بھی استعمال کر رہا تھا۔ ایسے چند اور واقعات ہوئے۔ مجاہدین کو خبردار کیا گیا کہ کسی کے جھانسے میں نہ آئیں۔

ایسے بہت سے واقعات میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ چھاپہ مار دستے کا ایک کمانڈر، عطاالہاشم ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا دستہ تین چار پارٹیوں میں بکھرا ہوا تھا۔ یہ مصر سے آنے والی رسد کا راستہ تھا۔ عطاالہاشم نے اپنے صرف ایک دستے سے جس کی نفری ایک سو سے کچھ کم تھی، رسد کے تمام تر راستے کو محفوظ کر دیا تھا۔ رسد پر چھاپہ مارنے والے دشمن کا اُس نے بہت نقصان کیا تھا۔ اس کے جانباز اچانک جھپٹ پڑے تھے۔ سوڈانیوں نے انہیں ختم کرنے کے بہت جتن کیے، لیکن پانچ چھ جانبازوں کو شہید کرنے کے سوا کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ عطاالہاشم ٹیلوں میں ڈھکی ہوئی ایک جگہ پر بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ چھ سات جانباز تھے۔ یہ اُس نے ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ اُسے صحرائی خانہ بدشوں کے لباس میں دو لڑکیاں ایک ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ نظر آئیں۔ عطاالہاشم کو دیکھ کر تینوں اس کے پاس آ گئے۔ لڑکیاں سوڈانی معلوم ہوتی تھیں، لیکن انہوں نے جو لباس پہن رکھا تھا۔ وہ بہروپ لگتا تھا۔ اُن کے چہروں پر گرد تھی، چہرے اُداس تھے اور تھکن بھی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکیاں ادھیڑ عمر آدمی کے پیچھے ہو گئیں۔ یہ جھجک اور شرم کا اظہار تھا۔

اس آدمی نے کچھ مصری اور کچھ سوڈانی زبان میں کہا کہ وہ مسلمان ہے اور یہ دونوں اس کی بیٹیاں ہیں۔ وہ بھوک سے مر رہے ہیں۔ اُس نے کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ عطاالہاشم سوڈان کی زبان جانتا تھا۔ وہ چھاپہ مار تھا۔ سوڈانی علاقے میں کمانڈو کارروائیوں کی کامیابی کے لیے اُس نے سوڈانی زبان سیکھی تھی۔ اُس کے پاس خوراک کی کمی نہیں تھی۔ وہ رسد کا محافظ تھا۔ دو تین بار رسد گزری تھی جس میں سے اُس نے اپنے دستے کے لیے بہت سا راشن پانی اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اُس نے ان تینوں کو کھانا دیا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کہاں جا رہے ہیں؟۔ اُس آدمی نے کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ اُن کا گاؤں جنگ کی زد میں آ گیا ہے۔ کبھی سوڈانی آ جاتے تھے تو کبھی مسلمان۔ دونوں گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ ان لڑکیوں کو فوجیوں سے چھپاتا پھرتا تھا، آخر تنگ آ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ لڑکیوں کی عزت بچانا چاہتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ چونکہ وہ مسلمان ہے، اس لیے اس کوشش میں ہے کہ مصر چلا جائے، مگر ممکن نظر نہیں آتا۔ اُس نے عطاالہاشم سے کہا کہ وہ انہیں مصر پہنچا دے۔ اُس کے ساتھ ہی اس نے پوچھا...... ''تم لوگ اس جگہ کب تک رہو گے؟''

''جب تک رہوں، تم تینوں کو اپنے ساتھ رکھوں گا''...... عطاالہاشم نے جواب دیا۔

''آپ ان دونوں لڑکیوں کو اپنی پناہ میں لے لیں''...... ادھیڑ عمر آدمی نے کہا...... ''میں چلا جاتا ہوں''۔

''میں یہ دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں کہ آپ کی زندگی کتنی دشوار ہے''...... ایک لڑکی نے معصوم لہجے میں کہا اور پوچھا...... ''آپ کو اپنا گھر اور بیوی بچے یاد نہیں آتے؟''

''سب یاد آتے ہیں''...... عطاالہاشم نے جواب دیا...... ''لیکن میں اپنے فرض کو نہیں بھول سکتا''۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کھانا کھا کر پانی پی کر ان کے جسموں میں نئی جان اور نئی روح پیدا ہو گئی ہو۔ ایک لڑکی تو خاموش رہی، دوسری کی زبان رواں ہو گئی۔ اس نے جتنی بھی باتیں کیں ان میں عطاالہاشم اور اُس کے جانبازوں کے لیے ہمدردی تھی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ وطن سے اتنی دُور آ کر اپنی جانیں کیوں ضائع کرتے ہیں۔

عطاالہاشم اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے تینوں کو اُٹھایا اور اپنے آدمیوں کو بلایا۔ انہیں کہا کہ اس سوڈانی کے پاؤں رسیوں سے باندھ کر میرے گھوڑے کے پیچھے باندھ دو۔ انہوں نے اُسے گرا کر پاؤں باندھ دیئے اور گھوڑا کھول لائے۔ رسی کا ایک سرا گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا۔ عطاالہاشم نے ایک سپاہی سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ وہ سوار ہو گیا۔ عطاالہاشم نے لڑکیوں کو اکٹھا کھڑا کر کے دو تیر انداز بلائے۔ انہیں کہا کہ میرے اشارے پر لڑکیوں کی آنکھوں کے درمیان ایک ایک تیر چلا دیں اور گھوڑ سوار گھوڑے کو ایڑ لگا دے۔ گھوڑے کے پیچھے سوڈانی بندھا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ گھوڑا دوڑے گا تو اس کا کیا حشر ہو گا۔ تیر اندازوں نے ایک ایک تیر کمانوں میں ڈال لیا اور گھوڑ سوار نے باگیں تھام لیں۔ عطاالہاشم نے سوڈانی لڑکیوں اور آدمی سے کہا...... ''میں تم تینوں کو صرف ایک بار کہوں گا کہ اپنی اصلیت بتا دو، جس مقصد کے لیے آئے ہو، صاف بتا دو، ورنہ اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

خاموشی طاری ہو گئی۔ لڑکیوں نے گھوڑے کے پیچھے بندھے ہوئے اپنے ساتھی کو دیکھا۔ وہ بھی خاموش تھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں آپس میں مشورہ کر لیا۔ سوڈانی نے کہا کہ اپنا آپ ظاہر کر دے گا۔ عطاالہاشم اُس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا کہ وہ سچ بولے گا تو اُسے کھولا جائے گا۔ اس آدمی نے کہا...... ''او پتھر دِل انسان! تیرے پاس اتنی خوب صورت لڑکیاں لایاں ہوں اور تو انہیں تیروں کا نشانہ بنا رہا ہے۔ انہیں اپنے پاس رکھ اور اپنے دستے کو سمیٹ کر یہاں سے چلا جا۔ اگر یہ قیمت تھوڑی ہے تو اپنی قیمت بتا۔ سونے کے سکے مانگ، کچھ اور مانگ۔ شام سے پہلے لا دوں گا''۔

عطاالہاشم اُٹھا اور سوار سے کہا...... ''گھوڑا دُلکی چال پندرہ بیس قدم چلاؤ''۔

گھوڑا اچل پڑا۔ چند قدم آگے گیا تو سوڈانی بلبلا اُٹھا۔ عطاالہاشم نے کہا...... ''رُک جاؤ''...... گھوڑا رُکا تو عطاالہاشم نے اس کے پاس جا کر کہا کہ وہ سیدھی باتیں کرنے پر آ جائے۔ وہ مان گیا۔ اُس نے بتا دیا کہ وہ سوڈانی جاسوس ہے اور صلیبیوں نے اُسے ٹریننگ دی ہے، لڑکیوں کے متعلق اس نے بتایا کہ مصر کی پیدائش ہیں اور صلیبیوں نے انہیں تخریب کاری کے فن کا ماہر بنا رکھا ہے۔ عطاالہاشم نے اُس کے پاؤں کھول دیئے اور اُسے اپنے پاس بٹھا کر باتیں پوچھیں۔ اُس نے بتایا کہ اُسے یہ کام دیا گیا ہے کہ سوڈان میں پھیلے ہوئے مسلمان کمانڈروں کو لڑکیوں یا سونے چاندی کا چکمہ دے کر انہیں اور ان کے سپاہیوں کو ختم یا قید کرا دیا جائے یا انہیں اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔ اُس نے بتایا کہ عطاالہاشم نے رسد کا راستہ ایسی خوبی سے محفوظ کر رکھا تھا کہ صلیبی اور سوڈانی چھاپہ ماروں کا جانی نقصان بھی ہوا اور رسد بھی نکل گئی۔ اُسے یہ مشن دے کر بھیجا گیا تھا کہ عطاالہاشم کو ان لڑکیوں سے اندھا کر کے اُسے قتل کر دے یا اُسے ایسے پھندے میں لے آئے کہ اسے قتل یا قید کر لیا جائے اور اگر وہ ایمان کا کچا ثابت ہوا تو اُسے اپنے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ یہ سوڈانی حیران تھا کہ عطاالہاشم نے اتنی خوب صورت لڑکیوں کو قبول نہیں کیا۔ اُس نے جب عطاالہاشم سے پوچھا کہ اس نے لڑکیوں اور زر و جواہرات کی پیش کش کو کیوں ٹھکرا دیا ہے تو عطاالہاشم نے مسکرا کر کہا۔ ''کیونکہ میں ایمان کا کچا نہیں''۔

عطاالہاشم نے لڑکیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ زیادہ باتیں کرنے والی نے پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ عطاالہاشم نے بتایا کہ انہیں وہ کل صبح اپنے ہیڈ کوارٹر میں سالارِ اعلیٰ تقی الدین کے پاس لے جائے گا یا بھیج دے گا۔ اُس نے سوڈانی کو لڑکیوں سمیت اس ہدایت کے ساتھ اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا کہ انہیں الگ الگ رکھا جائے۔ ان کی تلاشی لی گئی۔ تینوں کے پاس ایک ایک خنجر تھا۔ آدمی کے پاس ایک پوٹلی تھی جس میں حشیش بندھی ہوئی تھی۔

سورج غروب ہونے والا تھا جب اُس کے دستے کی ایک ٹولی واپس آ گئی۔ اُس نے ٹولی کو کچھ دُور دُور تک پھیلا

دیا۔ اُس نے ہر کسی کو بتادیا کہ یہ تینوں جاسوس اور تخریب کار ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کے ساتھیوں کو معلوم ہو کہ یہ یہاں ہیں اور انہیں چھڑانے کے لیے حملہ کریں۔ ان انتظامات کے بعد وہ آرام کے لیے لیٹ گیا۔ وہ جگہ نشیب و فراز کی تھی۔ اس نے لیٹنے سے پہلے دیکھ لیا تھا کہ اس کے سپاہیوں نے لڑکیوں اور مرد کو کس طرح لٹایا ہے۔ وہ خود ایک ٹیلے کے ساتھ لیٹا جہاں سے وہ اپنے سپاہیوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ذہن میں یہ دو لڑکیاں آگئیں۔ وہ اس سوچ میں کھو گیا کہ یہ کتنی خوب صورت اور بظاہر کیسی معصوم سی لڑکیاں ہیں اور ان سے کتنا غلیظ اور کتنا خطرناک کام کرایا جارہا ہے، اگر یہ کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہوتیں تو کسی باعزت گھرانے میں دلہنیں بن کر جاتیں۔ اُسے اپنی بیوی یاد آگئی جو دُلہن بن کر اُس کے گھر آئی تھی تو انہی کی طرح جوان اور دل کش تھی۔ اپنی بیوی کی یاد اُسے رومان انگیز تصورات میں لے گئی۔ اس ویران صحرا میں جہاں وہ موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ ان تصوروں نے اُس پر نشہ طاری کردیا۔ میدانِ جنگ میں سپاہی ایسے ہی تصوروں اور بڑی ہی دل کش یادوں سے دِل بہلایا کرتے ہیں۔

چاندنی نکھر آئی تھی۔ صحرا کی چاندنی بڑی ہی شفاف اور خنک ہوا کرتی ہے۔ اس کی خنکی میں ایسا تاثر ہوتا ہے جو ذہن اور دِل سے موت کے خوف کو دھو ڈالتا ہے۔ عطاالہاشم اُٹھا اور اس انداز سے خراماں خراماں اُس جگہ گیا جہاں لڑکیاں سوئی ہوئی تھی، جیسے وہ حفاظتی انتظام کا معائنہ کرنے جارہا ہو۔ وہ اکٹھی سو رہی تھی۔ ان کے اِردگرد سپاہی سوئے ہوئے تھے۔ سوڈانی آدمی کچھ دُور تین سپاہیوں کے نرغے میں سویا ہوا تھا۔ عطاالہاشم نے ایک لڑکی کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے دبایا۔ لڑکی کی آنکھ کھل گئی۔ عطاالہاشم کو چاندنی میں پہچان کر وہ اُٹھ بیٹھی۔ عطاالہاشم نے اُسے اٹھنے اور ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی اس مسرت کے ساتھ اٹھی کہ اس پتھر جیسے کمانڈر پر اس کی جوان نسوانیت کا جادو چل گیا ہے۔ وہ اُس کے ساتھ چل پڑی۔ عطاالہاشم نے دیکھا کہ اُس کے سپاہی کیسی بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ خبر بھی نہیں کہ کوئی آدمی ان کے درمیان سے لڑکی کو اُٹھا کر لے جارہا ہے۔ اُسے اپنے سپاہیوں پر غصے کی بجائے ترس آگیا جو ایک غیر یقینی سی جنگ لڑ رہے تھے۔ کسی باقاعدہ کمان اور کنٹرول کے باوجود وہ نظم و ضبط کی پابندی کررہے تھے۔

لڑکی کو وہ اپنی جگہ لے گیا۔ لڑکی کے سر پر اب اوڑھنی نہیں تھی۔ چاندنی اس کے بکھرے ہوئے بالوں کو سونے کے تاروں کا رنگ دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر لڑکی کو دیکھتا رہا اور لڑکی اُسے دیکھتی رہی۔ لڑکی نے نشیلی سی آواز میں مُسکرا کر کہا..... ''میں حیران ہوں کہ آپ ڈر کیوں رہے ہیں۔ مجھے آپ کے پاس آپ ہی کے لیے لایا گیا ہے۔ کیا آپ میری ضرورت محسوس نہیں کرتے؟''..... وہ اُسے چپ چاپ دیکھتا رہا جیسے بت بن گیا ہو۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگا لیا اور بولی..... ''میں جانتی ہوں آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے، آپ کیا سوچ رہے ہیں؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارا باپ میری طرح کا ایک مرد ہوگا''..... عطاالہاشم نے اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا..... ''میں بھی باپ ہوں۔ ہم دونوں باپوں میں زمین اور آسمان جتنا فرق ہے۔ وہ باپ کتنا بے غیرت ہے اور میں ہوں کہ غیرت کی پاسبانی کے لیے اپنے بچوں کو یتیم کرنے کی کوشش کررہا ہوں''۔

''میرا کوئی باپ نہیں''..... لڑکی نے کہا..... ''دیکھا ہوگا، اس کی صورت یاد نہیں''۔

''مر گیا تھا؟''

''یہ بھی یاد نہیں''۔

''اور ماں؟''

''کچھ بھی یاد نہیں''...... لڑکی نے کہا...... ''یہ بھی یاد نہیں کہ میں کسی گھر میں پیدا ہوئی تھی یا کسی خانہ بدوش کے خیمے میں...... مگر یہ وقت ایسی بے مزہ باتیں کرنے کا نہیں''۔

''ہم سپاہی یادوں سے مزے حاصل کیا کرتے ہیں''...... عطاالہاشم نے کہا...... ''میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں بھی تمہارے ماضی کی چند ایک یادیں تازہ کر دوں''۔

''میں بجائے خود ایک حسین یاد ہوں''...... لڑکی نے کہا...... ''جس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار جاتی ہوں، وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ میری اپنی کوئی یاد نہیں''۔

''اپنے آپ کو حسین نہیں، ایک غلیظ یاد کہو''...... عطاالہاشم نے کہا...... ''مجھے تمہارے جسم سے صلیبیوں کے، سوڈانیوں کے، مسلمانوں کے اور بڑے ہی غلیظ انسانوں کے گناہوں کی بو آ رہی ہے۔ تم میرے قریب آؤ گی تو مجھے متلی آ جائے گی۔ تمہیں کوئی مرد یاد نہیں رکھتا۔ تم جیسی لڑکیوں کے شکاری آج یہاں اور کل وہاں ہوتے ہیں۔ دوسرا شکار مل جاتا ہے تو پہلے کو بھول جاتے ہیں۔ تمہارا یہ حسن چند دنوں کا مہمان ہے۔ تم میری قید میں ہو۔ میں تمہارا یہ چہرہ اسی وقت سزا کے طور پر زخمی کر کے ہمیشہ کے لیے مکروہ بنا سکتا ہوں، مگر ایسی ضرورت نہیں۔ یہ صحرا، شراب، حشیش اور بدکاری تمہیں سال کے اندر اندر مرجھایا ہوا پھول بنا دے گی جسے لوگ اُٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہ صلیبی اور یہ سوڈانی تمہیں بھیک مانگنے کے لیے باہر نکال دیں گے۔ تم بڑے ہی گھٹیا انسانوں کے لیے تفریح کا ذریعہ بن جاؤ گی......'' عطاالہاشم کے لہجے میں ایسا ٹھہراؤ اور ایسا تاثر تھا کہ لڑکی کی ذہنی کیفیت میں ہلچل سی پیدا ہوگئی۔ یہ مسلمان کمانڈر کہہ رہا تھا...... ''میری ایک بیٹی ہے جو تم سے دو تین سال چھوٹی ہوگی۔ اس کی شادی ایک باعزت جوان کے ساتھ ہوگی جو میری طرح کمر سے تلوار لٹکا کر بڑی اچھی نسل کے گھوڑے پر سوار ہوا کرے گا۔ وہ میری طرح میدانِ جنگ کا شہزادہ ہوگا۔ میری بیٹی دُلہن بنے گی۔ اپنے خاوند کے دِل میں اور اُس کے گھر میں راج کرے گی۔ لوگ میری بیٹی کو ایک نظر دیکھنا چاہیں گے مگر دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں بھی اس پر فخر کیا کروں گا اور اُس کا خاوند اُس کے ساتھ اتنی محبت کرے گا کہ وہ بوڑھی ہو جائے گی تو بھی محبت ختم نہیں ہوگی۔ بڑھے گی۔ تمہیں دیکھنے کے لیے کوئی بھی بے تاب نہیں ہوتا، کیونکہ تم ایک ننگا بھید ہو، تمہاری عزت کسی کے دِل میں نہیں اور کوئی بھی نہیں جو تمہیں محبت کے قابل سمجھے گا''۔

''آپ میرے ساتھ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟''...... لڑکی نے ایسی آواز میں پوچھا جو اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔

''میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم جیسی بیٹیاں مقدس ہوتی ہیں''...... عطاالہاشم نے جواب دیا...... ''ہم مسلمان لوگ بیٹی کو اللہ کا پیغام سمجھتے ہیں۔ اگر تم عصمت اور مذہب کے معنی سمجھ لو تو تم پر اللہ کی رحمت برس جائے گی، مگر تم سمجھ نہیں سکو گی، کیونکہ تم اس محبت سے واقف نہیں جو روح کی گہرائیوں تک پہنچا کرتی ہے۔ تم بدنصیب ہو۔ تم نے مردوں کی ہوس دیکھی ہے، محبت نہیں دیکھی''۔

عطاالہاشم آہستہ آہستہ بولتا رہا۔ اُس کے لب و لہجے اور انداز کا اپنا ایک تاثر تھا لیکن لڑکی اس پر حیران ہو رہی تھی کہ یہ بھی دوسرے مردوں کی طرح مرد ہے، مگر اس نے اُس کے حسن کو ذرّہ بھر اہمیت نہیں دی۔ عطاالہاشم جذباتی لحاظ سے پتھر بھی نہیں تھا۔ وہ تو سرتاپا جذبات میں ڈوبا ہوا تھا۔ لڑکی نے بے تاب سا ہو کر کہا...... ''آپ کی باتوں میں ایسا نشہ اور خمار ہے جو میں نے شراب اور حشیش میں نہیں پایا۔ مجھے آپ کی کوئی بھی بات سمجھ نہیں آ رہی لیکن ہر ایک بات دِل میں اُتر تی رہی ہے''...... لڑکی ذہین تھی۔ اس قسم کی تخریب کاری کے لیے ذہین ہونا لازمی تھا۔ مردوں کو انگلیوں پر نچانے کی اُسے بچپن

سے ٹریننگ دی گئی تھی مگر اس مرد نے اس ناگن کا زہر مار دیا۔ اس نے عطاالہاشم سے بہت سی باتیں پوچھیں جن میں کچھ مذہب سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُس کے لہجے اور انداز میں اب پیشہ وارانہ اداکاری نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے قدرتی رنگ میں باتیں کر رہی تھی۔ اُس نے پوچھا...... ''مجھے آپ لوگ کیا سزا دیں گے؟''۔

''میں تمہیں کوئی سزا نہیں دے سکتا''...... عطاالہاشم نے کہا...... ''کل صبح تمہیں اپنے سالارِ اعظم کے حوالے کر دوں گا''۔

''وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟''

''جو ہمارے قانون میں لکھا ہے''۔

''آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟''

''نہیں''

''میں نے سنا ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں''...... لڑکی نے کہا...... ''اگر آپ مجھے اپنی بیوی بنا لیں تو میں آپ کا مذہب قبول کر کے ساری عمر آپ کی خدمت کروں گی''۔

''میں تمہیں بیٹی بنا سکتی ہوں، بیوی نہیں''...... عطاالہاشم نے کہا...... ''کیونکہ تم میرے ہاتھوں میں مجبور ہو، تم میری پناہ میں بھی ہو اور میری قید میں بھی''۔

وہ باتوں میں مصروف تھے۔ لڑکی کا ساتھی مرد تین سپاہیوں کے نرغے میں لیٹا ہوا تھا، مگر وہ جاگ رہا تھا۔ اُس نے عطاالہاشم کو دیکھ لیا تھا کہ وہ لڑکی کو جگا کر لے گیا ہے۔ وہ خوش تھا کہ لڑکی عطاالہاشم کو چکمہ دے کر قتل کر دے گی یا اُسے یہاں سے کہیں دور لے جائے گی۔ وہ لیٹا ہوا لڑکی کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ بہت دیر بعد اُس نے سپاہیوں کو دیکھا، وہ بے ہوش ہو کے سوئے ہوئے تھے۔ انہیں بے ہوش ہونا ہی تھا، کیونکہ اس سوڈانی نے شام کے بعد ان سپاہیوں کے ساتھ گپ شپ شروع کر دی تھی اور انہیں ہنستے کھیلتے حشیش پلا دی تھی۔ اس سے حشیش کی ایک پوٹلی تو برآمد کر لی گئی تھی، لیکن اُس نے تھوڑی سی حشیش اپنے چغے میں کہیں سی رکھی تھی، وہاں سے نکال کر اس نے تین سپاہیوں کو پلا دی وہ چونکہ اس نشے کے عادی نہیں تھے، اس لیے بے ہوشی کی نیند سو گئے۔ یہ سوڈانی رات کو بھاگنے کے جتن کر رہا تھا۔

اُس نے دیکھا کہ لڑکی عطاالہاشم کے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بہت دیر گزر گئی ہے تو وہ سمجھا کہ لڑکی اس مسلمان کمانڈر کو دُور نہیں لے جا سکی، لہٰذا اس شخص کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ وہ واپس گیا اور سوئے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک کی کمان اور ترکش میں تین چار تیر لے آیا۔ راستے میں چند فٹ اونچی جگہ تھی جس کی اوٹ میں وہ عطاالہاشم کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اس لیے بھی نظر نہیں آ سکتا تھا کہ اس طرف عطاالہاشم کی پیٹھ تھی۔ لڑکی کا منہ اُدھر ہی تھا، لیکن وہ اپنے آدمی کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ وہ آدمی تیر و کمان لے کر آیا تو لڑکی کو چاندنی میں اس کا سر اور کندھے نظر آئے پھر اسے کمان نظر آئی۔ عطاالہاشم اپنی موت سے بے خبر بیٹھا تھا۔ اس کا خنجر نیام میں پڑا ہوا تھا اور نیام قریب ہی رکھی تھی۔ لڑکی نے نیام اُٹھا کر خنجر نکال لیا۔ عطاالہاشم جھپٹ کر اس سے خنجر چھیننے ہی لگا کہ لڑکی نے نہایت تیزی سے گھٹنوں کے بل ہو کر اپنے آدمی طرف پوری طاقت سے خنجر پھینکا۔

فاصلہ چند گز تھا۔ اُدھر سے آہ کی آواز سنائی دی۔ خنجر سوڈانی کی شہ رگ میں اُتر گیا تھا اور اس نے زخمی ہوتے ہی تیر چلا دیا تھا۔ نشانہ چوک جانا ضروری تھا۔ تیر کا زناٹہ عطاالہاشم کے قریب سے گزرا اور دھک کی آواز سنائی دی۔ اُس نے

دیکھا کہ تیر لڑکی کے سینے میں اُتر گیا تھا۔ وہ دوڑ کر اُس کی طرف گیا جس طرف خنجر گیا اور تیر آیا تھا۔ وہاں سوڈانی اپنی شہ رگ سے خنجر نکال رہا تھا۔ اُس نے خنجر نکال لیا اور اُٹھا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر کہ وہ حملہ کرے گا عطاالہاشم نے اُچھل کر اس کے پہلو میں دونوں پاؤں جوڑ کر مارے۔ سوڈانی دور جا پڑا۔ عطاالہاشم بھی گرا اور فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ سوڈانی نہ اُٹھ سکا۔ اس کی شہ رگ سے خون اُبل اُبل کر نکل رہا تھا۔ عطاالہاشم نے خنجر اُٹھایا اور لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی سینے میں اپنے ہی ساتھی اور محافظ کا تیر لیے اطمینان سے پڑی تھی۔ وہ ابھی زندہ تھی۔ تیر نکالنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

لڑکی نے عطاالہاشم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کراہتی ہوئی آواز میں بولی..... ''میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اس کے عوض اپنے خدا سے کہنا کہ میری روح کو اپنی پناہ میں لے لے۔ میرے جسم کی طرح میری روح بھی ان صحراؤں میں نہ بھٹکتی رہے۔ میری عمر گناہوں میں گزری ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ خدا اس ایک نیکی کے بدلے میرے سارے گناہ بخش دے گا۔ میرے سر پر اُسی طرح ہاتھ پھیرو جس طرح اپنی بیٹی کے سر پر پھیرا کرتے ہو''۔

عطاالہاشم نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا..... ''اللہ تیرے گناہ بخش دے، تجھ سے گناہ کروائے گئے ہیں تو بے گناہ ہے۔ تجھے کسی نے نیکی کی روشنی دکھائی ہی نہیں''۔

لڑکی نے درد کی شدت سے کراہتے ہوئے عطاالہاشم کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا اور بڑی تیزی سے بولنے لگی۔ اُس نے کہا..... ''یہاں سے تین کوس دور سوڈانیوں کا ایک اڈہ ہے۔ وہ لوگ آپ سب کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور غور سے سنو۔ آپ کی فوج اتنی زیادہ پھیل گئی ہے کہ اس کی قسمت میں اب موت یا قید ہے۔ آپ کے ہر ایک کمانڈر اور ہر ایک ٹولی کے پیچھے مجھ جیسی لڑکیاں یا مرد لگے ہوئے ہیں۔ میں اس لڑکی کے ساتھ آپ کے چار کمانڈروں کو پھانس کر ختم کرا چکی ہوں۔ مصر کی فکر کرو۔ صلیبیوں نے وہاں بڑے ہی خطرناک اور خوب صورت جال بچھا دیے ہیں۔ آپ کی قوم اور فوج میں ایسے مسلمان حاکم موجود ہیں جو صلیبیوں کے تنخواہ دار جاسوس اور اُن کے وفادار ہیں۔ انہیں مجھ جیسی لڑکیاں اور بے پناہ دولت دی جا رہی ہے۔ مصر کو بچاؤ۔ سوڈان سے نکل جاؤ۔ اپنے غداروں کو پکڑو۔ میں کسی کا نام نہیں جانتی جو معلوم تھا، بتا دیا ہے۔ آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے بیٹی کہا ہے۔ آپ نے مجھے باپ کا پیار دیا ہے۔ میں اس کا معاوضہ یہی دے سکتی ہوں کہ آپ کو خطروں سے آگاہ کر دوں۔ اپنے بکھرے ہوئے دستے کو اکٹھا کر لو اور حملہ روکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دو تین دنوں میں آپ پر حملہ ہوگا۔ فاطمیوں اور فدائیوں سے بچو۔ انہوں نے مصر میں بہت سے ایسے حاکموں کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا ہے جو صلاح الدین ایوبی اور اپنی قوم کے وفادار ہیں''۔

لڑکی کی آواز ڈوبتی اور رُکتی گئی اور ایک لمبے سانس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ صبح طلوع ہوئی تو عطاالہاشم دونوں لاشوں اور زندہ لڑکی کو ساتھ لے کر تقی الدین کے پاس چلا گیا۔ اُسے سارا واقعہ سنایا اور لڑکی کی آخری باتیں بھی سنائیں۔ تقی الدین پہلے ہی پریشان تھا۔ وہ سٹپٹا اُٹھا۔ اس نے کہا..... ''اپنے بھائی کی اجازت اور ہدایت کے بغیر میں پسپا نہیں ہونا چاہتا۔ میں نے ایک ذمہ دار ذہین کمانڈر کو کرک بھیجا ہے۔ اس کی واپسی تک ثابت قدم رہو''۔

☆

سلطان ایوبی نے قاصد کمانڈر کی بیان کی ہوئی جنگی صورتِ حال پر غور کیا تو اپنے مشیروں کو بلا کر انہیں بھی تفصیل سنائی۔ اُس نے کہا..... ''بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے پیچھے ہٹانا آسان کام نہیں۔ دشمن انہیں یکجا نہیں ہونے دے گا۔ پسپائی سے اس فوج کے جذبے پر بھی بُرا اثر پڑے گا جو مصر میں ہے اور جو یہاں میرے ساتھ ہے اور قوم کا دل

ٹوٹ جائے گا، مگر حقائق سے فرار بھی ممکن نہیں۔ اپنے آپ کو فریب دینا بھی خطرناک ہے۔ حقائق کا تقاضہ یہ ہے کہ تقی الدین اپنی فوج کو واپس لے آئے۔ ہم اُسے کمک نہیں دے سکتے۔ ہم کرک کا محاصرہ اُٹھا کر اُس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ میرے بھائی نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ بڑی ہی قیمتی فوج ضائع ہو رہی ہے''۔

''یہ ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں بننا چاہیے''...... ایک اعلیٰ حکام نے کہا...... ''ہمیں سوڈان کی جنگ سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ قائدین اور حکام کے غلط فیصلوں سے فوج بدنام ہو رہی ہے۔ ہمیں قوم کو صاف الفاظ میں بتا دینا چاہیے کہ سوڈان میں ہماری ناکامی کی ذمہ داری فوج پر عائد نہیں ہوتی''۔

''بلاشبہ یہ میرے بھائی کی غلطی ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور یہ میری غلطی بھی ہے کہ میں نے تقی الدین کو اجازت دی تھی کہ حالات کے مطابق وہ جو کارروائی مناسب سمجھے مجھ سے پوچھے بغیر کر گزرے۔ اُس نے اتنی بڑی کارروائی حقائق کا جائزہ لیے بغیر کر دی اور اپنے آپ کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ میں اپنی اور اپنے بھائی کی لغزشوں کو اپنی قوم سے اور نورالدین زنگی سے چھپاؤں گا نہیں۔ میں تاریخ کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ میں اپنے کاغذات میں تحریر کراؤں گا کہ اس شکست کی ذمہ دار فوج نہیں، ہم تھے۔ ورنہ ہماری تاریخ کو آنے والے حکمران ہمیشہ دھوکہ دیں گے۔ میں سلطنت اسلامیہ کے آنے والے حکمرانوں کے لیے یہ مثال قائم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی لغزشوں پر پردہ ڈال کر بے گناہوں کو تاریخ میں ذلیل نہ کریں۔ یہ ایسی غلطی اور ایسا فریب ہے جو کرۂ ارض پر اسلام کو پھیلنے کی بجائے سکڑنے پر مجبور کرے گا''۔

سلطان ایوبی کا چہرہ لال ہو گیا۔ اُس کی آواز کانپنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی زبان سے پسپائی کا لفظ کہنا نہیں چاہتا۔ وہ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے بڑے ہی مشکل حالات میں جنگیں لڑی تھیں مگر اب حالات نے اُسے مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے تقی الدین کے بھیجے ہوئے کمانڈر سے کہا...... ''تقی الدین سے کہنا کہ اپنے دستوں کو سمیٹو اور انہیں تھوڑی تھوڑی نفری میں پیچھے بھیجو، جہاں دشمن تعاقب میں آئے، وہاں جم کر لڑو اور اس انداز سے لڑو کہ دشمن تمہارے تعاقب میں مصر میں داخل نہ ہو جائے۔ دستے جو مصر میں پہنچ جائیں، انہیں اکٹھا رہنے کا حکم دو تا کہ مصر پر دشمن حملہ کرے تو اسے روک سکو۔ محفوظ پسپائی کے لیے چھاپہ ماروں کو استعمال کرو۔ کسی دستے کو دشمن کے گھیرے میں چھوڑ کر نہ آنا۔ میں پسپائی بڑی مشکل سے برداشت کر رہا ہوں۔ میں یہ خبر برداشت نہیں کر سکوں گا کہ تمہارے کسی دستے نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ پسپائی آسان نہیں ہوتی۔ پیش قدمی کی نسبت محفوظ اور باعزت پسپائی بہت مشکل ہے۔ حالات پر نظر رکھنا، تیز رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھنا۔ میں تحریری پیغام نہیں بھیج رہا ہوں، کیونکہ خطرہ ہے کہ تمہارا قاصد راستے میں پکڑا گیا تو دشمن کو معلوم ہو جائے گا کہ تم پسپا ہو رہے ہو''۔

سلطان ایوبی نے قاصد کمانڈر کو بہت سی ہدایات دیں اور رخصت کر دیا۔ اس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز ابھی سنائی دے رہی تھی کہ دربان خیمے میں داخل ہوا اور کہا کہ قاہرہ سے ایک قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے اندر بلا لیا۔ وہ انٹیلی جنس کا عہدے دار تھا۔ وہ مصر کے اندرونی حالات کے متعلق حوصلہ شکن خبر لایا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہاں دشمن کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ علی بن سفیان اپنے پورے محکمے کے ساتھ شب و روز مصروف رہتا ہے۔ حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ فوجی بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

سلطان ایوبی کے چہرے کا رنگ ایک بار تو اُڑ ہی گیا۔ اگر صرف مصر کا غم ہوتا تو وہ پرواہ نہ کرتا۔ اُس نے مصر کو بڑے ہی خطرناک حالات سے بچایا تھا۔ صلیبیوں اور فاطمیوں کی تخریب کاری کی بڑی ہی کاری ضربیں بے کار کی تھیں۔

سمندر کی طرف سے صلیبیوں کا بڑا ہی شدید حملہ روکا تھا۔ خلیفہ تک کو معزول کر کے نتائج کا سامنا دلیری اور کامیابی سے کیا تھا، مگر اب کرک کو محاصرے میں لے کر وہ وہاں پابجولاں ہو گیا تھا۔ وہاں سے اُس کی غیر حاضری میدانِ جنگ کا پانسہ اُس کے خلاف پلٹ سکتی تھی۔ کرک کے محاصرے کے علاوہ اُس نے قلعے کے باہر صلیبیوں کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ یہ فوج گھیرا توڑنے کی کوشش میں حملے پہ حملہ کیے جا رہی تھی، وہاں خون ریز جنگ لڑی جا رہی تھی۔ سلطان ایوبی اپنی خصوصی چالوں سے دشمن کے لیے آفت بنا ہوا تھا۔ ایسی جنگ اس کی نگرانی کے بغیر نہیں لڑی جا سکتی تھی۔

اُدھر سوڈان کی صورتِ حال نے بھی مصر کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ یہ ایک اضافی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ تقی الدین نے بھاگنے کے انداز سے پسپائی کی تو دشمن کی فوج اس کی فوج کو وہیں ختم کر دے گی اور سیدھی مصر میں داخل ہو جائے گی۔ مصر میں جو فوج تھی، وہ حملہ روکنے کے لیے کافی نہیں تھی۔ ادھر کرک کے محاصرے کی کامیابی یا جلدی کامیابی مخدوش نظر آ رہی تھی۔ دونوں محاذوں کی کیفیت میں مصر میں بغاوت کے خطرے کی خبر ایسی چوٹ تھی جس نے سلطان ایوبی کے پاؤں ہلا دیئے۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے ہوئے خیمے میں ٹہلتا رہا، پھر اُس نے کہا۔۔۔۔۔ ''میں صلیبیوں کی تمام تر فوج کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ اُس فوج کا بھی جو انہوں نے یورپ میں جمع کر رکھی ہے، مگر میری قوم کے یہ چند ایک غدار مجھے شکست دے رہے ہیں۔ کفار کے یہ حواری اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہلاتے ہیں؟ وہ غالباً جانتے ہیں کہ انہوں نے مذہب تبدیل کر لیا تو عیسائی انہیں یہ کہہ کر دھتکار دیں گے کہ تم غدار ہو، ایمان فروش ہو، اپنے مذہب میں رہو، ہم سے اُجرت لو اور اپنی قوم سے غداری کرو'' ۔۔۔۔۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اُس کے خیمے میں جو افراد موجود تھے، وہ بھی خاموش تھے۔ سلطان ایوبی نے سب کو باری باری دیکھا اور کہا۔۔۔ ''خدا ہم سے بڑا ہی سخت امتحان لینا چاہتا ہے۔ اگر ہم سب ثابت قدم رہے تو ہم خدا کے حضور سرخرو ہوں گے''۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ بات کہہ دی، لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُس پر گھبراہٹ طاری ہے، جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

☆

سلطان ایوبی کو اتنا ہی بتایا گیا تھا کہ مصر میں بغاوت کا خطرہ ہے اور صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ تفصیلات بڑی ہی خوفناک تھیں۔ اُس کی غیر حاضری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلمان حکام میں سے تین چار صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تو چند دن بعد اُس نے رسد مانگی۔ قاصد نے کہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ رسد فوراً بھیج دی جائے، مگر دو روز تک کوئی انتظام نہ کیا گیا جو حاکم رسد کی فراہمی اور ترسیل کا ذمہ دار تھا، اُس سے باز پرس ہوئی تو اُس نے یہ اعتراض کیا کہ بیک وقت دو محاذ کھول دیئے گئے ہیں۔ دو محاذوں کو رسد کہاں سے دی جا سکتی ہے۔ ایک یہ طریقہ ہے کہ مصر میں جو فوج ہے، اُسے بھوکا رکھا جائے، بازار سے سارا اناج اُٹھا کر قاہرہ کے باشندوں کے لیے قحط پیدا کیا جائے اور محاذوں کا پیٹ بھرا جائے۔

یہ ایک اعلیٰ رُتبے کا حاکم تھا، مسلمان تھا اور سلطان ایوبی کے مصاحبوں میں سے بھی تھا۔ اس کی نیت پر شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی بات سچ مان لی گئی کہ اناج وغیرہ کی واقعی کمی ہے، تاہم اسے کہا گیا کہ جس طرح ہو سکے محاذ پر لڑنے والے فوجیوں کو رسد ضرور پہنچے۔ اس حاکم نے انتظام کر دیا مگر دو اور دن ضائع کر دیئے۔ پانچویں روز رسد کا قافلہ روانہ ہوا۔ یہ اونٹوں اور خچروں کا بڑا ہی لمبا قافلہ تھا۔ مشورہ دیا گیا کہ قافلے کے ساتھ فوج کا ایک گھوڑ دستہ حفاظت کے

لیے بھیجا جائے۔ اسی حاکم نے جو رسد فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا، فوج کا دستہ بھیجنے پر اعتراض کیا اور جواز یہ پیش کیا کہ تمام راستہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ مصر میں فوج کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رسد حفاظتی دستے کے بغیر بھیج دی گئی۔ روانگی کے چھ روز بعد اطلاع آگئی کہ رسد راستے میں ہی (سوڈان میں) دشمن کی گھات میں آگئی ہے۔ سوڈانی، رسد بمع جانوروں کے لے گئے ہیں اور انہوں نے شتربانوں کو قتل کر دیا ہے۔

قاہرہ ہیڈ کوارٹر کے بالائی حکام پریشان ہو گئے۔ رسد کا ضائع ہو جانا معمولی سی چوٹ نہیں تھی۔ سوڈانی میدان جنگ میں فوج کی ضرورت کا احساس اُن کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ انہوں نے ذمہ دار حاکم سے کہا کہ وہ فوری طور پر اتنی ہی رسد کا انتظام کرے۔ اُس نے کہا کہ منڈی میں اناج کی قلت ہو گئی ہے۔ تاجروں سے کہا جائے کہ اناج مہیا کریں۔ تاجروں سے بات ہوئی تو انہوں نے اپنے گوام کھول کر دکھا دیئے، سب خالی تھے۔ گوشت کے لیے ایک بھی دُنبہ، بکرا، بیل، گائے یا کوئی اور جانور نظر نہیں آتا تھا۔ معلوم ہوا کہ مصر میں جو فوج ہے، اُسے بھی پورا راشن نہیں مل رہا، جس سے فوجوں میں بے اطمینانی پھیل رہی ہے۔ تاجروں نے بتایا کہ دیہات سے مال آ ہی نہیں رہا۔ علی بن سفیان کی جاسوسی کا انتظام بڑا اچھا تھا۔ یہ انکشاف جلدی ہو گیا کہ باہر کے لوگ دیہات میں آتے ہیں اور وہ اناج اور بکرے وغیرہ منڈی کی نسبت زیادہ دام دے کر خرید لے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اناج وغیرہ ملک سے باہر جا رہا تھا۔ تب سب کو یاد آیا کہ تین چار سال قبل سلطان ایوبی نے مصر کی پہلی فوج کو جس میں سوڈانی باشندوں کی اکثریت تھی، بغاوت کے جرم میں توڑ کر اس کے افسروں اور سپاہیوں کو سرحد کے ساتھ ساتھ قابلِ کاشت اراضی دے کر کاشت کار بنا دیا تھا۔ وہ لوگ اب مصری حکومت کو اور منڈیوں کو اناج دیتے ہی نہیں تھے۔ یہ سوڈان پر حملے کا ردِعمل تھا۔ یہ انقلاب چھ سات دنوں میں آگیا تھا۔ اناج کی فراہمی کا کام فوج کو سونپا گیا۔ دن رات کی بھاگ دوڑ سے تھوڑا سا اناج ہاتھ آیا جو فوج کی حفاظت میں سوڈان کے محاذ کو روانہ کر دیا گیا۔

بالائی حکام کے لیے رسد کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہو گیا۔ اس سے پہلے ایسی قلت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ سلطان ایوبی نے رسد مانگ لی تو کیا جواب دیں گے۔ سلطان ایوبی کبھی بھی تسلیم نہیں کرے گا کہ مصر میں اناج کا قحط پیدا ہو گیا ہے۔ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے تین حکام کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ ان میں انتظامیہ کے بڑے عہدے کا ایک حاکم، سلیم الادریس تھا۔ اُس دور کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق الادریس اس کمیٹی کا سربراہ تھا۔ دوسرے دو اس سے ایک ہی درجہ کم عہدے کے غیر فوجی یعنی شہری انتظامیہ کے حاکم تھے۔ رات کے وقت یہ تینوں پہلے اجلاس میں بیٹھے تو دو نے الادریس سے کہا کہ سلطان ایوبی نے دو محاذ کھول کر سخت غلطی کی ہے اور تقی الدین ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا ہے۔

''فلسطین مسلمانوں کی سرزمین ہے''...... الادریس نے کہا...... ''وہاں سے صلیبیوں کو نکالنا ضروری ہے، وہاں مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہاں مسلمان مستورات کی عزت محفوظ نہیں۔ مسجدیں اصطبل بن گئی ہیں''۔

''یہ سب بہتان ہے''...... ایک نے کہا...... ''کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ صلیبی مسلمانوں پر ظلم و تشدد کر رہے ہیں؟''

''میں ایک کھلی حقیقت بیان کر رہا ہوں''...... سلیم الادریس نے کہا۔

''ہم سے حقیقت چھپائی جا رہی ہے''...... دوسرے نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی قابلِ قدر شخصیت ہے، لیکن آپس میں سچ بات کرنے سے ہمیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ ایوبی کو ملک گیری کی ہوس چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی۔ وہ ایوبی خاندان کو شاہی خاندان بنانا چاہتا ہے۔ صلیبیوں کی فوج ایک طوفان ہے۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر صلیبی

ہمارے دشمن ہوتے تو وہ فلسطین کی بجائے مصر پر قبضہ کرتے۔ اُن کے پاس اتنی زیادہ فوج ہے کہ ہماری اس چھوٹی سی فوج کو اب تک کچل چکے ہوتے۔ وہ ہمارے نہیں صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہیں''۔

''آپ کی باتیں میرے لیے نا قابلِ برداشت ہیں''......الادریس نے کہا......''بہتر ہے کہ ہم جس مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں، اس کے متعلق بات کریں''۔

''یہ باتیں میرے لیے بھی نا قابلِ برداشت ہیں''......ایک نے کہا......''لیکن ایک آدمی کی خواہشات پر ہمیں پوری قوم کے مفاد کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔ آپ دونوں محاذوں کے لیے رسد کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ رسد کی حالت آپ نے دیکھ لی ہے کہ نہیں مل رہی۔ سوڈان کا محاذ ٹوٹ رہا ہے۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ ہم اس محاذ کی رسد روک لیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تقی الدین پیچھے ہٹ آئے گا اور فوج مرنے سے بچ جائے گی''۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم رسد نہ بھیجیں تو تقی الدین مجبوری کے عالم میں گھیرے میں آجائے''......الادریس نے کہا۔ ''ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہماری فوج دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دے''۔

''ڈال دے ہتھیار''......اُس نے کہا......''ہم شکست کا الزام فوج کے سر تھوپ دیں گے''۔

''آپ کیا سوچ کر یہ باتیں کررہے ہیں؟'' سلیم الادریس نے پوچھا۔

''میری سوچ بڑی صاف ہے''۔ اُس نے جواب دیا۔ ''صلاح الدین ایوبی ہم پر فوجی حکومت ٹھونسنا چاہتا ہے۔ وہ صلیبیوں سے مسلسل محاذ آرائی کرکے قوم کو بتانا چاہتا ہے کہ قوم کی سلامتی کی ضامن صرف فوج ہے اور قوم کی قسمت فوج کے ہاتھ میں ہے، اگر ایوبی امن پسند ہوتا تو صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور صلح جوئی سے رہنے کا معاہدہ کرلیتا''۔

الادریس سٹپٹا اُٹھا۔ وہ سلطان ایوبی کے خلاف اور صلیبیوں کی حمایت میں کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔ اجلاس میں گرما گرمی ہوگئی۔ کمیٹی کے دو ممبر اُسے بات بھی نہیں کرنے دے رہے تھے۔ اُس نے آخر تنگ آکر کہا......''میں اجلاس برخاست کرتا ہوں۔ کل ہی میں آپ کی رائے اور تجاویز قلم بند کرکے محاذ پر امیر مصر کو بھیج دوں گا''......وہ غصے میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

ایک ممبر وہاں سے چلا گیا، دوسرا جس کا نام ارسلان تھا، الادریس کے ساتھ رہا۔ ارسلان کا شجرۂ نسب سوڈانیوں سے ملتا تھا۔ اُس نے الادریس سے کہا......''آپ شخصیت پرست اور جذباتی مسلمان ہیں۔ میں نے حقیقت بیان کی اور آپ ناراض ہوگئے۔ میں اب آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے خلاف صلاح الدین ایوبی کو کچھ نہ لکھنا۔ آپ کے لیے اچھا نہ ہوگا''...... اُس کے لہجے میں چیلنج اور دھمکی تھی۔ الادریس نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو ارسلان نے کہا۔ ''اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ علیحدگی میں بات کروں گا''۔

''یہیں کرلو''۔ الادریس نے کہا۔

''میرے گھر چلیں''۔ ارسلان نے کہا......''کھانا میرے ساتھ کھائیں مگر یہ خیال رکھیں کہ یہ ملاقات ایک راز ہوگی''۔

الادریس اُس کے ساتھ اُس کے گھر چلا گیا۔ اندر گیا تو اُسے یوں لگا جیسے کسی بادشاہ کے محل میں آگیا ہو۔ ارسلان اتنی زیادہ اونچی حیثیت کا حاکم نہیں تھا۔ دونوں کمرے میں بیٹھے ہی تھے کہ ایک خوب صورت لڑکی نہایت خوب صورت صراحی اور چاندی کے دو پیالے چاندی کے گول تھال میں رکھے ہوئے اندر آئی اور اُن کے آگے رکھ دیا۔ الادریس

نے بو سے جان لیا کہ یہ شراب ہے۔ اُس نے پوچھا...... ''ارسلان! تم مسلمان ہو اور شراب پیتے ہو؟'' ارسلان مسکرا دیا اور بولا...... ''ایک گھونٹ پی لیں، آپ اُس حقیقت کو سمجھ جائیں گے جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں''۔

دو سوڈانی حبشی اندر آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی طشتریوں میں کھانا تھا۔ کھانا لگ چکا تو الادریس حیرت سے ارسلان کو دیکھنے لگا۔ ارسلان نے کہا...... حیران نہ ہوں محترم الادریس! یہ شان و شوکت آپ کو بھی مل سکتی ہے۔ میں بھی آپ کی طرح پارسا ہوا کرتا تھا، مگر اب اس طرح کی دو لڑکیاں میرے گھر میں ہیں۔ دمشق اور بغداد کے امیروں اور وزیروں کے گھروں میں جا کر دیکھو۔ انہوں نے اس طرح کی حسین اور جوان لڑکیوں سے حرم بھر رکھے ہیں، وہاں شراب بہتی ہے''۔

''یہ لڑکیاں، یہ دولت اور یہ شراب صلیبیوں کی کرم نوازیاں ہیں''۔ الادریس نے کہا ''عورت اور شراب نے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں''۔

''آپ صلاح الدین ایوبی کے الفاظ میں باتیں کرتے ہیں''۔ ارسلان نے کہا...... ''یہی آپ کی بدنصیبی ہے''۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''...... الادریس نے جھنجھلا کر پوچھا۔ ''مجھے شک ہے کہ تم صلیبیوں کے جال میں آ گئے ہو''۔

''میں فوج کا غلام نہیں بننا چاہتا''۔ ارسلان نے کہا۔ ''میں فوج کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ سوڈان میں تقی الدین کو رسد اور کمک نہ دی جائے۔ اُسے دھوکہ دیا جائے کہ کمک آرہی ہے۔ اُسے جھوٹی اُمیدوں پر لڑاتے رہو، حتیٰ کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ ظاہر ہے سوڈانی اُسے قتل کر دیں گے اور اُس کی فوج بھی اُدھر ہی ختم ہو جائے گی۔ ہم فوج کو شکست کا ذمہ دار ٹھہرا کر اُسے قوم کی نظروں میں ذلیل کر دیں گے۔ پھر قوم صلاح الدین ایوبی کی فوج سے بھی متنفر ہو جائے گی...... آپ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس کا آپ کو اتنا اور ایسا معاوضہ ملے گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے''۔

''میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں''۔ الادریس نے کہا...... ''تم مجھ سے ایمان فروشی کرانا چاہتے ہو۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا''۔

بہت دیر کی بحث اور تکرار کے بعد الادریس نے کہا...... ''تم اتنی خطرناک باتیں اتنی دلیری سے کس طرح کر رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمہیں گرفتار کر کے غداری کی سزا دلا سکتا ہوں''۔

''کیا میں یہ نہیں کہہ سکوں گا کہ آپ مجھ پر جھوٹا الزام عائد کر رہے ہیں؟'' ارسلان نے کہا ''صلاح الدین ایوبی میرے خلاف ایک لفظ نہیں سنے گا''۔

الادریس سٹپٹا اُٹھا۔ وہ حیران تھا کہ اتنے بڑے عہدے کا حاکم کس قدر شیطان ہے اور وہ کتنی دلیری سے باتیں کر رہا ہے۔ دراصل الادریس خود مردِ مومن تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ ایمان کو نیلام کر دینے والے ذلت کی کن پستیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اُس کے پاس ارسلان کو پابند کرنے اور راہِ راست پر لانے کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ وہ ارسلان کے عہدے سے زیادہ بڑے عہدے کا حاکم تھا۔ اس نے ارسلان سے کہا...... ''میں جان گیا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو اور تم کیا کر رہے ہو، تم جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو، اس کی سزا موت ہے۔ میں تمہیں یہ رعایت دیتا ہوں کہ سات روز کے اندر اپنا رویہ درست کر لو اور دشمن سے تعلقات توڑ کر مجھے یقین دلا دو کہ تم خلافت بغداد اور اپنی قوم کے وفادار ہو۔ میں تمہیں عہدے کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہوں۔ یہ انتظام ہم خود کر لیں گے۔ اگر مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں اس محل میں جو تمہیں صلیبیوں نے بنا دیا ہے، نظر بند کر دوں گا۔ سات دن بڑی لمبی رعایت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آٹھویں روز تمہیں جلاد

یہاں سے نکالے''۔

الادریس اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ ارسلان مسکرا رہا تھا۔ ارسلان نے کہا...... ''محترم الادریس! آپ کے دو بیٹے ہیں، دونوں جوان ہیں''۔

''ہاں!'' الادریس نے کہا اور پوچھا۔ ''کیا ہے میرے بیٹوں کو؟''

''کچھ نہیں!'' ارسلان نے کہا۔ ''میں آپ کو یاد دلا رہا ہوں کہ آپ کے دو جوان بیٹے ہیں اور یہی آپ کی کل اولاد ہے''۔

الادریس اس اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ اس نے کہا...... ''شراب نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے''...... اور وہ باہر نکل گیا۔

☆

ارسلان کے گھر سے نکل کر الادریس علی بن سفیان کے گھر چلا گیا اور اُسے ارسلان کی باتیں سنائیں۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ ارسلان اُس کی مشتبہ فہرست میں ہے، لیکن اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل رہا۔ تاہم وہ جاسوسوں کی نظر میں ہے۔ الادریس بہت پریشان تھا اور حیران بھی کہ ارسلان اتنی دلیری سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ وہ اکیلا نہیں، غداری منظم طریقے سے ہو رہی ہے۔ اس کے جراثیم فوج میں بھی پھیلا دیئے گئے ہیں۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ سوڈان کے محاذ کے لیے رسد کا تھا۔ الادریس نے اُسے بتایا کہ اُس نے ارسلان کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے اور رسد کا انتظام اب خود کرنا ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ ایک سازش کے تحت دیہات سے اناج اور بکرے وغیرہ سرحد سے باہر بھجوائے جا رہے ہیں۔ منڈی میں غلے اور دیگر سامانِ خورد و نوش کا مصنوعی قحط پیدا کر دیا گیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے اپنے جاسوسوں اور مخبروں کو یہ کام دے رکھا ہے کہ رات کو اِدھر اُدھر گھومتے رہا کریں۔ جہاں کہیں انہیں اناج کی ایک بوری بھی جاتی نظر آئے، پکڑ لیں۔ طویل بات چیت کے بعد انہوں نے رسد کے انتظام کا کوئی طریقہ سوچ لیا۔

سلیم الادریس اس قومی مہم اور اپنے فرائض میں اس قدر مگن تھا کہ اُس کے ذہن سے ارسلان کا یہ اشارہ نکل گیا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں اور یہی تمہاری کل اولاد ہے۔ الادریس کو اپنے بیٹوں کے کردار پر بھروسہ تھا مگر جوانی اندھی ہوتی ہے۔ قاہرہ میں سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں بدکاری کی ایک لہر آئی تھی جس نے نوجوان ذہن کو لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ دو تین سال پہلے بھی ایسی ہی ایک لہر آئی تھی جس پر جلدی ہی قابو پا لیا گیا تھا۔ اب یہ لہر زمین کے نیچے سے آئی اور کام کر گئی۔ یہ مختلف کھیل تماشوں کی صورت میں آئی جن میں شعبدہ بازی اور کھیلوں کی صورت میں جوا بازی شامل تھی۔ یہ لوگ خیمے اور شامیانے تان کر تماشہ دکھاتے تھے جس میں کچھ بھی قابلِ اعتراض نہیں تھا، مگر شامیانوں کے اندر خفیہ خیمے تھے، جہاں اکیلے اکیلے نوجوان کو اشارے سے بلایا جاتا تھا۔ ان سے پیسے لے کر کپڑوں پر بنی ہوئی دستی تصویریں دکھانے کا کام لڑکیاں کرتی تھیں جن کی مسکراہٹ اور انداز دعوتِ گناہ ہوتی تھی۔

وہیں نوجوانوں کو تھوڑی تھوڑی حشیش پلائی جاتی تھی۔ یہ شرمناک اور خطرناک سلسلہ زمین کے اوپر چل رہا تھا مگر اسے پکڑ کوئی نہیں سکتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جو کوئی یہ تصویریں دیکھ کر یا حشیش کا ذائقہ چکھ کر آتا تھا، وہ اپنے گناہ کو چھپا رکھتا تھا۔ اس گناہ میں لذت ایسی تھی کہ جانے والے بار بار جاتے تھے۔ وہ اس لیے بھی باہر کسی سے ذکر نہیں کرتے تھے کہ حکومت تک بات پہنچ گئی تو انہیں نشہ آور لذت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس لذت پرستی کا شکار نوجوان اور فوجی ہو رہے

تھے۔اُن کے لیے در پردہ قحبہ خانے بھی کھول دیئے گئے۔کردار کشی کی یہ مہم کس قدر کامیاب تھی؟......اس کا جواب کرک کے قلعے میں صلیبیوں کی انٹیلی جنس اور نفسیاتی جنگ کا ماہر جرمن نژاد ہرمن اپنے حکمرانوں کو ان الفاظ میں دے رہا تھا۔

''سپین کے مصوروں نے جو تصویریں بنائی ہیں، یہ لوہے کے بنے ہوئے مردوں کو بھی مٹی کے بُت بنا دیتی ہیں''۔اُس نے ایک مرد اور ایک عورت کی ایک فحش تصویر حاضرین کو دکھائی۔یہ بڑے سائز کی تصویر تھی جو بُرش سے دل کش رنگوں میں بنائی گئی تھی۔صلیبی حکمرانوں نے تصویر دیکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ ننگے مذاق شروع کر دیئے۔ہرمن نے کہا......''میں نے ایسی بے شمار تصویریں بنوا کر مصر کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی خفیہ نمائش کا انتظام کر دیا ہے۔وہاں سے ہماری کامیابی کی اطلاعیں آ رہی ہیں۔میں نے قاہرہ کی نوجوان نسل میں حیوانی جذبہ بھڑکا دیا ہے۔یہ ایسا طاقتور جذبہ ہے جو مشتعل ہو جائے تو انسانی جذبوں کو جن میں قومی جذبہ خاص طور پر شامل ہے، تباہ کر دیتا ہے۔ان تصویروں نے مصر میں مقیم مسلمان فوج کو ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے بے کار کرنا شروع کر دیا ہے۔ان تصویروں کی لذت نشہ بھی مانگتی ہے۔اس کا انتظام بھی کر دیا ہے۔میرے تخریب کاروں اور جاسوسوں کے گروہ نے صحرائی لڑکیوں کی پوری فوج قاہرہ اور دوسرے قصبوں میں داخل کر دی ہے۔یہ لڑکیاں دیمک کی طرح صلاح الدین ایوبی کی قوم اور فوج کو کھا رہی ہیں۔وہ وجوہات کچھ اور تھیں جب میری مہم قاہرہ میں پکڑی گئی تھی۔اب میں نے کچھ اور طریقے آزمائے ہیں جو کامیاب ہو رہے ہیں۔اب وہاں کے مسلمان خود میری مہم کی حفاظت کریں گے اور اسے تقویت دیں گے۔وہ اس ذہنی عیاشی کے عادی ہو گئے ہیں، تھوڑے ہی عرصے بعد میں ان کے ذہنوں میں اُن کی اپنی ہی قوم اور اپنے ہی ملک کے خلاف زہر بھرنا شروع کر دوں گا''۔

''صلاح الدین ایوبی بہت ہوشیار آدمی ہے''۔حاضرین سے کسی نے کہا۔''وہ جونہی مصر پہنچا، تمہاری اس مہم کو جڑ سے اُکھاڑ دے گا''

''اگر وہ مصر پہنچا تو......'' ہرمن نے کہا......''اس سوال کا جواب آپ ہی دے سکتے ہیں کہ آپ اُس کا محاصرہ کامیاب ہونے دیں گے یا نہیں۔بے شک اُس نے ریمانڈ کی فوج کو قلعے سے باہر گھیرے میں لے رکھا ہے اور قلعہ اُس کے محاصرے میں ہے، لیکن یہ گھیرا اور یہ محاصرہ اسی کے لیے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔آپ یہاں فیصلہ کن جنگ نہ لڑیں۔ایوبی کو محاصرہ کیے رکھنے دیں تا کہ وہ یہیں پابند رہے اور مصر نہ جا سکے۔سوڈان میں ہمارے کمانڈروں نے تقی الدین کی فوج کو نہایت کامیابی سے بکھیر دیا ہے۔وہ اب نہ لڑ سکتا ہے، نہ وہاں سے نکل سکتا ہے۔مصر کی منڈیوں کا اور وہاں کی کھیتیوں کا غلہ میں نے غائب کرا دیا ہے۔آپ کی دی ہوئی دولت آپ کو پورا صلہ دے رہی ہے۔ایوبی کا ایک وفادار حاکم ارسلان دراصل آپ کا وفادار ہے۔وہ ہمارے ساتھ پورا تعاون کر رہا ہے۔اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہمارے ساتھ ہیں''۔

''ارسلان کو کتنا معاوضہ دیا جا رہا ہے؟''۔فلپ آگسٹس نے پوچھا۔

''جتنا ایک مسلمان حاکم کا دماغ خراب کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے''۔ہرمن نے جواب دیا......''عورت اور شراب، دولت اور حکومت کا نشہ کسی بھی مسلمان کا ایمان خرید سکتا ہے۔وہ میں نے خرید لیا ہے......میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ اب صلاح الدین ایوبی مصر جائے گا تو اسے وہاں کی دُنیا بدلی ہوئی نظر آئے گی، وہ جس نوجوان نسل کی بات فخر سے کیا کرتا ہے، وہ مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے لیے بے کار ہو گی۔اس کی سوچیں اور اس کا کردار ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔یہ نسل جنسی جذبے کی ماری ہوئی ہو گی۔یہی حال اس فوج کا ہو گا جسے وہ مصر چھوڑ آیا ہے۔اس فوج میں میرے تخریب کاروں نے اتنی زیادہ بے اطمینانی پھیلا دی ہے کہ وہ بغاوت سے بھی گریز نہیں کرے گی۔میں آج یہ دعویٰ وثوق سے کر سکتا ہوں کہ آپ سے

پہلے میں اپنا محاذ ختم کر چکا ہوں گا۔ دشمن کے کردار اور اخلاق کو تباہ کر دینے سے فوجوں کے حملوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی"۔

ہرمن کی اس حوصلہ افزا رپورٹ پر صلیبی حکمران بہت خوش ہوئے۔ فلپ آگسٹس نے وہی عزم دہرایا جس کا اظہار وہ کئی بار کر چکا تھا۔ اُس نے کہا...... "ہماری لڑائی صلاح الدین ایوبی سے نہیں اسلام سے ہے۔ ایوبی بھی مر جائے گا۔ ہم بھی مر جائیں گے، لیکن ہمارا جذبہ اور عزم زندہ رہنا چاہیے، تاکہ اسلام بھی مر جائے اور دُنیا پر صلیب کی حکمرانی ہو۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایسا محاذ کھولا جائے جہاں سے مسلمانوں کے نظریات اور کردار پر حملہ کیا جائے۔ میں ہرمن کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ اس نے محاذ نہ صرف کھول دیا ہے بلکہ حملہ کر کے ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے"۔

☆

سٹیم الادریس کے بھی دو بیٹے جوان تھے۔ ایک کی عمر سترہ سال اور دوسرے کی اکیس سال تھی۔ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ بھی لذت پرستی کے اس طوفان کی لپیٹ میں آ گئے تھے یا نہیں، جو صلیبی تخریب کار قاہرہ میں لائے تھے۔ البتہ یہ ثبوت بعد میں ملا کہ بڑے بیٹے کے در پردہ تعلقات ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کے ساتھ تھے۔ یہ لڑکی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتی تھی اور بے پردہ رہتی تھی۔ کسی بڑے خاندان کی لڑکی تھی۔ اُن کی ملاقاتیں خفیہ ہوتی تھیں، جس روز ارسلان نے الادریس سے کہا تھا کہ تمہارے دو بیٹے جوان ہیں، اُس سے اگلے روز اس لڑکی نے الادریس کے بڑے بیٹے سے کہا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے۔ وہ جدھر جاتی ہے، اُس کا پیچھا کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں بھی دیتا ہے۔ اس بڑے بیٹے نے لڑکی سے پوچھا کہ نوجوان کون ہے تو لڑکی نے نہ بتایا۔ بات گول کر گئی، کہنے لگی کہ اُس نے زیادہ پریشان کیا تو اُسے بتا دے گی۔

بعد کے انکشافات سے پتہ چلا کہ اُسے کوئی نوجوان پریشان نہیں کرتا تھا، بلکہ وہ خود نوجوانوں کو پریشان اور خراب کرتی پھر رہی تھی۔ اُس نے جس شام بڑے بیٹے سے یہ شکایت کی کہ اس سے اگلے ہی روز اُس نے الادریس کے چھوٹے بیٹے کو جس کی عمر سترہ سال تھی، اپنے جال میں پھانس لیا اور ایسی والہانہ اور بے تابانہ محبت کا اظہار زبانی اور عملی طور پر کیا کہ لڑکا اپنا آپ اُس کے حوالے کر بیٹھا۔ دو در پردہ ملاقاتوں کے بعد اُس نے اُسے بھی بتایا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں دیتا ہے۔ لڑکے کا خون جوش میں آ گیا۔ اُس نے پوچھا کہ وہ کون ہے تو لڑکی نے کہا کہ اگر اُس نے زیادہ پریشان کیا تو بتاؤں گی۔ اُسی شام وہ اس لڑکے کے بڑے بھائی سے ملی اور اُسے کہا کہ وہ نوجوان مجھے زیادہ پریشان کرنے لگا ہے۔ وہ تمہارے متعلق کہتا ہے کہ اُسے میں ایسے طریقے سے قتل کروں گا کہ کسی کو پتا ہی نہیں چل سکے گا۔ لڑکی نے کہا۔ "تم خنجر اپنے پاس رکھا کرو"۔

دوسری شام کی ملاقات میں اُس نے چھوٹے بھائی کو اسی طرح مشتعل کیا اور اُسے کہا کہ وہ خنجر اپنے پاس رکھا کرے۔ چنانچہ دونوں بھائی اس حقیقت سے بے خبر کہ وہ ایک ہی لڑکی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ خنجر اپنے پاس رکھنے لگے۔ لڑکی دونوں سے الگ الگ ملتی رہی۔ صرف پانچ دنوں میں لڑکی نے دونوں بھائیوں کو پہلے حیوان، پھر درندہ بنا دیا۔ اُس شام اُس نے بڑے بھائی کو شہر سے ذرا باہر ایک اندھیری جگہ ملنے کو کہا۔ چھوٹے بھائی کو بھی اُس نے وہی وقت اور وہی جگہ بتائی اور دونوں سے یہ بھی کہا کہ وہ نوجوان جو مجھے پریشان کیا کرتا ہے۔ آج کہہ گیا ہے کہ شام کو جہاں بھی جاؤ گی، مجھے وہاں پاؤ گی۔ میں تمہارے چاہنے والے کو تمہارے سامنے قتل کروں گا۔ لڑکی نے کہا...... "میں نے اُسے کہا ہے کہ اگر تم اتنے دلیر ہو تو شام کو اس جگہ آ جانا۔ اگر تم نے اُسے قتل کر دیا تو میں تمہاری ہو جاؤں گی"۔ دونوں بھائی خون ریز معرکہ لڑنے

کے لیے تیار ہو گئے۔

شام کو بڑا بھائی خنجر لیے اُس جگہ پہنچ گیا جو اُس لڑکی نے بتائی تھی۔ اُس نے ایسی استادی کا مظاہرہ کیا کہ جگہ اندھیری کا انتخاب کیا اور یہ بھی خیال رکھا کہ دونوں بھائی اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کو پہچان نہ لیں۔ وہ وہاں پہنچی تو بڑے بھائی کو وہاں موجود پایا۔ اُسے بتایا کہ وہ نوجوان میرے پیچھے آ رہا ہے۔ بڑے بھائی نے خنجر نکال لیا اور فوراً ہی بعد چھوٹا بھائی آ گیا۔ لڑکی نے بڑے بھائی سے کہا کہ وہ آ گیا ہے، لیکن میں نہیں چاہتی کہ خون خرابہ ہو، میں اُسے کہتی ہوں کہ وہ چلا جائے۔ یہ کہہ کر وہ چھوٹے بھائی کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ پہلے سے موجود ہے اور اُس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ چھوٹے بھائی کی عقل پر جوانی کا تازہ خون سوار تھا۔ اُس نے خنجر نکالا اور اندھیرے میں اپنے بھائی کی طرف دوڑا۔ بڑے بھائی نے حملہ آور کو اتنی تیزی سے آتے دیکھا تو وہ بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ بھائیوں نے ایک دوسرے پر رقابت کے جوش میں بڑے گہرے وار کیے۔ وہ گر گر کر اُٹھے اور ایک دوسرے کو لہولہان کرتے رہے۔ لڑکی انہیں بھڑکاتی رہی۔

علی بن سفیان کے شعبے کے آدمی رات کو گشت پر رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک گھوڑ سوار گشت پر ادھر آ نکلا۔ لڑکی بھاگ اُٹھی۔ گھوڑ سوار نے اُسے دُور نہ جانے دیا اور پکڑ کر واپس لے گیا۔ وہاں دونوں بھائی زمین پر پڑے، آخری سانسیں لے رہے تھے۔ لڑکی نے اُن سے لاتعلقی کے اظہار کی بہت کوشش کی، لیکن اس آدمی نے اُسے نہ چھوڑا۔ لڑکی کے دیئے ہوئے لالچ کو بھی اُس نے قبول نہ کیا۔ اُس نے پکار پکار کر گشتی پہرہ داروں کو بلا لیا۔ اُس وقت تک دونوں بھائی مر چکے تھے۔ لڑکی کو اُسی وقت علی بن سفیان کے پاس لے گئے۔ لاشیں بھی لائی گئیں۔ روشنی میں دیکھا تو دونوں بھائی تھے۔ سلیم الا دریس کو اطلاع دی گئی۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اپنے جوان بیٹوں کی لاشیں دیکھ کر اُس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ لڑکی نے اُلٹے سیدھے بیان دیئے مگر وہ اس سوال کا جواب دینے سے گریز کر رہی تھی کہ وہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں رہتی ہے۔ الا دریس بہت بُری ذہنی حالت میں تھا۔ اُس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا..... ''اسے شکنجے میں ڈالو علی، اس طرح یہ کچھ نہیں بتائے گی''۔

''بتانے کے لیے ہے ہی کیا''۔ لڑکی نے بھی غصے میں کہا۔ بڑے بھائی کی لاش کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''اس نے مجھے بلایا تھا، میں چلی گئی۔ اوپر سے (چھوٹا بھائی) آ گیا۔ دونوں نے خنجر نکال لیا اور لڑ پڑے۔ میں ڈر کے مارے بھاگ اُٹھی اور ایک گھوڑ سوار نے مجھے پکڑ لیا۔ میں اپنے باپ کا نام اس لیے نہیں بتاتی کہ اُس کی بھی رُسوائی ہو گی''۔

علی بن سفیان کا دماغ حاضر تھا۔ اُسے یاد آ گیا کہ ارسلان اور الا دریس کی آپس میں ترش کلامی ہوئی تھی۔ ارسلان اُس کے مشتبہوں کی فہرست میں تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کے گھر کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے الا دریس کو آنکھ سے اشارہ کر کے کہا..... ''یہ لڑکی کوئی بھی ہے، یہ قاتل نہیں۔ یہ دو جوانوں کو اکیلے قتل نہیں کر سکتی۔ اس نے سچ بات بتا دی ہے۔ میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا''۔ اس نے لڑکی سے کہا..... ''جاؤ تم آزاد ہو۔ آئندہ کسی کے ساتھ اتنی دُور نہ جانا، ورنہ قتل ہو جاؤ گی''۔

لڑکی بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ علی بن سفیان نے اپنے دو مخبروں سے کہا کہ ان میں سے ایک لڑکی کا راستہ دیکھ کر دوسرے راستے سے ارسلان کے گھر کے بڑے دروازے سے ذرا دُور چھپ جائے اور دوسرا ایسے طریقے سے لڑکی کا تعاقب کرے کہ لڑکی کو پتا نہ چلے اور وہ جہاں بھی جائے، فوراً اطلاع دی جائے۔ دونوں آدمی چلے گئے۔ لڑکی تیز تیز قدم اُٹھاتی جا رہی تھی اور اُس کا تعاقب ہو رہا تھا۔ علی بن سفیان کا شک ٹھیک ثابت ہوا۔ لڑکی ارسلان کے گھر چلی گئی۔ وہاں ایک آدمی موجود تھا۔ اُس نے آ کر اطلاع دی کہ لڑکی اُس گھر میں داخل ہوئی ہے۔ جب الا دریس کو معلوم ہوا کہ لڑکی کا تعلق

ارسلان کے گھر سے ہے تو اُس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ ارسلان نے اُسے کہا تھا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں، مگر الادریس یہ اشارہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ ارسلان کی کارستانی ہے۔ دونوں بھائیوں کو اُسی نے اس عجیب و غریب طریقے سے ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ الادریس نے حاکم اعلیٰ کو اطلاع دی۔ پولیس کا سربراہ غیاث بلبیس بھی آ گیا۔ علی بن سفیان کو بھی خصوصی اختیارات حاصل تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ارسلان کے گھر چھاپہ مار کر اُسے گھر میں ہی نظر بند کر دیا جائے۔

☆

''اب میں سلیم الادریس کو بتاؤں گا کہ میں کیوں اتنی دلیری سے باتیں کرتا ہوں''۔ ارسلان نے اس لڑکی کی کامیابی کی روئیداد سن کر کہا..... ''میں اُسے بتاؤں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں''۔ اُس نے لڑکی کو شراب پیش کی اور دونوں کامیابی کا جشن منانے لگے۔

اُن کا جشن ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ بغیر اطلاع کے کوئی اندر آ گیا۔ یہ الادریس تھا۔ اُس نے ارسلان اور لڑکی کو نشے اور عریانی کی حالت میں دیکھا اور لڑکی کو پہچان لیا۔ ارسلان نے نشے کی حالت میں کہا..... ''اپنے بیٹوں کو قتل کرا کے تم میرے ہاتھوں قتل ہونے آئے ہو؟..... دربان کہاں ہے؟ یہ شخص میری جنت میں بغیر اجازت کیوں کر آ گیا ہے؟''

''تمہیں جہنم میں لے جانے کے لیے''۔ الادریس نے کہا..... ''میں اپنے بیٹوں کا انتقام لینے نہیں آیا، تمہیں غداروں کے انجام تک پہنچانے آیا ہوں''۔

اتنے میں شہر کا وہ حاکم اعلیٰ اندر آیا جس کے پاس امیر مصر کے اختیارات تھے۔ اُس کے ساتھ غیاث بلبیس اور علی بن سفیان تھے۔ لڑکی کو گرفتار کر لیا گیا۔ ارسلان کے تمام ملازموں اور گھر کے دیگر افراد کو باہر نکال کر اس کے محل جیسے مکان کے اندر اور باہر فوج کا پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس کے گھر میں ایک تہہ خانہ برآمد ہوا جو بہت ہی وسیع اور گہرا تھا، وہاں سے تیر کمانوں اور برچھیوں کے انبار نکلے۔ ایک ڈھیر خنجروں کا تھا۔ آتش گیر مادہ بھی تھا۔ ایک صندوق میں سے حشیش اور زہر برآمد ہوئے۔ ایک اور کمرے میں سے سونے کی اینٹیں اور اشرفیوں کی تھیلیاں برآمد ہوئیں۔ اُس نے اپنی پرانی دو بیویوں اور اُن کے بچوں کو کہیں اور بھیج رکھا تھا۔ گھر میں تین لڑکیاں تھیں۔ تینوں ایک سے ایک بڑھ کر خوب صورت تھیں اور تینوں غیر مسلم تھیں۔ رات ہی رات ملازموں کی چھان بین کر لی گئی۔ ان میں تین صلیبیوں کے جاسوس نکلے۔

''کیا تم خود بتاؤ گے کہ تمہارے عزائم کیا ہیں؟'' حاکم اعلیٰ نے ارسلان سے پوچھا..... ''یہ مال و دولت اور اسلحے کے یہ انبار تمہیں سزائے موت دلانے کے لیے کافی ہیں''۔

''پھر سزائے موت دے دو''۔ اُس نے نشے کی حالت میں کہا..... ''اگر مجھے جان ہی دینی ہے تو خاموشی سے کیوں نہ مر جاؤں؟''

''خدا کی نگاہ میں یہ بہت بڑی نیکی ہوگی کہ تم ہمیں اور اس کے نام لیواؤں کو خطروں سے آگاہ کر دو''۔ حاکم اعلیٰ نے کہا..... ''مجھے اُمید ہے کہ اسی نیکی کے بدلے خدا تمہارے اتنے گناہ بخش دے گا''۔

''تم لوگ تو مجھے نہیں بخشو گے''۔ ارسلان نے کہا۔

''سلطان ایوبی اس سے بھی بڑے گناہ بخش دیا کرتا ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا..... آپ کے بچنے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ بتا دیں کہ یہاں کس قسم کی تخریب کاری ہو رہی ہے۔ کچھ اور لوگ گرفتار کرا دیں''۔

وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ باقی لوگ اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ الادریس نے اپنی خنجر نما تلوار کمر سے باندھ رکھی تھی۔ ارسلان خاموشی سے ٹہلتے ٹہلتے اُس کے قریب گیا اور بڑی ہی تیزی سے اس کی میان سے تلوار نکال کر اپنے سینے اور پیٹ کے درمیان رکھی، پیشتر اس کے ہاتھ سے تلوار چھینی جاتی، اُس نے دستے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوری طاقت سے تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ لی۔ وہ اپنے بستر پر گرا۔ دوسرے آدمی تلوار اُس کے پیٹ سے نکالنے لگے تو اس نے کہا۔ ''رہنے دو۔ میری دو تین باتیں سن لو۔ مر جاؤں گا تو تلوار نکال لینا۔ میں نے اپنے آپ کو سزا دے دی ہے۔ میں زندہ صلاح الدین ایوبی کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا، کیونکہ وہ مجھے اپنا وفادار دوست سمجھتا تھا...... میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ تلوار اپنا کام کر چکی ہے۔ ہوش کرو، مصر سخت خطرے میں ہے۔ مصر میں جو فوج ہے وہ بغاوت کے لیے تیار ہے۔ فوجوں کی رسد کو میں نے ناپید کیا ہے۔ سپاہیوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ صلیبی تخریب کاروں نے فوج میں یہ بات پھیلا دی ہے کہ محاذوں پر بکرے، اناج اور شراب جا رہی ہے اور وہاں کے سپاہیوں کو مالِ غنیمت سے مالا مال کر کے عیاشی کرائی جا رہی ہے...... میرے گروہ میں اچھے عہدوں کے لوگ ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں بتاؤں گا۔ فاطمی اور فدائی تباہ کاری کی پوری تیاری کر چکے ہیں۔ تم بغاوت کو روک نہیں سکو گے۔ نئی فوج لاؤ۔ حالات تمہارے قابو سے......'' اور وہ فقرہ مکمل کیے بغیر مر گیا۔

اُس کے گھر سے جو تین لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں، وہ بھی اس کے فقرے کو مکمل نہ کر سکیں۔ انہوں نے اپنے متعلق بتا دیا کہ انہیں اخلاقی تخریب کاری اور مردوں کو پھانس کر استعمال کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ارسلان کے گھر راتوں کو محفلیں جما کرتی تھیں، جس میں فوج اور انتظامیہ کے افسر آیا کرتے تھے۔ اُن کی خفیہ ملاقاتیں اور اجلاس ان لڑکیوں کے بغیر ہوتے تھے۔ لڑکیوں نے یہ تصدیق کر دی کہ مصر میں بغاوت کے لیے زمین ہموار کر دی گئی ہے۔ جس لڑکی نے دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا، اس نے قتل کی ساری کہانی سنا دی جو بیان کی گئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ الادریس کے بڑے بیٹے کو پہلے ہی اپنے جال میں محبت کا جھانسہ دے کر لے چکی تھی۔ اسے ارسلان اپنے باپ الادریس کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا، لیکن ارسلان نے منصوبہ بدل دیا اور لڑکی سے کہا کہ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دو۔

ایک ہی رات میں تقریباً اڑھائی سو اونٹ مرکزی دفتر کے سامنے لائے گئے۔ ان پر غلہ اور خورد و نوش کا دیگر سامان لدا ہوا تھا۔ یہ اونٹ تین چار قافلوں کی صورت میں مختلف جگہوں سے پکڑے گئے تھے۔ اناج وغیرہ کو سرحد سے باہر جانے سے روکنے کے لیے گشتی پارٹیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ان کی پہلی کامیابی تھی۔ ان قافلوں کے ساتھ جو آدمی تھے، انہوں نے شہر کے چند ایک بیوپاریوں کے نام بتائے۔ ان بیوپاریوں نے تمام غلہ اور دیگر سامان زیرِ زمین کر لیا تھا۔ آدھی رات کے بعد وہ یہ سامان باہر کے اجنبی تاجروں کے ہاتھ بیچتے تھے۔ ان آدمیوں نے دیہاتی علاقوں میں بھی چند ایک جگہوں کی نشاندہی کی، جہاں اجنبی سے تاجر موجود تھے اور تمام تر رسد اکٹھی کر کے لے جاتے تھے۔ شتربانوں میں سے بعض نے سرحد کی ایک جگہ بتائی، جہاں سے یہ قافلے سوڈان جایا کرتے تھے، وہاں ایک سرحدی دستہ موجود تھا۔ انکشاف ہوا کہ اس دستے کا کمانڈر دشمن سے باقاعدہ معاوضہ یا رشوت لیتا اور قافلے گزار دیتا تھا۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ اہتمام ارسلان کی زیرِ کمان ہو رہا تھا۔

☆

یہ اُن سینکڑوں میں سے چند ایک واقعات ہیں جو سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر کو لپیٹ میں لیے ہوئے

تھے۔ الادریس اور دیگر اعلیٰ حکام نے ارسلان کی غداری اور الادریس کے بیٹوں کی موت اور دیگر واقعات پر غور کرنے کے لیے اجلاس منعقد کیا۔ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ مشورہ پیش کیا کہ حالات اتنے بگڑ گئے ہیں کہ ان کے بس میں نہیں رہے۔ پیشتر اس کے کہ مصر میں بغاوت ہو جائے یا فاطمیوں کے اور فدائیوں کے ہاتھوں کوئی اعلیٰ شخصیت قتل ہو جائے، سلطان ایوبی کو مکمل حالات سے آگاہ کر دیا جائے اور انہیں مشورہ دیا جائے کہ ممکن ہو سکے تو وہ کرک کا محاصرہ اپنے نائبین کے سپرد کر کے قاہرہ آ جائیں۔ ایک قاصد کو تو پہلے ہی بھیج دیا گیا تھا، مگر اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ اب سنگین وارداتیں ہو گئیں تو اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ علی بن سفیان محاذ پر سلطان ایوبی کے پاس جائے۔

کرک کے محاصرے کو دو مہینے گزر گئے تھے، مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ صلیبیوں نے دفاع کے غیر معمولی انتظامات کر رکھے تھے۔ ایک انتظام یہ تھا کہ شہر میں سامانِ خورد و نوش کا ذخیرہ کافی تھا۔ ایک جاسوس نے اندر سے تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر باہر پھینکا تھا، جس میں تحریر تھا کہ اندر خوراک کی کمی نہیں۔ مسلمان باشندوں پر اتنی سخت پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں کہ ان کے گھروں کی دیواریں بھی ان کے خلاف مخبری اور جاسوسی کرتی تھیں۔ اس لیے اندر تخریب کاری ممکن نہیں ہو رہی تھی، ورنہ خوراک کا ذخیرہ تباہ کر دیا جاتا۔ شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوسوں کی بھی کمی تھی۔ وہ کبھی کبھی رات کے وقت تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر اور موقع محل دیکھ کر باہر کو تیر چلا دیتے تھے۔ فوجوں کو حکم تھا کہ ایسا تیر نظر آئے تو وہ اپنے کمانڈر تک پہنچا دیں۔ صلیبیوں نے محاصرہ توڑنے کی کوششیں ترک کر دی تھیں۔ وہ سلطان ایوبی کی طاقت زائل کرتے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی اُن کی چال سمجھ گیا تھا۔ اس کے جواب میں اُس نے بھی اپنا طریقہ بدل دیا تھا۔

صلیبیوں کی یہ کوشش ناکام ہو چکی تھی کہ انہوں نے باہر سے حملہ کیا تھا۔ سلطان ایوبی اس حملے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے نہایت اچھی چال سے اس فوج کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس فوج کو گھیرے میں آئے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا تھا۔ گھیرے میں آئی ہوئی فوج گھیرا توڑنے کے لیے ہر طرف حملے کرتی تھی۔ سلطان ایوبی اس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ البتہ گھیرا کئی میلوں پر پھیل گیا تھا۔ وہ علاقہ سرسبز تھا، اس لیے صلیبیوں کو پانی اور جانوروں کو چارہ مل جاتا تھا۔ ان کے جانور مرتے تھے تو اُسے وہ کھا لیتے تھے، مگر یہ کافی نہیں تھا۔ ہزاروں گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے یہ چارہ کافی نہیں تھا۔ پانی کے لیے وہاں کوئی ندی یا دریا نہیں تھا۔ تین چار چشمے تھے، جن میں سے دو، ڈیڑھ مہینے میں ہی خشک ہو گئے تھے۔ صلیبی سپاہیوں میں بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں غذا بہت کم ملتی تھی اور پانی کے لیے بہت دُور جانا پڑتا تھا۔ رات کو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار گروہ اُن پر شب خون مارتے اور نقصان کرتے رہتے تھے۔ ڈیڑھ ماہ میں یہ فوج آدھی رہ گئی تھی۔ اُن کے جانوروں میں بھی دم نہیں رہا تھا۔ صلیبی حکمران ریمانڈ جو اس فوج کا کمانڈر تھا، سخت پریشانی کے عالم میں انتظار کر رہا تھا کہ صلیبی حملہ کر کے اُسے سلطان ایوبی سے چھڑائیں گے، مگر اُس کی مدد کو کوئی نہیں آ رہا تھا۔

سلطان ایوبی چاہتا تو چاروں طرف سے حملہ کر کے اس فوج کو شکست دے سکتا تھا لیکن اس سے اپنا جانی نقصان بھی ہونا لازمی تھا اور جنگ کا پانسہ پلٹ جانے کا خطرہ بھی تھا۔ سلطان ایوبی اپنی طاقت زائل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ صلیبیوں کو آہستہ آہستہ مار رہا تھا۔ اُسے یہ نقصان ضرور ہو رہا تھا کہ اُس کی فوج کا تیسرا حصہ اس صلیبی فوج کو گھیرے میں رکھنے میں اُلجھ گیا تھا۔ اُسے وہ شہر کے محاصرے کی کامیابی کے لیے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے پاس ابھی ریزرو دستے موجود تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ قلعہ توڑنے کے لیے وہ انہیں استعمال کرے۔ وہ اب محاصرے کو اور زیادہ طول دینا نہیں چاہتا تھا۔ اُس دور میں محاصرے عموماً طویل ہوا کرتے تھے۔ ایک ایک شہر کو دو دو سال تک بھی محاصرے میں رکھا گیا ہے۔ چھ سات ماہ کا

محاصرہ طویل نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن سلطان ایوبی محاصرے کو طول دینے کا قائل نہیں تھا۔ وہ ان حملہ آوروں میں سے بھی نہیں تھا جو کسی ملک کے دارالحکومت کا محاصرہ کرکے اندر والوں کو پیغام بھیجا کرتے تھے کہ اتنی مقدار زرو جواہرات کی، اتنے ہزار گھوڑے اور اتنی عورتیں باہر بھیج دو، ہم چلے جائیں گے۔ سلطان ایوبی عرب کی سرزمین سے صلیبیوں کو نکالنا چاہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ سرزمین اسلام کا سرچشمہ ہے جو ساری دُنیا کو سیراب کرے گا اور وہ اپنی عمر کو بہت کم سمجھا کرتا تھا۔ یہ الفاظ اُس نے بار ہا کہے تھے کہ میں یہ کام اپنی مختصر سی عمر میں پورا کر دینا چاہتا ہوں، ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان امراء اس مقدس خطے کو صلیبیوں کے ہاتھ بیچتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک رات وہ اپنے خیمے میں گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اُس نے یہاں تک سوچا تھا کہ قلعے کے اردگرد سے اتنی فراخ سرنگیں کھدوائی جائیں جن میں پیادہ سپاہی گزر سکیں۔ کچھ اور طریقے بھی اُس کے ذہن میں آئے۔ وہ اب چند دنوں میں کرک پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں علی بن سفیان اُس کے خیمے میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھ کر سلطان ایوبی خوش نہیں ہوا، کیونکہ اُسے اطلاع مل چکی تھی کہ مصر کے حالات خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ چہرے پر تشویش کے آثار لیے سلطان ایوبی علی بن سفیان سے بغل گیر ہو کر ملا اور کہا..... ''تم میرے لیے یقیناً کوئی خوش خبری نہیں لائے''۔

''بظاہر خیریت ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا..... ''مگر خوش خبری والی بات بھی کوئی نہیں''۔ اُس نے مصر کے حالات اور واقعات سنانے شروع کر دیئے۔ علی بن سفیان جیسا ذمہ دار حاکم سلطان ایوبی سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔ نہ ہی وہ اُسے خوش فہمیوں میں مبتلا کر سکتا تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ لگی لپٹی رکھے بغیر بات کی جائے۔ علی بن سفیان نے تقی الدین کی غلطیوں اور سلطان ایوبی کی بھی ایک دو غلطیوں کا کھل کر ذکر کیا۔ ارسلان کی غداری کا قصہ اور الادریس کے جوان بیٹوں کی موت کا حادثہ سن کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اگر ارسلان مر نہ چکا ہوتا تو سلطان ایوبی کبھی یقین نہ کرتا کہ اُس کا یہ حاکم جسے وہ اپنا وفادار سمجھتا ہے، غداری کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے بھی دو دوست اُس سے غداری کر چکے تھے۔

''اگر ارسلان ذرا سی دیر اور زندہ رہتا تو باقی راز بھی بے نقاب کر دیتا''۔ علی بن سفیان نے کہا..... ''اُس کے آخری فقرے سے جو موت نے پورا نہ ہونے دیا، صاف ثبوت ملتا ہے کہ مصر میں بغاوت ہونے ہی والی ہے۔ مصر میں ہماری جو فوج ہے، اُسے ذہنی لحاظ سے پست کر دیا گیا ہے۔ میری جاسوسی بتاتی ہے کہ کمان دار تک غلط فہمیوں اور بے اطمینانی کا شکار ہو گئے ہیں۔ فوج کے لیے غلے اور گوشت کی قلت پیدا کر کے یہ بے بنیاد بات پھیلا دی گئی ہے کہ تمام تر رسد محاذوں پر بھیجی جا رہی ہے اور یہ بھی کہ فوج کا مال حاکم بیچ کر کھا رہے ہیں۔ دشمن کی سازش پوری طرح کامیاب ہے''۔

''دشمن کی سازش اُسی ملک میں کامیاب ہوتی ہے جہاں کے چند ایک افراد دشمن کا ساتھ دینے پر اُتر آتے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''اگر ہمارے اپنے بھائی دشمن کا آلۂ کار بن جائیں تو ہم دشمن کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میں جس طرح اللہ کے ان شیروں کے جذبے کے زور پر اور ان کی جانیں قربان کر کے صلیبیوں کو میدانِ جنگ میں ناکوں چنے چبوا رہا ہوں، اسی طرح میرے حاکم بھی پکے مسلمان ہوتے تو آج قبلۂ اوّل آزاد ہوتا اور ہماری اذانیں یورپ کے کلیساؤں میں گونج رہی ہوتی، مگر میں مصر میں قید ہو کے رہ گیا ہوں، میرے جذبے اور میرا عزم زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں''۔ اُس نے کچھ دیر کی گہری خاموشی اور سوچ کے بعد کہا..... ''مجھے سب سے پہلے ان غداروں کو ختم کرنا ہوگا، ورنہ یہ قوم کو دیمک کی طرح کھاتے رہیں گے''۔

''میں یہ مشورہ لے کر آیا ہوں کہ اگر محاذ آپ کو اجازت دے تو مصر چلئے''۔ علی بن سفیان نے کہا۔

''میں حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتا علی!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''لیکن میں یہ اظہار کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ میرے ہاتھوں سے صلیبیوں کی گردن اور فلسطین چھڑانے والے میرے بھائی ہیں۔علی بن سفیان! اگر میں نے غداروں کو اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والے مسلمانوں کو ابھی ختم نہ کیا تو یہ کبھی ختم نہ ہوں گے اور ہماری تاریخ کو یہ گروہ ہمیشہ شرمسار کرتا رہے گا۔قوم میں ہر دور میں یہ گروہ موجود رہے گا جو دین اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی کر کے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرتا رہے گا''۔اُس نے پوچھا سوڈان کے محاذ کی کیا خبر ہے؟ میں نے تقی الدین کو پیغام بھیج دیا کہ اس محاذ کو سمیٹنا شروع کر دو''۔

''مصر میں کسی کو بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ایسا حکم دیا ہے'' ۔علی بن سفیان نے کہا۔

''اور کسی کو معلوم ہونا بھی نہیں چاہیے''۔سلطان ایوبی نے کہا۔اس نے دربان کو بلایا اور کہا'' کاتب کو فوراً بلا لاؤ''۔

کاتب کاغذ اور قلمدان لے کر آیا تو سلطان ایوبی نے کہا۔''لکھو...... قابلِ صد احترام نورالدین زنگی......''۔

☆

وہ قاصد بڑا ہی تیز رفتار تھا جس نے سلطان ایوبی کا پیغام اگلی رات کے آخری پہر بغداد میں نورالدین زنگی تک پہنچا دیا۔سلطان ایوبی نے اُسے کہا تھا کہ راستے میں ہر چوکی پر اُسے تازہ دم گھوڑا مل جائے گا،لیکن وہ گھوڑا صرف تبدیل کرے،خود آرام اور کھانے کے لیے نہ رُکے۔کہیں بھی گھوڑا آہستہ نہ چلے۔اگر رات کو نورالدین زنگی کے پاس پہنچے،تو دربان سے کہہ دے کہ انہیں جگا دے۔اگر زنگی خفگی کا اظہار کرے تو کہہ دینا کہ صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ ہم سب جاگ رہے ہیں۔قاصد جب نورالدین زنگی کے دروازے پر پہنچا تو محافظ دستے نے اُسے روک دیا اور کہا کہ پیغام صبح دیا جائے گا۔قاصد نے گھوڑے تو کئی بدلے تھے مگر کہیں پانی کا ایک گھونٹ پینے کے لیے بھی نہیں رُکا تھا۔تھکن، بھوک، پیاس اور دوراتوں کی بیداری سے وہ لاش بن گیا تھا۔زبان پیاس سے اکڑ گئی تھی۔وہ پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور اُس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔اُس نے اشاروں میں بتایا کہ پیغام بہت ضروری ہے۔نورالدین زنگی نے بھی سلطان ایوبی کی طرح اپنے خصوصی عملے،دربان اور اپنے باڈی گارڈز کے کمانڈر کو کہہ رکھا تھا کہ کوئی ضروری بات یا پیغام ہو تو اُس کی نیند اور آرام کی پروانہ کی جائے۔

قاصد کی حالت دیکھ کر باڈی گارڈز نے اندر جا کر نورالدین زنگی کی خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔وہ باہر آ گیا اور پیغام اور قاصد کو ملاقات کے کمرے میں لے گیا۔قاصد کمرے میں داخل ہوتے ہی گر پڑا۔زنگی نے اپنے ملازموں کو بلایا اور قاصد کی دیکھ بھال کرنے کو کہا۔اُس نے پیغام پڑھنا شروع کیا۔سلطان ایوبی نے لکھا تھا:

''آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔میرا پیغام آپ کو خوش نہیں کرے گا۔آپ کے لیے خوشی اور اطمینان کی بات صرف یہ ہے کہ میں نے حوصلہ نہیں چھوڑا۔آپ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کر رہا ہوں۔آپ میرے پاس تشریف لائیں گے تو تمام حالات سناؤں گا۔میں نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔اتنی کامیابی حاصل کر چکا ہوں کہ صلیبیوں کی ایک فوج نے شاہ ریمانڈ کی سرکردگی میں باہر سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔میں نے محفوظہ سے اُسے گھیرے میں لے لیا ہے۔اب تک اس کی آدھی فوج ختم کر چکا ہوں۔بھوکے صلیبی اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو کھا رہے ہیں جو انہیں اتنی دور سے یہاں لائے تھے۔میں اس کوشش میں ہوں کہ ریمنڈ کو زندہ پکڑ لوں مگر کرک کا محاصرہ لمبا ہوتا جا رہا ہے۔صلیبیوں کا دماغ اور طریقہ جنگ پہلے سے بہت بہتر ہے۔میں محاصرے کو کامیاب کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا اور مجھے اُمید تھی

کہ میرے جانباز مجاہد قلعہ توڑ لیں گے۔ وہ جس جذبے سے لڑ رہے ہیں، وہ آپ کو حیران کر دے گا مگر سوڈان میں میرا بھائی تقی الدین ناکام ہوگیا ہے۔ اُس کی غلطی کہ اُس نے اجنبی صحرا میں جا کر فوج کو پھیلا دیا ہے۔ وہ مدد مانگ رہا ہے۔ میں نے اُس محاذ سمیٹنے اور واپس آنے کو کہہ دیا ہے۔ مصر سے آئی ہوئی خبریں اچھی نہیں۔ غداروں اور ایمان فروشوں نے دشمن کا آلۂ کار بن کر مصر میں بغاوت اور صلیبی یلغار کے لیے راستہ صاف کر دیا ہے۔ علی بن سفیان کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ خود میرے پاس آیا ہے۔ میں اُس کے مشورے کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ میں مصر چلا جاؤں...... محترم! میں کرک کا محاصرہ اُٹھا نہیں سکتا، ورنہ صلیبی کہیں گے کہ صلاح الدین پسپا بھی ہو سکتا ہے۔ دشمن کی گردن میرے ہاتھ میں ہے۔ آیئے اور یہ گردن آپ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیں، اپنی فوج ساتھ لائیں، میں اپنی فوج مصر لے جاؤں گا، ورنہ مصر بغاوت کا شکار ہو جائے گا۔ اُمید ہے آپ میرے دوسرے پیغام کا انتظار نہیں کریں گے''۔

نورالدین زنگی نے ایک لمحہ بھی انتظار نہ کیا۔ شب خوابی کے لباس میں ہی مصروفِ کار ہو گیا۔ فوجی حکام کو بلا لیا۔ انہیں احکام دیئے اور دن ابھی آدھا بھی نہیں گزرا تھا کہ اُس کی فوج کرک کی سمت کوچ کر چکی تھی۔ زنگی وہ مردِ مجاہد تھا جس کا نام سن کر صلیبی بدک جاتے تھے۔ اُس کے سینے میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ وہ فنِ حرب وضرب کا ماہر تھا۔ اُس نے راستے میں کم سے کم پڑاؤ کیے اور اتنی جلدی محاذ پر پہنچا کہ سلطان ایوبی حیران رہ گیا۔ اگر قاصد پہلے سے اُسے اطلاع نہ دے دیتا کہ زنگی اپنی فوج کے ساتھ آرہا ہے تو دُور سے گرد کے بادل دیکھ کر سلطان صلاح الدین سمجھتا کہ صلیبیوں کی فوج آرہی ہے۔ سلطان ایوبی گھوڑا سرپٹ بھگاتا استقبال کے لیے گیا۔ نورالدین زنگی اسے دیکھ کر گھوڑے سے کود آیا۔ اسلام کی عظمت کے یہ دونوں پاسبان جب گلے ملے تو جذبات کی شدت سے سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔

☆

سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی کو تمام تر حالات اور غداروں کی ساری کارستانیاں سنائیں۔ زنگی نے کہا......

''صلاح الدین! تمہاری عمر ابھی اتنی نہیں گزری کہ چند ایک حقائق کو قبول کر سکو۔ یہ اسلام کی بدنصیبی ہے کہ غدار ہماری قوم کا لازمی حصہ بن گئے ہیں اور قوم ان سے کبھی پاک نہیں ہوگی۔ مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب غدار قوم پر باقاعدہ حکومت کریں گے۔ دشمن کے خلاف باتیں کریں گے۔ بلند دعوے کریں گے۔ دشمن کو کچل دینے کے نعرے لگائیں گے، مگر قوم جان نہیں سکے گی کہ اُن کے حکمران دراصل اس کے اور اس کے دین کے دشمن کے ساتھ درپردہ دوستی کر چکے ہیں۔ دشمن انہی کو ڈھال اور انہی کو تلوار بنائے گا اور ان کے ہاتھوں قوم کو مروائے گا...... پریشان نہ ہو صلاح الدین! ہم حالات پر قابو پالیں گے۔ تم مصر پہنچو اور تقی الدین کو مدد دے کر سوڈان سے نکالو۔ دائیں بائیں حملے کر کے دشمن کو اُلجھائے رکھو، تاکہ تقی الدین کا کوئی دستہ کہیں گھیرے میں نہ آ جائے۔ مصر میں فوجوں کو یکجا کرو اور مصر میں جو فوج ہے، اسے میرے پاس بھیج دو۔ میں اس کے دماغ سے بغاوت کا کیڑا نکال دوں گا''۔

شام کے بعد زنگی نے اپنی فوج کو کرک کے محاصرے پر لگا دیا اور سلطان ایوبی کی فوج پیچھے ہٹ آئی۔ اُسے فوراً قاہرہ کے لیے کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ کچھ غلطی وہاں ہوگئی جہاں سلطان ایوبی نے ریمانڈ کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ زنگی نے جب وہاں اپنے دستے اس ہدایت کے ساتھ بھیجے کہ سلطان ایوبی کی فوج کی بدلی کرنی ہے تو احکام اور ہدایات پر کسی غلط فہمی کی بنا پر عمل نہ ہو سکا۔ ریمانڈ نے اتفاق سے اُس سمت حملہ کیا، جہاں اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں کا دستہ کمزور ہے۔ اُس نے وہاں کسی کو بھی حملہ روکنے کے لیے تیار نہ پایا۔ وہ اس طرف سے نکل گیا اور کچھ فوج بھی نکل گئی۔ صلیبیوں کی

بچی کھچی فوج پھنسی رہ گئی، جسے اگلے روز پتا چلا کہ اُن کا حکمران کمانڈر بھاگ گیا ہے تو اُس نے بھی اندھا دھند بھاگنے کی کوشش کی۔ صلیبی اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑے۔ کچھ مارے گئے اور بعض پکڑے گئے۔ نقصان یہ ہوا کہ ریمانڈ نکل گیا۔ فائدہ یہ ہوا کہ گھیرا کامیاب رہا اور نورالدین زنگی کی فوج کا یہ حصہ کرک کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لیے فارغ ہو گیا۔

سلطان ایوبی جب قاہرہ کو روانہ ہونے لگا تو حسرت بھری نظروں سے کرک کو دیکھا۔ اُس نے زنگی سے کہا......

''تاریخ یہ تو نہیں کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی پسپا ہو گیا تھا؟ میں نے محاصرہ اُٹھایا تو نہیں!''

''نہیں صلاح الدین!''...... نورالدین زنگی نے اس کا گال تھپکا کر کہا...... ''تم نے شکست نہیں کھائی۔ تم جذباتی ہو گئے ہو۔ جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی''۔

''میں آؤں گا میرے فلسطین!''...... سلطان ایوبی نے کرک کو دیکھتے ہوئے کہا...... ''میں آؤں گا''۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی، پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

نورالدین زنگی اُسے دیکھتا رہا۔ وہ جب اپنے گھوڑے سمیت دُور جا کر گرد میں چھپ گیا تو زنگی نے اپنے ایک نائب سے کہا...... ''اسلام کو ہر دور میں ایک صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہو گی''۔

یہ واقعہ ۱۱۷۳ء (۵۶۹ ہجری) کے وسط کا ہے۔

وہ جو مُردوں کو زندہ کرتا تھا

مصر کے دیہاتی اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ہر کسی کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ ''وہ آسمان سے آیا ہے۔ خدا کا دین لایا ہے۔ دِل کی بات بتاتا ہے اور آنے والے وقت کے اندھیروں کو روشن کر کے دکھاتا ہے۔ مرے ہوؤں کو اُٹھا دیتا ہے''۔

وہ کون تھا؟...... جنہوں نے اُسے دیکھا تھا، وہ اُس کی کرامات سے اس قدر مسحور ہو گئے تھے کہ یہ جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے کہ وہ کون ہے۔ وہ تسلیم کر لیتے تھے کہ وہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور جو لوگ اُس کی راہ دیکھ رہے تھے، وہ اس سوال سے بے نیاز تھے کہ وہ کون ہے۔ قافلے گزرتے تھے تو اُس کی کرامات سناتے تھے۔ کوئی اکیلا دُکیلا مسافر کسی گاؤں میں جاتا تھا تو اُس کے معجزوں کا ذکر کرتا تھا۔ بعض لوگ اُسے نبی اور پیغمبر بھی کہتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اُسے بارش کا دیوتا مانتے تھے اور اُس کی خوشنودی کے لیے انسانی جان کی قربانی دینے کے لیے بھی تیار تھے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ اُس کا مذہب کیا ہے اور وہ کیسا عقیدہ ساتھ لایا ہے۔

لوگ ابھی پسماندگی کے دور میں تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے اور قدرت کے ستم کا شکار رہتے تھے، انہیں جہاں اُمید بندھتی تھی کہ اُن کے مصائب کا حل موجود ہے، وہاں جا سجدے کرتے تھے۔ ان کی اکثریت مسلمان تھی۔ اسلام کی روشنی وہاں تک پوری آب و تاب سے پہنچی تھی۔ مسلمانوں نے مسجدیں بھی بنا رکھی تھی۔ ربِ کعبہ کے حضور پانچوں وقت سجدے بھی کرتے تھے، مگر اسلام کے سچے عقیدے کو پختہ تر کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اُن کے امام بے علم تھے جو اپنی امامت کو برقرار رکھنے کے لیے لوگوں کو عجیب و غریب باتیں بتاتے رہتے تھے۔ قرآن کو انہوں نے (نعوذ باللہ) کالے علم کی ایک کتاب بنا ڈالا تھا اور ایسا تاثر پیدا کر رکھا تھا کہ قرآن کو صرف امام سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ مسلمان قرآن کو ہاتھ لگانے سے بھی ڈرتے تھے۔

اِن اماموں نے لوگوں کے دلوں میں ''غیب'' کا ایک لفظ بٹھا دیا تھا اور انہیں باور کرا دیا تھا کہ جو کچھ بھی ہے، وہ غیب میں ہے اور غیب میں جھانکنے کی قدرت صرف امام کو حاصل ہے۔ اماموں نے انسان کو ایک کمزور چیز بنا دیا تھا۔ اس مقام سے وسوسے اور توہمات پیدا ہوئے۔ صحرائی آندھیوں کی چیخوں میں انہیں اُس مخلوق کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو امام کہتے تھے کہ انسانوں کو نظر نہیں آسکتی۔ بیماریاں جنات اور شر شرار بن گئیں۔ امام معالج اور عامل بن گئے، جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اُن کے قبضے میں جنات ہیں۔ انسان ''غیب'' سے اور ''غیب کی سزا'' سے اتنے خوف زدہ رہنے لگے کہ ان کے دلوں میں اسلام کا عقیدہ کمزور پڑ گیا اور وہ ہر اُس آواز پر لبیک کہنے لگے جو انہیں غیب کی مخلوق اور غیب سے سزا سے بچانے کا یقین دلاتی تھی...... یہی وجہ تھی کہ لوگ بے تابی سے اُس کی راہ دیکھ رہے تھے جو آسمان سے آیا ہے اور مرے ہوؤں کو اُٹھا دیتا ہے''۔

وہ مصر کے اُس دیہاتی علاقے میں وارد ہوا تھا جو جنوب مغرب کی سرحد کے ساتھ تھا۔ اُس زمانے میں سرحد کا کوئی واضح وجود نہیں تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے کاغذوں پر ایک لکیر کھینچ رکھی تھی، لیکن وہ بھی کہا کرتا تھا کہ دینِ اسلام کی اور سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ دراصل سرحد عقیدوں کے درمیان تھی، جہاں تک اسلام کی گرفت تھی، وہ اسلامی

سلطنت تھی اور جہاں سے غیر اسلامی نظریات شروع ہوتے تھے، وہ علاقہ غیر کہلاتا تھا۔ مصر کے جس آخری گاؤں میں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی، وہ امارتِ مصر کا آخری اور سرحدی گاؤں سمجھا جاتا تھا۔ اسی باعث صلیبی ملتِ اسلامیہ کے نظریات پر حملے کرتے اور اسلامی عقیدوں کو کمزور کر کے وہاں اپنے عقائد کا غلبہ پیدا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ اُس وقت سرحدوں کی حیثیت جغرافیائی کم اور نظریاتی زیادہ تھی۔ اُس دور کے واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں نے غلبۂ اسلام کے ساتھ ہی مسلمانوں پر نظریاتی حملے شروع کر دیئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان جنگ کو جہاد کہتے ہیں اور قرآن نے مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ حالات کے تقاضے کے پیش نظر جہاد کو نماز پر فوقیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ کسی غیر مسلم سلطنت میں مسلمان باشندوں پر ظلم وستم ہو رہا ہو تو دوسری سلطنتوں کے مسلمانوں پر یہ اقدام فرض ہو جاتا ہے کہ مظلوم رعایا کو غیر مسلموں کے ظلم وستم سے بچائیں، خواہ اس مقصد کے لیے جنگی کارروائی کرنی پڑے۔

انہی قرآنی احکام نے مسلمانوں میں عسکری جذبہ پیدا کیا تھا جس کا اثر یہ تھا کہ مسلمان جس ملک پر فوج کشی کرتے یا جس میدان میں بھی لڑتے تھے، اُن کے ذہن میں جنگ کا مقصد واضح ہوتا تھا۔ گو اُن پر مالِ غنیمت حلال قرار دیا گیا تھا لیکن اُن کے ہاں لوٹ مار جنگ کے مقاصد میں شامل نہیں ہوتی تھی، نہ ہی وہ مالِ غنیمت کے لالچ سے لڑتے تھے۔ اس کے برعکس صلیبیوں کی جنگ ملک گیری کی ہوس کی آئینہ دار ہوتی اور وہ لوٹ مار پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹنے کا کام بھی صلیبی فوج کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ صلیبیوں کو اس کا یہ نقصان اُٹھانا پڑتا تھا کہ ہر میدان میں ان کی جنگی طاقت مسلمانوں کی نسبت پانچ سے دس گنا ہوتی تھی، مگر وہ مُٹھی بھر مسلمانوں سے شکست کھا جاتے تھے۔ شکست نہ کھائیں تو فتح بھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ قرآن کے احکام نے مسلمانوں میں جنگی جنون پیدا کر رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر لڑتے اور جانیں قربان کرتے ہیں۔ صلیبیوں کے جرنیلوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو مسلمانوں پر مذہبی جنون کی گرفت کمزور کرنے کی ترکیبیں سوچتے اور اُن پر عمل کرتے تھے، وہ جان گئے تھے کہ ایک مسلمان جو دس غیر مسلموں کا مقابلہ کرتا ہے، وہ کوئی فرشتہ اور جن بھوت نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے اندر اللہ کی طاقت اور اپنے عقیدے کی قوت محسوس کرتا ہے جو اُسے کسی لالچ سے اور اپنی جان سے بھی بے نیاز کر دیتی ہے۔ چنانچہ صلاح الدین ایوبی سے بہت پہلے ہی یہودی اور صلیبی عالموں اور مفکروں نے مسلمانوں کی عسکری رُوح کو مُردہ کرنے کے لیے اُن کی کردارکشی شروع کر دی تھی اور اُن کے مذہبی عقائد میں پُرکشش ملاوٹ کر کے اُن کے ایمان کو کمزور کرنا شروع کر دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کی بدنصیبی یہ تھی کہ وہ جب صلیبیوں کے خلاف اُٹھے تو اُس وقت تک صلیبیوں کی نظریاتی یلغار بہت حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ اسلام کے دشمنوں نے اس یلغار کو دوطرفہ استعمال کیا تھا۔ اوپر کے طبقے کو جس میں حکمران، امراء اور وزراء وغیرہ تھے، دولت، عورت اور شراب کا دلدادہ بنا دیا تھا اور نیچے یعنی پسماندہ لوگوں میں توہم پرستی اور مذہب کے خلاف وسوسے پیدا کر دیئے تھے جس طرح زنگی اور ایوبی نے فنِ حرب وضرب میں نئے تجربے کیے اور نئی چالیں وضع کیں، اسی طرح صلیبیوں نے در پردہ کردارکشی کے میدان میں نئے طریقے دریافت کیے۔ تین چار یورپی مورخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض صلیبی حکمرانوں نے میدانِ جنگ کو اہمیت دینی ہی چھوڑ دی تھی۔ وہ اس نظریے کے قائل ہو گئے تھے کہ جنگ اس طریقے سے لڑو کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت زائل ہوتی رہے۔ زوردار حملہ اُن کے مذہبی عقائد پر کرو اور اُن کے دلوں میں ایسے وہم پیدا کر دو جو مسلمان قوم اور فوج کے درمیان بداعتمادی اور حقارت پیدا کر دیں۔ اس مکتبہ فکر کے صلیبی مفکروں میں فلپ آگسٹس سرفہرست تھا۔ یہ صلیبی حکمران اسلام

دشمنی کو اپنے مذہب کا بنیادی اصول سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی سے نہیں، یہ صلیب اور اسلام کی جنگ ہے جو ہماری زندگی میں نہیں تو کسی نہ کسی وقت میں ضرور کامیاب ہوگی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اُٹھتی ہوئی نسل کے ذہن میں قومیت کی بجائے جنسیت بھر دو اور انہیں ذہنی عیاشی میں ڈبو دو۔

آگسٹس اپنے مشن کی کامیابی کے لیے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کر لینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ ہم جس دور یعنی ۱۱۶۹ء کے لگ بھگ کی کہانی سنا رہے ہیں، اُس وقت وہ نورالدین زنگی کے ہاتھوں شکست کھا کر مفتوحہ علاقے واپس کر چکا تھا۔ اُس نے زنگی کو تاوان بھی دیا تھا اور جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کر کے جزیہ دے رہا تھا، مگر جنگی قیدیوں کے تبادلے میں اُس نے چند ایک معذور مسلمان سپاہی واپس کیے۔ تندرست قیدیوں کو اُس نے قتل کر دیا تھا اور اب وہ کرک کے قلعے میں اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں اسلام دشمنی خبط کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ اس کی بعض چالیں ایسی خفیہ ہوتی تھیں کہ اُس کے اپنے صلیبی حکمران اور جرنیل بھی اُسے شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ اُس پر اپنے ساتھیوں نے یہ الزام عائد کیا کہ وہ اندر سے مسلمانوں کا دوست ہے اور اُن کے ساتھ سودا بازی کر رہا ہے۔ ایک یورپی مورخ آندرے آزون کے مطابق، اس الزام کے جواب میں ایک بار آگسٹس نے کہا تھا...... ''ایک مسلمان حکمران کو پھانسنے کے لیے میں اپنی کنواری بیٹیوں کو بھی اُس کے حوالے کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ صلح نامے اور دوستی کے معاہدے کرنے سے گھبراتے، کیونکہ اس میں تم اپنی توہین کا پہلو دیکھتے ہو، تم یہ نہیں سوچتے کہ مسلمان کو میدانِ جنگ کی نسبت صلح کے میدان میں مارنا آسان ہے۔ ضرورت پڑے تو اس کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح نامہ کرو، معاہدہ کرو اور گھر آ کر معاہدے اور صلح نامے کے اُلٹ ردِعمل کرو۔ کیا میں ایسا نہیں کر رہا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے خون کے رشتے کی دو لڑکیاں، دمشق کے ایک شیخ کے حرم میں ہیں؟ کیا اس شیخ سے تم لڑے بغیر بہت سارا علاقہ لے نہیں چکے؟ کیا اس نے دوستی کا حق ادا نہیں کیا؟ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتا ہے اور میں اس کا جانی دشمن ہوں۔ میں ہر ایک غیر مسلم سے کہوں گا کہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کرو اور انہیں دھوکہ دے کر مارو''۔

☆

یہ تھی وہ صلیبی ذہنیت جو ایک کامیاب سازش کے تحت سلطنتِ اسلامیہ کی جڑوں کو دیمک کی طرح کھا رہی تھی۔

اسی سازش کا یہ نتیجہ تھا کہ مصر میں بغاوت کی چنگاری شعلہ بننے لگی تھی جسے سرد کرنے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کو کرک کا محاصرہ اس حالت میں اُٹھانا پڑا، جب وہ صلیبیوں کی ایک سوار فوج کو قلعے سے باہر شکست دے چکا تھا۔ اُسے محاصرہ نورالدین زنگی کے حوالے کر کے اپنی فوج سمیت قاہرہ جانا پڑا۔ وہ دل برداشتہ تو نہیں تھا لیکن دِل پر ایسا بوجھ تھا جو اُس کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس کی فوج کے سپاہی اس خیال سے مطمئن تھے کہ انہیں آرام کے لیے قاہرہ لے جایا جا رہا ہے لیکن دستوں کے وہ کمان دار جو سلطان ایوبی کے عزم اور لڑنے کے لیے طریقہ کار کو سمجھتے تھے، حیران تھے کہ اُس نے نورالدین کو فوج سمیت کیوں بلایا اور محاصرہ کیوں اُٹھایا ہے۔ وہ تو فتح یا شکست تک لڑنے کا قائل تھا۔ اُس کے ہیڈکوارٹر کے دو تین سالاروں کے سوا کسی کو علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات بہت خراب ہو گئے ہیں اور سوڈان میں تقی الدین کا حملہ ناکام ہو گیا ہے اور اُسے خیریت سے پیچھے ہٹانا ہے۔ سلطان ایوبی کے ساتھ علی بن سفیان بھی تھا۔ وہی مصر کے اندرونی حالات کی رپورٹ لے کر آیا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے کرک سے کوچ کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی دیا تھا کہ راستے میں بہت کم پڑاؤ کیے

جائیں گے اور کوچ بہت تیز ہوگا۔ اس حکم سے سب کو شک ہوا تھا کہ کچھ گڑ بڑ ہے۔ سفر کی پہلی شام آئی۔ فوج رات بھر کے لیے رُک گئی۔ سلطان ایوبی کا خیمہ نصب ہوگیا تو اُس نے اپنے اعلیٰ کمانڈروں اور اپنی مرکزی کمان کے عہدے داروں کو بلایا۔ اُس نے کہا..... ''آپ میں زیادہ تعداد اُن کی ہے جنہیں معلوم نہیں کہ میں نے محاصرہ کیوں اُٹھایا ہے اور میں فوج کو قاہرہ کیوں لے جارہا ہوں۔ بے شک محاصرہ ٹوٹا نہیں۔ آپ میں کوئی بھی پسپا نہیں ہوا، لیکن میں اسے اگر شکست نہیں تو پسپائی ضرور کہوں گا۔ میرے رفیقو! ہم پسپا ہورہے ہیں اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ آپ کو پسپا کرنے والے آپ کے اپنے بھائی ہیں، اپنے رفیق ہیں، وہ صلیبیوں کے رفیق بن چکے ہیں اور انہوں نے بغاوت کا منصوبہ بنالیا ہے۔ اگر علی بن سفیان اس کے نائب اور غیاث بلبیس چوکس نہ ہوتے تو آج آپ مصر نہ جاسکتے۔ وہاں صلیبیوں اور سوڈانیوں کی حکمرانی ہوتی۔ ارسلان جیسا حاکم صلیبیوں کا آلۂ کار نکلا، وہ الادریس کے دو جوان بیٹے مروا کر خودکشی کرچکا ہے، اگر ارسلان غدار ہے تو آپ اور کس پر بھروسہ کریں گے؟''

حاضرین پر سناٹا طاری ہوگیا۔ بے چینی اور اضطراب اُن کی آنکھوں میں چمک رہا تھا۔ سلطان ایوبی خاموش ہوکر سب کو دیکھا۔ اُس دور کا ایک وقائع نگار، قاضی بہاؤالدین شداد کسی غیر مطبوعہ تحریر کے حوالے سے لکھتا ہے کہ دو قندیلوں کی کانپتی ہوئی روشنی میں سب کے چہرے اس طرح نظر آرہے تھے جیسے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں۔ وہ آنکھ بھی نہیں جھپکتے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ سے زیادہ اُس کا لب ولہجہ اور انداز اُن پر اثر انداز ہورہا تھا۔ سلطان ایوبی کی آواز میں روز والا جوش نہیں، بلکہ لرزہ سا تھا جو سب کو ڈرا رہا تھا۔ اس نے کہا..... ''میں یہ کہہ کر کہ آپ میں بھی غدار ہیں، معافی نہیں مانگوں گا۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ قرآن پر حلف اُٹھاؤ کہ آپ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کے وفادار ہیں۔ ایمان بیچنے والے قرآن ہاتھ میں لے کر بھی وفاداری کا یقین دلایا کرتے ہیں۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر وہ انسان جو مسلمان نہیں وہ آپ کا دشمن ہے۔ دشمن جب آپ کے ساتھ محبت اور دوستی کا اظہار کرتا ہے تو اس میں اُس کی دشمنی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ آپ کو آپ کے بھائیوں کے خلاف اور آپ کے مذہب کے خلاف استعمال کرتا ہے اور جہاں اُسے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا موقع ملتا ہے، وہ مسلمان مستورات کی عصمت دری اور اسلام کی بیخ کنی کرتا ہے۔ یہی اس کا مقصد ہے، ہم جو جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ ہماری ذاتی جنگ نہیں۔ یہ ذاتی حکمرانی قائم کرنے کے لیے ملک پر قبضے کی کوشش نہیں۔ یہ دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔ یہ جنگ اُس وقت تک لڑی جاتی رہے گی، جب تک کفر یا اسلام ختم نہیں ہوجاتا''۔

''گستاخی معاف سالارِ اعظم!'' ایک سالار نے کہا..... ''اگر ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم غدار نہیں ہیں تو ہمیں مصر کے حالات سے آگاہ کریں۔ ہم عمل سے ثابت کریں گے کہ ہم کیا ہیں۔ ارسلان فوج کا نہیں انتظامیہ کا حاکم تھا۔ آپ کو غدار انتظامی شعبوں میں ملیں گے، فوج میں نہیں۔ کرک قلعے کا محاصرہ آپ نے اُٹھایا ہے، ہم نے نہیں۔ محترم زنگی کو آپ نے بلایا ہے، ہم نے نہیں۔ ہمارا امتحان میدانِ جنگ میں ہوسکتا ہے، پُرامن کوچ میں نہیں..... مصر میں کیا ہورہا ہے''۔

صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان کو طرف دیکھا اور کہا..... ''علی! انہیں بتاؤ وہاں کیا ہورہا ہے''۔

علی بن سفیان نے کہا..... ''غداروں نے دشمن کے ساتھ مل کر سوڈان کے محاذ کے لیے رسد روک لی ہے۔ منڈیوں سے غلہ غائب کردیا ہے۔ دیہاتی علاقوں میں اجنبی لوگ آکر غلہ اور خورد ونوش کی دیگر اشیاء خرید کر لے جاتے ہیں۔ گوشت ناپید کردیا گیا ہے۔ رسد اگر بھیجی جاتی ہے تو دانستہ تاخیر کی جاتی ہے۔ یوں بھی ہوا کہ رسد بھیج کر دشمن کو اطلاع

دے دی گئی۔ دشمن نے رسد کے قافلے کو راستے میں روک لیا۔ شہر میں بدکاری عام ہوگئی ہے۔ جوئے بازی کے ایسے دلچسپ طریقے رائج ہو گئے ہیں جن کے ہمارے لڑکے عادی ہوتے جارہے ہیں۔ دیہاتی علاقوں سے فوج کو بھرتی نہیں ملتی اور جانور بھی نہیں ملتے۔ فوج میں بے اطمینانی پیدا ہوگئی ہے۔ ہمارے قومی کردار کو تباہ کرنے کے سامان پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ انتظامیہ کے حکام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ لالچ صلیبیوں نے دے رکھے ہیں۔ ان حاکموں کو باہر سے بے دریغ دولت مل رہی ہے، چونکہ سلطنت اور امارت کا انتظام انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے، اس لیے انہوں نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے جو دشمن کے لیے سازگار ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک صورت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ دیہاتی علاقوں میں عجیب و غریب عقیدے پھیل رہے ہیں۔ لوگ غیر اسلامی اصولوں کے قائل اور پابند ہوتے جارہے ہیں۔ اس میں خطرہ یہ ہے کہ ہمیں فوج انہی علاقوں سے ملتی ہے اور ہماری موجودہ فوج انہی علاقوں سے آئی ہے۔ بے بنیاد اور غیر اسلامی عقیدے فوج میں بھی آ گئے ہیں''۔

''کیا آپ نے اس کا تدارک نہیں کیا؟'' حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔

''جی ہاں!'' علی بن سفیان نے کہا..... ''میرا تمام تر شعبہ مجرموں کے سراغ لگانے اور انہیں پکڑنے میں مصروف ہے۔ میں نے اپنے جاسوس اور مخبر دیہاتی علاقوں میں بھی پھیلا رکھے ہیں، مگر دشمن کی تخریب کاری اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس کے آدمیوں کو پکڑنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کو پناہ اور تحفظ دیتے ہیں۔ کیا آپ یہ سن کر حیران نہیں ہوں گے کہ دیہاتی علاقوں کی بعض مسجدوں کے امام بھی دشمن کی تخریب کاری میں شامل ہو گئے ہیں؟''

''یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں انتظامیہ فوج کے سپرد کر دوں''..... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا..... ''فوج جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ اسی کی تکمیل کا فرض ادا کرتی رہے تو سلطنت کے لیے بھی بہتر ہوتا ہے اور فوج کے لیے بھی، جس طرح ایک کوتوال سالار کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ البتہ ہر سالار کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ کوتوال کیا کر رہے ہیں۔ ہر سالار کو باخبر رہنا چاہیے کہ انتظامیہ کیا کر رہی ہے۔ کیا واقعی فرائض میں کوتاہی تو نہیں ہو رہی؟......

میرے رفیقو! ہمیں خدا نے تاریخ کی سب سے زیادہ کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ مصر کے حالات آپ نے سن لیے ہیں۔ سوڈان کا حملہ ناکام ہو گیا ہے۔ تقی الدین اپنی غلطیوں کی بدولت سوڈان کے صحرا میں پھنس کے رہ گیا ہے۔ اُس کی فوج چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بکھر گئی ہے۔ اُس کی پسپائی بھی ممکن نظر نہیں آتی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ محترم زنگی کرک فتح کر لیں گے یا نہیں، لیکن اُسے بھی میں اپنی ناکامی کہتا ہوں۔ آپ انتہائی مشکل حالات میں بھی میدانِ جنگ میں دشمن کو شکست دے سکتے ہیں مگر دشمن نے جس محاذ پر حملہ کیا ہے۔ اس پر دشمن کو شکست دینا آپ کے لیے بظاہر آسان نظر نہیں آتا۔ آپ تیغ زن ہیں۔ صحراؤں کا سینہ چیر سکتے ہیں مگر مجھے خطرہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبیوں کے اس محاذ پر آپ ہتھیار ڈال دیں گے''۔

حاضرین میں چند ایک جوشیلی اور پُرعزم آوازیں سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''اس وقت جو فوج مصر میں ہے وہ جب شوبک اور کرک کے محاذ سے مصر گئی تھی تو اس کے کمان داروں اور عہدے داروں کا جذبہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا آج آپ کا ہے، مگر قاہرہ پہنچ کر جب انہوں نے دشمنوں کے سبز باغ دیکھے تو بغاوت کے لیے تیار ہو گئے۔ اب اس فوج کی کیفیت یہ ہے کہ آپ اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے''۔

''ہم ایسے ایک ایک کمان دار اور عہدے دار کو قتل کر کے دم لیں گے''۔ ایک سالار نے کہا۔

''ہم سب سے پہلے اپنی صفوں کو غداروں سے پاک کریں گے''۔ ایک اور نے کہا۔

''اگر میرا بیٹا صلیبیوں کا دوست نکلا تو میں اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں گا''۔ ایک بوڑھے نائب سالار نے کہا۔

''میں اس قسم کی جوشیلی اور جذباتی باتوں کا قائل نہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا۔

حاضرین کا جوش غضب ناک ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو سلطان ایوبی کے سامنے بات کرنے سے ڈرا کرتے تھے، مگر اب یہ سن کر کہ اُن کی فوج کی وہ نفری جو مصر میں ہے۔ دشمن کی تخریب کاری کا شکار ہو کر اپنی سلطنت کے خلاف بغاوت پر اُتر آئی ہے تو وہ لوگ آگ بگولہ ہو گئے۔ ایک نے سلطان ایوبی کو یہاں تک کہہ دیا...... ''آپ ہمیں ہمیشہ تحمل سے سوچنے اور بُردباری سے عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں، مگر بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جنہیں تحمل اور بُردباری اور زیادہ بگاڑ دیتی ہے۔ ہمیں اجازت دیں کہ قاہرہ تک ہم ایک بھی پڑاؤ نہ کریں۔ ہم آرام اور خوراک کے بغیر متواتر سفر کریں گے۔ ہم اس فوج کو نہتہ کر کے قید کرلیں گے''۔

صلاح الدین ایوبی کے لیے ان حکام پر قابو پانا محال ہو گیا۔ اُس نے کچھ اور باتیں کہہ سن کر مجلس برخاست کر دی۔ علی الصبح فوج نے کوچ کیا۔ یہ کوچ ترتیب سے ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی اپنے عملے کے ساتھ الگ تھلگ جا رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ علی بن سفیان اُس کے ساتھ نہیں تھا۔ شام تک فوج کو دو مرتبہ کچھ دیر کے لیے روکا گیا۔ شام گہری ہونے کے بعد بھی فوج چلتی رہی۔ رات کا پہلا پہر ختم ہو رہا تھا، جب سلطان ایوبی نے رات کے قیام کے لیے فوج کو روکا۔ سلطان کھانے سے فارغ ہوا تو علی بن سفیان آ گیا۔

''سارا دن کہاں رہے علی؟''...... سلطان ایوبی نے پوچھا۔

گزشتہ رات میرے دل میں ایک شک پیدا ہو گیا تھا''...... علی بن سفیان نے جواب دیا...... ''اس کی تصدیق یا تردید کے لیے سارا دن فوج میں گھومتا پھرتا رہا''۔

''کیسا شک؟''

''آپ نے رات دیکھا نہیں تھا کہ تمام سالار، کمان دار اور عہدے دار کس طرح اُس فوج کے خلاف بھڑک اُٹھے تھے جو مصر میں ہے؟''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''مجھے شک ہونے لگا تھا کہ یہ اپنے اپنے دستوں کو بھی اسی طرح بھڑکائیں گے۔ میرا شک صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے تمام تر فوج کو مصر کی فوج کے متعلق ایسی باتیں بتائی ہیں کہ تمام فوج انتقامی جذبے سے مشتعل ہو گئی ہے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم محاذوں پر زخمی اور شہید ہوتے ہیں اور ہمارے ہی ساتھی قاہرہ میں عیش کرتے اور اسلامی پرچم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جاتے ہی انہیں ختم کر دیں گے، پھر سوڈان میں پھنسی ہوئی فوج کی مدد کو پہنچیں گے۔ قابلِ صد احترام امیر! اگر ہم نے کوئی پیش بندی نہ کی تو قاہرہ پہنچتے ہی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ ہماری یہ فوج انتقامی جذبے کے زیرِ اثر غصے میں ہے اور ہماری مصر والی فوج پہلے ہی بغاوت کے بہانے ڈھونڈ رہی ہے''۔

''مجھے اس پر تو خوشی ہے کہ مسلسل معرکوں کی تھکی ہوئی اس فوج میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''مگر ہمارا دشمن یہی چاہتا ہے کہ ہماری فوج دو حصوں میں بٹ کر آپس میں ٹکرا جائے''۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا، پھر کہنے لگا...... ''جب ہم قاہرہ سے خاصا دور ہوں گے تو میں ذمہ دار اور ذہین قاصد بھیج کر مصر والی فوج کو کسی دوسرے...

ے کرک کی سمت کوچ کا حکم دے دوں گا۔ شاید میں خود آگے چلا جاؤں اور اُس فوج کو کوچ کرادوں تا کہ یہ فوج جو ہمارے ساتھ ہے، جب وہاں پہنچے تو وہاں اُسے اس فوج کا کوئی سپاہی نظر نہ آئے۔ تم نے اچھا کیا ہے علی! میری توجہ ادھر نہیں گئی تھی"۔

☆

وہ پُراسرار غیب دان جس کے متعلق سرحد کے دیہاتی علاقوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے، اپنے مصاحبوں کے قافلے کے ساتھ سفر کرتا تھا۔ جنہوں نے اُسے دیکھا تھا وہ کہتے تھے کہ وہ بوڑھا نہیں۔ اُس کی داڑھی بھورے رنگ کی اور چہرے کی رنگت گوری بتائی جاتی تھی۔ اُس نے سر کے بال بڑھا رکھے تھے۔ لوگ بتاتے تھے کہ اُس کی شربتی آنکھوں میں پورے چاند جیسی چمک ہے اور اُس کے دانت ستاروں کی طرح سفید اور شفاف ہیں۔ اُس کا قد اونچا اور جسم گٹھا ہوا بتایا جاتا تھا اور وہ بولتا تھا تو سننے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ اُس کے ساتھ بہت سے مصاحب اور بہت سے اونٹ تھے۔ سامان والے اونٹ الگ تھے جن میں سے بعض پر بڑے بڑے تھیلے لدے ہوتے تھے۔ اُس کا قافلہ آبادی سے دُور رکتا اور وہ وہیں لوگوں سے ملتا تھا۔ کسی آبادی میں نہیں جاتا تھا۔ وہ ایک جگہ سے کوچ کرتا تو اُس کے آگے آگے کچھ لوگ اونٹ اور گھوڑے بھگا دیتے اور راستے میں آنے والے لوگوں اور بستیوں کو خبر کر دیتے تھے کہ وہ آ رہا ہے، یہ لوگ ہر کسی کو اُس کی کرامات اور روحانی قوتوں کے کرشمے سناتے تھے۔ لوگ کئی کئی دِن اُس کے راستے میں بیٹھے رہتے تھے۔

جس رات علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کو بتا رہا تھا کہ محاذ سے قاہرہ کو جانے والی فوج مصر میں مقیم فوج کے خلاف مشتعل ہوگئی ہے، اُس رات وہ غیب دان قاہرہ سے بہت دُور ایک نخلستان میں خیمہ زن ہوا۔ اُس کا ایک اصول یہ تھا کہ چاندنی راتوں میں کسی سے نہیں ملتا تھا۔ دن کے دوران کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا تھا۔ اندھیر راتیں اُسے پسند تھیں۔ اُس کی محفل ایسی قندیلوں سے روشن ہوتی تھی جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسری سے مختلف تھا۔ ان روشنیوں کا بھی ایک تاثر تھا جو حاضرین محفل کے لیے طلسماتی تھا۔ وہ جہاں خیمہ زن ہوا تھا، اُس کے کچھ دور ایک بستی تھی جس میں زیادہ تر مسلمان اور کچھ سوڈانی حبشی رہتے تھے۔ اس بستی میں ایک مسجد بھی تھی جہاں کا امام ایک خاموش طبیعت انسان تھا۔ ایک جواں سال آدمی کوئی دو مہینوں سے اُس کے پاس دینی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتا تھا۔ یہ آدمی جو اپنا نام محمود بن احمد بتاتا تھا کسی دوسری بستی کی مسجد میں جایا کرتا تھا۔ اُس کی دلچسپی امام مسجد اور اس کے علم کے ساتھ تھی، مگر اُس کی ایک دلچسپی اور بھی تھی۔ یہ ایک لڑکی تھی جس نے اسے اپنا نام سعدیہ بتایا تھا۔ سعدیہ کو محمود اتنا اچھا لگا کہ وہ اسے کئی بار اپنی بکریوں کا دودھ پلا چکی تھی۔

اُن کی پہلی ملاقات بستی سے دور ایک ایسی جگہ ہوئی تھی جہاں سعدیہ اپنی چار بکریاں اور دو اونٹ چرانے اور پانی پلانے کے لیے لے گئی تھی۔ محمود وہاں پانی پینے کے لیے رُکا تھا۔ سعدیہ نے اُس سے پوچھا تھا کہ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے۔ محمود نے کہا تھا کہ نہ کہیں سے آ رہا ہوں، نہ کہیں جا رہا ہوں۔ سعدیہ سادگی سے ہنس پڑی تھی۔ جواب ہی کچھ ایسا تھا۔ سعدیہ نے محمود سے قدرتی سا سوال پوچھا ...... ''مسلم یا سوڈانی؟'' محمود نے جواب دیا کہ وہ مسلمان ہے تو سعدیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ محمود نے اُسے اپنا صحیح ٹھکانہ نہیں بتایا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں کیں جو سعدیہ کو اچھی لگی تھیں۔ سعدیہ اُس سے سوڈان کی جنگ کے متعلق پوچھنے لگی۔ اس کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ اُسے اسلامی فوج کے ساتھ دلچسپی ہے۔ اُس نے جب صلاح الدین ایوبی کے متعلق پوچھا تو محمود نے اس کی ایسی تعریفیں کیں جیسے سلطان صلاح الدین ایوبی انسان نہیں، خدا کا اُتارا ہوا فرشتہ ہے۔ سعدیہ نے پوچھا ...... ''کیا صلاح الدین

ایوبی اُس سے زیادہ مقدس اور برگزیدہ ہے جو آسمان سے اُترا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے؟''

''صلاح الدین ایوبی مرے ہوؤں کو زندہ نہیں کر سکتا'' محمود نے جواب دیا۔

''ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ زندہ ہوتے ہیں، انہیں صلاح الدین ایوبی مار ڈالتا ہے''۔ سعدیہ نے شکی لہجے میں کہا ..... ''لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے اور ہماری طرح کلمہ اور نماز پڑھتا ہے؟''

''تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لوگوں کو مار ڈالتا ہے؟''

''ہمارے گاؤں میں سے مسافر گزرتے رہتے ہیں اور وہ بتاجاتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی بہت بُرا آدمی ہے''۔ سعدیہ نے کہا۔

''تمہاری مسجد کا امام کیا بتاتا ہے؟'' محمود نے بتایا۔

''وہ بہت اچھی باتیں بتاتا ہے''۔ سعدیہ نے کہا..... ''وہ سب کو کہتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی اسلام کی روشنی سارے مصر اور سوڈان میں پھیلانے آیا ہے اور اسلام ہی خدا کا سچا دین ہے''۔

''محمود اُس کے ساتھ اسی موضوع پر باتیں کرتا رہا تھا۔ سعدیہ سے اُسے پتا چلا کہ اُس کے گاؤں میں ایسے آدمی آتے رہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں مگر باتیں ایسی کرتے ہیں کہ کئی لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ محمود نے سعدیہ کے شکوک رفع کر دیئے اور اپنی ذات میٹھی زبان اور شخصیت کا اُس پر ایسا اثر پیدا کیا کہ سعدیہ نے بے تابی سے کہا کہ وہ اکثر یہیں بکریاں چرانے آیا کرتی ہے اور محمود جب کبھی اِدھر سے گزرے تو اُسے ضرور ملے۔ محمود اُسے جذبات اور حقائق کے درمیان بھٹکتا چھوڑ کر اس کے گاؤں کی طرف چلا گیا۔ سعدیہ یہ سوچتی رہ گئی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کا لباس اسی علاقے کا تھا مگر اُس کی شکل وصورت اور اُس کی باتیں بتاتی تھیں کہ وہ اس علاقے کا رہنے والا نہیں ..... سعدیہ کے شکوک صحیح تھے۔ محمود بن احمد دیہاتی علاقے کا رہنے والا نہیں تھا۔ سکندریہ شہر کا باشندہ تھا اور علی بن سفیان کی داخلی جاسوسی (انٹیلی جنس) کا ایک ذہین کارکن تھا۔ وہ کئی مہینوں سے اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے سرحدی دیہات میں گھوم پھر رہا تھا۔ اُس نے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام خفیہ رکھا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ چند اور جاسوس بھی تھے جو اس علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کبھی کبھی اکٹھے ہوتے اور اُن کے جو مشاہدات ہوتے تھے۔ وہ اپنے کسی ایک ساتھی کے سپرد کر کے اُسے قاہرہ بھیج دیتے تھے۔ اس طرح علی بن سفیان کے شعبے کو پتا چلتا رہتا تھا کہ سرحدی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔

محمود بن احمد کو سعدیہ مل گئی تو اُس نے اس لڑکی کے ساتھ بھی ایسی باتیں کیں جن سے اُسے گاؤں اور گرد و پیش کے علاقے کے لوگوں کے خیالات کا علم ہو سکتا تھا۔ اُس نے سعدیہ کے گاؤں کی مسجد کے امام کے متعلق خاص طور پر پوچھا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دو گاؤں میں اُس نے ایسے امام مسجد دیکھے تھے جو اُسے مشکوک سے لگتے تھے۔ وہاں کے لوگوں سے اُسے چلا تھا کہ یہ دونوں امام نئے نئے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ان مسجدوں میں امام تھے ہی نہیں۔ دونوں جہاد کے خلاف وعظ سناتے اور قرآن کی آیات پڑھ کر غلط تفسیریں بیان کرتے تھے، اور یہ دونوں پُراسرار غیب دان کو برحق بتاتے اور لوگوں میں اس کی زیارت کا اشتیاق پیدا کرتے تھے۔ محمود اور اُس کے دو ساتھیوں نے ان دونوں اماموں کے متعلق رپورٹ قاہرہ بھیج دی تھی اور اب وہ سعدیہ کے گاؤں جا رہا تھا۔ اُسے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ اس گاؤں کا امام سلطان ایوبی کا مرید اسلام کا علمبردار ہے۔ اُس نے اسی مسجد کو اپنا ٹھکانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

☆

وہ مسجد میں گیا اور امام سے ملا۔ اپنا جھوٹا تعارف کرا کے اُس نے کہا کہ وہ مذہبی علم کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ امام نے اُسے تعلیم دینے کا وعدہ کیا اور اُسے مسجد میں رہنے کی پیش کش کی۔ محمود مسجد میں قید نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے امام سے کہا کہ وہ دو تین روز بعد اپنے گھر جایا کرے گا۔ اُس نے امام کو بھی اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ امام نے اُس سے نام پوچھا تو اُس نے کچھ اور نام بتا دیا۔ یہ پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے تو اس نے دور کسی سرحدی گاؤں کا نام بتا دیا۔ امام مُسکرایا اور آہستہ سے بولا...... ''محمود بن احمد! مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے فرائض سے بے خبر نہیں۔ سکندریہ کے مسلمان فرض کے پکے ہوتے ہیں''۔

محمود ایسا چونکا جیسے بدک اُٹھا ہو۔ وہ سمجھا کہ یہ امام صلیبیوں کا جاسوس ہے، لیکن امام نے اُسے زیادہ دیر تک شک میں نہ رہنے دیا اور کہا...... ''میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے کم از کم تمہارے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کر دینا چاہیئے۔ میں تمہارے ہی محکمے کا آدمی ہوں۔ میں تمہارے تمام ساتھیوں کو جو اس علاقے میں ہیں، جانتا ہوں۔ مجھے تم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں محترم علی بن سفیان کے اُس عملے کا آدمی ہوں جو دشمن پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے جاسوسوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔ میں امام بن کر جاسوسی کا کام کر رہا ہوں''۔

''پھر میں آپ کو دانش مند آدمی نہیں کہوں گا'' ۔ محمود بن احمد نے کہا...... ''آپ نے جس طرح میرے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کیا ہے، اس طرح آپ دشمن کے کسی جاسوس کے سامنے بھی بے نقاب ہو سکتے ہیں''۔

مجھے یقین تھا کہ تم میرے آدمی ہو'' ۔ امام نے کہا...... ''ضرورت ایسی آپڑی ہے کہ تمہیں اپنا اصلی روپ بتانا ضروری سمجھا۔ میرے ساتھ دو محافظ ہیں جو یہاں کے باشندوں کے بہروپ میں گاؤں میں موجود رہتے ہیں۔ مجھے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آ گئے ہو۔ اس گاؤں میں دشمن کے تخریب کار آ رہے ہیں۔ تم نے اس آدمی کے متعلق سنا ہوگا جس کے متعلق مشہور ہو گیا ہے کہ وہ مستقبل کے اندھیرے کی خبر دیتا اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔ یہ گاؤں بھی اُس کی اَن دیکھی کرامات کی زد میں آ گیا ہے۔ میں نے گاؤں والوں کو شروع میں بتایا تھا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور لاشوں میں کوئی انسان جان نہیں ڈال سکتا، مگر اُس کی شہرت کا جادو اتنا سخت ہے کہ لوگ میرے خلاف ہونے لگے ہیں۔ میں سنبھل گیا کیونکہ میں اس مسجد سے نکلنا نہیں چاہتا۔ مجھے ایک اڈے اور ٹھکانے کی ضرورت ہے۔ یہاں کے گمراہ کیے ہوئے لوگوں کو اسلام کا سیدھا راستہ بھی دکھانا ہے۔ پندرہ بیس روز گزرے، رات کو دو آدمی میرے پاس آئے۔ میں اکیلا تھا۔ اُن دونوں کے چہروں پر نقاب تھے۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں نے انہیں کہا کہ میرا اور کوئی ٹھکانہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو درس بند کر دو اور اُس کی باتیں کرو جو آسمان سے آیا ہے اور خدا کا سچا مذہب لایا ہے۔ میں دونوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ ہتھیار ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں لیکن میں لڑ کر قتل کر کے یا قتل ہو کر اپنا فرض پورا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے عقل سے کام لیا اور انہیں یہ تاثر دیا کہ آج سے وہ مجھے اپنا آدمی سمجھیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ اُن کی باتوں پر عمل کرے گا تو اُسے ایک انعام یہ ملے گا کہ اُسے قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ اُسے اشرفیاں دی جائیں گی''۔

''پھر آپ نے اپنے وعظ اور خطبے کا رنگ بدل دیا ہے؟'' محمود نے پوچھا۔

''کسی حد تک'' ۔ امام نے جواب دیا...... ''میں اب دونوں قسم کی باتیں کرتا ہوں۔ مجھے اشرفیوں کی نہیں، اپنی جان کی ضرورت ہے۔ میں اپنا فرض ادا کیے بغیر مرنا نہیں چاہتا۔ میں گاؤں سے باہر جا کر تمہیں یا تمہارے کسی ساتھی کو ڈھونڈنا بھی نہیں چاہتا، کیونکہ اُس کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ خدا نے خود ہی تمہیں میرے پاس بھیج دیا ہے۔ میرے

محافظ اُس رات میرے پاس نہیں تھے۔ اب تم ہی میرے ساتھ رہو۔ تم میرے شاگرد کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو گے۔ تم سیدھی سادی گنواروں کی سی باتیں کیا کرنا۔ گاؤں میں چار پانچ آدمی ایسے ہیں جو ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اگر ہمیں قریب کوئی سرحدی دستہ مل جائے تو ہمارا مقصد پورا ہو سکتا ہے، مگر ہمارے سرحدی دستوں کے کسی کمان دار پر بھروسہ کرنا بڑا خطرناک ہے۔ دشمن نے اشرفیوں اور عورتوں سے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ وہ تنخواہ ہمارے خزانے سے لیتے اور کام دشمن کا کرتے ہیں''۔

محمود بن احمد اُس کے پاس رُک گیا۔ اُسی روز امام نے اُسے اپنے دونوں محافظوں سے ملا دیا۔

شام کو جب سعدیہ مسجد میں امام کے لیے کھانا لے کر آئی تو محمود کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور مُسکرائی۔ محمود نے پوچھا...... ''میرے لیے کھانا نہیں لاؤ گی؟'' سعدیہ کھانا امام کے حجرے میں رکھ کر دوڑی گئی اور روٹی کے ساتھ ایک پیالے میں بکریوں کا دودھ بھی لے آئی۔ وہ چلی گئی تو امام نے محمود سے کہا...... ''یہ علاقے کی سب سے زیادہ خوب صورت لڑکی ہے۔ ذہین بھی ہے اور کم عمر بھی۔ اس کا سودا ہو رہا ہے''۔

''سودا یا شادی؟''

''سودا''...... امام نے کہا...... ''تم جانتے ہو کہ ان لوگوں کی شادی دراصل سودا ہوتا ہے، مگر سعدیہ کا سیدھا سودا ہو رہا ہے۔ ہمیں اس کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن خریدار مشکوک لوگ ہیں۔ وہ یہاں کے رہنے والے نہیں۔ یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو مجھے دھمکی دے گئے ہیں۔ تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ وہ اس لڑکی کو اپنے رنگ میں رنگ کر ہمارے خلاف استعمال کریں گے۔ اس لیے اسے بچانا ضروری ہے اور اس لیے بھی اسے بچانا ضروری ہے کہ یہ لڑکی مسلمان ہے۔ ہمیں سلطنت کے ساتھ ساتھ سلطنت کی بچیوں کی عصمت کی حفاظت بھی کرنی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ سودا نہیں ہو سکے گا۔ سعدیہ کے باپ کو میں نے اپنا مُرید بنا رکھا ہے لیکن وہ غریب اور تنہا آدمی ہے اور رسم و رواج سے بھاگ بھی نہیں سکتا۔ بہر حال سلطنت اور سعدیہ کی عصمت کے محافظ ہمارے سوا اور کوئی نہیں''۔

اس کے بعد محمود امام کا شاگرد بن گیا۔ دن گزرنے لگے اور اس کی ملاقاتیں سعدیہ کے ساتھ ہونے لگیں۔ لڑکی چراگاہ میں چلی جاتی اور محمود وہاں پہنچ جاتا تھا۔ اُن کی بے تکلفی بڑھ گئی تو محمود نے سعدیہ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو اُسے خریدنا چاہتے ہیں۔ سعدیہ انہیں نہیں جانتی تھی۔ اُس کے لیے وہ اجنبی تھے۔ انہوں نے اُسے اس طرح آ کر دیکھا تھا جس طرح گائے بھینس کو خریدنے سے پہلے دیکھا جاتا ہے۔ سعدیہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کسی کی بیوی نہیں بنے گی۔ اُسے عرب کا کوئی دولت مند تاجر یا کوئی امیر یا وزیر اپنے حرم میں رکھ کر قید کر لے گا، جہاں وہ اپنا گھر بسائے بغیر بوڑھی ہو کر مر جائے گی، یا اسے ناچنا سکھا کر تفریح کی چیز بنا لیا جائے گا۔ اُس نے اپنے گاؤں کے فوجیوں سے ایسی لڑکیوں کے بہت قصے سنے تھے۔ وہ اتنے پسماندہ علاقے میں رہتے ہوئے بھی ذہین تھی اور اپنا بُرا بھلا سوچ سکتی تھی۔ اُس نے محمود کو دیکھا تو اُسے دل میں بٹھا لیا اور اُس نے جب یہ دیکھا کہ محمود اُسے چاہنے لگا ہے تو اُس نے دل میں یہ ارادہ پختہ کر لیا کہ وہ فروخت نہیں ہوگی۔ وہ جانتی تھی کہ خریداروں سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ ایک روز اُس نے محمود سے پوچھا...... ''تم مجھے خرید نہیں سکتے؟''

''خرید سکتا ہوں''...... محمود نے کہا...... ''لیکن میں جو قیمت دوں گا وہ تمہارے باپ کو منظور نہیں ہوگی''۔

''کتنی قیمت دو گے؟''

''میرے پاس دینے کے لیے اپنے دِل کے سوا کچھ بھی نہیں''...... محمود بن احمد نے جواب دیا...... معلوم نہیں تم

دل کی قیمت جانتی ہو یا نہیں''۔

''اگر تمہارے دل میں میری محبت ہے تو میرے لیے یہ قیمت بہت زیادہ ہے''...... سعدیہ نے کہا...... ''تم ٹھیک کہتے ہو کہ میرے باپ کو یہ قیمت منظور نہیں ہوگی، لیکن میں تمہیں یہ بتادوں کہ میرا باپ مجھے بیچنا بھی نہیں چاہتا، اُس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ غریب ہے اور اکیلا ہے۔ میرا کوئی بھائی نہیں۔ میرے خریداروں نے میرے باپ کو دھمکی دی ہے کہ اُس نے اُن کی قیمت قبول نہ کی تو وہ مجھے اغوا کر لیں گے''۔

''تمہارا باپ اتنی زیادہ قیمت کیوں قبول نہیں کرتا؟''...... محمود نے پوچھا...... ''لڑکیوں کو بیچنے کا تو یہاں رواج ہے''۔

''باپ کہتا ہے کہ وہ لوگ مسلمان نہیں لگتے؟''...... سعدیہ نے کہا...... ''میں نے بھی باپ سے کہہ دیا ہے کہ میں کسی غیر مسلم کے پاس نہیں جاؤں گی''...... اُس نے بے تاب ہو کر کہا...... ''تم اگر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو تو میں ابھی تمہارے ساتھ چل پڑوں گی''۔

''میں تیار ہوں''...... محمود نے کہا۔

''تو چلو''...... سعدیہ نے کہا...... ''آج ہی رات چلو''۔

''نہیں''...... محمود کے منہ سے نکل گیا...... ''میں اپنا فرض پورا کیے بغیر کہیں بھی نہیں جا سکتا''۔

''کیسا فرض؟''...... سعدیہ نے پوچھا۔

محمود بن احمد چونکا۔ وہ سعدیہ کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اُس کا فرض کیا ہے۔ اُس نے منہ سے نکلی ہوئی بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی مگر سعدیہ اُس کے پیچھے پڑ گئی۔ محمود کو اچانک یاد آ گیا۔ اُس نے کہا...... ''میں امام سے مذہبی تعلیم لینے آیا ہوں۔ اس کی تکمیل کے بغیر میں کہیں نہیں جاؤں گا''۔

''اس وقت تک مجھے معلوم نہیں کہاں پہنچا دیا جائے گا''...... سعدیہ نے کہا۔

محمود فرض کو ایک لڑکی پر قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اُس کے دل میں یہ شک بھی پیدا ہوا کہ یہ لڑکی دشمن کی جاسوس بھی ہو سکتی ہے، جسے اُسے بے کار کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے سعدیہ کے متعلق چھان بین کرنا ضروری سمجھا۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی فوج قاہرہ سے آٹھ دس میل دور تھی۔ اُسے بتا دیا گیا تھا کہ فوج مشتعل ہے اور مصر کی فوج پر ٹوٹ پڑے گی۔ سلطان ایوبی نے وہاں پڑاؤ کا حکم دے دیا اور سپاہیوں میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہ خود سپاہیوں کے جذبات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ وہ ایک سوار کے پاس رُکا تو کئی سوار اور پیادہ اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس نے ان کے ساتھ غیر ضروری سی باتیں کیں تو ایک سوار بول پڑا۔ اُس نے پوچھا...... ''گستاخی معاف سالارِ اعظم! یہاں پڑاؤ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم شام تک قاہرہ پہنچ سکتے تھے''۔

''تم لوگ لڑتے لڑتے آئے ہو''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں تمہیں اس کھلے صحرا میں آرام دینا چاہتا ہوں''

''ہم لڑتے آئے ہیں اور لڑنے جا رہے ہیں''...... سوار نے کہا۔

''لڑنے جا رہے ہیں؟''...... سلطان ایوبی نے انجان بنتے ہوئے پوچھا...... ''میں تو تمہیں قاہرہ لے جا رہا

''وہ ہمارے دشمن ہیں''......سوار نے کہا......''اگر یہ سچ ہے کہ ہمارے دوست بغاوت کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ ہمارے دشمن ہیں''۔

''صلیبیوں سے بدترین دشمن''......ایک اور سپاہی نے کہا۔

''کیا یہ سچ نہیں سالارِ اعظم کہ قاہرہ میں غداری اور بغاوت ہو رہی ہے؟''......کسی اور نے پوچھا۔

''کچھ گڑبڑ سی ہے''......سلطان ایوبی نے کہا......''میں مجرموں کو سزا دوں گا''۔

''آپ پوری فوج کو کیا سزا دیں گے؟''......ایک سوار نے کہا......''سزا ہم دیں گے۔ ہمیں کمان داروں نے قاہرہ کے سارے حالات بتا دیئے ہیں۔ ہمارے ساتھی شوبک اور کرک میں شہید ہوئے ہیں۔ دونوں شہروں کے اندر ہماری بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت دری ہوئی ہے اور کرک میں ابھی تک ہو رہی ہے۔ ہمارے ساتھی قلعے کی دیواروں سے دشمن کی پھینکی ہوئی آگ میں زندہ جل گئے ہیں۔ قبلۂ اوّل پر کافروں کا قبضہ ہے اور ہماری فوج قاہرہ میں بیٹھی عیش کر رہی ہے۔ آپ کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہی ہے، جنہیں شہیدوں کا پاس نہیں، اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کا خیال نہیں، انہیں زندہ رہنے کا بھی حق نہیں۔ ہم جانتے ہیں وہ اسلام کے دشمن کے دوست بن گئے ہیں۔ ہم جب تک غداروں کی گردنیں اپنے ہاتھوں نہیں کاٹیں گے، ہمیں شہیدوں کی روحیں معاف نہیں کریں گے۔ ذرا ان زخمیوں کو دیکھئے، جنہیں ہم اپنے ساتھ لا رہے ہیں، کسی کی ٹانگ نہیں، کسی کا بازو نہیں۔ کیا یہ اس لیے ساری عمر کے لیے اپاہج ہو گئے ہیں کہ ہمارے ساتھی اور ہمارے دوست دشمن کے ہاتھ میں کھیلیں؟''

''ہم انہیں اپنے ہاتھوں سزا دیں گے''......اور پھر ایسا شور بپا ہو گیا کہ ساری فوج وہاں جمع ہو گئی۔ صلاح الدین ایوبی کے لیے اس جوش و خروش پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ وہ سپاہیوں کے جوش اور جذبے کو سرد کر کے ان کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں صبر و تحمل کی تلقین کی۔ کوئی حکم نہ دیا۔ اپنے خیمے میں گیا۔ مشیروں اور نائبین کو بلا کر کہا کہ یہ فوج اگلے حکم تک یہیں پڑاؤ کرے گی۔ اُس نے کہا......''میں نے دیکھ لیا ہے کہ خانہ جنگی ہو گی۔ فوج کا آپس میں ٹکرا جانا دشمن کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ میں آج رات قاہرہ جا رہا ہوں۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ سپاہیوں کے جوش کو سرد کرنے کی بھی کوشش نہ کی جائے''۔

اُس نے ضروری احکام اور ہدایات دے کر کہا۔ ''ہماری قاہرہ والی فوج جو بغاوت پر آمادہ ہے، میری نظر میں بے گناہ ہے اور ہماری قوم کے وہ نوجوان جو جوئے اور ذہنی عیاشی کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، وہ بھی بے گناہ ہیں۔ فوج کو ہمارے اعلیٰ حکام نے غلط باتیں بتا کر بھڑکایا ہے۔ انہی حکام کے ایماء پر دشمن نے ہمارے ملک کے سب سے بڑے شہر میں ذہنی عیاشی کے سامان پھیلائے ہیں۔ اس اخلاقی تباہ کاری کو فروغ صرف اس لیے حاصل ہوا ہے کہ ہماری انتظامیہ کے وہ حکام جنہیں اس تخریب کاری کو روکنا تھا، وہ اسے پھیلانے میں شریک ہیں۔ دشمن انہیں اُجرت دے رہا ہے، جب کسی قوم کے سربراہ اور امراء دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتے ہیں تو اس قوم کا یہی حشر ہوتا ہے۔ ہماری فوج سوڈان کے ظالم صحرا میں بکھری ہوئی لڑ رہی ہے، کٹ رہی ہے، سپاہی بھوکے اور پیاسے مر رہے ہیں اور ہمارے حاکم ان کی کمک، رسد اور ہتھیار روکے بیٹھے ہیں۔ کیا یہ دشمن کی سازشیں نہیں جسے ہمارے اپنے بھائی کامیاب کر رہے ہیں؟ اس سے دشمن ایک فائدہ اُٹھا رہا ہے کہ تقی الدین اور اس کے وہ عسکری جو جذبہ جہاد سے لڑ رہے ہیں، وہ مر رہے ہیں اور نوبت ہتھیار ڈالنے تک آ گئی اور دوسرا فائدہ یہ کہ ہماری قوم کو بتایا جائے گا کہ یہ دیکھو تمہاری فوج شکست کھا گئی ہے، کیونکہ یہ اسی قابل تھی۔ ہمارے بعض

بھائی مصر کی امارت پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ سب سے پہلے فوج کو قوم کی نظروں میں رُسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ من مانی کر سکیں۔ مجھے امارت کے ساتھ چپکے رہنے کی کوئی خواہش نہیں، اگر میرے مخالفین میں سے کوئی مجھے یہ یقین دلا دے کہ وہ میرے عزم کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا تو میں اس کی فوج میں سپاہی بن کر رہوں گا، مگر ایسا کون ہے؟ یہ لوگ اپنی باقی زندگی بادشاہ بن کر گزارنا چاہتے ہیں، خواہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر کے بادشاہی ملے اور میں اپنی زندگی میں قوم کو اُس مقام پر لانا چاہتا ہوں، جہاں وہ اپنے دین کے دشمنوں کے سر پر پاؤں رکھ کر بادشاہی کرے۔ ہمارے ان لالچی اور غدار حاکموں کی نظر اپنے حال پر، اپنے آج پر ہے۔ میری نظر قوم کے مستقبل پر ہے''۔

اُس نے بولتے بولتے توقف کیا اور کہا...... ''میرا گھوڑا فوراً تیار کرو'' ...... اُس نے اُن افراد کے نام لیے، جنہیں اُس کے ساتھ جانا تھا۔ اُس نے کہا...... ''نہایت خاموشی سے ان سب کو بلاؤ اور انہیں قاہرہ چلنے کے لیے کہو۔ میرا خیمہ یہیں لگا رہنے دو تا کہ کسی کو شک نہ ہو کہ میں یہاں نہیں ہوں'' ...... اُس نے گہرا سانس لیا اور کہا...... ''میں آپ سب سے ذہن نشین کراتا ہوں کہ جو فوج بغاوت کے لیے تیار ہے، میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ تم میں سے کوئی بھی اس فوج کے خلاف کدورت نہ رکھے۔ اسی طرح اپنے نوجوانوں کو بھی قابلِ نفرت نہ سمجھنا۔ میں اُن کے خلاف کارروائی کروں گا جو فوج اور قوم کو گمراہ اور ذلیل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ یہی فوج جب اپنے دشمن کے سامنے آئے گی اور دشمن اُس کا تیروں سے استقبال کرے گا تو فوج کو یاد آئے گا کہ وہ اللہ کی فوج ہے۔ دماغ سے بغاوت کے کیڑے نکل جائیں گے۔ آپ جب اپنے بچوں کو اپنے دین کا دشمن دکھائیں گے تو اُن کا ذہن از خود جوئے سے ہٹ کر جہاد کی طرف آ جائے گا۔ میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا دیتا ہوں کہ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کی بقا اور وقار فوج کے بغیر ممکن نہیں۔ میں صلیبیوں اور یہودیوں کے عزائم اور ان کے طرزِ جنگ اور ان کی زمین دوز کارروائیوں کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسلام کی فوج کو کمزور کر کے اسلام کا خاتمہ کریں گے۔ جس روز اور جس دور میں کسی بھی مسلمان ملک کی فوج کمزور ہوگئی، وہ ملک اپنی آزادی اور اپنا وقار کھو بیٹھے گا۔ کسی بھی دور میں کوئی مسلمان مملکت مضبوط اور باوقار فوج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ ہمارا آج کا غلط اقدام اسلام کے مستقبل کو تاریک کر دے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آنے والی نسلیں ہماری لغزشوں، ناکامیوں اور کامیابیوں سے فائدہ اُٹھائیں گی یا نہیں''۔

''امیرِ مصر!'' ...... ایک مشیر نے کہا...... ''اگر ہمارے بھائی غداری کے فن میں ہی مہارت حاصل کرتے رہے تو آنے والی نسلیں غلام ہوں گی۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہوگا کہ آزادی کسے کہتے ہیں اور قومی وقار کیا ہے۔ کیا ہمارے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟''

''قوم کا ذہن بیدار کرو'' ...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''قوم کو رعایا نہ کہو۔ قوم کا ہر فرد اپنی جگہ بادشاہ ہوتا ہے۔ کسی بھی فرد کو قومی وقار سے محروم نہ کرو۔ ہمارے امراء اور حاکموں میں چونکہ بادشاہ اور خلیفہ بننے کا جنون سوار ہے، اس لیے وہ قوم کو رعایا بنا کر اسے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو، قوم جسموں کا مجموعہ نہیں، جسے تم مویشیوں کی طرح ہانکتے پھرو۔ قوم میں دماغ بھی ہے، روح بھی ہے اور قومی وقار بھی ہے۔ قوم کی ان خوبیوں کو اُبھارو تا کہ قوم خود سوچے کہ اچھا کیا اور بُرا کیا ہے۔ اچھا کون اور بُرا کون ہے۔ اگر قوم محسوس کرے کہ صلاح الدین ایوبی سے بہتر امیر موجود ہے جو سلطنتِ اسلامیہ کے تحفظ کے ساتھ اسے سمندروں سے پار بھی وسعت دے سکتا ہے تو قوم کا کوئی بھی فرد مجھے راستے میں روک لے اور جرأت سے کہے کہ صلاح الدین ایوبی! تم یہ مسند خالی کر دو، ہم نے تم سے بہتر آدمی ڈھونڈ لیا ہے۔

قوم میں یہ سوچ بھی اور جرأت بھی اور مجھ میں فرعونیت نہ ہو کہ اپنے خلاف بات کرنے والے کی گردن مار دوں۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ ملت اسلامیہ ایسے ہی فرعونوں کی نذر ہو جائے گی۔ قوم کو رعایا اور مویشی بنا دیا جائے گا، پھر مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے یا برائے نام مسلمان ہوں گے۔ مذہب تو شاید ان کا یہی رہے گا مگر تہذیب و تمدن صلیبیوں کا ہو گا''۔

اتنے میں ایک محافظ نے اندر آ کر بتایا کہ گھوڑا تیار ہے اور جن تین چار نائب سالاروں کو بلایا گیا تھا، وہ بھی آ گئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھ چار محافظ لیے۔ باقی محافظ دستے سے کہا کہ وہ اس کے خالی خیمے پر پہرہ دیتے رہیں اور کسی کو پتا نہ چلنے دیں کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اُس نے اپنے ساتھ جانے والے عملے سے کہا کہ وہ خاموشی سے فلاں جگہ پہنچ جائیں، وہ ان سے آ ملے گا۔ اُس نے اپنا قائم مقام مقرر کیا اور باہر نکل گیا۔

☆

صحرا تاریک تھا۔ چودہ گھوڑے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی تاریکی چھٹنے سے پہلے قاہرہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ علی بن سفیان کو اُس نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اس کی فوج پڑاؤ میں گہری نیند سو گئی تھی۔ جاگنے والے سنتریوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ نکل گیا ہے۔ قاہرہ والوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ سلطان ایوبی مصر میں داخل ہو چکا ہے...... رات کا پچھلا پہر تھا، جب سلطان ایوبی کا قافلہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ اسے کسی سنتری نے نہ روکا، وہاں کوئی سنتری تھا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا...... ''یہ ہے بغاوت کی ابتداء۔ شہر میں کوئی سنتری نہیں۔ فوج سوئی ہوئی ہے۔ بے پروا، بے نیاز، حالانکہ ہم دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں اور دشمن کے حملے کا خطرہ ہر لحہ موجود ہے''۔

اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی، ایک لحہ آرام کیے بغیر، اُس نے مصر کے قائم مقام سالارِ اعلیٰ کو بلا لیا۔ الادریس کو بھی بلا لیا، جس کے دونوں جوان بیٹوں کو غداروں نے دھوکے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا۔ قائم مقام سالارِ اعلیٰ سلطان ایوبی کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ سلطان ایوبی نے الادریس سے افسوس کا اظہار کیا۔ الادریس نے کہا...... ''میرے بیٹے میدانِ جنگ میں جانیں دیتے تو مجھے خوشی ہوتی۔ وہ دھوکے میں مارے گئے ہیں''...... اُس نے کہا...... ''یہ وقت میرے بیٹوں کے ماتم کرنے کا نہیں، آپ نے مجھے کسی اور مقصد کے لیے بلایا تھا۔ حکم فرمائیں''۔

قائم مقام سالارِ اعلیٰ محب اسلام تھا۔ ان دونوں سے سلطان ایوبی نے قاہرہ کے اندرونی حالات کے متعلق تفصیلی رپورٹ لی اور پوچھا کہ ان کی نظر میں کون کون سے حاکم مشتبہ ہیں۔ وہ فوجی حکام کے متعلق خاص طور پر پوچھ رہا تھا۔ اُسے چند ایک نام بتائے گئے۔ اُس نے احکام دینے شروع کر دیے، جن میں اہم [illegible] تھے کہ مشتبہ حکام کو قاہرہ میں مرکزی کمان میں رہنے دیا جائے اور تمام فوج کو سورج نکلنے سے پہلے کوچ کی تیاری میں جمع کر لیا [illegible]ئے اور بھی بہت سی ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے ایک پلان تیار کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہدایات علی بن سفیان کو دے کر اسے فارغ کر دیا۔

کچھ دیر بعد فوج کے کیمپ میں ہڑبونگ مچ گئی۔ فوج کو قبل از وقت جگا لیا گیا تھا۔ فوج اور انتظامیہ کے مشتبہ حکام کو صلاح الدین ایوبی کے ہیڈ کوارٹر میں بلا لیا گیا تھا۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ انہیں اتنا ہی پتا چلا تھا کہ سلطان ایوبی آ گیا ہے۔ انہوں نے اُس کا گھوڑا بھی دیکھ لیا تھا، لیکن انہیں سلطان ایوبی نظر نہیں آ رہا تھا اور سلطان ایوبی انہیں ابھی ملنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں کوچ تک فوج سے الگ رکھنے کا بندوبست کر دیا تھا۔ یہی اس کا مقصد تھا۔

[illegible]

پیچھے رسد اور دیگر سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔ سلطان ایوبی نے فوج کو یہ ٹریننگ خاص طور پر دی تھی کہ جب بھی فوری کوچ کا حکم ملے تو فوج ایک گھنٹے کے اندر اندر بمع رسد اور دیگر سامان کے قافلے کے ساتھ تیار ہو جائے۔ اسی ٹریننگ اور مشق کا کرشمہ تھا کہ فوج طلوعِ صبح کے ساتھ ہی کوچ کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ مصر کا قائم مقام سالارِ اعلیٰ بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کو ایک نظر دیکھا اور ایک صف کے سامنے سے گزرنے لگا۔ اُس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی اور اُس کے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکلتے تھے...... ''آفرین، صد آفرین۔ اسلام کے پاسبانو، تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو''...... صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کا اپنا ایک اثر تھا جسے ہر ایک سپاہی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کی مُسکراہٹ اور داد و تحسین کے کلمے سپاہیوں پر اس اثر کو اور زیادہ گہرا کر رہے تھے۔ امیر اور سالارِ اعلیٰ کا سپاہیوں کے اتنا قریب جانا ہی کافی تھا۔

تمام فوج کا معائنہ کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی نے مکمل طور پر بلند آواز سے فوج سے خطاب کیا۔ اُس وقت کی تحریروں میں اُس کے جو الفاظ محفوظ ملتے ہیں، وہ کچھ اس طرح تھے...... ''اللہ کے نام پر کٹ مرنے والے مجاہدو! اسلام کی ناموس تمہاری تلواروں کو پکار رہی ہے۔ تم نے شوبک کا مضبوط قلعہ جو کفر کا سب سے زیادہ مضبوط مورچہ تھا، ریت کا ٹیلہ سمجھ کر توڑ ڈالا تھا۔ تم نے صلیبیوں کو صحراؤں میں بکھیر کر مارا اور جنت الفردوس میں جگہ بنا لی ہے۔ تمہارے ساتھی، تمہارے عزیز دوست تمہارے سامنے شہید ہوئے۔ تم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔ اُن چھاپہ مار شہیدوں کو یاد کرو جو دشمن کی صفوں کے پیچھے جا کر شہید ہوئے۔ تم ان کا جنازہ نہ پڑھ سکے۔ ان کی لاشیں بھی نہ دیکھ سکے۔ تم تصور کر سکتے ہو کہ دشمن نے اُن کی لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ شہیدوں کے یتیم بچوں کو یاد کرو۔ اُن کی بیویوں کو یاد کرو جن کے سہاگ خدا کے نام پر قربان ہو گئے ہیں۔ آج شہیدوں کی روحیں تمہیں للکار رہی ہیں۔ تمہاری غیرت کو اور تمہاری مردانگی کو پکار رہی ہیں۔ دشمن نے کرک کے قلعے کو اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ تمہارے کئی ساتھی دیواروں سے پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے ہیں۔ تم اگر وہ منظر دیکھتے تو سر کی ٹکروں سے قلعے کی دیواریں توڑ دیتے۔ وہ آگ میں جلتے رہے اور دیوار میں شگاف ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ موت نے انہیں مہلت نہ دی......

''عظمتِ اسلام کے پاسبانو! کرک کے اندر تمہاری بیٹیوں اور تمہاری بہنوں کی عصمت دری ہو رہی ہے۔ بوڑھوں سے مویشیوں کی طرح مشقت لی جا رہی ہے۔ جوانوں کو قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ ماؤں کو بچوں سے الگ کر دیا گیا ہے، مگر میں کہ جس نے پتھروں کے قلعے توڑے ہیں، مٹی کا قلعہ سر نہیں کر سکا۔ میری طاقت تم ہو، میری ناکامی تمہاری ناکامی ہے''...... اُس کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔ اُس نے بازو اوپر کر کے کہا...... ''میرا سینہ تیروں سے چھلنی کر دو۔ میں ناکام لوٹا ہوں، مگر میری جان لینے سے پہلے میرے کان میں یہ خوش خبری ضرور ڈالنا کہ تم نے کرک لے لیا ہے اور اپنی عصمت بریدہ بیٹیوں کو سینے سے لگا لیا ہے''۔

اُس وقت کا ایک وقائع نگار الاسدی لکھتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑے اپنے سواروں کی جذباتی کیفیت کو سمجھتے تھے۔ سوار خاموش تھے، لیکن کئی گھوڑے بڑی زور سے ہنہنائے۔ تڑاخ تڑاخ کی آوازیں سنائی دیں۔ سوار باگوں کو زور زور سے جھٹک کر اپنی بے تابی اور جذبہ انتقام کی شدت کا اظہار کر رہے تھے۔ اُن کی زبانیں خاموش تھیں۔ اُن کے چہرے لال سرخ ہو کر ان کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ تیروں کی طرح اُن کے دلوں میں اُترتے جا رہے تھے۔ بغاوت کی چنگاریاں بجھ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔

''مسلطنتِ اسلامیہ کی عصمت کے محافظو! تم کفار کے لیے دہشت بن گئے ہو۔ تمہاری تلواروں کو کند کرنے کے لیے آج صلیبی اپنی بیٹیوں کی عصمت اور حشیش استعمال کر رہے ہیں۔ تم نہیں سمجھتے کہ صلیبی اپنی ایک بیٹی کی عصمت لٹا کر ایک ہزار مجاہدین کو بے کار کر دیتے ہیں اور اپنے علاقوں میں اپنی ایک بیٹی کے بدلے ہماری ایک ہزار بیٹیوں کو بے آبرو کرتے ہیں۔ تمہارے درمیان ایک فاحشہ عورت بھیج کر ہماری سینکڑوں بیٹیوں کو فاحشہ بنا لیتے ہیں۔ جاؤ اور اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کو بچاؤ۔ تم کرک جا رہے ہو جس کی دیواروں کے گھیرے میں قرآن کے ورق بکھرے ہوئے ہیں اور جہاں کی مسجدیں صلیبیوں کے لیے بیت الخلا بن گئی ہیں۔ وہ صلیبی جو تمہارے نام سے ڈرتے ہیں۔ آج تم پر قہقہے لگا رہے ہیں۔ شوبک تم نے لیا تھا اور کرک بھی تم ہی لو گے''۔

سلطان ایوبی نے فوج پر یہ الزام عائد نہیں کیا کہ وہ گمراہ ہوگئی ہے اور بغاوت پر آمادہ ہے۔ اُس نے کسی کے خلاف شک وشبے کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ اس کی بجائے فوج کے جذبے اور غیرت کو ایسا للکارا کہ فوج جو حیران تھی کہ اسے اتنی سویرے کیوں جگایا گیا ہے۔ اب اس پر حیران تھی کہ اُسے کرک کی طرف کوچ کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا۔ تمام تر فوج مشتعل ہوگئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اعلیٰ اور ادنیٰ کمانڈروں کو بلایا اور انہیں کوچ کے متعلق ہدایات دیں۔ کوچ کے لیے کوئی اور راستہ بتایا۔ راستہ اُس راستے سے بہت دور تھا جس پر محاذ کی فوج آ رہی تھی۔ کوچ کرنے والی فوج کے ساتھ سلطان ایوبی نے اپنے وہ کمانڈر بھیج دیئے جنہیں وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہیں اُس نے خفیہ طور پر ہدایات دے دی تھیں۔ فوج کو جب کوچ کا حکم ملا تو سپاہیوں کے نعرے قاہرہ کے در ودیوار کو ہلانے لگے۔ سلطان ایوبی کا چہرہ جذبات کی شدت سے دمک رہا تھا۔

جب فوج اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو اُس نے ایک قاصد کو پیغام دے کر اُس پڑاؤ کی طرف روانہ کر دیا جہاں محاذ سے آنے والی فوج رُکی ہوئی تھی۔ قاصد کو بہت تیز جانے کو کہا گیا۔ پیغام یہ تھا کہ پیغام ملتے ہی فوج کو قاہرہ کے لیے کوچ کرا دیا جائے۔ فاصلہ آٹھ دس میل تھا۔ قاصد جلدی پہنچ گیا۔ اُسی وقت کوچ کا حکم مل گیا۔ غروبِ آفتاب کے بعد فوج کے ہراوّل دستے قاہرہ میں داخل ہوگئے۔ ان کے پیچھے باقی فوج بھی آ گئی۔ اُسے رہائش کے لیے وہی جگہ دی گئی جہاں گزشتہ رات تک کوچ کر جانے والے فوج قیام پذیر تھی۔ سپاہیوں کو کمانڈروں نے بتانا شروع کر دیا کہ پہلی فوج کو محاذ پر بھیج دیا گیا ہے۔ آنے والی فوج بھڑکی ہوئی تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں ٹھنڈا کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے دانش مندی سے فوجی بغاوت کا خطرہ بھی ختم کر دیا اور خانہ جنگی کا امکان بھی نہ رہنے دیا۔ اُس نے اعلیٰ کمانڈروں کو بلا لیا اور اُس فوجی حاکم کو بھی بلایا جو سرحدی دستوں کا ذمہ دار تھا۔ اُس نے یہ معلوم کر کے کہ سرحد پر کتنے دستے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، اتنی ہی نفری کے دستے تیار کر کے علی الصبح مطلوبہ جگہوں کو بھیجنے کا حکم دیا۔ اُسے بتایا جا چکا تھا کہ سرحدی دستے ملک سے غلہ اور فوجی ضروریات کا دیگر سامان باہر بھیجنے میں دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان دستوں کے کمانڈروں کو خصوصی احکامات دیئے اور سرحد سے واپس آنے والے پرانے دستوں کے متعلق اُس نے حکم دیا کہ انہیں قاہرہ میں لانے کی بجائے باہر سے ہی محاذ پر بھیج دیا جائے۔

☆

سعدیہ دونوں وقت مسجد میں امام کو کھانا دینے جاتی تھی۔ محمود بن احمد شاگرد کی حیثیت سے مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ اُس چراگاہ میں بھی چلا جایا کرتا تھا جہاں سعدیہ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ وہاں ٹیلے بھی تھے۔ جگہ سرسبز تھی، کیونکہ وہاں پانی تھا۔ جگہ گاؤں سے ذرا دُور تھی۔ سعدیہ اب محمود کو اپنا محافظ سمجھنے لگی تھی اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ محمود اُسے

کافروں کے قبضے میں جانے سے بچالے گا، مگر محمود اُس کی یہ بات نہیں مانتا تھا کہ اُسے فوراً گاؤں سے لے جائے۔ سعدیہ نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُسے اپنے گاؤں چھوڑ آئے اور یہاں آ کر تعلیم مکمل کرلے۔ محمود اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ اُس کا گاؤں مصر کے دوسرے سرے پر ہے جہاں وہ اتنی جلدی نہیں جا سکتا۔ اُس نے اپنے جاسوسی کے فن کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ سعدیہ دشمن کی آلۂ کار نہیں۔ اگر محمود کے راستے میں فرض حائل نہ ہوتا تو وہ کبھی کا سعدیہ کو وہاں سے لے جا چکا ہوتا۔ فرض کے علاوہ امام مسجد اسی کے محکمے کا افسر تھا، جس کی موجودگی میں وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کر سکتا تھا۔ امام نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ رہے۔ اُس کا کہنا حکم کی حیثیت رکھتا تھا۔

ایک روز اچانک گاؤں میں رونق آ گئی۔ کچھ اجنبی صورتیں نظر آنے لگیں۔ ہر کسی کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا...... ''وہ آ رہا ہے، وہ آسمان سے آیا ہے..... مرے ہوؤں کو زندہ کرنے والا آ رہا ہے'' ..... گاؤں کا ہر فرد بہت ہی خوش تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی مرادیں پوری کرنے والا آ رہا ہے۔ سعدیہ دوڑتی آئی اور محمود بن احمد سے کہا..... ''تم نے بھی سنا ہے کہ وہ آ رہا ہے؟ تم جانتے ہو میں اُس سے کیا مانگوں گی؟ میں اسے کہوں گی کہ محمود مجھے فوراً یہاں سے لے جائے، پھر تم مجھے لے جاؤ گے''۔

محمود کچھ بھی جواب نہ دے سکا۔ اُس نے ابھی تک اس پُراسرار آدمی کو نہیں دیکھا تھا جسے لوگ پیغمبر تک کہتے تھے..... محمود کی ڈیوٹی کے علاقے میں وہ پہلی بار آ رہا تھا۔ اُس کی کرامات اور معجزوں کی کہانیاں اس علاقے میں کبھی کی پہنچ رہی تھیں۔ محمود باہر نکل گیا تو اجنبی لوگوں میں اُسے اپنے دو ساتھی جاسوس نظر آئے۔ ان کا علاقہ کوئی اور تھا۔ محمود نے ان سے پوچھا کہ وہ اس کے علاقے میں کیوں آ گئے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس غیب دان کو دیکھنے آئے ہیں مگر وہ جاسوسوں کی حیثیت سے نہیں آئے تھے بلکہ اس سے پوری طرح متاثر تھے۔ انہوں نے اس کی کرامات کسی جگہ دیکھی تھیں، جو انہوں نے محمود کو ایسے انداز سے سنائی کہ وہ مرعوب ہو گیا۔ یہ دونوں اس غیب دان کو برحق سمجھنے لگے تھے۔ محمود نے سوچا کہ علی بن سفیان کے تربیت یافتہ جاسوس جس سے متاثر ہو جائیں، وہ برحق ہو سکتا ہے۔

محمود اُس سرسبز جگہ کی طرف چلا گیا جہاں سعدیہ بکریاں اور اونٹنی چرانے کے بہانے اسے ملا کرتی تھی، مگر وہاں کچھ اور ہی گہما گہمی تھی۔ اُسے دور ہی دو آدمیوں نے روک دیا اور کہا کہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر آ رہا ہے۔ یہ جگہ اس کے لیے صاف کی جا رہی ہے۔ وہ یہیں قیام کرے گا۔ اُس نے دور سے دیکھا کہ ایک ٹیلے میں غار سا بنایا جا رہا تھا اور جگہ ہموار کی جا رہی تھی۔ اب وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ گاؤں کے لوگ کام دھندا چھوڑ کر وہاں جمع ہو رہے تھے۔ اجنبی آدمی جو اُس جگہ صفائی وغیرہ کا کام کرتے تھے، باری باری آ کر لوگوں کو، اس کے معجزے سناتے تھے۔ لوگ مسرور اور مسحور ہوئے جا رہے تھے۔ رات کو بھی لوگ وہاں کھڑے رہے۔ ان کی عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ مسجد میں کوئی بھی نہ گیا۔ دوسرے دن کی ابھی صبح طلوع ہوئی تھی کہ لوگ پھر وہیں پہنچ گئے۔ انہیں دُور ہی روک لیا گیا۔ رات کے دوران اجنبی چہروں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ لوگ وہاں گڑھے بھی کھود رہے تھے۔ ان کے ساتھ چند اونٹ تھے جن پر بہت سارا سامان لدا ہوا تھا۔ یہ سامان کھولا جانے لگا تو انہیں بہت سے خیمے نظر آئے جو کھول کر نصب کیے جا رہے تھے۔

شام گہری ہونے لگی۔ راتیں تاریک ہوا کرتی تھیں۔ چاند رات کے پچھلے پہر اُبھرتا تھا۔ اس غیب دان کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ صرف تاریک راتوں میں لوگوں کو اپنا آپ دکھاتا ہے۔ شام کے بعد بھی گاؤں کے لوگ وہاں موجود رہے۔ ایک طرف گاؤں کی عورتیں بھی کھڑی تھیں، جن میں سعدیہ بھی تھی، جو جگہ آنے والے کے لیے صاف کی جا رہی تھی، وہاں مشعل جل رہی تھیں۔ دو آدمی ان چند لڑکیوں کے پیچھے سے آئے، جن میں سعدیہ تھی۔ لڑکیاں انہیں دیکھ نہ سکیں۔

سامنے سے تین چار آدمی آئے۔ یہ اجنبی لوگوں میں سے تھے۔ لڑکیوں کے قریب آ کر انہوں نے لڑکیوں سے کہا...... ''تم یہاں سے جاتی کیوں نہیں؟'' ...... اور وہ لڑکیوں کو ڈرانے کے لیے ان کی طرف دوڑے، لڑکیاں بھاگ اُٹھیں اور بکھر گئیں۔ کسی نے پیچھے سے سعدیہ کے اوپر کمبل پھینکا۔ دو مضبوط بازوؤں نے اُسے کمر سے دبوچ لیا۔ ایک ہاتھ سے کسی نے اُس کا منہ بند کر دیا۔ اُسے کندھے پر اُٹھا کر کوئی دوڑ پڑا۔ ایک تو تاریکی تھی اور دوسرے لڑکیاں بھاگ گئی تھیں۔ اس لیے کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ سعدیہ کو کوئی اُٹھا لے گیا ہے۔

دوسری صبح جیسے طوفان آ گیا ہو۔ گاؤں کے لوگ چراگاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ ایک ہجوم چلا آ رہا تھا۔ اس کے آگے آگے سولہ سترہ اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر نہایت خوب صورت پالکی تھی۔ ہر پالکی کے پردے گرے ہوئے تھے۔ ''وہ'' ان میں سے کسی پالکی میں تھا۔ آگے آگے دَف اور شہنائیاں بج رہی تھیں۔ بعض لوگ وجد آفریں گونج میں کچھ گنگناتے آ رہے تھے۔ اونٹوں کی گردنوں سے لٹکتی ہوئی بڑی بڑی گھنٹیوں کا ترنم اسی موسیقی کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ ہجوم میں کوئی شور شرابا نہیں تھا۔ ہر کسی پر تقدس کا رعب طاری تھا۔ یہ مریدوں اور عقیدت مندوں کا جلوس تھا جو معلوم نہیں کہاں کہاں سے، اس کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ ایسی فضا پیدا ہو گئی تھی جیسے پالکیوں والے اونٹ آسمان سے اُتر رہے ہوں۔ یہ قافلہ سرسبز جگہ چلا گیا۔ وہاں ٹیلے زیادہ تھے۔ ایک جگہ بہت سے خیمے نصب کر دیئے گئے تھے۔ ان میں ایک خیمہ خاصا بڑا تھا۔ تمام لوگوں کو دُور ہٹا دیا گیا، پھر کوئی نہ دیکھ سکا کہ پالکیوں میں سے کون کون نکلا اور کہاں غائب ہو گیا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم دُور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ سعدیہ کے گاؤں کے لوگ ان سے اس مقدس انسان کی باتیں سننے لگے۔ انسانی فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ انسان جس قدر گنوار اور پسماندہ ہوتا ہے، وہ اتنا ہی سنسنی پسند ہوتا ہے۔ وہ باتوں میں سنسنی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کیفیت وہاں پیدا ہو گئی تھی۔

امام بھی اس ہجوم کو دیکھ رہا تھا اور محمود بھی۔ وہ ابھی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں قاہرہ سے یہ ہدایت ملی تھی کہ سرحدی علاقے میں کوئی نیا عقیدہ پھیلایا جا رہا ہے، اس کے متعلق تفصیلات معلوم کر کے بتاؤ کہ یہ کیا ہے اور اس کی پشت پناہی میں کون لوگ ہیں۔ قاہرہ کو ابھی کوئی تفصیلی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ کہ جن علاقوں میں پُراسرار آدمی جا چکا تھا، وہاں کے جاسوس بھی اس کے معجزوں سے مرعوب ہو گئے تھے۔ وہ اُس کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالنے سے ڈرتے تھے۔ سرحدی دستوں نے بھی ایسا ہی اثر قبول کیا تھا۔ اب اس امام کی باری تھی۔ اُسے دیکھنا تھا کہ یہ سب کوئی ڈھونگ ہے، شعبدہ بازی ہے یا کیا ہے۔ اُس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ لوگ اُس کی صرف باتیں سن سن کر اتنے متاثر اور مرعوب ہو گئے تھے کہ انہوں نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اُس کی جھلک دیکھنے کو اُس جگہ کے گرد بیٹھے تھے جہاں وہ اونٹ سے اُتر کر کسی خیمے میں غائب ہو گیا تھا۔

امام اور محمود وہاں کھڑے تھے۔ سعدیہ کا باپ ان کے پاس آن رُکا۔ اس نے پریشانی کے عالم میں بتایا کہ سعدیہ رات سے غائب ہے۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ انہیں چند آدمیوں نے سامنے سے آ کر ڈرایا اور وہاں سے بھگا دیا تھا۔ ایک لڑکی نے بتایا کہ اُس نے وہاں سے پیچھے دو آدمی دیکھے تھے۔ اس سے آگے کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ باپ سعدیہ کی تلاش میں چل پڑا۔ محمود بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہاں اُسے سعدیہ کہاں مل سکتی تھی مگر وہ باپ تھا۔ بے چینی سے اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ محمود اس کے ساتھ رہا۔ انہیں ایک اجنبی نے روک لیا اور پوچھا...... ''کیا تم لوگ کسی کو ڈھونڈ رہے ہو؟'' ......

سعدیہ کے باپ نے اُسے بتایا کہ گزشتہ رات اُس کی لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے۔

''مجھے ابھی ابھی کسی نے بتایا ہے کہ تم اس لڑکی کے باپ ہو'' ...... اجنبی نے سعدیہ کا حلیہ بتا کر کہا...... ''اگر تم اس

لڑکی کو ڈھونڈ رہے ہو تو وہ تمہیں یہاں نہیں ملے گی۔ اب تک وہ مصر کی سرحد سے باہر اور بہت دُور جا چکی ہوگی۔ گذشتہ شام میں نے ایک گھوڑا دیکھا تھا۔ ایک نوجوان اور بڑی خوب صورت لڑکی دوسری لڑکیوں سے ہٹ کر گھوڑے کے پاس گئی۔ سوار گھوڑے کے قریب کھڑا تھا۔ لڑکی نے اُس کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ سوار گھوڑے پر سوار ہو کر چند قدم پرے چلا گیا۔ لڑکی اِدھر اُدھر دیکھتی اُس کے پیچھے گئی۔ آگے جا کر وہ خود ہی سوار کے آگے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ سوار گھوڑا دوڑا لے گیا۔ میں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے جو ایک سوار کے ساتھ اپنی مرضی سے چلی گئی ہے۔ آج کسی نے بتایا کہ وہ تمہاری بیٹی تھی۔ اُسے اب ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرو"۔

وہ آدمی چلا گیا۔ سعدیہ کے باپ کے آنسو نکل آئے۔ محمود کا رَدِ عمل کچھ اور تھا۔ وہ جاسوس تھا۔ اُس نے یہ سوچا کہ یہ آدمی سفید جھوٹ بول گیا ہے۔ اس کی اطلاع اور تمام تر بیان جھوٹ تھا۔ کوئی اُسے کیسے بتا سکتا تھا کہ اس شخص کی بیٹی ایک سوار کے ساتھ بھاگ گئی ہے، جب اسے دیکھنے والا یہ اکیلا شخص تھا۔ جاسوس کو یہ ٹریننگ خاص طور پر دی جاتی تھی کہ کسی کی بات پر فوراً اعتبار نہ کرو اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھو۔ محمود نے اس اجنبی کا پیچھا کیا۔ وہ ہجوم میں سے ہوتا ہوا ٹیلوں کے پیچھے چلا گیا اور خیموں میں کہیں غائب ہو گیا۔ محمود کو یقین ہو گیا کہ سعدیہ انہی خیموں میں ہے اور اُس کے اغوا میں اس آدمی کا ہاتھ ہے۔ یہ سعدیہ کے خریداروں میں سے ہو سکتا ہے، جنہوں نے سودا نہ ہونے پر سعدیہ کے باپ کو لڑکی کے اغوا کی دھمکی دی تھی۔ سعدیہ کے باپ نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ یہ اجنبی سعدیہ کے باپ کو یہ جھوٹا بیان دے کر گمراہ کرنے آیا تھا، تاکہ باپ اپنی بیٹی کو یہاں تلاش نہ کرے۔

محمود بن احمد کے دِل میں سعدیہ کی اتنی شدید محبت تھی کہ اُس نے سعدیہ کو وہاں سے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اُس نے امام کو جا کر یہ ساری بات سنائی۔ امام سراغ رسانی کے شعبے کا ذہین حاکم تھا۔ اُس نے بھی یہی رائے دی کہ اس غریب باپ کو دھوکا دیا جا رہا ہے کہ اس کی بیٹی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ محمود نے امام کے ان دونوں جاسوسوں سے جو گاؤں میں موجود رہتے تھے، ذکر کیا اور کہا کہ وہ سعدیہ کو وہاں سے نکالے گا اور اُسے ان کی مدد کی ضرورت ہے، مگر یہ کام آسان نہیں تھا۔ ٹیلوں کے اندر اب کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

☆

نورالدین زنگی نے کرک کے محاصرے میں اپنی فوج لگا دی تھی اور قلعہ توڑنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔ اُس نے پہلے روز ہی اپنے کمانڈروں سے کہہ دیا تھا کہ جو قلعہ صلاح الدین ایوبی سر نہیں کر سکا، وہ تم بھی آسانی سے سَر نہیں کر سکو گے۔ صلاح الدین ایوبی تو ناممکن کو ممکن کر دکھانے والا آدمی ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے تفصیل سے بتا دیا تھا کہ یہاں کون کون سے طریقے آزما چکا ہے۔ یہ بھی بتایا تھا کہ قلعے کے اندر کیا کیا ہے۔ رسد اور جانور کہاں ہیں اور آبادی کس طرف ہے۔ اُسے یہ معلومات جاسوس نے دی تھیں۔ وہ اندر آگ پھینکنا چاہتا تھا مگر اُس کی منجنیقیں چھوٹی تھیں۔ اس کے علاوہ صلیبیوں کے پاس بڑی کمانیں تھیں جن کے تیر بہت دُور تک چلے جاتے تھے۔ یہ تیر منجنیقوں کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ اسی لیے قلعے کے دروازے پر بھی آگ نہیں پھینکی جا سکتی تھی۔ مجاہدین کہیں سے قلعے کی دیوار توڑنے کی کوشش کرتے تھے تو اوپر سے صلیبی جلتی ہوئی لکڑیوں اور دہکتے کوئلوں کے ڈرم انڈیل دیتے تھے۔

نورالدین زنگی نے اپنے نائبین کا اجلاس بلا کر انہیں کہا...... "صلاح الدین ایوبی نے مجھے کہا تھا کہ وہ بڑی منجنیقیں بنوا کر اندر آگ پھینک سکتا ہے، لیکن اندر مسلمانوں کی آبادی بھی ہے، اگر ایک بھی مسلمان جل گیا تو یہ ساری عمر کا

پچھتاوا ہو گا۔ میں اب ایوبی کی سوچ کے خلاف فیصلہ کر رہا ہوں۔ میں نے اتنی بڑی منجنیقیں بنانے کا انتظام کر لیا ہے جن کی پھینکی ہوئی آگ اور وزنی پتھر دُور تک جا سکیں گے۔ آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ آپ کی پھینکی ہوئی آگ سے اندر چند ایک مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔ میرے دوستو! اگر تم اندر کے مسلمانوں کی حالت جانتے ہو تو کہو گے کہ وہ مر ہی جائیں تو اچھا ہے۔ وہاں کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں۔ مسلمان بچیاں صلیبیوں کے پاس ہیں اور مرد کھلے قید خانے میں بڑے بگار کر رہے ہیں۔ وہ تو دُعائیں مانگ رہے ہوں گے کہ خدا انہیں موت دے دے۔ آپ کا محاصرہ جس قدر لمبا ہوتا جائے گا، اندر کے مسلمانوں کی اذیت بھی اسی قدر زیادہ اور اذیتوں کی مدت لمبی ہوتی جائے گی اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ ہر ایک مسلمان جل مرے گا۔ اگر چند ایک مر گئے تو ہمیں یہ قربانی دینی ہی پڑے گی۔ آپ بھی تو مرنے کے لیے آئے ہیں۔ اسلام کو زندہ رکھنا ہے تو ہم میں سے کئی ایک کو جانیں قربان کرنی ہوں گی۔ میں آپ کو یہ اطلاع اس لیے دے رہا ہوں کہ آپ میں سے مجھ پر کوئی یہ الزام عائد نہ کرے کہ میں نے ایک قلعہ سَر کرنے کے لیے بے گناہ مسلمانوں کو جلا دیا ہے"۔

"ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچے گا"...... ایک سالار نے کہا...... "ہم یہاں اپنی بادشاہی قائم کرنے نہیں آئے۔ فلسطین مسلمانوں کا ہے۔ ہم یہاں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بادشاہی بحال کرنے آئے ہیں۔ قبلۂ اوّل ہمارا ہے، صلیبیوں اور یہودیوں کا نہیں"۔

"ہم یہودیوں کے اس دعوے کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ فلسطین یہودیوں کا وطن ہے"۔ ایک اور نے کہا......

"ہم سب جل مرنے کے لیے تیار ہیں، ہم اپنے بچوں کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں"۔

نورالدین زنگی کے ہونٹوں پر ایسی مُسکراہٹ آ گئی جس میں مسرت نہیں تھی۔ اُس نے کہا...... "تم جانتے ہی ہو گے کہ فلسطین کو اپنا وطن بنانے کے لیے یہودی کس میدان میں لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی دولت اور اپنی بیٹیوں کی عصمت صلیبیوں کے حوالے کر دی ہے اور انہیں ہمارے خلاف لڑا رہے ہیں۔ اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کے ہی ذریعے ہماری صفوں میں غدار پیدا کر رہے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا نشانہ صلاح الدین ایوبی اور مصر ہے۔ مصر کے بڑے بڑے شہروں میں فاحشہ عورتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ سب یہودی عورتیں ہیں۔ افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مسلمان امراء اور دولت مند تاجر یہودیوں کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ ان میں نفاق اور تفرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اب کفار انہیں آپس میں لڑائیں گے۔ اگر ہم ہوش میں نہ آئے تو یہودی ایک نہ ایک دن فلسطین کو اپنا وطن بنا کر قبلۂ اوّل کو اپنی عبادت گاہ بنا لیں گے اور مسلمان مملکتیں آپس میں لڑتی رہیں گی۔ انہیں محسوس تک نہ ہو گا کہ ان کی آپس کی چپقلش کے پیچھے یہودیوں اور صلیبیوں کا ہاتھ ہے۔ یہ ہو گا دولت، عورت اور شراب کا کرشمہ جو شروع ہو چکا ہے۔ اگر ہمیں آنے والی نسلوں کو باوقار زندگی دینی ہے تو ہمیں آج کی نسل کے کچھ بچے قربان کرنے پڑیں گے۔ میں نیا چاند نکلنے تک کرک لے لینا چاہتا ہوں، خواہ مجھے اس کے کھنڈر ملیں اور اندر مسلمانوں کی جلی ہوئی لاشیں ملیں۔ ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمیں صلیبیوں اور یہودیوں کو بحیرۂ روم میں ڈبونا ہے۔ یہ کام ہمیں اپنی زندگی میں کرنا ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہمارے بعد اسلام کا پرچم غداروں اور صلیب نوازوں کے ہاتھوں میں آ جائے گا"۔

نورالدین زنگی نے کاریگروں کی بھی ایک فوج ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے متعلقہ کاریگروں کو بتا دیا تھا کہ کھجوروں کے بہت لمبے لمبے درخت کاٹ کر منجنیقیں تیار کریں۔ اُس نے کاریگروں کے مشوروں سے کچھ اور قسم کے بھی درخت کٹوا لیے تھے اور حکم دیا کہ ان کے تنے اور ٹہن خشک ہونے سے پہلے کام میں لائے جائیں تا کہ ان میں لوہے والی سختی

یدانہ ہو جائے۔ کاریگر دن رات مصروف رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے وزنی پتھروں کے ڈھیر لگوا دیئے تھے۔ اس کے پاس صلاح الدین ایوبی کا چھوڑا ہوا آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھی تھا۔ بہت سا سیال مادہ زنگی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اُس نے آگ کے گولے تیار کر لیے تھے۔ اسی دوران مصر سے سلطان ایوبی کی بھیجی ہوئی فوج بھی پہنچ گئی۔ نورالدین زنگی کو اس فوج کے متعلق بتایا گیا تھا کہ بغاوت کے لیے تیار رہے، لیکن زنگی نے جب اس کا معائنہ کیا تو اُسے بغاوت کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ زنگی سلطان ایوبی کی طرح دانش منداور دُور اندیش انسان تھا۔ اُس نے اِس فوج کو چند ایک پُر جوش لفاظ سے اس سے زیادہ بھڑکا دیا جتنا سلطان ایوبی نے بھڑکا کر بھیجا تھا۔

ایک روز سورج غروب ہو چکا تھا۔ صلیبی حکمران اور اعلیٰ فوجی کمانڈر قلعے کے اندر ایک کانفرنس بیٹھے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں محاصرے کے متعلق کوئی پریشانی نہیں۔ انہیں یہ بھی پتا چل چکا تھا کہ سلطان ایوبی مصر جا چکا ہے اور نورالدین زنگی آ گیا ہے۔ کانفرنس والے دن کی صبح انہیں یہ اطلاع ملی کہ مصر سے تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ اس صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے یہ سب اکٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی بات شروع کی ہی تھی کہ دھماکے کی طرح آواز سنائی دی اور ملبہ گرنے کا شور بھی اُٹھا۔ صلیبی کمانڈر اور حکمران دوڑتے باہر نکلے۔ ساتھ والے کمرے کی منڈیر پھٹ گئی تھی اور وہاں ایک وزنی پتھر پڑا تھا۔ دیوار میں شگاف نہیں ہوا تھا۔ زناٹہ سا سنائی دیا جو قریب آ کر دھماکہ بن کر خاموش ہو گیا۔ اسی جگہ کے قریب ایک اور پتھر گرا۔ صلیبی وہاں سے بھاگے۔ وہ سمجھ گئے کہ مسلمان منجنیقوں سے پتھر پھینک رہے ہیں۔ وہ قلعے کی دیوار پر گئے، مگر شام اندھیری ہو چکی تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

یہ نورالدین زنگی کی تیار کرائی ہوئی ایک منجنیق تھی جسے تجرباتی طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ یہ ضرورت کے عین مطابق دُور مار تھی مگر اسے چلانا بہت مشکل تھا۔ ایک لمبے شہتیر کے وسط میں مضبوط رسے باندھے گئے تھے جنہیں گھوڑوں کے زور سے کھینچ کر خم دیا جاتا اور خم کی جگہ پتھر رکھا جاتا تھا۔ انتہائی خم میں لے جا کر رسہ تلواروں سے کاٹ دیا جاتا تھا۔ اس طریقے کا نقصان یہ ہوتا تھا کہ رسہ کٹ جاتا اور اسے گانٹھ دے کر دوبارہ استعمال کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ دوسری تکلیف یہ ہوتی تھی کہ جب آٹھ گھوڑوں کو کھچا تنا ہوا رسہ کٹتا تو گھوڑے دُور آگے کو اس طرح چلے جاتے تھے جیسے کسی بے پناہ قوت نے دھکا دیا ہو۔ دو تین باریوں ہوا کہ دو گھوڑے آگے جا کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور پچھلے گھوڑے ان کے اوپر گرے۔ دو سوار ایسے زخمی ہوئے کہ محاذ کے قابل نہ رہے۔ زنگی نے پھر بھی آدھی رات کے بعد تک یہ عمل جاری رکھا جس سے یہ نقصان ہوا کہ صلیبیوں کے ہیڈ کوارٹر کی دو چھتیں گر پڑیں اور چند ایک کمروں کی دیواروں میں لمبے چوڑے شگاف پڑ گئے۔ یہ نقصان کچھ زیادہ تو نہیں تھا لیکن صلیبیوں کی حوصلہ شکنی کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ چند ایک دیواروں کے شگافوں نے ہیڈ کوارٹر کے محافظوں اور عملے کو وہاں سے بھگا دیا تھا اور صبح تک اُس دور کی پہلی ''بمباری'' کی دہشت ناک خبر سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔

مگر آدھی رات کے بعد نورالدین زنگی کی پہلی دور مار منجنیق بے کار ہو گئی تھی۔ پتھر پھینکنے والا حصہ جسے خم دیا جاتا تھا زیادہ استعمال سے یا زیادہ زور دینے سے ٹوٹ گیا۔ آخری پتھر قلعے کے اندر جانے کی بجائے دیوار کے باہر لگا۔ زنگی نے منجنیق کو پتھر پھینکنے سے روک دیا۔ تاہم یہ تجربہ ناکام نہیں تھا۔ کاریگروں میں دو خاص طور پر دانش مند تھے۔ انہوں نے اس کا اصول دیکھ لیا تھا۔ اس اصول پر انہیں کامیاب دور مار منجنیق تیار کرنی تھی۔ انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ رسہ کاٹے بغیر پتھر نکلے اور اگر رسے کاٹنے ہی پڑیں تو گھوڑے اس سے پہلے تنے ہوئے رسّوں سے آزاد کر دیئے جایا کریں۔ نورالدین زنگی نے انہیں کہا کہ وہ جو کچھ بھی کریں، وقت ضائع کیے بغیر کریں۔ دن رات سوچیں اور کام کریں۔

انہوں نے کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے تیر وکمان بنانے والے کاریگروں سے کہا کہ وہ دُور مار کمانیں تیار کریں۔ اُس نے اپنے کمانڈروں سے کہا کہ اپنے دستوں میں سے غیر معمولی طور پر طاقتور سپاہی الگ کر لیں جو بڑی کمانوں سے تیر پھینک سکیں۔

☆

سعدیہ کے گاؤں کے باہر جہاں وہ بکریاں چراتی اور محمود بن احمد سے ملا کرتی تھی، ایک ایسی دُنیا آباد ہو گئی، جس کی رونق وہاں کے لوگوں کے لیے روئے زمین کی نہیں، آسمان سے اُتری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ بہت دیر گزری سورج غروب ہو چکا تھا۔ رات تاریک تھی۔ لوگوں کو ٹیلوں کے اندر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی، لیکن انہیں ایک طرف بٹھا دیا گیا تھا۔ کسی کو کسی ٹیلے کے اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لوگوں کو جہاں بٹھایا گیا، وہاں سے کسی کو اُٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں کوئی حکم نہیں دیا جا رہا تھا، بلکہ ''اُس'' سے ڈرایا جا رہا تھا۔ کہتے تھے کہ وہ کسی کی ذرا سی بھی حرکت سے ناراض ہو گیا تو سب پر مصیبت نازل ہو گی۔ لوگ دم بخود بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ان سے کچھ دور بڑی خوب صورت دریاں اور ان پر دو قالین بچھے ہوئے تھے۔ پیچھے لمبے لمبے پردے لٹکے ہوئے تھے، جن پر ستارے سے چمکتے تھے۔ یہ چمک اُن مشعلوں اور قندیلوں سے پیدا ہوتی تھی جو ایک خاص ترکیب سے رکھی جل رہی تھیں۔ پردوں کے پیچھے عمودی ٹیلا تھا جس کے دامن میں اجنبی لوگ غار کھود رہے تھے۔ اس ٹیلے کے پیچھے کچھ جگہ ہموار تھی، وہاں رنگا رنگ خیمے نصب تھے۔

تماشائیوں پر ایسا رُعب طاری تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ یہ رات اُس سے اگلی تھی جس رات سعدیہ اغوا ہوئی تھی۔ سامنے لٹکے ہوئے پردے آہستہ آہستہ ہلنے لگے تھے۔ ستارے آسمان کے ستاروں کی طرح ٹمٹمانے لگے اور ایسے سازوں کا ترنم سنائی دینے لگا جن کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ یہ ایک گونج سی تھی جس میں طلسماتی سا تاثر تھا۔ صحرا کی خاموش رات میں یہ تاثر روحوں تک اُترتا محسوس ہوتا تھا۔ یہ احساس بھی ہوتا تھا جیسے اس ترنم کی لہریں لوگوں کے اوپر سے گزر رہی ہوں، جنہیں وہ دیکھ سکیں گے، چھو بھی سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ بار بار اوپر اِدھر اُدھر دیکھتے تھے، لیکن انہیں نظر کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ سازوں کے ترنم میں ایک اور گونج شامل ہو گئی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی نغمہ گنگنا رہے ہیں۔ اس میں لڑکیوں کی آواز بھی تھی۔ اس کے ساتھ جب ٹیلے کے سامنے اتنے لمبے لمبے پردے ہلتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے رات، فضا اور ماحول پر وجد طاری ہو گیا ہو۔

لوگ پوری طرح مسحور ہو گئے تو کہیں سے گونج دار آواز اُٹھی .... ''وہ آ گیا ہے، جسے خدا نے آسمان سے اُتارا ہے۔ اپنے دل اور دماغ خیالوں سے خالی کر دو۔ وہ تمہارے دلوں اور دماغوں میں خدا کی سچی باتیں اُتار دے گا''۔

پردوں میں جنبش ہوئی۔ پردوں میں سے ایک انسان نمودار ہوا۔ وہ تھا تو انسان ہی لیکن اس مترنم اور مرعوب ماحول میں ان روشنیوں میں وہ کسی بلند و بالا جہان کی مخلوق لگتا تھا۔ اُس کے سر کے بال بھورے ریشمی اور لمبے تھے جو اُس کے شانوں پر پڑتے تھے۔ بالوں میں چمک تھی۔ چہرہ بھرا بھرا اور سرخ و سپید، داڑھی سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ یہ بھی بھورے رنگ کی تھی۔ جسم گٹھا ہوا اور اس پر سبز چغہ تھا۔ چغے پر پردوں کی طرح ستارے تھے جو روشنیوں میں چمکتے تھے۔ ایسی ہی چمک اُس کی آنکھوں میں تھی۔ اُس کے سراپا میں ایسا تاثر تھا جس نے لوگوں کو مبہوت کر دیا۔ اُس کے ساتھ سازوں کا گونج دار ترنم اور بہت سی آوازوں کے گنگنانے کی گونج، مگر جس نے لوگوں کو دم بخود کیا تھا، وہ اُن کی کہانیوں کا اثر تھا جو کبھی سے سُن رہے تھے۔ ان معجزاتی کہانیوں کی سنسنی خیزی نے ان کی سوچوں پر غلبہ پا رکھا تھا۔ اُس رات اُسے ا

سامنے دیکھ کر انہوں نے پہلے تو سر جھکائے پھر ہاتھ اس طرح پیٹ پر باندھ لیے جس طرح نماز میں باندھے جاتے ہیں۔
اُس نے پردوں کے سامنے کھڑے ہو کر بازو اوپر کو پھیلائے اور کہا...... ''تم پر اس خدا کی رحمت نازل ہو جس نے تمہیں دُنیا میں اُتارا، جس نے تمہیں آنکھیں دیں تا کہ تم دیکھ سکو، جس نے تمہیں کان دیئے تا کہ تم سن سکو، جس نے تمہیں دماغ دیا کہ تم سوچ سکو، جس نے تمہیں زبان دی تا کہ تم بول سکو، تم ہی جیسے انسانوں نے جن کی آنکھیں تمہاری طرح ہیں، زبانیں تمہاری طرح ہیں، تمہیں غلام بنا کر خدا کی نعمتوں سے اور دُنیا کی آسائشوں سے محروم کر دیا ہے۔ اب تمہارا یہ حال ہے کہ تمہاری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں مگر تمہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ تمہارے کان سن سکتے ہیں مگر یہ سچ بات نہیں سنتے۔ تمہارا دماغ سوچ سکتا ہے مگر اس میں وہم اور جھوٹے قصے بھرے ہوئے ہیں۔ تمہاری زبانیں بول سکتی ہیں مگر ان کے خلاف ایک کلمہ نہیں کہہ سکتیں جنہوں نے تمہیں غلام بنا لیا ہے۔ انہوں نے تمہیں تمہارے گھوڑے اور اونٹوں کو اور تمہارے جوان بیٹوں کو خرید لیا ہے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو اس طرح لڑاتے ہیں جس طرح کتوں کو لڑایا جاتا ہے۔ وہ تمہارے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیروں اور برچھیوں سے چھلنی کروا کر مرواتے ہیں۔ تمہارے بیٹوں کو مروا کر ریگستانوں میں پھینک دیتے ہیں جہاں انہیں مُردے کھانے والے پرندے اور درندے کھا جاتے ہیں...... میں وہ آنکھ ہوں جو آنے والے وقت کو دیکھ سکتی ہے اور دیکھ سکتی ہے کہ انسانوں کے دلوں میں کیا ہے۔ میں وہ کان ہوں جو خدا کی آواز سن سکتا ہے، میں وہ دماغ ہوں جو بنی نوع انسان کی بھلائی کی سوچتا ہے اور میں وہ زبان ہوں جو خدا کا پیغام سناتی ہے۔ میں خدا کی زبان ہوں''۔
''کیا تو لافانی بھی ہے، جسے موت نہیں آئے گی؟''...... مجمعے میں سے ایک آواز اُٹھی۔ لوگ دم بخود ہو گئے۔ بعض ڈر بھی گئے کہ اس شخص نے اس مقدس انسان کی بات کاٹ کر اُس مصیبت کو آواز دی ہے جو گاؤں پر نازل ہو گی۔
''تم آزما لو''...... اُس نے کہا...... ''میرے سینے میں تیر مارو''
اُس کی آواز میں اور انداز میں جادو کا اثر تھا۔ اس نے پھر کہا...... ''یہاں کوئی تیرانداز ہے تو میرے سینے پر تیر چلائے''...... ہجوم پر سناٹا طاری ہو چکا تھا۔ اُس نے غصیلی اور بلند آواز سے کہا...... ''میں حکم دیتا ہوں کہ یہاں جس کسی کے پاس تیر و کمان ہے، وہ سامنے آ جائے''۔
چار تیرانداز جو سعدیہ کے گاؤں کے رہنے والے نہیں تھے، آہستہ آہستہ آگے آئے۔ وہ ڈرے سہمے ہوئے تھے...... اُس نے کہا...... ''تیس قدم گن کر چاروں میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ''...... انہوں نے تیس قدم گنے اور اُس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔
''کمانوں میں تیر ڈالو''
چاروں نے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔
''میرے دِل کا نشانہ لے لو''۔
انہوں نے کمانیں سیدھی کر کے نشانہ لے لیا۔
''یہ سوچے بغیر کہ میں مر جاؤں گا، پوری طاقت سے کمانیں کھینچو اور تیر چلا دو''۔
انہوں نے کمانیں جھکا لیں، انہوں نے یہی سوچا تھا کہ وہ مر جائے گا۔
''میرے دِل کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ''...... اُس نے گرج کر کہا...... ''ورنہ جہاں کھڑے ہو وہیں شعلے بن کر بھسم ہو گے''

تیر اندازوں نے اپنی موت کے ڈر سے فوراً کمانیں اوپر کر لیں اور اُس کے دِل کا نشانہ لیا۔ دیکھنے والا ہجوم اس طرح خاموش تھا جیسے وہاں کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ سازوں کا ترنم اس سکوت پر کچھ زیادہ ہی سحر آگیں اور پُرسوز ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے انسانوں کی مترنم گونج پھر اُبھری جو نظر نہیں آتے تھے...... اس سحر آگیں موسیقی میں چار کمانوں کی "پنگ، پنگ" کی آوازیں بڑی صاف سنائی دیں۔ چار تیر اُس مقدس انسان کے دِل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔ وہ کھڑا رہا۔ اُس کے بازو اوپر اور کچھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"چار خنجروں والے آگے آجائیں"...... اُس نے کہا...... "تیر انداز چلے جائیں"

تیر انداز حیران و پریشان چلے گئے اور چار آدمی ایک طرف سے سامنے آئے۔ اس حکم پر کہ خنجر ہاتھ میں لے لو اور مجھ سے پندرہ قدم گن کر میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ اُس سے پندرہ قدم دُور جا کر کھڑے ہوئے، اُس نے پوچھا...... "تم نشانے پر خنجر پھینکنا جانتے ہو؟"...... چاروں نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں۔ اُس نے کہا...... "چاروں اکٹھے میرے سینے میں خنجر مارو"۔

چاروں نے پوری طاقت سے خنجر اُس پر پھینکے۔ چاروں خنجر اس کے سینے میں لگے اور وہیں رہے۔ خنجروں کی نوکیں اُس کے سینے میں اُتری ہوئی تھیں اور وہ کھڑا مُسکرا رہا تھا۔ ہجوم سے آوازیں سنائی دینے لگیں...... "آفریں...... اس کے قبضے میں موت کے فرشتے ہیں"۔

"کیا اسے جواب مل گیا ہے جس نے پوچھا کہ میں لافانی ہوں؟"............ اُس نے پوچھا۔

ایک آدمی جو صحرائی لباس میں تھا، دوڑتا ہوا گیا اور اُس کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا۔ "اُس" نے جھک کر اُسے اُٹھایا اور کہا...... "جا تجھ پر خدا کی رحمت ہو"۔

"تو پھر تو مردے میں بھی جان ڈال سکتا ہے"...... ایک بوڑھے دیہاتی نے آگے کر کہا...... "خدا نے مجھے ایک ہی بیٹا دیا تھا، وہ جوانی میں مر گیا ہے۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ تو مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے۔ میں اپنے بیٹے کی لاش اُٹھا کر بہت دُور سے آیا ہوں۔ میرے بڑھاپے پر رحم کر، اسے زندہ کر دے"...... بوڑھا دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

چار آدمی کفن میں لپٹی ہوئی ایک لاش آگے لائے۔ لاش درخت کی ٹیڑھی ٹیڑھی ٹہنیوں کے بنے ہوئے سٹریچر پر پڑی تھی۔ انہوں نے لاش اُس کے آگے رکھ دی۔ اس نے کہا...... "ایک مشعل لو، لاش کو اُٹھاؤ اور تمام لوگوں کو دکھاؤ۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ پہلے ہی زندہ تھا"

لاش سب کے سامنے سے گزاری گئی۔ اُس کے منہ سے کفن ہٹا دیا گیا تھا۔ ایک آدمی ہاتھ میں مشعل لیے ساتھ ساتھ تھا۔ سب نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ لاش کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں آدھی کھلی ہوئیں اور منہ بھی آدھا کھلا ہوا تھا۔ سب نے لاش دیکھ لی تو اُسے اس مقدس انسان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ موسیقی کی لے بدل گئی اور پہلے سے زیادہ پُرسوز ہو گئی۔

"اس" نے بازو آسمان کی طرف کیے اور بلند آواز سے پکارا...... "زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہے۔ میں تیرے بیٹے کا بیٹا ہوں۔ تو نے اپنے بیٹے کو سولی سے اُتارا اور مجھے صلیب کا تقدس عطا کیا تھا، اگر تیرا بیٹا اور اُس کی صلیب سچی ہے تو مجھے قوت دے کہ میں اس بدنصیب بوڑھے کے بیٹے کو زندگی دے سکوں"...... اُس نے جھک کر لاش کے کفن پر ہاتھ پھیرا، منہ سے کچھ بُڑبُڑایا، پھر لاش کے اوپر ہوا میں اس طرح دونوں ہاتھ پھیرے کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کفن پھڑ پھڑانے لگا۔ مقدس انسان ہوا میں اُس پر ہاتھ پھیرتا رہا، کفن اور زور سے پھڑ پھڑایا۔ بعض لوگ اس قدر ڈر گئے کہ ایک دوسرے

قریب ہو گئے۔ عورتوں میں سے کسی عورت کی چیخ بھی سنائی دی۔ یہ منظر اس لیے بھی بھیانک بن گیا تھا کہ مُردے کو زندہ کرنے والے کے سینے میں چار تیر اور چار خنجر اُترے ہوئے تھے۔

کفن میں کچھ اور ہی حرکت ہوئی۔ لاش بیٹھ گئی۔ اُس نے ہاتھ کفن سے باہر نکالے۔ ہاتھوں سے کفن میں سے چہرہ ننگا کیا اور آنکھیں مل کر کہا...... ''کیا میں عالمِ پاک میں پہنچ گیا ہوں؟''

''نہیں!'' اُسے زندہ کرنے والے نے سہارا دے کر اُٹھایا اور کہا...... ''تم اسی دُنیا میں ہو جہاں تم پیدا ہوئے تھے، جاؤ اپنے باپ کے سینے سے لگ جاؤ''۔

باپ نے دوڑ کر اپنے بیٹے کو بازوؤں میں لے لیا۔ بے تابی سے اُس کا منہ چوم چوم کر اُس نے زندہ کرنے والے کے آگے سجدہ کیا۔ لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے، اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ ان کے سامنے کفن میں لپٹی ہوئی لاش اپنے پاؤں پر چل رہی تھی۔ مُردہ زندہ ہو گیا تھا۔ باپ نے اُسے سارے ہجوم کے سامنے سے گزارا تاکہ سب دیکھ لیں کہ وہ زندہ ہو گیا ہے۔

''لیکن میں اور کسی مُردہ کو زندہ نہیں کروں گا''۔ اُس نے کہا...... ''زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تم لوگوں کو صرف یہ دکھانے کے لیے کہ میں خدا کا ایلچی بن کر آیا ہوں، ابھی ابھی خدا سے اجازت لی ہے کہ تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے طاقت دے دے کہ میں مرے ہوئے انسان میں جان ڈال سکوں۔ خدا نے مجھے طاقت دے دی۔

''کیا تم جنگ میں مرے ہوئے سپاہی کو زندہ کر سکتے ہو؟''...... مجمعے میں سے کسی نے پوچھا۔

''نہیں''۔ اس نے جواب دیا...... ''جنگ میں مرنے والوں سے خدا اتنا زیادہ ناراض ہوتا ہے کہ انہیں دوسری زندگی نہیں دیتا۔ اگلے جہان وہ انہیں دوزخ کی آگ میں پھینک دیتا ہے۔ ہر مرد کسی کو قتل کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح اُسے ایک باپ نے پیدا کیا ہے، اسی طرح وہ بھی کسی کا باپ بنے۔ اسی لیے تمہیں کہا گیا ہے کہ چار چار بیویاں رکھو۔ مرد اور عورت کا یہی کام ہے کہ بچے پیدا کریں اور جب بچے بڑے ہو جائیں تو اُن سے بچے پیدا کریں۔ یہی عبادت ہے''۔

☆

جس وقت وہ معجزے دکھا رہا تھا، اُس وقت دو آدمی ٹیلے کے پیچھے اُس جگہ چھپے ہوئے تھے، جہاں رنگ برنگ خیمے نصب تھے۔ کسی خیمے میں سے لڑکیوں کی باتیں اور ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ یہ دو آدمی امام اور محمود بن احمد تھے۔ محمود کو یقین تھا کہ سعدیہ یہیں کہیں ہے۔ محمود میں اتنی مذہبی سوجھ بوجھ نہیں تھی۔ وہ خدا کے اس ایلچی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں تھا۔ امام نے کہا تھا کہ کوئی انسان مرے ہوئے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اُس نے توجہ ہی نہیں دی تھی کہ پُراسرار آدمی لوگوں کو کیا کچھ کر کے دکھا رہا ہے۔ اُس نے اس سے یہ فائدہ اُٹھایا تھا کہ لوگ اُس کی کرامات دیکھنے میں مگن ہیں، اس لیے پیچھے جا کر یہ دیکھا جائے کہ اس میں راز کیا ہے۔ اس کی توجہ صرف سعدیہ پر تھی۔ محمود صرف سعدیہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ خیموں کی جگہ اندھیرا تھا۔ صرف تین خیموں میں روشنی تھی۔ تینوں کے پردے دونوں طرف سے بند تھے۔ وہاں پہرے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ دو تین مرد کہیں باتیں کر رہے تھے۔ یہ خطرہ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ دونوں کسی کو نظر آ گئے تو وہ زندہ نہیں رہیں گے۔ ٹیلے کی دوسری طرف سے ''اُس'' کی آواز سنائی دے رہی تھی اور سازوں کا ترنم بھی سنائی دے رہا تھا، لیکن یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ سازندے کہاں ہیں۔

امام اور محمود نے روشنی والے ایک خیمے کے قریب جا کر لڑکیوں کی باتیں سننے کی کوشش کی۔ ان کی باتوں نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا۔ ایک نسوانی آواز کہہ رہی تھی...... ''یہاں بھی تماشہ کامیاب رہا ہے''...... ایک اور لڑکی نے کہا...... ''بڑی ہی جاہل قوم ہے''۔

''مسلمان کو تباہ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اُسے شعبدے دکھا کر توہم پرست بنا دو''...... یہ ایک اور عورت کی آواز تھی۔

''معلوم نہیں، وہ کس حال میں ہے؟''

''کون؟''

''نئی چڑیا!''...... ایک لڑکی نے کہا...... ''تم سب کو ماننا پڑے گا کہ وہ ہم سب سے زیادہ خوب صورت ہے''۔

''وہ آج دن کو بھی روتی رہی تھی''، کسی لڑکی نے کہا۔

''آج رات اُس کا رونا بند ہو جائے گا''...... ایک لڑکی نے کہا...... ''اُسے خدا کے بیٹے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے''۔

لڑکیوں کا قہقہہ سنائی دیا۔ ایک نے کہا...... ''خدا بھی کیا یاد کرے گا کہ ہم نے اُسے کیسا بیٹا دیا ہے۔ کمال انسان ہے''۔

اس کے بعد لڑکیوں نے آپس میں فحش باتیں شروع کر دیں۔ امام اور محمود سمجھ گئے کہ نئی چڑیا سعدیہ ہی ہو سکتی ہے۔ انہیں بہر حال یقین ہو گیا کہ یہ سب شعبدہ بازی ہے اور یہ ڈھونگ پسماندہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے رچایا جا رہا ہے۔ امام نے محمود کے کان میں کہا...... ''ان لڑکیوں کی عریاں باتیں اور شراب کی بو بتا رہی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے...... ہم ویسے ہی نہیں بھٹک رہے''۔

وہ دونوں بڑے خیمے کے قریب چلے گئے۔ یہ خیمہ ایک ٹیلے کے ساتھ تھا اور یہ ٹیلا تقریباً عمودی تھا۔ ٹیلے اور خیمے کے پچھلے دروازے کے درمیان ایک آدھ گز فاصلہ تھا۔ انہوں نے اس جگہ جا کر دیکھا۔ خیمے کے پردے درمیان سے رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک آنکھ سے اندر جھانکنے کی جگہ تھی۔ انہوں نے جھانکا تو اُن کے شکوک رفع ہو گئے۔ اندر ایک لمبی مسند تھی جس پر خوش نما مسند پوش بچھا ہوا تھا۔ فرش پر قالین بچھا تھا اور دو قندیلیں جل رہی تھیں۔ ایک طرف شراب کی صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ اندر کی سجاوٹ اور شان و شوکت سے پتا چلتا تھا کہ اس مشتبہ قافلے کے سردار کا خیمہ ہے۔ سعدیہ کے پاس ایک عورت اور ایک مرد تھا۔ سعدیہ کو دُلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا۔

''آج سارا دن تم روتی رہی ہو''...... عورت اُسے کہہ رہی تھی...... ''تھوڑی دیر بعد تم ہنسو گی اور اپنے آپ کو پہچان بھی نہیں سکو گے۔ تم خوش نصیب ہو کہ اُس نے جو خدا کی طرف سے زمین پر اُترا ہے، تمہیں پسند کیا ہے۔ وہ صرف تمہارے لیے یہاں آیا ہے۔ اُس نے تمہیں بیس روز کی مسافت جتنی دُور سے غیب کی آنکھ سے دیکھا تھا۔ تمہارے گاؤں میں اُسے خدا لایا ہے، اگر یہ نہ آتا تو تم کسی صحرائی گڈریئے کے ساتھ بیاہ دی جاتیں یا تمہیں بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا''۔

سعدیہ پر ان باتوں کا جادو سوار ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ محمود جوش میں آ چلا تھا۔ امام نے اُسے روک لیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سعدیہ کو کس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹیلے کی دوسری طرف سے کسی نے اعلان کیا...... ''وہ جو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے اور جس کے ہاتھ میں ہم سب کی زندگی اور موت ہے اور جس کی آنکھ غیب کے بھید دیکھ سکتی ہے، تاریک رات میں آسمان پر جا رہا ہے، جس کے ستارے خدا کی آنکھ کی طرح روشن ہیں۔

جانے یا دیکھنے کی کوشش کی، وہ ہمیشہ کے لیے اندھا ہو جائے گا۔ کل رات وہ تم سب کی مرادیں سنے گا''۔

امام اور محمود وہیں کھڑے رہے۔ خیمے کے اندر جو مرد و عورت تھے، انہوں نے سعدیہ کو ایک بار پھر نصیحت کی کہ وہ آرہا ہے، اُس کے سامنے کوئی بدتمیزی نہ کرنا...... وہ آ گیا۔ وہ سامنے کی طرف سے خیمے میں داخل ہوا۔ امام اور محمود یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ''اُس'' کے سینے میں چار تیر اور چار خنجر اُترے ہوئے تھے۔ سعدیہ نے تیر اور خنجر دیکھے تو اُس نے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ مقدس انسان مسکرایا اور بولا...... ''ڈرمت لڑکی! یہ معجزہ مجھے خدا نے دیا ہے کہ میں تیروں اور خنجروں سے مر نہیں سکتا''...... وہ سعدیہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

''میں نے یہ شعبدہ ایک بار قاہرہ میں دیکھا تھا۔'' امام نے محمود کے کان میں کہا...... ''تم بھی ڈر نہ جانا۔ میں جانتا ہوں تیر اور خنجر کہاں پھنسے ہوئے ہیں۔''

''وہ'' اُٹھا اور خیمے کا پردہ رسیوں سے باندھ دیا۔ اِدھر محمود اور امام نے اپنی طرف سے خیمے کا پردہ کھول دیا۔ انہوں نے نتائج کی پروانہ کی۔ دبے پاؤں اندر گئے۔ جونہی وہ شخص مُڑا، وہ امام اور محمود کے شکنجے میں آ چکا تھا۔ محمود نے دبی آواز میں سعدیہ سے کہا...... ''جس پر تم بیٹھی ہو، اس کا کپڑا اس کے اوپر ڈال دو۔ سعدیہ تو جیسے سُن ہو گئی تھی۔ اُس نے مسند پوش اُتار کر اُس آدمی پر ڈال دیا۔ اس کا جسم طاقتور نظر آتا تھا، مگر امام اور محمود نے اُسے بُری طرح جکڑ لیا تھا، پھر اُس کے اوپر کپڑا ڈال کر باندھ دیا۔ قندیلیں بجھا دی گئیں۔ امام کے کہنے پر پہلے سعدیہ باہر نکلی۔ اپنے قیدی کو محمود نے اپنے کندھوں پر پھینک لیا۔ امام ہاتھ میں خنجر لیے آگے آگے چلا۔ وہ سب جس طرف سے خیمے میں داخل ہوئے تھے، اسی طرف سے باہر نکل گئے۔ پکڑے جانے کا خطرہ ہر قدم پر تھا، لیکن انہوں نے ایسا راستہ اختیار کیا جو انہیں فوراً خطرے سے باہر لے گیا۔ اندھیرے نے اُس کی بہت مدد کی۔

☆

انہیں دُور کا چکر کاٹ کر گاؤں میں داخل ہونا پڑا۔ وہ مسجد میں چلے گئے۔ حجرے میں لے جا کر اس شعبدہ باز کو کھولا گیا۔ ابھی تک تیر اور خنجر اس کے سینے میں اُترے ہوئے تھے۔ اسے اُٹھانے کی وجہ سے وہ ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ سعدیہ کو بھی انہوں نے حجرے میں ہی رکھا، کیونکہ خطرہ تھا کہ لڑکی کی گمشدگی کا پتا چل گیا تو وہ لوگ اس کے باپ پر حملہ کریں گے۔ دراصل حملہ کرنے والے اب یہ دیکھنے کی حالت میں بھی نہیں تھے کہ اُن کے ''خدا'' کا بیٹا کہاں ہے۔ وہ کامیاب جشن کر کے شراب اور بدکاری میں بدمست ہو گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اُن کا آقا بمع نئی چڑیا کے اغوا بھی ہو سکتا ہے۔

امام اور محمود نے اُسے چغہ اُتارنے کو کہا۔ اُس نے پہلے تیر اور خنجر کھینچ کر نکالے۔ چغہ اُتارا پھر اُس سے اندر کے کپڑے بھی اُتروا لیے گئے۔ ان کپڑوں میں کارک کی طرح نرم لکڑی چھپی ہوئی تھی جس پر چمڑہ لگا ہوا تھا۔ یہ لکڑی کچھ ہلکی ہو جاتی تھی اور اتنی لمبی چوڑی تھی جس سے اس کا سینہ ڈھک جاتا تھا۔ تیر اور خنجر اس میں اُترے ہوئے تھے۔ اُس نے امام اور محمود سے کہا...... ''اپنی قیمت بتاؤ۔ سونے کی صورت میں گھوڑوں اور اونٹوں کی صورت میں، ابھی ادا کر دوں گا، مجھے آزاد کر دو''۔

''تم اب آزاد نہیں ہو سکو گے''۔ امام نے کہا...... ''ہم بھی لوگوں کی طرح تمہارے انتظار میں بیٹھے تھے''۔ امام نے محمود سے کہا...... ''تمہیں معلوم ہوگا کہ قریبی چوکی کہاں ہے، وہاں کے پورے دستے کو ساتھ لے آؤ''...... اُس نے چوکی کا فاصلہ اور سمت بتائی اور وہ خفیہ الفاظ بھی بتائے جن سے امام سراغ رساں اور جاسوس کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔

اپنے دو جاسوسوں کے نام اور ٹھکانہ بتا کر محمود سے کہا..... ''انہیں میرے پاس بھیجے جانا''۔

محمود نے امام کے گھوڑے پر زین ڈالی اور سوار ہو کر نکل گیا۔ اسے امام کے دونوں جاسوس مل گئے، انہیں مسجد میں جانے کو کہہ کر وہ چوکی کی سمت روانہ ہو گیا۔ گاؤں سے کچھ دُور جا کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت تھی، مگر وہ شش و پنج میں مبتلا تھا۔ وہ اس چوکی کے کمانڈ کو جانتا تھا۔ وہ لاپروا آدمی تھا۔ صلیبیوں اور سوڈانیوں نے اُسے رشوت دے دے کر اپنے ساتھ ملا رکھا تھا۔ محمود نے قاہرہ کو اس کی رپورٹ بھیج رکھی تھی مگر ابھی تک اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ محمود کو یہی نظر آ رہا تھا کہ وہ اپنے دستے کو اُس کے ساتھ نہیں بھیجے گا یا وقت ضائع کرے گا تا کہ دشمن نکل جائے۔ محمود سوچ رہا تھا کہ اگر چوکی سے اُسے دستہ نہ ملا تو وہ کیا کرے گا۔ صبح سے پہلے دستے کو گاؤں میں پہنچنا ضروری تھا۔ دستہ نہ ملنے کی صورت میں امام اور ان کے جاسوسوں کی جانیں خطرے میں آ سکتی تھیں، کیونکہ اس شعبدہ باز کے ساتھ بہت سارے آدمی تھے۔ اس کے مریدوں کا ہجوم بھی اُسی کا حامی تھا۔

امام کے پاس خنجر تھا۔ اُس کے جاسوس بھی اُس کے پاس آ گئے تھے۔ وہ بھی خنجروں سے مسلح تھے۔ انہوں نے شعبدہ باز کو گرفتار کیے رکھا۔ وہ رہائی کی اتنی زیادہ قیمت پیش کر رہا تھا جو امام اور اس کے جاسوس خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ امام نے اُسے کہا..... ''میں مسجد میں بیٹھا ہوں۔ یہ اُسی خدا کا گھر ہے جس نے تمہیں سچا دین دے کر زمین پر اُتارا ہے۔ کیا یہ ہے تمہارا سچا دین؟..... دیکھو دوست! میں قاہرہ کی حکومت کا اہل کار ہوں، میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا اور میں ایمان بھی نہیں بیچ سکتا''۔

محمود بن احمد چوکی کے خیموں میں داخل ہوا تو کمانڈر کے خیمے میں اُس نے روشنی دیکھی۔ گھوڑے کے قدموں کی آواز سن کر کمانڈر باہر آ گیا۔ محمود نے اپنا تعارف کرایا اور کمانڈر کے ساتھ خیمے میں چلا گیا۔ محمود کے لیے یہ کمانڈر اجنبی تھا۔ اُسے کمانڈر نے بتایا کہ گزشتہ شام پرانے دستے کو یہاں سے بھیج دیا گیا ہے اور یہ دستہ نیا آیا ہے۔ یہ تبدیلی صلاح الدین ایوبی کے حکم سے کی گئی تھی۔ تمام پرانے سرحدی دستوں کو وہاں سے ہٹا کر اُس فوج کے دستے بھیج دیئے گئے تھے جو سلطان ایوبی کے ساتھ محاذ سے آئی تھی۔ محمود نے کمانڈر کو تفصیل سے بتایا کہ انہوں نے بہت بڑا شکار پکڑا ہے اور اس کے تمام گروہ کو پکڑنے کے لیے چوکی کے پورے دستے کی فوری طور پر ضرورت ہے، تا کہ ان لوگوں کو رات ہی رات میں گھیرے میں لے لیا جائے۔

کمانڈر نے فوراً پورے دستے کو جس کی تعداد پچاس سے زیادہ تھی، گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ اُن کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں اور ان میں تیرانداز بھی تھے۔ آٹھ دس سپاہیوں کو چوکی پر چھوڑ دیا گیا۔ یہ دستہ کرک کے محاصرے سے آیا تھا۔ جذبہ قائم تھا۔ کمانڈر نے سرپٹ گھوڑے دوڑا دیئے۔ محمود راہنمائی کر رہا تھا۔ منزل کے قریب جا کر گھوڑوں کی رفتار سست کر دی گئی تا کہ مجرموں کو خبر نہ ہونے پائے۔ مجرم خبر ہونے کی حالت میں نہیں تھے۔ شراب اور نیند نے انہیں بے ہوش کر رکھا تھا۔ کمانڈر نے محمود کی راہنمائی میں گھیرا مکمل کر لیا اور کارروائی صبح تک ملتوی کر دی۔ محمود نے امام کو اطلاع دی کہ دستہ آ گیا ہے۔ سعدیہ ابھی امام کے حُجرے میں ہی تھی۔ امام نے ایک جاسوس بھیج کر سعدیہ کے باپ کو بھی بلا لیا۔

☆

جو معتقد، مرید اور زائرین بڑی دُور دُور سے ''اُس'' کی زیارت کو آئے تھے، وہ رات کے معجزے دیکھ کر آسمان تلے سو گئے تھے۔ اُن کے مقدس انسان نے انہیں کہا تھا کہ اگلی رات وہ ان کی مُرادیں سنے گا۔ یہ ہجوم صبح اُس وقت جاگ اُٹھا، جب اُجالا ابھی دُھندلا تھا۔ اس دُھندلکے میں انہیں بہت سے گھوڑے نظر آئے۔ اُن پر سوار جو تھے، وہ

تھے۔ لوگ کچھ بھی سمجھ نہ سکے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جو مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے، وہ مسجد کے حجرے میں ہاتھ پاؤں بندھے بیٹھا ہے۔ وہ اب مسلمانوں کے سچے خدا کی گرفت میں آ چکا تھا۔ دستے کا کمانڈر دمشق کا رہنے والا رُشد بن مسلم جس کا عہدہ معمولی تھا لیکن سرحد پر آ کر اُس نے اپنے دستے سے کہا تھا...... ''ساری سلطنت صرف تمہارے بھروسے پر سوتی ہے۔ صلاح الدین ایوبی ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ اگر وہ تمہیں نظر نہیں آتا تو اُسے میری آنکھوں میں دیکھ لو۔ ہم سب سلطان صلاح الدین ایوبی ہیں، مگر کسی نے یہاں پرانے دستے کے آدمیوں کی طرح ایمان فروخت کیا تو میں اُس کے پاؤں باندھ کر ریگستان میں زندہ پھینک دوں گا، میں اس سزا کا حکم قاہرہ سے نہیں لوں گا۔ میں خدا سے حکم لیا کرتا ہوں''۔

رُشد بن مسلم نے صبح کے وقت دیکھا کہ خیموں کے اندر کوئی حرکت نہیں تھی۔ اندر والے اتنی جلدی اُٹھنے والے نہیں تھے۔ رُشد نے لوگوں سے کہا کہ وہ دُور پیچھے ہٹ جائیں اور وہیں موجود رہیں۔ انہیں مقدس انسان قریب سے دکھایا جائے گا۔ لوگوں کو دُور ہٹا کر رُشد نے تین چار سوار مختلف ٹیلوں کے اوپر کھڑے کر دیئے، تاکہ مجرموں میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ باقی سواروں کو اُس نے گھوڑوں سے اُتار کر چاروں طرف سے پیدل اندر جانے کو کہا اور حکم دیا کہ کوئی مزاحمت کرے تو اُسے فوراً ہلاک کر دو۔ کوئی بھاگے تو اُسے تیر مار دو...... وہاں بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ رُشد ننگی تلوار ہاتھ میں لیے خیمے میں داخل ہوا تو اندر اُسے ایک نیم برہنہ لڑکی اور دو آدمی گہری نیند میں سوئے ہوئے نظر آئے۔ اُس نے تلوار کی نوک چبھو کر تینوں کو جگایا۔ جاگنے کی بجائے انہوں نے جگانے والے کو گالیاں دیں اور کروٹ بدل کر سوئے رہے۔ تلوار کی نوک اب کے اُن کی کھال میں اُتر گئی۔ تینوں ہڑبڑا کر اُٹھے۔ انہیں باہر نکال لیا گیا۔ دوسرے خیموں میں بھی جو لڑکیاں اور مرد ملے، وہ اسی حالت میں تھے۔ خیموں میں بے شمار سامان تھا۔ ایک خیمے میں بہت سے ساز پڑے تھے۔

سب کو باہر لے جا کر ان پر پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ ان کے اونٹوں اور تمام تر سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ امام رُشد بن مسلم کے ساتھ تھا۔ وہ اُس آدمی کو اپنے حجرے میں سے لے آیا جو اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کا بیٹا کہتا تھا۔ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے تھے۔ اُسے اُسی جگہ کھڑا کیا گیا جہاں رات اُس نے معجزے دکھائے تھے۔ پیچھے پڑے [illegible] تھے۔ اس کے گروہ کو اُس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ ان سب کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ وہ ساز ان کے قریب رکھ دیئے [illegible] ایک خیمے سے برآمد ہوئے تھے۔ امام نے لوگوں کو آگے آنے کو کہا۔ ہجوم آگے آیا تو امام نے کہا...... ''اسے کہو کہ یہ خدا کا ایلچی ہے یا اس کا بیٹا ہے تو اپنے ہاتھ رسیوں سے آزاد کر لے۔ یہ مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔ میں اس کے گروہ کے ایک آدمی کو ہلاک کروں گا۔ تم اسے کہو کہ اُسے میرے ہاتھ سے چھڑا لے یا وہ مر جائے تو اُسے زندہ کر دے''...... امام نے اس کے گروہ کے ایک آدمی کو اُٹھایا اور رُشد کی تلوار لے کر اُس کی طرف بڑھا تو وہ آدمی چلا اُٹھا...... ''مجھے بخش دو۔ یہ آدمی مجھے زندہ نہیں کر سکے گا۔ یہ بہت بڑا پاپی ہے۔ خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرنا''۔

لوگوں نے یہ تماشا دیکھا، مگر اُن کے وہم ابھی دُور نہیں ہوئے تھے۔ امام اس آدمی کا چغہ اور کپڑے بھی ساتھ لے آیا تھا۔ نرم لکڑی بھی ساتھ تھی۔ امام نے یہ کپڑے پہن لیے۔ کسی کو دکھائے بغیر لکڑی اندر رکھ لی۔ اوپر چغہ پہن لیا۔ اس نے رُشد سے کہا کہ اپنے چار تیر انداز میرے سامنے لاؤ۔ تیر انداز آئے تو اُس نے انہیں کہا...... ''تیس قدم دور کھڑے ہو کر میرے دِل کا نشانہ لو اور تیر چلاؤ''...... تیر اندازوں نے رُشد بن مسلم کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ رات کو محمود نے رُشد کو تیروں اور خنجروں کے سینے میں اُترنے کی حقیقت بتا دی تھی۔ رُشد نے اپنے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر چلا دیں۔ انہوں نے نشانہ لے کر تیر چلا دیئے۔ چاروں تیر امام کے دِل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔ امام نے کہا...... ''اب آگے

آ کر میرے سینے پر چار خنجر پوری طاقت سے پھینکو'' ......خنجر پھینکے گئے جو امام کے سینے میں جا کر اٹک گئے۔

امام نے تیر اندازوں سے کہا۔''ایک ایک تیر اور کمانوں میں ڈالو'' ......اُس نے مقدس انسان کو ذرا آگے لیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز میں کہا......'' یہ شخص اپنے آپ کو لافانی کہتا ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ یہ اصل میں کیا ہے'' ......اُس نے تیر اندازوں سے کہا......''اس کے دِل کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ''۔

جونہی کمانیں اوپر اُٹھیں۔ وہ آدمی دوڑ کر امام کے پیچھے ہو گیا۔ وہ موت کے ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور بھکاریوں کی طرح جان کی بخشش مانگ رہا تھا۔ امام نے اُسے کہا......'' آگے آؤ اور لوگوں کو بتاؤ، کہ تم صلیبیوں کے بھیجے ہوئے تخریب کار ہو اور تم شعبدہ باز ہو'' ......امام نے تلوار کی نوک اس کے پہلو سے لگا دی۔

''لوگو!'' ......اُس آدمی نے آگے جا کر بلند آواز سے کہا......''میں لافانی نہیں ہوں۔ میں تمہاری طرح انسان ہوں۔ مجھے صلیبیوں نے بھیجا ہے کہ تمہارا ایمان خراب کروں۔ اس کی مجھے اُجرت ملتی ہے''۔

''اور شمعون کی بیٹی سعدیہ کو اسی نے اغوا کرایا تھا''۔ امام نے کہا۔''ہم نے لڑکی رہا کرالی ہے''۔

امام نے چغہ اُتارا۔ اندر کے کپڑے اُتارے۔ لکڑی الگ کی اور رُشد کے ایک سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ تمام مجمعے میں گھالاؤ۔ امام نے لوگوں سے کہا کہ تیر اور خنجر اس لکڑی میں لگتے ہیں......تمام لوگوں نے یہ بھید دیکھ لیا تو انہیں آگے بلا کر کہا گیا کہ ہر جگہ گھومو اور ہر ایک چیز دیکھو۔ لوگ ڈرتے ہوئے ہر جگہ پھیل گئے۔ پردوں کے پیچھے ایک غار بنایا گیا تھا۔ وہاں رات کو سازندے بیٹھ کر ساز بجاتے تھے......لوگ خیموں میں گئے تو وہاں شراب کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ ہر جگہ گھوم پھر چکے تھے تو انہیں ایک جگہ بٹھا کر بتایا گیا کہ یہ سب ڈھونگ کیا تھا۔ امام نے معلوم کر لیا تھا کہ جسے اُس نے رات کو زندہ کیا تھا، وہ کون ہے، وہ اسی کے گروہ کا ایک آدمی تھا جو رسیوں میں بندھا ہوا قیدیوں میں بیٹھا تھا۔ اُسے لوگوں کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ ایک اور آدمی لوگوں کو دکھایا گیا، جو رات کو بوڑھے کا بہروپ دھار کر اس آدمی کا باپ بنا تھا۔ چار تیر انداز بھی سامنے آ گئے جنہوں نے رات تیر چلائے تھے۔ وہ بھی اسی گروہ کے آدمی تھے۔ غرض تمام تر ڈھونگ لوگوں کو دکھایا گیا۔

''اسلام کے بیٹو! غور سے سنو''۔ امام نے لوگوں سے کہا......'' یہ سب صلیب کے پجاری ہیں اور تمہارا ایمان خراب کرنے آئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ کوئی انسان کسی انسان کو زندہ نہیں کر سکتا۔ خود خدا کسی مرے ہوئے کو زندہ نہیں کرتا کیونکہ خدائے ذوالجلال اپنے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے۔ اس کی ذات واحدہ لاشریک ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہ صلیبی اسلام کی آواز کو دبانے کے لیے یہ ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ باطل کے پجاری تمہارے ایمان اور جذبے سے اور تمہاری تلوار سے ڈرتے ہیں۔ تمہارا مقابلہ میدان میں نہیں کر سکتے، اس لیے دل کش طریقے اختیار کر کے تمہارے دلوں میں وہم اور وسوسے ڈال رہے ہیں تا کہ تم اسلام کے تحفظ کے لیے صلیب کے خلاف تلوار نہ اُٹھاؤ۔ اسی مصر میں فرعون نے اپنے آپ کو خدا کہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی خدائی کو دریائے نیل میں ڈبو دیا تھا۔ اپنی عظمت کو پہچانو میرے دوستو! اپنے دشمن کو بھی اچھی طرح پہچان لو''۔

لوگ جو سب کے سب مسلمان تھے، مشتعل ہو گئے۔ وہ چونکہ پسماندہ اور علم سے بے بہرہ تھے، اس لیے انتہا پسند تھے۔ انہوں نے گناہ گار انسان کی شعبدہ بازی دیکھ کر اُسے ''خدا کا بیٹا'' تسلیم کر لیا اور جب اس کے خلاف باتیں سنیں ایسے مشتعل ہو گئے کہ غیض و غضب سے نعرے لگاتے اُس آدمی پر اور اس کے گروہ پر ٹوٹ پڑے۔ امام ان مجرموں کو زندہ قاہرہ لے جانا چاہتا تھا، لیکن اتنے بڑے ہجوم سے انہیں زندہ نکالنا ناممکن ہو گیا۔ رُشد نے تشدد سے ہجوم پر قابو پانے

مشورہ دیا جو امام نے تسلیم نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ تمہاری تلواروں سے یہ سیدھے سادے مسلمان کٹ جائیں گے۔ انہیں اپنے ہاتھوں ان لوگوں کو ہلاک کرنے دو، تا کہ اُنہیں یقین ہو جائے کہ جس نے خدا کا ایلچی اور بیٹا ن ہونے کا دعویٰ کیا ہے، وہ ایک گناہگار انسان ہے جسے کوئی بھی انسان قتل کر سکتا ہے۔

امام، رُشد بن مسلم اور محمود ایک طرف گئے۔ رُشد نے ایک ٹیلے پر جا کر اپنے سپاہیوں کو للکارا اور کہا..... ''تم جہاں ہو وہیں رہو، ان لوگوں کو مت روکو''۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہاں امام، محمود، رُشد بن مسلم اور اُس کے دستے کے سپاہی رہ گئے۔ تمام ہجوم غائب ہو چکا تھا۔ رات جہاں شعبدے دکھائے گئے تھے، وہاں شعبدہ باز اور اُس کے گروہ کی لاشیں پڑی تھیں۔ لڑکیوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ کوئی لاش پہچانی نہیں جاتی تھی۔ سب قیمہ ہو چکی تھیں۔ لوگ خیمے، پردے اور تمام تر سامان لوٹ کر لے گئے تھے۔ مجرم گروہ کے اونٹ بھی لوگ کھول کر لے گئے اور رُشد کے دستے کے نو گھوڑے بھی لا پتہ ہو گئے۔ اُن کے سوار پیادہ تھے اور گھوڑوں سے دُور تھے۔ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ اپنی فوج کے گھوڑے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آندھی آئی ہے اور سب کو اپنے ساتھ اُڑا لے گئی ہے۔

''ہمیں اب قاہرہ چلنا پڑے گا''۔ امام نے رُشد اور محمود سے کہا..... ''یہ واقعہ حکومت کے سامنے رکھنا ہو گا''۔

☆

اِن چند ہی دنوں میں صلاح الدین ایوبی نے جو احکام نافذ کیے اور جو اقدام کیے، وہ انقلابی تھے۔ اتنے انقلابی کہ اس کے قریبی دوست اور مرید بھی) چونک اُٹھے۔ اُس نے سب سے پہلے اُن افسروں کے گھروں پر چھاپے مروائے اور تلاشی لی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کی مشتبہ فہرست میں تھے۔ ان میں دو تین مرکزی کمان کے اعلیٰ حاکم تھے۔ اُن کے گھروں سے زرو جواہرات، دولت اور بڑی خوب صورت غیر ملکی لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ بعض کے گھروں میں ایسے ملازم تھے جو سوڈان کے تجربہ کار جاسوس تھے اور بھی کئی ایک ثبوت مل گئے۔ ان سب کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے عہدے اور رُتبے کا لحاظ کیے بغیر غیر معین مدت کے لیے قید خانے میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ اخلاقی مجرموں جیسا سلوک کیا جائے۔ اس اقدام سے اس کی مرکزی کمان اور مجلس مشاورت کی چند ایک اہم آسامیاں خالی ہو گئیں۔ اُس نے ذرہ بھر پروانہ کی۔

سلطان ایوبی نے دوسرا حملہ اُس گروہ پر کیا جو اپنے آپ کو مذہب کا اجارہ دار بنائے ہوئے تھا۔ سلطان ایوبی کو مشیروں نے خلوصِ نیت سے مشورہ دیا کہ مذہب ایک نازک معاملہ ہے۔ لوگ مسجدوں کے اماموں کے مرید ہیں۔ رائے عامہ خلاف ہو جائے گی۔ سلطان ایوبی نے پوچھا..... ''ان میں کتنے ہیں جو مذہب کی روح کو سمجھتے ہیں؟ لوگ اُن کے مرید صرف اس لیے بن گئے ہیں کہ اُن کی ساری کوششیں اسی پر مرکوز ہیں کہ لوگ اُن کے مرید بن جائیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ امام اپنی عظمت قائم کرنے کے لیے لوگوں کو اصل مذہب سے بے بہرہ رکھتے ہیں۔ قوم کی بہترین درس گاہ مسجد ہے۔ مسجد کی چار دیواری میں بٹھا کر کسی کے کان میں ڈالی ہوئی کوئی بات رُوح تک اُتر جاتی ہے۔ یہ مسجد کے تقدس کا اثر ہے، مگر یہاں مسجد کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ مسجدوں میں امام پیر اور مُرشد بنتے جا رہے ہیں۔ اگر میں نے مسجدوں میں باعمل عالم نہ رکھے تو کچھ عرصے بعد لوگ اماموں، پیروں اور مرشدوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔ یہ بے علم اور بے عمل عالم اپنے آپ کو خدا اور اُس کے بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنا لیں گے اور اسلام کے زوال کا باعث بنیں گے''۔

سلطان ایوبی نے اپنے ایک مفکر اور باعمل عالم زین الدین علی بن نجا الواعظ کو مشورے کے لیے بلایا۔ اس عالم

نے اپنا جاسوسی کا ایک ذاتی نظام قائم کر رکھا تھا اور ایک بار اُس نے صلیبیوں کی ایک بڑی ہی خطرناک سازش بے نقاب کر کے بہت سے آدمی گرفتار کرائے تھے۔ وہ مذہب کو اور مذہب میں جو تخریب کاری ہو رہی ہے، اسے بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر سلطان ایوبی کا حوصلہ بڑھا دیا کہ اگر آج آپ مذہب کو تخریب کاری سے آزاد نہیں کریں گے تو کل آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ قوم آپ کی راہنمائی اور حکم کو قبول کرنے سے پہلے نام نہاد مذہبی پیشواؤں سے اجازت لیا کرے گی۔ اس وقت تک صلیبی مسلمانوں کے مذہبی نظریات میں توہم پرستی اور رسم و رواج کی ملاوٹ کر چکے ہیں..... سلطان ایوبی نے فوری طور پر تحریری حکم نافذ کر دیا کہ زین الدین علی بن نجا الواعظ کی زیرِ نگرانی ملک کی تمام مسجدوں کے اماموں کی علمی اور معاشرتی جانچ پڑتال ہوگی اور نئے امام مقرر کیے جائیں گے۔ نئے اماموں کے تقرر کے لیے سلطان ایوبی نے جو شرائط لکھیں، اُن میں امام کا عالم ہونے کے علاوہ فوجی یا سابق فوجی یا عسکری تربیت یافتہ ہونا ضروری قرار دے دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی فلسفۂ جہاد اور عسکری جذبے کو مذہب اور مسجد سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے ملک میں ایسے تمام کھیل تماشے اور تفریح کے ذرائع اور طریقے جُرم قرار دے دیئے جن میں جوئے بازی اور تخریبی سکون کا پہلو نکلتا تھا۔ اُس کے حکم سے علی بن سفیان کے محکمے نے تفریح گاہوں اور اُن کے زیرِ زمین حصوں پر چھاپے مارے، جہاں سے اٹلی کے مصوروں کی بنائی ہوئی ننگی تصویریں برآمد ہوئیں۔ بہت سے لوگ گرفتار کیے گئے، جنہیں ملک دشمنی اور دشمن کا آلۂ کار بننے کے الزام میں تمام عمر کے لیے تہہ خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اس کی بجائے سلطان ایوبی نے تیغ زنی، تیر اندازی، گھوڑ سواری، بغیر ہتھیار لڑائی، کشتی جسے پنجہ آزمائی کہتے تھے اور ایسے ہی چند ایک کھیلوں کے مقابلوں کا سرکاری انتظام کر دیا۔ پہلے مقابلے میں خود گیا اور اوّل آنے والوں کو اعلیٰ نسل کے گھوڑے تک انعام میں دیئے۔ اُس نے درس گاہوں اور مسجدوں میں تعلیمی مقابلوں کا اہتمام کیا۔

سرحدی دستوں پر اُس نے زیادہ توجہ دی تھی۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ شہروں اور دارالحکومت سے دُور رہنے والے لوگ نظریاتی تخریب کاری کا شکار جلدی ہوتے ہیں اور وہی سب سے پہلے دشمن کے حملے یا سرحدی جھڑپوں کی زد میں آتے ہیں۔ ان لوگوں کے نظریاتی اور جسمانی تحفظ کے لیے اُس نے خصوصی انتظام کیے۔ اس نے سرحدوں پر جو دستے بھیجے تھے، اُن کے کمانڈروں کو اُس نے خود ہدایات دیں اور بڑے ہی سخت احکام دیئے تھے۔ یہ تمام کمانڈر جذبے اور ذہانت کے لحاظ سے ساری فوج میں منتخب کیے گئے تھے۔ رُشد بن مسلم انہی میں سے تھا، جسے محمود کا اشارہ ملا کہ ایک تخریب کار پکڑا ہے تو وہ پورے کا پورا دستہ لے کر اُٹھ دوڑا تھا۔ اگر پرانا کمانڈر ہوتا تو اُس وقت صلیبیوں یا سوڈانیوں کی دی ہوئی شراب میں بدمست ہوتا اور تخریب کار اپنے سرغنہ کی رہائی کے لیے گاؤں میں تباہی پھیلا کر غائب ہو چکے ہوتے۔

اب رُشد بن مسلم، محمود بن احمد اور امام جس کا نام یوسف بن آذر تھا۔ اُس کے کمرے میں بیٹھے، اس شعبدہ بازکی کہانی سنا رہے تھے، جسے لوگ قتل کر چکے تھے۔ علی بن سفیان بھی موجود تھا۔ اُس نے تینوں سے ساری واردات سن لی تھی اور سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ سلطان ایوبی خاموش تھا کہ اتنی خطرناک نظریاتی یلغار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے، مگر علی بن سفیان نے کہا..... ''صرف یلغار ختم ہوئی ہے۔ اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے لمبا عرصہ درکار ہے۔ مجھے جو تفصیل معلوم ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ سرحدی دیہات سے ہمیں فوجی بھرتی نہیں مل رہی۔ سرحد کے ساتھ ساتھ رہنے والے لوگ سوڈانیوں کے دوست بن گئے ہیں۔ وہ امارتِ مصر کے خلاف ہو گئے ہیں۔ جہاد کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ لوگ غلّہ اور مویشی ہمیں نہیں دیتے۔ سوڈانیوں کو بخوشی دیتے ہیں۔ مسجدیں ویران ہو گئی ہیں۔ لوگ توہم پرست ہو کر شعبدہ بازوں

پیروں وغیرہ کی پرستش کرنے لگے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کے ذہنوں کو اپنے صحیح راستے پر لانے کے لیے باقاعدہ مہم شروع کرنی پڑے گی۔ اگر اس صلیبی شعبدہ باز اور اُس کے گروہ کو لوگ قتل نہ کر دیتے تو ہم اسے سارے علاقے میں گھماتے پھراتے"۔

سلطان ایوبی نے اپنے انقلابی احکامات میں سرحدی علاقوں کو خاص طور پر شامل کر رکھا تھا۔ اب اُس نے اس طرف اور زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اُس کے لیے سب سے زیادہ شدید سردردی یہ تھی کہ تقی الدین اور اُس کی فوج کو سوڈان سے نکالنا تھا۔ قاہرہ پہنچتے ہی وہ منصوبہ بندی میں مصروف ہو گیا تھا۔ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ وہ خود سوڈان کے محاذ پر نہیں جا سکتا تھا، کیونکہ مصر کے اندرونی حالات اُس کی توجہ کے محتاج تھے۔ اُس نے قاہرہ میں آ کر تقی الدین کو یہ اطلاع دینے کے لیے کہ وہ قاہرہ آ گیا ہے، ایک قاصد بھیج دیا تھا۔ قاصد واپس آ چکا تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ تقی الدین کا جانی نقصان خاصا ہو چکا ہے اور کچھ نفری دشمن کے جھانسے میں آ کر یا جنگ کی صورتِ حال سے گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئی ہے۔ قاصد نے بتایا کہ تقی الدین اپنی باقی ماندہ فوج کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے، مگر دشمن اُس کے سر پر موجود رہتا ہے۔ تقی الدین کو جوابی حملہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اُسے اتنی سی مدد کی ضرورت ہے کہ دشمن پر حملے کرنے کے لیے چند دستے مل جائیں تاکہ وہ اپنی فوج کو واپس لا سکے۔

سلطان ایوبی نے اسی وقت اپنے تین چار چھاپہ مار دستے اور چند ایک وہ دستے جنہیں جوابی حملہ کرنے اور گھوم پھر کر لڑنے کی خصوصی مشق کرائی گئی تھی، سوڈان بھیج دیئے تھے۔ وہ ہر حملہ دشمن کے عقب میں جا کر کرتے اور دشمن کا نقصان کر کے اور اُسے بکھیر کر اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے۔ چھاپہ ماروں نے دشمن کو زیادہ پریشان کیا۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ دشمن کو تقی الدین کے تعاقب سے ہٹایا جائے۔ وہ خلافِ توقع بہت جلدی کامیاب ہو گئے۔ ان کی اہلیت اور شجاعت کے علاوہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کی فوج تھکی ہوئی تھی اور صحرا بڑا ہی دشوار اور گرم تھا۔ گھوڑے اور اونٹ جواب دے رہے تھے۔

سوڈان کا حملہ بُری طرح ناکام ہوا۔ کامیابی صرف یہ ہوئی کہ تقی الدین کو، اُس کی مرکزی کمان کے سالاروں وغیرہ اور دستوں کو اور بچی کھچی فوج کو ایسی تباہی سے بچا لیا گیا جو اُن کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔ تقی الدین جب مصر کی سرحد میں داخل ہوا تو اُسے پتا چلا کہ وہ سوڈان میں آدھی فوج ضائع کر آیا ہے۔

☆

اُدھر کرک جل رہا تھا۔ نورالدین زنگی کے کاریگروں نے ضرورت کے مطابق دُور مار منجنیقیں بنا لی تھیں، جن سے قلعے کے اندر پتھر کم اور آگ زیادہ پھینکی جا رہی تھی۔ صلاح الدین ایوبی اندر کے چند ایک ہدف بتا آیا تھا۔ اُن میں رسد کا ذخیرہ بھی تھا۔ آگ کے پہلے گولے قلعے کی اُس طرف پھینکے گئے جس طرف سے رسد کا ذخیرہ ذرا قریب تھا۔ خوش قسمتی سے گولے ٹھکانے پر گئے۔ اندر سے شعلے جو اُٹھے انہوں نے زنگی کی فوج کا حوصلہ بڑھا دیا۔ مسلمانوں نے دور مار تیر دکمان بھی تیار کر لیے تھے۔ انہیں استعمال کرنے کے لیے غیر معمولی طور پر طاقتور سپاہی استعمال کیے جا رہے تھے لیکن آٹھ دس تیر پھینک کر سپاہی بے حال ہو جاتا تھا۔ زنگی نے ایک اور دلیرانہ کارروائی کی۔ اُس نے نہایت دلیر سپاہی چن لیے اور انہیں حکم دیا کہ قلعے کے دروازے پر ٹوٹ پڑیں۔ انہیں دروازہ توڑنے کے موزوں اوزار دیئے گئے۔

جانبازوں کا یہ دستہ دروازے کی طرف دوڑا تو اوپر سے صلیبیوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ کئی جانباز شہید اور زخمی ہو گئے۔ زنگی نے دُور مار تیراندازوں کو وہاں اکٹھا کیا اور عام تیراندازوں کا بھی ایک ہجوم بلا لیا۔ ان سب کو مختلف زاویوں پر مورچہ بند کر کے دروازے کے اوپر والے دیوار کے حصے پر مسلسل تیر پھینکنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل شروع ہوئی تو

اتنے تیر برسنے لگے جن کے پیچھے دیوار کا بالائی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ جانبازوں کی ایک اور جماعت دروازے کی طرف دوڑی۔ زنگی نے تیروں کی بارش اور تیز کرادی۔ دیوار پر للکار سنائی دی۔ ذرا دیر بعد دیوار پر لکڑیوں سے بندھے ہوئے ڈرم نظر آئے۔ یہ جلتی لکڑیوں اور کوئلوں سے بھرے ہوئے تھے، جونہی انہیں باہر کو انڈیلنے والوں کے سر نظر آئے وہ سر تیروں کا نشانہ بن گئے۔ ایک دو ڈرم باہر کو گرے باقی دیوار پر ہی اُلٹے ہوگئے۔ وہاں سے شعلے اُٹھے جن سے پتا چلتا تھا کہ آگ پھینکنے والے اپنی آگ میں جل رہے ہیں۔

زنگی کے کسی کمانڈر نے زنگی کے حملے کا یہ طریقہ دیکھ لیا۔ وہ گھوڑا سرپٹ دوڑا کر قلعے کے پچھلے دروازے کی طرف چلا گیا اور وہاں کے کمانڈر کو بتایا کہ سامنے والے دروازے پر کیا ہو رہا ہے۔ ان دونوں کمانڈروں نے وہی طریقہ پچھلے دروازے پر آزمانا شروع کر دیا۔ پہلے ہلے میں مجاہدین کا جانی نقصان زیادہ ہوا، لیکن جوں جوں مجاہدین گرتے تھے، اُن کے ساتھی قہر بن کر دروازے کی طرف دوڑتے تھے۔ تیر اندازوں نے صلیبیوں کو اوپر سے آگ نہ پھینکنے دی۔ زنگی نے حکم دیا کہ منجنیقیں قلعے کے اندر آگ پھینکیں۔ زنگی کی فوج نے دونوں دروازوں پر دلیرانہ حملے دیکھے تو فوج کسی کے حکم کے بغیر دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ قلعے کے سامنے چلا گیا اور دوسرا عقبی دروازے کی طرف۔ دونوں طرف دیوار پر تیروں کی ایسی بارش برسائی گئی کہ اوپر کی مزاحمت ختم ہوگئی۔ دونوں دروازے توڑ لیے گئے۔ زنگی کی فوج اندر چلی گئی۔ شہر میں خون ریز جنگ ہوئی، وہاں کے باشندوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

اس بھگدڑ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے صلیبی حکمران اور کمانڈر قلعے سے نکل گئے۔ شام تک صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ زنگی نے قیدی مسلمانوں کو کھلے اور بند قید خانوں سے نکالا پھر صلیبی حکمرانوں کو سارے شہر میں تلاش کیا مگر کوئی ایک بھی نہ ملا۔

یہ ۱۱۷۳ء کی آخری سہ ماہی تھی، جب کرک کا مضبوط قلعہ سر کر لیا گیا اور مسلمانوں کو بیت المقدس نظر آنے لگا۔

جب خزانہ مل گیا

صلیبیوں کی یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی ہنگامہ خیز کانفرنس تھی۔ وہ ہر شکست کے بعد، ہر فتح کے بعد، ہر پسپائی اور ہر کامیاب پیش قدمی کے بعد مل بیٹھتے تھے۔ تبادلۂ خیالات کرتے اور شراب پیتے تھے۔ عورت اور شراب کے بغیر وہ سمجھتے تھے کہ جنگ جیتی ہی نہیں جا سکتی۔ اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور مسلمان حکام کی کردار کشی کے لیے بھیج دیتے تھے اور خود اپنے قبضے میں لیے ہوئے علاقوں سے مسلمان لڑکیاں اغوا کر کے انہیں تفریح کا ذریعہ بناتے تھے۔ جاسوسوں نے جب انہیں یہ بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ صلیبی عصمتوں کے بیوپاری اور مسلمان عصمتوں کے محافظ ہیں تو صلیبی حکمران اور کمانڈر بہت ہنسے تھے، ان میں سے کسی نے سلطان ایوبی کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ شخص اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتا کہ جس طرح صلیب کے بیٹے سپاہی بن کر جسم استعمال کرتے ہیں، اسی طرح صلیب کی بیٹیاں بھی مسلمانوں کو بے کار کرنے کے لیے اپنا جسم استعمال کرتی ہیں۔ کسی اور نے کہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو ابھی تک احساس نہیں ہوا کہ اس کی قوم کے بے شمار چھوٹے چھوٹے حکمرانوں، قلعہ داروں اور سالاروں کو ہماری ایک ایک لڑکی اور سونے کے سکوں کی ایک ایک تھیلی ایسی شکست دے چکی ہے جس پر وہ لوگ فخر کر رہے ہیں اور اس شکست سے لطف اُٹھا رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی ہم سے اسلام کی عصمت کس طرح بچائے گا؟

یہ صلیبیوں کی پہلی کانفرنس کی باتیں ہیں مگر ۱۱۷۳ء کے آخر میں بیت المقدس میں صلیبی سربراہ اکٹھے ہوئے تو ان پر کچھ اور ہی موڈ طاری تھا۔ انہوں نے سلطان ایوبی کا مذاق نہ اُڑایا۔ کسی کے ہونٹوں پر بھولے سے بھی مُسکراہٹ نہ آئی اور کسی کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ جب مل بیٹھتے ہیں تو شراب کا دور بھی چلا کرتا ہے۔ کرک سے وہ بڑے ہی شرمناک طریقے سے پسپا ہوئے تھے۔ ان میں ریجنالڈ بھی تھا جو کرک کا قلعہ دار بلکہ مالک تھا۔ وہ جنگجو تھا، فنِ حرب وضرب کا ماہر تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ اس نے اپنے زرہ پوش لشکر سے متعدد بار لڑائیاں لڑی تھیں۔ اس محفل میں ریمانڈ بھی تھا جس نے کرک کے محاصرے کے دوران صلاح الدین ایوبی کی فوج محاصرے میں لے لیا تھا۔ ان دونوں نے ایسا پلان بنایا تھا جس کے متعلق وہ بجا طور پر خوش فہمیوں میں مبتلا تھے، مگر سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ قائم رکھا، ریمانڈ کا محاصرہ ایسے انداز میں توڑا کہ ریمانڈ کا لشکر محاصرے میں آ گیا۔ اس کی رسد تباہ ہو گئی اور اس کی فوج اپنے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کو مار مار کر کھاتی رہی۔ آخر اس کی آدھی سے زیادہ فوج کٹ گئی، کچھ گرفتار ہوئی اور باقی پسپا ہو گئی۔

ریجنالڈ خوش نصیب تھا کہ نور الدین زنگی کے سرفروشوں نے قلعہ سر کر لیا تو اندر کی بھگدڑ میں ریجنالڈ بچ کر نکل گیا، ورنہ وہ اس کانفرنس میں شمولیت کے زندہ نہ ہوتا۔ اس محفل میں صلیبیوں کے اُن جنگجو سرداروں کی تعداد بھی خاصی تھی، جنہیں "نائٹ" کہا جاتا تھا۔ یہ ایک خطاب تھا جو بادشاہ کی طرف سے عطا کیا جاتا اور اس کے ساتھ سر سے پاؤں تک زرہ [illegible]

تھا۔ ناٹنوں اور دیگر کمانڈروں کے ساتھ ساتھ اس کانفرنس میں صلیبیوں کی متحدہ انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن اور اس کے دو تین معاون بھی تھے۔ ابتداء میں اس ہجوم پر خاموشی چھائی رہی جیسے وہ ایک دوسرے کے سامنے بات کرتے گھبراتے ہوں۔ آخر فلپ آگسٹس نے زبان کھولی جس سے محفل میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ اُس نے ''محافظ صلیب اعظم'' کو کانفرنس کی صدارت پیش کر کے اسی سے درخواست کی کہ وہ خطاب کرے۔

''ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں، عہد توڑے اور بیت المقدس میں زندہ اور تندرست آ بیٹھے۔'' عکرہ کے پادری نے کہا...... ''میں یسوع مسیح کے آگے شرمسار ہوں اور میں صلیب کو دیکھتا ہوں تو میری نظریں جھک جاتی ہیں۔ کیا تم سب نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے دشمنوں کا خاتمہ کرو گے، خواہ اس میں تمہیں جانیں بھی قربان کرنی پڑیں؟ کیا تم نے حلف نہیں اُٹھایا تھا کہ اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لیے جان اور مال کی اور اپنے جسموں کے اعضا کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرو گے؟ تم میں کتنے ہیں جن کے جسموں پر ہلکی سی خراشیں بھی آئی ہوں؟ کوئی ایک بھی نہیں۔ تم شوبک مسلمانوں کو دے کر بھاگے۔ اب تم کرک دے کر بھاگ آئے ہو۔ میں اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں کہ جو میدان میں اُترتے ہیں، وہ شکست بھی کھا سکتے ہیں۔ دو فتوحات کے بعد ایک شکست کوئی معنی نہیں رکھتی مگر یکے بعد دیگرے شکستیں اور دو پسپائیاں مجھے یقین دلا رہی ہیں کہ صلیب یورپ میں قید ہوگئی ہے اور وہ وقت بھی آنے والا ہے جب یورپ کے کلیساؤں میں مسلمانوں کی اذانیں گونجیں گی''۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''صلیب اعظم کے محافظ! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ شکست کے کچھ اسباب تھے جن پر ہم غور کر چکے ہیں اور اب آپ کی موجودگی میں مزید غور کریں گے''۔

''اور شاید تم اس پر غور نہ کرو کہ اب مسلمانوں کی منزل بیت المقدس ہوگی''...... صلیب اعظم کے محافظ نے کہا ''کیا تم اس حقیقت سے بے خبر ہو کہ صلاح الدین ایوبی بیت المقدس لینے کی قسم کھا چکا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اوّل ہے، جس کی خاطر وہ اپنے بچوں تک کو ذبح کر ڈالیں گے؟''

''ہم نے مسلمانوں میں غداری کا بیج ڈال دیا ہے''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''ہم نے مسلمانوں میں ا... غدار پیدا کر لیے ہیں جو صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کو بیت المقدس کے راستے پر ڈال کر انہیں راستے میں ہی پیا... مار ڈالیں گے''۔

''پھر یہ کون سے مسلمان ہیں جنہوں نے تم سے دو اتنے مضبوط قلعے لے لیے ہیں؟''...... صلیب اعظم کے محاف... نے کہا...... ''اس حقیقت کو مت بھولو کہ مسلمان انتہا پسند قوم ہے۔ مسلمان غداری پر آتا ہے تو اپنے بھائیوں کی گردن پر چھ... چلا دیتا ہے مگر اس میں جب قومی جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو اپنی گردن کاٹ کر گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا کرتا ہے۔ مسلمان ... غدار بھی ہو جائے تو اس پر اعتماد نہ کرو، دُور نہ جاؤ، گزرے ہوئے صرف دس سالوں کے واقعات پر نظر ڈالو۔ اسلام ... غداروں نے تمہیں کتنے علاقے دلوائے ہیں؟ کیا تم میں ہمت ہے کہ مصر میں قدم رکھو؟ آج مسلمان فلسطین میں بیٹھے ہ... کل تمہارے سینے پر بیٹھے ہوں گے۔ یاد رکھو میرے دوستو! اگر صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی نے تم سے بیت المقد... لے لیا تو وہ تم سے یورپ بھی لے لے گا لیکن سوال فلسطین اور یورپ کا نہیں، سوال زمین کے ٹکڑوں کا نہیں، اصل مسئلہ صلیب... اور اسلام کا ہے۔ یہ دو مذہبوں اور نظریوں کی جنگ ہے۔ دو میں سے ایک کو ختم ہونا ہے۔ کیا تم صلیب کا خاتمہ پسند کرو گے...

''نہیں مقدس باپ، ایسا کبھی نہیں ہوگا''...... محفل میں جوش وخروش پیدا ہوگیا...... ''اتنی زیادہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں...

''پھر تم ان وجوہات پر غور کرو جو تمہاری پسپائی کا باعث بنی ہیں''...... محافظ صلیبِ اعظم نے کہا...... ''میں تمہیں جنگ کے متعلق کوئی سبق نہیں دے سکتا۔ میں نظریات کے محاذ کا سپاہی ہوں۔ میں کلیسا کا محافظ ہوں۔ مجھے کلیسا کی کنواریوں کی قسم دس کٹر مسلمان میرے سامنے لے آؤ، انہیں صلیب کا پجاری بنالوں گا۔ ذرا اس پر غور کرو کہ تمہارے اتنے بڑے لشکر جو زرہ پوش بھی ہیں، مسلمانوں کی مختصر سی فوج کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے؟ تمہارے پانچ سو سواروں کو ایک سو پیادہ مسلمان شکست دے دیتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ مسلمان مذہب کے جنون سے لڑتے ہیں۔ وہ تمہارے مقابلے میں آتے ہیں تو قسم کھالیتے ہیں کہ فتح یا موت۔ میں نے سنا ہے کہ ان کے چھاپہ مار تمہارے عقب میں چلے جاتے ہیں اور تمہاری کمر توڑ کر تمہارے تیروں سے چھلنی ہو جاتے ہیں یا نکل جاتے ہیں۔ ذرا سوچو کہ دس دس بارہ بارہ آدمی تمہارے ہزاروں کے لشکر میں کس طرح گھس آتے ہیں؟ یہ محض مذہبی جنون ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا بھی ان کے ساتھ ہے اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ ہے۔ ایسی دلیرانہ کارروائیوں میں وہ اپنے کمانڈروں سے نہیں قرآن سے حکم لیتے ہیں۔ میں نے قرآن کا مطالعہ بہت غور سے کیا ہے۔ ہمارے خلاف جنگ کو قرآن جہاد کہتا ہے اور ہر مسلمان پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ جہاد کو نماز یعنی عبادت پر فوقیت حاصل ہے...... تم بھی جب تک اپنے آپ میں یہی جنون پیدا نہیں کرو گے، اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے''۔

☆

کچھ ایسے ہی جذباتی اور حقیقی الفاظ تھے جن سے عکرہ کے پادری نے اپنے شکست خوردہ حکمرانوں اور کمانڈروں کو بھڑکانے اور ان میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ اب آپس میں بحث مباحثہ کرو کہ تمہاری شکست کے اسباب کیا تھے اور اس کی ذمہ داری کس کس پر عائد ہوتی ہے اور اس شکست کو فتح میں کس طرح بدلنا ہے۔ بیت المقدس کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنالو۔ صلاح الدین ایوبی فرشتہ نہیں۔ تمہاری طرح ایک انسان ہے۔ اُس کی طاقت صرف اس میں ہے کہ اُس کا ایمان پکا ہے۔

پادری کے جانے کے بعد کانفرنس میں جو گرما گرمی پیدا ہوئی، وہ اس لحاظ سے تاریخی نوعیت کی تھی کہ اس میں کچھ فیصلے کیے گئے۔ ان میں ایک فیصلہ یہ تھا کہ جوابی حملہ نہ کیا جائے بلکہ ایوبی اور زنگی کے لیے انگیخت پیدا کی جائے کہ وہ پیش قدمی کریں اور حملے جاری رکھیں۔ انہیں مستقر سے دور لایا جائے اور بکھیر کر لڑایا جائے۔ اس طرح اُن کی رسد کے راستے لمبے اور غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور فرینکوں کو فوری طور پر تیار کیا جائے کہ سمندر کی طرف سے مصر پر بحری حملہ کریں، اور ساحل پر فوج اُتار کر مصر کے شمال مشرق کے اتنے سے علاقے پر قبضہ کرلیں جسے مضبوط مستقر (اڈہ) بنالیا جائے۔ اسے فلسطین کے دفاع اور مصر پر جارحیت کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ اہم فیصلہ یہ ہوا کہ اسلامی علاقوں میں اخلاق کی تخریب کاری تیز کردی جائے اور نظریاتی حملے اور شدید کردیے جائیں۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مصر میں صلیبیوں کی ایک مہم تباہ کردی گئی تھی جو سرحدی علاقے میں بغاوت پیدا کرنے کے لیے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ صلیبی جاسوسوں نے وہاں سے آکر اطلاع دے دی تھی کہ وہ مہم ناکام ہو گئی ہے اور جن مسلمانوں کو زیر اثر لے لیا گیا تھا، انہوں نے ہی مہم کے افراد کو ہلاک کر دیا ہے...... اس کانفرنس میں یہ انکشاف پیش کیا گیا کہ مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن کردی گئی ہے۔ وہ مجبور ہو کر قافلوں کی صورت میں نقل مکانی کرتے ہیں تو راستے میں اُن کے قافلے لوٹ لیے جاتے ہیں۔ مال اور مویشی چھین لیے جاتے ہیں اور لڑکیوں کو

اغوا کر لیا جاتا ہے۔ کانفرنس میں اس اقدام کو ضروری سمجھا گیا۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کا یہ بھی ایک اچھا طریقہ تھا۔ یہ نسل کش کی مہم تھی جو صلیبیوں نے بہت عرصے سے جاری کر رکھی تھی۔ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمان کی کمسن اور خوب صورت بچیوں کو اغوا کر کے صلیبی انہیں بے حیائی اور چرب زبانی کی تربیت دے کر انہیں پالتے پوستے اور جب وہ جوان ہو جاتیں انہیں مسلمانوں میں غداری کے جراثیم پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے لیے بے شمار دولت کی ضرورت تھی جو خرچ تو کی جا رہی تھی، لیکن کچھ دشواریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک یہ تھی کہ رقم اونٹوں کے ذریعے بھیجی جاتی تھی کئی بار ایسے ہوا کہ مصر کے کسی سرحدی دستے نے پکڑ لیا یا اونٹ لوٹ لیے گئے۔ ضرورت یہ محسوس کی گئی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ مل جائے جس سے رقم اور انعامات کی دیگر قیمتی اشیاء اسی ملک سے دستیاب ہو جائیں، جہاں استعمال کرنی ہوں۔ خاصے عرصے سے اس مسئلے پر سوچ و بچار ہو رہا تھا۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا کمانڈر، ہرمن، علی بن سفیان کی طرح غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ اُس نے بھی کا سوچ رکھا تھا کہ مصر کی زمین اپنے اندر اس قدر خزانے چھپائے ہوئے ہے، جس سے ساری دُنیا کو خریدا جا سکتا ہے مگر ان خزانوں تک پہنچنا آسمان سے ستارے توڑ لانے کے برابر تھا۔ یہ خزانے فرعونوں کے مدفنوں میں محفوظ تھے۔ تاریخ فرعونوں کی اس رسم سے کبھی بھی بے خبر نہیں رہی کہ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اس کے ساتھ شاہانہ ضروریات کا تمام سامان اس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔

مرے ہوئے فرعون کو قبر چند گز چوڑی نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ زمین کے نیچے ایک محل تعمیر ہو جاتا تھا۔ فرعون اپنی زندگی میں اپنا مدفن تیار کرا لیا کرتے تھے اور جگہ ایسی منتخب کرتے تھے جس تک اُس کی موت کے بعد کوئی رسائی حاصل نہ کر سکے۔ مرنے کے بعد مدفن کو اس طرح بند کر دیا جاتا تھا کہ معماروں کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اسے کھولا کس طرح جا سکتا ہے۔ مرنے والے کے لواحقین معماروں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ فرعونوں کا ایک عقیدہ تو یہ تھا کہ وہ خدا ہیں اور دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد انہیں یہی جاہ و جلال حاصل ہو گا۔ چنانچہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اور پھر پہاڑ کے نیچے زمین کی کھدائی کر کے محل جیسے ہال اور دیگر کمرے بنوا کر اس محل میں زیادہ سے زیادہ ہیرے جواہرات رکھوا دیئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ بگھیاں بمع گھوڑوں اور بگھی بانوں کے اور کشتیاں بمع ملاحوں کے اندر رکھ دی جاتی تھیں۔ خدمت کے لیے کنیزیں اور غلام اور بیویاں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ اس طرح صورتِ حال یہ بن جاتی تھی کہ ایک انسان کی لاش کے ساتھ جہاں بے انتہا مال و دولت دفن ہو جاتا تھا، وہاں بہت سے انسان زندہ اندر بھیج کر باہر سے مدفن کا منہ بند کر دیا جاتا تھا۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دم گھٹنے سے کس طرح مرتے ہوں گے۔ فرعونوں کی لاشوں کو مصالحے وغیرہ لگا کر حنوط کیا جاتا تھا۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد آج بھی ان کی لاشیں محفوظ ہیں، جن میں کچھ لندن کے عجائب خانے میں پڑی ہیں۔

فرعونوں کا دور ختم ہوا تو مصر کی حکومت جس کے بھی ہاتھ آئی، اُس نے فرعونوں کے مدفن تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یہ مہم ناممکن کی حد تک مشکل ثابت ہوئی۔ مدفنوں کو تلاش کرنا ہی ایک مسئلہ تھا۔ اس کے بعد آج تک یہ مہم جاری ہے۔ مصر نے تاریخ میں بہت سی بادشاہیاں دیکھیں۔ ہر بادشاہ نے مدفن تلاش کیے، جسے جو ہاتھ لگا، لے اُڑا۔ سب سے زیادہ حصہ انگریزوں کے ہاتھ آیا کیونکہ انگریزوں نے وہاں موجودہ دور میں اپنا اثر قائم کیا تھا جب سائنس ترقی کر چکی تھی۔ سائنس نے اور کھدائی کے مشینی طریقوں نے انگریزوں کی بہت مدد کی۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ مصر کی زمین فرعونوں کے خزانوں سے ابھی تک مالا مال ہے اور مصر کی تاریخ میں اگر غور سے جھانکیں تو اس میں ایسے پُر اسرار اور خوفناک واقعات

ملتے ہیں کہ وہ رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ کچھ ذاتی طور پر کسی فرعون کے مدفن کی تلاش میں نکلے۔ ان میں سے بعض مدفن میں داخل ہو بھی گئے، مگر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں غائب ہو گئے۔ ان میں سے جو بچ کر نکلے وہ دوسرے کے لیے سراپا عبرت بن گئے۔ اسی لیے یہ عقیدہ آج بھی قائم ہے کہ فرعون خدا تو نہیں تھے لیکن اُن کے پاس مر کر بھی کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو اُن کے مدفنوں میں جانے والوں کو عبرت ناک سزا دیتی ہے۔ لوگوں نے اس عقیدے کو اس لیے تسلیم کیا ہے کہ جس بادشاہ نے بھی کسی فرعون کے مدفن میں ہاتھ ڈالا، اس کی بادشاہی کو زوال آیا۔ بعض نے فرعونوں کو نحوست کا حامل کہا ہے۔

صلاح الدین ایوبی کے دور سے پہلے ہی صلیبیوں کو معلوم تھا کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہ وجہ بھی تھی کہ وہ مصر پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا تو انہوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ان مدفنوں کی تلاش مصریوں سے کرائی جائے اور خزانے نکلوا کر استعمال کیے جائیں۔ انہیں کسی طرح یہ پتا چل گیا تھا کہ مصری حکومت کے پرانے کاغذات میں ایسی تحریریں اور نقشے موجود ہیں جن میں بعض مدفنوں کے متعلق معلومات درج ہیں۔ ان کاغذات تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ صلیبیوں نے مصر میں بڑے ذہین جاسوس بھیجے تھے، جو صرف یہ معلوم کر سکتے تھے کہ یہ کاغذات کہاں ہیں اور کس طرح اُڑائے جا سکتے ہیں مگر اس شعبے کے سربراہ کو اپنی گرفت میں لینا ممکن نہ تھا۔ اُن دنوں جب سلطان ایوبی شوبک اور کرک کی جنگوں میں اُلجھا ہوا تھا اور اُس کی غیر حاضری میں مصر سازشوں کی زرخیز زمین اور بغاوت کا آتش فشاں بن چکا تھا۔ صلیبیوں کے ماہر سراغ رساں ہرمن نے کامیابی حاصل کر لی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کے ایک اعلیٰ کمانڈر، احمر درویش کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ احمر سوڈانی تھا۔ اس کے خلاف کوئی ایسی شکایت نہیں تھی کہ وہ غدار ہے۔ سلطان ایوبی کو اس پر اعتماد تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی زیر کمان لڑائیاں لڑی تھیں اور کمانڈروں کی صف میں نام پیدا کیا تھا۔

بعد کے انکشافات سے معلوم ہوا کہ یہ کمال میریا ایستھینا نام کی ایک صلیبی لڑکی کا تھا کہ اُس نے احمر کے دماغ میں سوڈان کی محبت، سلطان ایوبی کی مخالفت اور سوڈان اور مصر کے سرحدی علاقے میں سے کچھ حصے کی خود مختار ریاست کا لالچ پیدا کیا تھا۔ وہ تھا تو مسلمان لیکن صلیبیوں نے اُس کے دماغ میں ڈال دیا تھا کہ وہ پہلے سوڈانی اور بعد میں مسلمان ہے۔ اب جبکہ نورالدین زنگی نے کرک کا قلعہ توڑ لیا تھا اور سلطان ایوبی مصر میں غداروں کا قلع قمع کر رہا تھا، احمر درویش نے صلیبی جاسوسوں کے ساتھ کئی ایک ملاقاتیں کر لی تھیں۔ اُس نے کسی کو شک تک نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے۔ اُس نے مرکزی دفاتر میں اتنا اثر و رسوخ پیدا کر رکھا تھا کہ وہ پرانی دستاویزات تک پہنچ گیا۔ وہاں سے اُس نے جو کاغذات چوری کرائے، اُن میں بظاہر اُوٹ پٹانگ سی لکیروں کا ایک نقشہ تھا۔ دراصل یہ کاغذات نہیں کپڑے اور کاغذ کے درمیان کی کوئی چیز تھی۔ ایسے ہی چند ایک اور کپڑے یا کاغذ تھے، جن پر فرعونوں کے وقتوں کی عجیب و غریب تحریریں تھیں، جنہیں پڑھنا اور سمجھنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ یہ کسی کو دکھائی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ بہر حال کسی طرح ان تحریروں کے معانی واضح کر لیے گئے۔ انکشاف یہ ہوا کہ قاہرہ سے تقریباً اٹھارہ کوس دُور ایک پہاڑی علاقہ ہے جو خوفناک ہے، بے کار ہے اور جس کے اندر شاید درندے بھی نہیں جاتے ہوں گے، اس کے اندر کہیں ایک فرعون کا مدفن ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ تحریر کہاں تک صحیح اور بامعنی ہے۔ اس میں لکیروں میں ہاتھ سے بنی ہوئی چند ایک تصویریں بھی تھیں۔ کہانی کا کچھ حصہ ان تصویروں میں چھپا ہوا تھا۔ احمر نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس فرعون کا نام ریمیسس دوم تھا۔ اس کے مدفن کی تلاش اور کھدائی کے لیے صلیبیوں نے قاہرہ میں چند ایک ہوشیار، دانش مند اور جفاکش آدمی بھیج دیئے تھے۔ ان کا سربراہ مارکونی اطالوی تھا جسے سیاحت اور کوہ پیمائی کا تجربہ تھا۔ احمر نے ان آدمیوں کو کامیابی

سے بہروپ چڑھا دیئے تھے کہ قاہرہ میں انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ دو کو تو اُس نے اپنے گھر میں ملازم رکھ لیا تھا۔ اس کے عوض احمر درویش سے یہ سودا ہوا تھا کہ وہ مدفن سے زر و جواہرات نکالے، انہیں اپنے پاس رکھے۔ سلطان ایوبی کے خلاف تخریب کاری میں استعمال کرے، فدائیوں کو منہ مانگی اُجرت دے۔ سلطان ایوبی کو قتل کرائے اور جب مصر صلیبیوں یا سوڈانیوں کے قبضے میں آجائے گا تو اُسے ایک خود مختار ریاست بنا دی جائے گی، جس میں کچھ حصہ سوڈان کا کچھ مصر کا شامل ہوگا۔ اسے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس تلاش کے دوران اگر سلطان ایوبی صلیبیوں پر یا سوڈانیوں پر حملہ کرے تو احمر اپنے زیر کمان دستوں کو سلطان ایوبی کی جنگی چالوں کے اُلٹ استعمال کرے۔

احمر درویش کا دماغ اتنے بڑے لالچ کے جادو کی گرفت میں آچکا تھا اور اُس نے مارکونی کو اُن دو صلیبیوں کے ساتھ جو اُس کے نوکروں کے بہروپ میں اُس کے گھر میں تھے، نقشہ دے کر مدفن کی تلاش کی مہم پر روانہ کر دیا تھا۔ ایک جاسوس کی وساطت سے اُس نے ہرمن کو اطلاع بھیج دی تھی کہ تلاش شروع ہو چکی ہے۔ ہرمن نے اس کانفرنس میں صلیبی حکمرانوں وغیرہ کو بتا دیا کہ اگر یہ مدفن بے نقاب ہو گیا تو اس سے برآمد ہونے والی دولت سے مصر کی جڑیں مصریوں کے ہی ہاتھوں کھوکھلی کی جاسکیں گی۔

☆

۱۱۷۴ء کی پہلی سہ ماہی کے آخری دن تھے۔ قاہرہ سے اٹھارہ کوس دُور ایک جگہ تین اونٹ کھڑے تھے۔ ہر اونٹ پر ایک آدمی سوار تھا۔ ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک سوار نے چغے کے اندر سے ایک گول کیا ہوا چوڑا کاغذ نکالا۔ اُسے کھول کر غور سے دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا...... ''جگہ یہی ہے''...... اس کے اشارے پر تینوں اونٹ آگے چل پڑے۔ دو ٹیلے آمنے سامنے دیواروں کی طرح کھڑے تھے۔ ان کے درمیان ایک اونٹ گزرنے کا راستہ تھا۔ تینوں ایک قطار میں اندر چلے گئے۔ اندر کی پہاڑیوں کی شکل و صورت ایسی تھی جیسے کوئی بہت ہی وسیع عمارت ہو جس کی چھتیں غائب ہوں۔ ریت کے لامحدود سمندر میں یہ پہاڑی علاقہ تین چار میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ باہر ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ان کے پیچھے سخت مٹی کی پہاڑیاں اور ان کے پیچھے ٹوٹی پھوٹی دیواروں کی طرح پہاڑیاں تھیں جن میں بعض بہت چوڑے اور گول ستونوں کی طرح ایک ہزار فٹ بلندی تک گئی ہوئی تھیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد جب شام ابھی گہری نہیں ہوتی تھی۔ یہ علاقہ بہت سے بھوتوں کی طرح نظر آیا کرتا تھا۔ اس کے اندر جانے کی کسی نے کبھی جرأت نہیں کی تھی۔ کوئی جرأت کرتا بھی تو کیوں کرتا۔ اندر جانے کی کسی کو کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ صحرا کے مسافروں کی ضرورت صرف پانی ہوا کرتی تھی۔ ایسے خشک پہاڑوں اور چٹانوں کے اندر جو دن کے وقت دُور سے شعلوں کی طرح نظر آتے تھے۔ پانی کا ذرا سا دھوکہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ جگہ کسی راستے میں بھی نہیں پڑتی تھی۔ میلوں دُور سے نظر آنے لگتی تھی۔ لوگ اس کے متعلق کچھ ڈراؤنی سی کہانیاں سنایا کرتے تھے جن میں ایک یہ تھی کہ یہ شیطان بدرُوحوں کا مسکن ہے۔ خدا نے جب آسمان سے شیطان کو دھتکارا تھا تو شیطان یہیں اُترا تھا۔ اس علاقے کی چونکہ فوجی اہمیت بھی نہیں تھی۔ اس لیے فوجوں نے بھی کبھی اس کے اندر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایسے علاقے کے اندر ریت، موت اور صحرائی درندوں کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اس ہولناک خطے کی تاریخ میں غالباً یہ پہلے تین انسان تھے جو اس کے اندر چلے گئے تھے۔ انہیں وہیں جانا تھا کیونکہ ہزاروں سال پرانا نقشہ اسی جگہ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ صرف ایک لکیر شک پیدا کرتی تھی۔ یہ ایک ندی کی لکیر تھی، مگر وہاں کوئی ندی

تھی تھی۔اس کی جگہ اب ایک بڑا ہی لمبا نشیب نظر آتا تھا جس کی چوڑائی بارہ چودہ گز تھی۔اس کے اندر کی ریت کی شکل و صورت بتاتی تھی کہ صدیوں پہلے یہاں سے پانی گزرتا رہا ہے۔اسی نشیب نے جو قریب ہی کہیں ختم ہونے کی بجائے دریائے نیل کی طرف چلا گیا تھا،شتر سواروں کو یقین دلایا تھا کہ وہ جس جگہ کی تلاش میں ہیں،وہ یہی ہے۔

ان سواروں میں ایک مارکونی اطالوی تھا اور دو اس کے ساتھی تھے،تینوں صلیبی تھے۔انہیں سلطان ایوبی کے ایک کمانڈر احمر درویش نے فرعون ریمینس دوم کے مدفن کی تلاش کے لیے بھیجا تھا۔نقشے کے مطابق وہ صحیح جگہ پر آ گئے تھے۔ اب اندر جا کر یہ دیکھنا تھا کہ یہ جگہ کس حد تک صحیح ہے۔مارکونی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے آپ کو خدا سمجھنے والے فرعون اپنی آخری آرام گاہ ایسے جہنم میں بنانے کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔احمر اور ہرمن نے ہمیں ایک بے کار آزمائش میں ڈال دیا ہے۔اُس کے ساتھیوں نے اُسے اپنا کمانڈر سمجھتے ہوئے کوئی مشورہ نہ دیا۔وہ حکم کے پابند تھے۔مارکونی سخت جان صلیبی تھا۔ہمت ہارنے کا قائل نہ تھا۔وہ آگے آگے چلتا رہا۔وہ جوں جوں اندر جا رہے تھے،چٹانوں کی شکلیں بدلتی جا رہی تھیں۔ان کا رنگ گہرا بادامی بھی تھا،کتھئی بھی اور کہیں کہیں ان کا رنگ نیلا لال بھی تھا۔ان میں ریتلی سلوں کی چٹانیں تھیں اور مٹی کے سیدھے کھڑے ٹیلے بھی۔ڈھلانوں سے ریت بہتی نظر آتی تھی۔

بہت آگے جا کر یہ وادی بند ہو گئی۔مارکونی نے دائیں طرف دیکھا۔ایک ٹیلا درمیان سے اس طرح پھٹا ہوا تھا جیسے زلزلے نے دیوار میں شگاف کر دیا ہو۔شگاف میں سے جھانکا۔یہ ایک گلی تھی،جو دُور تک چلی گئی تھی۔اونٹ کا گزرنا مشکل نظر آتا تھا۔مارکونی نے اپنا اونٹ شگاف کی گلی میں داخل کر دیا۔اس کے گھٹنے دونوں طرف ٹیلوں کی دیواروں سے لگتے تھے۔اُس نے ٹانگیں سمیٹ کر اونٹ کی کوہان پر رکھ دیں۔پچھلے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔اونٹوں کے پہلو دائیں بائیں لگتے تھے تو مٹی نیچے گرتی تھی۔ٹیلا دو حصوں میں کٹ کر دُور تک چلا گیا تھا۔اونٹوں کے ہچکولوں سے یوں لگتا تھا جیسے ٹیلے کے دونوں حصے ہل رہے ہوں اور دونوں مل کر اونٹوں کو سواروں سمیت پیس ڈالیں گے۔آگے جا کر اوپر دیکھا تو دُور اوپر ٹیلے کے دونوں حصوں کی چوٹیاں آپس میں مل گئی تھیں۔آگے اندھیرا سا تھا لیکن دُور آگے روشنی سی نظر آتی تھی جس سے اُمید بندھ گئی کہ وہ گلی وہاں ختم ہو جائے گی اور آگے جگہ فراخ ہے۔

گلی نے اب سُرنگ کی صورت اختیار کر لی تھی جس میں اونٹوں کے پاؤں کی آوازیں ڈراؤنی سی گونج پیدا کرتی تھیں۔مارکونی بڑھتا گیا۔وہاں بھی ایک راستہ تھا اس لیے غلطی کا امکان کم تھا۔سامنے روشنی کا جو دھبہ تھا،وہ پھیل رہا تھا،سُرنگ ختم ہو رہی تھی......اور جب وہ سُرنگ کے دہانے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اونٹ سواروں سمیت نہیں گزر سکیں گے۔سوار اونٹوں کی گردنوں پر آ کر نیچے اُترے،کیونکہ پہلوؤں سے نہیں اُترا جا سکتا تھا۔اونٹوں کو بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔آگے دیکھا تو چاروں طرف کسی پرانے قلعے کی بڑی ہی بلند دیواریں نظر آئیں،مگر یہ قلعہ قدرتی تھا۔پہاڑیوں کی شکل ایسی تھی کہ تین چار سو گز تک ڈھلان تھی اور وہاں سے پہاڑیاں سیدھی اوپر کو اُٹھ گئی تھیں۔بعض اونچی تھیں۔بعض کم بلند۔معلوم ہوتا تھا جیسے ہر جگہ ہر طرف سے بند ہو۔گھوم پھر کر دیکھا تو ایک پہاڑی کے ساتھ اتنی جگہ تھی جس پر پیدل چلا جا سکتا تھا۔

مارکونی نے اونٹوں کو بٹھا دیا اور پیدل چل پڑے۔پہاڑی گولائی میں ہو گئی تھی۔پاؤں جما کر رکھنا پڑتا تھا،کیونکہ ریت اور مٹی تھی جس سے پاؤں ڈھلان کی طرف ہو کر گرا سکتا تھا۔یہ دراصل کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔چلنے کی صرف جگہ تھی۔زمین اور ٹیلے بتا رہے تھے کہ صدیوں سے یہاں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔یہ چلنے کی جگہ یا راہ آگے گئی تو مارکونی اور اس کے ساتھیوں کے دِل اُچھل کر حلق تک آ گئے۔ڈھلان سخت ہو گئی تھی اور نیچے جا کر کسی بڑی ہی اونچی دیوار کی

منڈیر بن گئی تھی۔ دائیں طرف پہاڑی تھی جس کے پہلو میں وہ قدم جما جما کر چل رہے تھے مگر بائیں طرف زمین دُور نیچے چلی گئی تھی۔ یہ ایک بڑی وسیع اور بہت ہی گہری کھائی تھی۔ وہاں سے گرنے کا نتیجہ صرف موت تھا۔ کھائی کے دوسرے کناروں پر اسی طرح کے پہاڑ تھے جس کے ساتھ ساتھ وہ چل رہے تھے۔

ایسے خطرناک مقام پر آ کر مارکونی کے ایک ساتھی نے اُس سے پوچھا...... ''کیا تمہیں یقین ہے کہ ریمینس فرعون کا جنازہ اس جگہ سے گزارا گیا ہوگا؟''

''احمر درویش نے یہی راستہ بتایا ہے''...... مارکونی نے کہا...... ''جہاں تک میں نقشے کو سمجھ سکا ہوں، ہمارے گزرنے کا یہی راستہ ہے۔ ریمینس کا تابوت کسی اور طرف سے گزارا گیا تھا۔ ہمیں وہ راستہ معلوم کرنا ہے۔ وہ کوئی خفیہ راستہ تھا جو صدیوں کی آندھیوں اور زمین کی تبدیلیوں نے بند کر دیا ہوگا۔ اگر وہ راستہ مل گیا تو ہم مدفن تک پہنچ جائیں گے''۔

''اگر زندہ رہے تو!''

''میں اس کے متعلق یقین تو نہیں دلا سکتا''...... مارکونی نے کہا...... ''یہ یقین دِلا سکتا ہوں کہ مدفن مل گیا تو تم دونوں کو مالا مال کر دوں گا''۔

راستہ چوڑا ہو گیا اور کھائی ختم ہو گئی۔ اب وہ دو ایسی پہاڑیوں کے درمیان جا رہے تھے، جن کے دامن ملے ہوئے تھے مگر کچھ ہی دور آگے پہاڑیاں مل گئی تھیں۔ وہ وہاں تک پہنچے تو انہیں بائیں طرف اوپر چڑھنا پڑا۔ کوئی ایک سو گز اور اوپر جا کر انہیں ایک گلی سی نظر آئی جو نیچے کو جا رہی تھی۔ وہاں سے اِردگرد دیکھا تو دُور دُور تک پہاڑیوں کے ستون اوپر کو گئے ہوئے تھے۔ منظر ہیبت ناک تھا۔ وہ نیچے اُترتے گئے۔ یہ گلی کئی ایک موڑ مڑ کر انہیں ایک فراخ جگہ لے گئی جو گولائی میں تھی۔ یہاں کی گرمی ناقابلِ برداشت تھی۔ چوٹیوں کے قریب پہاڑیوں میں چمک سی تھی۔ وہاں کی مٹی میں کسی دھات کی آمیزش تھی۔ اسی کی تپش سے گرمی زیادہ تھی۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ سوائے چند گز جگہ کے۔ وہاں گئے تو خوف سے تینوں پیچھے ہٹ گئے۔ وہ بہت گہرا نشیب تھا۔ وسعت بھی زیادہ تھی۔ اس کی تہ پر ریت چمک رہی تھی اور سورج کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ ریت سے دھواں سا اُٹھتا اور لرزتا نظر آتا تھا۔ اس سے اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

اس اتنے گہرے نشیب کے آمنے سامنے کے کناروں کو ایک قدرتی دیوار ملاتی تھی۔ یہ نیچے سے اوپر تک تھی۔ یہ دراصل مٹی اور ریت کا دیوار نما ٹیلا تھا جو نیچے سے بھی اتنا ہی چوڑا تھا جتنا اوپر سے۔ اس کی چوڑائی ایک گز سے کم تھی۔ کہیں سے گولائی میں تھی جس پر چلنا خطرناک تھا۔ اگر مارکونی کو پار جانا ہی تھا تو یہی ایک راستہ تھا جو پُل صراط کی مانند تھا۔ اس کی لمبائی پچاس گز سے زیادہ ہی تھی۔ مارکونی کے ایک ساتھی نے اُسے کہا...... ''میرا خیال ہے اس دیوار پر چلنے کی بجائے تم خود کشی کا کوئی بہتر طریقہ اختیار کرو گے''۔

''خزانے راستے میں پڑے نہیں ملا کرتے''...... مارکونی نے کہا...... ''ہمیں اسی راستے سے پار جانا ہے''۔

''اور پھسل کر نیچے جہنم کی آگ میں گرنا ہے''...... دوسرے ساتھی نے کہا۔

''کیا ہم نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف نہیں اُٹھایا کہ صلیب کی عظمت اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے جانیں قربان کر دیں گے؟''...... مارکونی نے کہا...... ''کیا میدانِ جنگ میں ہمارے ساتھی صلیب پر جانیں قربان نہیں کر رہے؟ میں بزدلوں کی طرح یہیں سے واپس ہو کر احمر درویش کو یقین دلا سکتا ہوں کہ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد اب تمام راستے بند ہو چکے ہیں، جہاں ندی تھی، وہاں چٹانیں ہیں اور جہاں نقشہ چٹانیں دکھاتا ہے، وہاں کچھ بھی نہیں ہے، مگر میں بزدل نہیں بنوں گا،

جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میرے دِل پر خوف طاری ہو چکا ہے۔ میں اس کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ میرے خوف میں اضافہ نہ کرو دوستو! اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو صلیب سے دھوکہ کرو گے اور اس کی سزا بڑی اذیت ناک ہوگی۔ میں تمہارے آگے آگے چلتا ہوں، جہاں پھسلنے کا خطرہ محسوس کرو، وہاں اس طرح بیٹھ جانا جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں، پھر آگے سرکتے رہنا''۔

☆

یہ مطالبہ کہ وہ ایک رقاصہ کو اپنے ساتھ رکھے گا، کوئی عجیب یا غیر معمولی مطالبہ نہ تھا۔ البتہ قدومی کو اپنے ساتھ لے جانا کچھ عجیب سا تھا۔ قدومی ایک جواں سال رقاصہ تھی جو صرف امراء اور دولت مند افراد کے ہاں جاتی تھی۔ وہ سوڈان کی رہنے والی تھی اور مسلمان تھی۔ وہ خوب صورت تو تھی ہی مگر اُس کے ناز و ادا میں جو جادو تھا، اُس نے بڑے بڑے لوگوں کے دماغ خراب کر رکھے تھے۔ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ قدومی مارکونی کے ساتھ صحرا میں چلی جائے گی۔ مارکونی اس کے بغیر جانے پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔ احمر درویش کو آخر یہ وعدہ کرنا پڑا کہ وہ قدومی کو اس کے ساتھ بھیج دے گا۔

اُسی روز پچاس آدمیوں کی تلاش شروع ہوگئی۔ قاہرہ میں صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کی کمی نہیں تھی۔ مارکونی زیادہ تر آدمی انہی میں سے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا، کیونکہ وہ اُس کے اعتماد کے آدمی تھے۔ احمر بھی اسی گروہ سے آدمیوں کا انتخاب کرنا چاہتا تھا۔ سلطان ایوبی کے اس جرنیل نے اپنا ایک تخریب کار گروہ تیار کر رکھا تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ اُن کے اغراض و مقاصد صلیبیوں والے تھے۔ احمر درویش نے اپنا ایمان نیلام کر کے ان چند ایک مسلمانوں کو بھی ایمان فروش بنا دیا تھا۔ یہ سب صلاح الدین ایوبی کے دشمن بن گئے تھے اور ان کا اُٹھنا بیٹھنا حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔

قدومی کے پاس مارکونی خود احمر درویش کا پیغام لے کر گیا۔ احمر معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ وہ فوجی حاکم تھا اور مصر پر عملاً فوج کی حکومت تھی۔ ویسے بھی قدومی احمر کے زیر اثر تھی۔ اُس نے بادل نخواستہ ہاں کر دی، لیکن مارکونی نے اُسے یہ بتا کر کہ وہ فرعون کے مدفن میں سے ہیرے جواہرات نکالنے جا رہا ہے، قدومی پر ایسا نشہ طاری کر دیا کہ وہ فوراً روانہ ہونے کو تیار ہوگئی۔ مارکونی منجھا ہوا چالاک اور ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے قدومی کو ملکہ قلوپطرہ بنا دیا۔ قدومی ایک رقاصہ تھی، جس کے کوئی جذبات نہیں تھے۔ اُسے اپنے جسم، اپنے حسن، اپنے فن اور زر و جواہرات سے پیار تھا۔ وہ اُن عورتوں میں سے تھی جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہوتی ہیں کہ اُن کے حُسن و جوانی کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ مارکونی نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ فرعون کے مدفن سے برآمد ہونے والا خزانہ کہاں اور کیوں صرف کیا جائے گا۔

پچاس آدمیوں کی تلاش میں پندرہ بیس دِن لگ گئے۔ ان میں زیادہ تعداد صلیبی تخریب کاروں کی تھی۔ باقی مسلمان تھے۔ وہ بھی صلیبیوں کے ہی تخریب کار تھے۔ سب اونٹوں پر سوار ہو کر قاہرہ سے نکل گئے تھے، لیکن وہ اکٹھے روانہ نہ ہوئے۔ تین تین چار چار کی ٹولیوں میں مسافروں اور تاجروں کے روپ میں نکلے۔ قدومی کو ایک پردہ دار بیوی کے بہروپ میں لے جایا گیا۔ مارکونی اس کا خاوند بنا۔ ان دونوں کے ساتھ ۲ آدمی تھے۔ ایک صلیبی تھا اور دوسرا مسلمان جس کا نام اسماعیل تھا۔ یہ احمر کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ اپنی ضرورت پر اور کرائے پر بھی ہر جرم کر گزرتا تھا۔ کرائے کے قاتلوں میں سے بھی تھا۔ معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت اور عزت نہیں تھی لیکن حیثیت والے لوگ اُسے سلام کرتے تھے۔ مارکونی بھی اُسے اچھی طرح جانتا تھا اور اس مہم میں اُسے قابل اعتماد سمجھتا تھا۔ یہ سب الگ الگ راستوں سے روانہ ہوئے تھے۔ انہیں اٹھارہ کوس دور وہ جگہ بتا دی گئی تھی جہاں انہیں اکٹھا ہونا تھا۔ اُن کے پاس تیر و کمان اور تلواریں تھیں۔

رسّے اور کھدائی کا سامان تھا۔

سب سے پہلے مارکونی، اسماعیل، قدومی اور اُن کا ایک صلیبی ساتھی وہاں پہنچے تھے۔ مارکونی انہیں اس پہاڑی علاقے کے اندر لے گیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور انہوں نے خیمے لگا لیے تھے۔ اُسی رات اُن کے ساتھیوں کو پہنچ جانا تھا۔ اسماعیل قدومی کو جانتا تھا۔ قدومی اُس سے واقف نہیں تھی۔

☆

رونے کی آوازیں بدستور آ رہی تھیں اور ان کے تیسرے ساتھی کی چیخوں کی گونج اس طرح بھٹک رہی تھی جیسے اوپر جا کر اُن کے اوپر منڈلا رہی ہو..... دیوار کچھ چوڑی ہوگئی۔ مارکونی نے گھوم کر اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اوپر کر لیا۔ آگے وہ ذرا اطمینان سے چل سکتے تھے، لیکن ہوا کے جھونکے اتنے تیز تھے کہ اُن کے لیے توازن قائم رکھنا ذرا مشکل تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھتے گئے اور دیوار ختم ہوگئی۔ آگے زمین اور پہاڑیاں کچھ سخت تھیں۔ دو چٹانوں کے درمیان تنگ سا راستہ تھا۔ وہ اس میں داخل ہو گئے۔ مارکونی کے ساتھی نے اس سے پوچھا..... ''جیفرے مر چکا ہوگا؟ اُسے بچایا یا دیکھا نہیں جا سکتا؟''

مارکونی نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ بھری اور نفی میں سر ہلایا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے کچھ کہے بغیر اپنے ساتھی کے کندھے پر تھپکی دی اور آگے چل پڑا۔ یہ بھی ایک گلی سی تھی جو فراخ ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی سے کہا..... ''ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم جہاں جاتے ہیں، وہاں ایک ہی راستہ ملتا ہے۔ ایک سے زیادہ راستے ہوں تو بھٹک جانے کا خطرہ ہوتا ہے''۔

یہ گلی ختم ہوگئی۔ آگے جگہ کشادہ ہوتے ہوتے بہت ہی کھل گئی اور زمین اوپر کو اُٹھتی گئی۔ ہوا ابھی تک تیز تھی۔ مارکونی کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس ہیبت ناک علاقے میں کتنی دُور اور اندر پہنچ گیا ہے۔ اُسے صرف یہ احساس رہ گیا تھا کہ دُنیا سے اُس کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔ وہ صلیب کے نام پر دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ فرعون کا مدفن تلاش کرنے کا مقصد اُس کے سامنے یہی تھا کہ اس سے نکلے ہوئے خزانوں سے مسلمانوں کو خرید کر انہیں سلطنتِ اسلامیہ کے ہی خلاف استعمال کیا جائے گا اور دُنیا میں صلیب کی حکمرانی ہوگی۔ وہ اپنے ڈرے ہوئے ساتھی کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ ہوا اُسی طرف سے آ رہی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں دائیں اور بائیں کو ہٹ گئی تھیں اور سامنے آسمان نظر آ رہا تھا۔ مارکونی چڑھائی چڑھ رہا تھا وہ رُک گیا اور ہوا کو سُونگھ کر بولا..... ''تم بھی سونگھو، ہوا میں جو بو ہے وہ صحرا کی نہیں''۔

''تمہارا دماغ جواب دے رہا ہے''۔ اُس کے ساتھی نے کہا..... ''صحرا میں صحرا کی بُو نہیں ہے تو اور کس کی ہے۔ تم اطالوی ہو شاید؟ شاید تمہیں اپنے گھر کی بُو آ رہی ہے''۔

مارکونی کے چہرے پر کچھ اور تاثر تھا۔ وہ ہوا کو سونگھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا..... ''تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔ میرے دماغ پر صحرا کی صعوبت کا اثر ہوگیا ہے۔ یہاں پانی نہیں ہو سکتا۔ میں شاید خیالوں میں کھجوروں، سبزے اور پانی کی بُو سونگھ رہا ہوں۔ میں اس بُو سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ میرا تجربہ ہے، مگر میرے سونگھنے کی حس مجھے دھوکہ دے رہی ہے۔ اس جہنم میں پانی بوند بھی نہیں ہو سکتی''۔

''مارکونی!'' اُس کے ساتھی نے اُس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا اور کہا..... ''میں بھی ایک بُو سونگھ رہا ہوں، موت کی بُو۔ مجھے موت اپنی طرف بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ آؤ دوست! جدھر سے آئے ہیں، اُدھر ہی لوٹ چلیں، اگر سمجھتے ہو کہ میں بزدل ہوں تو مجھے میدانِ جنگ میں بھیج دو۔ ایک سو مسلمانوں کو کاٹنے سے پہلے نہیں مروں گا''۔

مارکونی زیادہ باتیں کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مُسکرا کر کہا۔ ''ہم ایک سو نہیں، ایک ہزار مسلمانوں کو کاٹیں گے اور مریں گے نہیں، میرے ساتھ آؤ''۔

وہ ساتھی کو لے کر چڑھائی چڑھنے لگا۔ چڑھائی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ زمین آہستہ آہستہ اوپر اُٹھ رہی تھی۔ سورج آگے نکل گیا تھا۔ سائے لمبے ہوتے جارہے تھے۔ ان دونوں کو تھکن نے چور کر دیا تھا...... وہ آگے کو جھکے ہوئے بڑھتے گئے اور اوپر اُٹھی ہوئی انتہائی بلندی تک پہنچ گئے۔ ریت نے اُس کی آنکھیں بھر دی تھیں۔ مارکونی نے آنکھیں مل کر دیکھا۔ آگے ڈھلان تھی اور چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں۔ وہ ایک ٹیکری پر چڑھ گیا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا ''تم اگر ریگستان سے اچھی طرح واقف ہو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ سامنے دیکھو اور بتاؤ کہ یہ سراب تو نہیں؟''

اُس کے ساتھی نے دیکھا۔ آنکھیں بند کیں، کھولیں اور غور سے دیکھا۔ اُس نے کہا ''یہ سراب نہیں ہوسکتا''۔ وہ واقعی سراب نہیں تھا۔ انہیں کھجوروں کے کئی ایک درختوں کی چوٹیاں نظر آرہی تھیں۔ پتے ہرے تھے۔ درخت نشیبی جگہ میں معلوم ہوتے تھے اور کچھ دُور بھی تھے۔ مارکونی ٹیکری سے آگے چلا گیا۔ وہ اب دوڑ رہا تھا، اُس کا ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جارہا تھا، وہاں عجیب و غریب شکلوں کی ٹیکریاں تھیں۔ بعض ایسی جیسے کوئی انسان گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھا ہو۔ کچھ بڑی تھیں، کچھ چھوٹی۔ مارکونی ان میں سے راستہ تلاش کرتا دوڑتا جارہا تھا۔ سورج پہاڑیوں کی چوٹیوں کے قریب چلا گیا۔ مارکونی کا سانس پھولنے لگا۔ اُس کا ساتھی قدم گھسیٹتا جارہا تھا۔ مارکونی اچانک رُک گیا اور آہستہ آہستہ یوں پیچھے ہٹنے لگا جیسے اُس نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھ لی ہو۔ اُس کا ساتھی اُس سے جاملا اور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

☆

اُن دونوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ انہیں ایک نشیب نظر آرہا تھا۔ یہ کم و بیش ایک میل وسیع اور عریض تھا۔ اس کے اِردگرد مٹی اور ریت کی اونچی اونچی قدرتی دیواریں تھیں۔ گہرائی کا یہ علاقہ سرسبز تھا۔ کچھ اونچا نیچا بھی تھا، وہاں کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں پانی کی بہتات تھی۔ ایسے جہنم میں ایسا سرسبز گوشہ فریب نگاہ نہیں تھا۔ وہ اسی خطے کی بُو تھی جو مارکونی نے سونگھی تھی۔ مارکونی کو اس جگہ سے کچھ آگے ایسی پہاڑیاں نظر آرہی تھیں جو ریت اور مٹی کی نہیں، بلکہ پتھروں اور پتھریلی سِلوں کی تھیں۔ اُن کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ اس جہنمی خطے کے باہر سے یہ پہاڑیاں نظر نہیں آتی تھیں اور اس سرسبز جگہ کا تو کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

مارکونی نے تیزی سے بیٹھ کر اپنے ساتھی کو بھی بازو سے پکڑ کر بٹھا دیا۔ انہیں ایک اور عجیب و غریب چیز نظر آ گئی تھی۔ یہ دو انسان تھے جو نشیب میں اسی طرف آرہے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک ننگے تھے۔ اُن کے رنگ گہرے بادامی اور اُن کے چہرے اچھے خاصے تھے۔ کہیں سے ایک عورت نکلی۔ وہ کسی اور طرف جارہی تھی، وہ بھی سر سے پاؤں تک ننگی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور کمر تک لمبے تھے۔ شکل و صورت سے یہ لوگ حبشی اور جنگلی نہیں لگتے تھے۔

''یہ بدروحیں ہیں''۔ مارکونی کے ساتھی نے کہا...... ''یہ انسان نہیں ہوسکتے۔ مارکونی! سورج غروب ہونے والا ہے۔ اٹھو، پیچھے کو بھاگ چلیں۔ رات کو یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے''۔

مارکونی انہیں بدروحیں سمجھتے ہوئے بھی کہہ رہا تھا کہ یہ انسان ہوسکتے ہیں۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ وہ ہوا میں اُڑ نہیں رہے تھے، زمین پر چل رہے تھے۔ دُور انہیں تین بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دوڑتے نظر آئے۔ ان سب کی حرکتیں ایسی تھیں جن سے یقین ہوتا تھا کہ یہ انسان ہیں۔ مارکونی پیٹ کے بل سرکتا آگے چلا گیا۔ اُس کا

ساتھی بھی اُس کے پہلو میں جا لیٹا۔ وہ جہاں لیٹ کر دیکھ رہے تھے، وہاں کی دیوار عمودی نہیں کچھ ڈھلانی تھی اور ریت زیادہ تھی۔ مارکونی کے ساتھی نے غالباً اور آگے ہونے کی کوشش کی یا جانے کیا ہوا، وہ نیچے کو سرک گیا اور لڑھکتا ہوا نیچے جا پڑا۔ وہاں سے اوپر آنا ممکن نہیں تھا۔ مارکونی پیچھے کو سرک کر ایک ایسی ٹیکری کی اوٹ میں ہو گیا جہاں سے وہ نیچے دیکھ سکتا تھا۔ یہ ڈھلان جہاں سے صلیبی گرا تھا، تیس چالیس گز اونچی ہو گی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی کو اُٹھتے دیکھا۔ وہ ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مارکونی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دو ننگے آدمی جو اسی طرف آرہے تھے، دوڑ پڑے۔ مارکونی نے انہیں اوپر سے دیکھ لیا۔ اُس کے ساتھی نے نہ دیکھا، مارکونی اسے آواز نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہاں کوئی اور انسان بھی ہے۔ اُن دو آدمیوں نے مارکونی کے ساتھی کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ اُس کے پاس خنجر تھا اور ایک چھوٹی تلوار بھی، مگر ہتھیار نکالنے کا موقع نہ ملا۔ اُن آدمیوں نے اُسے نیچے گرا لیا۔ وہ عورت جو کہیں جا رہی تھی، دوڑتی آئی۔ اُدھر سے بچے بھی آگئے۔ انہوں نے اپنی زبان میں کسی کو پکارا۔ معلوم نہیں کہاں سے دس بارہ آدمی سب ننگے تھے، دوڑتے آئے۔ ایک نے مارکونی کے ساتھی کی کمر سے تلوار نکال لی۔ اُسے گرا لیا گیا اور مارکونی نے دیکھا کہ تلوار سے اس کے ساتھی کی شہ رگ کاٹ دی۔ سب آدمی ناچنے لگے۔ وہ کچھ گا بھی رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔ اتنے میں ایک ضعیف العمر انسان آگیا۔ اُس کے ہاتھ میں اپنے قد جتنا لمبا عصا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب ایک طرف ہٹ گئے۔

یہ بوڑھا بھی ننگا تھا۔ اُس کے عصا کے اوپر والے سرے پر دو سانپوں کے پھن بنے ہوئے تھے۔ یہ فرعونوں کا امتیازی نشان ہوا کرتا تھا۔ بوڑھے نے مارکونی کے ساتھی کے جسم کو ہاتھ لگایا۔ وہ اب تڑپ نہیں رہا تھا، مر چکا تھا۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ کہا۔ تمام ننگے انسان جن میں چند ایک عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی، سجدے میں گر پڑے۔ بوڑھا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ پھر اوپر کیا اور سب سجدے سے سر اُٹھا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بوڑھے کو ڈھلان کی طرف اشارے کر کے بتایا جا رہا تھا کہ یہ آدمی اُدھر سے نیچے آیا ہے۔ بوڑھے کے اشارے پر دو لوگ مارکونی کے ساتھی کی لاش کو اُٹھا لے گئے۔ مارکونی کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ یہ پُراسرار انسان اوپر آ کر اِس طرف دیکھیں گے کہ نیچے گرنے والے کے ساتھی بھی اوپر ہوں گے۔ وہ کچھ دیر وہیں سے نیچے دیکھتا رہا۔

پھر سورج غروب ہو گیا۔ مارکونی نے موت کو قبول کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ وہ اس جگہ اور ان لوگوں کے بھید کو پانے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں خنجر اور دوسرے ہاتھ میں چھوٹی تلوار لے لی اور اِدھر اُدھر دیکھتا ایک اور سمت چل پڑا۔ شام اندھیری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اُوپر ہی اوپر سے اُس طرف جا رہا تھا جس طرف وہ اس کے ساتھی کو لے گئے تھے۔ وہاں کوئی آہٹ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ ڈراؤنا سا سکوت تھا۔ وہ دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتا آگے ہی آگے چلتا گیا۔ نشیب کی گولائی کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اُسے دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جب یہ آوازیں بلند ہو گئیں تو ناچنے اور گانے کا ترنم اور ہنگامہ تھا۔ وہ ان آوازوں کی سمت گیا تو اُسے ایک اور منظر نظر آیا۔ بائیں طرف ایک اور وسیع جگہ تھی۔ کئی مشعلیں جل رہی تھیں، وہاں بھی سبزہ تھا، جہاں کم و بیش پچیس مرد، عورتیں اور بچے آہستہ آہستہ ناچ اور گا رہے تھے۔ اُن کے درمیان بہت سی آگ جل رہی تھی۔ اُس کے ذرا اوپر ایک انسانی لاش سر اور پاؤں سے باندھ کر زمین کے متوازی لٹکائی ہوئی تھی۔ اُسے گھمایا جا رہا تھا۔ یہ مارکونی کا ساتھی تھا جسے بھونا جا رہا تھا۔ مارکونی یہ ہولناک منظر دیکھتا رہا اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ بوڑھے نے اُس کے ساتھی کے جسم سے گوشت کاٹ کر سب میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔

مارکونی کے دِل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ وہاں سے اُدھر کو واپس چل پڑا، جدھر سے آیا تھا۔ اُسے راستہ یاد تھا۔ وہ چوکنا ہو کر چلا جا رہا تھا۔ وہ اُس دیوار پر پہنچا جو تصوروں سے زیادہ گہرے نشیب میں کھڑی تھی۔ یہیں اُس کا ایک ساتھی گرا تھا۔ وہ جب دیوار کے درمیان اُس جگہ پہنچا جہاں سے اُس کا ساتھی گرا تھا، اُسے دُور نیچے غرانے اور بھونکنے کی دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔ وہ سمجھ گیا کہ صحرائی لومڑیاں اُس کے ساتھی کو کھا رہی ہیں۔ اُس کے دوسرے ساتھی کو تو انسان کھا گئے تھے۔ اب ہوا تیز نہیں تھی۔ وہ تاریکی میں سنبھل سنبھل کر چلتا اور سرکتا دیوار سے گزر گیا...... رات کے پچھلے پہر وہ اُس جگہ پہنچا، جہاں تین اونٹ بیٹھے تھے۔ اُس نے اتنا بھی انتظار نہ کیا کہ اونٹوں کے ساتھ بندھا ہوا پانی پی لیتا۔ وہ ایک اونٹ پر بیٹھا۔ دو اونٹوں کو ساتھ لیا اور چل پڑا۔

☆

وہ اگلے دن کی شام تھی جب مارکونی ایک معزز مصری سوداگر کے روپ میں احمر درویش کے گھر میں داخل ہوا۔ احمر نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا...... ''تم اکیلے ہو، وہ دونوں کہاں ہیں؟''

مارکونی جواب دینے کی بجائے بیٹھ گیا۔ اُس کے تو ہوش ہی ٹھکانے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اُس نے احمر کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اُسے ایک ایک لمحے لمحے اور ایک ایک قدم کی روئیداد سنائی۔ احمر کو مارکونی کے دو ساتھیوں کے مرنے کا ذرہ بھر افسوس نہ ہوا۔ اُس نے جب سنا کہ ایک ساتھی کو ننگے آدم خوروں نے کھا لیا ہے تو اُس نے خوشی سے اُچھل کر پوچھا...... ''کیا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اُن میں سے کسی کے بھی جسم پر کپڑا نہیں تھا؟...... بوڑھے کے عصا پر دو سانپوں کے پھن تم نے دیکھے تھے؟...... تم نے اچھی طرح دیکھا تھا کہ اِن لوگوں نے ہمارے آدمی کا گوشت کھا لیا تھا؟''

''میں خواب کی باتیں نہیں سنا رہا''۔ مارکونی نے جھنجھلا کر کہا...... ''مجھ پر جو بیتی ہے، میں وہ سنا رہا ہوں۔ میں نے یہ اپنی آنکھوں دیکھا ہے، جو سُنا رہا ہوں''۔

''فرعون بھی یہی سنا رہے ہیں جو تم نے سنایا ہے''۔ احمر درویش نے اُٹھ کر مارکونی کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور مسرت کی شدت سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا...... ''تم نے بھید پا لیا ہے۔ مارکونی! یہی ہیں وہ لوگ جن کی مجھے تلاش تھی۔ قبیلہ سولہ صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ زمانہ انہیں انسان کا گوشت کھانے پر مجبور کر دے گا۔ تم یہ تحریریں نہیں پڑھ سکتے۔ میں نے پڑھ لی ہیں۔ لکھا ہے کہ خزانوں کی حفاظت سانپ کیا کرتے ہیں، لیکن میرے خزانوں کی حفاظت انسان کریں گے جو صدیوں بعد سانپ اور درندے بن جائیں گے۔ میرے مدفن کی حدود میں کوئی انسان داخل ہوگا، اُسے میرے محافظ کھا جایا کریں گے۔ وقت اور زمانہ انہیں ننگا کر دے گا، لیکن میں نے جہاں اپنا دوسری دُنیا کا گھر بنایا ہے، وہ جگہ اس کی ستر پوشی کرے گی۔ باہر کا کوئی مرد ان کی عورت پر نظر نہیں ڈال سکے گا، جو نظر ڈالے گا وہ وہاں سے زندہ نہیں جا سکے گا''۔

''میں زندہ واپس آ گیا ہوں''۔ مارکونی نے کہا۔

''اس لیے کہ تم نیچے نہیں گئے''۔ احمر نے کہا...... ''تم نے جن سیاہ رنگ کے پتھریلے پہاڑوں کا ذکر کیا ہے، وہ اپنے دامن میں کہیں ریمینس کی حنوط کی ہوئی لاش اور خزانے چھپائے ہوئے ہیں...... اور یہ ننگے لوگ؟...... ان کے آباؤ اجداد ریمینس کے وقت سے وہاں پہرہ دے رہے ہیں، وہ مرتے رہے، اُن کی نسل آگے بڑھتی رہی اور پندرہ سولہ صدیاں گزر گئیں۔ میں بتا نہیں سکتا کہ وہ زندہ کس طرح رہتے ہیں۔ شاید درندوں کی طرح صحرا کے مسافروں کے شکار میں رہتے اور

انہیں بھون کر کھا لیتے ہیں، وہاں پانی کی افراط ہے۔ کھجوروں کی کمی نہیں۔ ان کا زندہ رہنا حیران کن نہیں۔ وہ آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہیں، اگر اُن کے عقیدے ٹوٹ چکے ہوتے تو وہ وہاں نہ ہوتے...... تم نے ان کے پاس کوئی ہتھیار دیکھے تھے؟''

''نہیں!''

''اُن کی تعداد کا کچھ اندازہ؟''

''رات کو جب اکٹھے تھے تو پچیس تھے''۔

''وہ اس سے زیادہ ہو بھی نہیں سکتے''۔ احمر درویش نے کہا۔

''ہاں!'' مارکونی نے کہا...... میں نے اُن کے پاس دو اونٹ بھی دیکھے تھے۔ اونٹ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، مگر میں نے صرف دو دیکھے تھے''۔

''پھر وہ باہر آتے ہوں گے''۔ احمر درویش نے کہا...... ''وہ باہر ضرور آتے ہوں گے۔ مسافروں کو پکڑنے کے لیے انہیں باہر آنا ہی پڑتا ہوگا...... سنو مارکونی! غور سے سنو۔ وہاں کوئی ایسا سیدھا راستہ ضرور ہے جس سے وہ باہر آتے اور اندر جاتے ہوں گے۔ یہ پہاڑوں کا کوئی خفیہ راستہ ہوگا۔ میں نے تمہیں جو راستہ بتایا تھا۔ وہ آنے جانے کا ایسا راستہ نہیں جس سے بار بار آیا جایا جا سکے۔ وہاں کوئی اور راستہ ہے جو اِن ننگے آدم خوروں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ میں اس کی ترکیب سوچ چکا ہوں۔ ترکیب یہ ہے کہ وہاں باقاعدہ حملہ کیا جائے۔ ہوسکتا ہے ہمیں اُس دیوار نما ٹیلے سے جس سے تمہارا ایک ساتھی گر کر مرا ہے اور آدمی گرا کر مارنے پڑیں، لیکن یہ قربانی ضروری ہے۔ بتاؤ پچیس تیس نہتے آدمیوں کو جن میں بچے اور عورتیں بھی ہیں، مارنے کے لیے اور اُن میں دو تین کو زندہ پکڑنے کے لیے تمہیں کتنے آدمی درکار ہیں؟ کم سے کم بتاؤ؟ ان آدمیوں کے رہنما اور سربراہ ہوگے''۔

''میں ترکیب سمجھ گیا ہوں''۔ مارکونی نے کہا...... ''ایک ترکیب میرے دماغ میں بھی آئی ہے۔ ہم انہیں قتل کر سکتے ہیں۔ دو تین کو زندہ پکڑ سکتے ہیں، لیکن میں آپ کو یہ یقین نہیں دِلا سکتا کہ وہ اس جگہ کے تمام بھید ہمیں بتا دیں گے اپنے قبیلے کو مرتا دیکھ کر وہ بھی مرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، لیکن بتائیں گے کچھ نہیں۔ میں ایسی ترکیب کروں گا کہ ان میں سے ایک دو آدمی باہر کو بھاگ اُٹھیں اور اُن کا تعاقب کیا جائے۔ راستہ معلوم ہو جائے گا''۔

''تم دانش مند ہو مارکونی!''...... احمر درویش نے کہا...... ''بتاؤ کتنے آدمی ہوں؟''

''پچاس!'' مارکونی نے جواب دیا اور کہا...... ''زیادہ تر آدمی میرے منتخب کیے ہوئے ہوں گے۔ میں انہیں تلاش کرلوں گا، مگر مہم کے آغاز سے پہلے میں اپنی شرطیں پیش کرنا چاہتا ہوں''۔

''تمہیں منہ مانگا انعام ملے گا''۔ احمر نے کہا۔

''مجھے خزانے سے حصہ ملنا چاہیے''۔ مارکونی نے کہا...... ''اتنی خطرناک مہم میرے فرائض میں شامل نہیں۔ جاسوس اور تخریب کار ہوں۔ مجھے خزانے کی تلاش کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ یہ آپ کی ذاتی مہم ہے۔ میں انعام نہیں منہ مانگا حصہ لوں گا۔ اگر آپ کا منصوبہ کامیاب ہوگیا تو آپ کو ایک ریاست کی حکمرانی مل جائے گی۔ میں جاسوس کا جاسوس رہوں گا''۔

''یہ مہم اور یہ منصوبہ ذاتی نہیں''۔ احمر درویش نے کہا...... ''یہ مصر، صلیب اور سوڈان کی حکمرانی کا منصوبہ ہے''۔

مارکونی اپنے مطالبے پر قائم رہا۔ احمر مجبور ہوگیا۔ اُسے احساس تھا کہ مارکونی کے سوا ریمیفس کے مدفن تک اور نہیں پہنچ سکتا۔ اُس کے مطالبے ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مارکونی نے کہا...... ''معلوم نہیں مجھے کتنے دن صحرا

رہنا پڑے۔ میں ایسی سخت اور خشک خوراک پسند نہیں کروں گا۔ مجھے دو تین اونٹ فالتو دیئے جائیں جو میں اور میرے ساتھی بھون کر کھا سکیں اور مجھے قدومی دی جائے"۔

"قدومی؟" احمر درویش نے حیرت سے کہا..... "اتنی نازک اور ایسی اعلیٰ درجے کی رقاصہ کو تمہارے ساتھ ایسی خطرناک مہم میں روانہ کر دوں؟ وہ جانے پر بھی راضی نہیں ہوگی"۔

"اسے زیادہ معاوضہ پیش کریں، وہ راضی ہو جائے گی"۔ مارکونی نے کہا..... "میں اُس کے لیے ایسا انتظام کروں گا کہ وہ محسوس ہی نہیں کر سکے گی کہ وہ صحرا میں ہے اور کسی خطرناک مہم میں شریک ہے۔ میں اس کی قدر و قیمت سے واقف ہوں"۔

یہ اُس دور کا واقعہ ہے جب دولت مند تاجر اپنی چہیتی بیویوں کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اپنی بیویوں میں سے کوئی پسند نہ ہو تو کسی من پسند طوائف یا رقاصہ کو منہ مانگا معاوضہ دے کر ہمسفر بنا لیتے تھے۔ فوجوں کے کمانڈر بھی جنگ کے دوران اپنی بیویوں یا کرائے کی خوب صورت عورتوں کو ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اُس دور میں خوب صورت اور جوان عورت کو سونے سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں اور یہودیوں نے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے عورت کا استعمال کیا تھا۔

☆

اچانک گرم ہوا کے جھونکے تیز ہونے لگے۔ ریت اُڑنے لگی اور اس کے ساتھ عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دو یا تین عورتیں اونچی آواز میں رو رہی تھیں۔ مارکونی کے ساتھی گھبرا گئے۔ مارکونی نے کان کھڑے کیے۔ ایک ساتھی نے کہا..... "اس دوزخ میں کوئی عورت زندہ نہیں ہو سکتی۔ یہ بدروحیں ہیں"۔

"یہ کچھ بھی نہیں ہے"..... مارکونی نے کہا..... "بدروحیں بھی نہیں، زندہ عورتیں بھی نہیں۔ یہ ہوا کی پیدا کی ہوئی آوازیں ہیں۔ اس علاقے میں بعض ٹیلوں میں لمبے لمبے سوراخ ہیں جو دونوں طرف کھلتے ہیں اور بعض چٹانوں کی شکل ایسی ہے کہ ان سے تیز ہوا کے جھونکے گزرتے ہیں تو اس قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں جو تم سن رہے ہو۔ نیچے اتنی گہری اور اتنی وسیع کھائی ہے۔ اس پر یہ ننگے پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ آوازوں میں گونج پیدا کرتے ہیں۔ یہ گونج ہر طرف بھٹکتی رہتی ہے، ڈرو نہیں"۔

مگر اُس کے ساتھیوں پر ایسا خوف طاری ہو گیا تھا جس پر وہ قابو نہیں پا سکتے تھے۔ یہ آوازیں ہوا کی نہیں تھیں۔ قریب ہی کہیں عورتیں یا بدروحیں رو رہی تھیں۔ انہوں نے مارکونی کا پیش کیا ہوا فلسفہ تسلیم نہ کیا۔ آوازیں ہی ایسی تھیں۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ٹیلوں سے اور زمین سے ریت کے ہلکے ہلکے بادل اُڑنے لگے تھے جن سے اب زیادہ دُور تک نظر نہیں آ سکتا تھا۔ مارکونی نے اس قدرتی دیوار پر پہلا قدم رکھا جو اس بھیانک نشیب میں کھڑی تھی۔ وہاں جگہ اتنی کچی تھی کہ ریت اور مٹی میں پاؤں دھنس گیا۔ اُس نے دوسرا پاؤں آگے رکھا اور نیچے دیکھا۔ گہرائی دیکھ کر وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اب اس گہرائی کی تہ بالکل ہی نظر نہیں آتی تھی، کیونکہ ریت اُڑ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی تہ ہے ہی نہیں۔ مارکونی چند قدم آگے چلا گیا۔ وہاں اس کے دائیں یا بائیں کوئی ٹیلا نہیں تھا۔ وہ تو جیسے ہوا میں کھڑا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکوں نے اس کے جسم کو دھکیل دھکیل کر اُس کا توازن بگاڑ دیا۔ رونے کی آوازیں اور بلند ہو گئیں۔

اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا..... "آرام آرام سے پاؤں جماتے آؤ۔ نیچے بالکل نہ دیکھنا۔ یہ تصور کرتے آنا کہ تم زمین پر چل رہے ہو"۔

اُس کے دونوں ساتھیوں پر پہلے ہی خوف طاری تھا۔ دیوار پر تین چار قدم آگے گئے تو ہوا کی تندی نے اُن کے پاؤں اُکھاڑ دیئے۔ اُن کے جسم ڈولنے لگے۔ مارکونی اُن کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ وسط میں پہنچ گئے اور وہاں مارکونی نے دیکھا کہ دیوار ٹوٹی ہوئی ہے اور ذرا نیچے چلی گئی ہے۔ وہاں چوڑائی اتنی کم تھی کہ کھڑے ہو کر چلا نہیں جا سکتا تھا۔ مارکونی بیٹھ گیا اور گھوڑے کی سواری کی پوزیشن میں ٹانگیں اِدھر اُدھر کر کے آگے کو سرکنے لگا۔ دیوار کی چوڑائی کم اور گول ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نیچے کو سرک گیا۔ اس کے پیچھے اس کا ایک ساتھی بھی آگے چلا گیا۔ اچانک تیسرے ساتھی کی بے حد گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی...... ''مارکونی مجھے پکڑنا''...... مگر اُس تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ وہ ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ کوئی سہارا نہ ہونے کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ اُس کی چیخیں سنائی دیتی رہیں جو دُور ہی دُور ہوتی گئیں، پھر دھمک کی آواز آئی، چیخیں بند ہو گئیں، انجام ظاہر تھا۔ مارکونی نے نیچے دیکھا۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ گر کر مرنے والے کی چیخوں کی گونج ابھی تک اس دہشت ناک ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔

''مجھے اپنے ساتھ رکھو مارکونی!''...... دوسرے ساتھی نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی...... ''میں ایسی موت نہیں مرنا چاہتا''۔

مارکونی نے اُس کا حوصلہ بڑھایا اور آگے بڑھنے لگا۔ دیوار اوپر اُٹھ رہی تھی۔ مارکونی بیٹھے بیٹھے آگے بڑھتا گیا۔

☆

ایک وہ محاذ تھا جس پر نور الدین زنگی لڑ رہا تھا۔ اُس نے کرک کا قلعہ فتح کر کے وہاں کے اور مضافات کے علاقوں میں انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ اُس کے گشتی دستے دُور دُور تک گشت کرتے تھے تاکہ صلیبی کسی طرف سے جوابی حملے کے لیے آئیں تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ ان دستوں کا تصادم صلیبی دستوں سے ہوتا رہتا تھا۔ زنگی تمام انتظامات سلطان ایوبی کی فوج کے حوالے کر کے بغداد واپس جانے کی تیاریاں کرنا چاہتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے انتظار میں تھا، مگر سلطان ایوبی دوسرے محاذ پر لڑ رہا تھا جو صلیبیوں اور اُن کے پیدا کردہ غداروں نے مصر میں کھول رکھا تھا۔ یہ محاذ زیادہ خطرناک تھا۔ سلطان ایوبی اس زمین دوز محاذ پر لڑنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ وہ خوب مقابلہ کر رہا تھا مگر اُسے ابھی پتا نہیں چلا تھا کہ ایک محاذ اور بھی کھل گیا ہے۔ یہ تھا ''فرعونوں کے مدفنوں کی تلاش''۔

شام کے کھانے کے بعد سلطان ایوبی اُس کمرے میں گیا، جہاں وہ اپنے سالاروں اور دیگر حکام کو اکٹھا کر کے احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ وہاں فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کے علاوہ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس بھی تھے۔ سلطان ایوبی کو اُسی روز نور الدین زنگی کا ایک طویل تحریری پیغام ملا۔ اُس نے اس پیغام کے ضروری حصے کمانڈروں کو سنائے۔ زنگی نے لکھا تھا...... ''عزیز صلاح الدین! اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔ اسلام کو تمہاری بہت ضرورت ہے۔ کرک اور گردو پیش کے علاقے دشمن سے صاف ہو چکے ہیں۔ گشتی دستے جاتے ہیں تو صلیبیوں کا کوئی دستہ کبھی کبھی ہمارے کسی دستے سے اُلجھ پڑتا ہے۔ صلیبی مجھ پر یہ رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ابھی یہیں ہیں۔ تمہارے تیار کیے ہوئے چھاپہ مار دستے تعریف کے قابل ہیں۔ یہ بہت دُور تک چلے جاتے ہیں، تم نے اُن پر جو محنت کی ہے، وہ اس کا صلہ دے رہے ہیں۔ تمہارے جاسوس ان سے بھی دلیر اور عقل مند ہیں۔ اُن کی نظروں سے میں اتنی دُور بیٹھا ہوا دشمن کی ہر ایک حرکت دیکھ رہا ہوں۔

''تازہ اطلاع یہ ہے کہ صلیبی شاید جوابی حملہ نہ کریں۔ وہ ہمیں انگیخت کر رہے ہیں کہ ہم آگے جا کر اُن پر حملہ کریں۔ تم جانتے ہو کہ بیت المقدس جو ہماری منزل ہے اور قبلۂ اوّل، جو ہمارا مقصود ہے کتنی دُور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم

ان فاصلوں سے اور ان مسافتوں سے گھبرانے والے انسان نہیں، لیکن فاصلے زیادہ نہیں، دشواریاں اور رکاوٹیں زیادہ ہیں۔ بیت المقدس تک ہمیں بہت سے قلعے سر کرنے ہوں گے۔ ان میں چند ایک قلعے تو بہت مضبوط ہیں۔ صلیبیوں نے قبلۂ اول کا دفاع دُور دُور کی قلعہ بندیوں کی صورت میں بہت مضبوط کر رکھا ہے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ صلیبی اس کوشش میں ہیں کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور اطالویوں کا بحری بیڑہ متحدہ ہو جائے اور مصر پر حملہ آور ہو کر شمالی علاقے میں فوجیں اُتار دے۔ تمہیں اس صورتِ حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پیش بندی کر لو۔ تمہارے پاس دُور مار آتشیں، گولے پھینکنے والی منجنیقیں زیادہ ہونی چاہئیں۔ میں یہ مشورہ دوں گا کہ شمالی علاقے کی زمین اجازت دے تو دشمن کے بحری بیڑے کو ساحل تک آنے دو۔ وہاں مزاحمت نہ کرو۔ دشمن کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دو کہ اُس نے تمہیں بے خبری میں آن دبوچا ہے۔ فوجیں اُتر آئیں تو جہازوں پر آگ برساؤ اور صلیبی فوج کو اپنی پسند کے میدان میں گھسیٹ لاؤ.....

میں تمہاری مجبوریوں سے بے خبر نہیں ہوں۔ تمہارے قاصد نے تمام حالات بتائے ہیں۔ ربِ کعبہ کی قسم، صلیبیوں کی ساری بادشاہیاں طوفان کی طرح آ جائیں تو بھی اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اُمت لہو دینا جانتی ہے۔ یہ سرفروشوں کی اُمت ہے مگر ایمان فروشوں نے ہمیں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔ تم قاہرہ میں قید ہو گئے ہو، میں بغداد سے نہیں نکل سکتا۔ عورت، شراب اور زر و دولت نے ہماری صفوں میں شگاف کر ڈالے ہیں۔ اگر ہمارے گھر میں سکون اور اعتماد ہوتا تو ہم دونوں صلیب کا مقابلہ کرتے مگر کفار نے ایسا طلسم پیدا کیا ہے کہ مسلمان بھی کافر ہو گئے ہیں۔ یہ کافر مسلمان اتنے مردہ ہو چکے ہیں کہ یہ احساس بھی نہیں رکھتے کہ اُن کا دشمن اُن کی بیٹیوں کی عصمت سے کھیل رہا ہے۔ کرک کے مسلمان بہت بُری حالت میں تھے۔ صلیبیوں نے اُن پر جو مظالم ڈھائے، وہ سنو تو لہو کے آنسو بہاؤ۔ میں اپنی قوم کے غداروں کو کیسے سمجھاؤں کہ دشمن کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے.....

''تم نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تمہارے اپنے بھائی اور اچھے اچھے حاکم اور کمان دار تمہارے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی! افسوس اس پر نہیں کہ وہ تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے، افسوس ناک امر یہ ہے کہ وہ غدار تھے اور یہ بھی افسوس ناک ہے کہ صلیبی خوش ہو رہے ہوں گے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کرا رہے ہیں۔ تم غداروں کو بخش نہیں سکتے۔ غدار کی سزا قتل ہے..... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جب آؤ تو تمہارے ساتھ فوج زیادہ ہونی چاہیے۔ صلیبی تمہیں قلعہ بندیوں میں لڑا کر تمہاری طاقت زائل کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کے راستے میں ہی تم بے دست پا ہو جائے۔ تم جب آؤ تو مصر کے اندرونی حالات کو پوری طرح قابو میں کر کے آنا۔ سوڈانیوں کی طرف سے چوکنا رہنا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے سامنے کچھ مالی مسائل بھی ہیں۔ میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ بہتر ہے کہ اپنے مسائل خود ہی حل کرنے کی کوشش کرو اور یہ کوشش بھی کرو کہ قاہرہ سے جلدی نکل آؤ، لیکن اندر اور باہر کے حالات دیکھ کر وہاں سے نکلنا۔ اللہ تمہارا حامی ہے''۔

☆

صلاح الدین ایوبی نے مجلس کے حاضرین کو یہ پیغام پڑھ کر سنایا اور انہیں یہ اُمید افزا خبریں سنائیں کہ فوج میں شامل ہونے کے لیے دیہاتی علاقے سے لوگ آنے لگے ہیں۔ توہم پرستی کی جو مہم دشمن نے شروع کی تھی، وہ ختم کر دی گئی ہے لیکن کہیں کہیں اس کے اثرات باقی ہیں۔ ایک فتور مسجدوں سے بھی اُٹھا تھا۔ اُسے بھی دبا لیا گیا ہے۔ تین چار اماموں نے توہمات کو جو صلیبیوں نے پھیلائے ... [illegible]

دیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا ایلچی بنالیا تھا۔ ہمارے سامنے ایسے لوگ آئے ہیں جو کسی مصیبت کے وقت براہِ راست خدا سے دُعا مانگنے کے بجائے اماموں کو نذرانے دیتے رہے کہ وہ ان کے لیے دُعا کریں۔ یہ وہم پھیلا دیا گیا تھا کہ عام آدمی خدا سے کچھ نہیں مانگ سکتا، نہ خدا اس کی سنتا ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''میں نے ان اماموں کو مسجدوں سے نکال دیا ہے اور مسجدیں ایسے اماموں کے حوالے کر دی ہیں جن کے نظریات اور عقیدے قرآن کے عین مطابق ہیں۔ وہ اب لوگوں کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ مسلمان کا خدا عالم اور بے علم کے لیے، امیر اور غریب کے لیے، حاکم اور رعایا کے لیے ایک جیسا ہے۔ وہ ہر کسی کی دُعا سنتا ہے۔ اچھے عمل کی جزا اور بُرے عمل کی سزا دیتا ہے۔ میں اپنی قوم میں یہی قوت اور یہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اور خدا کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے دوستو! تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا دشمن صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑ رہا۔ وہ تمہارے دِلوں میں نئے عقیدے ڈال رہا ہے۔ یہودی اس مہم میں پیش پیش ہے۔ یہودی اب کبھی تمہارے آمنے سامنے آ کر نہیں لڑے گا۔ وہ تمہارے ایمان کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس عمل میں اتنی جلدی کامیاب نہیں ہو سکتا، لیکن وہ ناکام بھی نہیں ہوگا۔ وہ وقت آئے گا، جب خدا کی دھتکاری ہوئی یہ قوم مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر ایسی چال چلے گی کہ اپنے مقصد کو پالے گی۔ اس کا خنجر سلطنتِ اسلامیہ کے سینے میں اُتر جائے گا۔ اگر اپنی تاریخ کو اس ذلت سے بچانا چاہتے ہو تو آج ہی پیش بندی کر لو۔ اپنی قوم کے قریب جاؤ۔ اپنے آپ کو حاکم اور قوم کو محکوم سمجھنا چھوڑ دو۔ ان میں اتنا وقار پیدا کرو کہ یہ قومی وقار پر جانیں قربان کر دیں''۔

سلطان ایوبی نے بتایا کہ صلیبیوں کے پاس عورت اور دولت ہے اور ہمارے ہاں ان دونوں کا لالچ موجود ہے۔ ہمارے سامنے ایک مہم یہ بھی ہے کہ قوم کے دِل سے عورت اور دولت کا لالچ نکال دیں۔ اس کے لیے ایمان کی مضبوطی کی ضرورت ہے۔

''امیر محترم!'' ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا..... ''ہمیں دولت کی ضرورت بھی ہے۔ اخراجات پورے کرنے مشکل ہو رہے ہیں۔ ہمیں بعض کاموں میں مشکل پیش آتی ہے''۔

''میں یہ مشکل آسان کر دوں گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''تمہیں یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے قبول کرنی پڑے گی کہ مسلمانوں کے پاس دولت کی اور فوج کی کمی رہی ہے اور رہے گی۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی جنگ تین سو تیرہ مجاہدین کی طاقت سے لڑی تھی۔ اُس کے بعد مسلمان جہاں بھی لڑے، اسی تناسب سے لڑے۔ مسلمانوں کے پاس دولت کی کمی کبھی نہیں رہی۔ دولت چند ایک افراد کے گھروں میں چلی گئی۔ اب بھی ہماری قوم کا یہی حال ہے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے جو مالک مسلمان ہیں، اُن کے پاس دولت کے ڈھیر پڑے ہیں''۔

''دولت کے ڈھیر یہاں بھی پڑے ہیں، سالارِ اعظم''۔ غیاث بلبیس نے کہا..... ''اگر آپ اجازت دیں تو ایک نئی مہم شروع کر سکتے ہیں..... آپ کو معلوم ہے کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہاں جو فرعون بھی مرا وہ اپنا تمام تر خزانہ اپنے ساتھ زمین کے نیچے لے گیا۔ وہ خزانے کس کے تھے؟ یہ اُس غریب مخلوق کی دولت تھی جسے بھوکا رکھ کر اُس کی قسمت کے سجدے کرائے گئے۔ اُس دور کے انسان نے فرعون کو خدا صرف اس لیے کہا تھا کہ وہ انسان بھوکا تھا۔ اُس کی قسمت فرعونوں کے ہاتھ میں تھی۔ اُس کی زندگی اور موت بھی فرعونوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ انسانوں سے زمین کھدوا کر اور پہاڑ کٹوا کر فرعونوں نے اپنے زمین دوز مقبرے بنائے، تو وہ ایسے جیسے اُن کے محل تھے۔ ان میں انہوں نے وہ دولت کے ڈھیر کر لی جو لوگوں کی تھی۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم فرعونوں کے زمین دوز مقبروں اور مدفنوں کی تلاش شروع کر دیں

میرے رفیقو! صلاح الدین ایوبی کو اس قطار میں کھڑا نہ کرو۔ میں اپنی قوم کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ اصل دولت قومی وقار اور ایمان ہے، لیکن یہ تاثر صرف اس صورت میں پیدا کیا جا سکتا ہے کہ میں خود اور تم سب جو حکومت کے ستون ہو، دل سے دولت کا لالچ نکال دو"۔

"ہم ان خزانوں کی تلاش ذاتی لالچ کے لیے نہیں کرنا چاہتے"۔ ایک کمانڈر نے کہا..... "ہم قومی ضروریات کے پیشِ نظر یہ مہم شروع کرنا چاہتے ہیں"۔

"میں جانتا ہوں میرا انکار تم میں سے کسی کو پسند نہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا..... "میری بات سمجھنے کی لیے تمہیں اپنے ذہن بالکل خالی کرنے ہوں گے۔ میری عقل مجھے بتا رہی ہے کہ باہر سے آئی ہوئی دولت جو قومی ضروریات کے لیے آئی ہو، حاکموں کے ایمان متزلزل کر دیا کرتی ہے۔ یہ دولت کی لعنت ہے، اگر میرے پاس گھوڑا خریدنے کے لیے رقم نہیں ہو گی تو میں فوج کے ساتھ پیدل بیت المقدس جاؤں گا۔ گھوڑا خریدنے کے لیے مُردوں کے کفن اُتار کر نہیں بیچوں گا۔ میرا مقصد بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرانا ہے۔ گھوڑا خریدنے کے لیے رقم کا حصول میرا مقصد نہیں۔ تم جب خزانوں کی تلاش کرنے لگو گے تو قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طور پر چوری چھپے مقبروں کو اُکھاڑنے لگیں گے۔ مصر میں ایسا ہوتا آیا ہے اور جب یہ خزانے تمہارے سامنے آئیں گے تو تم ایک دوسرے کے اگر دشمن نہ ہوئے تو ایک دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھو گے۔ جہاں خزانے آجاتے ہیں، وہاں انسانی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ حقوق العباد کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان زر و جواہرات نے انسان کو خدا بنایا تھا۔ وہ عذاب کہاں ہیں؟ آسمانوں پر نہیں، زمین کے نیچے ہے۔ میرے رفیقو! میں ایک نئے جرم کی بنیاد نہیں ڈالنا چاہتا۔ ان خزانوں سے بچو۔ یہ خزانوں کے لالچ کا ہی کرشمہ ہے کہ تمہاری صفوں میں غدار بھی موجود ہیں۔ تم دو غداروں کو قتل کرتے ہو تو چار اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اپنی تقدیر، اپنی تدبیر سے بناؤ۔ تم مسلمان ہو۔ اپنی قسمت کفار کے ہاتھوں میں نہ دو، ورنہ سب غدار ہو جاؤ گے۔ فرعون مر چکے ہیں۔ انہیں زمین کی تہوں میں دبا رہنے دو"۔

"آپ کے حکم کے بغیر ہم ایسی کوئی مہم شروع نہیں کریں گے"۔ کسی نے کہا۔

"غیاث!" سلطان ایوبی نے غیاث بلبیس سے مُسکرا کر پوچھا..... "آج تمہیں ان پوشیدہ خزانوں کا خیال کیسے آگیا ہے؟ مجھے یہاں آئے چار سال ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ تجویز کیوں پیش نہ کی"۔

"میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا امیرِ محترم!" غیاث بلبیس نے کہا..... "تقریباً دو مہینے ہوئے کُتب خانے کے محرر نے مجھے بتایا تھا کہ پرانے کاغذات میں سے کچھ کاغذات گم ہو گئے ہیں۔ میں نے ان کاغذات کی نوعیت اور اہمیت پوچھی تو اُس نے بتایا کہ وہ ایسے اہم نہیں تھے کہ تلاش ضروری سمجھی جائے۔ یہ کچھ نقشے سے تھے اور فرعونوں کے وقتوں کی تحریریں تھیں۔ بہت ہی بوسیدہ اور کرم خوردہ کاغذات اور کپڑے تھے۔ محرر نے جب فرعونوں کا نام لیا تو مجھے خیال آیا کہ ان تحریروں اور نقشوں میں فرعونوں کے خفیہ مقبروں کے متعلق معلومات ہو سکتی ہیں۔ میں نے وہ پلندے دیکھے، جن میں سے کاغذات گم ہوئے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر زیادہ توجہ نہیں دی کہ ان تحریروں کو آج کون پڑھ اور سمجھ سکتا ہے"۔

"تم نے صحیح نہیں سوچا غیاث بلبیس!" سلطان ایوبی نے کہا..... "مصر میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان تحریروں و اشاروں کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان کاغذوں اور نقشوں کی چوری حیران کن نہیں۔ یہ چوری خزانے کے کسی لالچی نے کی ہو گی۔ ان کاغذوں کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں، مجھے چور کے ساتھ دلچسپی ہے۔ وہ کوئی تمہارا ہی رفیق نہ ہو۔ اس چور کا سراغ لگاؤ"۔

"مجھے شبہ ہونے لگا ہے کہ ان کاغذوں کی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہے"۔ علی بن سفیان نے کہا..... "میں محترم

خزانے ملک اور قوم کی خاطر استعمال کریں''۔

غیاث بلبیس کی تائید میں کئی آوازیں اُٹھیں...... ''یہ صحیح ہے امیر محترم! ہم نے اس سے پہلے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا''...... ہم اس مہم میں فوج کو استعمال کر سکتے ہیں''...... شہری آبادی سے ایک لشکر جمع کیا جا سکتا ہے''...... ہاں، ہاں، غیر فوجیوں کو استعمال کیا جائے اور انہیں اُجرت دی جائے''۔

مجلس میں ہنگامہ سا بپا ہو گیا۔ ہر کوئی کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا، اگر کوئی خاموش تھا تو وہ صلاح الدین ایوبی تھا۔ مجلس میں بہت دیر بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کا امیر اور سالارِ اعظم خاموش ہے۔ مجلس پر بھی خاموشی طاری ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے سب پر نگاہ ڈالی اور کہا...... ''میں اس مہم کی اجازت نہیں دے سکتا جس کی تجویز غیاث بلبیس نے پیش کی ہے''...... مجلس پر سناٹا طاری ہو گیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ سلطان ایوبی اس تجویز کو ٹھکرا دے گا۔ اس نے کہا...... ''میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد تاریخ مجھے قبر چور اور مقبروں کا ڈاکو کہے۔ تاریخ نے مجھے ذلیل کیا تو اس میں تمہاری بھی ذلت ہو گی۔ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ صلاح الدین ایوبی کے مشیر اور وزیر بھی قبر چور تھے۔ صلیبی اس الزام کو خوب اُچھالیں گے اور تمہاری قربانیوں اور جذبۂ اسلام کو ڈکیتی اور رہزنی کا نام دے کر تمہیں تمہاری ہی نسلوں میں رُسوا کر دیں گے اور تم ہی نہیں، ہماری تاریخ ذلیل اور رُسوا ہو جائے گی''۔

''گستاخی معاف امیر محترم!''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''تھوڑے سے عرصے کے لیے مصر صلیبیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کے خزانوں کی تلاش شروع کی تھی۔ قاہرہ کے مضافات میں ہم نے جن کھنڈروں سے صلیبی تخریب کاروں اور فدائیوں کا ایک گروہ پکڑا تھا، وہ کسی فرعون کا مدفن تھا۔ وہاں سے وہ سب کچھ لے گئے تھے۔ صلیبیوں کی حکومت زیادہ دیر قائم نہ رہی، ورنہ وہ یہاں کے تمام خزانے نکال کر لے جاتے۔ محترم غیاث بلبیس نے ٹھیک کہا ہے کہ یہ خزانے اگر کسی کی ملکیت ہیں تو وہ فرعون نہیں تھے، ان کے مالک اُس وقت کے انسان تھے۔ میں یہ مشورہ پیش کرنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ یہ خزانے نکال کر آج کے انسان کی فلاح و بہبود اور وقار کے لیے استعمال کیے جائیں''۔

''اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''کہ یہ خزانے تمہارے سامنے آئے تو تم بھی فرعون بن جاؤ گے۔ انسان کو یہ جرأت کس نے دی تھی کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھے؟...... دولت اور دولت کی ہوس نے۔ انسان کو انسان کے آگے سجدہ کس نے کرایا تھا؟...... مفلسی اور بھوک نے۔ تم صلیبیوں کی بات کرتے ہو کہ انہوں نے فرعونوں کے ایک مدفن کو لوٹا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب پہلے فرعون کی لاش تمام تر خزانے کے ساتھ زمین میں دبائی گئی تھی، قبر چوری اُسی وقت شروع ہو گئی تھی۔ انسان وحشیوں اور درندوں کی طرح پہلے فرعون کے مدفن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اُن کا دین اور ایمان صرف دولت بن گیا تھا، پھر فرعون مر کر اپنے خزانے زمین میں لے جاتے رہے اور قبر چوری باقاعدہ پیشہ بن گئی۔ اس کے بعد ہر فرعون نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مدفن کسی ایسی جگہ تیار کرایا کہ کوئی اُسے کھول نہ سکے اور جب فرعونوں کا دور ختم ہو گیا تو مصر جس کے قبضے میں بھی آیا اُس نے ان چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش شروع کر دی۔ میں جانتا ہوں کہ فرعونوں کے بہت سے مدفن ایسے ہیں جن کے متعلق کوئی جانتا ہی نہیں کہ کہاں ہیں۔ وہ زمیں دوز محل ہیں۔ قیامت تک مصر کے حکمران اور حملہ آور ان مدفنوں کو ڈھونڈتے رہیں گے......

''ان تمام حکومتوں کو زوال کیوں آیا؟ صرف اس لیے کہ ان کی توجہ خزانوں پر مرکوز ہو گئی تھی۔ رعایا کو یہ تاثر دیا گیا کہ دولت ہے تو عزت ہے۔ ہاتھ خالی ہے تو تم بھی اور تمہاری بیٹیاں بھی اُن کی ہیں جن کے پاس دولت ہے......

غیاث بلبیس کے ساتھ بات کر چکا ہوں۔ بہت دنوں سے ہمارے مخبر اور شہر کے اندر کے جاسوس ہمیں کسی پُراسرار سرگرمی کی اطلاعیں دے رہے ہیں۔ قدومی یہاں کی ایک مشہور رقاصہ ہے، جسے امیروں کی محفلوں کی شمع کہا جاتا ہے، پانچ چھ دنوں سے غائب ہے۔ ایک رقاصہ کا شہر سے غیر حاضر ہو جانا کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا کرتا، لیکن قدومی کو میں نے خاص طور پر نظر میں رکھا ہوا ہے۔ میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اُس کے ہاں اجنبی اور مشکوک سے دو آدمی آتے رہے ہیں۔ پھر قدومی کے گھر سے ایک روز ایک پردہ پوش عورت کو نکلتے دیکھا گیا۔ وہ ایک اجنبی تاجر مسافر کے ساتھ جارہی تھی۔ مجھے شک ہے کہ قدومی بھیس بدل کر نکل گئی ہے۔ دوسرے مخبروں کی اطلاعوں سے پتا چلتا ہے کہ کچھ آدمی جنوب کی طرف مشکوک حالت میں جاتے دیکھے گئے ہیں۔ ان سرگرمیوں سے مجھے شک ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ان گم شدہ کاغذات کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور یہ شبہ بھی ہے کہ یہ صلیبی تخریب کار ہوں گے۔ جو کچھ بھی ہے، ہم ان سرگرمیوں کا کھوج لگا رہے ہیں''۔

''ضرور کھوج لگاؤ''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور ان خزانوں کو اپنے ذہنوں سے اُتار دو۔ میں جانتا ہوں کہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اور صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ہمیں مالی استحکام کی ضرورت ہے، مگر میں کسی سے مدد نہیں مانگوں گا۔ محترم نورالدین زنگی نے مالی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ میں یہ امداد بھی قبول نہیں کروں گا۔ مالی امداد سگے بھائی سے ملے تو بھی انسانی صلاحیتوں کے لیے محنت اور دیانت داری کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے، پھر انسان خزانوں کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگتا ہے۔ مصر کی زمین بانجھ نہیں ہوگئی۔ محنت کرو کہ یہ زمین تمہیں ثمر دے۔ قوم کو بتاؤ کہ حکومت پر اس کے حقوق کیا ہیں تا کہ وہ اپنے آپ کو رعایا سمجھنا چھوڑ دے اور قوم کو یہ بھی بتاؤ کہ اُس کے فرائض کیا ہیں، اگر قوم نے فرائض سے نگاہیں پھیر لیں تو حقوق پامال ہو جائیں گے۔ تم جس زمین کی پاسبانی میں خون نہیں بہاؤ گے اور جس کے وقار کے لیے پسینہ نہیں بہاؤ گے، وہ تمہارا حق بھی ادا نہیں کرے گی۔ پھر اس ملک کے حکمران باہر کے خزانوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے اور قوم افراد میں منتشر ہو کر کفار کی غلام ہو جائے گی۔

☆

جن خزانوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی ہاتھ لگانے سے بھی گریز کرتا تھا، اُن تک اُس کے اپنے ہی ایک جرنیل کے بھیجے ہوئے پچاس آدمی پہنچ گئے تھے۔ مارکونی، اسماعیل، قدومی اور ایک اور صلیبی شام کو پہنچے۔ اُن کے باقی ساتھی جو الگ الگ ٹولیوں میں روانہ ہوئے تھے، اُسی رات پہنچنا شروع ہوئے اور آدھی رات کے بعد پورے پچاس آدمی پہنچ گئے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ جگہ ایسی تھی جس کے قریب سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرا تھا۔ جگہ ڈراؤنی ہونے کے علاوہ کسی راستے پر پڑتی ہی نہیں تھی۔ یہ چونکہ سرحد سے دور تھی، اس لیے سرحدی دستوں کی نظر میں بھی نہیں تھی۔ مارکونی نے رات کو ہی سب کو اس خطے کے اندر پہنچا دیا تا کہ باہر سے کوئی دیکھ ہی نہ سکے اور انہیں مکمل آرام دینے کے لیے کہا کہ وہ جتنی دیر سو سکتے ہیں، سو جائیں۔ یہاں سے آگے پیدل جانا ہوگا اور یہ سفر جسم کی بجائے اعصاب کو زیادہ تھکائے گا۔ مارکونی خود قدومی کے ساتھ اپنے خیمے میں چلا گیا۔

وہ سب اُس وقت جاگے جب سورج اُن ٹیلوں کے اوپر آ گیا جس کے دامن میں سب سوئے ہوئے تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ وہ کون کون سا سامان، اوزار اور ہتھیار وغیرہ اپنے ساتھ لیں۔ ان میں مضبوط رسے، کدالیں اور موٹی موٹی سلاخیں تھیں اور ہتھیاروں میں تیر و کمان اور تلواریں۔ راستے کی مشکلات کے متعلق بھی اُس نے سب کو بتا دیا۔ اس دیوار کے متعلق بھی انہیں ذہنی طور پر تیار کر دیا، جس سے اُس کا ایک ساتھی گر کر ہمیشہ کے لیے لاپتہ ہو گیا تھا۔ اُس نے

انہیں رونے کی آوازوں سے بھی خبردار کر دیا جو اس علاقے میں سنائی دیتی تھیں۔ اونٹوں کو ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے اُس نے صرف ایک آدمی پیچھے رہنے دیا۔ قدومی کو بھی وہ ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ کہیں کوئی راستہ اندر جانے کے لیے مل ہی جائے گا اور وہ قدومی کو اُس راستے سے لے جائے گا۔ قدومی کی حفاظت کے لیے بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے صرف اسماعیل موزوں آدمی تھا۔

مارکونی نے اسماعیل سے کہا...... ''تم قدومی کے لیے یہیں رہو گے، لیکن یہ خیال رکھنا کہ تمہاری حیثیت اس لڑکی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اس کے آرام اور حفاظت کے تم ذمہ دار ہو گے۔ میں بہت جلدی واپس آ رہا ہوں، تم دونوں کو ساتھ لے جاؤں گا''۔

وہ اپنی پارٹی کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ اس راستے سے وہ واقف ہو چکا تھا۔ بے خوف و خطر چلتا گیا، جوں جوں یہ آدمی آگے بڑھتے جا رہے تھے، اُن پر خوف مسلط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ صحراؤں سے پوری طرح واقف تھے، مگر ایسا خطہ اور اس قسم کے پہاڑ انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور وہ جب اُس جگہ پہنچے جہاں رونے کی آوازیں آتی تھیں تو سب بدک کر خلاؤں میں دیکھنے لگے۔ بلا شک و شبہ عورتیں رو رہی تھیں۔ ان آدمیوں میں دو تین ایسے بھی تھے جنہوں نے اس علاقے کے متعلق وہ تمام ڈراؤنی کہانیاں سن رکھی تھیں جو بہت مدت سے مشہور تھیں۔ انہوں نے اپنے صلیبی ساتھیوں کو بھی یہ کہانیاں سنا کر ڈرا دیا۔ وہ سب ڈر کی گرفت میں پہلے ہی تھے، لیکن انہیں جو انعام بتایا گیا تھا، اس میں اتنی طاقت تھی جو اُن کے خوف کو دبا رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ صلیب کے تنخواہ دار ملازم بھی تھے اور مارکونی ان کا افسر تھا۔ وہ انعام اور حکم کی پابندی کے تحت چلے جا رہے تھے۔ رونے کی آوازوں پر وہ بدکے تو مارکونی نے انہیں بتایا کہ یہ عورتیں یا عورتوں کی بدروحیں نہیں، یہ ہوا کی آوازیں ہیں مگر وہ ڈرتے رہے اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔

اُس وقت سورج غروب ہو رہا تھا، جب وہ اُس وسیع اور بے انتہا گہرے نشیب تک پہنچے جو انہیں قدرتی دیوار پر چل کر پار کرنا تھا۔ مارکونی کو وہاں کچھ مشکل پیش آئی۔ دیوار پر پاؤں رکھنے سے سب گھبراتے تھے۔ مارکونی آگے آگے چلا۔ وہ ایک بار اس خطرے سے گزر چکا تھا۔ اُس کے پیچھے دوسرے آدمی نے دیوار پر قدم رکھا اور پھر باقی بھی چل پڑے۔ سورج اس جہنم میں ہی روپوش ہو گیا تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ کھائی کی گہرائی نظر نہیں آتی تھی۔ مارکونی دیوار عبور کر گیا۔ اُسے ایسی چیخ سنائی دی جو تہ کی طرف جا رہی تھی۔ ذرا دیر بعد ایک اور ہیبت ناک چیخ سنائی دی۔ یہ بھی دُور نیچے جا کر ایک دھیمی سی دھمک میں خاموش ہو گئی۔ ایسی پانچ چیخیں سنائی دیں...... یہ گروہ جب دیوار سے گزر کر کچھ آگے جا جمع ہوا تو اس میں پانچ آدمی نہیں تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ اس سے آگے کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے اور وہ منزل کے قریب آ گئے ہیں۔ اُس نے اس امید کا اظہار بھی کیا کہ ان کی واپسی اس راستے سے نہیں ہو گی، بلکہ سیدھا اور آسان راستہ مل جائے گا۔

رات بہت گہری ہو چکی تھی، جب وہ اُس جگہ پہنچے جس کے نیچے وسیع سرسبز خطہ تھا۔ مارکونی نے تمام آدمیوں کو وہاں سے تھوڑی دور چھپا دیا۔ دو آدمی اپنے ساتھ لیے اور باقی سب سے کہا کہ اُن کے پاس جو کچھ ہے وہ کھا کر سو جائیں انہیں ضرورت کے وقت جگایا جائے گا۔ مارکونی دو آدمیوں کو ساتھ لے کر اُس جگہ کی دیکھ بھال کے لیے چلا گیا۔ نیچے موت کا سکوت تھا۔ کہیں ہلکی سی روشنی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اور زیادہ قریب جانے سے ڈرتا تھا۔ اُس نے حملہ صبح کے لیے ملتوی کر دیا اور اپنے آدمیوں کے پاس واپس آ گیا۔

☆

قدومی اور اسماعیل اکیلے رہ گئے تھے۔ قدومی اُن ہنگامہ خیز محفلوں کی عادی تھی جن میں شراب اور دولت پانی کی طرح بہتی تھی۔ مارکونی اسے اس ہولناک ویرانے میں لے آیا تھا اور اُسے ایک آدمی کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا تھا۔ اسماعیل اُسے جانتا تھا۔ وہ اسماعیل سے واقف نہیں تھی۔ اسماعیل جرم وگناہ کی دُنیا کا انسان تھا۔ اُس کی شکل وصورت اتنی اچھی اور طبیعت اتنی شگفتہ تھی کہ قدومی نے اُسے کوئی عام آدمی نہ سمجھا، لیکن اسماعیل اُس کے ساتھ بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ شام کے وقت اُس نے قدومی کو بھنا ہوا گوشت گرم کر کے دیا اور شراب بھی اُس کے آگے رکھ کر کہا کہ کھانا کھا کر سو جانا۔ کوئی ضرورت ہو تو خیمے سے بلا لینا۔ وہ باہر نکل گیا۔ قدومی نے کھانا کھا لیا۔ شراب بھی حسبِ عادت پی لی، لیکن تنہائی اُسے پریشان کرنے لگی۔ اُسے اپنے حسن اور ناز وادا پر چونکہ فخر تھا، اس لیے اُس توقع تھی کہ اسماعیل اس کے قریب ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس فخر میں تکبر اور غرور زیادہ تھا، مگر اسماعیل نے اُس کی طرف ایسی کوئی توجہ نہ دی جس کی قدومی کو توقع تھی۔

قدومی کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنے خیمے سے نکلی اور اسماعیل کے خیمے میں چلی گئی۔ وہ ابھی جاگ رہا تھا۔ قدومی کے لیے اُس نے دیا جلا دیا اور پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ قدومی نے کہا کہ اس کی طبیعت گھبرا رہی تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور پوچھا..... ''تم شاید مسلمان ہو''۔

''تمہیں مذہب سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟''..... اسماعیل نے جواب دیا..... ''تمہاری دلچسپی انسانوں کے ساتھ ہے، کسی کے مذہب کے ساتھ نہیں۔ میرا نام اسماعیل ہے اور میرا کوئی مذہب نہیں رہا''۔

''اوہ!''..... قدومی نے مُسکراہٹ اور حیرت سے کہا..... ''تم ہو اسماعیل۔ احمد درویش کے خاص آدمی''۔ اُس نے پوچھا..... ''یہ آدمی کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ وہ مارکونی کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ کہنے لگی..... ''اُس نے اپنا نام سلیمان سکندر بتایا ہے، لیکن یہ مسلمان معلوم نہیں ہوتا''۔

''یہ مصری بھی نہیں''..... اسماعیل نے کہا..... ''اور یہ سوڈانی بھی نہیں، اور سلیمان سکندر اس کا نام نہیں''

''پھر یہ کون ہے؟''..... قدومی نے پوچھا..... ''اس کا اصلی نام کیا ہے؟''

''میں اس کا نام نہیں بتا سکتا''..... اسماعیل نے کہا..... ''یہ راز چھپائے رکھنے کے لیے مجھے معاوضہ ملتا ہے..... تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ کون ہے۔ تم منہ مانگی اُجرت پر اس کی تفریحِ طبع کے لیے آئی ہو۔ یہ تمہارا پیشہ ہے۔ اس نے تمہیں خزانے میں سے کچھ حصہ دینے کا وعدہ دیا ہوگا''۔

''وہ تو میرا حق ہے''..... قدومی نے کہا..... ''اس نے مجھے جو اُجرت دی ہے، وہ اس خطرناک بیابان میں ساتھ آنے کے لیے بہت ہی تھوڑی ہے۔ میں تو خزانے میں سے حصہ لینے کے وعدے پر ساتھ آئی ہوں''۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں وہ حصہ دے دے گا؟''..... اسماعیل نے پوچھا..... ''اور کیا تمہیں یقین ہے کہ اُسے وہ خزانہ مل جائے گا جس کا حصہ وصول کرنے کے لیے تم آئی ہو؟''

''میں اتنی قیمتی لڑکی ہوں کہ لوگ مجھے خزانوں کے عوض خریدنا چاہتے ہیں''..... قدومی نے غرور کے لہجے میں کہا..... ''یہ شخص تو میری قیمت ادا ہی نہیں کر سکتا۔ میں ایسے امیرزادوں اور شہزادوں کو اپنا غلام بنا کے رکھا کرتی ہوں''۔

''کب تک؟''..... اسماعیل نے مُسکرا کر کہا..... ''زیادہ سے زیادہ دو سال۔ اس کے بعد تمہاری قیمت اتنی گر جائے گی کہ تم گلیوں میں پاگلوں کی طرح دوڑتی پھرو گی، تمہیں پوچھے گا کوئی نہیں، جن کے پاس خزانے ہیں انہیں اور ایک قدومی مل جائے گی۔ تم جیسی کئی مل جائیں گے..... سنو قدومی! اتنا غرور نہ کرو''۔

''کیوں نہ کروں؟''...... قدومی نے کہا...... ''یہ شخص جو اپنا نام سلیمان سکندر بتاتا ہے، میرے طلسم میں ایسا گرفتار ہے کہ اُس نے مجھے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ وہ صرف میرے لیے خزانے کی تلاش میں جا رہا ہے۔ وہ مجھے سکندر یہ لے جائے گا، جہاں ہم سمندر کے کنارے محل بنائیں گے۔ پھر میں رقاصہ نہیں رہوں گی، کیا تمہیں اس میں کچھ شک ہے؟''

''شک نہیں مجھے یقین ہے کہ اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے''...... اسماعیل نے کہا...... ''میں اپنی اُجرت کے لیے اس کے ساتھ آیا ہوں۔ احمر درویش کا کہنا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ، میں آ گیا۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ میں کرائے کا گنا ہگار ہوں۔ میں اُجرت پر قتل بھی کیا کرتا ہوں، مگر میں جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں کبھی پکڑا ہی نہیں گیا۔ احمر درویش مجھے بچا لیتا ہے۔ مجھ میں دوسری خوبی یا خرابی یہ ہے کہ میں عورت کا احترام کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں ایسا کیوں کرتا ہوں۔ عورت پردہ دار ہو یا عصمت فروش، میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ میں عورت کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں بھی دھوکے میں نہیں رکھوں گا۔ میں تمہیں یہ بتا دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ یہ خزانہ تمہارے لیے محل تعمیر کرنے کے لیے نہیں نکالا جا رہا۔ یہ مصر کی جڑیں کاٹنے کے لیے استعمال ہوگا۔ یہاں صلیبی حکومت قائم کی جائے گی۔ مسجدوں کو گرجے بنایا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ خزانہ مصر سے باہر چلا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے تمہیں مصر کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں، مجھے بھی نہیں، ہم دونوں پیشہ ور ہیں۔ گناہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں تمہیں صرف دو باتیں بتانا چاہتا تھا، جو بتا چکا ہوں۔ ایک بار پھر سن لو۔ تمہارے حسن اور جوانی کی عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمہیں یہ شخص اپنے ساتھ تفریح اور عیاشی کے لیے لایا ہے۔ اس کی نظر میں تم ایک طوائف ہو۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو ایک دو ہیرے تمہارے ہاتھ میں دے دے گا اور اگر اُس نے کسی کے لیے محل تعمیر کیا بھی تو وہ کوئی نوخیز لڑکی ہوگی۔ وہ تم نہیں ہوگی۔ تمہارے چہرے پر مجھے بال جیسی باریک دو لکیریں نظر آ رہی ہیں جو آج اچھی لگتی ہیں تھوڑے ہی دنوں بعد یہ گہری ہو کر تمہاری قدر و قیمت ختم کر دیں گی۔''

اسماعیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جس میں طنز نہیں تھی، دھوکہ اور فریب نہیں تھا۔ ایک گونہ اپنائیت سی تھی اور ایسی حقیقت جو قدومی نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ اسماعیل اُس پر ڈورے ڈالے گا مگر اسماعیل نے اُسے ذرا بھی اہمیت نہ دی۔ اس کی بجائے اُسے یہ تاثر دے دیا کہ اس کی اہمیت دو روز کی مہمان ہے۔ قدومی تو اپنے حسن کی تعریفیں سننے کی عادی تھی۔ اپنے آپ کو قلوپطرہ ثانی سمجھتی تھی۔ اسماعیل نے ایسا تاثر پیدا کیا جسے قدومی دھتکار نہ سکی۔ اسماعیل کا انداز ہی ایسا تھا کہ اُس کا پیدا کیا ہوا تاثر اس کے دِل کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور قدومی کی آنکھوں سے نیند غائب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسماعیل کے ساتھ باتوں میں رات گزارنا چاہتی تھی۔ اس خواہش کو وہ دبا نہ سکی۔ اسماعیل نے اسے مایوس نہ کیا۔ رات کا آخری پہر تھا، جب قدومی کی آنکھ لگ گئی۔

اُس کی آنکھ کھلی تو وہ اسماعیل کے خیمے تھی اور اسماعیل خیمے سے باہر کمبل میں لپٹا سویا ہوا تھا۔ قدومی نے اسے جگایا اور کہا...... ''میں نے خواب دیکھا ہے۔ عجیب سا خواب تھا۔ پوری طرح یاد نہیں رہا۔ کوئی مجھے کہہ رہا تھا کہ سلیمان سکندر کے خزانے کے نسبت اسماعیل کی باتیں زیادہ قیمتی ہیں''...... وہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں رقاصہ کا تصنع نہیں، ایک معصوم لڑکی کی سادگی تھی۔

☆

سورج نکلنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ مارکونی اپنے آدمیوں کو اُس سر سبز نشیب کے اوپر اپنی سکیم کے مطابق موزوں جگہوں پر چھپا چکا تھا۔ صبح روشن ہوئی تو نیچے ننگے آدمی اور عورتیں نظر آنے لگیں۔ مارکونی نے اپنے ایک دلیر اور نڈر

آدمی کو نیچے جانے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اسی ڈھلان سے جس سے اُس کا ایک ساتھی لڑھک کر نیچے گرا اور اس پُراسرار قبیلے کی ضیافت بن گیا تھا۔ مارکونی نے اپنے اُس آدمی کو نیچے لڑھک جانے کو کہا۔ وہ ڈھلان کے اوپر بیٹھا اور نیچے سرک گیا۔ کچھ آگے جا کر وہ قلابازیاں کھانے لگا اور زمین پر جا پڑا۔ وہ اُٹھ کر چل پڑا۔ تین چار ننگے آدم خوروں نے اُسے دیکھ لیا اور اُسے پکڑنے کے لیے دوڑے۔ وہ خوشی سے چلا رہے تھے۔ وہ جب اس آدمی کے قریب آئے تو اوپر سے چار تیر نکلے اور اُن کے سینوں میں اُتر گئے۔ اُدھر سے دو اور ننگے مرد دوڑے آئے۔ وہ بھی تیروں کا نشانہ بن گئے۔ مارکونی نے اوپر ایک چٹان کے ساتھ رسّہ بندھوا دیا تھا، جسے اُس نے ڈھلان سے نیچے پھینک کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے پکڑ کر سب ایک دوسرے کے پیچھے نیچے اُتر جائیں۔

سب نیچے چلے گئے۔ مارکونی نے اوپر سے رسّہ کھول کر نیچے پھینک دیا اور ڈھلان سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ یہ سارا گروہ تلواریں نکال کر آگے کو دوڑ پڑا۔ چند اور ننگے مرد سامنے آئے، انہیں بھی کاٹ دیا گیا۔ جو ذرا دُور تھے، وہ اُلٹے پاؤں بھاگے۔ نیچے سے سرسبز علاقے کے کئی ایک حصے تھے۔ مارکونی نے دیکھا کہ بھاگنے والے ایک حصے میں چلے گئے تھے۔ وہ اُن کے پیچھے گیا۔ اُسے اُن آدمیوں کا واویلا سنائی دے رہا تھا۔ ان کی چیخ و پکار پر وہ اُن کے تعاقب میں گیا۔ اس کے باقی آدمی خون خرابہ کر رہے تھے۔ وہ خود ان دو آدمیوں کے تعاقب میں رہا...... تھوڑی ہی دُور اسے آدمی نظر آ گئے۔ وہ اب دو نہیں تین تھے۔ وہ تینوں ایک چٹان پر چڑھ رہے تھے۔ مارکونی نے ان کے پیچھے دوڑتے کچھ فاصلہ رکھا۔ وہ تینوں چٹان کی دوسری طرف اُتر گئے۔ وہ بھی چٹان پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف اُسے سیاہ پہاڑی کا دامن نظر آیا۔ وہاں ایک غار کا دہانہ تھا جس میں جھک کر گزرا جا سکتا تھا۔ مارکونی اس غار میں چلا گیا۔ اُس نے تلوار ہاتھ میں لے رکھی تھی۔

اندر سے غار کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے اس میں کسی کے دوڑنے کی ہلکی ہلکی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ دوڑتا گیا۔ یہ غار نہیں سُرنگ تھی جو معلوم نہیں قدرتی تھی یا فرعون ریمینس نے مرنے سے پہلے بنوائی تھی۔ سُرنگ کے کئی موڑ تھے اور اندر گھپ اندھیرا۔ اُسے بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ دوڑتا گیا اور اُسے دُور سامنے روشنی کا ایک گولا نظر آیا۔ ا م اُسے تین آدمی دوڑتے دکھائی دیئے۔ وہ غار کا دوسرا دہانہ تھا۔ وہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سکیم کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ تینوں غار سے نکل گئے۔ وہ بھی غار سے نکل گیا۔ تینوں میں ایک آدمی گر پڑا۔ مارکونی نے جا کر دیکھا۔ یہ وہی بوڑھا آدمی تھا جس نے اُسے اُس روز دیکھا تھا جس روز اس کا ساتھی نیچے گر پڑا اور آدم خوروں کے ہاتھوں میں مارا گیا تھا۔ وہ بہت ہی بوڑھا تھا۔ زیادہ دوڑ نہیں سکتا تھا۔ غار سے باہر ریتلے اور پتھریلے ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ایک طرف سیاہ پہاڑ دُور اوپر تک چلا گیا تھا۔ مارکونی نے بوڑھے کو سہارا دے کر اُٹھایا اور اس کے بھاگتے ہوئے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے اشاروں میں اسے سمجھایا کہ ان آدمیوں کو واپس بلاؤ۔

بوڑھے نے انہیں پکارا۔ وہ رُکے تو انہیں اپنی طرف بلایا۔ اُس نے مارکونی کے ساتھ مصری زبان میں بات کرتے ہوئے کہا...... ''میں تمہاری زبان بولتا اور سمجھتا ہوں۔ مجھے قتل کر کے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا''۔

مارکونی بھی مصری زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا...... ''میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارے ان آدمیوں کو بھی قتل نہیں کروں گا۔ مجھے باہر جانے کا راستہ بتا دو''۔

''کیا تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟''...... بوڑھے نے پوچھا۔

''ہاں''...... مارکونی نے جواب دیا...... ''میں تمہاری بادشاہی سے نکل جانا چاہتا ہوں''۔

بوڑھے نے اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ وہ دونوں بہت ہی ڈرے ہوئے تھے۔ بوڑھے نے مارکونی سے کہا..... ''اس کے ساتھ جاؤ۔ یہ تمہیں سیدھے راستے پر ڈال دیں گے''۔

بوڑھا ساتھ چل پڑا۔ وہ ٹیلوں کے درمیان سے گزرے، ایک ٹیلے کے اوپر گئے اور ایسی ہی کچھ بھول بھلیوں میں سے گزر کر وہ کھلے صحرا میں پہنچ گئے۔ مارکونی نے دیکھا کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ یہاں کوئی راستہ ہے جو اندر کی پُراسرار دُنیا میں لے جاتا ہے۔ بوڑھے نے اسے کہا..... ''تم اب چلے جاؤ، ورنہ خدا کا قہر تمہیں بھسم کر دے گا''..... مارکونی نے تینوں کو ساتھ لیا اور یہ کہہ کر اپنے ساتھ واپس لے گیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو بھی باہر لائے گا۔ مارکونی کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جس سے وہ تینوں ڈر رہے تھے۔ وہ اُس کے ساتھ واپس چل پڑے۔ مارکونی نے راستہ اور اس کے موڑ اچھی طرح دیکھ لیے۔ وہ پھر غار کے دہانے میں داخل ہوئے اور اس میں گزرتے سرسبز دنیا میں پہنچ گئے۔ بوڑھا اُسے اُس جگہ لے گیا جہاں مارکونی کے ساتھی کو آگ پر بھون کر کھایا گیا تھا۔ مارکونی کے ساتھی اُسے ڈھونڈ رہے تھے۔ کئی ایک ننگی لاشیں پڑی تھیں۔ بچوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ بوڑھے نے یہ قتل عام شاید پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ رُک گیا اور بڑے تحمل سے مارکونی سے پوچھا..... ''ان بے گناہوں کو کاٹ کر تم نے کیا پایا؟''

''اور تم ہمارے آدمی کو بھون کر کھا گئے تھے''..... مارکونی نے پوچھا..... ''اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟''

''وہ گناہگار دُنیا کا انسان تھا''..... بوڑھے نے کہا..... ''اس نے ہماری مقدس سلطنت میں آکر اسے ناپاک کر دیا تھا''۔

''تم لوگ یہاں کیوں رہتے ہو؟''..... مارکونی نے پوچھا..... ''فرعون ریمینس دوم کا مدفن کہاں ہے؟''

''میں ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دوں گا''..... بوڑھے نے جواب دیا۔

مارکونی نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان کی عورتوں کو لے آؤ۔ اس نے حملے سے پہلے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی عورت کو قتل نہ کریں اور نہ چھیڑیں۔ انہیں یرغمال کے طور پر پکڑ لیں۔ مارکونی کے ساتھی دس گیارہ عورتوں کو سامنے لے آئے، ان میں دو تین بوڑھی، باقی جوان، نو جوان اور دو تین کمسن بچیاں تھیں۔ وہ مادر زاد ننگی تھیں۔ اُن کے رنگ کندنی اور صاف تھے۔ شکل و صورت بھی سب کی اچھی تھی۔ ان کے بال کمر تک گئے ہوئے تھے اور اُن میں چمک تھی۔

''کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری عورتوں کو تمہارے سامنے بے عزت کر کے انہیں قتل کر دیا جائے؟''..... مارکونی نے بوڑھے سے پوچھا۔

''کیا تم اس سے پہلے مجھے قتل نہیں کر دو گے؟''..... بوڑھے نے پوچھا۔

''نہیں!''..... مارکونی نے جواب دیا۔

''سنو گناہگار دُنیا کے انسان!''..... بوڑھے نے کہا..... ''تمہاری عورتیں کپڑوں میں ڈھکی رہتی ہیں۔ تم انہیں پردوں میں چھپا چھپا کر رکھتے ہو، مگر وہ بے حیائی سے باز نہیں آتی۔ تم عورت کی خاطر سلطنتیں قربان کر دیتے ہو۔ عورت کو نچاتے ہو اور انہیں گناہوں کا ذریعہ بناتے ہو۔ ہماری عورتیں ننگی رہتی ہیں مگر بے حیائی نہیں کرتیں۔ کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی عورت کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے تم نے میری دُنیا کی عورتوں کو دیکھا ہے۔ میں تو تمہاری نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم خدائے مقدس ریمینس کے خزانے لوٹ لو، میری بیٹیوں کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالنا''۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ مجھے ان پہاڑوں کا بھید بتا دو''..... مارکونی نے کہا..... ''میں تمہاری عزت تمہارے

حوالے کر دوں گا"۔

"ڈاکو کے وعدے پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا"...... بوڑھے کے ہونٹوں پر طنز کی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کہا "جس آدمی کے دِل میں دولت کی لالچ ہوتا ہے، اُس کی آنکھ میں غیرت نہیں ہوتی۔ اس زبان پر وعدے آتے ہیں اور اسی زبان سے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ تم اُس دنیا کے انسان ہو جہاں دولت پر اپنی بیٹیاں قربان کی جاتی ہیں اور سنو میرے اجنبی دوست! تم مصری نہیں ہو۔ تمہاری آنکھوں میں سمندر کی چمک ہے، نیل کے پانی کی نہیں۔ تمہارے جسم سے مجھے سمندر پار کی بُو آتی ہے"۔

"میں ریمینس کے مدفن کی تلاش میں آیا ہوں"...... مارکونی نے اُسے غصے سے کہا...... "مجھے وہ مدفن بتا دو"۔

"میں بتا دوں گا"...... بوڑھے نے کہا...... "اس سے پہلے میں تمہیں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مدفن کے اندر جا کر تم زندہ باہر نہیں آ سکو گے"۔

"کیا تمہارے آدمی اندر چھپے ہوئے ہیں جو مجھے قتل کر دیں گے؟"

"نہیں!"...... بوڑھے نے جواب دیا...... "تمہیں قتل کرنے کے لیے میرے پاس کوئی آدمی نہیں رہا۔ تمہارے اپنے آدمی تمہیں قتل کریں گے۔ تمہاری لاش یہاں سے کوئی نہیں لے جائے گا"۔

"تم غیب دان ہو؟"...... مارکونی نے پوچھا...... "آنے والے وقت کی خبر دے سکتے ہو؟"

"نہیں!"...... بوڑھے نے جواب دیا...... "میں نے گزرا ہوا وقت دیکھا ہے، جس نے گزرے ہوئے وقت کو عقل اور دِل کی نظر سے دیکھا ہو وہ آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے۔ موت تمہاری آنکھوں میں آ کر بیٹھ گئی ہے"۔

مارکونی نے قہقہہ لگا کر کہا...... "تم جنگلی ہو بڈھے! مجھے بتاؤ وہ مدفن کہاں ہے جس کی تلاش میں میں اتنی دُور سے آیا ہوں"۔

"تمہارے سامنے ہے"...... بوڑھے نے کہا...... "وہ اُوپر، آؤ"۔

مارکونی نے کچھ سوچا اور اپنے آدمیوں سے کہا...... "اِن عورتوں کو عزت سے رکھو۔ اس بوڑھے کے ساتھ گپ شپ لگاتے رہو اور اس کے ان دونوں آدمیوں کو بھی کچھ نہ کہنا۔ ان کے ساتھ دوستی پیدا کر لو۔ میں قدومی اور اسماعیل کو لینے جا رہا ہوں"۔

وہ اُسی راستے پر چل پڑا جو سُرنگ میں سے گزر کر باہر جاتا تھا۔

☆

مارکونی اس راستے سے باہر نکل گیا جو اُسے بوڑھے نے دکھایا تھا۔ اُسے اس سمت کا اندازہ تھا جدھر سے وہ اس ہولناک علاقے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ اُس نے کم و بیش دو میل سفر طے کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اُس مقام پر پہنچ گیا ہے، جہاں سے وہ اپنے گروہ کے ساتھ اندر گیا تھا وہ اپنے خیمے تک گیا۔ اُس نے اسماعیل اور قدومی کو ایک ہی خیمے میں اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ حکم کے لہجے میں اسماعیل سے کہا...... "میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی حیثیت میں رہنا۔ اُس کے پاس بیٹھے تم کیا کر رہے ہو؟"

"کیا میں اس ویرانے میں اکیلی بیٹھی رہتی؟"...... قدومی نے کہا...... "میں نے خود اسے اپنے پاس بلایا ہے"۔

"تمہیں میں اپنے ساتھ صرف اور صرف اپنے لیے لایا ہوں"...... مارکونی نے غصے سے کہا...... "میں تمہیں اپنی اُجرت دے رہا ہوں۔ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے گھر میں اپنے پاس سو آدمیوں کو بلاؤ۔ یہاں تم میری لونڈی ہو"۔

گذشتہ رات اسماعیل نے اُس پر خلوصِ دل سے ایسا تاثر طاری کر دیا تھا کہ اُس کے دل میں مارکونی کے خلاف شک اور ناپسندیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ اُسے وہ اب اپنا ایک گاہک سمجھنے لگی تھی۔ اب مارکونی نے اُسے اپنی لونڈی کہہ دیا تو اُس کے دِل میں مارکونی کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔ اُس نے اچھے اور بُرے انسان میں فرق دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ اسماعیل نے اُسے بالکل نہیں کہا تھا کہ وہ اچھا آدمی ہے، بلکہ یہ کہا تھا کہ وہ کرائے کا گناہگار اور اُجرت لے کر قتل کرنے والا آدمی ہے۔ قدومی مارکونی کو دھتکار نہیں سکتی تھی، کیونکہ وہ اپنی طے کی ہوئی اُجرت پر آئی تھی جو وہ وصول کر کے گھر رکھ آئی تھی۔ آگے خزانے کے کچھ حصے کا وعدہ تھا جو مشکوک نظر آتا تھا۔ اُس نے برداشت نہ کیا کہ مارکونی اسماعیل کے ساتھ بدتمیزی سے بات کرے۔

اسماعیل مارکونی کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مارکونی کو بازو سے پکڑا اور ذرا پرے لے جا کر دھیمی سی آواز میں کہا...... ''احمر درویش نے تمہیں شاید میرے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔ میرے متعلق تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم میرے ملک اور میری قوم کی جڑیں کاٹنے آئے ہو۔ میں اتنا بڑا گناہگار ہوں کہ کرائے پر تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اپنی پوری اُجرت لوں گا اور اگر خزانہ برآمد ہوگیا تو اپنا حصہ الگ وصول کروں گا''۔

''تم ایسی باتیں احمر درویش کے ساتھ کرنا''...... مارکونی نے اسے کمانڈروں کی طرح کہا...... ''یہاں تم میرے ماتحت ہو۔ خزانہ جو نکلے گا، وہ میری تحویل میں ہوگا۔ میں اسے جہاں چاہوں لے جاؤں''۔

''سنو سلیمان سکندر!''...... اسماعیل نے پہلے کی طرح دھیمی آواز اور ہلکے سے تبسم سے کہا...... ''میں جانتا ہوں تم مارکونی ہو، سلیمان سکندر نہیں ہو۔ میں ایک عادی مجرم ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہاری باتیں مجھے مجرم سے مصری مسلمان بنا دیں گی اور میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان قومی جذبے کا اتنا اندھا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کی لاش میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو لاش بھی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ مجھے مجرم رہنے دو''۔

مارکونی نے محسوس کر لیا کہ یہ شخص بہت گہرا ہے اور پیچیدہ بھی، اس لیے اس سے اس موقعے پر دشمنی مول لینی اچھی نہیں۔ اُس نے اسماعیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور دوستوں کی طرح مُسکرا کر کہا...... ''تم بلاوجہ کسی غلط فہمی میں پڑ گئے ہو۔ میں دراصل یہ نہیں چاہتا کہ یہ طوائف تمہارے یا میرے دماغ پر سوار ہو جائے۔ یہ بہت چالاک عورت ہے۔ یہ ہم دونوں میں غلط فہمی پیدا کر کے خزانے پر ہاتھ مارنا چاہتی ہے۔ مجھے اپنا دشمن نہ سمجھو۔ احمر درویش نے تمہیں بتایا نہیں کہ اُس نے تمہارے متعلق کیا سوچ رکھا ہے''۔

''کیا تمہیں اُمید ہے کہ خزانہ مل جائے گا؟''

''مل گیا ہے''...... مارکونی نے جواب دیا...... ''میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں''

اسماعیل اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ قدومی بھی اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار بڑے نمایاں تھے، مارکونی نے اُس آدمی کو آواز دی جسے وہ اونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ اُسے کہا کہ وہ اونٹوں کو ایک دوسرے کے پیچھے باندھ کر لے آئے۔ خیمے بھی لپیٹ لیے گئے۔

☆

مارکونی انہیں وہاں لے گیا جہاں اُس کے دوسرے آدمی تھے اور جہاں فرعون ریمینس کا خفیہ مدفن تھا۔ قدومی نے ایسی سرسبز جگہ دیکھی تو بہت حیران ہوئی۔ ایک اونچی پہاڑی کے دامن میں ننھی سی جھیل تھی۔ پہاڑی کے نیچے سے پانی

پھوٹتا تھا۔ یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔ مارکونی ننگے قبیلے کے بوڑھے سردار کے پاس چلا گیا۔ اُسے مدفن کا سراغ لگانا تھا۔ قدومی اسماعیل کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ اُسے ایک چھوٹے سے بچے کی لاش پڑی دکھائی دی۔ بچہ ننگا تھا اور اُس کا جسم خون میں نہایا ہوا تھا۔ قدومی خوف سے کانپنے لگی۔ کچھ اور آگے گئے تو دو لاشیں اکٹھی پڑی تھیں۔ یہ بڑی عمر کے آدمیوں کی تھیں۔ دونوں میں تیر پیوست تھے اور جب وہ اسماعیل کے ساتھ فراخ جگہ گئی جہاں مارکونی کے آدمی اوپر سے اُترے تھے، وہاں اُسے کئی اور لاشیں نظر آئیں۔ ان میں پانچ چھ لاشیں بچوں کی بھی تھیں۔ تمام لاشوں کے منہ اور آنکھیں کھلی ہوئیں اور چہروں پر اذیت اور کرب کے بھیانک تاثرات تھے۔ قدومی کسی بڑی ہی حسین دُنیا کی عورت تھی۔ اُس نے ایسا ہیبت ناک منظر کبھی خواب میں نہیں دیکھا تھا۔ ایک بہت ہی چھوٹے سے بچے کی لاش دیکھ کر اُس کی چیخ نکل گئی۔

مارکونی کے تین چار آدمی چیخ سُن کر دوڑے آئے۔ قدومی کو چکر آ گیا تھا اور اسماعیل نے اُسے تھام لیا تھا۔ مارکونی کے آدمیوں کو بتایا گیا کہ وہ لاشیں دیکھ کر ڈر گئی ہے۔ ایک آدمی اس کے لیے پانی لینے کو دوڑا۔ قدومی جلدی سنبھل گئی۔ اُس نے پوچھا کہ یہ مرنے والے کون تھے اور انہیں کیوں قتل کیا گیا ہے۔ قدومی نے اسماعیل کی طرف دیکھا۔ اُس کا رنگ پیلا پڑ کا تھا۔ اسماعیل نے کہا...... ''ہم سے یہ لوگ اچھے تھے جو اس خزانے کی رکھوالی کر رہے تھے۔ یہ ننگے آدم خور دیانت دار تھے جنہوں نے جان دے دی، خزانے کا بھید نہ بتایا۔ اگر یہ فرعون کا مدفن اُکھاڑ کر مال و دولت نکال لے جاتے تو انہیں کون پکڑ سکتا تھا، مگر یہ دیانت دار تھے۔ ہم ڈاکو اور قاتل ہیں جو اپنے آپ کو مہذب سمجھتے ہیں۔ یہ مارکونی کی کارستانی ہے''۔

''میں اس خزانے میں سے کچھ بھی نہیں لوں گی جس کی خاطر ان معصوم بچوں اور بے گناہ آدمیوں کو اس بے دردی سے قتل کیا گیا ہے''...... قدومی نے کہا...... ''ان کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آتا۔ یہ نہتے تھے''۔

اُس وقت مارکونی بوڑھے کے ساتھ ایک چٹان کے پیچھے گیا ہوا تھا۔ بوڑھے نے اُسے کہا...... ''اوپر چلے جاؤ، وہاں تمہیں ایک بہت بڑا پتھر جو یہیں سے نظر آ رہا ہے، اسے تم چٹان ہی سمجھ رہے ہو، اگر اُسے وہاں سے ہٹا سکو تو تمہیں اُس دُنیا کا دروازہ نظر آئے گا جس میں ریمینس دوم کا تابوت اور اُس کا خزانہ رکھا ہے۔ اس چٹان کو اُس وقت سے کسی نے نہیں ہلایا جب سے یہ یہاں رکھی گئی ہے۔ پندرہ صدیوں سے اس چٹان کو کسی نے چھوا بھی نہیں۔ ہم پندرہ صدیوں سے اس کی رکھوالی کر رہے ہیں۔ میں تمہیں ریمینس کی موت کے واقعات اس طرح سنا سکتا ہوں جیسے وہ کل میرے سامنے مرا ہو۔ یہ مجھے باپ اور دادا نے سنائے تھے۔ دادا کو اس کے باپ اور دادے نے سنائے تھے اور اس طرح پندرہ صدیوں کی باتیں میرے سینے میں آئیں جو میں نے اپنے قبیلے کو سنا دی ہیں''۔

''میں یہ باتیں بعد میں سنوں گا''...... مارکونی نے بے تاب ہو کر کہا اور وہ چٹان پر چڑھ گیا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اوپر کی مخروطی چٹان الگ ہے یا الگ کی جا سکتی ہے۔ اُس نے اِدھر اُدھر سے دیکھنے کی کوشش کی مگر اُسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جس سے یہ چٹان الگ معلوم ہوتی ہے۔ وہ نیچے اُتر آیا۔

''میں جانتا ہوں، تم یقین نہیں کرو گے کہ اس چٹان کے دو حصے ہیں''...... بوڑھے نے کہا...... ''اُوپر کا حصہ جو پیچھے پہاڑ کے ساتھ ملا ہوا ہے، پہاڑ اور چٹان کا حصہ معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں۔ یہ انسانی ہاتھوں کا کمال ہے۔ اس کی ساخت قدرتی لگتی ہے لیکن یہ انسانوں کی کاریگری ہے۔ ریمینس نے یہ اپنی نگرانی میں بنوایا تھا، اس کے نیچے اور پہاڑ کے سینے میں جو دُنیا آباد ہے، وہ ریمینس نے اپنی زندگی میں تیار کرائی تھی اور اسے باہر کی دُنیا کے انسانوں سے تا قیامت بچائے رکھنے کے لیے اُس نے یہ چٹان بنوائی، رکھوا کر دیکھی اور اُن آدمیوں کو قید میں ڈال دیا تھا جنہوں نے اُس کا مدفن

اور چٹان تیار کی تھی۔ وہ مر گیا تو اس کا تابوت یہاں لایا گیا۔ اُس کا ضرورت کا سامان اندر رکھا گیا۔ کاریگروں کو قید سے نکال کر اوپر چٹان رکھوائی گئی اور ان تمام آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ بارہ آدمیوں کو یہاں غاروں میں آباد کیا گیا۔ انہیں مصر کی بارہ خوب صورت عورتیں دی گئیں۔ انہیں غاروں میں رہنے کو کہا گیا۔ ان کے ذمے اس جگہ کی رکھوالی تھی۔ آج تم نے جنہیں قتل کر دیا اور میں جو زندہ ہوں، انہی بارہ آدمیوں اور بارہ عورتوں کی نسل سے ہیں''۔

''اس چٹان کو ہم وہاں سے ہٹا کس طرح سکتے ہیں؟''...... مارکونی نے پوچھا۔

''تمہاری آنکھیں کہاں ہیں؟''...... بوڑھے نے پوچھا...... ''تمہاری عقل کہاں ہے؟''...... اور اس نے کہا...... ''چٹان کی چوٹی دیکھو۔ کیا تم اس کے ساتھ رسّے نہیں باندھ سکتے؟ اگر تمہارے آدمیوں میں طاقت ہے تو مل کر رسّے کو کھینچیں تو چٹان نیچے آسکتی ہے''۔

مارکونی مدفن کو بہت جلد بے نقاب کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو بلایا۔ رسّے منگوائے اور دو رسّے اوپر والی چٹان کی اُبھری ہوئی چوٹی کے ساتھ بندھوا دیئے۔ اُس نے تمام آدمیوں سے کہا کہ نیچے سے رسّہ پوری طاقت سے کھینچیں۔ وہ خود اُوپر چلا گیا۔ نیچے سے جب سب نے زور لگایا تو اُس نے دیکھا کہ بڑی چٹان ہل رہی تھی۔ ایک بار یہ اتنی زیادہ ہل گئی کہ اُسے اس کے نیچے خلا نظر آ گیا۔ اُس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اُس نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اس کے آدمیوں نے اور زور لگایا تو چٹان سرک گئی۔ مارکونی نے اپنے آدمیوں کو ذرا آرام کرنے کو کہا۔ سورج سیاہ پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تھا۔ مارکونی کے پاس شراب کا ذخیرہ تھا۔ اُس نے شراب کا مشکیزہ منگوا کر کہا پیو اور اس چٹان کو کنکر کی طرح نیچے پھینک دو۔

سب شراب پر ٹوٹ پڑے۔ مارکونی نے پُر جوش لہجے میں کہا...... ''میں آج رات تمہیں دو اونٹ بھون کر کھلاؤں گا''...... تھوڑی دیر بعد شراب نے سب کی تھکن دُور کر دی اور ان میں نئی تازگی آ گئی۔ اتنے میں سورج اُفق سے بھی نیچے چلا گیا تھا۔ مشعلیں جلا کر رکھ لی گئیں اور سب نے ایک بار پھر زور لگانا شروع کیا۔ مارکونی اُوپر کھڑا تھا۔ اسے مشعلوں کی ناچتی روشنی میں چٹان کا بالائی حصہ آگے کو جھکتا اور کچھ سرکتا نظر آیا۔ اُس نے اور زیادہ جوش سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اچانک چٹان مہیب آواز کے ساتھ سرک گئی اور اُلٹ کر نیچے کو لڑھک گئی، جہاں مارکونی کے آدمی تھے، وہ جگہ تنگ تھی۔ اُن کے پیچھے بھی ایک پتھریلی ٹیکری تھی۔ اُوپر سے چٹان اتنی تیزی سے آئی کہ نیچے سے آدمی بھاگ نہ سکے۔ روشنی بھی کم تھی۔ پہاڑوں اور چٹانوں میں گھری ہوئی یہ دُنیا بیک وقت کئی ایک چیخوں سے لرز اُٹھی اور سکوت طاری ہو گیا۔ مارکونی دوڑتا نیچے آیا۔ ایک مشعل اُٹھا کر دیکھا۔ گری ہوئی چٹان کے نیچے سے خون بہہ رہا تھا، کسی کا ہاتھ نظر آ رہا تھا، کسی کی ٹانگ اور کسی کا سر، اور کچھ ایسے بھی تھے جو درمیان میں نیچے آ گئے تھے۔

مارکونی کو کسی کے دوڑنے کی آہٹیں سنائی دیں۔ کوئی بچ بھی گئے تھے، وہ بھاگ گئے تھے۔ اُس نے ٹیکری پر دیکھا، وہاں چار انسان کھڑے تھے ایک بوڑھا تھا، دوسرا اسماعیل، تیسرا مارکونی کا ایک ساتھی جو ہانپ رہا تھا، وہ بھاگا نہیں تھا اور چوتھا انسان قدومی تھی جو سراپا خوف بنی کھڑی تھی۔ مارکونی آہستہ آہستہ ٹیکری پر آیا۔ اس نے چاروں کو باری باری دیکھا۔ سب خاموش تھے۔ سب سے پہلے بوڑھا بولا۔ اس نے کہا...... ''میں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ مجھے تمہاری آنکھوں میں موت نظر آ رہی ہے۔ میں نے اپنے فرض کو نظر انداز کر کے تمہیں یہ بھید بتا دیا تھا کہ یہ موت کا بھید ہے اور موت میرا فرض پورا کر دے گی...... کیا تم واپس چلے جاؤ گے؟''

''نہیں!''...... مارکونی نے آہستہ سے کہا...... ''میرے، یہ ساتھی میرے ساتھ ہیں، یہ میرا ساتھ دیں گے''۔ اُس

نے ان سے پوچھا......"معلوم ہوتا ہے، کوئی زندہ نکل گئے ہیں، کون کون بھاگا ہے؟

"مجھ سے پوچھو"...... بوڑھے نے کہا...... تمہارے چار آدمی میرے دو آدمیوں کے ساتھ بھاگ گئے ہیں۔ میرے آدمی انہیں باہر کا راستہ نہیں بتائیں گے۔ انہیں اب اندر ہی بھٹک بھٹک کر مرنا ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ چٹان کے نیچے آکر مر جاتے۔ یہ موت آسان تھی۔ آج رات کے لیے یہ کام بند کر دو۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا"۔

☆

مارکونی پر اس حادثے کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے بوڑھے کو اپنے کھانا کھلایا۔ اسماعیل نے بوڑھے کو ایک چادر دی جو اُس نے اپنے اوپر ڈال لی۔ قدومی پر خاموشی طاری تھی۔ وہ اُن عورتوں کو بھی دیکھ چکی تھی جنہیں مارکونی نے یرغمال بنا کے رکھا ہوا تھا۔ وہ اب کسی اور جگہ تھیں۔

"تم میرے ایک آدمی کو کھا گئے تھے"۔ مارکونی نے کہا۔"اس پہلے تم نے کتنے انسان کھائے ہیں؟"

"جتنے ہاتھ لگ سکے"...... بوڑھے نے جواب دیا......"میں بتا نہیں سکتا کہ ہماری نسل میں انسانی گوشت کب داخل ہوا، جو تاریخ میرے کانوں میں ڈالی گئی ہے۔ اس میں پندرہ صدیوں پرانی ایک پیشن گوئی شامل ہے۔ کسی نے کہا تھا کہ جو لوگ خدائے ریمینس کے مدفن کی حفاظت کریں گے، انہیں ریگزار اپنی ٹھنڈی آغوش میں رکھے گا۔ انہیں پانی اور سائے سے محروم نہیں ہونے دے گا۔ انہیں دُنیا کے لالچ سے آزاد کر دے گا۔ انہیں سونے، چاندی، عورت اور شراب کی خواہش سے آزاد کر دے گا۔ انہیں یہ بھی ضرورت نہیں رہے گی کہ وہ اپنے ستر ڈھانپیں۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ہوگی۔ ان میں کوئی لالچ نہیں ہوگا۔ لالچ ہی انسان کو قاتل، ڈاکو اور بددیانت بناتا ہے، وہ کبھی دولت کا لالچ کرتا ہے اور کبھی عورت کا۔ اس کا دین نہیں رہتا۔ لالچ فساد کی جڑ ہے۔ ہمیں اس لعنت سے آزاد کر دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ ریمینس کے محافظ انسان کا گوشت کھائیں گے۔ یہاں سے باہر جائیں گے۔ انسان کا شکار کھیلیں گے اور کوئی جانور ملے تو اُسے بھی کھائیں گے۔ اگر نہیں کھائیں گے تو ان کی نسل ختم ہو جائے گی"۔

"کیا تم آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہو؟"......قدومی نے بوڑھے سے پوچھا۔

"انسان بڑی کمزور چیز ہے۔ اپنے خدا بدلتا رہتا ہے"...... بوڑھے نے کہا......"اور کبھی انسان خود ہی خدا بن جاتا ہے۔ اس وقت تم لوگ میرے خدا ہو، کیونکہ میری جان اور میری بچیوں کی عزت جو تمہاری قید میں ہیں، تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تم پر یہ راز تمہیں خدا سمجھ کر فاش کر دیا ہے، کیونکہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں اور اپنی بچیوں کو بے آبرو کرنے سے ڈرتا ہوں۔ فرعون نے بھی تمہاری طرح اپنے وقت کی مخلوق کی گردن پر بھوک اور بیگار کی چھری رکھ کر کہا تھا کہ میں خدا ہوں۔ انسان نے مجبور ہو کر کہا......"ہاں! تم ہی خدا ہو"......بھوک اور مفلسی انسان کو حقیقت سے بہت دُور لے جا کر پھینک دیتی ہے۔ اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔ جسے حقیقی خُدا نے اشرف المخلوقات کہا تھا، اُس کا صرف جسم رہ جاتا ہے، جسے پیٹ کی آگ جلاتی ہے تو وہ اس انسان کے آگے سجدے کرنے لگتا ہے جو اُس کے پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرتا ہے۔ انسان کی اسی کمزوری نے بادشاہ پیدا کیے۔ ڈاکو اور رہزن پیدا کیے۔ انسان کو حاکم اور محکوم، ظالم اور مظلوم بنایا۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو بھوک نے بدی سے آشنا کیا۔ یہ غلط ہے۔ انسان کو بدکار زر و جواہرات نے بنایا ہے......تم کون ہو؟ کیا ہو؟"۔ اُس نے قدومی سے پوچھا......"ان میں سے کس کی بیوی ہو؟ ان میں سے کسے اپنا آدمی کہہ سکتی ہو؟"...... بوڑھے کو معلوم ہو چکا تھا کہ قدومی قاہرہ کی رقاصہ ہے۔

قدومی اس کے سوال سے پریشان ہوگئی۔ وہ پہلے پریشان تھی۔ بوڑھے کے سوال نے اس کا پسینہ نکال دیا۔

بوڑھے نے اُسے خاموش دیکھ کر کہا...... ''تم اپنے حسین چہرے اور جوانی کی بدولت اپنے آپ کو خدا سمجھتی ہو اور تمہاری خواہش کرنے والے تمہیں خدا کہتے ہیں۔ مجھے جنگلی اور وحشی نہ سمجھو۔ میرے پاس کپڑے ہیں جو میں پہن کر کبھی کبھی قاہرہ جایا کرتا ہوں...... تمہاری مہذب دُنیا کو دیکھتا ہوں، پھر واپس آ کر کپڑے اُتار دیتا ہوں۔ میں نے تمہاری دُنیا میں بگھیوں پر شہزادے سیر کرتے دیکھے ہیں۔ تمہاری طرح کی شہزادیاں دیکھی ہیں۔ ناچنے اور گانے والی بھی دیکھی ہیں اور انہیں جو نچاتے ہیں، انہیں بھی دیکھا ہے۔ میں نے فرعونوں کے وقتوں کی باتیں سنی ہیں اور آج کے وقت کے فرعون بھی دیکھے ہیں۔ ان سب کا انجام بھی دیکھا ہے۔ تمہارا انجام بھی جو تمہیں ابھی نظر نہیں آرہا، دیکھ رہا ہوں۔ تم نے خزانے کی لالچ میں اتنے بے گناہ انسانوں کا خون کیا۔ اس گناہ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ فرعون بھی نہیں بچ سکے تھے۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا۔ ان کا انجام دیکھنا۔ وہ خدا ہوتے تو اُن کا یہ انجام نہ ہوتا۔ خدا وہ ہوتا ہے جو انجام تک پہنچایا کرتا ہے، انجام تک پہنچا نہیں کرتا۔ میں نے اُس انسان کو کبھی خدا نہیں مانا جو آج پہاڑی کے نیچے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا ہے۔ میں اور میرا قبیلہ اس کی حفاظت نہیں کررہے۔ ہم نے دُنیا کے لالچ سے بچنے کے لیے اپنا ایک عقیدہ بنالیا ہے۔ ہم اس عقیدے کی حفاظت کررہے ہیں''۔

بوڑھا ٹھہری ٹھہری آواز میں بولتا جارہا تھا۔ قدومی اُسے دیکھ رہی تھی اور بوڑھے کی باتوں میں اُسے اپنا انجام نظر آرہا تھا۔ مارکونی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مُسکراہٹ تھی۔ وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس نے بوڑھے سے کہا...... ''تم اپنی عورتوں کے پاس جاؤ۔ صبح جلدی اُٹھنا۔ ہمیں اندر جانا ہے''۔

بوڑھا چلا گیا تو مارکونی نے قدومی سے کہا...... ''آؤ، ہم بھی سو جائیں''۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی''...... قدومی نے کہا۔

مارکونی اُس کی طرف لپکا۔ قدومی پیچھے ہٹ گئی۔ مارکونی نے اُسے دھمکی دی۔ اسماعیل اس کے آگے آگیا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ مارکونی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور مارکونی پیچھے ہٹ گیا۔ وہ جب چلا گیا تو قدومی اسماعیل کے سینے پر سر پھینک کر بچوں کی طرح رونے لگی۔

☆

صبح جاگے تو مارکونی نے بوڑھے کو ڈھونڈا۔ بوڑھا وہاں نہیں تھا۔ عورتوں کو دیکھا۔ وہ بھی غائب تھیں۔ انہیں آوازیں دیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُن میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ مارکونی کو اب ان کی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ مدفن کا دہانہ کھل چکا تھا۔ بوڑھا اگر وہاں ہوتا بھی تو اُسے معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہے۔ مارکونی نے اسماعیل، اپنے ساتھی اور قدومی کو اپنے ساتھ لیا اور وہ سب اُس چٹان پر چڑھ گئے جہاں مدفن کے اندر جانے کا دہانہ تھا۔ مارکونی نیچے اُترا۔ یہ ایک کشادہ گڑھا تھا، جو سُرنگ بن کر ایک طرف چلا گیا تھا۔ وہ مشعلیں ساتھ لے گئے تھے، جو جلائی گئیں۔ کچھ دور آگے جا کر سُرنگ بند ہوگئی۔ مارکونی نے وہاں اُلٹی کدال ماری تو ایسی آوازیں آئی جیسے اس کے پیچھے جگہ کھوکھلی ہے۔ یہ پتھر کا چوکور دروازہ تھا۔ اس پر ضربیں لگائی گئیں۔ کناروں سے خلا نظر آنے لگے۔ سلاخوں اور ہتھوڑوں وغیرہ کی مدد سے اس تراشے ہوئے پتھر کو ہلا لیا گیا اور بہت سی محنت اور مشقت کے بعد اس چوکور پتھر نے اس طرح راستہ دے دیا کہ پیچھے کو گرا۔ اس کے وزن کا یہ عالم تھا کہ اس کے گرنے سے زلزلے کا جھٹکا محسوس ہوا۔ اندر سے پندرہ سولہ صدیوں کی بدبو جھکڑ کی طرح باہر آئی۔ سب پیچھے کو بھاگے اور انہوں نے ناک منہ پر کپڑے لپیٹ لیے۔ ذرا دیر بعد مشعلوں کے ساتھ اندر گئے۔ چند قدم آگے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔

سیڑھیوں پر انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیوں کے پنجر پڑے تھے۔ ان کے ساتھ برچھیاں اور ڈھالیں بھی تھیں۔ یہ پہرداروں کی ہڈیاں تھی۔ انہیں اندر زندہ پہرے پر کھڑا کر کے مدفن کے منہ پر اتنی وزنی سل جمادی گئی تھی۔ سیڑھیاں انہیں دُور نیچے لے گئیں۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا۔ یہ زمین پتھریلی تھی۔ کاریگروں نے لمبی مدت صرف کر کے دیواریں اور چھت اس طرح تراشی تھیں کہ یہ بیسیویں صدی کی عمارت معلوم ہوتی تھی۔ وہاں ایک بڑی ہی خوش نما کشتی رکھی تھی جس کے بادبان لپٹے ہوئے تھے۔ کشتی میں بھی انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں پڑی تھیں۔ یہ ملاحوں کی تھیں۔ ایک تاریک راستہ جو کاریگری سے تراشا گیا تھا، ایک اور کمرے میں لے گیا، وہاں ایک سجی سجائی گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے آگے آٹھ گھوڑوں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری ہوئی تھی اور بگھی کی اگلی سیٹ پر انسانی ہڈیاں کا ڈھیر تھا۔ اس کمرے میں کئی اور ہڈیوں کے پنجر تھے۔ اس سے آگے ایک اور کمرہ تھا جو صحیح معنوں میں شیش محل تھا۔ چھت اونچی اور دیواروں پر چتر کاری کی گئی تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ سیڑھیاں اور ان پر ایک پتھر کی کرسی اور کرسی پر ریمینس کا بت بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بھی پتھر کا تھا۔

سیڑھیوں پر ہڈیوں کے پنجر اور کھوپڑیاں پڑی تھیں۔ قدومی نے ایک کھوپڑی کے ساتھ موتیوں کا ایک ہار دیکھا جس کے ساتھ ایک نیلا ہیرا تھا۔ کانوں میں ڈالنے والے زیورات تھے اور انگوٹھیاں بھی چند اور ڈھانچوں کے ساتھ اُس نے ہار اور زیورات دیکھے۔ مارکونی نے ایک ہار اُٹھایا، ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی ان موتیوں اور ہیروں کی چمک ماند نہیں پڑی تھی۔ مشعل کی روشنی سے ہیرے رنگارنگ شعاعیں دیتے تھے۔ مارکونی ہار قدومی کے گلے میں ڈالنے لگا تو قدومی چیخ کر اسماعیل کے پیچھے ہوگئی۔ مارکونی نے قہقہہ لگا کر کہا...... ''میں نے کہا تھا کہ تمہیں ملکہ قلوپطرہ بناؤں گا۔ ڈرو مت قدومی! یہ سب ہار تمہارے ہیں''۔

''نہیں!''...... قدومی نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا...... ''نہیں! میں نے ان کھوپڑیوں اور ہڈیوں میں اپنا انجام دیکھ لیا ہے۔ یہ بھی مجھ جیسی تھیں۔ یہ اُس ''خدا'' کی محبوبہ کا ہار ہے جو یہیں کہیں مرا پڑا ہے۔ میں نے ان کا انجام دیکھ لیا ہے، جنہیں تکبر نے 'خدا' بنایا۔ میں نے اپنا خدا دیکھ لیا ہے''...... وہ اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ اُس نے اسماعیل کو گھسیٹتے ہوئے کہا...... ''مجھے یہاں سے لے چلو۔ مجھے لے چلو یہاں سے۔ میں ہڈیوں کا پنجر ہوں''...... اُس کے گلے میں اپنا ہار تھا۔ اُس نے یہ ہار اُتار کر ہڈیوں پر پھینک دیا۔ انگلیوں سے بیش قیمت انگوٹھیاں اُتار کر پھینک دیں اور چلانے لگی...... ''میں نے اپنا انجام دیکھ لیا ہے۔ میں نے خدا دیکھ لیا ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو''۔

مارکونی ایک اور کمرے میں جا چکا تھا۔ اسماعیل نے قدومی سے کہا...... ''ہوش میں آؤ۔ ہم چلے گئے تو یہ سارا خزانہ یہ دونوں صلیبی اُٹھا لے جائیں گے''...... اسماعیل کو ایک اور راستہ نظر آ گیا۔ مشعل اُس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ قدومی کو اُس طرف لے گیا اور وہ ایک اور فراخ کمرے میں داخل ہوئے۔ وسط میں ایک چبوترے پر تابوت رکھا تھا، چہرہ ننگا تھا۔ یہ فرعون ریمینس دوم جس کے آگے لوگ سجدے کرتے تھے۔ لاش حنوط کی ہوئی تھی۔ چہرہ بالکل صحیح تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھی۔ اسماعیل اس چہرے کو بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ قدومی نے بھی دیکھا، پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں بھی ہڈیوں کے پنجر نظر آئے اور وہیں انہیں بڑے خوش نما بکس بھی دکھائی دیے۔ ایک بکس کا ڈھکنا کھلا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس میں سونے کے زیورات اور ہیرے پڑے تھے۔ ان پر ایک انسانی بازو کی ہڈی اور ایک ہاتھ کی ہڈیاں پھیلی ہوئی تھی۔ بکس کے ساتھ کھوپڑی اور باقی ہڈیاں پڑی تھیں۔

''آہ انسان!''...... اسماعیل نے کہا...... ''اس شخص نے مرنے سے پہلے یہ زیورات اور ہیرے اُٹھانے کی کوشش

کی۔ اسے اُمید ہوگی کہ یہاں سے نکل بھاگے گا مگر دم گھٹنے سے خزانے کے اوپر مر گیا۔ بوڑھے نے ٹھیک کہا تھا کہ انسان کی دشمن بھوک نہیں ہوس ہے"۔ اُس نے بکس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا...... "قدومی! تم بھی ہوس لے کے آئی ہو۔ میں تمہیں کچھ دے دوں"۔

"نہیں اسماعیل!"...... قدومی نے اس کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا...... "میری ہوس مر چکی ہے، قدومی مر چکی ہے"۔

اسماعیل نے پھر بھی بکس میں ہاتھ ڈالا۔ قدومی نے چلا کر کہا...... بچو اسماعیل!

اسماعیل اُستاد تھا۔ وہ ایک طرف گر کر لڑھک گیا اور اُٹھا، اُس نے دیکھا کہ مارکونی تلوار سونتے اُس پر حملہ آور ہوا تھا۔ اُس کی تلوار کا وار بکس پر پڑا۔ مارکونی کی آواز سنائی دی...... "یہ میرا خزانہ ہے"...... اتنے میں مارکونی کا ساتھی بھی آ گیا۔ اسماعیل کے پاس خنجر تھا، جس سے وہ تلوار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ قدومی کو قریب ہی ایک برچھی پڑی نظر آ گئی۔ مارکونی اسماعیل پر وار کر رہا تھا جو وہ مشعل سے روک رہا تھا۔ مارکونی کے ساتھی نے بھی اسماعیل پر حملہ کیا۔ دونوں صلیبی خزانہ دیکھ کر پاگل ہو چکے تھے۔ قدومی کو انہوں نے نہ دیکھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ جوں ہی مارکونی کی پیٹھ قدومی کی طرف ہوئی، قدومی نے پوری طاقت سے برچھی اُس کے پہلو میں اُتار دی۔ برچھی نکال کر ایک اور وار کیا اور اُسے لڑھکا دیا۔ اس کا ایک ہی ساتھی رہ گیا۔ وہ قدومی پر تلوار کا وار کرنے کو لپکا تو اسماعیل نے خنجر سے اس کے پہلو سے پیٹ چیر ڈالا۔

قدومی جو خزانے میں سے حصہ لینے گئی تھی، اپنے گلے کا ہار، بیش قیمت دو انگوٹھیاں اور کانوں کے زیورات وہاں پھینک کر اسماعیل کے ساتھ باہر نکل آئی۔ دہانے والے دروازے سے نکلتے ہوئے اسماعیل نے جلتی ہوئی مشعل اندر ہی پھینک دی۔ وہ دونوں ان اشیا کے علاوہ بہت کچھ اندر ہی پھینک آئے تھے۔ قدومی کو جب باہر کی تازہ ہوا لگی تو اُس نے اسماعیل سے کہا...... "ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو؟ میں کون ہوں؟"

"میں بھی کچھ ایسے ہی محسوس کر رہا ہوں"۔ اسماعیل نے کہا۔ "ہم شاید سارے گناہ اندر ہی پھینک آئے ہیں"۔

اس علاقے سے باہر نکلنے کا راستہ انہیں معلوم تھا۔ وہ باہر نکل گئے۔ باہر تھوڑے سے اونٹ کھڑے تھے، باقی معلوم نہیں کہاں غائب ہو گئے تھے۔ وہ دو اونٹوں پر بیٹھے اور قاہرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

☆

وہ اگلی رات تھی۔ آدھی رات گزر گئی تھی، جب غیاث بلبیس نے قدومی اور اسماعیل کی ساری داستان ہر ایک تفصیل کے ساتھ سُن کر لمبی آہ بھری اور کہا...... "مجھے صلاح الدین ایوبی کی باتیں اب صحیح معلوم ہو رہی ہیں۔ اس نے کہا تھا، ان خزانوں سے دُور رہو"۔

غیاث بلبیس شہری امور کا کوتوال تھا۔ اسماعیل اور قدومی اُسے اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ وہ صحرا سے لوٹ کر احمر درویش کے پاس جانے کی بجائے غیاث بلبیس کے پاس چلے گئے اور اُسے ساری واردات سُنا کر بتایا کہ اس کا اصل سرغنہ احمر درویش ہے۔ غیاث بلبیس نے اُسی وقت علی بن سفیان کو اپنے پاس بلا لیا۔ اُسے یہ واردات سنائی۔ احمر معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ ان دونوں نے سلطان ایوبی کو جا جگایا اور اجازت مانگی کہ وہ احمر درویش کو گرفتار کر لیں۔ انہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے فوج کے کچھ آدمی ساتھ لیے اور احمر درویش کے گھر چھاپہ مارا۔ سارے گھر کی تلاشی لی۔ وہاں سے وہ نقشے اور کاغذات برآمد ہوئے جو پرانی دستاویزات کے پلندے سے غائب تھے۔

صبح علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کے ساتھ فوج کے ایک بڑے دستے کو اس پُراسرار علاقے کی طرف بھیجا

گیا، جہاں ریمینس کا مدفن تھا۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا تھا کہ ثبوت وغیرہ دکھ کر مدفن کو اسی طرح بند کر دیا جائے، جس طرح پہلے تھا۔ کسی کو اندر نہ جانے دیا جائے۔ اسماعیل راہنمائی کر رہا تھا۔ وہاں گئے تو وہ جگہ خونچکاں کہانی بیان کر رہی تھی۔ فوج کی مدد سے مدفن کے دہانے کو اُسی وزنی چوکور پتھر سے بند کر دیا گیا۔ چٹان جو نیچے پڑی تھی، اسے فوج کی ایک بڑی جمعیت نے رسّوں اور زنجیروں سے اوپر کیا اور فرعون ایک بار پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا، مگر اب وہ اپنے جیسے دو اور گناہگاروں کی لاشیں اپنے مدفن میں لے گیا۔

اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟

صلیبیوں کا سن ۱۱۷۴ء دُنیائے اسلام کے لیے اچھا ثابت نہ ہوا۔ یہ مسلمانوں کا سن ۵۶۹ ہجری تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان نے سال کے آغاز میں یہ خبر سنائی کہ عکرہ میں اپنا ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا پکڑا گیا ہے۔ یہ اطلاع ایک اور جاسوس لایا تھا جو ان دونوں کے ساتھ تھا۔ یہ جاسوس کچھ قیمتی معلومات بھی لایا تھا، لیکن ایک جاسوس کی شہادت اور دوسرے کی گرفتاری نے سلطان ایوبی کو پریشان کر دیا۔ علی بن سفیان بھانپ گیا کہ سلطان ایوبی کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گیا ہے۔ فوجی سراغ رسانی اور جاسوسی کا یہ ماہر سربراہ جانتا تھا کہ سلطان ایوبی نے سینکڑوں فوجیوں کی شہادت پر بھی کبھی پریشانی اور افسوس کا اظہار نہیں کیا، لیکن ایک چھاپہ مار یا کسی ملک میں بھیجے ہوئے ایک جاسوس کی شہادت کی خبر سن کر اُس کا چہرہ بجھ جایا کرتا ہے۔

اب ایک جاسوس کی شہادت اور ایک کی گرفتاری کی اطلاع پر علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے چہرے پر رنج کا تاثر دیکھا تو اس نے کہا..... ''امیر محترم! آپ کا چہرہ اُداس ہوتا ہے تو لگتا ہے سارا عالمِ اسلام ملول ہو گیا ہے۔ اسلام کی آبرو جانوں کی قربانی مانگتی ہے۔ ایک دن ہم دونوں کو بھی شہید ہونا ہے۔ ہمارے دو جاسوس ضائع ہو گئے ہیں تو میں دو اور بھیج دوں گا۔ یہ سلسلہ رُک تو نہیں جائے گا''۔

''یہ سلسلہ رُک جانے کا مجھے خدشہ نہیں علی!'' سلطان ایوبی نے رنجیدہ سی مُسکراہٹ سے کہا..... ''کسی چھاپہ مار کی شہادت میرے ذہن میں یہ سوچ بیدار کر دیتی ہے کہ ایک یہ سرفروش ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل، وطن سے دُور، اپنے بیوی بچوں، بہن بھائیوں اور ماں باپ سے دُور دشمن کے ملک میں تن تنہا اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور جان کی قربانی دیتے ہیں اور ایک یہ ایمان فروش ہیں جو گھروں میں بادشاہوں کی طرح رہتے، عیش و عشرت کرتے اور اسلام کی جڑیں کاٹنے میں اپنے دشمن کا ہاتھ بٹاتے ہیں''۔

''کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ سالاروں، نائب سالاروں اور تمام کمان داروں کو باقاعدہ وعظ دیئے جایا کریں؟'' علی بن سفیان نے کہا..... ''آپ انہیں مہینے میں ایک بار اسلام کی عظمت اور صلیبیوں کے عزائم کے متعلق وعظ دیا کریں۔ میرا خیال ہے کہ جن کا رجحان دشمن پروری کی طرف ہے، انہیں بتایا جائے کہ اُن کا دشمن کون ہے اور کیسا ہے تو وہ اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کر لیں گے''۔

''نہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا.....''جب انسان ایمان بیچنے پر آتا ہے تو اُس کے آگے قرآن رکھ دو تو وہ اس مقدس کتاب کو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دے گا۔ ایک طرف صرف الفاظ ہوں اور دوسری طرف دولت، عورت اور شراب تو انسان الفاظ سے متاثر نہیں ہوتا۔ الفاظ نشہ دے سکتے، بادشاہی نہیں دے سکتے۔ ہماری قوم کے غدار بچے نہیں۔ وہ گنوار اور جاہل نہیں۔ وہ سب حاکم ہیں۔ فوج اور حکومت کے اونچے عہدے کے لوگ ہیں۔ وہ سپاہی نہیں۔ دشمن کے ساتھ سازباز حاکم

ہی کیا کرتے ہیں۔ سپاہی لڑتے اور مرتے ہیں۔ انہیں جھانسے دے کر بغاوت پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ میں کسی کو وعظ اور خطبہ نہیں دُوں گا۔ خطبے دینے والے حکمران دراصل کمزور اور بددیانت ہوتے ہیں۔ وہ قوم کا دل الفاظ سے اور جوشیلے خطبوں سے پرچایا کرتے ہیں۔ خطبے اور تقریریں کمزوری کی علامت ہوتی ہیں۔ میں فوج اور قوم سے یہ نہیں کہوں گا کہ ہم فاتح اور خوش حال ہیں۔ میں حالات کو بدلوں گا، پھر حالات بتائیں گے کہ ہم امیر ہیں یا غریب، فاتح ہیں یا شکست خوردہ۔ قوم اور فوج مجھ سے اناج مانگے گی تو میں انہیں الفاظ کی خوراک نہیں دُوں گا۔ غداروں کو میں سزا دوں گا۔ انہیں جینے کے حق سے محروم کر دُوں گا۔ علی بن سفیان! مجھے الفاظ میں نہ الجھاؤ۔ اگر مجھے بولنے کی عادت پڑ گئی تو میں جھوٹ بولنا بھی شروع کر دوں گا''۔

مصر میں بغاوت کا جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا، وہ ختم کر دیا گیا تھا۔ اعلیٰ عہدوں کے چند ایک حاکم پکڑے گئے اور سزا پا چکے تھے۔ دو نے خود ہی سلطان ایوبی کے پاس آ کر اقبالِ جرم کیا اور معافی لے لی تھی۔ سلطان ایوبی کا یہ کہنا بالکل صحیح تھا کہ غداری اور بے اطمینانی پیدا کرنے کے ذمہ دار مفاد پرست حاکم ہوتے ہیں۔ فوج اور قوم کو گمراہ کر کے سبز باغ دکھائے جاتے اور بغاوت پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ مصر میں ۱۱۷۴ء کے آغاز تک فوج میں بغاوت کا نام ونشان تک نہ رہا تھا۔ البتہ صلیبی جاسوسی اور تخریب کاری میں بدستور مصروف تھے۔ صلیبیوں کے جاسوس اور تخریب کار مصر میں موجود اور سرگرم تھے۔ یہ سلسلہ روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے بھی اپنے جاسوس اُن علاقوں میں بھیج رکھے تھے جو صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ سلطان ایوبی اس زمین دوز جنگ کا ماہر تھا۔

پاک فلسطین کی سرزمین کا ایک مقام تھا جو اس لحاظ سے اہم تھا کہ وہاں صلیبیوں کا سب سے بڑا پادری ہے جسے صلیب اعظم کا محافظ کہا جاتا تھا، رہتا تھا۔ وہیں سے صلیبی کمانڈر ہدایات اور حوصلہ افزائی حاصل کرتے تھے اور عکرہ اُس دور میں صلیبیوں کی ہائی کمانڈ کا ہیڈ کوارٹر بن گیا تھا۔ جب نورالدین زنگی نے کرک کا قلعہ فتح کر لیا تو صلیبی عکرہ کو ہیڈ کوارٹر بنا کر بیت المقدس کو سلطان ایوبی اور نورالدین زنگی سے بچانے کی سکیمیں بنا رہے تھے، وہاں کے حالات معلوم کرنے اور دشمن کی سکیم کی اطلاع کرک میں زنگی کو یا قاہرہ میں سلطان ایوبی کو پہنچانے کے لیے تین جاسوس بھیج دیئے گئے تھے۔ ان کا کمانڈر عمران نام کا ایک نڈر اور ذہین جاسوس تھا۔ یہ علی بن سفیان کا انتخاب تھا۔

یہ تینوں نہایت خوبی سے عکرہ میں داخل ہو گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے شوبک کا قلعہ اور شہر فتح کیا تو وہاں سے بے شمار عیسائی اور یہودی کرک کی طرف بھاگ گئے تھے۔ مسلمانوں نے کرک پر چڑھائی کر کے یہ شہر بھی لے لیا تو وہاں سے بھی غیر مسلم بھاگے اور مختلف مقامات پر چلے گئے۔ ان دونوں مفتوحہ جگہوں کے اردگرد کے علاقوں کے بھی عیسائی اور یہودی بھاگ گئے تھے۔ سلطان ایوبی کا انٹیلی جنس کا محکمہ بھی اپنی فوج کے ساتھ تھا۔ علی بن سفیان کی ہدایت کے مطابق کئی جاسوس عیسائیوں کے بہروپ میں عیسائیوں کے علاقوں میں بھیج دیئے گئے۔ ان میں سے تین کو یہ مشن دیا گیا کہ وہ عکرہ سے جنگی معلومات حاصل کر کے قاہرہ بھیجیں۔ انہیں وہاں صلیبی فوج کی نقل وحرکت پر نظر رکھنی تھی۔ غیر مسلم آبادی میں مسلمان فوج کی دہشت بھی پھیلانی تھی اور یہ اطلاع بھی دینی تھی کہ وہاں کس قسم کی تباہ کاری (سبوتاژ) کی جا سکتی ہے۔

یہ تینوں لٹے پٹے عیسائیوں کے بہروپ میں عکرہ داخل ہو گئے۔ اُن دنوں وہاں یہ حالت تھی کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ وہ سب ہراساں تھے اور پناہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ پناہ کے بعد روزگار کا مسئلہ تھا۔ عمران اور اس کے دونوں جاسوسوں کو وہاں عیسائیوں کی حیثیت سے پناہ مل گئی۔ تینوں ذہین اور تربیت یافتہ تھے۔ عمران سیدھا بڑے پادری کے پاس چلا گیا۔ اپنے آپ کو کسی ایسے علاقے کا پناہ گزین ظاہر کیا جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اُس نے اس طرح باتیں

کیں جیسے اُس پر مذہب کا جنون طاری ہے اور وہ خدا کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس کی بیوی اور بچے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ اُسے ان بچوں کا اور بیوی کا کوئی غم نہیں۔ اُس نے بے تابی سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ کلیسا کی خدمت کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اس نے سنا ہے کہ خدا اور روحانی سکون کلیسا میں ہے۔ اُس نے اپنا نام جان گنتھر بتایا۔

''......اور میں نے تو اسلام قبول کر ہی لیا تھا''۔ عمران نے پادری سے کہا...... ''اُن کے ایک مولوی نے کہا تھا کہ خدا مسجد میں ہے۔ میری بیوی اور میرے بچے مجھ سے نالاں اور شاکی تھے کہ میں کوئی کام کاج نہیں کرتا تھا۔ خدا اور روحانی سکون کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہتا تھا۔ میں خدا کے وجود پر یقین رکھتا ہوں۔ وہ خدا ہی تھا جس نے میری بیوی کو مسلمانوں کے ہاتھوں مروا کر اپنی پناہ میں لے لیا، کیونکہ جو اُس کا خاوند تھا، اُسے روٹی نہیں دیتا تھا۔ وہ خدا ہی تھا جس نے میرے بچوں کو بھی سنبھال لیا، کیونکہ وہ ماں کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے اور میں جو اُن کا باپ تھا، ان کی طرف سے بے پروا تھا۔ میں مسلمان ہو چلا تھا مگر مسلمانوں نے میرے معصوم بچوں کو مار ڈالا۔ انہوں نے ہم پر بہت مظالم ڈھائے۔ میں جان گیا کہ خدا مسلمان کے سینے میں نہیں ہے، کہیں اور ہے۔

اُس نے اچانک پادری کے کندھے تھام کر اُسے جھنجھوڑا اور دانت پیس کر پوچھا...... ''مقدس باپ! مجھے بتاؤ میں پاگل تو نہیں ہو گیا؟ میں اپنی جان اپنے ہاتھوں لے لوں گا۔ میں اگلے جہان تمہارا گریبان پکڑ کر خدا کے سامنے لے جاؤں گا اور کہوں گا کہ یہ شخص مذہبی پیشوا نہیں، ایک ڈھونگ تھا۔ اس نے مذہب کے نام پر لوگوں کو دھوکے دیئے ہیں''۔

اُس کی ذہنی کیفیت ایسی ہو گئی کہ صلیبِ اعظم کا محافظ چونک پڑا۔ اُس نے عمران کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا......

''تم میرے غمزدہ بیٹے ہو۔ خدا تمہارے اپنے سینے میں ہے جو تمہیں خدا کے بیٹے کے معبد میں نظر آئے گا۔ تم عیسائی ہو جان گنتھر! تم اسی مذہب اور اسی روپ میں خدا کو پا لو گے۔ تم جاؤ، ہر صبح میرے پاس آجایا کرو۔ میں تمہیں خدا دکھادوں گا''۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گا مقدس باپ!''۔ عمران نے کہا...... ''میرا کوئی گھر نہیں۔ دُنیا میں میرا کوئی نہیں رہا۔ مجھے اپنے پاس رکھیں۔ میں آپ کی اور خدا کے بیٹے کی معبد کی اتنی خدمت کروں گا، جتنی آپ نے بھی نہیں کی''۔

عمران نے علی بن سفیان سے تربیت لی تھی۔ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو چونکہ صلیبیوں کے راز معلوم کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اس لیے انہیں عیسائیت کے متعلق، گرجوں کے اندر کے آداب اور طور طریقوں کے متعلق نہ صرف معلومات دی گئیں، بلکہ ریہرسل بھی کرائی گئی تھی۔ عمران نے اس ریہرسل کو ایسی خوبی سے عملی شکل دی کہ بڑا پادری اور اُس کے چیلے چانٹے اس سے بہت متاثر ہوئے اور سے گرجے میں رکھ لیا۔ عمران نے پادری کی خدمت ایسا والہانہ انداز سے شروع کر دی کہ وہ پادری کا خصوصی ملازم بن گیا۔ چونکہ وہ ذہین بھی تھا، اس لیے اُس نے پادری کے دل پر قبضہ کر لیا۔ پادری نے تسلیم کر لیا کہ یہ شخص غیر معمولی طور پر ذہین ہے، لیکن اس پر مذہب کا جنون اتنی شدت سے طاری ہو گیا ہے کہ اس کی ذہانت بے کار ہو رہی ہے۔ پادری نے اس کی تعلیم و تربیت شروع کر دی۔

☆

عمران کا ایک ساتھی ایک عیسائی تاجر کے پاس گیا اور بتایا کہ وہ کرک سے بھاگا ہوا عیسائی ہے جہاں اس کا سارا خاندان مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اُس نے اپنی داستانِ غم ایسے جذباتی انداز سے سنائی کہ تاجر نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ وہ رحیم ہنگورہ نام کا سوڈانی مسلمان تھا۔ عمران کی طرح ذہین، دلیر اور خوبرو۔ اُس نے اس تاجر کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اُس نے چند دن صرف کر کے دیکھا تھا کہ وہاں صلیبی فوج کے افسر آتے ہیں اور فوج کے لیے

سامان خریدتے ہیں۔ ٹریننگ اور اپنی عقل کے زور پر وہ تاجر کا قابلِ اعتماد ملازم بن گیا۔ چند دنوں بعد تاجر نے اُسے گھر کے کام بھی دینے شروع کر دیئے۔ رحیم نے ایلی مُور کے عیسائی نام سے تاجر کے گھر والوں پر بھی اپنا اثر قائم کر لیا۔ اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے تاجر کی بیوی، اُس کی جوان بیٹی اور بیٹے کو ایسے انداز سے اپنی تباہی کی کہانی سنائی تھی کہ ان سب کے آنسو نکل آئے تھے۔ اُس نے انہیں بتایا کہ اس کا مکان انہیں کے مکان جیسا تھا، ایسی ہی سجاوٹ تھی۔ ایسا ہی سامان تھا۔ اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا تھا۔ تاجر کی بیٹی جیسی خوب صورت جوان بہن تھی۔ اُس کے گھر میں حاجت مندوں کو نوکر رکھا جاتا اور بھوکوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اب خدا نے یہ دن دکھایا ہے کہ میں نوکری کر رہا ہوں۔

تاجر کی بیٹی ایلس اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئی۔ وہ رحیم سے اس کی بہن کے متعلق ہی پوچھتی رہی۔ رحیم نے کہا...... ''وہ بالکل تمہاری طرح تھی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے بہن اور زیادہ یاد آنے لگی ہے۔ اگر وہ مر جاتی تو اتنا غم نہ ہوتا۔ غم یہ ہے کہ مسلمان اُسے اُٹھا لے گئے ہیں۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ اُس کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ مجھے اب یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ اُسے مسلمانوں سے کس طرح رہائی دلاؤں۔ کبھی دل میں زیادہ اُبال اُٹھا تو شاید میں پاگلوں کی طرح وہیں جا پہنچوں، جہاں بہن کو چھوڑ آیا ہوں۔ بہن تو نہیں ملے گی، مجھے موت مل جائے گی۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا''۔

ماں بیٹی نے ضرور سوچا ہوگا کہ اتنا خوبرو جوان جوانی کی عمر میں ہی غم میں گھلنے لگا ہے اور اس کی جذباتی حالت بتا رہی ہے کہ اس کا غم ہلکا نہ کیا گیا تو یہ پاگل ہو جائے گا یا خودکشی کر لے گا۔ ایلس جو تاجر کی جوان اور غیر شادی شدہ بیٹی تھی، رحیم کے درد کو اپنے دِل میں محسوس کرنے لگی۔ یہاں تک کہ رحیم جب باہر نکلا تو ایلس نے کسی بہانے باہر جا کر رحیم کو راستے میں روک لیا اور کہا کہ وہ اُن کے گھر آتا رہا کرے۔ اُس نے رحیم سے کچھ جذباتی باتیں کر کے اُس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ ماں بیٹی نے تاجر سے بھی کہا کہ اس آدمی کا خیال رکھے۔ دراصل رحیم کی شکل وصورت اور ڈیل ڈول ایسی تھی کہ وہ کسی اونچے اور کھاتے پیتے خاندان کا بیٹا لگتا تھا۔ اس تاثر میں اگر کوئی کسر تھی تو وہ اس کی زبان اور اداکاری سے پوری ہو جاتی تھی جس کی اُسے ٹریننگ دی گئی تھی۔

تین چار روز بعد وہ تاجر کے پاس بیٹھا تھا کہ اُسے اپنا ایک ساتھی جاسوس رضا الجاوہ نظر آ گیا۔ رحیم اس کے پیچھے پیچھے گیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اُسے کوئی ٹھکانہ نہیں ملا۔ رضا تجربہ کار گھوڑ سوار تھا اور گھوڑے پالنے اور سنبھالنے کی مہارت رکھتا تھا۔ رحیم اُسے تاجر کے پاس لے آیا اور اس کا تعارف فرانسس کے نام سے کرا کے کہا کہ یہ بھی کرک کا لٹا پٹا عیسائی ہے۔ اسے کہیں نوکر کرا دیا جائے۔ رحیم نے کہا یہ گھوڑوں کے سائیسوں کا انچارج تھا۔ یہی کام کر سکتا ہے۔ تاجر نے کہا کہ اس کے پاس بڑے بڑے فوجی افسر آتے رہتے ہیں۔ ان کی وساطت سے وہ فرانسس کو ملازمت دلا دے گا...... دو تین روز بعد رضا کو اُس اصطبل میں ملازمت مل گئی جہاں فوج کے بڑے افسروں کے گھوڑے رہتے تھے۔

تاجر کے پاس فوج کے افسر آتے رہتے اور وہ ان کے پاس جاتا رہتا تھا۔ رحیم نے دیکھا کہ تاجر اُن افسروں کو شراب اور حشیش کے علاوہ چوری چھپے عورتیں بھی دیا کرتا تھا۔ اس طرح اس نے ان سب کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ رحیم تاجر کو صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے خلاف بھڑکاتا رہتا اور اس خواہش کا اظہار کرتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج پورے عرب اور مصر پر قابض ہو جائے اور کوئی مسلمان زندہ نہ رہے۔ اس خواہش میں وہ بعض اوقات اتنا بے تاب اور بے قابو نظر آتا تھا جیسے عکرہ کے مسلمانوں کا خون پی لے گا۔ تاجر اُسے تسلی دیتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج اس کی خواہش پوری کر دے گی۔ وہ

صلیبی فوج کے ان افسروں کو بھی بُرا بھلا کہنے لگتا تھا جو عکرہ میں بیٹھے عیش کر رہے تھے۔ ان جذباتی باتوں کے ساتھ ساتھ رحیم عقل مندی کی باتیں بھی کرتا تھا اور مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ایسے جنگی نقشے اور منصوبے بناتا تھا کہ تاجر اُسے غیر معمولی طور پر دانش مند سمجھتا تھا۔ ایسے ہی جذبات اور دانش مند باتوں کا نتیجہ تھا کہ تاجر نے اُسے وہ فوجی راز دینے شروع کر دیئے جو اُسے فوجی افسروں سے حاصل ہوتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ایلس رحیم کی گرویدہ ہوگئی۔ رحیم نے ابتدا میں اسے بھی اپنے فرض کی ایک کڑی سمجھا لیکن ایلس کے والہانہ پن نے رحیم کے دِل میں اُس کی محبت پیدا کر دی۔ رحیم نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنا فرض پورا کر کے وہ ایلس کو اپنے ساتھ قاہرہ لے جائے گا اور اُسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کر لے گا، مگر ابھی دونوں کو معلوم نہیں تھا کہ صلیبی فوج کا ایک بڑا افسر اس لڑکی پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

رضا الجاوہ بھی تربیت یافتہ جاسوس تھا۔ اصطبل میں اُسے فوج کے کسی بڑے افسر کا گھوڑا مل گیا تھا۔ اس افسر نے محسوس کیا کہ رضا عام قسم کا سائیس نہیں بلکہ عقل و دانش بھی رکھتا ہے۔ وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا، جب کبھی یہ افسر اصطبل میں آتا تو رضا اس سے پوچھتا۔ ''صلاح الدین ایوبی کو آپ کب شکست دے رہے ہیں؟'' اور پھر وہ بتاتا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں کیا خوبیاں اور صلیبی فوج میں کیا خامیاں ہیں۔ ایک روز اُس نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو اگر کوئی جنگی امور کا ماہر نہ کہے تو کم از کم ایک سائیس کے دماغ میں نہیں آسکتی۔ اس افسر نے اُسے کہا۔ تم کون ہو؟ تمہارا پیشہ سائیسی نہیں ہوسکتا''۔

''آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میرا پیشہ سائیسی ہے؟'' رضا نے کہا۔ ''میں کرک میں گھوڑوں کا مالک تھا۔ میں خود تو فوج میں نہیں تھا۔ میرے دو گھوڑے جنگ میں گئے تھے۔ یہ تو زمانے کے انقلاب ہیں کہ گھوڑوں کا مالک آج اصطبل میں سائیس ہے۔ مجھے اس کا کوئی غم نہیں۔ اگر آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دیں تو میں باقی عمر آپ کے جوتے صاف کرتے گزار دوں گا''۔

''صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے فرانس!'' اس نے رضا سے کہا۔

''لیکن کیسے؟'' رضا نے کہا...... ''اگر ہمارے بادشاہوں نے کرک اور شوبک پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو اسی طرح محاصرے میں لے کر شکست دینے کی کوشش کی، جس طرح انہوں نے ہمیں محاصرے میں لیا تھا تو آپ کامیاب نہیں ہوں گے۔ صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی جنگ کے اُستاد ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے ہماری فوج کو قلعوں سے دور رکھنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ عقل مندی اس میں ہوگی کہ حملہ کسی ایسی سمت سے کیا جائے جو ایوبی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ ایوبی اور زنگی قلعوں میں بیٹھے رہیں اور آپ مصر پر چھا جائیں''۔

''ایسے ہی ہوگا''۔ افسر نے معنی خیز مُسکراہٹ سے کہا...... ''سمندر میں کوئی قلعہ نہیں ہوتا۔ مصر کے ساحل پر کوئی قلعہ نہیں۔ مصر پر اب صلیب کی حکمرانی ہوگی''۔

یہ ابتدا تھی۔ اس کے بعد رضا نے اس افسر سے کئی ایک راز کی باتیں معلوم کر لیں۔ دشمن اپنا جنگی راز تفصیل سے بیان نہیں کیا کرتا۔ ہوشیار جاسوس اشاروں میں باتیں اُگلو لیتا اور ان اشاروں کو اپنے فن کے مطابق جوڑ کر وہ کہانی بنا لیتا ہے، جسے راز کہتے ہیں۔

☆

رحیم اور رضا ہر اتوار کو صبح گرجے میں جاتے اور عمران سے ملاقات کر لیتے اور اُسے اپنی رپورٹیں بھی دیا کرتے

تھے۔ رحیم نے عمران کو بتا دیا تھا کہ تاجر کی بیٹی ایلس اُسے بڑی شدت سے چاہنے لگی ہے۔ عمران نے اُسے کہا کہ وہ اس کی محبت کو ٹھکرائے نہیں، ورنہ اُسے اس جگہ سے نکال دیا جائے اور یہ احتیاط بھی کرے کہ اس کی محبت میں ہی نہ گم ہو جائے مگر رحیم ایلس کے حسن و جوانی میں گم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُن کی شادی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ عکرہ سے بھاگ چلیں، کیونکہ کوئی فوجی افسر لڑکی کے باپ کے ساتھ دوستانہ گانٹھ رہا تھا۔ رحیم نے عمران کو یہ صورتِ حال نہ بتائی۔

عمران نے پادری کا قُرب اور اعتماد اس حد تک حاصل کر لیا تھا کہ اُس کا ہمراز درباری بن گیا تھا۔ وہ پادری سے ایسے سوال پوچھتا تھا جن میں ذہانت کی پختگی اور علم کی تشنگی ہوتی تھی۔ پادری اپنی فراغت کے اوقات میں اُسے مذہب کے سبق دیا کرتا تھا۔ وہ عمران کو یہ ذہن نشین کرا رہا تھا کہ عیسائیت کا یہ فرض ہے کہ کرۂ ارض سے اسلام کا وجود ختم کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے جنگ کی جائے اور جو بھی ذریعہ کامیاب ہو سکتا ہے، استعمال کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کو قتل کیا جائے۔ انہیں ہر ذریعے سے عیسائیت میں لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ عیسائیت قبول نہ کریں تو ان کے ذہنوں سے اسلام بھی نکال دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں بدی کا بیج بو دیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنی عورتوں کو استعمال کیا جائے۔ یہ عورتیں مسلمان عورتوں میں بدکاری پیدا کریں اور جوان لڑکیاں مسلمان نوجوانوں اور ان کے حکمرانوں اور حاکموں کا کردار تباہ کریں۔ چونکہ یہودی بھی مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ اپنی عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو تباہ کاری کے لیے یہودی عورتوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مقصد یہ سامنے رکھا جائے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا ہے۔ پھر ہر طریقہ اختیار کیا جائے، وہ خواہ دوسروں کی نظر میں ناجائز، ظالمانہ اور شرمناک ہی کیوں نہ ہو۔

عمران پادری سے ایسی باتیں سنتا اور اطمینان کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ وہاں فوجی افسر اور حکومت کے افسر بھی آتے رہتے تھے۔ اُن دنوں چونکہ صلیبیوں کو یکے بعد دیگرے دو میدانوں میں شکست کھا کر بھاگنا پڑا تھا، اس لیے عکرہ میں ہر کسی کی زبان پر یہی سوال تھا کہ جوابی حملہ کب کیا جائے گا۔ پادری کی ذاتی محفل میں تو اور کوئی بات ہوتی ہی نہیں تھی۔ عمران وہاں سے قیمتی راز حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ صلیبی حکمرانوں میں اتفاق اور اتحاد نہیں ہے۔ اُن کی اپنی بادشاہیاں اور سلطنتیں تھیں، وہ چونکہ ہم مذہب تھے، اس لیے صلیب پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسلام کے خاتمے کی جنگ شروع کر دی تھی مگر اندر سے وہ پھٹے ہوئے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے۔ جو در پردہ مسلمانوں کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر کے اپنے صلیبی بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی تیاریاں بھی کرتے رہتے تھے۔ ان میں قابلِ ذکر ریمنڈ مینوئل تھا جس نے ایک میدان میں نورالدین زنگی کے ساتھ صلح کر کے تاوان ادا کیا اور مسلمانوں کے جنگی قیدی رہا کر دیئے تھے۔ اب ریمنڈ مینوئل دوسرے حکمرانوں کو بھڑکا رہا تھا کہ وہ سب مل کر زنگی پر حملہ کریں۔ حملے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک زنگی پر اور دوسرا مصر پر۔ اُس وقت زنگی کرک میں تھا۔

بہر حال پادری اُن کے نفاق پر پریشان رہتا تھا۔ عمران نے اُسے یہ نہ کہا کہ جو قوم اپنی لڑکیوں کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتی، اس کے افراد ایک دوسرے کو دھوکہ دینے سے کیوں گریز کریں گے۔ میدان میں ہار کر زمین دوز جنگ لڑنے والی قوم کی اخلاقی حالت یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے بھائیوں سے بھی دغا اور فریب کریں۔ عمران نے اپنے ذہن میں یہ بات سلطان ایوبی کو بتانے کے لیے محفوظ کر لی کہ اگر اسلام کی صفوں میں غدار نہ ہوں تو صلیبیوں کو فیصلہ کن شکست دے کر اُن سے یورپ بھی لیا جا سکتا ہے۔ غدار مسلمانوں کی سب سے بڑی

کمزوری بن گئے تھے۔ عکرہ کا پادری اور صلیبی حکمران مسلمانوں کی اس کمزوری پر بہت خوش تھے۔ عمران کو وہاں پتا چلا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے کردار میں تخریب کاری کی مہم اور تیز کر دی ہے۔ اُسے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کے نام بھی معلوم ہو گئے جو در پردہ صلیبیوں کے اتحادی بن چکے تھے۔ انہیں صلیبی بے دریغ یورپ کی شراب، دولت اور جوان لڑکیاں سپلائی کر رہے تھے۔

عمران اور رضا تو اپنے فرائض میں مگن تھے مگر رحیم فرض کے راستے سے ہٹتا جا رہا تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اُسے تاجر کے گھر کا ہی کوئی کام دیا جائے۔ ایلس کی محبت نے اُسے اندھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند دنوں بعد ایلس نے اُسے بتایا کہ اس کی شادی ایک ایسے فوجی افسر کے ساتھ کی جا رہی ہے جو عمر میں اُس سے بہت بڑا ہے۔ بڑا نہ بھی ہوتا تو ایلس رحیم کے سوا کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ماں سے منوا چکی تھی کہ اس افسر کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔ اس کا باپ نہیں مانتا تھا۔ وہ اِن فوجی افسروں سے ہی دولت کما رہا تھا۔ اپنی لڑکی دینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ایلس نے ایک روز اپنے گلے میں ڈالی ہوئی صلیب رحیم کے ہاتھ پر رکھ کر اُس پر اپنا ہاتھ رکھا اور صلیب کی قسم کھائی تھی کہ وہ رحیم کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کرے گی۔ رحیم نے بھی صلیب پر ایسی ہی قسم کھائی تھی۔

☆

ایک روز پادری کے پاس چار پانچ فوجی افسر آئے اور اس کے خاص کمرے میں جا بیٹھے۔ عمران نے اُن کے چہروں کے تاثرات سے محسوس کیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ عمران پادری کے کمرے میں چلا گیا۔ ایک فوجی افسر بات کرتے چپ ہو گیا۔ پادری نے عمران سے کہا...... ''جان گنتھر! تم کچھ دیر باہر ہی رہو۔ ہم کوئی ضروری باتیں کر رہے ہیں''۔

عمران دوسرے کمرے میں چلا گیا اور دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ بول رہے تھے، پھر بھی کام کی باتیں عمران کی سمجھ میں آ گئیں۔ جب فوجی افسر چلے گئے تو عمران وہاں سے اِدھر اُدھر ہو گیا تا کہ پادری کو شک نہ ہو۔ اُس نے یہ ارادہ بھی کیا کہ اسی وقت بھاگ جائے اور کہیں رُکے بغیر قاہرہ پہنچے اور سلطان ایوبی کو اطلاع کر دے کہ حملہ روکنے کی تیاری کر لے، مگر پادری نے اُسے بلا کر ایسے کام پر لگا لیا کہ وہ فوری طور پر بھاگ نہ سکا۔ اس کے علاوہ اُسے رحیم اور رضا سے بھی رپورٹیں لینی تھی۔ ممکن تھا کہ ان کے کانوں میں بھی یہ خبر پہنچی ہو، جو اس نے سنی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اُن سے تصدیق ہو جائے تو تینوں اکٹھے عکرہ سے نکل جائیں۔ اس کام کے لیے وہ تین چار روز انتظار کر سکتا تھا لیکن اس کی بے تابی اُسے ٹکنے نہیں دے رہی تھی۔

دوسرے دن وہ رضا کے پاس گیا۔ رضا اُسے اصطبل میں ملا۔ اُس نے پوچھا کہ اُسے کوئی نئی خبر ملی ہے؟ رضا نے بتایا کہ کچھ غیر معمولی سی سرگرمی نظر آ رہی ہے اور اس نے اُڑتے اُڑتے سُنی ہے کہ صلیبی جوابی حملہ خشکی کے راستے نہیں کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندر کی طرف سے آئیں گے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ان کے حملے کی تفصیل کیا ہے۔ عمران نے اُسے بتایا کہ اس حملے کو صلیبی فیصلہ کُن بنانا چاہتے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سُنا تھا، وہ رضا کو سنا دیا اور اسے یہ مشن دیا کہ وہ اس حملے کی تفصیلات معلوم کرے۔ عمران صرف تصدیق کرنا چاہتا تھا، ورنہ وہ تفصیل سے تو آگاہ ہو ہی چکا تھا۔ اُس نے رضا سے کہا کہ اب وہ ایک آدھ دن میں یہاں سے روانگی کی تیاری کرے، اُن کا فرض پورا ہو چکا ہے۔ واپسی کے لیے انہیں گھوڑوں یا اونٹوں کی بھی ضرورت تھی، جو انہیں کہیں سے چوری کرنے تھے۔

عمران رحیم سے ملنا چاہتا تھا تا کہ اُسے بھی چوکنا کر کے واپسی کی تیاری کے لیے کہہ دے، لیکن رات ہو چکی تھی

اور وہ اُس کے ٹھکانے پر جانا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ تاجر نے اُسے رہنے کے لیے جو جگہ دے رکھی تھی، وہاں جانا ٹھیک نہیں تھا۔ عمران گرجے چلا گیا۔

وہ اگر رحیم کے پاس جاتا بھی تو وہ اُسے نہ ملتا۔ وہ اپنے ٹھکانے میں بھی نہیں تھا اور وہ عکرہ میں بھی نہیں تھا۔ جب عمران اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ اُس وقت ایلس نے رحیم کو کسی اور ہی پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ صلیبیوں نے رقص اور کھانے کی محفل منعقد کی تھی۔ ایلس کے امیدوار نے اُسے اپنے ساتھ رقص کے لیے کہا تو ایلس نے اُسے ٹھکرا دیا اور وہ اس سے کم عمر کے افسروں کے ساتھ ناچتی رہی۔ اُس کے اُمیدوار نے اُس کے باپ سے شکایت کی۔ اس کا باپ بھی اس محفل میں موجود تھا، جہاں شراب کی صراحیاں خالی ہو رہی تھی۔ باپ نے ایلس کو ڈانٹ کر کہا کہ وہ اپنے منگیتر کی توہین نہ کرے اور اس کے ساتھ ناچے۔ ایلس ناراض ہو کر گھر چلی گئی اور باپ کو یہ فیصلہ سنا آئی کہ وہ اس بوڑھے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔

اس کا باپ اور امیدوار اس کے پیچھے گئے۔ وہ دُور جا چکی تھی۔ گھر جا کر دیکھا، وہ وہاں نہیں تھی۔ تلاش کرتے کرتے وہ رحیم کے کمرے سے برآمد ہوئی۔ باپ نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ اس نے تنک کر جواب دیا کہ وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے اور جہاں چاہے بیٹھ سکتی ہے۔ اُس کے اُمیدوار کو شک ہوا کہ یہاں معاملہ گڑبڑ ہے۔ ایلس کو باپ گھر لے گیا۔ اُمیدوار نے رحیم سے پوچھا کہ یہ لڑکی یہاں کیوں آئی تھی...... رحیم نے جواب دیا کہ وہ پہلے بھی یہاں آیا کرتی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ اُمیدوار بڑا افسر تھا۔ اس نے رحیم کو دھمکی دی کہ وہ یہاں سے چلا جائے، ورنہ اُسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ رحیم کے جسم میں جوانی کا خون تھا۔ اُس نے تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔ معاملہ بگڑ گیا۔ تاجر نے آکر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ ایلس کے اُمیدوار نے کہا کہ وہ اس آدمی کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔

دوسرے دن تاجر نے رحیم سے کہا کہ وہ اُسے ملازمت میں نہیں رکھ سکتا، کیونکہ فوج کے اتنے بڑے افسر کو ناراض کر کے وہ اپنا کاروبار تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ اُس نے رحیم کو یہ نصیحت کی کہ وہ وہاں سے چلا جائے، کیونکہ فوجی افسر اُسے کسی جرم کے بغیر قید خانے میں ڈال سکتا ہے۔ رحیم بھول چکا تھا کہ وہ کس مقصد کے لیے یہاں آیا ہے۔ اُس نے ایلس کو اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا لیا۔ اس کے اُمیدوار کی دھمکی کا وہ عملی جواب دینا چاہتا تھا۔ تاجر اپنی دکان میں تھا۔ رحیم اُس کے گھر گیا۔ ایلس سے ملا اور اُسے بتایا کہ اس کے باپ نے اُسے نوکری سے نکال دیا ہے۔ ایلس اس کے ساتھ بھاگ جانے کو تیار ہو گئی۔ بھاگنے کا وقت شام کے بعد کا مقرر کیا گیا، جب اُس کا باپ گھر نہیں ہوتا تھا۔

رات کو اُس وقت جب عمران رضا کے پاس بیٹھا، اس راز کے متعلق باتیں کر رہا تھا، جس کے لیے انہوں جان کا خطرہ مول لے رکھا تھا۔ رحیم ایلس کے انتظار میں شہر سے باہر اُس جگہ کھڑا تھا جو اسے ایلس نے بتائی تھی۔ ایلس نے اُسے کہا تھا کہ وہ باپ کے گھوڑے پر آئے گی اور وہ دونوں ایک ہی گھوڑے پر بھاگیں گے۔ وہ بے صبری سے ایلس کا انتظار کر رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ وہ باپ کا گھوڑا کس طرح چُرا کر لا سکے گی...... لڑکی نے گھوڑا چُرا لیا تھا۔ اس پر زین ڈال کر کس لی تھی اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکل بھی آئی تھی۔ رحیم نے جب اُسے دیکھا تو اُسے یقین نہ آیا کہ یہ ایلس ہے۔ اس کی آواز پر وہ گھوڑے پر اس کے پیچھے سوار ہو گیا۔ کچھ دُور تک انہوں نے گھوڑے کی رفتار آہستہ رکھی۔ شہر سے دُور جا کر رحیم نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کچھ دیر بعد وہ عکرہ سے کافی دُور جا چکے تھے۔

☆

آدھی رات کے وقت وہ ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں پانی تھا۔ رحیم نے اس خیال سے گھوڑا روک لیا کہ اسے پانی پلا لیا جائے اور آرام بھی کر لے۔ اسے معلوم تھا کہ آگے بہت دُور تک پانی نہیں ملے گا۔ اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ کسی کو کیا خبر کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اُس نے ایلس سے کہا کہ آرام کر لیں۔ سحر کی تاریکی میں روانہ ہو جائیں گے۔

''تم بیت المقدس کا راستہ جانتے ہو؟'' ایلس نے اس سے پوچھا۔

انہوں نے عکرہ سے بھاگتے وقت یہ طے کیا ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ اب لڑکی نے بیت المقدس کا نام لیا تو رحیم نے کہا..... ''بیت المقدس کیوں؟ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا جہاں تمہارے تعاقب میں کوئی آنے کی جرأت ہی نہیں کرے گا''۔

''کہاں؟'' ایلس نے پوچھا۔

''مصر''۔ رحیم نے جواب دیا۔

''مصر؟'' ایلس نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا..... ''وہ تو مسلمانوں کا ملک ہے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے''۔

''مسلمانوں کو تم نہیں جانتی ایلس!'' رحیم نے کہا۔ ''مسلمان بڑی رحم دل قوم ہے۔ تم چل کے دیکھنا''۔

''نہیں!'' ایلس نے بدک کر کہا..... ''مجھے مسلمانوں سے ڈر آتا ہے۔ بچپن سے مجھے مسلمانوں کے متعلق بڑی غلیظ باتیں بتائی گئی ہیں۔ ہمارے ہاں مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈرایا کرتی ہیں۔ مجھے مسلمانوں سے نفرت ہے''۔ وہ ڈر رہی تھی اور رحیم کے ساتھ لگ گئی تھی۔ اُس نے کہا..... ''مجھے بیت المقدس لے چلو۔ وہاں ہم شادی کر لیں گے۔ بیت المقدس کدھر ہے؟ میں سمت بھول گئی ہوں''۔

''میں مصر کی طرف جا رہا ہوں''۔ رحیم نے کہا۔

''ایلس بگڑ گئی اور پھر رونے لگی۔

''تم مسلمانوں سے نفرت کرتی ہو؟''

''بہت زیادہ!''

''اور مجھ سے تمہیں محبت ہے؟''

''بہت زیادہ!''

''اور اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں مسلمان ہوں، تو تم کیا کرو گی؟''

''میں ہنسوں گی''۔ ایلس نے کہا..... ''مجھے تمہارے لطیفے اور مذاق بہت اچھے لگتے ہیں''۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ایلس!'' رحیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''میں مسلمان ہوں اور اس قربانی پر غور کرو جو مجھ سے تمہاری محبت نے کرائی ہے۔ میں یہ قربانی بخوشی دے رہا ہوں''۔

''کیسی قربانی؟'' ایلس نے کہا..... ''تم تو پہلے ہی بے گھر تھے۔ اب ہم اپنا گھر بنائیں گے''۔

''نہیں ایلس!'' رحیم نے کہا..... ''میں اب بے گھر ہوا ہوں۔ تم اپنے گھر سے بھاگی ہو۔ میرے ساتھ شادی کر کے تم اپنا گھر بسا لو گی، لیکن میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ میں اپنے فرض کا بھگوڑا ہوں، میں اپنی فوج کا بھگوڑا ہوں..... میں جاسوس ہوں۔ عکرہ میں جاسوسی کرنے آیا تھا مگر تمہاری محبت پر میں نے اپنا فرض قربان کر دیا ہے''۔

''تم مجھے ڈرا رہے ہو''۔ ایلس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''چلو سو جاؤ۔ میں تمہیں جلدی جگا دوں گی''۔

''میں تمہیں ڈرا نہیں رہا ایلس!'' رحیم نے کہا...... ''میرا نام رحیم ہنگور ہے، ایلی مور نہیں۔ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں جہاں رکھوں گا، پورے آرام میں رکھوں گا۔ تمہیں تمہارے باپ کے گھر والی بادشاہی نہیں دے سکوں گا، لیکن تکلیف بھی نہیں ہونے دوں گا۔ تمہاری زندگی آرام سے گزرے گی''۔

''مجھے اسلام قبول کرنا پڑے گا؟'' ایلس نے پوچھا۔

''تو اس میں کیا ہرج ہے؟'' رحیم نے کہا...... ''تم ایسی باتیں نہ سوچو۔ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ سو جاؤ۔ ہمارا سفر بڑا لمبا ہے۔ باتوں کے لیے بہت وقت ہے''۔

وہ لیٹ گیا۔ ایلس بھی لیٹ گئی۔ ذرا سی دیر بعد ایلس کو رحیم کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ گہری سوچوں میں کھو گئی تھی۔

☆

رحیم کی آنکھ کھلی تو صبح کا اُجالا سفید ہو چکا تھا۔ وہ گھبرا کر اُٹھا۔ اُسے اتنی دیر نہیں سونا چاہیے تھا، آنکھیں مل کر ادھر اُدھر دیکھا۔ وہاں گھوڑا بھی نہیں تھا۔ ایلس بھی نہیں تھی۔ اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا۔ صحرا کی ویرانی کے سوا اسے کچھ بھی نہیں نظر نہ آیا۔ اُس نے ایلس کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ ملا۔ وہ سوچوں میں کھو گیا۔ ایک خیال یہ آیا کہ اُن کے تعاقب میں کوئی آ گیا ہو گا اور وہ ایلس کو سوتے میں اُٹھا کر لے گیا ہے۔ اس صورت میں رحیم کو زندہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اُسے وہ لوگ قتل کر جاتے یا اُسے اغوا کے جرم میں پکڑ لے جاتے۔ حیرت اس پر تھی کہ وہ ایلس کو ایسی خاموشی سے اُٹھا کر لے گئے کہ رحیم کی آنکھ ہی نہ کھلی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایلس خود بھاگ گئی ہے کہ اُس رحیم کو صرف اس لیے ٹھکرا دیا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

ایلس جہاں کہیں بھی گئی اور اُسے جو کوئی بھی لے گیا، رحیم کو اب یہ سوال پریشان کرنے لگا کہ وہ کہاں جائے، عکرہ واپس جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ قاہرہ جانے سے بھی ڈرتا تھا۔ اُس نے اپنا فرض پورا نہیں کیا تھا۔ اُس نے اپنے کمانڈر عمران کو نہیں بتایا تھا کہ وہ جا رہا ہے۔ سوچ سوچ کر اُس نے ایک بہانہ گھڑ لیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب قاہرہ کی بجائے کرک چلا جائے اور وہاں بتائے کہ اُسے پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور جاسوس ہے۔ وہ بڑی مشکل سے بھاگ کر وہاں سے نکلا ہے۔ اُسے مہلت نہیں ملی کہ عمران یا رضا کو اطلاع دے سکتا کہ اس کی گرفتاری کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے...... یہ اچھا بہانہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُسے کوئی یہ تو نہیں کہے گا کہ کوئی ثبوت اور شہادت لاؤ۔

وہ پانی پی کر کرک کی سمت چل پڑا۔ اسے ایلس کی گمشدگی پریشان کر رہی تھی اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُسے کبھی بھی پتا نہ چل سکے گا کہ ایلس کہاں غائب ہو گئی ہے۔

وہ بمشکل تین میل چلا ہو گا کہ اُسے دوڑتے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ گرد کا بادل اُڑا آ رہا تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا، چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سوار کون ہیں۔ اسے یہی معلوم تھا کہ وہ خود کون ہے۔ یہی خطرناک پہلو تھا۔ وہ گھوڑوں کے راستے سے ہٹ کر چلتا گیا۔ گھوڑے قریب آ گئے۔ تب اُس نے دیکھا کہ وہ صلیبی تھے اور انہوں نے گھوڑے اس کی طرف موڑ لیے تھے۔ وہ نہتہ تھا۔ بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں تھی۔ سواروں نے اُسے گھیر لیا۔ اُس نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ ایلس کا امیدوار تھا۔ اُس نے رحیم سے کہا...... ''مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم عیسائی نہیں ہو''۔

اُسے پکڑ لیا گیا اور اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر اسے ایک سوار نے لاش کی طرح گھوڑے...

گھوڑے عکرہ کی سمت روانہ ہوگئے۔ یہ وہ وقت تھا جب عمران رحیم سے ملنے گیا تو وہ اسے نہ ملا۔ تاجر کے ایک نوکر نے اُسے بتایا کہ اسے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ عمران شش و پنج میں پڑ گیا۔ رحیم جا کہاں سکتا تھا۔ اس کے پاس کیوں نہیں آیا؟...... عمران گرجے میں واپس چلا گیا۔ رضا سے وہ شام کے بعد مل سکتا تھا۔ انہیں رحیم کو ڈھونڈنا تھا۔ یہ خطرہ بھی محسوس کیا گیا کہ وہ گرفتار نہ ہوگیا ہو۔ اس صورت میں یہ خطرہ تھا کہ اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو نشاندہی نہ کردی ہو۔ عمران کو یہ سوچ پریشان کر رہی تھی کہ رحیم اگر پکڑا گیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اور رضا بھی پکڑے جائیں۔ پکڑے جانے اور مارے جانے کا انہیں فکر نہ تھا۔ فکر یہ تھا کہ انہوں نے وہ راز حاصل کر لیا تھا جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے اور اب انہیں یہاں سے نکلنا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ رضا اصطبل سے باہر کہیں کھڑا تھا۔ چار گھوڑے اصطبل کے دروازے پر رُکے۔ ایک سوار نے اپنے آگے کسی کو لاش کی طرح ڈال رکھا تھا، اُسے اُتارا گیا۔ یہ دیکھ کر رضا کا خون خشک ہوگیا کہ وہ رحیم تھا۔ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ سواروں میں ایک بڑا افسر تھا۔ رضا اُسے اچھی طرح جانتا پہچانتا تھا۔ دوسروں سے بھی وہ واقف تھا۔ رحیم کو وہ لے جانے لگے تو بڑے افسر نے رضا کو دیکھ لیا۔ اُسے ''فرانسس'' کے نام سے بلایا۔ رضا دوڑا گیا، لیکن اس کے پاؤں نہیں اُٹھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔

''چاروں گھوڑے اندر لے جاؤ''۔ اس افسر نے رضا سے کہا...... ''ہمارے سائیسوں کے حوالے کر دینا''...... اُس نے رحیم کے متعلق حکم دیا...... ''اسے اُس کمرے میں لے چلو۔

رضا کو چونکہ فرانسس کے نام سے بلایا گیا تھا، اس لیے وہ جان گیا کہ رحیم نے اس کی نشاندہی نہیں کی۔ یہ صلیبی افسر اُسے ابھی تک سائیس فرانسس سمجھ رہے تھے۔ اُس نے ایک افسر سے پوچھا...... ''یہ کون ہے؟ اس نے چوری کی ہوگی''۔

''یہ صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہے''۔ ایک فوجی نے جواب دیا اور طنزیہ لہجے میں کہا...... ''اب یہ تہہ خانے میں جاسوسی کرے گا، جاؤ گھوڑے لے جاؤ''۔

اس دوران رضا اور رحیم نے ایک دوسرے کو گہری نظروں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا۔ انہوں نے آنکھوں کے کچھ اشارے مقرر کر رکھے تھے۔ اگر ایسی صورتِ حال میں دو جاسوسوں کا سامنا ہو جائے تو وہ ایک اشارہ تو یہ کرتے تھے کہ بھاگ جاؤ۔ دوسرا یہ کہ کوئی خطرہ نہیں۔ رحیم نے رضا کو ایسا ہی ایک اشارہ کیا جس سے اُسے تسلی ہوگئی کہ اس نے کسی کی نشاندہی نہیں کی۔ تاہم ان کے لیے یہ خوشی کی بات نہیں تھی۔ اس کا ساتھی پکڑا گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ تہہ خانے میں اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ رحیم کو اب مرنا تھا مگر بڑی ہی اذیت ناک موت مرنا تھا۔ رضا کو معلوم تھا کہ رحیم کو کون سے کمرے میں لے جایا جا رہا ہے اور اس کے بعد اُسے کہاں لے جائیں گے۔

☆

عمران گرجے کے ساتھ اپنے کمرے میں پریشانی کی حالت میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ رحیم کہاں غائب ہوگیا ہے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ رضا تھا۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور گھبرائی ہوئی سرگوشی میں کہا۔ ''رحیم پکڑا گیا ہے''...... اُس نے جو دیکھا تھا وہ عمران کو سنا دیا۔ رضا نے اُسے یہ بھی بتا دیا کہ رحیم نے اشارے سے اُسے بتا دیا ہے کہ اس نے ہماری نشاندہی نہیں کی۔

''اگر ابھی نہیں کی تو تہہ خانے میں جا کر دے گا''۔ عمران نے کہا...... ''اس دوزخ میں زبان بند رکھنا آسان نہیں ہوتا''۔

ان دونوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا محال ہوگیا کہ وہ فوراً نکل جائیں یا ایک آدھ دن انتظار کر لیں۔ ایسے نازک

وقت میں ان سے ایک غلطی سرزد ہوگئی۔ وہ یہ تھی کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گئے۔ چھاپہ ماروں (کمانڈو) اور جاسوسوں کے لیے یہ ہدایت تھی کہ وہ تحمل، بردباری اور صبر سے کام لیں۔ عجلت اور جذبات سے بچیں۔ اگر ان کا کوئی ساتھی ایسے طریقے سے کہیں پھنس جائے کہ اس کی مدد کرنے میں دوسروں کے پھنسنے کا بھی خطرہ ہو تو اس کی مدد نہ کی جائے۔ رضا جذبات میں آ گیا۔ اس نے کہا...... ''میں رحیم جیسے خوب صورت اور دلیر دوست کو قید سے نکالنے کی کوشش کروں گا''۔

''ناممکن ہے''۔ عمران نے کہا اور اُسے ایسے خطرناک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں چونکہ وہیں رہتا ہوں، جہاں رحیم کو لے گئے ہیں۔ اس لیے دیکھوں گا کہ اُسے وہاں سے نکالنا ممکن ہو سکتا ہے یا نہیں''۔ رضا نے کہا...... ''میں نے وہاں اتنی دوستی پیدا کر رکھی ہے کہ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ رحیم کہاں ہے۔ اگر میں اُس تک پہنچ گیا تو رحیم آزاد ہو جائے گا یا میں بھی اس کے ساتھ ہی جاؤں گا اور اگر میں بھی پکڑا گیا تو تم نکل جانا۔ راز تمہارے پاس ہیں۔ میں رحیم کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا''۔

ناممکن تھا کہ رضا رحیم کو وہاں سے آزاد کر لیتا، لیکن اس کے جذبات اتنے شدید تھے کہ عمران بھی اس کا ہمنوا ہو گیا اور وہ حقائق کو بھول گیا۔ رضا اُسے یہ کہہ کر چلا گیا کہ رات کو کسی وقت آ کر اُسے بتائے گا کہ رحیم کی رہائی کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ اگر کوئی صورت نہ ہوئی تو وہ رات کو نکل جائیں گے۔ عمران کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ گھوڑوں کا انتظام کر لے۔ گھوڑوں کا انتظام آسان نہیں تھا۔ پادری کے باڈی گارڈوں کے گھوڑے وہاں موجود رہتے تھے۔ انہی میں سے دو یا تین گھوڑے چوری کرنے تھے۔

اس وقت تک رحیم کو قید خانے میں نہیں ڈالا گیا تھا۔ اُسے انٹیلی جنس کے دو وحشی قسم کے افسروں کے حوالے کر دیا گیا تھا، جاسوس جب پکڑا جاتا ہے تو سزا کا مرحلہ سب سے آخر میں ہوتا ہے۔ پہلے اس سے معلومات لی جاتی ہیں۔ جاسوس اکیلا نہیں ہوتا، پورا گروہ ہوتا ہے۔ گرفتار کیے ہوئے جاسوس سے یہی ایک سوال پوچھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور دوسرا سوال یہ کہ اس نے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔ رحیم سے بھی یہی سوال پوچھا گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اکیلا ہے۔ دوسرا سوال پوچھا گیا کہ اس نے یہاں سے کوئی خفیہ بات معلوم کی ہے تو وہ بتا دے۔ رحیم نے جواب دیا کہ اس کے پاس کوئی راز نہیں۔ تاجر کی بیٹی ایلس کے ساتھ تعلقات کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ ایلس کی شادی ایک بوڑھے افسر کے ساتھ کی جا رہی تھی، اس لیے وہ گھر سے بھاگنے پر مجبور ہو گئی۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس طرح پکڑے گئے ہو؟''

''نہیں''...... رحیم نے جواب دیا...... ''میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ میں پکڑا گیا ہوں''۔

''تم اور بھی بہت کچھ جانتے ہو''...... ایک افسر نے اُسے کہا...... ''وہ سب کچھ بتا دو جو تم جانتے ہو، تمہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی''۔

''میں یہ جانتا ہوں کہ میں اپنا فرض بھول گیا تھا''...... رحیم نے کہا...... ''میں اس سزا کو خوشی سے قبول کروں گا۔ مجھے جس قدر تکلیف اور جتنی اذیت دے سکتے ہو، دو۔ میں اسے اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کروں گا''۔

''کیا تمہارے دل میں ابھی تک ایلس کی محبت ہے؟''۔

''ابھی تک ہے''...... رحیم نے کہا...... ''اور ہمیشہ رہے گی۔ میں اُسے اپنے ساتھ قاہرہ لے جا رہا تھا۔ اسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرنی تھی''۔

''اگر ہم یہ کہیں کہ اس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے تو تم مان لو گے؟''

''نہیں''......رحیم نے کہا......''جس نے میرے لیے اپنا گھر اور اپنے عزیز چھوڑ دیئے تھے۔وہ دھوکہ نہیں دے سکتی،اس کے ساتھ کسی نے دھوکہ کیا ہے''۔

''اگر ہم ایلس تمہارے حوالے کر دیں تو کیا تم ہمیں بتا دو گے کہ عکرہ میں تمہارے کتنے ساتھی ہیں اور وہ کہاں ہیں؟''......اس سے پوچھا گیا......''اور یہ بھی بتا دو گے کہ تم نے یہاں سے کون سا راز حاصل کیا ہے؟''

رحیم کا سر جھک گیا۔ایک افسر نے اس کا سر اوپر اُٹھایا تو رحیم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔افسروں کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ خاموش رہا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے اندر ایسی کش مکش پیدا ہوگئی ہے جس میں وہ فیصلہ نہیں کر سکتا اس کا رویہ اور ردِعمل کیا ہونا چاہیے۔اس کی یہ کیفیت ظاہر کرتی تھی کہ اس کے دِل میں ایلس کی محبت بہت گہری اُتری ہوئی ہے۔

''تمہیں آخر کار ہمارے تمام سوالوں کا جواب دینا ہوگا''......ایک افسر نے کہا......''اُس وقت تک تم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے ہو گے۔تم جیو گے نہ، مرو گے۔اگر پہلے ہی جواب دے دو تو ایلس تمہارے پاس ہوگی اور تم آزاد ہو گے۔اس وقت تم قید خانے میں نہیں، یہ ایک افسر کا کمرہ ہے۔اگر تم سوچنے کی مہلت چاہتے ہو تو آج رات تمہیں اسی کمرے میں رکھا جائے گا''۔

رحیم خاموش رہا اور خالی خالی نظروں سے افسروں سے دیکھتا رہا۔افسروں کو ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس کمرے سے بھاگ جائے گا۔برآمدے میں پہرہ تھا۔گشتی پہرہ بھی تھا۔رحیم بھاگ کر جا بھی کہاں سکتا تھا۔ایک افسر نے باہر آ کر اپنے ساتھی افسر سے کہا......''تم وقت ضائع کر رہے ہو،اسے تہہ خانے میں لے چلو۔لوہے کی لال گرم سلاخ اس کے جسم کے ساتھ لگاؤ،ساری باتیں اُگل دے گا،نہیں بولے گا تو بھوکا اور پیاسا پڑا رہنے دو''۔

''میرا تجربہ مختلف ہے میرے دوست!''......دوسرے افسر نے کہا......''یہ نہ بھولو،یہ مسلمان ہے۔تم نے اب تک کتنے مسلمان جاسوسوں سے راز اُگلوائے ہیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ کمبخت ایک بار ڈٹ جائیں تو مر جاتے ہیں،زبان نہیں کھولتے۔یہ شخص کہہ چکا ہے کہ ہماری ہر اذیت اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کر لے گا۔یہ کٹر مسلمان معلوم ہوتا ہے۔یہ تہ خانے میں جا کر بھی کہہ دے گا کہ وہ کچھ بھی نہیں بتائے گا۔ہمارا مقصد اسے جان سے مارنا نہیں،یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور یہ معلوم کرنا ہے کہ انہیں اس حملے کا پتا تو نہیں چل گیا جو مصر پر کرنے والے ہیں؟''

''ان کے باپ کو بھی پتا نہیں چل سکتا''......دوسرے افسر نے کہا......''ہائی کمانڈ کے افسروں کے سوا کسی کو حملے کے متعلق علم ہی نہیں۔یہ جاسوس تاجر کی بیٹی کے عشق میں اُلجھا ہوا تھا۔اسے تو دنیا کی ہوش نہیں تھی،اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسے ایلس نے گرفتار کرایا ہے۔یہ ابھی تک اس کی محبت میں گرفتار ہے۔

''میں ایلس کو ہی استعمال کرنا چاہتا ہوں''......ایک نے کہا......''اُسے آج رات اسی کمرے میں رہنے دیتے ہیں۔مجھے اُمید ہے کہ جو راز ہم کئی دنوں میں بھی نہیں اُگلوا سکیں گے،وہ ایلس جیسی دِلکش لڑکی چند منٹوں میں اُگلوا ئے گی''۔

''کیا اس لڑکی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟''

''کیا تمہیں ابھی تک شک ہے؟''......دوسرے نے کہا......''تم نے شاید پوری بات نہیں سنی۔ایلس نے واپس آ کر جو بیان دیا ہے،وہ تم نے پورا نہیں سنا۔اب چونکہ تفتیش ہم دونوں کے سپرد کی گئی ہے۔اس لیے تمہارے ذہن میں ہر ایک بات واضح ہونی چاہیے۔ایلس اس شخص کو بُری طرح چاہتی تھی۔وہ اسے ایلی مور نام کا عیسائی سمجھتی رہی۔ایلس

کا باپ اس کی شادی کمانڈر رولیسٹ میکاٹ کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ دراصل اپنی بیٹی رشوت کے طور پر دے رہا تھا۔ ایلس اس جاسوس کے ساتھ بھاگ گئی۔ راستے میں اس نے ایلس کو بتا دیا کہ وہ ایلی مور نہیں، رحیم ہے اور وہ مسلمان ہے۔ ایلس نے اسے مذاق سمجھا مگر رحیم نے اسے یقین دلایا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا۔ رحیم نہیں جانتا تھا کہ ایلس کے دل میں مسلمانوں کی کتنی دہشت اور حقارت بچپن سے بیٹھی ہوئی ہے اور رحیم کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایلس مذہب کی پکی ہے۔ ہر وقت صلیب گلے میں ڈالے رکھتی ہے۔ اس نے جان لیا کہ اس مسلمان نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور وہ قاہرہ لے جا کر نہ صرف خود اسے خراب کرے گا، بلکہ دوسروں سے بھی خراب کرائے گا اور آخر میں کسی کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ ہم نے اپنے بچوں کے ذہنوں میں مسلمانوں کا جو گھناؤنا تصور پیدا کر رکھا ہے، وہ ایلس کے سامنے آ گیا......

''ایلس کے دل میں مذہب کی محبت پیدا ہوگئی اور یہ محبت مسلمان کی محبت پر ایسی غالب آئی کہ اسے حقارت میں بدل دیا۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ عکرہ واپس آ کر اُسے بوڑھے کمانڈر کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ اسے صلیب کا یہ فرض یاد آ گیا کہ مسلمان کو ہر حال میں دشمن سمجھنا اور اسلام کے خاتمے کے لیے کام کرنا ہے۔ لڑکی چونکہ ہوشیار اور دلیر ہے، اس لیے اس نے بھاگنے کا نہایت اچھا طریقہ سوچا۔ رحیم پر ظاہر نہ ہونے دیا اور لیٹ گئی۔ رحیم اطمینان سے سو گیا تو ایلس گھوڑے پر سوار ہوئی اور ایسی خاموشی سے نکل آئی کہ رحیم کو خبر تک نہ ہوئی۔ راستے سے واقف تھی۔ عکرہ پہنچ گئی اور اپنے باپ کے سامنے اقبالِ جرم کر کے اُسے رحیم کے متعلق بتایا۔ باپ نے اُسی وقت کمانڈر رولیسٹ میکاٹ کو جگایا اور اُسے یہ واقعہ سنایا۔ کمانڈر نے تین سپاہی ساتھ لیے اور رحیم کے تعاقب میں گیا۔ رحیم پیدل کہاں جا سکتا تھا، پکڑا گیا اور اب یہ ہمارے ہاتھ میں ہے''۔

''رحیم کو معلوم نہیں کہ اسے ایلس نے دھوکہ دیا ہے''۔

''نہیں''...... دوسرے نے کہا......''میں اب ایلس کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ رحیم کو ہم نہایت اچھا کھانا کھلائیں گے''۔

☆

وہاں کے ملازموں اور دوسرے لوگوں کی زبان پر یہی موضوع تھا کہ ایک مسلمان جاسوس پکڑا گیا ہے۔ رضا بھی فرانس کے روپ میں ان ملازموں میں شامل تھا۔ وہ بھی مسلمان کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور دوسروں کی طرح خواہش ظاہر کر رہا تھا کہ جاسوس کو سرِ عام پھانسی دی جائے یا اُسے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا بھگا دیا جائے۔ رضا کو معلوم ہو چکا تھا کہ رحیم ابھی تک اسی کمرے میں ہے۔ سب حیران تھے کہ اسے قید خانے میں کیوں نہیں لے گئے اور جب باورچی خانے کے ایک ملازم نے انہیں بتایا کہ قیدی کے لیے افسروں کا سا کھانا گیا ہے اور وہ خود کھانا دے آیا تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ رضا باتوں باتوں میں باورچی خانے کے اس آدمی کو الگ لے گیا اور پوچھا......''کیا تم مذاق کر رہے ہو کہ مسلمان جاسوس کو اتنا اچھا کھانا دیا گیا ہے جو افسر کھاتے ہیں، پھر وہ جاسوس نہیں ہوگا''۔

''بڑا خطرناک جاسوس ہے''...... ملازم نے کہا......''جو افسر تفتیش کر رہے ہیں، میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ ابھی اُسے کھلا پلا کر اس سے باتیں پوچھیں گے، پھر وہ کسی لڑکی کی باتیں کر رہے تھے جو اس قیدی کو پھانس کر اس سے اُگلوائے گی''۔

رحیم کھانا کھا چکا تو اس کے کمرے میں ایلس داخل ہوئی، دونوں افسر چلے گئے تھے۔ انہوں نے ایلس کو بتا کر

اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے اور قیدی سے کیا پوچھنا ہے۔ ایلس کو دیکھ کر رحیم بہت حیران ہوا۔ اسے خواب کا دھوکہ ہوا ہوگا۔

''تم؟''...... اس نے ایلس سے پوچھا...... ''کیا تمہیں بھی گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے؟''

''ہاں!''...... ایلس نے کہا...... ''میں کل رات سے قید میں ہوں''

''تم وہاں سے غائب کس طرح ہوئی تھی؟''...... رحیم نے کہا...... ''میں مان نہیں سکتا کہ تم خود بھاگ آئی تھی؟''

''میں کیوں کر بھاگ سکتی تھی''...... ایلس نے کہا...... ''میرا تو جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔ تم سو گئے تھے مگر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں اُٹھ کر ٹہلنے لگی اور کچھ دور نکل گئی۔ کسی نے پیچھے سے میرا منہ ہاتھ سے بند کر دیا اور اُٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ وہ دو آدمی تھے۔ ایک نے ہمارا گھوڑا بھی لے لیا، میرا منہ بند تھا۔ تمہیں پکار نہیں سکتی تھی، وہ مجھے یہاں لے آئے''

''انہیں کس نے بتایا ہے کہ میں ایلی مور نہیں، رحیم ہوں؟''...... رحیم نے پوچھا...... ''اور جنہوں نے تمہیں وہاں جا پکڑا تھا، وہ مجھے بھی کیوں نہ پکڑ لائے؟ انہوں نے مجھے قتل کیوں نہ کر دیا؟''

''میں ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی''...... ایلس نے کہا...... ''میں خود مجرم ہوں''۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو ایلس''...... رحیم نے کہا...... ''تمہیں دھمکا کر میرے متعلق پوچھا گیا ہے اور تم نے ڈر کے مارے بتا دیا ہے کہ میں کون ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں، میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ تمہیں کوئی تکلیف ہو''۔

''اگر تمہیں میری تکلیف کا خیال ہے تو یہ لوگ تم سے جو کچھ پوچھتے ہیں، وہ انہیں بتا دو''...... ایلس نے کہا...... ''انہوں نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں رہا کر دیں گے''۔

''بات پوری کرو ایلس''...... رحیم نے طنزیہ لہجے میں کہا...... ''یہ بھی کہو کہ میں سب کچھ بتا دوں تو مجھے رہا کر دیں گے اور تم میرے ساتھ شادی کر لو گی''۔

''شادی بھی ہو سکتی ہے''...... ایلس نے کہا...... ''بشرطیکہ تم عیسائی ہو جاؤ''۔

''کیا تم یہ اُمید لے کے آئی ہو کہ میں رہائی کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دوں گا؟''...... رحیم نے کہا...... ''ایلس! میں فوج کا معمولی سا سپاہی نہیں۔ جاسوس ہوں۔ عقل رکھتا ہوں، میں اسی گناہ کی سزا بھگت رہا ہوں کہ عقل پر تمہاری محبت کو سوار کر لیا تھا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو، جس صلیب کی تم قسمیں کھا رہی ہو، وہ گلے میں ڈال کر جھوٹ بول رہی ہو۔ کیا یہ غلط ہے کہ تم خود وہاں سے بھاگی ہو؟ کیونکہ تمہارے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔ تمہیں مجھ پر اعتماد نہ رہا اور مجھے سوتا چھوڑ کر بھاگ آئیں۔ یہاں آ کر تم نے اپنے بوڑھے منگیتر کو میرے پیچھے بھیج دیا۔ میرے دل میں بھی تمہاری قوم کے خلاف نفرت ہے۔ میں تمہاری قوم کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنی جان تمہاری قوم کو تباہ کرنے کے لیے داؤ پر لگائی ہے، لیکن تمہاری محبت، محبت ہی رہے گی۔ اس پر نفرت غالب نہیں آ سکے گی۔ میں نے تمہاری خاطر اپنا فرض فراموش کیا۔ اپنا مستقبل تباہ کیا، مگر تم نے ناگن کی طرح ڈنگ مارا''۔

وہ ایسے انداز سے بول رہا تھا کہ ایلس کی زبان بند ہو گئی۔ اس کے دل میں رحیم کی محبت موجود تھی، رحیم نے جب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمے اور پُر اثر انداز میں باتیں کیں تو یہ جوان لڑکی اپنے سینے سے اُٹھتے ہوئے جذبات کے بگولے کی لپیٹ میں آ گئی۔ پہلے تو اس کے آنسو پھوٹے پھر اس نے بے تابی سے رحیم کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور ...... نے کہا...... ''مجھے تم سے نفرت نہیں۔ تم اپنا فرض بھول گئے تھے، میں نہ بھول سکی۔ میں مجرم ہوں، میں

تمہیں پکڑوایا ہے۔اس جرم کی سزا مجھے بڑی سخت ملے گی۔ مجھے چند دنوں میں اس بوڑھے کمانڈر کی بیوی بنا دیا جائے گا جو وحشی ہے اور شراب پی کر درندہ بن جاتا ہے۔ مجھے کچھ نہ بتاؤ ایلی مور''۔

میں ایلی مور نہیں ہوں''...... رحیم نے کہا...... ''میں رحیم ہوں''۔

☆

تفتیش کرنے والے دونوں افسر کہیں اور بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ یہ خوب صورت لڑکی رحیم کو موم کر لے گی اور صبح سے پہلے پہلے ہمارا کام پورا کر دے گی۔ وہاں صرف ایک پہرہ دار تھا جو برآمدے میں بیٹھ گیا تھا۔ کمرے کے پچھواڑے اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں ایک سایہ اتنی آہستہ آہستہ آگے کو سرک رہا تھا جیسے ہوا کا جھونکا رُک رُک کر آگے بڑھ رہا ہو۔ اُدھر عمران گرجے سے ملحق اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ ذرا سی آہٹ سنائی دیتی تھی تو وہ اُٹھ کر دروازے میں آجاتا تھا۔ اُسے ہر آہٹ رضا کی آہٹ لگتی تھی۔ اس نے کمال ہوشیاری سے تین گھوڑے منتخب کر لیے تھے جو آٹھ گھوڑوں کے ساتھ بندھے تھے۔ اُس کے زینیں بھی چوری چھپے الگ کر لی تھیں۔ اُسے اُمید تھی کہ رضا اور رحیم آجائیں گے مگر جوں جوں رات گزرتی جارہی تھی، اُمید بھی تاریک ہوتی جارہی تھی۔ یہ حقیقت نکھرتی آرہی تھی کہ اس نے رضا کو یہ اجازت دے کر کہ رحیم کو آزاد کرائے، سخت غلطی کی تھی۔ یہ ناممکن تھا۔ وہ اب سوچ رہا تھا کہ ایک گھوڑا کھولے اور نکل جائے مگر اسے رضا کا خیال آجاتا تھا۔ رضا نے اُسے کہا تھا کہ وہ رات کو آئے گا ضرور خواہ اکیلا آئے۔

اُس وقت رضا موت کے منہ میں جا چکا تھا۔ وہ ایک سیاہ سایہ بن کر اُس کمرے کے ایک دریچے کے پاس پہنچ گیا، جس میں رحیم بند تھا۔ اُس نے کان لگا کر اندر کی باتیں سنیں۔ اسے کسی کے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ میں تمہیں رہا نہیں کرا سکتی۔ یہ لوگ جو کچھ پوچھتے ہیں، وہ بتا دو پھر میں اپنے باپ سے کہہ کر تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں۔ مجھے اسی مقصد کے لیے تمہارے پاس لایا گیا ہے کہ میری محبت تم سے راز اُگلوائے گی''۔

دریچے کے کواڑ پر نہایت آہستہ سے کسی نے تین بار دستک دی۔ رحیم اس اشارے کو سمجھتا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ اُس کا کون سا ساتھی ہو سکتا ہے۔ ایلس کچھ نہ سمجھ سکی۔ رحیم ٹہلتے ٹہلتے دریچے تک گیا اور کواڑ کھول دیا۔ رضا باہر کھڑا تھا، کود کر اندر آگیا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ایلس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور خنجر اس کے دل میں اُتار دیا۔ اسے قتل کرنا ضروری تھا، ورنہ وہ شور مچا کر انہیں پکڑا سکتی تھی۔ رضا اور رحیم دریچے سے کود کر باہر گئے اور اندھیرے سے بھاگ اُٹھے۔ رضا اس جگہ سے واقف تھا۔ اُس نے راستہ تو اچھا اختیار کیا تھا لیکن برآمدے میں جو پہرہ دار تھا، اس نے کسی طرف سے دو سائے بھاگتے دیکھ لیے۔ اس کے شور پر دوسرے سنتری ہوشیار ہو گئے۔ جانے کہاں سے ایک تیر آیا جو رحیم کے پہلو میں اُتر گیا۔ وہ جوان اور توانا آدمی تھا، گرا نہیں، رضا کے ساتھ بھاگتا چلا گیا، مگر زیادہ دُور تک نہ جا سکا۔ اُس کے قدم ڈگمگانے لگے تو رضا نے اُسے اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ تیر پہلو سے نکالنا ممکن نہیں تھا۔

رحیم رضا سے کہنے لگا کہ وہ اُسے وہیں پھینک کر بھاگ جائے۔ وہ اب زندہ نہیں رہ سکتا تھا لیکن رضا اپنے دوست کو اُس وقت تک اپنے آپ سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک وہ زندہ تھا۔ اُس نے رحیم کی ایک تنگ اور تاریک راستوں میں چھپتا چھپاتا چلتا گیا۔ اسے خیال آگیا کہ وہ اُس جگہ سے گزر رہا ہے جہاں تمام مکان مسلمانوں کے ہیں۔ اسے دُور دُور بھاگ دوڑ اور شور شرابا سنائی دے رہا تھا۔ ان کا تعاقب کرنے والے کہیں اور تھے۔ رضا کو معلوم تھا کہ عکرہ کے مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں اور صلیبیوں کی نگاہ میں ہر مسلمان جاسوس اور مشتبہ ہے۔ ذرا سے

شک پر کسی بھی مسلمان کو قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس کے گھر کی تلاشی توہین آمیز طریقے سے لی جاتی تھی۔ رضا کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر وہ رحیم کے بوجھ تلے شل ہو چکا تھا اور اسے یہ اُمید بھی تھی کہ شاید رحیم کی زندگی بچانے کا کوئی بندوبست ہو جائے۔

اُس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ رضا تیزی سے اندر چلا گیا، جس نے دروازہ کھولا تھا، گھبرا گیا۔ رضا نے مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کرایا، وہاں تو صرف یہ کہہ دینا ہی کافی تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ رضا کو پناہ مل گئی مگر رحیم شہید ہو چکا تھا۔ رضا کے کپڑے خون سے لتھڑ گئے تھے۔ اس نے گھر والوں سارا واقعہ سنایا اور عمران کے متعلق بھی بتایا۔ گھر میں تین مرد تھے، وہ جوش میں آ گئے۔ انہوں نے رضا کے کپڑے تبدیل کر دیئے۔ رحیم کی لاش کے متعلق فیصلہ ہوا کہ اسے گھر کے کسی کمرے میں دفن کر دیا جائے گا۔ رضا عمران کو بلانے کے لیے چلا گیا۔

☆

رات کے اس وقت جب دُنیائے اسلام گہری نیند سوئی ہوئی تھی، قوم کے غدار دشمن کی بھیجی ہوئی عورتوں اور شراب میں بدمست پڑے تھے، ان سے دُور، بہت دُور ایک مسلمان اسلام کی ناموس پر اپنی جان پر کھیل گیا تھا اور دو جان کی بازی لگا کر اس راز کے ساتھ عکرہ سے نکل کر قاہرہ پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، جس پر مصر کی عزت اور اسلام کی آبرو کا دار و مدار تھا۔ اس راز کو وہ خدا کی امانت سمجھتے تھے، وہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا کہ وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں یا عیش کر رہے ہیں، لیکن انہیں یہ احساس تھا کہ انہیں خدا دیکھ رہا ہے اور وہ خدا کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

عمران کا سر اس تذبذب اور اضطراب میں دُکھنے لگا تھا کہ رحیم آ جائے گا یا نہیں، رضا آ جائے گا یا نہیں؟ قاہرہ تک یہ خبر پہنچا سکے گا یا نہیں کہ مصر پر حملے کے لیے بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا بہت بڑا بیڑہ آ رہا ہے۔ عمران اس لیے بھی قاہرہ یا کم از کم کرک جلدی پہنچنا چاہتا تھا کہ نور الدین زنگی یا سلطان ایوبی یا دونوں کسی اور طرف حملے یا پیش قدمی کی سکیم نہ بنا لیں۔ ایسی صورت میں انہیں روکنا تھا، اگر ان کی فوج کسی اور طرف نکل گئی تو مصر کا خدا ہی حافظ تھا۔ عمران کو ان سوچوں نے اس قدر پریشان کیا کہ اس نے دروازہ اندر سے بند کر کے نفل پڑھنے شروع کر دیئے۔ اسے شہر کی خاموشی مین کوئی سرگرمی سنائی دے رہی تھی، کچھ بھاگ دوڑ سی تھی۔ یہ اس کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھی۔ اُس نے دو چار نفل پڑھ کر ہاتھ خدا کے حضور پھیلا دیئے اور گڑگڑایا... ''یا خدا! مجھے اپنے فرض کی تکمیل تک زندگی عطا کر۔ میں یہ امانت ٹھکانے پر پہنچا دوں تو مجھے میرے خاندان سمیت ختم کر دینا''۔

اُس کے دروازے پر ویسی ہی دستک ہوئی جیسی رحیم کے دریچے پر ہوئی تھی۔ عمران نے دروازہ کھولا۔ رضا کھڑا تھا۔ اُسے اندر بلا کر عمران نے دروازہ بند کر دیا۔ رضا ہانپ رہا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ اس پر کیا گزری ہے اور رحیم شہید ہو چکا ہے۔ عمران نے جب یہ سنا کہ رحیم کی لاش ایک مسلمان گھرانے میں ہے جو اسے گھر میں دفن کر دیں گے تو عمران پریشان ہو گیا۔ وہ عکرہ کے کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ رضا نے اُسے بتایا کہ اس گھر میں تین مرد اور باقی عورتیں ہیں۔ انہوں نے فوراً ایک کمرے کے کونے میں کھدائی شروع کر دی تھی۔ عمران اس گھر جانا چاہتا تھا، تاکہ دیکھ لے کہ ان کے پکڑے جانے کا کوئی خطرہ تو نہیں۔ رضا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ہوشیار لوگ معلوم ہوتے ہیں، سنبھال لیں گے۔

عکرہ سے نکلنا دشوار ہو گیا تھا۔ شہر کی ناکہ بندی کر لی گئی تھی۔ ایک لڑکی کا قتل اور ایک جاسوس کا فرار معمولی سی واردات نہیں تھی۔ نکلنا رات کو ہی تھا۔ ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اکٹھے نکلیں گے اور دونوں میں سے کوئی پکڑا گیا یا دونوں

پکڑے گئے تو اور جو کچھ بھی کہیں، یہ نہیں بتائیں گے کہ رحیم کی لاش کہاں ہے یا وہ مارا گیا ہے۔ اگلا مسئلہ گھوڑوں کا تھا۔ عمران رضا کو اُس جگہ لے گیا جہاں آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے مگر دور سے دیکھا کہ محافظوں میں سے ایک وہاں ٹہل رہا تھا۔ عمران رضا کو ایک جگہ چھپا کر آگے گیا اور اس سنتری کے پاس چلا گیا۔ اس سے پوچھا کہ آج اسے پہرہ دینے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔ سنتری عمران کو جان گنتھر کے نام سے اچھی طرح جانتا تھا اور بڑے پادری کے خصوصی خادم کی حیثیت سے اس کا احترام بھی کرتا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ آج ایک مسلمان جاسوس کو پکڑا گیا تھا۔ وہ کسی لڑکی کو قتل کر کے فرار ہو گیا ہے۔ اس لیے حکم آیا ہے کہ ہوشیار رہا جائے۔

اس سنتری کی موجودگی میں گھوڑے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ عمران نے اسے باتوں میں لگا لیا اور پیچھے ہو کر اس کی گردن بازو کے گھیرے میں لے لی۔ سنتری کا دم گھٹنے لگا۔ عمران نے اس کے پہلو سے خنجر نما تلوار کھینچ لی اور اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ مرنے تک اس کی گردن بازو کے شکنجے میں دبائے رکھی۔ اسے مار کر عمران نے رضا کو بلایا۔ دو گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور سوار ہو گئے۔ گرجے کے باقی محافظ کمرے میں کہیں سوئے ہوئے تھے۔ عمران اور رضا چل پڑے۔ شہر سے نکلنے کے کئی راستے تھے۔ وہ ایک طرف چل پڑے اور شہر سے نکل گئے۔ اچانک وہ گھیرے میں آگئے اور انہیں للکارا گیا۔

''ہم شہری ہیں دوستو!''...... عمران نے کہا...... ''ہم بھی تمہاری طرح ڈیوٹی دے رہے ہیں''

تین چار مشعلیں جل اُٹھیں جن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ وہاں گھوڑ سواروں کا ایک دستہ تھا جو ادھر اُدھر پھیلا ہوا تھا تب انہیں احساس ہوا کہ شہر کی ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ عمران نے اپنے کپڑے نہیں دیکھے تھے، اس کے کپڑوں پر سنتری کا خون تھا۔ مشعل کی روشنی میں یہ خون صلیبی سواروں کو نظر آگیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ خون کس کا ہے تو عمران نے لگام کو جھٹکا دے کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ رضا نے بھی ایسا ہی کیا مگر اس نے ذرا دیر کر دی۔ عمران نکل گیا۔ رضا گھیرے میں آ گیا۔ عمران کے پیچھے بھی تین سوار گئے۔ اسے رضا کی بلند پکار سنائی دینے لگی...... ''عمران رُکنا نہیں، نکل جاؤ۔ خدا حافظ''...... عمران بہت دُور تک یہ پکار سنتا رہا۔ پتا چلتا تھا جیسے وہ گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عمران کا گھوڑا بڑا اچھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں سے تیر گزرنے لگے لیکن وہ تعاقب کرنے والوں کو پیچھے ہی پیچھے چھوڑتا چلا گیا۔ وہ راستے سے واقف تھا۔ اس نے کرک کا رُخ کر لیا۔ گھوڑا بدلنے کی ضرورت تھی۔

جب صبح کی روشنی سفید ہو رہی تھی، اس کا گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے پانی کی تلاش کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ آگے ریتلی چٹانوں کا علاقہ آگیا۔ وہ اس میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کے سامنے چٹان میں دو تیر لگے جس کا مطلب تھا کہ رُک جاؤ۔ وہ رُک گیا اور یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ اسے روکنے والے اس کی اپنی فوج کے آدمی تھے۔ اسے اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر نے اُس کی بات سُن کر اسے تازہ دم گھوڑا دیا اور دو سپاہی اس کے ساتھ کر کے اسے کرک کے راستے پر ڈال دیا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ نورالدین زنگی سے مل کر قاہرہ جائے گا۔ عکرہ سے جو خبر لایا تھا، وہ زنگی تک بھی پہنچی چاہیے تھی۔

☆

عمران جب کرک کے قلعے میں نورالدین زنگی کے سامنے بیٹھا اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ زنگی اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس خوبرو جوان کو دل میں بٹھا لینا چاہتا ہو۔ اُس نے اُٹھ کر بے تابی سے عمران کو سینے سے لگا لیا اور اس کے گال چوم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور پھر نیام میں ڈال کر نیام کو چوما۔ اسے دونوں ہاتھ پہ

رکھ کر عمران سے کہا...... ''اس وقت جب صلیب ایک خوفناک گدھ کی طرح چاند ستارے پر منڈلا رہی ہے، ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تلوار سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ تم بغداد میں کہو، دمشق میں کہو، کہیں بھی کہو، میں تمہیں ایک محل دے سکتا ہوں۔ تم نے جو کارنامہ کر دکھایا ہے۔ اس کے صلے میں تم دولت کے انبار کے حق دار ہو، لیکن میرے عزیز دوست! میں تمہارے لیے محل کھڑا نہیں کروں گا۔ تمہیں دولت کی شکل میں صلہ نہیں دوں گا، کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اندھا اور اپاہج کر دیا ہے۔ یہ قبول کرو، میری تلوار! اور یاد رکھو اس تلوار نے بڑے بڑے جابر صلیبوں کا خون پیا ہے۔ اس تلوار نے بہت سے قلعوں پر اسلام کا جھنڈا لہرایا ہے اور یہ تلوار اسلام کی پاسبان ہے۔''

عمران نور الدین زنگی کے آگے دوزانو بیٹھ گیا اور اُس کے ہاتھوں سے تلوار لے کر چومی، آنکھوں سے لگائی اور کمر سے باندھ لی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اُس پر رقت طاری ہوگئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''اور اپنی قدر و قیمت جان لو میرے دوست!'' ...... زنگی نے کہا...... ''ایک جاسوس دشمن کے لشکر کو شکست دے سکتا ہے اور ایک غدار اپنی پوری قوم کو شکست کی ذلت میں ڈال سکتا ہے۔ تم نے دشمن کو شکست دے دی ہے۔ تم جو خبر لائے ہو یہ دشمن کی شکست کی خبر ہے۔ صلیبی انشاء اللہ مصر اور فلسطین کے ساحل سے آگے نہیں آسکیں گے اور ان کا بحری بیڑہ واپس نہیں جا سکے گا۔ یہ تمہاری فتح ہوگی اور اس کا صلہ تمہیں خدا دے گا۔''

''مجھے قاہرہ کے لیے جلدی روانہ ہو جانا چاہیے''...... عمران نے کہا...... ''دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ امیر مصر کو بہت دن پہلے اطلاع جانی چاہیے''۔

''تم ابھی روانہ ہو جاؤ''...... نور الدین زنگی نے کہا...... ''میں تمہیں بڑی اچھی نسل کا گھوڑا دے رہا ہوں''۔ اُس نے عمران کو قاہرہ تک کا وہ راستہ بتا دیا جس پر کئی چوکیاں تھیں۔ ان پر قاصدوں کے گھوڑے بدلنے کا انتظام تھا...... اور صلاح الدین ایوبی سے پہلی بات یہ کہنا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کو اپنے خاندان میں جذب کر لو۔ ان کے خاندانوں کی کفالت کا انتظام بیت المال سے کرو'' ...... اس نے عمران سے پوچھا...... ''تم صرف جاسوسی کر سکتے ہو یا جنگ کو بھی سمجھ سکتے ہو؟''

''کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہوں''...... عمران نے جواب دیا...... ''آپ حکم دیں''

''پیغام لکھنے کا وقت نہیں''...... زنگی نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی سے کہہ دینا کہ مجھے کرک تمہارے حوالے کر کے بغداد جلدی واپس جانا تھا۔ اطلاعیں مل رہی ہیں کہ اُن علاقوں میں صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جارہی ہے اور ہمارے چھوٹے چھوٹے حکمران ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں لیکن اس تازہ خبر نے مجھے رکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چار پانچ سال پہلے تم نے بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا بیڑہ غرق کیا تھا۔ وہ تمہارے پھندے میں آ گئے تھے۔ اب وہ محتاط ہو کر آئیں گے۔ اسی لیے انہوں نے سکندریہ کے شمالی ساحل کو منتخب کیا ہے۔ اگر تم ان سے سمندر میں براہِ راست ٹکر لینے کا فیصلہ کرو تو تمہاری غلطی ہوگی۔ تمہارے پاس صلیبیوں جتنی بحری طاقت نہیں ہے۔ ان کے جہاز بڑے ہیں اور ہر جہاز میں بادبانوں کے علاوہ بے شمار چپو ہیں۔ چپو چلانے کے لیے ان کے پاس غلاموں کی بے انداز تعداد ہے۔ تم اتنی تعداد سے محروم ہو۔ تمہارے جہازوں کے چپو چلانے والے ملاح ہیں اور سپاہی بھی۔ سمندری جنگ میں وہ دونوں کام نہیں کر سکیں گے۔ صلیبیوں کو ساحل پر آنے دو۔ سکندریہ کو بحری لوگوں کا خطرہ ہوگا۔ آتشیں گولے شہر کو آگ لگا دیں گے۔ اس کا کوئی انتظام کر لینا۔

''اگر دشمن نے اسی انداز سے حملہ کیا جیسا کہ عمران خبر لایا ہے تو میں دشمن کے پہلو پر ہوں گا۔ یہ اس کا بایاں ہوگا۔ تم دائیں پہلو کو سنبھالو گے اور تمہارے ذمے ایک کام یہ ہوگا کہ صلیبیوں کا کوئی جہاز واپس نہ جائے۔ آگ لگا دینا

تمہارے پاس سمندری چھاپہ مار ہوں تو تم جانتے ہو کہ ان سے کیا کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سوڈان کی طرف سے چوکنا رہنا۔ وہ سرحد خالی نہ رہے۔ مجھے احساس ہے کہ تمہارے پاس فوج کم ہے۔ میں یہ کمی پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ سب سے بڑی ضرورت راز داری کی ہے۔ راز داری کی خاطر میں پیغام تحریری نہیں بھیج رہا۔ فتح کی صورت میں، میں کرک فوج کے حوالے کر کے بغداد چلا جاؤں گا''۔

یہ پیغام ذہن نشین کر کے عمران قاہرہ روانہ ہو گیا۔

صلیبیوں کے سن ۱۱۷۴ء کے ابتدائی دن تھے جب علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی کہ عکرہ میں ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا پکڑا گیا اور ان کا کمانڈر عمران واپس آ گیا ہے تو جان لینے کے باوجود کہ عمران بڑا ہی قیمتی راز لایا ہے، سلطان ایوبی بجھ سا گیا۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ چند ایک باتیں کر کے عمران کو اندر بلایا اور اُٹھ کر اُسے گلے لگا لیا، پھر کہا...... ''پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا ایک ساتھی شہید کس طرح ہوا اور دوسرا پکڑا کس طرح گیا ہے؟''

عمران نے پوری تفصیل سے ساری کہانی بیان کر دی اور جب اس نے وہ راز بیان کیا جو وہ عکرہ سے لایا ہے تو سلطان ایوبی کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ عمران نے یہ بھی بتایا کہ وہ نور الدین زنگی کو اطلاع دے آیا ہے۔ اس نے سلطان ایوبی کو زنگی کا پیغام سنایا۔ اس سے سلطان ایوبی کا بہت سا وقت بچ گیا تھا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور ان خاندانوں کے متعلق معلومات پیش کرنے کا کہا تا کہ اس کے مطابق ان کی مزید مدد کی جائے۔ اس کے بعد اس نے عمران سے بہت سی باتیں پوچھیں۔ عمران نے اسے بتایا کہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ چار پانچ سال پہلے کی نسبت زیادہ ہوگا۔ حملہ ایک ماہ کے اندر اندر ہوگا۔ یورپ سے تازہ دم فوج لائی جائے گی جسے سکندریہ کے شمال میں اُتارا جائے گا۔ دوسری فوج بیت المقدس کے علاقے سے آئے گی جو مصر کی طرف پیش قدمی کرے گی۔ سکندریہ کے شمال میں اُترنے والی فوج سکندریہ پر قبضہ کر کے اسے اڈہ اور رسد گاہ بنائے گی اور شمال کی طرف سے مصر پر حملہ آور ہوگی۔ عمران کے کہنے کے مطابق صلیبیوں کو یہ توقع ہے کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جالیں گے اور نور الدین زنگی اسے مدد اور کمک نہیں دے سکے گا، کیونکہ راستے میں صلیبیوں کی بیت المقدس والی فوج حائل ہوگی۔

یہ ایسا طوفان تھا جو بے خبری میں آجاتا تو مصر پر صلیبیوں کا قبضہ یقینی تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے تمام سینئر کمانڈروں کو بلا لیا۔ علی بن سفان کو اس نے یہ ہدایت دی کہ وہ دشمن کے جاسوسوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دے تا کہ اپنی فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق کوئی خبر باہر نہ جاسکے۔ سکندریہ کے متعلق اس نے خصوصی ہدایات دیں۔

☆

برطانیہ ابھی اس جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ انگریزوں کو غالباً یہ توقع تھی کہ کسی وقت وہ اکیلے ہی مسلمانوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں گے، لیکن پوپ (سب سے بڑے پادری) کے کہنے پر انگریزوں نے صلیبیوں کو اپنے کچھ جنگی جہاز دیئے تھے۔ سپین کا تمام بیڑہ اس حملے میں شرکت کے لیے تیار تھا، فرانس، جرمنی اور بلجیم کے جہاز بھی آ گئے تھے اور اس متحدہ بیڑے میں یونان اور سسلی کی جنگی کشتیاں بھی شامل تھیں۔ رسد اور اسلحہ کے لیے ماہی گیروں سے بادبانی کشتیاں لے لی گئی تھیں۔ ان میں بعض خاصی بڑی تھیں۔ اس بیڑے میں اُن تمام ممالک سے تازہ دم فوج آ رہی تھی جس سے صلیب پر حلف لیا گیا تھا کہ فتح حاصل کیے بغیر واپس نہیں آئے گی۔

''اگر صلاح الدین ایوبی نے ہمارا مقابلہ اپنے بحری بیڑے سے کیا تو اس کی اُسے مصر جتنی قیمت دینی پڑے گی''۔

فرانسیسی بحریہ کے کمانڈر نے کہا.... ’’ہم جانتے ہیں کہ اس کے بحری بیڑے کی کتنی کچھ طاقت ہے‘‘...... وہ بحیرۂ روم کے دوسرے کنارے پر ایک کانفرنس میں بیٹھا کہہ رہا تھا..... ’’صلاح الدین ایوبی اور نور الدین خشکی پر لڑنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ اس حملے کی خبر مسلمانوں کو قبل از وقت نہیں ہوگی اور صلاح الدین ایوبی کو اُس وقت خبر ہوگی جب ہم قاہرہ کو محاصرے میں لے چکے ہوں گے۔ نور الدین زنگی اُس کی مدد کے لیے نہیں پہنچ سکے گا اور ہمارا یہ حملہ فیصلہ کن ہوگا‘‘۔

’’میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ سوڈانیوں کا استعمال کرنا ضروری ہے‘‘...... رینالٹ نے کہا..... ’’رینالٹ ایک مشہور صلیبی حکمران اور جنگجو تھا۔ اسے بیت المقدس کی طرف سے خشکی پر آنا اور حملہ کرنا تھا۔ وہ شروع سے زور دے رہا تھا کہ وہ مصر پر شمال اور مشرق سے حملہ کریں تو جنوب سے سوڈانی بھی مصر پر حملہ کر دیں گے۔

’’آپ پچھلے تجربوں کو بھول جاتے ہیں‘‘...... اسلام کے سب سے بڑے دشمن فلپ آگسٹس نے کہا..... ’’۱۱۶۹ء میں ہم نے سوڈان کو بے دریغ مدد دی تھی اور اس توقع پر ہم نے سمندر سے حملہ کیا تھا کہ سوڈانی جنوب سے حملہ کریں گے اور صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو سوڈانی ہیں وہ بغاوت کر دیں گے مگر انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ دو سال بعد پھر انہیں مدد دی گئی۔ انہوں نے یہ بھی ضائع کر دی۔ اب کے پھر انہوں نے ہمیں مایوس کیا، ہم کیوں انہیں اپنے منصوبے میں شریک کریں؟ اگر مصر ہم نے اپنی طاقت سے لے لیا تو سوڈانی ہم سے حصہ مانگیں گے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ سوڈانیوں میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں۔ مسلمان پر بھروسہ کرنا غلطی ہے۔ اگر آپ سچے دل سے اسلام کا نام ونشان مٹانا چاہتے ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا دوست نہ سمجھیں۔ انہیں خرید کر اپنا دوست ضرور بنائیں، لیکن دل میں اس کی دشمنی قائم رکھیں‘‘۔

’’آپ ٹھیک کہتے ہیں‘‘..... ایک اور صلیبی بادشاہ نے کہا..... ’’آپ لوگوں نے فاطمیوں کو دوست بنایا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہوتے ہوئے بھی اسے ابھی تک قتل نہیں کر سکے۔ ہم نے انہیں بڑے بڑے قابل جاسوس اور تخریب کار دیئے جو انہوں نے اپنی غلطیوں سے پکڑوا کر مروا دیئے۔ اب ہم کسی پر بھروسہ نہیں کریں گے، ہمیں اپنی جنگی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اب ہم کامیاب ہوں گے‘‘۔

ان کی جنگی طاقت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس سے زیادہ تکبر کرنے میں حق بجانب تھے۔ بحری بیڑے کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ بیت المقدس کی طرف سے جو فوج آرہی تھی۔ وہ سمندر کی طرف سے آنے والی نفری سے دُگنی تھی۔ یورپی مورخوں میں تعداد کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے تو اس حملے کا صلیبی جنگوں میں ذکر ہی نہیں کیا، جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اس حملے میں کم وبیش صلیبیوں کی چھ بادشاہیاں شامل تھیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے حکمران بھی تھے، جو اپنی فوجیں لے آئے تھے۔ ان میں خامی یہ تھی کہ ان کی کمان متحدہ نہیں تھی، تاہم یہ لشکر نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو آسانی سے شکست دے سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کی فوج کم تھی۔ اس کے علاوہ مصر میں غداروں نے بدامنی پھیلا رکھی تھی اور سب سے بڑا خطرہ یہ کہ سوڈانی بھی حملہ کر سکتے تھے۔ نور الدین زنگی کو بھی کچھ ایسی ہی دشواریوں کا سامنا تھا۔ دنیائے اسلام چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور یہ حکمران عیش وعشرت کے عادی ہو چکے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں اپنے زیر اثر لے رکھا تھا۔ وہ آپس میں پھٹے ہوئے تھے اور انہیں اسلام کی ناموس کا ذرہ بھر احساس نہ تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سنیئر کمانڈروں کو بلا کر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے کو اُس نے سوڈان کی سرحد پر چلے جانے کو کہا۔ اس کے کمانڈر کو یہ ہدایت دی کہ وہ سرحد سے خاصا پیچھے خیمہ زن رہے، لیکن فوج کو مختلف جگہوں پر اس طرح متحرک رکھے کہ گرد اُڑتی رہے اور یہ ظاہر ہو کہ فوج کی تعداد بے حساب ہے۔ سلطان ایوبی نے خصوصی

حکم یہ دیا کہ کسی بھی وقت فوج آرام کی حالت میں نہ رہے۔ دوسرے حصے کو سکندریہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا، لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ کوچ رات کو ہوگا اور تمام پڑاؤ دن کے وقت ہوں گے۔ اس کے کمانڈر کو بتایا گیا کہ اسے یہ حکم بعد میں ملے گا کہ اس کی منزل کیا ہے اور آخری خیمہ گاہ کہاں ہوگی۔ تیسرے حصے کو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس نے کسی بھی کمانڈر کو نہ بتایا کہ یہ احکام کیوں دیئے جا رہے ہیں۔ یہ سب نے دیکھا کہ تمام ترمنجنیقیں اس فوج کو دی گئی تھیں جو سکندریہ کی طرف جا رہی تھیں۔

اس کے ساتھ آٹھ روز بعد سلطان ایوبی قاہرہ میں نہیں تھا اور نورالدین زنگی کرک میں نہیں تھا۔ وہ دونوں سکندریہ کے مشرق میں گھوم پھر رہے تھے، مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں کسی ملک کے حکمران اور فوجوں کے کمانڈر ہیں اور یہ وہ انسان ہیں جو صلیبیوں کے لیے سراپا دہشت بنے ہوئے ہیں۔ وہ غریب سے دو شتربان تھے جو معلوم نہیں کہاں سے آئے تھے اور کہاں جا رہے تھے۔ انہوں نے ساحل پر جا کر بحیرۂ روم کی وسعت کو نظروں سے بھانپا اور ناپا۔ وہ تین چار دن میں دُور دُور گھوم گئے۔ سلطان ایوبی سکندریہ اور نورالدین زنگی کرک چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیرالبحر کو کچھ احکام دیئے اور وہ چلا گیا۔

☆

صلیبیوں کا بیڑہ مکمل خاموشی اور راز داری سے آیا۔ بیت المقدس سے صلیبیوں کی فوج چل پڑی۔ دونوں کی روانگی کے اوقات میں مطابقت تھی۔ صلیبیوں نے بڑے اچھے موسم کا انتخاب کیا تھا۔ اس موسم میں سمندر خاموش رہتا ہے۔ تلاطم اور طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا۔ صلیبی جہازوں کے کپتانوں کو مصر کا ساحل نظر آنے لگا، لیکن انہیں سلطان ایوبی کا کوئی جہاز نظر نہیں آ رہا تھا۔ سب سے اگلے جہاز کے کپتان نے سمندر میں ماہی گیروں کی ایک کشتی دیکھی۔ اس نے جہاز ان کے قریب کر کے اوپر سے جھک کر پوچھا...... ''جنگی جہاز کہاں ہیں؟ اگر غلط بتاؤ گے تو تمہیں ڈبو کر مار ڈالیں گے''۔

ماہی گیروں نے کہا...... ''مصر کے جہاز اس طرح نہیں رکھے جاتے۔ یہاں سے بہت دُور ہیں''۔

جہاز روک کر رسہ پھینکا گیا۔ دو ماہی گیر رسّے کے ذریعے جہاز پر چلے گئے۔ انہوں نے کپتان کو مصر کے جنگی جہازوں کے متعلق جو معلومات دیں، وہ یہ تھیں کہ کئی جہاز مرمت ہو رہے ہیں۔ جو جہاز اچھی حالت میں ہیں وہ اتنی دور ہیں کہ سکندریہ تک پہنچتے دو دن لیں گے، کیونکہ بادبانوں اور چپوؤں کے لحاظ سے وہ کمزور اور کم رفتار ہیں۔ ماہی گیر نے جو سب سے زیادہ قیمتی بات بتائی، وہ یہ تھی کہ چونکہ سلطان ایوبی بحریہ کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اس لیے جنگی ملاح عیش وعشرت میں پڑے رہتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ جو دیہات ہیں، وہاں چلے جاتے ہیں۔ ماہی گیروں سے مچھلیاں چھین لیتے ہیں۔

صلیبی بحریہ کے راہنما کے لیے یہ معلومات خوش خبری سے کم نہ تھیں۔ اُس نے اپنا جہاز روک لیا اور ایک کشتی کے ذریعے اس بیڑے کے کمانڈر کے جہاز تک گیا۔ اُسے اس نے یہ معلومات دیں جو اس نے دو ماہی گیروں سے لی تھیں۔ ان کے لیے میدان صاف تھا۔ کمانڈر نے بیڑے کو وہیں روک لیا۔ وہ شام کے بعد اندھیرے میں ساحل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے وہ جگہ بتادی گئی تھی جہاں ساحل کے ساتھ پانی اتنا گہرا تھا کہ جہاز ریت میں پھنسے بغیر ساحل تک آ سکتے تھے۔ وہاں فوج کو آسانی سے اُتارا جا سکتا تھا...... سکندریہ کی بندرگاہ سے ایک کشتی کھلے سمندر کی طرف چلی گئی جو بظاہر ماہی گیروں کی تھی۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا جب یہ کشتی بیڑے تک پہنچ گئی۔ کم وبیش اڑھائی سو جنگی جہاز سمندر میں دُور دُور تک بکھرے ہوئے تھے۔ ماہی گیر اپنی کشتی کو بیڑے کے درمیان لے گئے اور پوچھ کر کمانڈر کے جہاز تک پہنچ گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو بتایا کہ سکندریہ کے اندر کوئی فوج نہیں ہے۔ صرف شہری آبادی ہے اور مصری بیڑے کے جنگی جہاز یہاں

سے بہت دُور ہیں...... یہ ماہی گیر مسلمانوں کے جاسوس تھے۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ جب اگلی صف کے جنگی جہاز ساحل کی طرف بڑھے اور کسی دشواری کے بغیر ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ پچھلی صف کے جہاز ان کے قریب، عقب میں آئے اور لنگر ڈال دیئے۔ تیسری صف بھی قریب آ گئی۔ فوج اُتارنے کا انتظام غالباً یہ تھا کہ ہر ایک جہاز کو ساحل پر نہیں آنا تھا بلکہ تمام جہازوں کو ساتھ ملا کر ان میں سے فوج کو گزر کر اُترنا تھا۔ سکندریہ پر خاموشی سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اطلاع کے مطابق وہاں چونکہ فوج نہیں تھی، اس لیے قبضہ مشکل نہ تھا۔ اگلے جہازوں سے جو فوج اُتری، اسے سکندریہ میں داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا اور سپاہیوں کو بتایا گیا کہ شہر ان کا اپنا ہے، کوئی مزاحمت نہیں ہو گی۔ سپاہی دوڑ پڑے۔ انہیں شہر کو لوٹنا تھا اور ان کی نظر عورتوں پر بھی تھی۔

جونہی سپاہیوں کا یہ ہجوم شہر کے قریب آیا، شہر کے باہر دائیں اور بائیں شعلے اُٹھے جن سے رات روشن ہو گئی۔ یہ گھاس، لکڑیوں اور کپڑوں کے انبار تھے جن پر تیل ڈالا گیا تھا۔ ان سے روشنی کا کام لینا تھا۔ شہر کی گلیوں میں بھی مشعلیں جل اُٹھیں اور مکانوں کی چھتوں سے تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ صلیبی پیچھے کو بھاگے تو دائیں اور بائیں سے ان پر تیر برسنے لگے۔ ان کے لیے سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے رات لرزنے لگی۔ ان صلیبیوں کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی۔ ان میں سے شاید ہی کوئی زندہ پیچھے گیا ہو گا۔ صلیبی فوج جو ابھی جہازوں میں تھی، اُسے آگے آنے کا حکم ملا۔ جہازوں میں صلیبیوں کی منجنیقیں آتشیں گولے پھینکنے لگیں اور دُور مار تیر بھی آنے لگے۔

سب سے پیچھے والے دو تین جنگی جہازوں میں سے شعلے اُٹھے۔ صلیبی کپتانوں نے پیچھے دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر سے آگ کے گولے اُٹھتے ہیں اور ان کے جہازوں میں آ کر گرتے ہیں۔ صلیبیوں نے خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر جہازوں کو ہجوم کی صورت میں اکٹھا کر دیا تھا اور وہ سلطان ایوبی کے پھندے میں آ گئے تھے۔ دن کے وقت اگلے جہاز کو جو ماہی گیر ملے تھے، وہ علی بن سفیان کے محکمے کے آدمی تھے۔ یہ قدرتی سی بات تھی کہ سمندر میں ماہی گیر ملے تو صلیبی کپتان نے ان سے معلومات حاصل کیں۔ ماہی گیروں نے غلط معلومات دیں۔ انہوں نے صرف یہ بات ٹھیک بتائی تھی کہ مصری بیڑہ یہاں سے دُور ہے۔ وہ واقعی دُور تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیر البحر کو بتا دیا تھا کہ وہ سمندر پر نظر رکھے۔ کسی بھی وقت حملہ آ جائے گا۔ امیر البحر نے دیکھ بھال کا اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ اسے قبل از وقت پتا چل گیا تھا کہ صلیبی بیڑہ سمندر کے وسط تک آ گیا ہے۔ چنانچہ امیر البحر اپنے چند ایک جنگی جہاز جن میں آتشیں گولے پھینکنے والی منجنیقیں تھیں، ایک طرف دُور لے گیا تھا۔ اُس نے بادبان بھی اُتار لیے تھے اور مستول بھی، تاکہ دور سے جہاز نظر نہ آ سکیں۔ ان کی بجائے اس نے ایک ایک چپو پر دو دو آدمی لگا دیئے تاکہ رفتار تیز رہے۔

شام کے بعد جب صلیبی بیڑہ ساحل کے قریب گیا تو امیر البحر نے مستول بھی چڑھا دیئے اور بادبان بھی اور چپوؤں کی رفتار بھی تیز رکھی اور اس طرح وہ صلیبی بیڑے کے عقب عین اُس وقت پہنچ گیا، جب صلیبیوں نے اپنے جہاز ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیئے تھے۔ صلیبیوں کو دوسرا دھوکہ ان ''ماہی گیروں'' نے دیا تھا جو سکندریہ سے روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے صلیبی کمانڈر سے کہا تھا کہ وہ ان کے جاسوس ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ سکندریہ میں کوئی فوج نہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ شہر کے ان مکانوں میں جو سمندر کی طرف تھے، وہاں صرف فوج تھی۔ شہریوں کو محفوظ حصے میں بھیج دیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کا امیر البحر بہت تھوڑے جہاز لے کر گیا تھا۔ انہوں نے نقصان تو بہت کیا، لیکن دشمن کے کئی ایک جہاز بچ کر نکل گئے۔ دوسروں نے مقابلہ کیا۔ جلتے جہازوں نے رات کو دن بنا دیا تھا۔ اس روشنی میں سلطان ایوبی کے جہاز

بھی نظر آنے لگے تھے۔ ان میں سے ایک جہاز صلیبیوں کی منجنیقوں کی زد میں آ گیا۔ امیر البحر نے اپنے جہازوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا کیونکہ دشمن جہازوں کی افراط کی سہولت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سکندریہ میں سلطان ایوبی کے جانبازوں نے جوش میں آ کر ساحل پر ہلہ بول دیا اور جہازوں پر آتشیں تیر پھینکنے لگے۔ یہ جانباز مصر کی فوج کے اُس تیسرے حصے کے تھے، جسے سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ انہیں غیر فوجی لباس میں سکندریہ میں مکانوں میں مورچہ بند کیا گیا تھا اور نہایت خاموشی سے شہریوں کو دوسرے مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی عقل اور دھوکے کی جنگ لڑ رہا تھا اور کم سے کم طاقت استعمال کر رہا تھا۔ اس نے ابھی خاصی نفری اپنے زیر کمان ریزرو میں رکھی ہوئی تھی۔

رات بھر یہ جنگ جاری رہی۔ سمندر میں کئی جہاز جل رہے تھے، وہاں قیامت کا منظر بنا ہوا تھا۔ صلیبی بیڑہ چونکہ زیادہ تھا بلکہ سلطان ایوبی کے جہازوں کی نسبت بہت ہی زیادہ، اس لیے صلیبی جہاز تباہی سے نکل کر مسلمانوں کے جہازوں کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صورت گھیرے والی بن گئی تھی۔ رات کو پتا نہیں چلتا تھا کہ اپنے جہازوں کی کیفیت کیا ہے۔ سلطان ایوبی وہاں موجود تھا۔ اس نے اپنے اُن جہازوں کو جنہیں اُس نے محفوظہ کے طور پر رکھا ہوا تھا، حکم بھیج دیا کہ صلیبی جہازوں کو دُور کا چکر کاٹ کر اُلجھائیں۔ رات کے پچھلے پہر باقی جہاز بھی معرکے میں شریک ہو گئے۔ اس میں بہادری تو اُن ملاحوں کی تھی جو چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اپنے جہازوں کو تیر، آتش گیر مادہ اور گولے پہنچا رہے تھے۔ اپنے جہازوں کو ڈھونڈنا بہت ہی مشکل کام تھا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی۔ جب امیر البحر ایک کشتی میں ساحل پر آیا۔ اس کے ساتھ چند ایک بحری سپاہی تھے۔ امیر البحر کے کپڑے خون سے لال تھے اور اس کی ایک ٹانگ جھلسی ہوئی تھی۔ اس کا جہاز نذرِ آتش ہو گیا تھا اور وہ چند ایک جوانوں کو سمندر سے نکال لایا تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو بڑی عجلت میں معرکے کی صورتِ حال بتائی جو مختصر یہ تھی کہ اس کے آدھے جہاز تباہ ہو چکے تھے، لیکن صلیبیوں کو اتنا زیادہ نقصان پہنچایا جا چکا تھا کہ وہ زیادہ دیر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ سلطان ایوبی نے اُسے بتایا کہ باقی جہازوں کو بھی بھیج دیا گیا ہے۔ یہ اقدام امیر البحر کی خواہش اور ضرورت کے عین مطابق تھا۔ اس نے سلطان ایوبی سے کہا...... ”صلیبیوں کو سب سے زیادہ نقصان وہ بوجھ دے رہا ہے جو انہوں نے جہازوں میں لاد رکھا ہے۔ رسد کے علاوہ اُن کے جہازوں میں فوج بھی ہے اور بعض جہازوں میں گھوڑے ہیں۔ اس بوجھ کی وجہ سے اُن کے جہاز رفتار میں نہیں آتے اور گھومنے میں دیر لگاتے ہیں۔ میرے جہاز خالی ہیں“۔

امیر البحر اتنا زیادہ زخمی تھا کہ اس کا سر ڈول رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے طبیب اور جراح کو بلایا مگر امیر البحر نے پروا نہ کی۔ سلطان ایوبی کا ہیڈ کوارٹر ساحل کے چٹانی علاقے میں تھا۔ وہ ایک اونچی چٹان پر کھڑے تھے۔ سورج کی کرنوں نے سمندر اور ساحل کا جو منظر دکھایا وہ ہیبت ناک تھا، جہاں تک نظر جاتی تھی۔ سمندر میں جہاز مست سانڈوں کی طرح سمندر کو چیر رہے تھے۔ بہت سے جہاز جل رہے تھے۔ بعض مستول ٹوٹ جانے اور بادبان بے کار ہو جانے سے ایک ہی جگہ کھڑے ہچکولے کھا رہے تھے۔ سمندر میں بہت سے انسان تیرتے نظر آ رہے تھے اور موجیں لاشوں کو ساحل پر لا رہی تھیں، اپنے جہازوں کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ دُور مغرب کی طرف سمندر سے مستولوں کے بالائی حصے اُبھرے، پھر بادبان نظر آئے۔ جہاز ایک صف میں ایک دوسرے سے دُور دُور معرکے کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے ...... ”تمہارے جہاز آ رہے ہیں“ ...... اُس نے اِدھر دیکھا، وہاں امیر البحر نہیں تھا۔

امیر البحر اپنے جہازوں کو آتا دیکھ کر سلطان کو بتائے بغیر چٹان سے اُتر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو وہ اُس وقت نظر

آیا جب وہ ایک کشتی میں بیٹھ چکا تھا اور کشتی کا بادبان کھل چکا تھا۔ یہ دس چپوؤں کی کشتی تھی۔ سلطان ایوبی نے چلا کر اسے پکارا...... ''سعدی! تم واپس آ جاؤ۔ میں نے تمہاری جگہ ابو فرید کو بھیج دیا ہے''۔

امیر البحر دُور نکل گیا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا...... ''یہ میری جنگ ہے۔ خدا حافظ''...... اور اُس کی کشتی دُور ہی دُور ہٹتی گئی، پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

قاصد نے سلطان ایوبی کو اطلاع دی کہ سکندریہ سے شمال مشرق کی طرف تین میل دُور صلیبیوں کی کچھ فوج اُتر آئی ہے اور وہاں خون ریز معرکہ لڑا جا رہا ہے۔ سلطان ایوبی نے وہاں جانے کی بجائے کچھ احکام جاری کر دیئے اور سمندری جنگ کو دیکھتا رہا...... اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ صلیبیوں کا ایک جہاز ساحل کے ذرا قریب آ گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بیڑے کا ایک جہاز اس کے قریب آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صلیبیوں نے تیروں کی بوچھاڑیں ماریں لیکن مسلمان ملاحوں نے پروا نہ کی۔ وہ اپنے جہاز کو صلیبی جہاز کے اتنا قریب لے آئے کہ کود کر اس میں چلے گئے اور دست بدست لڑ کر جہاز پر قبضہ کر لیا، مگر یہ معرکہ اتنا سہل نہ تھا، جیسا بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان بحریہ کے سرفروشوں نے خون اور جان کی بے دریغ قربانی دی۔ وہ تین تین چار چار جہازوں کے گھیرے میں لڑے۔ دشمن کے جہازوں میں کود کود کر لڑے۔ تیروں سے چھلنی ہوئے مگر اس طرح معرکے میں سے نکلنے کی نہ سوچی، جس طرح صلیبی اپنے جہاز نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

صلیبیوں کی کمر رات کو ہی ٹوٹ گئی تھی۔ اُن کے کمانڈر صلیب کا حلف پورا کر رہے تھے اور انہیں صبح تک یہ اُمید لڑاتی رہی کہ وہ سلطان ایوبی کی قلیل سی بحری قوت پر قابو پا لیں گے، لیکن اگلے دن کے پچھلے پہر تک اُن کی کیفیت اتنی بگڑ چکی تھی کہ جہاز بکھر کر اُدھر کو ہی جا رہے تھے، جدھر سے آئے تھے۔ وہ اپنی زیادہ تر قوت مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ کر گئے تھے اور اُن کی جو تھوڑی سی فوج ساحل پر اُتری تھی۔ وہ سکندریہ سے تین چار میل دُور شمال مشرق میں کچھ کٹ گئی تھی، باقی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج کا دوسرا حصہ ابھی جنگ میں شریک ہی نہیں ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کے پاس قاصد آ رہے تھے، جا رہے تھے اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ صلیبی ناکام ہو گئے ہیں تو اُس نے فوج کے دوسرے حصے کو ایک اور محاذ دے دیا۔ عمران کی اطلاع کے مطابق بیت المقدس کی طرف سے بھی صلیبی فوج کو آنا تھا۔ اُس کے لیے نور الدین زنگی گھات میں تھا، تاہم پیش بندی کے طور پر سلطان ایوبی نے دفاع مضبوط کر لیا۔ تیسرے حصے کو جو اُس نے اپنے زیرِ کمان ریزرو میں رکھا ہوا تھا، اُن صلیبیوں کو پکڑنے پر لگا دیا جو سمندر سے نکل رہے تھے۔

سورج کی آخری کرنوں نے سلطان ایوبی کو یہ منظر دکھایا کہ صلیبیوں کے وہی جہاز نظر آ رہے تھے جو جل چکے تھے اور ابھی ڈوبے نہیں تھے یا وہ جنہیں پکڑ لیا گیا تھا یا اُن جہازوں کے بادبان نظر آ رہے تھے جو واپس جاتے ہوئے دُور ہی دور ہٹتے جا رہے تھے۔ اس کی اپنی بحریہ کے جہاز جو بچ گئے تھے، ساحل کی طرف آ رہے تھے۔ دیکھنے والوں نے اندازہ لگایا کہ سلطان کی آدھی بحریہ مصر پر قربان ہو گئی تھی۔ کشتیاں ساحل پر آ رہی تھیں۔ ان میں اپنے بحری سپاہی آتے تھے جو زخمی تھے یا سمندر سے نکالے گئے تھے۔ ان کے جہاز تباہ ہو گئے تھے۔ ایک کشتی اُس چٹان کے قریب آ کے ساحل سے لگی جس پر سلطان ایوبی کھڑا تھا۔ اس میں کسی کی لاش تھی۔ سلطان ایوبی نے بلند آواز سے پوچھا...... ''یہ کس کی لاش ہے؟''

''امیر البحر سعدی بن سعد کی۔'' ایک ملاح نے جواب دیا۔

سلطان ایوبی دوڑ کر نیچے اُترا۔ لاش سے کپڑا ہٹایا۔ اُس کے امیر البحر کی لاش خون سے لال ہو چکی تھی۔ ملاحوں نے بتایا کہ امیر البحر نے ایک جہاز تک پہنچ کر بحریہ کی کمان لے لی تھی اور جنگ لڑاتے رہے۔ انہوں نے اس جہاز پر اپنی

کمان کا جھنڈا اڑھا دیا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں کے چار جہازوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان میں سے دو تباہ ہوئے اور امیر البحر کا جہاز بھی تباہ ہو گیا۔ اس وقت تک معرکہ ختم ہو چکا تھا...... سلطان ایوبی نے امیر البحر کی لاش کا ہاتھ چوما اور کہا...... ''تم سمندر کے فاتح ہو۔ میں کچھ بھی نہیں''۔

اس نے جہاں یہ حکم دیا کہ دشمن کے جو جہاز پیچھے رہ گئے ہیں، اُن سے سامان نکالا جائے، وہاں جذباتی لہجے میں کہا...... ''تمام کشتیاں سمندر میں ڈال دو اور کسی شہید کی لاش سمندر میں نہ رہنے دو۔ انہیں یہیں دفن کرنا جہاں بحیرۂ روم کی ہوائیں ان کی قبروں کو ٹھنڈی رکھیں''۔

بحری شہیدوں کی تعداد کم نہیں تھی۔

☆

بیت المقدس سے صلیبیوں کی فوج کوچ کر چکی تھی اور آدھا راستہ طے کر آئی تھی۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ اُن کی بحریہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے قلب میں صلیبیوں کا مشہور جنگجو حکمران ریجنالٹ تھا۔ اس فوج کے بھی تین حصے تھے۔ ایک آگے تھا۔ دوسرا کچھ دُور پیچھے درمیان میں اور تیسرا بہت دائیں کو ہٹ کر آ رہا تھا۔ اس کی متحدہ کمان ریجنالٹ کے پاس تھی اور اُسے یہ توقع تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جا لے گا۔ تصوروں میں اُسے قاہرہ نظر آ رہا تھا۔ گھوڑا گاڑیوں کے قافلے، رسد بھی ساتھ لا رہے تھے۔ سکندریہ سے بہت دور شمال مشرق میں ایک وسیع خطہ ریت اور مٹی کے ٹیلوں اور نشیب و فراز کا ہوا کرتا تھا۔ آٹھ صدیوں نے اس خطے کو اب ویسا نہیں رہنے دیا۔ اس کے قریب باقی علاقہ صحرا تھا اور اس صحرا میں پانی بھی تھا۔ ریجنالٹ نے ایک پڑاؤ وہاں کیا۔ اس کی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تھا۔ دائیں طرف والا حصہ دُور تھا۔ آدھی رات کا وقت ہو گا۔ ریجنالٹ کے کیمپ میں قیامت بپا ہو گئی۔ اس کے کچھ بھی پلے نہ پڑا کہ یہ قیامت آسمان سے ٹوٹی ہے یا اس کی اپنی فوج نے بغاوت کر دی ہے۔

اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ نورالدین زنگی کی گھات میں آ گیا ہے۔ زنگی نے کئی دنوں سے اپنی فوج کو ٹیلوں اور نشیب و فراز کے اس علاقے میں لا کے بٹھا رکھا تھا۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ یہاں پانی قریب ہے، اس لیے صلیبی یہاں پڑاؤ کریں گے۔ صلیبی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تو زنگی کے کمانڈروں کو مایوسی ہوئی۔ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ رات کو پڑاؤ پر حملہ کرنا ہے۔ وہاں پڑاؤ نہ ہوا۔ بہت دیر بعد انہیں دُور سے گرد کے بادل نظر آئے تو وہ سمجھے کہ آندھی آ رہی ہے۔ صحرائی آندھی بڑی خوف ناک ہوا کرتی ہے، لیکن یہ آندھی نہیں صلیبی فوج کا درمیانی حصہ تھا جو اسی جگہ آ کر رُک گیا، جہاں نورالدین زنگی کو توقع تھی۔ صلیبیوں نے خیمے نہ لگائے کیونکہ انہیں صبح کوچ کرنا تھا۔ جانوروں کو الگ باندھ دیا گیا اور پھر سورج ڈوب گیا۔

آدھی رات کو زنگی کے دستے جو گھات میں تھے، باہر آئے، یہ سب سوار تھے۔ انہوں نے پہلے تو اندھیرے میں تیروں کا مینہ برسایا اور جب سوئے ہوئے سپاہیوں میں بھگدڑ مچی تو سواروں نے گھوڑے سرپٹ دوڑا دیئے۔ وہ اندھا دھند برچھیاں اور تلواریں چلاتے گئے اور آگے نکل گئے۔ صلیبی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ سواروں نے پھر ہلہ بول دیا۔ صلیبیوں کے بندھے ہوئے گھوڑوں کی رسیاں کھول دی گئیں۔ یہ سب بھاگ اُٹھے۔ ریجنالٹ وہاں سے بھاگ گیا اور دائیں حصے والی فوج میں جا پہنچا۔ یہ حصہ کہیں دُور پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ نورالدین زنگی اسی طرف تھا۔ اس ساری فوج کی رسد پیچھے آ رہی تھی۔ زنگی نے اس کے لیے الگ دستے مقرر کر رکھے تھے۔ انہوں نے صبح تک رسد پر قبضہ کر لیا۔ دائیں والا رات کو ہوشیار ہو گیا تھا۔ ریجنالٹ اسے اپنے حصے کی طرف لانے لگا، کیونکہ وہ اسی جگہ کو میدانِ جنگ سمجھتا تھا۔ صبح کے

دھند لکے میں یہ فوج چل پڑی۔ نورالدین زنگی نے عقب سے اُس کے پہلو پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد اس فوج کو معلوم ہی نہ ہوسکا کہ اس پر کس طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کی طرح زنگی بھی جم کر نہیں لڑتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے دستوں سے حملے کرا کے صلیبیوں کو بکھیرتا جا رہا تھا۔

اُس نے رات کو سلطان ایوبی کی طرف قاصد بھیج دیا تھا۔ ان دونوں نے سکیم پہلے ہی بنا رکھی تھی۔ زنگی کا ہر عمل اور اقدام اور دشمن کا ردِعمل ان کی سکیم کے عین مطابق تھا۔ ریجنالٹ نے اپنی فوج کے اگلے حصے کو پیچھے آنے کا پیغام بھیجا۔ چار روز ریجنالٹ اور زنگی میں لامحدود وسعت میں معرکے ہوتے رہے۔ زنگی نے صلیبیوں کو بکھیر لیا تھا اور ''ضرب لگاؤ اور بھاگو'' کے اصول پر لڑ رہا تھا۔ صلیبیوں کی فوج کا آگے والا حصہ واپس ہوا تو رات کو اُس کے عقب پر حملہ ہوا۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار تھے۔ انہوں نے دو تین شب خون مارے اور غائب ہو گئے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ صلیبی آمنے سامنے کی جنگ لڑنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن سلطان ایوبی انہیں کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ یہ طریقہ آسان نہیں تھا۔ چھاپہ مار اگر ایک سو کی تعداد میں جاتے تھے تو بمشکل ساٹھ واپس آتے تھے۔ اس کے لیے خصوصی مہارت، دلیری اور تیزی کی ضرورت تھی جو سلطان ایوبی نے اپنے چھاپہ مار دستوں میں پیدا کر رکھی تھی۔

جنگ بہت دُور دُور تک پھیل گئی۔ صلیبی فوج میں نہ جمعیت رہی، نہ مرکزیت۔ اُن کی رسد زنگی کے قبضے میں آ گئی تھی۔ میدانِ جنگ میں نہ کوئی سامنا، نہ عقب۔ صلیبی اس جنگ کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے جو مسلمان لڑ رہے تھے، پھر کیفیت یہ ہوگئی کہ جو صلیبی سپاہی بھاگ سکے، بھاگ گئے اور جن میں تاب نہ رہی، وہ ہتھیار ڈالنے لگے۔ ریجنالٹ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے کسی اور جگہ کچھ فوج اکٹھی کر لی اور اُسے یہ بھی پتا چل گیا کہ زنگی کہاں ہے۔ اس نے نہایت اچھی سکیم سے وہاں حملہ کر دیا۔ یہ ایک بڑا ہی سخت معرکہ تھا۔ صلیبی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ریجنالٹ کی چالیں اور اپنی فوج پر کنٹرول بہت اچھا تھا مگر چوتھی پانچویں رات زنگی کے شب خون مارنے والے ایک دستے کے چند ایک جانبازوں نے جان کی بازی لگا دی اور ریجنالٹ کی ذاتی خیمہ گاہ پر جا شب خون مارا۔ یہ زنگی کی سکیم کے تحت اقدام کیا گیا تھا۔ زنگی نے چھاپہ ماروں کی للکار پر حملہ کر دیا۔ اُس دور میں رات کے وقت لڑائی نہیں لڑی جاتی تھی۔ یہ طرح مسلمانوں نے ڈالی تھی کہ رات کو بھی حملے جاری رکھتے تھے۔

صبح طلوع ہوئی تو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر ریجنالٹ قیدی کی حیثیت سے نورالدین زنگی کے سامنے کھڑا تھا اور زنگی اسے اپنی شرائط بتا رہا تھا۔ یہ صلیبی کمانڈر ہر شرط ماننے پر آمادہ تھا لیکن بات جب بیت المقدس پر آئی تو ریجنالٹ نے انکار کر دیا۔ زنگی نے اسے کہا تھا کہ بیت المقدس ہمارے حوالے کر دو اور آزاد ہو جاؤ...... شام تک سلطان ایوبی بھی آ گیا۔ ریجنالٹ کو پورے احترام کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ سلطان ایوبی اُسے بغل گیر ہو کر ملا۔

''آپ عظیم سپاہی ہیں''۔ ریجنالٹ نے سلطان ایوبی سے کہا۔

''یوں کہو کہ اسلام عظیم مذہب ہے''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''سپاہی وہی عظیم ہوتے ہیں جن کا مذہب عظیم ہوتا ہے''۔

''محترم ریجنالٹ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ان کا بحری بیڑہ نہیں آیا تھا؟'' نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی سے کہا...... ''انہیں صحیح جواب تم ہی دے سکتے ہو۔ میں تو یہاں تھا''۔

''آپ کا بحری بیڑہ پورے طمطراق سے آیا تھا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور واپس بھی چلا گیا ہے۔ آپ

بہت سے جہاز سمندر کی تہہ میں ہوں گے اور جو ڈوبے نہیں، اُن کے جلے ہوئے ڈھانچے سمندر پر تیر رہے ہیں جو فوج جہازوں سے اُتر آئی تھی، وہ واپس نہیں جا سکی۔ ہم نے آپ کی تمام لاشیں پورے احترام سے دفن کر دی ہیں''...... سلطان ایوبی اُسے جنگ کی صورتِ حال سنا رہا تھا کہ ریجنالٹ کی آنکھیں اور منہ کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ روئیداد سچی ہے۔

''اگر یہ سچ ہے تو آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہوا؟''...... ریجنالٹ نے پوچھا۔

''یہ راز اُس روز آپ پر فاش کروں گا جس روز فلسطین سے صلیب کا آخری سپاہی بھی نکل جائے گا''...... نور الدین زنگی نے کہا...... ''آپ کی یہ شکست آخری نہیں، کیونکہ آپ اس سرزمین سے نکلنے پر آمادہ نظر نہیں آتے''۔

''میں آپ کو اپنے علاقے دے دوں گا''۔ ریجنالٹ نے کہا...... ''مجھے رہا کر دیں۔ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بھی کروں گا۔ آپ کی سلطنت بہت وسیع ہو جائے گی''

''ہمیں اپنی سلطنت کی ضرورت نہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''ہمیں خدا کی سلطنت قائم کرنی ہے۔ اسلام کی سلطنت جس کی وسعت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کا مقصود اسلام کی بیخ کنی ہے جو ممکن نہیں۔ آپ نے فوجیں استعمال کر دیکھی ہیں۔ بحری بیڑہ بھی آزما لیا ہے۔ اپنی بیٹیوں کو بھی استعمال کر دیکھا ہے۔ آپ نے ہماری قوم میں غدار بھی پیدا کیے ہیں۔ گزشتہ ایک صدی میں آپ نے کتنی کامیابی حاصل کی ہے؟''

''کیا یہ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ ہم نے اسلام کو کہاں کہاں سے نکالا ہے؟'' ریجنالٹ نے کہا...... ''اسلام تو بحیرۂ روم کے پاس پہنچ گیا تھا۔ سپین سے اسلام کی پسپائی کیوں ہوئی؟ روم آپ کے ہاتھ سے کیوں نکلا؟ سوڈان آپ کا کیوں دشمن ہوا؟ صرف اس لیے کہ ہم نے تمہارے اسلام کے محافظوں کو خرید لیا تھا۔ آج بھی تمہارے حکمران بھائی ہمارے زرخرید غلام ہیں۔ ان کی ریاستوں میں مسلمان رہ گئے ہیں، اسلام ختم ہو گیا ہے۔

''ہم وہاں اسلام کو زندہ کریں گے دوست!''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

''آپ خواب دیکھ رہے ہیں، صلاح الدین ایوبی!'' ریجنالٹ نے کہا...... ''آپ دونوں کب تک زندہ رہیں گے؟۔ کب تک لڑنے کے قابل رہیں گے؟ اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟ میں آپ دونوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ آپ سچے دل سے اپنے مذہب کے پاسبان اور بہی خواہ ہیں لیکن آپ کی قوم میں مذہب کو نیلام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہم خریدار ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ جنگ و جدل کی بجائے اپنی قوم کو زر پرستی، لذت پرستی اور تعیش پسندی سے بچانے کی مہم چلائیں تو ہم یہاں ایک دن نہ ٹھہر سکیں گے، مگر میرے دوستو! آپ اس مہم میں کامیاب نہیں ہوں گے، جس کی وجہ یہ ہے کہ عیاشی آپ کی قوم میں نہیں آئی، بلکہ قوم کے سربراہ اور حکمران عیاش ہو گئے ہیں۔ اس حقیقت سے آپ چشم پوشی نہ کریں کہ جو بُرائی حکمرانوں کی طرف سے شروع ہوتی ہے، وہ قوم میں رواج کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ کے حکمرانوں کو اپنے جال میں پھانسا ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مجھے قتل کر دیں۔ مجھ جیسے چند اور صلیبی حاکموں کو قتل کر دیں، اسلام کو بہر حال ختم ہونا ہے۔ ہم نے جس مرض کا زہر آپ کی قوم کی رگوں میں ڈال دیا ہے، وہ بڑھے گا، کم نہیں ہو گا''۔

وہ ایسی حقیقت بیان کر رہا تھا جس سے نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی انکار نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم وہ صلیبیوں پر بہت بڑی فتح حاصل کر چکے تھے اور ایک صلیبی بادشاہ جو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر تھا، ان کے پاس جنگی قیدی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدی ہاتھ آئے تھے۔ یہ صرف ایک جاسوس کا کارنامہ تھا جو عکرہ سے اس حملے کی خبر بروقت لے آیا تھا۔

☆

ریجنالٹ اور دوسرے تمام جنگی قیدیوں کو نورالدین زنگی کرک لے گیا اور سلطان ایوبی اس سے رخصت ہو کر قاہرہ چلا گیا۔ اُس نے سوچا تک نہ تھا کہ وہ اب نورالدین زنگی سے کبھی نہیں مل سکے گا۔ وہ اس مسرت کے ساتھ قاہرہ گیا کہ زنگی ریجنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو بڑی سخت شرائط منوائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ نورالدین زنگی نے بھی ذہن میں کچھ منصوبے بنائے ہوں گے، مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مارچ ۱۱۷۴ء کے ابتدائی دن تھے کہ بغداد کے کسی علاقے میں شدید زلزلہ آیا جس نے چھ سات دیہات کو تباہ کر دیا۔ بغداد میں بھی نقصان ہوا۔ مورخوں نے اسے تاریخ کا سب سے زیادہ تباہ کن زلزلہ کہا ہے۔ نورالدین زنگی کے دِل میں اپنے عوام کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اُن کی امداد کے احکام جاری کرنے کی بجائے خود کرک سے چل پڑا۔ وہ ان کی دستگیری اپنی نگرانی میں کرنا چاہتا تھا، ویسے بھی اُسے کرک سے جانا تھا۔ بغداد اور اِردگرد کے حالات اچھے نہیں تھے۔ وہ کرک سے ریجنالٹ اور دوسرے صلیبی قیدیوں کو بھی ساتھ لیتا گیا۔

بغداد پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے زلزلے کا شکار ہونے والے لوگوں کی طرف توجہ دی۔ دارالخلافے سے باہر رہنے لگا۔ وہ دِل و جان سے اپنے لوگوں کی مدد کرتا رہا۔ جہاں رات آتی وہیں رُک جاتا۔ اس نے کھانے کی پروانہ کی کہ کیسا ملتا ہے اور کس کے ہاتھ کا پکا ہوتا ہے۔ اُسے تباہ حال لوگوں کی خوش حالی کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اپریل کے آخر تک اُس نے تمام متاثرین کو آباد کر دیا۔ جب ذرا فرصت ملی تو اُس نے اپنے طبیب کو بتایا کہ وہ اپنے گلے کے اندر درد محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے دوا دارو کیا لیکن حلق میں سوزش بڑھتی گئی۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا، لیکن مرض کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ بات کرنے سے بھی معذور ہو گیا اور مئی ۱۱۷۴ء کے پہلے ہفتے میں خاموشی سے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ زنگی کو خناق کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا لیکن بعض مورخوں نے وثوق سے لکھا ہے کہ زنگی کو حسن بن صباح کے فدائیوں نے زہر دیا تھا۔ اُن دنوں جب زنگی زلزلے سے تباہ کیے ہوئے دیہات میں بھاگتا دوڑتا رہتا اور اس کے کھانے کے اوقات اور پکانے کے طور طریقے بے قاعدہ ہو گئے تھے۔ فدائیوں نے اُسے کھانے میں ایسا زہر دینا شروع کر دیا تھا جس کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ یہ زہر حلق کی ایسی سوزش کا باعث بنا، جسے طبیب سمجھ ہی نہ سکے۔ جنرل محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے اپنی انگریزی کتاب ''گوریلا وار فیئر'' میں کئی بڑے بڑے اور مستند مورخوں کے حوالے سے اسی کی تصدیق کی ہے کہ نورالدین زنگی فدائیوں کا شکار ہوا تھا۔

زنگی کوئی وصیت نہ کر سکا۔ سلطان ایوبی کو کوئی پیغام نہ بھیج سکا۔ سلطان ایوبی کو اُس وقت اطلاع پہنچی جب زنگی دفن ہو چکا تھا۔ دوسرے ہی دن بغداد سے ایک اور قاصد یہ اطلاع لے کے آیا کہ نورالدین زنگی کی وفات کے ساتھ ہی موصل، حلب اور دمشق کے اُمراء نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے اور سلطان ایوبی کو یہ اطلاع بھی ملی کہ بغداد کے اُمراء وزراء نے نورالدین زنگی کے بیٹے الملک الصالح کو جس کی عمر صرف گیارہ سال تھی، سلطنتِ اسلامیہ کا خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ یہ اُمراء نابالغ خلیفہ کو کس راستے پر ڈالیں گے اور وہ کیا گل کھلائیں گے۔

سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا...... ''تم نے پانچ مہینے گزرے، مجھے اطلاع دی تھی کہ عکرہ میں ایک جاسوس شہید ہو گیا اور دوسرا پکڑا گیا ہے تو میرا دِل بیٹھ گیا تھا اور مجھے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے صلیبیوں کا یہ سال دُنیائے اسلام کے لیے اچھا نہیں ہوگا...... بیٹھ جاؤ۔ میری باتیں غور سے سنو۔ اب ہمیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔

......۞......

اسلام کی بقا کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی

مئی ۱۱۷۴ء کا دن دُنیائے اسلام کا ایک تاریک دن تھا۔ نورالدین زنگی کی میت کو ابھی غسل بھی نہیں دیا گیا تھا کہ بہت سے انسانوں کے چہرے مسرت سے چمک اُٹھے تھے۔ یہ صلیبی نہیں تھے، یا یوں کہئے کہ صرف صلیبی نہیں تھے جو زنگی کے انتقال پر پُر سرور تھے، ان میں مسلمان بھی تھے جو صلیبیوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی خوش نظر آتے تھے۔ یہ مسلمان ریاستوں اور جاگیروں کے امراء اور حاکم تھے۔ وہ سب زنگی کے گھر جمع ہو گئے تھے۔ وہ جنازے کے لیے آئے تھے۔ اُن میں سے بعض بے چین تھے جیسے زنگی کے انتقال سے غم زدہ ہوں، مگر بے چینی یہ تھی کہ وہ زنگی کو شام سے پہلے پہلے دفن کر دینا چاہتے تھے۔ وہ اکٹھے تو ہو گئے تھے لیکن ان کے دل پھٹے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو شکی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں کا مذہب ایک، خدا ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک اور دشمن ایک تھا مگر ہر ایک کا دِل دوسرے سے الگ اور جدا تھا۔ اُن کی مثال ایک درخت کی ٹہنیوں کی سی تھی جو ٹوٹ کر درخت سے الگ ہو گئی ہوں اور اب الگ الگ اپنے آپ کو ہرا بھرا رکھنے کی توقع لیے ہوئے ہوں۔

وہ دور دراصل جاگیرداری اور نوابی کا تھا۔ بعض مسلمان ریاستیں ذرا وسیع تھیں اور باقی چھوٹی چھوٹی ...... ان کے حکمران امیر کہلاتے تھے۔ یہ لوگ مرکزی خلافت کے تحت تھے۔ اسلام کے کسی بھی دشمن کے خلاف جنگ ہو تو یہ امراء خلافت کو مالی اور فوجی مدد دیتے تھے مگر یہ مدد صرف مدد تک محدود رہتی تھی، اس میں کوئی ملّی جذبہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ امن اور سکون سے عیش و عشرت کرنے کی خاطر خلافت کا مطالبہ پورا کر دیتے تھے۔ عیش و عشرت کی خاطر وہ اپنے سب سے بڑے (بلکہ واحد) دشمن صلیبیوں سے درپردہ دوستی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کر بھی رکھے تھے لیکن نورالدین زنگی کا وجود صلیبیوں کے راستے میں ایک چٹان تھا۔ وہ مسلمان امراء کو کئی بار شرمسار کر چکا تھا اور اس نے انہیں ذہن نشین کرانے کی سر توڑ کوشش کی تھی کہ صلیبی انہیں اسلامی وحدت سے توڑ کر ہڑپ کرتے جائیں گے مگر صلیبیوں کی مہیا کی ہوئی یورپی شراب، نوجوان لڑکیوں اور سونے کی اینٹوں میں اتنی قوت تھی، جس نے ان کے کان بند اور عقل سربمہر کر رکھی تھی۔ زنگی کی آواز جیسے پتھروں سے ٹکرا کر واپس آجاتی تھی۔

وہ سب سے پہلے جاگیردار اور نواب تھے، امیر اور حاکم تھے اور ان کے بعد اگر مذہب کی بات چل نکلے تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ اُن کا اگر دین تھا تو وہ ان کی ریاستیں اور جاگیریں تھیں۔ یہی اُن کا ایمان تھا۔ وہ اسلامی وحدت کے قائل نہیں تھے۔ جنگ کے تحت خلاف تھے کیونکہ انہیں خطرہ محسوس ہونے لگتا تھا کہ صلیبی ان کی جاگیروں پر قبضہ کر لیں گے۔ ان کے علاوہ اُن کے دلوں میں یہ ڈر بھی تھا کہ ان کی رعایا نے اپنے دشمن کو پہچان لیا تو اس میں روحانی بیداری اور قومی وقار بیدار ہو جائے گا، پھر رعایا ان کی نوابی کے لیے خطرہ بن جائے گی۔ حقیقت یہ تھی کہ رعایا ان کے لیے مستقل خطرہ تھی۔ لوگوں میں قومی وقار موجود تھا۔ زنگی کی فوج انہی لوگوں کی فوج تھی۔ اس کے مجاہد [illegible]

مقابلہ بھی کیا تھا۔ یہ جذبے کا کرشمہ تھا۔ امراء کو یہ جذبہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ لہٰذا وہ زنگی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے اور صلاح الدین ایوبی کو تو وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ اب زنگی فوت ہو گیا تو وہ خوش تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس قوم میں اب کوئی زنگی نہیں رہا اور جہاد بھی زنگی کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا۔

زنگی دفن ہو گیا۔ صلیبیوں پر مسلمانوں کی جو دہشت طاری تھی، وہ ختم ہو گئی۔ اُن کے دل میں اب صلاح الدین ایوبی کا کانٹا رہ گیا تھا جس کے متعلق اب وہ اتنے فکر مند نہیں تھے، جتنے زنگی کی زندگی میں تھے۔ اب سلطان ایوبی اکیلا رہ گیا تھا۔ اُسے مدد اور کمک دینے والا زنگی مر گیا تھا۔ صلیبیوں کو اصل خوشی تو اس پر ہوئی کہ زنگی کے بعد سر کردہ امراء وزراء نے زنگی کے کمسن بیٹے الملک الصالح کو گدی پر بٹھا دیا تھا جس کی عمر گیارہ سال تھی۔ یہ انتخاب اُن امراء نے کیا تھا جو در پردہ صلیبیوں کے دوست تھے۔ ان طرح سلطانی کی گدی صلیبیوں کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اُن اُمراء میں گمشتگین نام کا ایک امیر جو دراصل قلعہ دار (قلعے کا گورنر) تھا اور دوسرا سیف الدین والئی موصل تھا۔ دمشق کا حاکم شمس الدین بن عبدالمالک تھا۔ الجزیرہ اور نواحی علاقوں پر نور الدین زنگی کے بھتیجے کا راج تھا۔ ان کے علاوہ کئی اور جاگیردار تھے۔ ان سب نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ وہ بظاہر خلافت کے ماتحت تھے، لیکن عملاً آزاد ہو گئے تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ بہت مسرور تھے مگر محسوس نہ کر سکے کہ وہ ذرّوں کی طرح بکھر کر صلیبیوں کا آسان شکار بن گئے ہیں۔

زنگی کی وفات سے عالم اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا، اُسے زنگی کی بیوی نے محسوس کیا۔ سلطان ایوبی نے محسوس کیا اور اُن لوگوں نے محسوس کیا جن کے دلوں میں اسلام کی عظمت زندہ تھی۔

☆

اس حادثے کو بہت دن گزر چکے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں مصطفیٰ جودت نام کا ایک اعلیٰ فوجی افسر بیٹھا بول رہا تھا۔ مصطفیٰ ترک تھا۔ وہ نور الدین زنگی کی فوج میں منجنیقوں کا کمانڈر تھا۔ زنگی کی وفات کے بعد اُس نے عالم اسلام میں جو تباہ کن انقلاب دیکھا، اُس نے اُسے تڑپا دیا۔ اُس نے یہ کہہ کر لمبی چھٹی لے لی کہ اُسے ترکی گئے کئی سال گزر گئے ہیں، لہٰذا وہ ترکی اپنے گھر جانا چاہتا ہے۔ وہ دمشق سے روانہ ہوا، قاہرہ پہنچ گیا اور سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا۔ مصطفیٰ اُن فوجی افسروں میں سے تھا جو افسر کم اور مسلمان زیادہ ہوتے ہیں۔ اُسے معلوم تھا کہ زنگی کے بعد صرف سلطان ایوبی ہے جو عظمتِ اسلام کی پاسبانی کر سکتا ہے اور کرے گا۔ اُسے ڈر تھا کہ سلطان ایوبی کو اس طرف کے حالات کا علم نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ سلطان ایوبی کو وہاں کے حالات سنا رہا تھا۔

''......اور فوج کس حال میں ہے؟'' سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

''محترم زنگی مرحوم نے فوج میں جو جذبہ پیدا کیا تھا، وہ زندہ ہے''...... مصطفیٰ نے جواب دیا...... ''مگر یہ جذبہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ صلیبیوں کے سیلاب کو صرف فوج نے روک رکھا ہے۔ محترم زنگی مرحوم کی زندگی میں عملاً فوج حکومت کر رہی تھی۔ جنگی منصوبے اور فیصلے فوج کے ہاتھ میں تھے، لیکن یہ اقدام خلافت کے احکام کے خلاف تھا۔ اب ہم خلافت کے پابند ہو گئے ہیں۔ ہم اپنے آپ کوئی کارروائی نہیں کر سکتے، اگر خلیفہ کوئی جنگی منصوبہ بنائے گا ہی نہیں تو فوج کیا کرے گی؟ صلیبی جانتے ہیں کہ مسلمان اُمراء میں وہ غیرت ہی نہیں جو قومی عظمت کی خاطر لڑاتی اور مرواتی ہے اور لوگ جانیں قربان کرتے ہیں۔ صلیبیوں نے اُمراء کی غیرت خرید لی ہے اور اب وہ سالاروں کو خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کی تخریبی سرگرمیاں فوج میں بھی اور قوم میں بھی شروع ہو گئی ہیں، اگر یہ عمل جلدی نہ روکا گیا

صلیبی فوجی حملے کے بغیر ہی سلطنتِ اسلامیہ کے مالک بن جائیں گے۔ سلطنتِ اسلامیہ جاگیروں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ اُمراء کو اب راہِ راست پر نہیں لایا جاسکتا۔ وہ صلیبیوں کی شراب میں ڈوب گئے ہیں۔ انہوں نے وہاں لڑکیوں کی فوج اُتار دی ہے۔ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ لڑکیاں اُمرا کے حرموں میں رہتی ہیں۔ ان کے کہنے پر جشن منائے جاتے ہیں، جن میں سرکردہ فوجی افسروں کو مدعو کر کے یہ لڑکیاں انہیں بے حیائی سے اپنے جال میں پھانس رہی ہیں''۔

''اور اس کے بعد میں جانتا ہوں کیا ہوگا''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''فوجیوں کو نشے اور بدکاری کا عادی بنایا جائے گا''۔

''بنایا جارہا ہے''۔ مصطفیٰ نے کہا...... ''حشیشین بھی اپنی کارروائیوں میں مصروف ہوگئے ہیں۔ اب یوں ہوگا کہ جو سالار یا نائب سالار صلیبیوں کی دشمنی دِل سے نہیں نکالے گا اور جہادِ کا قائل رہے گا، اسے حشیشین کے پیشہ ور قاتلوں کے ہاتھوں پُراسرار طریقے سے قتل کرادیا جائے گا''۔

مصطفیٰ ن سلطان ایوبی کو تفصیل سے بتایا کہ کون سا امیر کیا کر رہا ہے۔ اس تفصیل کا لب لباب یہ تھا کہ اُمرا جہاں خودمختار ہوگئے تھے۔ وہاں انہوں نے ایک دوسرے کو دشمن سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف فوجی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ صلیبی اس نفاق اور چپقلش کو ہوا دے رہے تھے۔

''آپ نے اچھا کیا ہے جو مجھے وہاں کے حالات بتانے آگئے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اگر آپ نہ آتے تو مجھے ان تفصیلات کا علم نہ ہوتا، البتہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ گیارہ سال کے بچے کو سلطان بنا کر وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں''۔

''اور آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا...... ''اگر آپ نے فوری کارروائی نہ کی تو سمجھ لیں کہ سلطنتِ اسلامیہ کا سورج ڈوب گا ہے۔ آپ کی کارروائی صرف جنگی ہونی چاہیے''۔

''یہ دن بھی مجھے دیکھنا تھا کہ میں بھائیوں کے خلاف جنگی کارروائی کی سوچوں گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں اس سے ڈرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد غدار تاریخ میں یہ نہ لکھ دیں گے کہ صلاح الدین ایوبی خانہ جنگی کا مجرم تھا''۔

''اگر آپ اس ڈر سے قاہرہ میں بیٹھے رہے تو تاریخ آپ پر یہ شرم ناک الزام عائد کرے گی کہ نورالدین زنگی مرگیا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھی دم نکل گیا تھا۔ اس نے مصر پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے سلطنتِ اسلامیہ کو قربان کردیا تھا''۔

''ہاں!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''یہ الزام زیادہ شرم ناک ہوگا۔ میں ہر پہلو پر غور کر چکا ہوں، مصطفیٰ! اگر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلتا ہوں تو میں یہ نہیں دیکھوں گا کہ میرے گھوڑے تلے کون روندا جاتا ہے۔ میری نگاہ میں وہ کلمہ گو کفار سے بدتر ہے جو کافر کو دوست سمجھتا ہے...... آپ واپس چلے جائیں۔ میں نے علی بن سفیان کو وہاں بھیج رکھا ہے لیکن یاد رکھا کہ وہ جاسوسوں کے بھیس میں گیا ہے۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ علی بن سفیان ان کے درمیان گھوم پھر رہا ہے اور جائزہ لے رہا ہے کہ وہاں کس قسم کی کارروائی کی ضرورت ہے۔ آپ جا کر یہ دیکھیں کہ کون کون سا سالار مشکوک ہے۔ علی بن سفیان کے ساتھ بہت سے آدمی گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں وہاں کیا کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے تمام اُمراء کی طرف اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے ہیں کہ اُمراء ان حالات میں جب کہ صلیبی ان کے سر پر بیٹھے ہیں ایک محاذ پر مورچہ بند ہو جائیں اور آپس کے اختلافات مٹانے کی کوشش کریں۔ مجھے اُمید نہیں کہ وہ پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ لیکن میں انہیں صرف ایک بار بتا دینا چاہتا ہوں کہ سیدھا راستہ کون سا ہے، میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ انہوں نے

میرے کہے پر عمل نہ کیا تو میں کیا کروں گا''۔

''مصطفیٰ جودت کو رخصت کر کے سلطان ایوبی نے اپنے دربان کو چند ایک سالاروں اور انتظامیہ کو حکام کے نام لے کر کہا کہ انہیں جلدی سے اس کے پاس بھیجا جائے۔ یہ اس کی ہائی کمانڈ تھی، جسے اس نے بلایا تھا۔

☆

قاضی بہاؤالدین شداد جو صلاح الدین ایوبی کا دست راست اور ہمراز دوست تھا اور جو اُس کی مجلس مشاورت میں اعلیٰ رتبہ اور مقام رکھتا تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے..... ''صلاح الدین ایوبی کو خدا نے فولاد کے اعصاب عطا کیے تھے۔ اُس نے اپنی شخصیت اور کردار کو اس قدر مضبوط بنا رکھا تھا کہ پہاڑوں جیسے صدمے ہنس کھیل کر برداشت کر لیتا تھا۔ عزم کا ضدی اور مستقل مزاج تھا۔ امیر ہو یا غلام وہ ہر کسی کا یکساں احترام کرتا تھا۔ البتہ کسی کو دوسروں سے ممتاز سمجھتا تو صرف بہادری اور شجاعت کی بنا سمجھتا تھا۔ اُس کے قریب رہنے والے اس سے دو طرح کا تاثر لیتے تھے۔ ایک رعب کا دوسرا محبت کا۔ اُس کے سپاہی جب میدانِ جنگ میں اُسے دیکھتے تھے تو دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ ایک بار یوں ہوا کہ ایک خادم نے دوسرے خادم پر جوتا اُتار کر پھینکا۔ صلاح الدین ایوبی کمرے سے نکل رہا تھا۔ جوتا اسے جا لگا۔ دونوں خادم تھر تھر کانپنے لگے لیکن صلاح الدین ایوبی نے دونوں طرف سے منہ پھیر لیا اور آگے نکل گیا۔ یہ کردار کی عظمت کا مظاہرہ تھا۔ دوست تو دوست، دشمن اُس کے سامنے آتے تو اُس کے مرید بن جاتے تھے......

''نورالدین زنگی کی موت نے سلطنتِ اسلامیہ کو تاریخ کے سب سے بڑے خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس خطرے کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ تھا کہ اپنے ہی امیر اور وزیر صلیبیوں کے دوست اور اسلام کے دشمن ہو گئے تھے۔ مصر کے اندرونی حالات ابھی پوری طرح نہیں سنبھلے تھے۔ صلاح الدین ایوبی مصر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایسے حالات میں وہ یہی کر سکتا تھا کہ سلطنتِ اسلامیہ کے دفاع کا ارادہ دِل سے نکال دے اور صرف مصر کے دفاع کو مضبوط رکھے، لیکن میرا یہ دوست ذرّہ بھر نہ گھبرایا۔ اس ضمن میں میرے ساتھ بات کرتے ہوئے اُس نے کہا..... ''اگر میں اسلام کی پاسبانی سے دستبردار ہو جاؤں تو روزِ محشر صلیبیوں کے ساتھ اُٹھایا جاؤں گا''...... اسلام کی پاسبانی اور فروغ کو وہ فرمانِ خداوندی سمجھتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو کبھی حاکم یا حکمران نہیں سمجھا۔ مجھے صلاح الدین ایوبی کی تو جوانی بھی یاد ہے۔ جب وہ پوری طرح عیش و عشرت میں ڈوب گیا تھا۔ وہ شراب بھی پیتا اور رقص کے سرور کا دلدادہ تھا۔ موسیقی اور رقص کی باریکیوں اور گہرائیوں کو سمجھتا اور نسوانی حُسن کو دِل کھول کر خراجِ تحسین پیش کرتا اور تعیش کے لیے حسین ترین لڑکی کا انتخاب کرتا تھا۔ کبھی کسی کے وہم و گمان میں نہیں آیا تھا کہ یہ نوجوان چند ہی سال بعد اسلام کا سب سے بڑا علم بردار اور اسلام کے دشمنوں کے لیے برق اور طوفان بن جائے گا۔ اپنے چچا کے ساتھ وہ صلیبیوں کے خلاف پہلے ہی معرکے میں گیا تو اُس نے سب کو حیران کر دیا اور جب وہ اس معرکے سے واپس آیا تو اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ عیش و عشرت پر لعنت بھیجی اور اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی۔ اُس نے قوم کو اور اپنی فوج کو یہ نعرہ دیا کہ سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں......

''اُسے اس بدلی ہوئی کیفیت میں دیکھنے والے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ کبھی عیاش بھی ہوا کرتا تھا۔ کردار کی بلندی اور پختگی اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کو مار دیا جائے۔ یہ پختگی صلاح الدین ایوبی کے کردار میں تھی۔ دوستوں کی محفلوں میں وہ کہا کرتا تھا...... ''مجھے کافروں نے مسلمان بنایا ہے۔ اگر ہم اپنے ان نوجوانوں کو جو مذہب سے منحرف ہو گئے ہیں، کافر کی ذہنیت دکھا دیں تو وہ راہِ راست پر آ جائیں گے۔ دشمن کے ساتھ انہیں پیار کے جو سبق دیئے

جا رہے ہیں، وہ انہیں قومی وقار سے محروم کر رہے ہیں۔ میں اپنی قوم کو اپنے رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حدیث یاد کرانا چاہتا ہوں کہ "اپنے آپ کو جان لو کہ تم کون ہو اور کیا ہو اور اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان لو کہ وہ کون ہے اور کیا ہے اور تمہارے متعلق وہ کیا ارادے رکھتا ہے"...... اُس کے کردار کا رُخ دشمن نے ہی بدلا تھا...... صلاح الدین ایوبی اپنے مقصد اور عزم میں اس حد تک مگن رہا کہ اُس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ وہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا قائد ہے، مصر کا حاکم کُل ہے اور فنِ حرب وضرب کا ایسا استاد کہ صلیبیوں کے کمانڈر متحد ہو کر بھی، اس سے خائف رہتے ہیں۔ اس کی مالی حالت یہ تھی کہ وہ حج نہیں کر سکا۔ جہاد نے اسے مہلت نہ دی۔ آخری عمر میں اس کی یہی ایک خواہش رہ گئی تھی کہ حج پر جائے، مگر اب اس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔ وہ جب فوت ہوا تو اس کی ذاتی متاع صرف سنتالیس درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کی جائیداد صرف ایک مکان تھا جو اُس کے باپ دادا کا تھا"۔

یہ اُس کے کردار کی پختگی کا حیران کُن مظاہرہ تھا کہ اُس نے جب اپنے سالاروں وغیرہ کو کانفرنس کے لیے بلایا تو اُس کے چہرے پر گھبراہٹ یا پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔ کانفرنس کے حاضرین پر خاموشی طاری تھی۔ انہیں یہ توقع تھی کہ سلطان ایوبی گھبرایا ہوا ہوگا، مگر اُس نے مُسکرا کر سب کو دیکھا اور کہا...... "میرے رفیقو! تم نے بڑے ہی دشوار اور پیچیدہ حالات میں میرا ساتھ دیا ہے۔ آج ایسے حالات نے ہمیں للکارا ہے جو بظاہر ہمارے قابو میں آنے والے نہیں، لیکن یاد رکھو، اگر ہم نے ان حالات پر قابو نہ پایا تو ہم سب کے لیے دُنیا میں بھی رسوائی ہے اور خدا کے حضور بھی رسوائی۔ دُنیا میں تاریخ ہماری قبروں پر لعنت بھیجے گی اور روزِ محشر وہ شہید ہمیں شرمسار کریں گے جنہوں نے اسلام کی آبرو پر جانیں قربان کی ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم سب جانیں قربان کر دیں"...... اس تمہید کے بعد اُس نے اپنے اعلیٰ حکام کو ہر ایک تفصیل بتائی اور کہا کہ اب انہیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔ اُس نے سب کے چہروں کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر خاموش رہا۔ سب کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ یہ حکام ہر صورتِ حال میں اُس کا ساتھ دیں گے۔ اُس نے کہا...... "میرا پہلا اقدام یہ ہے کہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرتا ہوں، میں اب مرکزی خلافت کا پابند نہیں رہنا چاہتا، لیکن میں یہ اعلان تم سب کی اجازت کے بغیر نہیں کروں گا۔ مجھے اجازت دینے یا نہ دینے سے پہلے ایک دو پہلوؤں پر غور کر لو۔ ایک یہ کہ خلافت عملاً ختم ہو چکی ہے۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ خلیفہ گیارہ سال کا بچہ ہے۔ اس پر تین چار اُمراء نے قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ اُمراء صلیبیوں کے دوست ہیں۔ لہٰذا آپ کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگنی چاہیے کہ خلافت صلیبیوں کی گود میں چلی گئی ہے۔ اب ہماری فکر خلافت کے خلاف ہے، اگر تم خود مختار اور آزاد نہیں ہوتے تو تمہیں خلیفہ کے حکم ماننے پڑیں گے اور یہ حکم سلطنتِ اسلامیہ کے لیے تباہ کُن ہوں گے۔ کیا ان حالات میں یہ اقدام صحیح نہیں ہوگا کہ میں مصر کو خلافت سے آزاد کر دوں اور اس کے بعد تمہارا ہر قدم ایسا آزادانہ ہو جو اسلام کی بقا کے لیے ضروری ہو؟"

"کیا آپ خلافت کے خلاف کاروائی کرنا چاہتے ہیں؟" ایک سالار نے پوچھا۔

"میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا"۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا...... "کل پرسوں تک میرے وہ ایلچی واپس آ جائیں گے، جنہیں میں نے امراء کی طرف بھیج رکھا ہے۔ اگر مجھے جنگی کاروائی کا فیصلہ کرنا پڑا، تو گریز نہیں کروں گا"۔

"آپ مصر کو خود مختار مملکت قرار دے دیں"۔ ایک حاکم نے کہا...... "ہم گیارہ سال کے بچے کو خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتے"۔

"تو کیا تم سب مجھے سلطانِ مصر تسلیم کرو گے؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

تمام حاضرین نے بیک زبان کہا کہ وہ اُسے سلطانِ مصر تسلیم کرتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے اُسی وقت خود مختاری کا اعلان کر دیا اور مصر کو آزاد مملکت قرار دے دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اسے اُسی وقت قانون کے مطابق سلطان کا خطاب مل گیا۔

''میں اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نہیں، میدانِ جنگ کا بادشاہ ہوں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''تم نے دیکھا ہے کہ میں صلیبیوں کے لشکر کے درمیان گھومتا پھرتا رہا ہوں۔ میں نے دس دس جانبازوں سے دس دس ہزار لشکروں کو تہہ و بالا کیا ہے، مگر اپنے بھائیوں کے خلاف جنگ کی سوچتا ہوں تو تمام جنگی چالیں ذہن سے نکل جاتی ہیں۔ میری تلوار نیام سے باہر نہیں آتی۔ مجھے اور تم سب کو یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ ہم آپس میں لڑیں اور صلیبی تماشہ دیکھیں''۔

''یہ تماشہ ہمیں دکھانا ہی پڑے گا، سلطانِ محترم!'' ایک سالار نے کہا...... ''اگر اپنے بھائیوں پر الفاظ کا اثر نہ ہو تو تلوار استعمال کرنی ہی پڑے گی۔ ہم میں سے کوئی بھی خلافت کی گدی کا خواہش مند نہیں۔ ہم جو کچھ کریں گے اسلام کی خاطر کریں گے، ذاتی مفاد کی خاطر نہیں''۔

☆

سلطان ایوبی نے اس سے پہلے دو ایلچی دمشق، حلب، موصل اور دو تین اور ریاستوں کے اُمراء کی طرف بھیج رکھے تھے۔ اُس نے سب کو طویل پیغام بھیجا تھا جس میں اُس نے سب کو صلیبی خطرے سے آگاہ کیا اور انہیں متحدہ ہونے کی تلقین کی تھی۔ وہ انہیں اسلامی وحدت کا قائل کرنا چاہتا تھا۔ دونوں ایلچی مایوس واپس آگئے۔ کسی ایک بھی امیر نے اُس کے پیغام کو قبول نہیں کیا تھا، بلکہ بعض نے مذاق اُڑایا تھا۔ ایلچیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ کے دربار میں گئے۔ پیغام پیش کیا تو خلیفہ نے خود پڑھنے کی بجائے اُن امراء کے حوالے کر دیا جن کے ہاتھوں میں وہ کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ انہوں نے ہی اسے خلافت کی گدی پر بٹھایا تھا۔ اُن اُمراء نے سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ آپس میں کھسر پھسر کی اور ایک نے خلیفہ سے کہا کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف جنگ کا بہانہ کر کے تمام مسلمان ریاستوں کو ایک ریاست بنانے کی سوچ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ اس ریاست کا حکمران بنے گا۔ دوسرا امیر بول پڑا۔ اُس نے بھی گیارہ سال کی عمر کے خلیفہ کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکایا اور کہا...... ''آپ اسے حکم دے سکتے ہیں کہ جنگ کرنے یا کرنے کا فیصلہ صرف خلیفہ کر سکتا ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی خلیفہ کی حکم عدولی کرے تو آپ اسے معزول کر کے واپس بلا سکتے ہیں۔ مصر کی امارت کسی اور کے حوالے کی جا سکتی ہے''۔

کمسن خلیفہ نے ایلچیوں کو یہی حکم دیا اور کہا...... ''صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ وہ ہمارے حکم کا انتظار کرے۔ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ اسلامی وحدت کی ضرورت ہے یا نہیں''۔

''صلاح الدین ایوبی کے پاس فوج ہے، اس میں زنگی مرحوم کے بھیجے ہوئے بہت سے دستے ہیں''۔ ایک امیر نے خلیفہ سے کہا...... ''اُسے حکم بھیجا جائے کہ وہ دستے واپس بھیج دے۔ اُسے اپنی مرضی سے فوج کے استعمال کی اجازت نہیں ملنی چاہیے''۔

''اُسے کہنا کہ وہ دستے، سوار اور پیادہ، جو اُسے خلافت کی طرف سے دیئے گئے تھے، وہ واپس کر دے''۔ خلیفہ نے کہا...... ''اور تم لوگ اب جا سکتے ہو''۔

''اور ایوبی سے کہنا کہ آئندہ خلیفہ کو اس قسم کے پیغام بھیجنے کی جرأت نہ کرے''۔ ایک اور امیر نے کہا۔

ایلچیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ دوسرے اُمراء کے پاس گئے۔ سب نے پیغام کا مذاق اُڑایا، بعض نے سلطان ایوبی کے خلاف توہین آمیز الفاظ بھی کہے۔ ایلچی واپس آ گئے۔ سلطان ایوبی کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ آئی جیسے اُسے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔ اسے دراصل علی بن سفیان کا انتظار تھا جسے اُس نے خفیہ دمشق بھیج رکھا تھا۔ فوجی جاسوسی اور سراغ رسانی کا یہ ماہر اپنے ساتھ کم وبیش ایک سولڑا کا جاسوس لے کر دمشق گیا تھا۔ یہ لوگ تاجروں کے قافلے کی صورت میں تاجروں کے بھیس میں گئے تھے۔ سلطان ایوبی کو ان کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ نورالدین زنگی کی وفات کی اطلاع کے فوراً بعد سلطان ایوبی کو یہ اطلاع ملی کہ امیروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اطلاع بھیجنے والا کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا، بلکہ نورالدین زنگی کی بیوی تھی، جو نئے خلیفہ کی ماں تھی۔ اس نے خفیہ طور پر اپنا ایک قاصد قاہرہ کی طرف دوڑا دیا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو وہی حالات بتائے جو زنگی کی وفات کے بعد وہاں پیدا ہو گئے تھے۔

اُس نے سلطان ایوبی کو کہلا بھیجا تھا...... ''اسلام کی آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرے کمسن بیٹے کو خلیفہ بنا دیا گیا ہے۔ لوگ میرا احترام کرنے لگے ہیں، کیونکہ میں خلیفہ کی ماں ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں خوش قسمت ماں ہوں، مگر میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ میرے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا گیا، بلکہ مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا گیا ہے۔ سیف الدین امیر موصل نے اور دوسرے تمام امیروں نے میرے بیٹے کے گرد گھیرا ڈال لیا ہے۔ میرے خاوند کے بھتیجوں نے بھی خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کو قتل کر دوں، لیکن اس کے نتائج سے ڈرتی ہوں، آپ آ جائیں۔ یہ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ آپ کس طرح آئیں گے اور کیا کریں گے۔ میں آپ کو خبردار کرنا چاہتی ہوں کہ آپ نے اس طرف توجہ نہ دی یا وقت ضائع کیا تو قبلۂ اوّل پر تو صلیبی قابض ہیں ہی، خانہ کعبہ پر بھی ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ کیا ان لاکھوں شہیدوں کا خون رائیگاں جائے گا، جنہوں نے زنگی کی اور آپ کی قیادت میں جانیں قربانی کی ہیں؟ آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے زیرِ اثر کیوں نہیں رکھتی؟ میں اس کا جواب دے چکی ہوں۔ اُمراء نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ہے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد وہ صرف ایک بار میرے پاس آیا تھا۔ وہ میرا بیٹا لگتا ہی نہیں تھا۔ اسے شاید حشیش پلائی گئی تھی۔ وہ بھول چکا ہے کہ میں اس کی ماں ہوں...... بھائی صلاح الدین ایوبی! جلدی آؤ۔ دمشق کے لوگ آپ کا استقبال کریں گے۔ مجھے اسی قاصد کی زبانی جواب دیں کہ آپ کیا کریں گے یا کچھ بھی نہیں کریں گے''۔

سلطان ایوبی نے قاصد کو اُسی وقت بھیج دیا تھا۔ اُس نے زنگی کی بیوہ کو یقین دلایا تھا کہ وہ بڑا سنگین اقدام کرے گا لیکن سوچ سمجھ کر قدم اُٹھائے گا۔ قاصد کو واپس بھیجنے کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو دمشق، موصل، حلب، یمن اور تمام تر اسلامی علاقوں میں جا کر وہاں کا جائزہ لینے کے لیے کہا۔ یہ کوئی سرکاری نوعیت کا دورہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان کو جاسوسوں کے انداز سے بہروپ میں وہاں جانا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ معلوم کرے کہ مسلمان اُمراء جو خودمختاری کا اعلان کر چکے ہیں، کیا ارادے رکھتے ہیں۔ صلیبیوں کے ساتھ اُن کا رابطہ ہے یا نہیں۔ خلیفہ کی فوج کا رجحان کیا ہے۔ کیا اس فوج کو خلیفہ کے ایسے احکام کی خلاف ورزی کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے جو اسلام کے لیے نقصان دہ اور دشمن کے لیے سودمند ہوں؟ اور علی بن سفیان کو یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ ان علاقوں کے عوام کے جذبات اور نظریات کیا ہیں اور کیا فدائی بھی خلیفہ کے ساتھ مل گئے ہیں؟ یہ جائزہ بھی لینا تھا کہ سلطان ایوبی دمشق یا کسی اور مسلمان علاقے پر فوج کشی کرے تو وہاں کے عوام کا ردِعمل کیا ہو گا۔

سلطان ایوبی کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ اندھیرے میں نہیں چلتا تھا۔ اُسے جہاں جانا ہوتا، اپنے جاسوسی کے ذریعے وہاں کے احوال و کوائف، دشواریوں اور خطروں کا جائزہ لے لیتا تھا۔ جیسا کہ پہلی کہانیوں میں بتایا جا چکا ہے

کہ اُس کا جاسوسی کا نظام بہت تیز اور ہوشیار تھا۔ اُس کے جاسوس جہاں اداکاری اور بہروپ دھارنے کی مہارت رکھتے تھے، وہاں وہ ماہر چھاپہ مار (گوریلے اور کمانڈو) بھی تھے۔ اسی لیے انہیں لڑاکا جاسوس کہا جاتا تھا۔ وہ بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے بھی ماہر تھے۔ علی بن سفیان کو خدا نے جاسوسی اور سراغ رسانی کا وصف پیدائش کے ساتھ ہی عطا کیا تھا۔ اب زنگی کی وفات کے بعد اسلامی ممالک کے حالات مخدوش ہو گئے اور صلیبی خطرہ سر پر آ گیا تو اُسے سلطان ایوبی کے اس حکم کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ ان بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لینا ہے اور یہ جائزہ کس طرح لینا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اُس کی لائی ہوئی رپورٹ کے مطابق کوئی کارروائی کرے گا اور یہ کارروائی بقائے اسلام کے لیے بے حد ضروری ہو گی۔

☆

یہاں ہم کہانی کو کچھ دن پیچھے لے جاتے ہیں۔ جب علی بن سفیان قاہرہ سے روانہ ہوا تھا۔ اُس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنے لڑاکا جاسوسوں میں سے کم و بیش ایک سو افراد کو منتخب کیا۔ انہیں مشن بتایا اور کہا کہ اسلام کی آبرو اُن سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے اور اس مشن میں انہیں اپنی مہارت کا پورا پورا استعمال کرنا ہے۔ ان ایک سو آدمیوں کو تاجروں کا لباس پہنایا گیا۔ علی بن سفیان مصنوعی داڑھی کے ساتھ قافلے کا سردار بنا۔ انہوں نے اونٹوں پر مختلف اقسام کا سامان لاد لیا جو انہیں دمشق وغیرہ کی منڈیوں میں بیچنا اور اس کے بدلے وہاں سے سامان لانا تھا۔ ان کے ساتھ بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ تجارتی سامان میں اس پارٹی نے تلواروں اور برچھیوں جیسے ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ اس میں آتش گیر مادہ بھی تھا اور آگ لگانے کا دیگر سامان بھی۔ یہ قافلہ رات کے وقت قاہرہ سے روانہ ہوا اور طلوعِ سحر تک بہت دُور نکل گیا۔

کچھ دیر آرام کر کے قافلہ پھر روانہ ہوا۔ علی بن سفیان بہت جلدی منزل پر پہنچنا چاہتا تھا۔ سورج غروب ہو گیا تو بھی اُس نے قافلے کو نہ روکا۔ رات خاصی گزر چکی تھی جب ایک بڑی موزوں جگہ آ گئی۔ یہ سرسبز خطہ تھا اور وہاں اونچی نیچی چٹانیں بھی تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہاں پانی بھی تھا۔ قافلہ آرام اور پانی کے لیے رُک گیا۔ یہ لوگ تاجر نہیں فوجی تھے۔ ان کی ہر حرکت میں ڈسپلن تھا، احتیاط تھی اور ٹریننگ کے مطابق وہ خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی ایسے تربیت یافتہ تھے کہ انسانوں کی طرح خاموش تھے۔ علی بن سفیان نے چٹانوں اور ٹیلوں کے اندر جانے کی بجائے باہر ہی پڑاؤ کیا۔ فوجی دستوں کے مطابق دو آدمیوں کو پانی کی تلاش کے لیے بھیجا گیا۔ سب نے ہتھیار نکال لیے تھے، کیونکہ اُن دنوں سفر میں دو خطرے تھے۔ ایک خطرہ صحرائی ڈاکوؤں کا تھا اور دوسرا صلیبیوں کے چھاپہ مار دستوں کا۔ اُن کے یہ دستے دراصل ڈاکو ہی تھے جو مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے پھرتے تھے۔

دو آدمی اس خطے کے اندر چلے گئے۔ انہیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ یہاں دشمن کے چھاپہ ماروں یا گشتی دستوں نے قیام نہ کر رکھا ہو۔ کچھ دُور اندر گئے تو کہیں روشنی کا دھوکہ سا ہوا۔ وہ آگے گئے اور ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ انہیں بڑی اچھی جگہ نظر آئی جو میدانی سی تھی، وہاں پانی بھی تھا۔ ہریالی بھی تھا اور کھجور کے درخت بھی تھے، وہاں دو مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں انہیں چھ سات آدمی اور چار لڑکیاں نظر آئیں۔ بہت خوب صورت لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے آگ بھی جلا رکھی تھی جس پر وہ گوشت بھون رہے تھے اور پیالوں میں وہ کچھ پی رہے تھے، جو شراب ہی ہو سکتی تھی۔ ذرا پرے گھوڑے اور تین چار اونٹ بندھے تھے۔ بہت سارا سامان بھی ایک طرف پڑا تھا۔ علی بن سفیان کے دونوں آدمی چھپ کر قریب چلے گئے۔ رات کے سکوت میں اُن لوگوں کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اُن کا ہنسی مذاق بتا رہا تھا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں۔ لڑکیاں بے حیائی کی حرکتیں بھی کر رہی تھیں۔ ان دونوں آدمیوں نے انہیں نظر انداز نہ کیا۔ واپس آ کر علی بن سفیان کو بتایا۔

علی بن سفیان گیا اور چھپ کر قریب سے دیکھا۔ان آدمیوں اور لڑکیوں کی زبان کچھ اور تھی جو علی بن سفیان سمجھتا تھا۔وہ عیسائی تھے۔علی بن سفیان سوچ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے پاس چلا جائے اور معلوم کرے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں یا ان کی نقل و حرکت دیکھتا رہے۔اُس کے ساتھ ایک سولڑا کا جاسوس تھے۔اُسے ان چھ سات آدمیوں اور چار لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا،لیکن وہ انہیں سراغ رساں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔اُسے شک ہو گیا تھا کہ یہ صلیبی جاسوس اور تخریب کار ہیں اور کسی اسلامی مملکت میں جا رہے ہیں۔اگر ایسا ہی تھا تو یہ اُس کے مطلب کے لوگ تھے۔وہ اور زیادہ قریب ہونے کے لیے ٹیلے کے اوپر اوپر سرکتا ہوا آگے گیا تو ٹھٹھک کر رُک گیا۔وہاں ٹیلہ ختم ہو جاتا تھا۔اُسے اپنے بالکل نیچے دو آدمی نظر آئے جن کے منہ اور سر سیاہ کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے۔وہ ٹیلے کی اوٹ سے ان آدمیوں اور لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔وہ بلا شک و شبہ صحرائی ڈاکو تھے اور ان کی نظر لڑکیوں پر تھی۔یہ دو نقاب پوش پیچھے ہٹ آئے۔انہوں نے آپس میں جس زبان میں باتیں کیں،وہ علی بن سفیان کی مادری زبان تھی۔

''ان کے پاس ہتھیار ہیں''......ایک ڈاکو نے کہا۔

''ہاں''......دوسرے نے کہا......''میں نے دیکھ لیا ہے۔ان کی تلواریں سیدھی ہیں۔یہ عیسائی ہیں''۔

''یہ عام قسم کے مسافر معلوم نہیں ہوتے''

''انہیں سو جانے دو،سب کو بلا لاتے ہیں''۔

''ہم آٹھ آدمی انہیں سوتے میں ہی پکڑ سکتے ہیں''۔

''پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔آدمیوں کو سوتے میں ختم کر دیں گے اور لڑکیوں کو گھوڑوں پر ڈال لیں گے''۔

وہ دونوں اپنے ساتھیوں کو بلانے کے لیے چل پڑے۔علی بن سفیان نے چھپ چھپ کر اُن کا تعاقب کیا۔وہ کسی اور راستے سے باہر نکل گئے۔وہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔علی بن سفیان کا قافلہ اسی طرف قیام کیے ہوئے تھے جدھر ڈاکو نہیں گئے تھے۔علی بن سفیان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ ان لوگوں کو خبردار کر دے یا انہیں اپنے قافلے میں لے جائے۔گہری سوچ بچار کے بعد اُس نے ایک طریقہ سوچ لیا۔اپنے آدمیوں میں واپس آیا۔بیس بائیس آدمیوں کو برچھیوں سے مسلح کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔انہیں موزوں جگہوں پر تیار کھڑا کر دیا اور اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔وہ خود بھی چوکس اور ہوشیار رہا اور اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔اُسے معلوم نہیں تھا کہ ڈاکو کس وقت آئیں گے۔اُس نے دیکھا کہ لڑکیاں اور ان کے ساتھ آدمی سو گئے ہیں۔صرف ایک آدمی برچھی ہاتھ میں لیے ٹہلتا رہا۔اس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ تربیت یافتہ ہیں۔اس آدمی کو انہوں نے سنتری کھڑا کیا تھا۔مشعلیں جلتی رہیں۔

☆

سحر ہو چلی تھی جب ٹیلوں کے اندر گھوڑوں کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔سب ہوشیار ہو گئے۔لڑکیوں کا سنتری بدل گیا تھا۔اب دوسرا آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ڈاکو ٹیلوں کے درمیان تھے اور علی بن سفیان اور اس کے آدمی ٹیلوں کے اوپر۔تھوڑی دیر بعد آٹھ نو ڈاکو اُس جگہ داخل ہوئے جہاں ان کا شکار سویا ہوا تھا۔سنتری گھبرا گیا۔اُس نے جلدی سے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ڈاکوؤں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیا اور گھوڑوں سے کود آئے۔لڑکیوں کے ساتھ آدمی جاگ اُٹھے مگر ڈاکوؤں نے انہیں ہتھیار اُٹھانے کی مہلت نہ دی۔ایک نے للکار کر کہا......''اپنا سامان اور لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو اور اپنی جانیں

بچاؤ''......اُس نے لڑکیوں سے کہا......''تم اِس طرف آجاؤ، ماری جاؤ گی''......دو ڈاکوؤں نے انہیں دھکیل کر ایک طرف کر دیا۔ان کے آدمی نہتے تھے۔پھر بھی دو نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔وہ واقعی تربیت یافتہ تھے۔بے جگری سے لڑے۔

علی بن سفیان کی آواز پر جو اُس نے پہلے مقرر کر رکھی تھی، اُس کے آدمی عقابوں کی طرح ٹیلوں سے اُترے اور ڈاکو ابھی سمجھ ہی نہ پائے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ ایک ایک برچھی ایک ایک ڈاکو کے جسم میں داخل ہو چکی تھی۔اس سے پہلے ڈاکوؤں کے ہاتھوں لڑکیوں کے ساتھ کے دو آدمی مارے جا چکے تھے، جس کا علی بن سفیان کو کوئی افسوس نہیں تھا۔وہ غالباً یہی چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک دو آدمیوں کا خون ہو جائے تا کہ دوسروں پر، خصوصاً لڑکیوں پر، دہشت طاری ہو جائے۔علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو ٹیلوں پر چڑھا دیا اور ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔لڑکیاں بہت ہی ڈری ہوئی تھیں۔ان کے سامنے دو لاشیں اپنے ساتھیوں کی اور نو لاشیں ڈاکوؤں کی پڑی تھیں۔علی بن سفیان نے اُن کی زبان میں ان آدمیوں اور لڑکیوں سے باتیں شروع کر دیں۔وہ لوگ اُس کے اس قدر ممنون تھے جیسے اس کے مرید بن گئے ہوں۔اُس نے انہیں موت کے منہ سے نکالا تھا۔ان سے اس نے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تو علی بن سفیان مُسکرایا اور بولا......''اگر تم لوگ مجھ سے یہ سوال پوچھتے تو میں بھی ایسا ہی غلط جواب دیتا۔میں تمہاری تعریف کروں گا کہ اتنی خوفزدگی میں بھی تم نے اپنا پردہ نہیں اُٹھایا''۔

''تم کہاں سے آئے ہو؟''......ایک نے اس سے پُوچھا ''اور کہاں جا رہے ہو؟''

''جہاں سے تم آئے ہو''......علی بن سفیان نے جواب دیا......''اور وہیں جا رہا ہوں جہاں تم جا رہے ہو۔ہمارے کام مختلف ہیں، منزل ایک ہی ہے''۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔حیران سے ہوئے اور علی بن سفیان کو دیکھنے لگے۔وہ مُسکرا رہا تھا۔اس نے کہا......''کیا تم نے دیکھا تھا کہ میں نے کیسی چال سے ان ڈاکوؤں کو ختم کر دیا ہے؟ کیا کوئی مسافر یا کوئی قافلہ ایسی چال چل سکتا ہے؟ کیا یہ ایک تربیت یافتہ کمانڈر کی استادی نہیں جو میں نے دکھائی ہے؟''

''تم مسلمان فوجی بھی ہو سکتے ہو؟''

''میں صلیب کا سپاہی ہوں''......علی بن سفیان نے جواب دیا۔

''کیا تم اپنی صلیب دکھا سکتے ہو؟''

''کیا تم اپنی اپنی صلیب مجھے دکھا سکتے ہو؟''......علی بن سفیان نے پوچھا اور سب کی طرف دیکھ کر کہا......''تم نہیں دکھا سکتے۔تمہارے پاس صلیبیں نہیں ہیں، کیونکہ جس کام کے لیے تم جا رہے ہو، اس میں صلیب ساتھ نہیں رکھی جا سکتی۔میں تم سے تمہارے نام نہیں پوچھوں گا۔اپنا نام بھی نہیں بتاؤں گا۔اپنا کام بھی نہیں بتاؤں گا۔صرف یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں اور ہم سے معلوم نہیں کون کون اپنے وطن کو واپس لوٹ سکے گا۔ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔خداوند یسوع مسیح نے جس طرح مجھے اور میرے آدمیوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے، یہ نشانی ہے کہ تم صحیح راستے پر ہو اور تم کامیاب ہو گے۔نورالدین زنگی کی موت اس حقیقت کی نشانی ہے کہ دُنیا پر صلیب کی حکومت ہوگی۔مسلمانوں کا کون سا امیر رہ گیا ہے جو ہمارے جال میں نہیں آ گیا؟ میں تمہیں یہی نصیحت کروں گا کہ ثابت قدم رہنا''......اُس نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا......''تمہارا کام سب سے زیادہ خطرناک اور نازک ہے۔خداوند یسوع مسیح تمہاری قربانی کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ہم جو مرد ہیں، وہ اپنی جان دے کر دُنیا کی مشکلات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔تمہاری

کی جان نہیں لیتا۔ تم سے آبرو کی قربانی لی جاتی ہے اور یہی سب سے بڑی قربانی ہے''۔

علی بن سفیان اُستاد تھا۔ اُس کی زبان میں ایسا طلسم تھا کہ وہ سب دم بخود ہو گئے۔ تھوڑی سی دیر میں اس نے ان سے کہلوالیا کہ وہ صلیبی ہیں اور تخریب کاری کے لیے دمشق اور دیگر علاقوں میں جار ہے ہیں۔ وہ بھی تاجروں کے بھیس میں ہے۔ علی بن سفیان صلیبیوں کے نظامِ جاسوسی کی خفیہ باتیں اور اصطلاحیں جانتا تھا۔ اُس وقت تک وہ بے شمار صلیبی جاسوس پکڑ کران سے اقبالِ جرم کروا چکا تھا۔ اس نے جب ان اصطلاحوں میں باتیں کیں تو لڑکیوں اوران کے ساتھ آدمیوں کو نہ صرف یہ یقین ہو گیا کہ وہ صلیبی جاسوس ہے، بلکہ وہ اسے جاسوسوں کا کمانڈر سمجھنے لگے۔ اُس نے انہیں بتایا کہ اس کے ساتھ ایک سو آدمی ہیں۔ ان میں لڑاکا جاسوس بھی ہیں اور فدائی بھی جو دمشق وغیرہ میں اُن اعلیٰ افسروں کو قتل کرنے یا غائب کرنے جار ہے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے مکتبِ فکر کے پیروکار ہیں۔ اُس نے انہیں بتایا کہ وہ لمبے عرصے سے مصر میں کام کر رہا تھا۔ اب اُسے اِدھر بھیجا جار ہا ہے۔

اس گروہ نے علی بن سفیان کے سامنے اپنا پردہ اُٹھا دیا اور ایک مشکل پیش کی۔ وہ یہ تھی کہ ان کا کمانڈر ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ ان علاقوں میں پہلے بھی آچکا تھا، جہاں وہ جار ہے تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد وہ اندھے ہو گئے تھے۔ انہیں ایک راہنما کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں تسلی دی کہ وہ اپنے مشن سے ہٹ کران کی راہنمائی کرے گا، وہ اسے اپنا مشن بتا دیں۔ انہوں نے بتا دیا۔ انہیں چند ایک سالاروں کے نام بتا کر کہا گیا تھا کہ ان تک لڑکے پہنچانے ہیں اور لڑکیوں کو ضرورت کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ ایسے سالاروں اور امیروں تک رسائی حاصل کرنی ہے جو صلیبیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ انہیں صلیبیوں کا دوست بنانا ہے۔

''اس مرحلے میں آکر میرا اور تمہارا کام ایک ہو جاتا ہے''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''مجھے ان سالاروں اور امیروں کو ختم کرنا ہے جو دل سے صلیب کی دشمنی نہیں نکال رہے...... تم دمشق میں کہاں قیام کرو گے؟''

''تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تاجر بن کر جار ہے ہیں''...... ایک نے جواب دیا...... ''دمشق کے قریب جا کر یہ یہاں باپردہ مسلمان عورتیں بن جائیں گی۔ ہم سرائے میں قیام کریں گے۔ وہاں سے تاجروں کے بھیس میں سالاروں وغیرہ تک جائیں گے۔

☆

اگلی صبح علی بن سفیان کا قافلہ دمشق کی سمت جا رہا تھا۔ یہ صلیبی آدمی اور لڑکیاں بھی اس قافلے میں شامل ہو گئی تھیں۔ جانوروں میں ڈاکوؤں کے گھوڑوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ صلیبیوں نے علی بن سفیان کو اپنا لیڈر بنا لیا تھا۔ ان کی نظر میں یہی تھا۔ اُس نے انہیں کہا تھا کہ وہ اس کے کسی آدمی کے ساتھ بات نہ کریں، کیونکہ ان میں مسلمان بھی ہیں جو بیشک جاسوس اور تخریب کار ہیں لیکن ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔ راستے میں علی بن سفیان نے ان صلیبیوں کو اپنے ساتھ رکھا اور ان سے باتیں پوچھتا رہا۔ اسے کام کی بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔

اگلے روز قافلہ دمشق میں داخل ہوا۔ علی بن سفیان کی ہدایت پر سرائے میں جانے کی بجائے قافلے نے ایک میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ باہر سے جب تاجروں کے قافلے آتے تھے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مال دکانوں میں جانے سے پہلے قافلے سے ہی خرید لیا جائے، وہاں سے کم قیمت پر اشیاء مل جاتی تھیں۔ علی بن سفیان نے اعلان کیا کہ دس گھوڑے بھی بکاؤ ہیں۔ اس ہجوم میں دمشق کے تاجر اور دکاندار بھی تھے۔ دو چار

گھنٹوں میں وہاں میلہ لگ گیا۔ علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا کہ وہ مال روک کے رکھیں اور جلدی فروخت نہ کریں، اتنا زیادہ ہجوم دیکھ کر اُس نے اپنے چند ایک ذہین آدمیوں سے کہا کہ وہ لوگوں میں گھل مل جائیں اور ان کے خیالات معلوم کریں۔ یہ آدمی اس کام کے ماہر تھے۔ وہ چغے اُتار کر ہجوم میں شامل ہوگئے۔ ان میں سے دو تین شہر میں چلے گئے۔

علی بن سفیان اور اُس کے تمام آدمیوں نے مغرب کی نماز مختلف مسجدوں میں تقسیم ہو کر پڑھی۔ صلیبیوں کو خیمہ گاہ میں چھوڑ گئے تھے۔ مسجدوں میں انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ قاہرہ سے آئے ہیں اور تاجر ہیں۔ لوگوں کے ساتھ گپ شپ کے انداز میں انہوں نے اُن کے خیالات معلوم کر لیے۔ لوگوں کے خیالات اور جذبات اُمید افزا تھے۔ ان میں کچھ بھڑکے ہوئے بھی تھے۔ وہ نئے خلیفہ اور اُمراء کے خلاف باتیں کرتے تھے اور ان میں اونچی حیثیت کے لوگ بھی تھے جو جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دُنیائے اسلام کو صلیب کی للکار رہی ہے اور اپنی خلافت عیاش امراء کے ہاتھ آ گئی ہے۔ بہت پریشان تھے اور کہتے تھے کہ زنگی کے بعد صرف صلاح الدین ایوبی ہے جو اسلام کا نام زندہ رکھ سکتا ہے۔

علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ یہ لڑکیاں اور آدمی صلیبی ہیں اور ان پر یہی ظاہر کرتے رہیں کہ سب صلیب کے مشن پر آئے ہیں۔ انہیں کوئی شک نہیں ہوا تھا۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ آج رات آرام کریں اور اُس کی ہدایت کا انتظار کریں۔ رات کو وہ ایک سالار توفیق جواد کے گھر چلا گیا۔ وہ تاجروں کے بھیس میں تھا اور مصنوعی داڑھی لگا رکھی تھی۔ اس نے دربان سے کہا کہ اندر اطلاع دو کہ قاہرہ سے آپ کا ایک دوست آیا ہے۔ دربان نے اطلاع دی تو علی بن سفیان کو اندر بلا لیا گیا۔ توفیق جواد اُسے پہچان نہ سکا۔ علی بن سفیان نے بات کی تو توفیق جواد نے اُسے پہچان لیا اور گلے لگا لیا۔ علی بن سفیان کو اس شخص پر بھروسہ تھا۔ اُس نے اپنے آنے کا مقصد بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کچھ صلیبی جاسوسوں اور لڑکیوں کو پھانس لایا ہے اور اب یہ سوچنا ہے کہ انہیں کس طرح استعمال کیا جائے۔

اُس سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کے اندرونی اور بیرونی حالات کیا ہے؟''...... علی بن سفیان نے اُس سے پوچھا...... ''قاہرہ میں بڑی تشویش ناک خبریں پہنچی ہیں''۔

توفیق جواد نے ان تمام خبروں کی تصدیق کی جو قاہرہ پہنچی تھیں۔ اس نے کہا...... ''علی بھائی، تم اسے خانہ جنگی کہو گے، لیکن صلیبی خطرے کو روکنے کے لیے صلاح الدین ایوبی کو خلافت کے خلاف فوج کشی کرنی پڑے گی''۔

''اگر ہم قاہرہ سے فوج لائیں تو کیا یہاں کی فوج ہمارا مقابلہ کرے گی؟'' علی بن سفیان نے پوچھا۔

''تم لوگ حملے کے انداز سے نہ آؤ''...... توفیق جواد نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی یہ ظاہر کریں کہ وہ خلیفہ سے ملنے آئے ہیں اور خلیفہ کی تعظیم کے لیے فوج کے کچھ دستے ساتھ لائے ہیں۔ اگر امراء کی نیت ٹھیک ہوئی تو وہ استقبال کریں گے، دوسری صورت میں ان کا ردِعمل سامنے آ جائے گا۔ جہاں تک یہاں کی فوج کا تعلق ہے، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ فوج تمہارا مقابلہ نہیں کرے گی، بلکہ تمہارا ساتھ دے گی، مگر یہ بھی ذہن میں رکھو تم جتنا وقت ضائع کرو گے فوج اتنی تم سے دُور ہٹتی جائے گی۔ اس فوج کا وہ جذبہ مارنے کی کوششیں شروع ہوگئی ہیں جو اسلامی فوج کی اصل قوت ہے۔ تم جانتے ہو علی بھائی، حکمران جو عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں، وہ سب سے پہلے دشمن کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہیں، تاکہ جنگ و جدل کا خطرہ ٹل جائے۔ پھر وہ فوج کو کمزور کرتے ہیں اور ایسے سالاروں کو منظورِ نظر بناتے ہیں جو خدا کے احکام کی بجائے ان کی خواہشات کے پابند ہوں۔ وہ صلاح الدین ایوبی جیسے سالاروں کو پسند نہیں کرتے، یہ عمل یہاں شروع ہو چکا ہے۔ ہمارے اعلیٰ رتبوں کے چند ایک فوجی افسر اپنے جذبے اور ایمان سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ ابھی

جیسے ایسے سالار بھی ہیں جو صلیبیوں کو کبھی دوست نہیں کہیں گے اور نورالدین زنگی کے جذبہ جہاد کو زندہ رکھیں گے، مگر وہ اپنے طور پر خلافت کے احکام کے بغیر کیا کر سکتے ہیں؟''

''کیا میں سلطان ایوبی سے یہ کہہ دوں کہ یہاں کی فوج ہمارا ساتھ دے گی؟''...... علی بن سفیان نے پوچھا۔

''ضرور کہہ دو''...... توفیق جواد نے جواب دیا...... ''البتہ خلیفہ کے محافظ دستے (باڈی گارڈز) اور اُمراء کے محافظ دستے تمہارے خلاف لڑیں گے۔ ان دستوں کی نفری کم نہیں اور ان میں چنے ہوئے سپاہی ہیں۔ جب سے زنگی فوت ہوئے ہیں، ان دستوں کی خاطر مدارت پہلے سے زیادہ ہونے لگی ہے۔ انہیں غالباً خانہ جنگی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے''۔

''یہاں کے لوگوں میں مجھے جو قومی جذبہ نظر آیا ہے، اس سے مجھے توقع ہے کہ ہم یہاں آئے تو کامیاب ہوں گے''...... علی بن سفیان نے کہا۔

''قوم اتنی جلدی بے حس نہیں ہو سکتی''...... توفیق جواد نے کہا...... ''جس قوم نے اپنے بیٹے شہید کرائے ہوں، وہ اپنے دشمن کو کبھی نہیں بخشتی اور جس فوج نے دشمن سے دو دو ہاتھ کیے ہوں، اسے اتنی جلدی سرد نہیں کیا جا سکتا مگر حکمرانوں کے پاس ایسے ایسے ہتھکنڈے ہوتے ہیں جو قوم اور فوج کو مُردہ کر دیا کرتے ہیں۔ اب قوم اور فوج میں نفاق پیدا کیا جا رہا ہے۔ قوم کی نظر میں فوج کو گرایا جا رہا ہے۔

''میں محترم نورالدین زنگی کی بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''وہ خلیفہ کی والدہ بھی ہیں۔ انہوں نے سلطان ایوبی کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی آبرو کو بچائیں...... کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ انہیں یہاں بلا لیا جائے؟''

''کل ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی''...... توفیق جواد نے کہا...... ''میں انہیں بلا سکتا ہوں۔ تمہارا نام سن کر وہ فوراً آجائیں گی''۔

توفیق جواد نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا کہ خلیفہ کی والدہ کے ہاں جاؤ، میرا سلام کہنا اور ان کے کان میں کہنا کہ قاہرہ سے کوئی آیا ہے۔

☆

جب علی بن سفیان توفیق جواد کے پاس بیٹھا تھا، اُس وقت اس کی خیمہ گاہ میں رونق تھی۔ رات خاصی گزر گئی تھی۔ خریداروں کا ہجوم بہت دیر ہوئی جا چکا تھا۔ علی بن سفیان کے ایک سو آدمیوں نے لمبا سفر طے کیا تھا۔ وہ بازار سے دنبے اور بکرے لے آئے تھے، جنہیں ذبح کر کے وہ کھا رہے تھے اور ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ لڑکیاں ایک خیمے میں تھیں۔ صلیبی مرد علی بن سفیان کے آدمیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے شراب نکال لی، تاکہ محفل کی رونق دوبالا ہو جائے۔ انہوں نے سب کو شراب پیش کی تو سب نے انکار کر دیا۔ صلیبی حیران ہوئے۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ ان میں مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ جو مسلمان تھے، ان کے متعلق بتایا گیا تھا کہ فدائی ہیں، یعنی وہ برائے نام مسلمان ہیں۔ اصل میں وہ حسن بن صباح کے فرقے کے تھے جو شراب کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ صلیبیوں کو کچھ شک ہوا۔ وہ آخر تربیت یافتہ جاسوس تھے۔ انہوں نے دو چار اور ایسی نشانیاں دیکھ لیں جن سے ان کا شک پختہ ہو گیا۔ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح اُٹھنے لگے جیسے خیمے میں سونے جا رہے ہوں۔

انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ایک لڑکی نے یہ کام

اپنے ذمے لے لیا۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکلی کہ یہ خیمہ خالی کر دو۔ وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی رہی۔ بہت دیر بعد علی بن سفیان کا ایک آدمی اُٹھ کر اُس کی طرف آیا۔ وہ معلوم نہیں کیوں اُٹھا تھا۔ لڑکی نے اسے روک لیا اور کہا کہ خیمے میں بیٹھے بیٹھے اُس کا دل گھبرا رہا تھا، اس لیے باہر نکل آئی۔ وہ مردوں کو انگلیوں پر نچانا جانتی تھی۔ اس آدمی کو اُس نے ایسی باتوں میں جکڑ لیا کہ وہ بھول ہی گیا کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔ لڑکی نے کہا...... ''یہ آدمی جو ہمارے ساتھ ہیں، بہت بُرے آدمی ہیں۔ ہم تمہاری طرح یہاں کسی اور کام سے آئی ہیں، لیکن یہ ہمیں بہت پریشان کرتے ہیں۔ کیا ایسے ہو سکتا ہے کہ تم میرے خیمے میں آ کر سوؤ؟ میں اِن سے بچی رہوں گی''...... اور اس نے ایسی اداکاری کی کہ یہ آدمی موم ہو گیا اور اُس کے ساتھ اس کے خیمے میں چلا گیا۔

خیمے میں چھوٹی قندیل جل رہی تھی۔ لڑکی نے روشنی میں اس آدمی کو دیکھا تو بڑی ہی پُرکشش اور جذباتی مُسکراہٹ سے کہا...... ''اوہ! تم تو بہت خوب صورت آدمی ہو۔ تم میری حفاظت کر سکو گے۔ اس نے شراب کی چھوٹی صراحی اُٹھا کر کہا...... ''تھوڑی سی پیوؤ گے؟''

''نہیں!''

''کیوں؟''

''میں مسلمان ہوں''

''اگر اتنے پکے مسلمان ہو تو صلیب کے لیے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کیوں آئے ہو؟''

وہ آدمی چونکا۔ اس نے کہا...... ''اُس کی مجھے اُجرت ملتی ہے''۔

لڑکی جتنی خوب صورت تھی، اس سے کہیں زیادہ چالاک تھی۔ اپنے یہ دونوں ہتھیار استعمال کر کے اُس نے بن سفیان کے اس آدمی کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کہا...... ''شراب نہ پیو، شربت پی لو''۔ وہ دوسرے خیمے میں گئی اور ایک پیالہ اُٹھا لائی۔ اس آدمی نے پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ سے لگایا تو مُسکرا کر پیالہ رکھ دیا۔ لڑکی سے پوچھا ''اس میں کتنی حشیش ڈالی ہے؟''

لڑکی کو دھچکہ سا لگا، لیکن سنبھل گئی اور بولی...... ''زیادہ نہیں۔ اتنی سی ڈالی ہے جتنی تمہیں ذرا سی دیر کے لیے خود کر دے''۔

''کیوں؟''

''کیونکہ میں تم پر قبضہ کرنا چاہتی ہوں''...... اس نے سنجیدگی سے کہا...... ''اگر تمہیں میری باتیں بُری لگیں تو خنجر میرے دِل میں اُتار دینا۔ میں تمہیں اتفاقیہ نہیں ملی تھی۔ میں نے تمہیں اُٹھتے اور اِدھر آتے دیکھ لیا تھا۔ میں تمہارے راستے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ سفر کے دوران میں تمہیں بڑی غور سے دیکھتی رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے ہم کبھی اکٹھے رہے اور ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم میرے دِل میں اُتر گئے ہو۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے تمہیں شراب پیش کی تھی، خود پی تھی۔ میں شراب نہیں پیتی کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ یہ لوگ مجھے زبردستی پلاتے ہیں''۔

وہ چونک کر بولا...... ''تم ان کافروں کے ساتھ کیسے آ گئیں؟''

''بارہ سال سے ان کے ساتھ ہوں''...... لڑکی نے جواب دیا۔ ''میں یروشلم کی رہنے والی ہوں۔ اُس وقت میری عمر بارہ سال تھی۔ جب مجھے باپ نے فروخت کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے خریدار عیسائی ہیں۔ انہوں نے مجھے کام کی ٹریننگ دی جس کے لیے میں آئی ہوں۔ میں دمشق اور بغداد کا نام سنا کرتی تھی اور یہ نام مجھے اچھے لگتے تھے

سرزمین پر قدم رکھا ہے تو اس کی ہواؤں نے میرے اندر میرا مذہب بیدار کر دیا ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ مسلمانوں کی تباہی کے لیے میں کوئی کام نہیں کر سکوں گی''...... اس نے جذباتی لہجے میں کہا...... ''میرا دل رو رہا ہے، میری روح رو رہی ہے''...... اُس نے اس آدمی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیے اور کہا...... ''تم بھی مسلمان ہو، آؤ بھاگ چلیں۔ مجھے جہاں لے جاؤ گے، چلوں گی۔ ریگستان میں لیے پھرو گے تو خوشی سے تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تم بھی اپنی قوم کو دھوکہ دینے سے باز آجاؤ۔ ہمارے پاس سونے کے بہت سے سکے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہاں پڑے ہیں، آسانی سے چرا لاؤں گی''۔

علی بن سفیان کا یہ آدمی تھا تو عقل مند، لیکن لڑکی کے جھانسے میں آ گیا۔ اُسے اپنی ڈیوٹی یاد آ گئی تھی۔ اسی لیے اس نے حشیش نہیں پی تھی۔ وہ حشیش کی بو سے واقف تھا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ اور اس کی پارٹی یہاں کیا کرنے آئی ہے، لڑکی نے بتا دیا۔ اس آدمی نے کہا...... ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم یہاں مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکو گی۔ اگر تم سچے دِل سے اس کام سے متنفر ہو گئی ہو تو تم خوش قسمت ہو کہ تم ہمارے دھوکے میں آ گئی ہو۔ اب تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ ہم میں سے کوئی بھی صلیب کا جاسوس نہیں۔ ہم سب مصر کی فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں''...... لڑکی جوشِ مسرت سے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اس آدمی نے کہا...... ''میں اپنے کمانڈر سے کہوں گا کہ تمہیں دوسری لڑکیوں سے الگ رکھے اور کسی امیر وغیرہ کے حوالے نہ کرے''۔

لڑکی بے تابی سے اس کے ہاتھ چومنے لگی۔ اس کا فریب کامیاب ہو گیا۔ علی بن سفیان کا اتنا ہوشیار جاسوس ایک لڑکی کے فریب کا شکار ہو گیا''۔

''ذرا ٹھہرو''...... لڑکی نے کہا...... ''میں دیکھ آؤں کہ میرے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں''...... وہ خیمے سے نکل گئی۔

☆

علی بن سفیان سالار توفیق جواد کے گھر بیٹھا نور الدین زنگی کی بیوہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اسلام کے عظیم مجاہد کی بیوہ نے قاصد کے ذریعے صلاح الدین ایوبی تک اپنے جذبات پہنچا دیئے تھے، پھر بھی اس سے ملنا ضروری تھا۔ بہت سی معلومات لینی اور اقدام طے کرنے تھے۔ کچھ دیر بعد یہ پُرعظمت عورت آ گئی۔ وہ سیاہ اوڑھنی میں تھی۔ علی بن سفیان کو پہچان نہ سکی، کیونکہ وہ مصنوعی داڑھی میں تھا۔ جب پہچان لیا تو اس کے آنسو بہنے لگے۔ کہنے لگی...... ''یہ وقت بھی ہماری قسمت میں لکھا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو یوں چھپ کر اور بہروپ دھار کر ملیں گے۔ تم یہاں سر اونچا کر کے آیا کرتے تھے۔ اب اس حال میں آئے ہو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ لے اور میں گھر سے اس احتیاط سے نکلی ہوں کہ کوئی میرے پیچھے یہ دیکھنے کے لیے نہ آئے کہ میں کہاں جا رہی ہوں''۔

علی بن سفیان کے آنسو بہہ رہے تھے۔ جذبات کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ بہت دیر بول ہی نہ سکا۔ زنگی کی بیوہ نے کہا...... ''علی بن سفیان! میں نے یہ لباس اپنے خاوند کے ماتم کے لیے نہیں پہنا، میں اس غیرت کے ماتم میں ہوں جو میری قوم کا زیور ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے میرے بیٹے کو آلۂ کار بنا کر قومی غیرت صلیبیوں کے قدموں میں ڈال دی ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو۔ کل خلیفہ کے حکم سے اُس صلیبی بادشاہ کو جسے میرے خاوند نے جنگی قیدی بنایا تھا، رہا کر دیا گیا ہے۔ یہ رینالڈ تھا جسے چند ہی مہینے پہلے نور الدین زنگی نے بے شمار صلیبی سپاہیوں کے ساتھ ایک لڑائی میں پکڑا تھا۔ اُسے اور دوسرے قیدیوں کو زنگی کرک سے یہاں لے آئے تھے۔ زنگی بہت خوش تھے۔ کہتے تھے کہ میں صلیبیوں کے ساتھ ایسی سودا بازی کر کے اس صلیبی حکمران کو چھوڑ دوں گا جو اُن کی کمر توڑ دے گی۔ ایک بادشاہ اور اعلیٰ کمان دار کی گرفتاری معمولی سی بات نہیں ہوتی۔ ہم اس کے بدلے صلیبیوں سے اپنی شرائط منوا سکتے تھے، مگر کل میرا بیٹا میرے پاس آیا اور بڑی خوشی سے کہا......

''ماں! میں نے صلیبی حکمران کو اور اس کے ساتھ تمام صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیا ہے''...... میرے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ میں بہت دیر اپنے آپ سے باہر رہی۔ بیٹے سے پوچھا کہ ان جنگی قیدیوں کے عوض تم نے اپنے جنگی قیدی رہا کرا لیے ہیں؟ بیٹے نے بچوں کا سا جواب دیا۔ کہنے لگا کہ ہم ان قیدیوں کو لے کے کیا کریں گے۔ ہم آئندہ کسی سے لڑائی نہیں کریں گے۔

''میں نے بیٹے سے کہا کہ تم آئندہ اپنے باپ کی قبر پر نہ جانا۔ تم جب مرو گے تو میں تمہیں اس قبرستان میں دفن نہیں کروں گی جس میں تمہارا باپ دفن ہے۔ اس قبرستان میں وہ شہید بھی دفن ہیں جو صلیبیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ تمہیں وہاں دفن کر کے میں ان کی توہین نہیں کرنا چاہتی...... لیکن میرا بیٹا بچہ ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا۔ صلیبیوں نے اپنے حکمران اور جنگی قیدیوں کو رہا کرا کے اسلام کے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ میں حیران ہوں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں بیٹھا ہوا کیا کر رہا ہے۔ وہ کیوں نہیں آتا؟ علی بن سفیان! صلاح الدین ایوبی کیا سوچ رہا ہے؟ اسے کہنا تمہاری ایک بہن تمہاری غیرت کا ماتم کر رہی ہے۔ اُسے کہنا کہ وہ سیاہ لباس اُس روز اُتارے گی جس روز تم دمشق میں داخل ہو کر مجھے دکھا دو گے کہ تم نے ملتِ اسلامیہ کی آبرو ان عیاش اور ایمان فروشوں سے چھین لی اور اسے بچا لیا ہے، ورنہ میں اسی لباس میں مر جاؤں گی اور وصیت کر جاؤں گی کہ مجھے اسی لباس میں دفن کیا جائے، کفن نہ پہنایا جائے۔ میں روزِ قیامت اپنے خاوند اور خدا کے سامنے سفید کفن میں نہیں جانا چاہتی''۔

''میں ان جذبات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''آیئے، حقیقت کی بات کریں۔ سلطان ایوبی آپ کی ہی طرح بے تاب اور بے چین ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ ہمیں کوئی کارروائی جذبات اور اشتعال کے زیر اثر نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ہم اس کوشش میں ہیں کہ خانہ جنگی نہ ہو۔ اس کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ قوم ہمارا ساتھ دے۔ فوج کے متعلق توفیق جواد مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ ہماری فوج کے خلاف نہیں لڑے گی۔ البتہ محافظ دستے مقابلہ کریں گے''۔

''قوم آپ کے ساتھ ہے''...... زنگی کی بیوہ نے کہا...... ''میں عورت ہوں۔ میدانِ جنگ میں نہیں جا سکی۔ میں ایک اور محاذ پر لڑ رہی ہوں۔ میں نے قوم کی عورتوں میں ملی جذبہ اس حد تک پیدا کر رکھا ہے کہ آپ کسی بھی وقت انہیں میدانِ جنگ میں لے جا سکتے ہیں۔ میرے انتظامات کے تحت یہاں کی تمام نوجوان لڑکیاں تیغ زنی اور تیر اندازی کی مہارت رکھتی ہیں۔ عورتوں نے اپنے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاوندوں کو شعلے بنا رکھا ہے۔ میں نے جن عورتوں کے ہاتھوں انہیں تربیت دی ہے۔ وہ میرے ہاتھ میں ہیں۔ اگر نوبت خانہ جنگی تک آ گئی تو ہر گھر کی عورتیں خلیفہ کی فوج کے خلاف مورچہ بنا لیں گی۔ اگر صلاح الدین ایوبی فوج لے کے آئے تو میرا خلیفہ بیٹا اور اس کے حاشیہ بردار اپنے آپ کو تنہا پائیں گے۔ تم جاؤ برادر علی! فوج لاؤ۔ یہاں کے حالات مجھ پر چھوڑو۔ قوم کی طرف سے تم پر ایک بھی تیر نہیں چلے گا۔ اگر تم ضرورت سمجھو کہ میرے بیٹے کو قتل کر دیا جائے تو بھول جانا کہ وہ نور الدین زنگی کا اور میرا بیٹا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے جسم کے ٹکڑے کرا دوں گی، سلطنتِ اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھ سکوں گی''۔

توفیق جواد نے بھی علی بن سفیان کو یقین دلایا کہ خانہ جنگی نہیں ہو گی۔ اس کے بعد انہوں نے سکیم بنائی کہ سلطان ایوبی کس طرح آئے گا اور یہاں کیا ہو گا۔ یہ طے ہوا کہ سلطان ایوبی خاموشی سے آئے گا اور خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو بے خبری میں آن لے گا۔

☆

وہ صلیبی لڑکی جس نے علی بن سفیان کے ایک آدمی سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ ایک سو آدمی صلیب کے آدمی نہیں، اُسے خیمے میں اکیلا چھوڑ کر اور اُسے یہ کہہ کر چلی گئی کہ وہ دیکھنے جا رہی ہے کہ اس کے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ بتایا کہ وہ دھوکے میں آ گئے ہیں۔ یہ سب مصری فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں اور ان کا کمانڈر علی بن سفیان ہے جو سراغ رسانی اور جاسوسی کا ماہر سربراہ ہے۔ اس انکشاف نے ان صلیبیوں کو چونکا دیا اور وہ سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ان کے لیے وہاں رُکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لڑکی اُس مصری جاسوس کے پاس چلی گئی تا کہ اسے پھانسے رکھے۔ ایک صلیبی باہر نکلا اور علی بن سفیان کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ اسے نہ ملا۔ اُس وقت علی بن سفیان توفیق جواد کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ صلیبی یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ علی بن سفیان یہیں ہے یا کہیں گیا ہوا ہے۔ اُسے غیر حاضر دیکھ کر صلیبی نے خطرہ محسوس کیا کہ علی بن سفیان ان کی گرفتاری کا انتظام کرنے گیا ہے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو جا کر بتایا کہ وہاں سے فوراً نکلنے کی ترکیب کریں۔ رات آدھی گزر گئی تھی۔ یہ لوگ شہر سے ناواقف تھے۔ دن کے وقت وہ اپنی منزل ڈھونڈ سکتے تھے۔ رات کو لڑکیوں کو ساتھ ساتھ لیے پھرنا مناسب نہیں تھا۔

ایک نے مشورہ دیا کہ سرائے میں چلے چلتے ہیں۔ وہاں جا کر کہیں گے کہ ہم قاہرہ کے تاجر ہیں، باہر کھلے میدان میں سو نہیں سکتے۔ اس لیے سرائے میں رات گزارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایک آدمی کو چوری چھپے اس کام کے لیے بھیج دیا کہ سرائے تلاش کرے اور وہاں سے معلوم کرے کہ رات کے وقت چار آدمیوں اور چار عورتوں کو جگہ مل سکتی ہے یا نہیں، اگر جگہ مل جائے تو وہ یہاں سے اکیلے اکیلے نکلیں اور سرائے میں پہنچ جائیں۔ ان کے لیے سامان ایک مسئلہ تھا۔ یہ بظاہر تجارتی سامان تھا، لیکن اس میں زر و جواہرات اور تحفے تھے، جو وہ صلیبیوں کی طرف سے اُمراء کے لیے لائے تھے۔ وہ چونکہ اُمراء کے پاس جانے کے لیے آئے تھے۔ اس لیے انہیں ایسا کوئی خطرہ نہ تھا کہ پکڑے جائیں گے۔ انہوں نے بہروپ اس لیے دھار رکھا تھا کہ اُمراء کے سوا اور کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔ اُمراء سے مل کر انہیں وہیں رہنا اور تخریب کاری کرنی تھی، اس لیے وہ اپنی اصلیت چھپائے رکھنا چاہتے تھے۔

ان کا بھیجا ہوا آدمی سرائے کی تلاش میں جا رہا تھا۔ گلیاں اور بازار ویران تھے۔ اُسے کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ جس سے وہ پوچھتا کہ سرائے کہاں ہیں۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے بعد اس سامنے سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ اندھیرے میں اتنا ہی پتا چلتا تھا کہ وہ کوئی انسان ہے۔ وہ قریب آیا تو صلیبی نے اُس سے سرائے کے متعلق پوچھا۔ اُس نے سر اور آدھے چہرے پر چادر سی ڈال رکھی تھی۔ اُس نے صلیبی کو بتایا کہ سرائے شہر کے دوسرے سرے پر ہے۔ پھر اس سے پوچھا کہ وہ اتنی رات گئے، سرائے کیوں ڈھونڈ رہا ہے۔ ایسے وقت میں اس کے لیے سرائے کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ صلیبی نے اُسے بتایا کہ وہ آج تاجروں کے قافلے کے ساتھ آئے ہیں۔ ان کے ساتھ چار عورتیں ہیں جنہیں وہ خیموں میں نہیں رکھنا چاہتے۔

''ہاں، یہ ایک مسئلہ ہے''...... اس آدمی نے کہا...... ''تمہیں شام سے پہلے بندوبست کر لینا چاہیئے تھا۔ آؤ، میں تمہاری کچھ مدد کرتا ہوں۔ تم پردیسی ہو۔ یہاں سے جا کر یہ نہ کہو کہ دمشق میں تمہاری مستورات کھلے میدان میں پڑی رہی تھیں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مستورات کو ساتھ لے آؤ۔ میں سرائے کھلوا کر جگہ دلوا دوں گا''۔

وہ آدمی صلیبی کے ساتھ چل پڑا اور دونوں قافلے کی خیمہ گاہ تک پہنچ گئے۔ صلیبی نے اُسے ایک جگہ روک کر کہا...... ''تم یہیں ٹھہرو۔ میں انہیں لے کر آتا ہوں''...... یہ کہہ کر وہ خیمہ گاہ کے ایک طرف سے گھوم کر کہیں غائب ہو گیا۔ صلیبیوں کے خیمے دوسری طرف اور ذرا ہٹ کر تھے۔ اس آدمی نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ ایک آدمی اس کے ساتھ آیا ہے

جو انہیں سرائے میں جگہ دلا دے گا۔ اس کے ساتھی کچھ گھبرائے۔ یہ آدمی بھی دھوکہ دے سکتا تھا، لیکن وہ ایسے جال میں پھنس گئے تھے جس سے نکلنے کے لیے انہیں کوئی نہ کوئی تو خطرہ مول لینا ہی تھا۔ مصری جاسوس جو صلیبی لڑکی کے جھانسے میں آ گیا تھا، اس نے لڑکی کو یہاں تک بتا دیا تھا کہ خلیفہ اور امراء صلیبیوں کے زیرِ اثر آ گئے ہیں، اس لیے علی بن سفیان بہروپ میں ایک دو لڑاکا جاسوس کے ساتھ آیا ہے اور ان کا مشن یہ ہے کہ یہاں کا جائزہ لیں کہ صلیبی اثرات کہاں تک پہنچے ہیں اور کیا صلاح الدین ایوبی کے لیے جنگی کارروائی ضروری ہے یا نہیں"۔

لڑکی نے علی بن سفیان کا یہ مشن اپنے ساتھیوں کو بتا دیا تھا۔ یہ بڑی ہی کار آمد اطلاع تھی جو صلیبی جاسوس رات ہی کٹھ پتلی خلیفہ تک پہنچا کر خراجِ تحسین حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہ اطلاع وہ اپنے صلیبی حکمرانوں تک بھی پہنچانا چاہتے تھے تاکہ وہ صلاح الدین ایوبی کا راستہ روکنے کا بندوبست کر لیں۔ ان صلیبی جاسوسوں نے یہ ارادہ بھی کیا کہ وہ علی بن سفیان اور اس کی پوری جماعت کو خلیفہ کے حکم سے گرفتار کرا دیں۔ انہوں نے اس لڑکی کو بہت ہی خراجِ تحسین پیش کیا جس نے مصری جاسوس کے سینے سے یہ راز نکلوا لیا تھا۔ یہ مصری اب لڑکی کے خیمے میں گہری نیند سویا ہوا تھا اور لڑکی خیمے میں نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کے پاس تھی۔

انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ علی بن سفیان کے تمام آدمی سوئے ہوئے ہیں۔ سب اکٹھے نکل چلیں۔ سامان اور جانوروں کو یہیں رہنے دو۔ کل صبح ہوتے ہی وہ مصری جاسوسوں کو پکڑا دیں گے پھر ان کا سامان انہیں مل جائے گا۔ وہ خیمہ گاہ سے بھاگنا اس لیے چاہتے تھے کہ انہیں ڈر تھا کہ علی بن سفیان رات کو لڑکیاں غائب کر دے گا یا ان سب کو مروا دے گا کوئی دھوکہ دے گا۔ بہر حال رُکنا ٹھیک نہیں تھا۔ وہ سب خیمہ گاہ سے پرے پرے دبے پاؤں چل پڑے اور اُس جگہ پہنچے جہاں ان کا ایک ساتھی ایک آدمی کو کھڑا کر گیا تھا، مگر وہ آدمی وہاں نہیں تھا۔ وہ سب اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہے تھے کہ بیٹھے ہوئے اونٹوں کی اوٹ میں سے بہت سے آدمی اُٹھے اور صلیبیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ انہیں ایک طرف لے گئے اور مشعلیں جلائی گئیں۔ علی بن سفیان نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے جھوٹ بولے۔ علی بن سفیان نے پوچھا..... "وہ آدمی کون تھا جو سرائے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا"۔

ایک صلیبی نے کہا..... "وہ میں تھا"۔

"اور جس سے تم نے سرائے کا راستہ پوچھا تھا"..... علی بن سفیان نے کہا..... "وہ میں تھا"۔

یہ محض اتفاق تھا اور اللہ کا کرم کہ علی بن سفیان توفیق جواد کے گھر سے واپس آ رہا تھا۔ یہ صلیبی سرائے کی تلاش میں جا رہا تھا۔ اُس نے علی بن سفیان سے ہی سرائے کا راستہ پوچھا۔ اگر روشنی ہوتی، تو صلیبی اسے پہچان لیتا۔ ایک تو اندھیرا تھا، دوسرے علی بن سفیان نے سر پر رومال یا چادر ڈال رکھی تھی۔ صلیبی کی ایک ہی بات سن کر وہ جان گیا کہ انہیں کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ وہ دھوکے میں آ گئے ہیں۔ لہٰذا اب بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ یہ صلیبی بے شک جاسوس ہیں، لیکن انہیں یہاں اُمراء میں سے کوئی نہ کوئی پناہ میں لے لے گا۔ چنانچہ اس نے صلیبی کو خوش اخلاقی کا جھانسہ دے کر پھانس لیا اور اس کے ساتھ خیمہ گاہ تک چلا گیا۔ وہ سوچتا رہا کہ اب اُسے کیا کارروائی کرنی چاہیے۔ صلیبی نے اس پر یہ کرم کیا کہ اسے اپنے خیموں سے دور کھڑا کر گیا۔

علی بن سفان نے فوراً اپنے دو تین آدمیوں کو جگا لیا اور نہایت عجلت سے انہیں بتایا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ہدایات دے کر وہ خود صلیبیوں کے خیموں تک گیا۔ وہ سب لڑکیوں سمیت ایک خیمے میں جمع ہو گئے تھے۔ علی بن سفیان

دبے پاؤں قریب جا کر ان کی باتیں سنیں۔ وہ صرف یہ جان سکا کہ صلیبی جاسوسوں کو اس کا مشن معلوم ہو گیا ہے، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ راز فاش کس طرح ہوا ہے۔ اتنی دیر میں اس کے بہت سے آدمی اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق برچھیوں سے مسلح ہو کر اونٹوں کی اوٹ میں جا کر بیٹھ چکے تھے۔ صلیبیوں کو وہیں آنا تھا۔ وہ جوں ہی وہاں پہنچے، علی بن سفیان بھی آ گیا اور سب کو گھیر کر پکڑ لیا گیا۔

''دوستو!''...... علی بن سفیان نے انہیں کہا...... ''تمہاری جاسوسی بہت کمزور ہے۔ تمہیں ابھی بہت سی تربیت کی ضرورت ہے۔ کیا جاسوس اس طرح سنسان گلیوں میں پھرا کرتے ہیں؟ اور کیا جاسوس کسی اجنبی کو پہچانے بغیر بات کیا کرتے ہیں؟ یہ فن مجھ سے سیکھو''۔

''اگر آپ یہ فن اپنے آدمیوں کو سکھا دیں تو زیادہ بہتر ہو گا''...... ایک صلیبی نے کہا...... ''کیا آپ ہماری اس مہارت کی تعریف نہیں کریں گے کہ ہم نے آپ کے ایک آدمی سے آپ کی اصلیت معلوم کر لی ہے؟ یہ تو قسمت کا کھیل ہے۔ آپ جیت گئے ہم ہار گئے۔ اگر ہمارا قائد مارا نہ جاتا تو ہم یوں بھٹک نہ جاتے''۔

''مجھے وہ آدمی بتاؤ گے جس نے راز فاش کیا ہے؟''...... علی بن سفیان نے پوچھا۔

''اُس خیمے میں سویا ہوا ہے''...... ایک لڑکی نے ایک خیمے کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا...... ''وہ میرے دھوکے میں آ گیا تھا''۔

''یہ باتیں اب قاہرہ میں چل کر ہوں گی''...... علی بن سفیان نے کہا۔

''صبح طلوع ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ تاجروں کا قافلہ جا رہا تھا۔ اونٹوں پر جہاں تجارتی سامان لدا ہوا تھا، وہاں خیمے بھی لدے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان اور اس کے ایک سو آدمیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا کہ لپٹے ہوئے خیموں میں چار لڑکیاں اور چار آدمی لپٹے ہوئے ہیں۔ علی بن سفیان نے روانگی سے کچھ دیر پہلے سحر کی تاریکی میں ایک ایک صلیبی کو ایک ایک خیمے میں لپیٹ کر اونٹوں پر لاد کر باندھ دیا تھا۔ اُسے کوئی فکر نہیں تھی کہ وہ دم گھٹنے سے مر جائیں گے یا زندہ رہیں گے۔ قافلہ دمشق سے نکل گیا اور جب شہر اتنی دُور پیچھے رہ گیا کہ نظر بھی نہیں آتا تھا، اُس نے صلیبیوں کو خیموں سے نکالا۔ سب زندہ تھے۔ لڑکیوں کو اونٹوں پر اور مردوں کو گھوڑوں پر سوار کر لیا گیا۔ صلیبیوں نے رہائی کے لیے وہ تمام زر و جواہرات اور سونے کے ٹکڑے پیش کیے جو وہ خلیفہ اور اُمراء کے لیے لائے تھے۔ علی بن سفیان نے کہا...... ''یہ ساری دولت تو میرے ساتھ ہی جا رہی ہے''۔

☆

اُس وقت ریمانڈ نام کا ایک صلیبی تریپولی کا حکمران تھا۔ یہ وہی علاقہ ہے جو آج لبنان کہلاتا ہے۔ دوسرے صلیبی حکمران یروشلم اور گرد و نواح میں تھے۔ نورالدین زنگی کی وفات پر وہ سب بہت خوش تھے۔ وہ ایک کانفرنس کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے منصوبوں پر نظر ثانی کر لی تھی اس کے مطابق فرنگیوں کا ایک کمانڈر سیرز اپنی فوج حلب تک لے گیا۔ حلب کا امیر شمس الدین تھا۔ سیرز نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ حلب اس کے حوالے کر دے یا صلح نامے پر دستخط کر کے تاوان ادا کرے۔ شمس الدین نے اس ڈر سے صلیبیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے کہ دمشق اور موصل کے اُمراء اسے جنگ میں اُلجھا ہوا دیکھ کر اس کی مملکت پر قبضہ کر لیں گے۔ اس ایک ہی کامیابی سے صلیبی دلیر ہو گئے۔ وہ جان گئے کہ یہ مسلمان اُمراء ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے دشمن ہیں، چنانچہ انہوں نے جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ انہیں خطرہ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی سے تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے کردار سے آگاہ تھے۔

انہیں ڈر یہ تھا کہ سلطان ایوبی دمشق یا ان علاقوں میں کہیں بھی آ گیا تو وہ تمام اُمراء کو متحدہ کر لے گا۔ چنانچہ وہ اُمراء کو بہت جلدی اپنے اتحادی بنا لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ ریمانڈ نے خلیفہ الملک الصالح کو ایک ایلچی کے ذریعے تحائف کے ساتھ یہ پیش کش بھی بھیج دی تھی کہ وہ اسے ضرورت کے وقت فوجی مدد دے گا۔

اسلام کی بقا اور آبرو کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی۔ اس کا دارومدار سلطان صلاح الدین ایوبی کے اقدام پر تھا۔ ایک ساعت جو گزر جاتی تھی، اسلام کو تباہی کے قریب لے جاتی تھی۔ سلطان ایوبی قاہرہ میں علی بن سفیان کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے علی بن سفیان کی رپورٹ کے مطابق کچھ فیصلہ کرنا تھا۔ وہ بغداد، دمشق اور یمن وغیرہ پر فوج کشی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ مصر کے اندرونی حالات ٹھیک نہیں تھے اور فوج کم تھی۔ وہ عمر سے زیادہ سے زیادہ نہیں، بلکہ کم سے کم فوج اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا اور یہی ایک خطرہ تھا، جو اُسے پریشان کر رہا تھا کہ اتنی کم فوج سے وہ کیا کامیابی حاصل کر سکے گا۔ اس کے باوجود اُس نے فوج کشی کے سوا دوسرا کوئی اقدام سوچا ہی نہیں۔ وہ دن میں ایک دوبار اپنے مکان کی چھت پر جا کر اُس سمت دیکھا کرتا تھا جس سمت سے علی بن سفیان کو آنا تھا۔ وہ اُفق پر نظریں گاڑ دیتا تھا۔

ایک روز اُسے اُفق پر گرد کے بادل نظر آئے جو زمین سے اُٹھے اور اوپر ہی اوپر اُٹھتے اور پھیلتے گئے۔ سلطان ایوبی اوپر ہی کھڑا رہا۔ گرد کا بادل آگے ہی آگے آتا گیا، پھیلتا گیا...... اور پھر اس میں سے گھوڑوں اور اونٹوں کے ہیولے نظر آنے لگے۔ وہ علی بن سفیان کا قافلہ تھا۔ اُس نے راستے میں بہت تھوڑے پڑاؤ کیے تھے۔ اُسے جب قاہرہ کے مینار نظر آنے لگے تو اُس نے اونٹ اور گھوڑے دوڑا دیئے۔ اُسے احساس تھا کہ گذرتے ہوئے لمحوں کی قیمت کیا ہے اور اُس کے انتظار میں سلطان صلاح الدین ایوبی رات کو سوتا بھی نہیں ہوگا۔

پھر وہ لمحہ آ گیا جب گرد سے اٹا ہوا علی بن سفیان سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے نہانے دھونے کی مہلت نہ دی۔ وہ خبریں سننے کے لیے بے تاب تھا۔ اُس کے لیے کھانا وغیرہ وہیں لانے کا حکم دے کر اُسے دفتر میں لے گیا۔ علی بن سفیان نے اُسے تفصیلی رپورٹ دی۔ نورالدین زنگی کی بیوہ کا پیغام، اُس کے جذبات اور تاثرات سنائے۔ سالار توفیق جواد سے جو بات چیت ہوئی تھی وہ سنائی اور آخر میں بتایا کہ وہ دمشق سے ایک تحفہ لایا ہے۔ یہ تحفہ چار صلیبی جاسوس مرد اور چار لڑکیاں تھیں۔ اُس نے سلطان ایوبی سے کہا...... ''میں شام سے پہلے پہلے کچھ قیمتی معلومات ان لوگوں سے حاصل کر لوں گا''۔

''تو اُس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں فوجی طاقت استعمال کرنی پڑے گی''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

''کرنی پڑے گی اور ہم ضرور کریں گے''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ خانہ جنگی نہیں ہوگی''۔

سلطان ایوبی نے اپنے دو ایسے فوجی مشیروں کو بلایا جن پر اُسے کُلی طور پر اعتماد تھا۔ وہ آئے تو اُس نے انہیں کہا...... ''میں تم سے اب جو بھی بات کروں، وہ اپنے سینے میں اُتار لینا۔ تم دونوں کے علاوہ علی بن سفیان تیسرا آدمی ہوگا جو اِس راز سے واقف ہوگا''...... اُس نے انہیں دمشق اور دیگر تمام اسلامی ریاستوں اور جاگیروں کے احوال و کوائف سنائے۔ علی بن سفیان کی لائی ہوئی رپورٹ سنائی اور کہا...... ''اللہ کی فوج اللہ کے حکم کی تعمیل کیا کرتی ہے۔ امیر اور خلیفہ کی اطاعت ہم پر فرض ہے، لیکن امیر اور خلیفہ ہی اللہ کے عظیم مذہب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کے دشمن ہو جائیں تو اللہ کے سپاہی پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُمتِ رسول اللہ کی ناموس کو بچائیں۔ اگر میرا وجود ملک و ملت کے لیے خطرے اور بدنامی کا باعث بنے تو تمہارا فرض ہے کہ میرا سر میرے دھڑ سے

جدا کر دو یا مجھے بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں پھینک دو اور ملک میں احکام خداوندی نافذ کرو۔ آج یہی فرض ہم پر عائد ہو گیا ہے۔ ہمارا خلیفہ قومی غیرت اور وقار سے دستبردار ہو کر اسلام کے دشمنوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ اُن سے مدد مانگ رہا ہے، اُن کے جاسوسوں کو پناہ دے رہا ہے، اُس کے حاشیہ بردار عیش و عشرت میں ڈوب گئے ہیں۔ سلطنتِ اسلامیہ کے حصے بخرے کر رہے ہیں۔ شمس الدین والی حلب نے صلیبیوں کے آگے ہتھیار ڈال کر تاوان ادا کیا اور صلح کر لی ہے اور صلیبی عالم اسلام پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں تو کیا ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہو گیا کہ ہم فوجی طاقت سے خلیفہ کو اس مقدس گدی سے اُٹھائیں اور اسلام کی آبرو بچائیں؟''

''بالکل فرض ہو گیا ہے''۔ دونوں مشیروں نے بیک زبان کہا۔

''اب ہمارا اقدام جو کچھ بھی ہو گا، وہ ہم چاروں کے درمیان راز ہو گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا اور اُن کے ساتھ اپنے سوچے ہوئے اقدام کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

صلیبی جاسوسوں اور لڑکیوں کو علی بن سفیان اپنے مخصوص تہ خانے میں لے گیا اور انہیں کہا...... ''تم ایسے جہنم میں داخل ہو گئے ہو جہاں تم زندہ بھی نہیں رہو گے اور مرو گے بھی نہیں۔ اپنے جسموں کو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر جو باتیں تم میرے سامنے اُگلو گے وہ اسی صحت مندی کی حالت بتا دو اور اس جہنم سے رہائی حاصل کرو۔ میں تمہیں سوچنے کا موقعہ دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آؤں گا''۔

وہ جب انہیں بیڑیاں ڈالنے کا حکم دے رہا تھا تو ایک صلیبی نے کہا...... ''ہم ساری باتیں بتا دیں گے۔ ہمیں سزا دینے سے پہلے یہ درخواست سن لیں کہ ہم تنخواہ پر کام کرنے والے ملازم ہیں۔ سزا حکم دینے والوں کو ملنی چاہیے۔ ہم جو مرد ہیں، سختیاں برداشت کر لیں گے، ہم ان لڑکیوں کو اذیت سے بچانا چاہتے ہیں''۔

''انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا''۔ علی بن سفیان نے کہا...... ''تم میرا کام آسان کر دو گے تو لڑکیاں تمہارے ساتھ رہیں گے۔ اس تہ خانے سے تم سب کو نکال لیا جائے گا اور باعزت نظر بندی میں رکھا جائے گا''۔

انہوں نے جو انکشاف کیے ان سے اُن تمام حالات کی تصدیق ہو گئی جو نور الدین زنگی کی وفات کے بعد پیدا ہو گئے تھے۔

☆

تین روز بعد......

مصر کی سرحد سے بہت دُور، شمال مشرق کی سمت مٹی کے اونچے نیچے ٹیلوں اور گھاٹیوں کا وسیع خطہ تھا جس میں کہیں کہیں سبزہ بھی تھا اور پانی بھی۔ یہ خطہ قافلوں اور فوجوں کے عام راستوں سے ہٹ کر تھا۔ اس کے اندر ایک جگہ بے شمار گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا پرے سوار سوئے ہوئے تھے اور ان سے الگ ہٹ کر چھوٹا سا ایک خیمہ لگا ہوا تھا جس کے اندر ایک آدمی سویا ہوا تھا۔ تین چار آدمی ٹیلوں کے اوپر ٹہل رہے تھے اور تین چار آدمی اس خطے کے باہر بکھر کر گھوم پھر رہے تھے...... خیمے میں سویا ہوا آدمی سلطان صلاح الدین ایوبی تھا۔ ٹیلوں پر اور ٹیلوں کے باہر گھومنے پھرنے والے آدمی سنتری تھے اور جو سوار سوئے ہوئے تھے، وہ سلطان ایوبی کے سوار تھے۔ ان کی تعداد سات سو تھی۔

صلاح الدین نے بڑی گہری سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ کم سے کم فوج اپنے ساتھ لے کر دمشق جائے گا۔ اگر اس کا استقبال ایک سلطان کی حیثیت سے ہوا تو زبانی بات چیت کرے گا اور اگر مزاحمت ہوئی تو وہ اسی نفری

سے مقابلہ کرے گا۔ علی بن سفیان نے اُسے یقین دلایا تھا کہ خلیفہ اور اُمراء کے محافظ دستوں نے مزاحمت کی تو سالار توفیق جو اد اپنی فوج سلطان ایوبی کے حوالے کر دے گا۔ زنگی کی بیوہ نے یقین دلایا تھا کہ شہر کے لوگ سلطان ایوبی کا استقبال کریں گے، لیکن سلطان ایوبی نے اپنے آپ کو خوش فہمیوں میں کبھی مبتلا نہیں ہونے دیا تھا۔ اُس نے یہ فرض کر کے فیصلہ کیا تھا کہ وہ سات سو سواروں کے ساتھ جہاں جا رہا ہے، وہاں کا ہر ایک سپاہی اور بچہ بچہ اُس کا دشمن ہے۔ اُس نے اپنے رسالے (گھوڑ سوار دستوں) میں سے وہ سات سو سوار منتخب کیے تھے جو بہت سے معرکے لڑ چکے تھے، ان میں چھاپہ مار سوار بھی تھے جو دشمن کے عقب میں معرکے لڑنے کا تجربہ رکھتے تھے۔ جنگی مہارت کے علاوہ یہ سوار جذبے کے جنونی تھے جن کی آنکھیں صلیب کا نام سن کر لال سرخ ہو جایا کرتی تھیں۔ آج کی فوجی زبان میں یہ ''کریک ٹروپس'' تھے۔

قاہرہ سے ان سواروں کو سلطان ایوبی نے رات کے وقت خفیہ طریقے سے نکالا تھا۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے نکلے تھے اور قاہرہ سے بہت دُور ایک پہلے سے بتائی ہوئی جگہ اکٹھے ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی بھی خفیہ طریقے سے قاہرہ سے نکلا تھا۔ صرف علی بن سفیان اور دو خصوصی فوجی مشیروں کو اس کا علم تھا۔ سلطان ایوبی کا محافظ دستہ بدستور قاہرہ میں اُس کے گھر اور ہیڈ کوارٹر میں مستعد رہتا تھا۔ اس سے یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ سلطان ایوبی یہیں ہے۔

تمام یورپی اور مسلمان مورخین اس پر متفق ہیں کہ سلطان ایوبی نے سات سو سوار منتخب کیے۔ خفیہ طریقے سے شہر سے نکلا اور دمشق کو روانہ ہوا۔ قاہرہ اور گردو نواح میں صلیبی جاسوس موجود تھے۔ ان میں مصری مسلمان بھی تھے جن میں کچھ سرکاری ملازمت میں بھی تھے، مگر کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ قاہرہ سے سلطان ایوبی اور سات سو سوار غائب ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی دمشق میں داخل ہونے تک اپنی نقل و حرکت کو راز میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ رات کو سفر کرتا اور دن کو کہیں چھپ جاتا تھا۔ سات سو گھوڑوں اور سواروں کو چھپانا ممکن نہیں تھا لیکن سلطان ایوبی ریگزار کا بھیدی تھا۔ ایسے راستے سے جا رہا تھا، جدھر سے کوئی قافلہ نہیں جایا کرتا تھا اور وہ چھپنے کی جگہ ڈھونڈ لیا تھا۔ دو یورپی مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس خفیہ سفر کے دوران وہ سواروں کے ساتھ عام سپاہیوں کی طرح گھلا ملا، گپ شپ لگاتا اور باتوں میں انہیں آگ کے بگولے بناتا رہا۔ اس کے ساتھ انہیں سمجھاتا رہا کہ آگے حالات کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں۔ اُس نے سواروں کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کیا، کوئی جھوٹی اُمید نہیں دلائی، انہیں خطروں سے آگاہ کرتا رہا۔ سلطان ایوبی کی شخصیت اور کردار میں جو جلال تھا، وہ ہر ایک سوار کی رُوح میں اُتر گیا اور سوار اُڑ کر دمشق پہنچنے کے لیے بے تاب ہو گئے۔

مورخوں میں البتہ یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ ۱۱۷۴ء کا کون سا مہینہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جولائی کا مہینہ تھا، بعض نے نومبر لکھا ہے۔ بہر حال یہ واقعہ نور الدین زنگی کی وفات کے بعد کا ہے۔ اگر وقائع نگاروں کی تحریروں میں چھوٹے چھوٹے واقعات غور سے پڑھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ایوبی ستمبر کے ابتدائی دنوں میں دمشق کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اُس نے مصر کی ہائی کمانڈ خفیہ طور پر اپنے دو مشیروں کے سپرد کر دی تھی۔ سوڈان کی طرف کی سرحد پر مورچہ بندی اور دفاعی انتظامات مزید مضبوط کر دیئے تھے۔ شمال کی طرف بحریہ کو حکم دیا گیا تھا کہ ہر وقت، دن رات، سمندر میں دُور دُور تک کشتیاں گشت کرتی رہیں اور جنگی جہاز بحری سپاہیوں کے ساتھ ہر لحظہ تیاری کی حالت میں رہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے جانشینوں سے کہہ دیا تھا کہ کسی بھی طرف سے حملہ آئے تو وہ اُس کے حکم کا انتظار نہ کریں۔ اُس نے یہ بھی حکم دے دیا تھا کہ سرحد پر دشمن ذرا سی بھی گڑبڑ کرے تو شدید قسم کی جوابی کارروائی کرو۔ ہر وقت جارحیت کے لیے تیار رہو۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو سوڈان کے اندر جا کر مصر کا دفاع کرو''۔

سلطان ایوبی مصر کو اپنی فوج اور خدا کے حوالے کر کے چوری چھپے سات سو سواروں کے ساتھ دمشق جا رہا تھا۔

☆

دمشق کے قلعے پر سنتری گھوم پھر رہے تھے۔ انہیں دُور اُفق پر گرد کے گھنے بادل اُٹھتے نظر آئے جو دمشق کی طرف آرہے تھے۔ وہ کچھ دیر دیکھتے رہے۔ شاید تاجروں اور مسافروں کا کوئی بڑا قافلہ ہوگا، مگر اونٹ اتنی گرد نہیں اُڑاتے۔ یہ گھوڑے معلوم ہوتے تھے..... گرد بہت قریب آگئی تو اس میں ذرا ذرا گھوڑے نظر آنے لگے اور پھر اوپر اُٹھی ہوئی برچھیوں کی انیاں نظر آنے لگیں۔ ہر برچھی کے ساتھ کپڑے کی لمبوتری جھنڈی تھی۔ یہ بلا شک وشبہ کوئی فوج تھی اور یہ فوج خلیفہ کی نہیں ہوسکتی تھی۔ ایک سنتری نے نقارہ بجا دیا۔ قلعے کی دوسری دیواروں پر بھی نقارے بج اُٹھے۔ قلعے میں جو فوج تھی وہ تیاری کی پوزیشنوں میں آگئی۔ دیواروں کے اوپر تیر اندازوں نے کمانوں میں تیر ڈال لیے۔ قلعے کا کمانڈر بھی اوپر آگیا۔ گرد اُڑاتے ہوئے سوار قلعے کے قریب آگئے اور حملے کی ترتیب میں آکر رُک گئے۔ قلعہ کے کمانڈر نے سواروں کے کمانڈر کا جھنڈا دیکھا تو وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کا جھنڈا تھا۔ قلعہ دار کو سرکاری طور پر بتایا جا چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے، جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس طرف آئے تو اسے بلا روک ٹوک شہر میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

''آپ کس ارادے سے آئے ہیں؟'' قلعہ دار نے پوچھا..... ''اگر خلیفہ سے ملنا ہے تو اپنے سوار دُور پیچھے لے جائیں اور اکیلے آگے آئیں''۔

''خلیفہ سے کہہ دو کہ صلاح الدین ایوبی باہر بلا رہا ہے''۔ سلطان ایوبی نے بلند آواز سے کہا..... ''اور تم سن لو۔ میرے سوار پیچھے نہیں جائیں گے، شہر میں جائیں گے۔ خلیفہ کو اطلاع دو کہ وہ باہر نہ آیا تو بہت سے مسلمانوں کا خون اُس کی گردن پر ہوگا''۔

''صلاح الدین بن نجم الدین ایوب!'' قلعے کے کمان دار نے کہا..... ''میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہارا ایک بھی سوار زندہ واپس نہیں جائے گا۔ میں خلیفہ کے حکم کا پابند ہوں۔ تمہارے لیے شہر کا کوئی دروازہ نہیں کھلے گا''۔

قلعے کے باہر جو سپاہی پہرے پر تھے، انہوں نے خلیفہ کی طرف ایک سپاہی دوڑا دیا تھا۔ یہ ان لوگوں کی ڈیوٹی تھی کہ خلیفہ کو خطرے سے آگاہ کر دیں تا کہ فوج کو تیاری کا حکم دیا جائے۔ اُدھر سلطان ایوبی نے اپنے سواروں کو کچھ حکم دیا۔ سواروں نے بجلی کی تیزی سے حرکت کی، وہ اور زیادہ پھیل گئے۔ سواروں نے کمانیں نکال لیں، اور ان میں تیر ڈال لیے۔ اُدھر دمشق شہر کا بڑا دروازہ بند کر دیا گیا اور شہر کی فصیل پر بھی تیر انداز تیار ہوگئے۔

قلعہ دار یعنی قلعے کا کمانڈر غالباً خلیفہ کے حکم کا یا شاید اندر سے آنے والی فوج کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ مقابلے کے لیے وہ تیار تھا۔ خلیفہ کو باہر کی صورتِ حال کی اطلاع مل گئی۔ وہ بچہ تھا۔ ایک بار تو جوش میں آگیا، پھر گھبرا گیا۔ اس کے مشیروں نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور اس سے حکم دلوایا کہ فوج باہر نکل کر سلطان ایوبی کو گھیرے میں لے لے اور ہتھیار ڈلوا کر سلطان ایوبی کو گرفتار کر لے۔ اس اثنا میں شہر کے لوگوں کو بھی پتا چل گیا کہ سلطان ایوبی فوج لے کر آیا ہے۔ نورالدین زنگی کی بیوہ حرکت میں آگئی۔ اُس نے عورتوں کی جو زمین دوز جماعت بنا رکھی تھی، وہ بھی سرگرم ہوگئی۔ گھر گھر اطلاع پہنچ گئی کہ سلطان ایوبی آیا ہے۔ عورتیں باہر نکل آئیں اور ''خوش آمدید صلاح الدین ایوبی'' کے نعرے لگنے لگیں۔ بعض نے پھول بھی اکٹھے کر لیے۔ مرد بھی نکل آئے۔ نعروں سے دمشق گونجنے لگا۔ خلیفہ کے حاشیہ برداروں کو لوگوں کا یہ رویہ پسند نہ آیا، مگر شہریوں کا سیلاب شہر کے دروازے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگ شہر کی فصیل پر بھی چڑھ گئے تھے اور

سلطان ایوبی کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

خلیفہ اور اُس کے حواریوں کو سب سے بڑی چوٹ یہ پڑی کہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ فوج نے سلطان ایوبی کے مقابلے میں آنے سے انکار کر دیا ہے۔ سپاہیوں تک تو حکم ہی نہیں پہنچا تھا۔ انکار کرنے والے سالار اور دیگر کمانڈر تھے۔ کمانڈروں میں کچھ ایسے تھے جو اُمراء کے پروردہ تھے۔ وہ اپنے دستوں کو تیاری کا حکم دینے لگے تو خلیفہ کے مخالف کمانڈروں نے انہیں خبردار کر دیا کہ انہوں نے سلطان ایوبی کے خلاف ہتھیار اُٹھائے تو انہیں گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر شہر میں گھسیٹا جائے گا۔ تین چار کمانڈروں نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکال لیں۔ معاملہ خون خرابے تک پہنچنے والا تھا کہ زنگی کی بیوہ آن پہنچی۔ یہ عورت پاگلوں کی طرح بھاگ دوڑ رہی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ گھوڑا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ وہ دیکھنے آئی تھی کہ فوج کیا کر رہی ہے۔ کہیں خانہ جنگی کی صورت تو پیدا نہیں ہوگئی؟ اس نے یہ منظر دیکھا کہ تین چار کمانڈر تلواریں نکالے ایک دوسرے کو للکار رہے تھے اور دوسرے بیچ بچاؤ کر رہے تھے۔ ان میں توفیق جواد بھی تھا۔ زنگی کی بیوہ کو دیکھتے ہی وہ دوڑ کر اُس تک گیا اور کہا۔۔۔۔ ''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں''

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' اس عظیم مجاہدہ نے پوچھا۔۔۔۔ ''کیا فوج صلاح الدین ایوبی کے استقبال کے لیے جا رہی ہے یا مقابلے کے لیے؟''

''فوج نہیں جا رہی'' ۔توفیق جواد نے جواب دیا۔۔۔۔ ''ہم نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ یہ لوگ آپس میں لڑنا چاہتے ہیں۔ ان میں دو خلیفہ کے وفادار ہیں''۔

زنگی کی بیوہ گھوڑے سے کود کر اُتری اور ان کمانڈروں کے درمیان آ گئی جو ایک دوسرے کو للکار رہے تھے۔ اس عورت نے اپنا سر ننگا کر دیا اور اُن سے چلا کر کہا۔۔۔۔ ''بے غیرتو! پہلے اس سر کو تن سے جدا کرو۔ اپنی ماں کا سر اس مٹی میں پھینکو، پھر کافروں کی حمایت میں لڑنا۔ تم اُن بیٹیوں کو بھول گئے ہو جنہیں کافر اُٹھا کر لے گئے تھے۔ تم اپنی ان بچیوں کو بھول گئے ہو جو کافروں کی درندگی سے مر چکی ہیں۔ تم کس کی حمایت میں ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکالے ہوئے ہو؟ میرے بیٹے کے وفادار کافر ہیں۔ آؤ پہلے میری گردن اُڑاؤ پھر ایوبی کے مقابلے میں جانا''۔

زنگی کی بیوہ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ منہ سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ کمانڈروں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور سر جھکا کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔

''کیا فوج نے حکم عدولی کی ہے؟'' یہ خلیفہ کے ایک مشیر کی گھبرائی ہوئی آواز تھی جس نے خلیفہ کے دربار میں سناٹا طاری کر دیا۔

''محافظوں کے دستے باہر نکالو'' ۔ایک امیر نے غصے سے کہا۔ ''جم کر مقابلہ کرو''۔

تھوڑی ہی دیر بعد محافظوں کے دستے تیار ہو گئے۔ اُس وقت شہریوں کا ہجوم اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ عورتیں چلا رہی تھیں۔۔۔۔ ''دروازے کھول دو۔ ہماری عصمتوں کا پاسبان آیا ہے۔'' مرد نعرے لگا رہے تھے۔ محافظ دستوں کو آگے بڑھنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اُس وقت خلافت کا قاضی، کمال الدین سامنے آ گیا۔ وہ خلیفہ کے دربار میں گیا۔ قاضی کی حیثیت سب سے اونچی اور قابلِ احترام سمجھی جاتی تھی۔ اُس نے خلیفہ سے کہا کہ اگر اس نے صلاح الدین ایوبی کے مقابلے کے لیے اپنی فوج بھیجی تو شہری اس فوج پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس سے زیادہ تر نقصان شہریوں کا ہوگا۔ خانہ جنگی ہوگی۔ اپنے ہاتھوں اپنے بچوں اور عورتوں کو مروانے کے علاوہ سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ صلیبی فوج جو یہاں سے دُور نہیں

مزاحمت کے بغیر اندر آ جائے گی۔ پھر آپ رہیں گے نہ آپ کی خلافت۔ اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ بھائی بھائی کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ ذرا باہر آ کر لوگوں کی بے تابیاں دیکھیں۔ کیا آپ اس طوفان کو روک لیں گے؟''

''شہر کی چابی میرے حوالے کر دیں''۔ قاضی کمال الدین نے کہا۔

چابی قاضی کے حوالے کر دی گئی۔ اُس نے اپنے ہاتھوں شہر کا دروازہ کھولا۔ شہریوں کا ہجوم رکے ہوئے سیلاب کی طرح باہر نکلا۔ قاضی کمال الدین نے چابی سلطان ایوبی کے حوالے کی۔ سلطان ایوبی نے دو زانو ہو کر قاضی کے ہاتھ چومے اور اُس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور جب نور الدین زنگی کی بیوہ سامنے آئی تو سلطان ایوبی کی سسکیاں نکل گئیں۔ زنگی کی بیوہ اُس سے لپٹ گئی اور بچوں کی طرح بلبلانے لگی۔ اس کی ہچکیاں تھم نہیں رہی تھیں۔ سلطان ایوبی کے سواروں پر عورتوں نے پھول پھینکے، بلائیں لیں اور انہیں جلوس میں اندر لے گئیں۔

قلعے کی چابی بھی سلطان ایوبی کے حوالے کر دی گئی۔ وہ سب سے پہلے اپنے گھر گیا۔ وہ دمشق کا رہنے والا تھا۔ بڑے جذباتی انداز سے اُس پرانے سے مکان میں داخل ہوا، جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔

☆

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اُس نے فوج کے چھوٹے بڑے کمانڈروں کو اپنے مکان میں بلا لیا۔ اُن کے ساتھ باتیں کر کے معلوم کیا کہ اُن پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ فوج کی حالت اور کیفیت پوچھی اور اپنے احکام جاری کیے۔ اسی دوران اسے اطلاع ملی کہ خلیفہ اپنے وفادار مشیروں، وزیروں اور امیروں کے ساتھ لاپتہ ہو گیا ہے۔ فوج کے دو تین اعلیٰ احکام بھی اس کے ساتھ فرار ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی فوراً اُٹھا اور فرار ہونے والوں کے گھروں پر چھاپے مروائے۔ یہ گھر دراصل محل تھے۔ بھاگنے والے اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔ ان کا مال و دولت پیچھے رہ گیا تھا۔ حرم کی عورتیں، رقاصائیں اور عیش و عشرت کا سارا سامان پیچھے رہ گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس تمام دولت پر قبضہ کر کے اس میں سے کچھ بیت المال میں دے دیا اور زیادہ تر غریبوں اور اپاہجوں میں تقسیم کر دیا۔

اُس نے خلیفہ اور مفرور اُمراء وغیرہ کے تعاقب کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اُس نے مصر اور شام کی وحدت یعنی ایک سلطنت کا اعلان کر دیا اور اپنے بھائی تقی الدین کو دمشق کا امیر (گورنر) مقرر کر دیا۔ دوسرے حصوں کے نئے گورنر مقرر کیے اور اس سلطنت کے استحکام اور دفاع کے انتظامات میں مصروف ہو گیا، مگر اُس کی انٹیلی جنس کی رپورٹیں اُسے بتا رہی تھیں کہ اُس کے اُمراء جو الملک الصالح کے وفادار تھے، اُسے چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ یورپی ممالک سے آئی ہوئی اطلاعات سے پتا چلا کہ صلیبی بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں جس سے وہ عالم اسلام پر فیصلہ کن حملہ کریں گے۔ اُس کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اُس کے اپنے اُمراء اُسے شکست دینے کے لیے صلیبیوں کے راہ دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے ان باغیوں کو ٹھکانے لگائے۔ یہ معمولی سی مہم نہیں تھی۔ دمشق کی فوج کی اہلیت سے وہ واقف نہ تھا۔ اس نے فوری طور پر اس فوج کی ٹریننگ شروع کر دی۔ اسے جہاں لڑنا تھا، وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ موسم سرما میں ان پہاڑوں پر برف بھی پڑتی تھی اور موسم سرما آ رہا تھا۔

قاہرہ اور دمشق میں اُسے ایک فرق نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا۔ قاہرہ میں صلیبی اور سوڈانی جاسوسوں اور تخریب کاروں کے کئی خفیہ اڈے تھے اور وہاں کے لوگوں پر سلطان ایوبی کو پوری طرح بھروسہ نہیں تھا۔ دمشق میں صلیبی تخریب کار موجود تھے لیکن یہاں قوم کا بچہ بچہ اُس کے ساتھ تھا، بلکہ اُس کے اشارے پر آگ میں کود جانے کو تیار تھا۔ اس لیے یہاں

کے لوگوں کے متعلق یہ خطرہ بہت کم تھا کہ وہ دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کے آلہ کار بن جائیں گے۔ دمشق اور شام کے لوگوں نے نورالدین زنگی کے زمانے میں پُروقار زندگی گزاری تھی۔ اُس کی وفات کے فوراً بعد ان کا ذاتی وقار ختم ہو گیا تھا۔ نئے حکمرانوں نے انہیں رعایا بنا لیا تھا۔ امیر وزیر عیش و عشرت اور ذاتی سیاست بازیوں میں مصروف ہو گئے اور انتظامیہ کے حاکم لوگوں کے لیے وبالِ جان بن گئے تھے۔ قانون کا احترام ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ قحبہ خانے اور شراب خانے بھی کھل گئے تھے۔ چار پانچ مہینوں میں لوگوں کا جینا حرام ہو گیا تھا۔ اناج تک کی کمی ہو گئی تھی۔ لوگوں کو پتا چلا کہ اناج باہر جا رہا ہے۔ اُمراء اور وزراء نے اناج درپردہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور درپردہ باہر کہیں بھیج دیتے تھے۔ بازاروں میں ہر چیز کے بھاؤ چڑھ گئے اور لوگ تنگدستی محسوس کرنے لگے تھے۔

وہاں کے لوگ تنگدستی اور فاقہ کشی تک برداشت کرنے کو تیار تھے، لیکن وہ قومی سطح سے گرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ صلیبیوں کے ساتھ دوستی کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اُن کے حکمران انہیں دشمن کی جھولی میں ڈال رہے ہیں۔ نورالدین زنگی کے دورِ حکومت میں جھونپڑیوں اور پھٹے پُرانے خیموں میں رہنے والوں کو بھی معلوم ہوتا تھا کہ سرکاری سطح پر کیا ہو رہا ہے۔ جنگ کی صورت میں وہ میدانِ جنگ کی صورتِ حال سے آگاہ ہوتے تھے۔ زنگی کے مرتے ہی لوگوں کو اچھوت قرار دے دیا گیا تھا۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ حکومت کے اُمور کے متعلق کسی کو استفسار کی جرأت نہیں ہونی چاہیے۔ دو مسجدوں کے اماموں کو صرف اس لیے مسجدوں سے نکال دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو غیرت اور حریت کا وعظ سنا رہے تھے۔ خلیفہ کے محل اور دیگر سرکاری عمارتوں کے قریب آنا عوام کے لیے جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ وہی لوگ جو نورالدین زنگی کو بھی راستے میں روک لیا کرتے اور محاذوں کی خبریں سنا کرتے تھے، اب معمولی سے سرکاری اہل کار کو بھی دیکھ کر ہٹ جایا کرتے تھے۔

لوگ گھٹن محسوس کرنے لگے تھے۔ جہاد کے نعرے بھی مرتے جا رہے تھے۔ نعرے تو مر سکتے ہیں، جذبے اتنی جلدی نہیں مرا کرتے۔ لوگوں نے چوری چھپے مل بیٹھ کر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کیا کریں۔ نورالدین زنگی کی بیوہ نے عورتوں کی ایک جماعت بنالی تھی۔ ان حالات اور اس گھٹن میں انہیں اطلاع ملی کہ صلاح الدین ایوبی آ گیا ہے اور فوج ساتھ لایا ہے تو وہ استقبال کے لیے باہر نکل آئے اور جب انہیں پتا چلا کہ خلیفہ سلطان ایوبی کو اپنی فوج کے زور سے روکنا چاہتا ہے تو لوگ فوج پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ خلیفہ کے محافظ دستوں کی انہوں نے بہت بے عزتی کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ الملک الصالح اور اس کے حواری امیر چوروں کی طرح دمشق سے بھاگ گئے تھے...... اور اب لوگ سلطان ایوبی پر جانیں فدا کرنے کو بے تاب تھے۔ لوگوں کی اس جذباتی کیفیت نے سلطان ایوبی کا کام آسان کر دیا تھا۔

☆

عورتوں میں قومی جذبہ پہلے سے ہی تھا۔ اب یہ جذبہ دہکتے انگارے بن گیا۔ بڑ[illegible] سال لڑکیوں کا ایک وفد سلطان ایوبی کے پاس گیا اور یہ عرض داشت پیش کی کہ لڑکیوں کو محاذ پر فوج کے ساتھ بھیجا جائے اور انہیں عسکری تربیت دی جائے۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کے علاوہ لڑنا بھی چاہتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے اُن کے جذبے کو سراہتے ہوئے کہا...... ''مجھے جس روز تمہاری ضرورت پڑی، تمہیں گھروں سے نکال لوں گا۔ ابھی تمہارا محاذ گھر ہے۔ میں تمہیں گھروں کا قیدی نہیں بنانا چاہتا۔ اگر تم مائیں ہو تو بچوں کو مجاہد بناؤ، اگر تم بہنیں ہو تو بھائیوں کو اسلام کے پاسبان بناؤ۔ میں تمہاری عسکری تربیت کا بندوبست کروں گا مگر یہ نہ بھولنا کہ تمہیں گھروں کا نظام سنبھالنا ہے''...... ایسی چند اور باتیں کر کے اُسے

جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس نے کہا...... ''ایک محاذ اور ہے جس پر تم کام کر سکتی ہو۔ تم نے سنا ہو گا کہ ہم نے خلیفہ کے محل اور امیروں، وزیروں اور حاکموں کے گھروں سے بہت سی لڑکیاں برآمد کی ہیں۔ ان کی تعداد دو تین نہیں دو تین سو ہے۔ ہم نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ وہ یہیں کہیں شہر میں یا گردونواح میں ہوں گی۔ معلوم نہیں کہ وہ کہاں کہاں کی رہنے والی تھیں اور اب کہاں کہاں خراب ہوتی پھر رہی ہیں۔ میں ان ذرا ذرا سے مسئلوں کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ میرے سامنے بڑے بڑے اونچے پہاڑ کھڑے ہیں۔ میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ لڑکیوں کو تلاش کرو۔ ان میں بہت سی ایسی ہوں گی جنہیں خرید کر یا اغوا کر کے حرموں میں داخل کیا گیا ہو گا۔ اب اُن کا مستقبل یہی ہے کہ وہ خفیہ قحبہ خانوں میں چلی جائیں گی۔ سرائے میں مسافروں کی خدمت کریں گی اور ذلیل و خوار ہوتی پھریں گی۔ ان کے ساتھ کوئی شادی نہیں کرے گا۔ انہیں ڈھونڈو اور ان میں کھوئی ہوئی عزت از سرِ نو پیدا کر کے ان کی شادیوں کا انتظام کرو''۔

لڑکیوں نے اس مہم کا آغاز کر دیا۔ انہوں نے اپنے گھروں کے مردوں کی مدد حاصل کر لی اور چند دنوں میں کئی ایک لڑکیاں برآمد کر کے انہیں اپنے گھروں میں رکھ کر ان کی تربیت شروع کر دی۔ ان بدنصیب لڑکیوں میں سحر نام کی ایک لڑکی تھی جسے زبردستی رقاصہ بنایا گیا تھا۔ اسے ایک امیر کے گھر سے برآمد کر کے رہا کیا گیا تھا۔ اُس نے ایک غریب سے گھرانے میں پناہ لے رکھی تھی۔ اتفاق سے لڑکیوں کو پتا چلا تو اسے وہاں سے لے آئیں۔ اُس نے جب دیکھا کہ دمشق کی لڑکیاں باقاعدہ فوج کی طرح کام کر رہی ہیں تو اُس کی سوئی ہوئی غیرت بیدار ہو گئی اور اس میں جذبہ انتقام بھی پیدا ہو گیا۔ اُس نے لڑکیوں کو بتایا کہ اُس کے ساتھ کی ایک رقاصہ سرائے کے مالک کے پاس ہے۔ سحر سرائے کے مالک کو جانتی تھی۔ اُس نے بتایا کہ یہ آدمی صلیبیوں کا جاسوس ہے اُس نے ایک تہ خانہ بنا رکھا ہے جہاں فدائی (حشیشین) اور صلیبی جاسوس راتوں کو جاتے ہیں۔ رقص ہوتا ہے اور شراب کے مٹکے خالی ہوتے ہیں۔ سحر کو بھی ایک رات وہاں لے جایا گیا تھا۔ اس نے کہا...... ''میں ان جاسوسوں کو پکڑوا سکتی ہوں، لیکن میں انہیں پکڑوانا نہیں چاہتی۔ سرائے کے مالک کو اُن کے ساتھ اپنے ہاتھوں قتل کرنا چاہتی ہوں، مگر یہ کام میں اکیلی نہیں کر سکتی۔ تم میرا ساتھ دو''۔

لڑکیاں تیار ہو گئیں۔ انہوں نے ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ اس کے مطابق ایک شام سحر پردے میں سرائے کے مالک کے پاس چلی گئی۔ وہ اُسے دیکھ کر خوش ہوا۔ سحر نے کہا...... ''میں فوراً تمہارے پاس پہنچ جاتی لیکن شہر میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ میں تمہارے پاس آئی تو تم بھی پکڑے جاؤ گے۔ میں ایک غریب سے گھرانے میں یتیم لڑکی بن کر چھپی رہی۔ اب حالات صاف ہو گئے ہیں۔ تم پر کسی نے شک نہیں کیا، اس لیے تمہارے پاس آ گئی ہوں''۔

سرائے کا مالک اسے اپنی رقاصہ کے پاس لے گیا۔ وہ بھی بہت خوش ہوئی۔ اس شام کے بعد وہ چند راتیں وہیں رہی۔ اس نے دیکھا کہ خلیفہ اور عیاش اُمراء کے چلے جانے اور سلطان ایوبی کے اتنے سخت احکام کے باوجود سرائے کے تہ خانے میں رونق وہی تھی۔ اس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ مسافر اپنے کمروں میں سو جاتے تھے تو تہ خانے کی دُنیا آباد ہو جاتی تھی۔ وہاں اب بھی صلیبی جاسوس اور فدائی آتے تھے۔ سحر اُن کا دِل لبھاتی رہی اور راتوں کو ناچتی اور انہیں شراب پلاتی رہی۔ یہ لوگ مسافروں کے بہروپ میں سرائے میں آتے تھے۔ سحر نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ رات کو سرائے کے باہر پہرے کا انتظام بھی ہوتا ہے تاکہ کوئی خطرہ نظر آئے تو تہ خانے تک قبل از وقت اطلاع پہنچا دی جائے۔ سحر کو وہاں قید کر لیا گیا تھا۔ وہ کہیں باہر نہیں جا سکتی تھی۔ وہ دِل پر پتھر رکھ کر وہاں ناچتی رہی۔ وہ مایوس ہو گئی تھی کہ وہ انتقام لینے آئی تھی مگر قید ہو گئی۔ اُس نے کسی پر اپنی مایوسی کا اظہار نہ ہونے دیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ لوگ اس پر اعتبار کرنے لگے۔ بعض راز کی باتیں بھی

اس کے سامنے کر گزرتے تھے۔

ایک رات تہ خانے کی محفل میں ایک صلیبی جاسوس نے سرائے کے مالک سے کہا...... ''ہم ان دولڑکیوں سے اکتا گئے ہیں، کوئی نئی چیز لاؤ''۔

سحر اور دوسری رقاصہ بھی وہیں تھی۔ دوسری رقاصہ کو تو افسوس ہوا ہوگا، سحر کو امید کی ایک کرن نظر آ گئی۔ سرائے کے مالک نے کہا کہ صلاح الدین ایوبی نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ اب دمشق میں کوئی اور رقاصہ یا کوئی نئی چیز نہیں مل سکے گی۔

''مل کیوں نہیں سکے گی؟'' سحر نے کہا...... ''جن ناچنے گانے والیوں کو امیروں کے گھروں سے پکڑ کر آزاد کر دیا گیا تھا۔ وہ ابھی یہیں ہیں۔ میری طرح وہ بھی چھپی ہوئی ہیں، اگر تم لوگ مجھے دو تین روز کے لیے باہر جانے دو تو میں انہیں پردہ دار خواتین کے بھیس میں یہاں لے آؤں گی''۔

سحر کو اس وقت تک قابل اعتماد سمجھا گیا تھا۔ انہوں نے اسے اجازت دے دی اور کچھ رقم بھی دے دی۔ صبح ہوئی تو سحر پردے میں باہر نکل گئی۔

☆

چار پانچ روز بعد سرائے کے چور دروازے سے آٹھ مستورات داخل ہوئیں اور سرائے کے مالک کے کمرے میں چلی گئیں۔ مستورات نے برقعہ نما لبادے اوڑھ رکھے تھے جن میں ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے۔ کمرے میں آ کر سب نے نقاب اُٹھا دیئے۔ سرائے کے مالک نے آنکھیں مَل کر انہیں دیکھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب جوان لڑکیاں تھیں اور ایک سے ایک بڑھ کر خوب صورت۔ اُن کے ساتھ سحر تھی۔ اُس نے بتایا کہ ان میں سے کون کس کے پاس تھی اور یہ بھی بتایا کہ ان کا رقص دیکھ کر اور گانا سن کر تم پر مدہوشی طاری ہو جائے گی۔ اس نے کہا...... ''آج رات اپنے تمام دوستوں کو تہ خانے میں بلا لو''۔

سرائے کا مالک پاگلوں کی طرح اُٹھ دوڑا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو رات تہ خانے میں آنے کو کہنے گیا تھا۔ سحر لڑکیوں کو دوسری رقاصہ کے پاس لے گئی۔ وہ رقاصہ انہیں دیکھ کر حیران ہوئی کہ وہ ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتی تھی۔ اس رقاصہ نے ایک لڑکی کے ساتھ اپنی مخصوص اصطلاحوں میں بات کی تو وہ لڑکی ذرا جھینپ گئی۔ سحر نے اسے کہا...... ''یہ ڈری ہوئی ہیں۔ میں انہیں زمین کے نیچے سے نکال کر لائی ہوں۔ رات کو ان کا فن دیکھ کر تم سمجھ جاؤ گی کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں''۔

وہ رقاصہ مطمئن نہ ہوئی۔ اسے کچھ شک ہوتا یا نہ ہوتا، اسے یہ افسوس ضرور تھا کہ ان لڑکیوں کے سامنے اس کی قدرو قیمت ختم ہوگئی ہے۔ اُس نے سحر کو اپنے کمرے میں لے جا کر کہا...... ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ یہ نئی لڑکیاں ہیں اور خوب صورت بھی۔ ان کے مقابلے میں ہم دونوں بہت ہی پرانی نظر آئیں گی۔ ہماری قیمت اتنی گر جائے گی کہ یہ لوگ ہمیں پرانے سامان کی طرح اُٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ تم انہیں کہاں سے لے آئی ہو؟ کیوں لے آئی ہو تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے''۔

''میں دراصل اپنی مشقت کم کرنا چاہتی ہوں'' سحر نے جواب دیا...... ''ان کے آ جانے سے ہم دونوں کا کام ہو جائے گا''۔

دوسری رقاصہ اس کی یہ دلیل نہیں مان رہی تھی۔ سحر کے پاس اور کوئی دلیل نہیں تھی جس سے وہ اسے مطمئن کرتی۔ دونوں میں تکرار ہوگئی۔ دوسری رقاصہ غصے میں آ گئی اور بولی...... ''میں سرائے کے مالک سے کہوں گی کہ یہ لڑکیاں

ناچنے والی نہیں، یہ عصمت فروش لڑکیاں ہیں جنہیں اس نازک جگہ نہیں آنا چاہیے، کیونکہ یہ تہ خانے کے راز کو خطرے میں ڈال سکتی ہیں۔ان نوجوان لڑکیوں کا کیا بھروسہ؟''...... یہ رقاصہ بہت تجربہ کار اور چالاک تھی۔اُس نے سحر کی زبان بند کر دی پھر بھی سحر اس کی بات نہیں مان رہی تھی۔اس رقاصہ نے آخر یہ دھمکی دی...... ''اگر تم انہیں یہاں سے چلتا نہیں کرو گی تو میں یہاں آنے والوں کو یہ کہہ کر یہاں آنے سے روک دوں گی کہ تم انہیں گرفتار کرانے کے لیے ان لڑکیوں کا جال پھیلا رہی ہو''۔

سحر پریشان ہو گئی۔دوسری رقاصہ غصے میں باہر جانے کو اُٹھی اور دروازے کی طرف چلی۔سحر نے بڑی پھرتی سے اپنی قمیض کے نیچے ہاتھ ڈالا اور کمر بند سے خنجر نکال کر دوسری رقاصہ کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔وہ زخم کھا کر گھومی تو سحر نے خنجر اس کے دل میں اُتار دیا اور دانت پیس کر کہا...... ''میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتی تھی۔بدبخت تجھے بھی میرے ہی ہاتھوں مرنا تھا'' ......اُس نے اسی کے کپڑوں سے خنجر صاف کیا۔رقاصہ کی لاش پر اُس کے پلنگ سے بستر اُٹھا کر پھینک دیا اور دروازہ باہر سے بند کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔اپنے خون آلود کپڑے بدلے اور خنجر کمر بند میں اڑس کر قمیض کے نیچے چھپا دیا۔

☆

رات سرائے کے مالک کے علاوہ چھ آدمی تہ خانے کے اس کمرے میں آئے جہاں رقص اور شراب کا دور چلا کرتا تھا۔سرائے کے مالک نے سحر سے دوسری رقاصہ کے متعلق پوچھا تو سحر نے نفرت کے لہجے میں کہا...... ''وہ ان لڑکیوں کو دیکھ کر جل بھن گئی ہے۔وہ اپنے آپ کو ان سب سے زیادہ حسین سمجھتی ہے۔آج رات وہ یہاں نہ ہی آئے تو اچھا ہے، محفل کے رنگ میں بھنگ ڈالے گی''۔

''لعنت بھیجو!'' سرائے کے مالک نے کہا...... ''کل اُس سے نپٹ لوں گا۔اُسے پڑی رہنے دو، اپنے کمرے میں''۔

سحر نے ان چھ آدمیوں سے کہا...... ''ان لڑکیوں کے پاس اچھے کپڑے نہیں ہیں۔اُن کا لباس تم سب کے ذمے ہیں۔آج رات وہ جن کپڑوں میں ہیں، انہی میں تمہارے سامنے آئیں گی''۔

انہوں نے جب لڑکیوں کو دیکھا تو بھول ہی گئے کہ انہوں نے کیسے کپڑے پہن رکھے ہیں۔لڑکیاں چہروں سے پیشہ ور ناچنے والیاں لگتی ہی نہیں تھیں۔ان کے چہرے تر و تازہ اور معصوم سے تھے۔ان کے بالوں کو بھی نہیں سجایا گیا تھا۔ان کی کوئی حرکت ظاہر نہیں کرتی تھی کہ یہ پیشہ ور ہیں۔ان کا انداز سیدھا سادا سا تھا۔سحر نے انہیں کہا کہ اپنے مہمانوں کو شراب پیش کرو۔وہ جب صراحیوں سے پیالوں میں شراب انڈیلنے لگیں تو ایک آدمی نے ایک لڑکی کو چھیڑا۔لڑکی بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔اُس کا چہرہ لال سرخ ہو گیا۔

''سحر!'' اُس آدمی نے کہا...... ''انہیں کہاں سے لائی ہو؟ یہ کس کے پاس تھیں؟''

سحر نے قہقہہ لگایا اور بولی...... ''اپنا فن بھول گئی ہیں۔یہ صلاح الدین ایوبی کا خوف ہے جو ان سب پر طاری ہے۔ابھی کھل جائیں گی''۔

''صلاح الدین ایوبی!'' ایک نے طنزیہ کہا...... ''ہمارے جال میں وہ اب آیا ہے۔ہم اُسے اسی کے امیروں اور سالاروں سے مروائیں گے''...... اُس نے اپنے ایک ساتھی کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا...... ''اس کا خنجر صلاح الدین ایوبی کے خون کا پیاسا ہے۔جانتی ہو نا اسے؟ یہ حسن بن صباح کی اُمت سے ہے، فدائی!'' اُس نے ایک لڑکی کے گال پر ہلکی سی تھپکی دے کر کہا...... ''ایوبی کا خوف دل سے اُتار دو۔وہ چند دنوں کا مہمان ہے''۔

تھوڑی سی دیر بعد شراب رنگ دکھانے لگی اور رقص کی فرمائش ہوئی۔لڑکیاں صراحیوں اور پیالوں کو اِدھر اُدھر

کرتی اور بھرتی ان چھ آدمیوں کے پیچھے ہو گئیں۔ اچانک سب نے قمیضوں کے نیچے ہاتھ ڈالے، خنجر نکالے، سحر نے بھی خنجر نکال لیا تھا۔ اُس نے سرائے کے مالک پر وار کیا اور دوسریوں نے چھ آدمیوں کو پے در پے وار کر کے لڑھکا دیا۔ کسی کو بھی سنبھلنے کی مہلت نہ ملی۔ سحر ہر ایک پر وار پہ وار کیے جارہی تھی، جیسے پاگل ہو گئی ہو۔ اُس نے انتقام لے لیا۔

یہ لڑکیاں شریف گھرانوں کی بیٹیاں تھیں جو سلطان ایوبی کے پاس عرض داشت لے کر گئی تھیں کہ وہ مردوں کے دوش بدوش لڑنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے ہی سحر کو ایک غریب گھرانے سے برآمد کیا تھا۔ اُس نے جب لڑکیوں کو جنگی پیمانے پر کام کرتے دیکھا تو اسے سرائے کے مالک کا خیال آ گیا تھا۔ اس نے لڑکیوں کو بتا دیا تھا کہ سرائے کا تہ خانہ جاسوسوں اور تخریب کاروں کا اڈہ ہے۔ ان لڑکیوں کی مدد سے وہ انہیں پکڑوانا چاہتی تھی، مگر وہاں گئی تو سرائے کے مالک نے اس کا باہر نکلنا بند کر دیا۔ جاسوسوں کی اس فرمائش پر کہ نئی لڑکیاں لاؤ، اُسے موقع مل گیا۔ اُسے نئی لڑکیاں لانے کی اجازت مل گئی۔ اُس نے ان لڑکیوں سے ذکر کیا اور کہا کہ وہ نئی لڑکیاں بن کر چلیں اور ان آدمیوں کو ختم کیا جائے۔ لڑکیاں تیار ہو گئیں، انہوں نے سکیم بنائی اور اس کے ساتھ چلی گئیں۔ انہوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ ان آدمیوں کو اپنے جال میں پھانس کر گرفتار کرایا جائے، اگر انہیں گرفتار کرایا جاتا تو اُن سے بڑی قیمتی معلومات حاصل کی جاسکتی تھی اور ان سے نشاندہی کروا کے ان کے کئی اور ساتھی پکڑائے جاسکتے تھے، مگر لڑکیاں جوشیلی اور جذباتی تھیں۔ وہ اتنا ہی جانتی تھیں کہ دشمن کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے جذبۂ جہاد کی تسکین کرنا چاہتی تھیں اور سحر کا سینہ جذبۂ انتقام سے پھٹ رہا تھا۔ وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کو بے تاب تھی۔ اُس نے دوسری رقاصہ کو اسی لیے قتل کیا تھا کہ ان لڑکیوں کی اصلیت بے نقاب ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان کی اصلیت تو بے نقاب ہو ہی چلی تھی۔ انہیں اس قسم کی غلیظ محفل کے طور طریقوں اور شراب پلانے کے انداز سے واقفیت ہی نہیں تھی۔ انہوں نے بروقت خنجر نکال لیے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔

وہ سب چور دروازے سے نکلیں اور اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئیں۔ ان کی رپورٹ پر کچھ دیر بعد فوج نے سرائے پر چھاپہ مارا اور تہ خانے میں گئے، وہاں لاشیں پڑی تھیں۔ تہ خانے کے کمروں کی تلاشی لی گئی۔ ایک کمرے سے دوسری رقاصہ کی لاش برآمد ہوئی اور سرائے کے مالک کے کمرے سے کئی ایک ثبوت ملے کہ یہ لوگ جاسوس اور تخریب کار تھے......

مگر آنے والا وقت سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطنتِ اسلامیہ کے لیے تاریخ کے سب سے بڑے خطرے لا رہا تھا اور سلطان ایوبی دن رات جنگی منصوبہ بندی اور فوج کی ٹریننگ میں مصروف رہتا تھا۔

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد سوم)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں

عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

واحد تقسیم کار:

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون 37232336، فیکس 37352332

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

فہرست

تعارف

''داستان ایمان فروشوں کی'' کا تیسرا حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہل چل بپا کر دیتی ہے۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے، جسے پورا کرنا ضروری ہے، لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں۔ ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریے، ناول اور کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلم کاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی قومی سود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشوونما کے لیے ''حکایت'' میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے میں ہم دو حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ تیسرا حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے، سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی، مگر ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی، جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں

کے ذریعے کمزور، بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغ رسانوں، تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دِل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ (مرحوم)

مدیر ''حکایت'' لاہور

ناگوں والے قلعے کے قاتل

دمشق میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی داخل ہوا تھا تو اُس کے ساتھ سات سو سوار تھے۔ تمام مورخین نے یہی تعداد لکھی ہے لیکن تاریخ سلطان ایوبی کے اُن جانبازوں سے بے خبر ہے جن میں سے کوئی تاجروں کے بہروپ میں، کوئی بے ضرر مسلمانوں کے بھیس میں اور کوئی شامی فوج کے معمولی معمولی سپاہیوں کے لباس میں ایک ایک بھی، دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں بھی دمشق میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر سلطان ایوبی کے خاموش حملے سے پہلے ہی یہاں آگئے تھے اور کچھ اُس وقت داخل ہوئے تھے جب دمشق کے دروازے سلطان ایوبی کے لیے کھل گئے تھے۔ یہ جاسوسوں کا دستہ تھا جنہیں جانباز جاسوس کہا جاتا تھا، کیونکہ ہر قسم کی لڑائی، ہر ہتھیار کے استعمال، ہر طرح کی تباہ کاری کے ماہر تھے اور دماغی لحاظ سے مستعد اور ذہین۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ جان کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایسے ایسے خطرے مُول لیتے تھے جن کے تصور سے ہی عام سپاہی بدک جاتے تھے۔ ایسا جذبہ صرف ٹریننگ سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس کام کے لیے ایسے جوان منتخب کیے جاتے تھے جن کے دلوں میں اپنے مذہب کا عشق اور دشمن کی نفرت بھری ہوتی تھی۔ یہ جانباز جنونی قسم کے مسلمان ہوتے تھے۔ سلطان ایوبی نے ایسے جانبازوں کے کئی دستے تیار کر رکھے تھے۔

سلطان ایوبی جب سات سو سواروں کے ساتھ دمشق کو روانہ ہوا تھا تو اس نے منتخب لڑاکا جاسوسوں کا ایک دستہ خصوصی ہدایات کے ساتھ دمشق کو روانہ کر دیا تھا۔ ان میں ایک ہدایت یہ تھی کہ اگر دمشق کی فوج مقابلے پر اُتر آئے تو یہ جاسوس شہر کے اندر اپنی سمجھ اور ضرورت کے مطابق تخریب کاری کریں اور وہ دروازے کھولنے کی بھی کوشش کریں۔ ان میں ایسے بھی تھے جنہیں شہریوں میں دہشت، بھگدڑ، افراتفری اور افواہیں پھیلانے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ ان تمام جانبازوں کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان تھی۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں نے صحیح تعداد نہیں لکھی۔ صرف یہ لکھا ہے کہ سلطان ایوبی کی آمد کے وقت دمشق میں دو تین سو جاسوس اور تباہ کار موجود تھے۔ ایک فرانسیسی وقائع نگار نے صلیبی جنگوں کے حالات اور واقعات قلم بند کرتے ہوئے سلطان ایوبی کے لڑاکا جاسوسوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ اس نے ان جانبازوں کے اسلامی جذبے کو مذہبی جنون بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ جاسوس نفسیاتی مریض تھے۔ اس فرانسیسی نے تو مذہبی جنون کی توہین کی ہے کہ اسے نفسیاتی مرض کہا ہے، لیکن یہ نفسیاتی کیفیت ہی تھی۔ مسلمان صاحب ایمان صرف اُس صورت میں بنتا ہے۔ جب مذہب اس کی نفسیات کا جُز بن جاتا ہے۔

ان جانبازوں کو جاسوسی اور تباہ کاری کی ٹریننگ علی بن سفیان اور اس کے دو نائبین حسن بن عبداللہ اور زاہدان نے دی تھی اور معرکہ آرائی کی ٹریننگ تجربہ کار فوجیوں کے ہاتھوں ملی تھی۔ اب جب کہ سلطان ایوبی دمشق میں تھا اور علی بن سفیان قاہرہ میں تھا، وہاں کے اندرونی حالات پوری طرح نہیں سنبھلے تھے۔ سلطان ایوبی کی غیر حاضری، دمشق پر اُس کے اور خلافت کی معزولی کی صورت میں مصر میں صلیبی تخریب کاری کا خطرہ بڑھ گیا تھا، اس لیے علی بن سفیان کو وہیں رہنے

دیا گیا تھا۔ دمشق میں اُس کا ایک نائب حسن بن عبداللہ آیا تھا۔ وہی جاسوس جانبازوں کے دستے کا کمانڈر تھا۔ دمشق پر سلطان ایوبی نے قبضہ کرلیا تو وہاں کی بیشتر فوج سالار توفیق جواد کی زیر کمان سلطان ایوبی سے مل گئی تھی۔ باقی فوج اور خلیفہ کے باڈی گارڈ دستے، خلیفہ اور اُس کے حواری اُمراء کے ساتھ دمشق سے بھاگ گئے تھے۔ توقع تھی کہ سلطان ایوبی انہیں گرفتار کرنے کے لیے فوج اُن کے تعاقب میں بھیجے گا، لیکن اُس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی۔ دو تین سالاروں نے اسے کہا بھی کہ اِن اُمراء وغیرہ کو پکڑنا ضروری ہے، جو بھاگ گئے ہیں۔ وہ کہیں اکٹھے ہو جائیں گے اور اطمینان سے سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاری کریں گے۔

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ صلیبیوں سے بھی مدد مانگیں گے جو انہیں مل جائے گی۔'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''لیکن میں اندھیرے میں کبھی نہیں چلا۔ پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ گئے کہاں ہیں اور ان کا مرکز کون سا بنے گا۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں، میری آنکھیں اور میرے کان بھاگنے والوں کے ساتھ ہی چلے گئے ہیں۔ وہ بدبخت اتنی جلدی حملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ صلیبی کیا کریں گے۔ وہ مصر پر بھی یلغار کر سکتے ہیں۔ وہ شام پر بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ وہ شاید اس انتظار میں ہیں کہ میں کیا کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میری چال کے بعد اپنی چال چلنا چاہتے ہوں۔ آپ فوج کو میری بتائی ہوئی تنظیم میں لاکر اُن کی تربیت اور جنگی مشقیں جاری رکھیں''۔

☆

سلطان ایوبی نے جنہیں اپنی آنکھیں اور اپنے کان کہا تھا، وہ یہی جاسوس تھے جو مصر سے یہاں آئے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو انہی علاقوں کے رہنے والے تھے، جب الملک الصالح اور اس کے اُمراء اور وزراء دمشق سے بھاگے تو ان کے ساتھ سلطان ایوبی کے بہت سے جاسوس بھی چلے گئے تھے۔ بھاگنے والوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ تمام اُمراء اور وزراء اور کئی ایک جاگیرداروں اور حاکموں کا عملہ بھی تھا، فوج کی بھی کچھ نفری تھی اور بڑوں کے خوشامدی لوگ بھی تھے۔ یہ تتر بتر ہو کر بھاگے تھے۔ ان کے ساتھ جاسوسوں کا چلے جانا آسان تھا۔ یہ جاسوس اس مشن پر ساتھ گئے تھے کہ دیکھیں الصالح اور اس کے پالنے والے اُمراء کیا جوابی کارروائی کریں گے اور انہیں صلیبیوں کی کتنی، کچھ اور کیسی مدد حاصل ہوگی۔ یہ جاسوس جو دمشق سے باہر گئے تھے، حسن بن عبداللہ کے خصوصی منتخب افراد تھے۔ وہ اس صورتِ حال کے سیاسی پس منظر کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

ان میں ایک ماجد بن محمد حجازی تھا۔ خوبرو جوان، جسم نہایت موزوں اور گٹھا ہوا اور اسے خدا نے زبان کی ایسی چاشنی دی تھی جس میں طلسماتی اثر تھا۔ تقریباً ہر جاسوس کی شکل وصورت اور اوصاف ایسے ہی تھے، لیکن ماجد بن محمد ان سب سے برتر لگتا تھا۔ اُن جاسوسوں کی اتنی اچھی صحت کا راز غالباً یہ تھا کہ انہیں کسی قسم کے نشے کی عادت نہیں تھی اور وہ عیاشی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے اخلاق میں جو پختگی تھی، اُس نے اُن میں فولاد جیسی قوتِ ارادی پیدا کر رکھی تھی۔ ان کا قول وفعل مذہب کا پابند تھا۔ ماجد حجازی اپنے ساتھیوں کی طرح اس فولادی کردار کا نمونہ تھا اور روح کی جو پاکیزگی تھی، اُس نے اس کے چہرے کو حسین بنا رکھا تھا۔ وہ دمشق سے بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے نیچے عرب کی اعلیٰ نسل کا گھوڑا تھا۔ اس کے پاس تلوار تھی اور گھوڑے کی زین کے ساتھ چمکتی ہوئی اَنی والی برچھی تھی۔

وہ ویرانے میں اکیلا جا رہا تھا۔ اس نے حلب کی سمت جاتے ہوئے بہت سے لوگوں کو دیکھا تھا۔ اسے کوئی ایک بھی ایسا نظر نہیں آیا تھا جس کے ساتھ وہ جائے۔ وہ اپنے لیے کوئی ہمسفر ڈھونڈ رہا تھا جو اُس کے مشن کے لیے سودمند ہو سکے۔ ایسا ہمسفر فوج کا کوئی اعلیٰ افسر ہوسکتا تھا یا کوئی ایسا امیر جسے الملک الصالح کا قرب حاصل ہوتا۔ اس کی سرا

رساں آنکھیں الصالح کوڈھونڈ رہی تھیں۔اس نے چند ایک لوگوں سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس طرف گیا ہے مگر اسے الصالح کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔اُسے معلوم تھا کہ الملک الصالح نورالدین زنگی مرحوم کی عمر یا اُس کی خوبیوں جیسا کوئی آدمی نہیں، بلکہ وہ گیارہ سال کی عمر کا بچہ ہے جسے مفاد پرست اُمراء نے اپنے مقاصد کے لیے سلطنت کی گدی پر بٹھایا ہے اور عملاً حکمران یہ اُمراء خود بنے ہوئے ہیں۔وہ تصور میں لا سکتا تھا کہ وہ بچہ اکیلا نہیں جا رہا ہوگا،اس کے ساتھ امیروں، وزیروں اور درباریوں کا قافلہ ہوگا اور اس قافلے کے ساتھ زر و جواہرات اور مال و دولت سے لدے ہوئے اونٹ ہوں گے۔

ماجد حجازی نے سوچا تھا کہ یہ قافلہ اُسے نظر آ گیا تو وہ الملک الصالح کا مرید بن کر قافلے میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کامیابی حاصل ہونے کی صورت میں اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور سینوں سے راز کس طرح نکالنے ہیں،مگر اسے اپنے شکار کا کوئی سراغ نہ ملا۔آگے چٹانی علاقہ آ گیا،جہاں ہریالی بھی تھی۔ذرا ستانے کے لیے وہ چٹانوں کے اندر چلا گیا......ایک جگہ اُسے دو گھوڑے نظر آئے۔ان سے ذرا پرے ہری بھری گھاس پر ایک آدمی لیٹا ہوا تھا اور اُس کے ساتھ ایک عورت تھی۔وہ سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔وہ ذرا فاصلے پر رُک گیا اور گھوڑے سے اُتر کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ایک گھوڑا ہنہنایا تو وہ آدمی اُٹھ بیٹھا۔لباس سے وہ اونچے درجے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔اُس نے ماجد حجازی کو دیکھا تو اُسے اپنے پاس بلایا۔ماجد اُس کے پاس چلا گیا اور اس سے ہاتھ ملایا۔عورت بھی اُٹھ بیٹھی۔وہ عورت نہیں، جوان لڑکی تھی اور بہت خوب صورت تھی۔اس کے گلے کا ہار بتا رہا تھا کہ یہ لوگ معمولی حیثیت کے نہیں۔اس آدمی کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی اور لڑکی پچیس سال سے کم لگتی تھی۔ماجد نے ان دونوں کو ایک نظر میں بھانپ لیا۔

''تم کون ہو؟'' اُس آدمی نے ماجد سے پوچھا......''دمشق سے آئے ہو؟''

''میں دمشق سے ہی آیا ہوں''۔ماجد نے جواب دیا......''لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں۔آپ کیسے سفر میں ہیں؟''

''غالباً ہم ایک ہی سفر کے مسافر ہیں''۔اس آدمی نے مُسکرا کر کہا......''تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو''۔

''کیا آپ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ میں شریف ہوں یا بدمعاش؟'' ماجد حجازی کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ اس نے کہا......''جس کے ساتھ اتنی حسین لڑکی ہو اور لڑکی کے گلے میں اتنا قیمتی ہار ہو اور ساتھ مال اور دولت بھی ہو، وہ ہر راہی کو بدمعاش اور ڈاکو سمجھتا ہے۔میں ڈاکو نہیں ہوں۔آپ کو ڈاکوؤں سے بچا ضرور سکتا ہوں،خواہ میری جان چلی جائے''......اُس کے دماغ میں اچانک ایک بات آ گئی ہو جو اُس نے تیر کی طرح مُنہ سے نکال دی۔اُس نے کہا...... ''دمشق سے بھاگے ہوئے کچھ لوگ ڈاکوؤں کا شکار ہو گئے ہیں۔میں نے راستے میں دو لاشیں بھی دیکھی ہیں۔یہ موقعہ ڈاکوؤں کے لیے نہایت اچھا ہے کہ لوگ مال و دولت کے ساتھ دمشق سے بھاگ رہے ہیں''۔

لڑکی کا اتنا دلکش رنگ اُڑ گیا۔وہ اپنے آدمی کے ساتھ لگ گئی۔کچھ ایسی ہی حالت آدمی کی ہو گئی۔ماجد حجازی جان گیا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا ہیں۔اُن پر خوف و ہراس غالب کر کے اس نے اپنی زبان کے کرشمے دکھانے شروع کر دیئے۔اس نے صلاح الدین ایوبی کو بُرا بھلا کہا اور سلطان الملک الصالح کی مدح سرائی یوں کی جیسے وہ زمین و آسمان کا واحد برگزیدہ انسان ہو۔ماجد نے اُس پر دہشت کا غلبہ اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے کہا......''صلاح الدین ایوبی نے دمشق سے بھاگے ہوئے آپ جیسے لوگوں کو لوٹنے اور اُن سے جوان بیٹیاں اور بیویاں چھیننے کے لیے اپنی فوج کے دستے اِدھر بھیجے ہیں......یہ لڑکی آپ کی کیا لگتی ہے؟''

''یہ میری بیوی ہے''۔

اور دمشق میں آپ کتنی بیویاں چھوڑ آئے ہیں؟'' ماجد حجازی نے پوچھا۔

''چار''۔

''خدا کرے یہ پانچویں خیریت سے آپ کے ساتھ منزل پر پہنچ جائے۔'' ماجد نے کہا۔

''ایوبی کی فوج کتنی دُور ہے؟'' اُس آدمی نے پوچھا۔''تم نے سپاہیوں کو لوٹ مار کرتے دیکھا ہے؟''

''ہاں، دیکھا ہے۔'' ماجد حجازی نے کہا...... ''اگر میں آپ سے کہوں کہ میں بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کا سپاہی ہوں تو آپ کیا کریں گے؟''

وہ کانپنے لگا۔ مُسکرایا بھی مگر مُسکراہٹ غائب ہوگئی۔ اس نے کہا...... ''میں تمہیں کچھ دے دوں گا اور تم سے التجا کروں گا کہ مجھے کنگال نہ کرو، اور میں تم سے یہ التجا بھی کروں گا کہ اس بے چاری کو میرے ساتھ رہنے دو''۔

ماجد حجازی نے قہقہہ لگایا اور کہا...... ''دولت اور عورت سے زیادہ محبت انسان کو بزدل اور کمزور بنا دیتی ہے، اگر مجھے کوئی کہے کہ جو کچھ پاس ہے، وہ میرے حوالے کر دو تو میں تلوار کھینچ کر اسے کہوں گا کہ پہلے مجھے قتل کرو، پھر میری لاش سے تمہیں جو کچھ ملے وہ لے جانا...... محترم! مجھے یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ دمشق میں آپ کیا تھے؟ اور اب آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اگر آپ نے سچ بتا دیا تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو مجھ سے زیادہ مخلص اور جانباز محافظ نہ ملے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری منزل ایک ہے۔ میں ایوبی کی فوج کا سپاہی ضرور ہوں، لیکن بھگوڑا ہوں''۔

اس آدمی نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ دمشق کے مضافاتی علاقے کا جاگیردار تھا۔ اسے سرکاری کے دربار میں ایسی سرکاری حیثیت بھی حاصل تھی کہ سلطنت کی شہری اور جنگی پالیسیوں میں بھی اس کا عمل دخل تھا۔ سلطان کے باڈی گارڈ دستے کے زیادہ تر سپاہی اسی کے دیئے ہوئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ وہ سلطنت کے بالائی حلقے کا اہم قسم کا درباری تھا۔ اسے گھر سے نکلتے ذرا دیر ہوگئی تھی۔ الصالح نے اپنے تمام حاشیہ برداروں سے کہا تھا کہ وہ حلب پہنچ جائیں۔ چنانچہ یہ جاگیردار حلب جا رہا تھا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ بہت سے زرو جواہرات ساتھ لے جا رہا ہے۔ چار بیویاں پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ یہ چونکہ سب سے چھوٹی اور خوبصورت تھی اس نے بڑے افسوس کے ساتھ ذکر کیا کہ اس کے محافظ اور تمام ملازم دمشق میں ہی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے اس کا گھر لوٹ لیا ہوگا۔ یہ اس کی اپنی ہمت تھی کہ وہ بروقت اپنا بیش قیمت خزانہ لے کر نکل آیا۔ وہ اب الصالح کے پاس جا رہا تھا۔

ماجد حجازی کو اس کی داستان سن کر خوشی ہوئی۔ یہ جاگیردار اس کے کام کا آدمی تھا۔ اس کے ساتھ وہ حلب کے دربار تک پہنچ سکتا تھا۔ اس نے اپنے متعلق بتایا کہ وہ اُس سوار دستے کا کمان دار تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ساتھ دمشق لایا تھا، لیکن وہ الصالح کا مرید ہے۔ اس لیے وہ اُس کے خلاف ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔ اس عقیدت مندی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایوبی کی فوج سے بھاگ آیا ہے اور سلطان کے دربار میں جا رہا ہے۔ اگر اُس نے پسند کیا تو وہ اس کے محافظ دستے میں شامل ہو جائے گا۔

''اگر میں ابھی سے تمہیں اپنا محافظ بنالوں تو تمہاری اُجرت کی شرائط کیا ہوں گی؟'' اُس نے ماجد حجازی سے پوچھا۔''میں جیسے دمشق میں بادشاہ تھا، اسی طرح وہاں بھی بادشاہ ہوں گا، جہاں جا رہا ہوں۔ میرے محافظ بن کر تمہیں افسوس نہیں ہوگا''۔

''اگر آپ مجھے اپنا محافظ بنائیں گے تو آپ کو فوجی مشیر کی ضرورت نہیں پڑے گی''۔ ماجد حجازی نے اُسے کہا..... ''میری اُجرت آپ میری قابلیت دیکھ کر خود ہی مقرر کر دیں گے''۔ میں ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا''۔

ماجد حجازی اس کا باڈی گارڈ بن گیا۔ یوں کہئے کہ ایک درباری جاگیردار کے ساتھ سلطان ایوبی کا ایک جاسوس لگ گیا۔ اس جاگیردار کے پاس بے انداز زر و جواہرات تھے جو اس نے ایسے سامان میں چھپا رکھے تھے جو بظاہر معمولی سا تھا۔ اسے فوری طور پر ایک محافظ کی ضرورت تھی۔ ماجد کے ڈرانے سے یہ ضرورت اور شدید ہوگئی تھی۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور فضا خنک ہونے لگی تھی۔ ماجد کے مشورے پر انہوں نے وہیں قیام کیا..... رات گزر گئی تو جاگیردار کو یقین آگیا کہ ماجد قابلِ اعتماد آدمی ہے۔

☆

لمبی مسافت کے بعد وہ حلب پہنچے۔ اُس وقت حلب کا امیر شمس الدین تھا جس نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے صلیبیوں کو تاوان دے کر ان سے صلح کر لی تھی۔ الملک الصالح دمشق سے بھاگ کر وہاں پہنچ چکا تھا۔ اُس کے تمام اُمراء و زراء اس کے ساتھ تھے اور اس کے باڈی گارڈ کے دستے بھی وہاں پہنچ رہے تھے۔ الصالح نے حلب کی امارت پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کے اُمراء وغیرہ فوج کو نئے سرے سے منظم کرنے لگے تھے۔ صورتِ حال ایسی تھی کہ فوج کو ہر اُس آدمی کی ضرورت تھی جس میں تھوڑی سی جنگی سوجھ بوجھ ہو۔ الملک الصالح کے پاس سونے اور خزانے کی کمی نہیں تھی، کمی فوج، کمانڈروں اور مشیروں کی تھی۔ وہ اور اس کا ٹولہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے اور خلافت بحال کرنے کو بے تاب تھا۔ اُن کی بے تابیوں سے یوں پتا چلتا تھا جیسے اُن کے دشمن صلیبی نہیں سلطان ایوبی ہے۔ انہوں نے خلیفہ کی مہر کے ساتھ اِدھر اُدھر کے اُمراء کو پیغام بھیجے کہ وہ سلطنت کے دفاع کے لیے سلطان الملک الصالح کے ساتھ فوجی تعاون کریں۔ ان اُمراء میں حمص، حماۃ اور موصل کے حکمران خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کسی کی طرف سے اُمید افزا جواب ملا اور کسی نے تعاون کا صرف وعدہ کیا۔

یہ جاگیردار حلب پہنچا تو الصالح نے اُسے خوش آمدید کہا۔ وہ بھی الصالح کی جنگی مجلس مشاورت کا اہم رُکن تھا۔ اُسے حلب میں ایک مکان دے دیا گیا۔ وہ آتے ہی اس قدر مصروف ہوگیا کہ صبح کا گیا، آدھی رات کو گھر آتا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں اُس کی بیوی ماجد حجازی میں دلچسپی لینے لگی۔ ماجد نے اس کے ساتھ ایسی بے تکلفی پیدا کر لی جس میں بدنیتی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ماجد نے پُروقار انداز اختیار کیے رکھا، جس سے لڑکی متاثر ہوئی اور وہ جیسے بھول ہی گئی ہو کہ ماجد اُس کے خاوند کا محافظ ہے۔ ماجد اپنے مشن پر کام کر رہا تھا۔ اس نے دو تین دنوں میں لڑکی کے دِل پر قبضہ کر لیا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ اس کے خاوند کی باقی چار بیویاں کیسی تھیں۔ اس نے بتایا کہ کوئی ایسی بُری تو نہیں تھی۔ اس شخص نے انہیں پرانی سمجھ کر دھوکہ دیا اور اس لڑکی کو ساتھ لے کر بھاگ آیا۔

''اور ایک روز یہ تمہیں بھی چھوڑ کر کسی اور کو لے آئے گا''..... ماجد حجازی نے کہا..... ''ان امیروں کا یہ شغل ہے''۔

''اگر میں تمہیں دِل کی بات بتا دوں تو میرے خاوند کو تو نہیں بتا دو گے؟''..... لڑکی نے پوچھا..... ''مجھے دھوکہ تو نہیں دو گے؟''

اگر میری فطرت میں دھوکہ اور فریب ہوتا تو میں تمہارے خاوند کو وہیں جہاں میں تمہیں ملا تھا، آسانی سے قتل کر کے تم پر اور تمہارے مال و دولت پر ہاتھ صاف کر سکتا تھا''۔ ماجد نے کہا..... ''میں مرد ہوں، عورت کو فریب دینا مرد کی شان کے خلاف ہے''۔

"میں اب اس راز کو اپنے دل میں زیادہ دیر نہیں رکھ سکتی کہ مجھے تم سے ایسی محبت ہے جس پر میرا قابو نہیں رہا"۔ لڑکی نے کہا..... "اور یہ بھی ایک راز ہے کہ مجھے اس خاوند سے نفرت ہے۔ میں بکی ہوئی لڑکی ہوں۔ کئی بار دل میں آیا ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دوں۔ میں شاید بزدل ہوں۔ اپنی جان لینے سے ڈرتی ہوں۔ میرے ارادے کچھ اور تھے: میرے خیالات کچھ اور تھے۔ تم نے میرے ارادوں اور خیالوں پر مٹی ڈال دی ہے اور میرا یہ ارادہ پکا کر دیا ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دوں"۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے، اس لیے خودکشی کرنا چاہتی ہو؟"

"نہیں!" لڑکی نے کہا..... "میرے ذہن میں صلاح الدین ایوبی کا تصور نورالدین زنگی سے زیادہ مقدس او پیارا تھا۔ تم نے اس تصور کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ کیا صلاح الدین ایوبی اتنا ہی برا ہے جتنا تم نے بتایا ہے؟"۔

میں تمہارے راز کو اپنا راز سمجھوں گا"۔ ماجد حجازی نے کہا ..... "اس کے عوض تمہیں اپنا ایک راز دیتا ہوں۔ میر تم سے کوئی وعدہ نہیں لوں گا کہ میرے راز کی حفاظت کرنا۔ اگر میرا راز فاش ہو گیا تو نہ تم زندہ رہو گی، نہ تمہارا خاوند میر صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہوں۔ میں نے دو چار دنوں میں بھانپ لیا ہے کہ تم اصل میں کیا ہو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کا تصور اُس سے کہیں زیادہ مقدس ہے جو تم نے اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے۔ وہ ان امیروں اور بادشاہوں کا دشمن ہے جنہوں نے لڑکیوں کو اپنے حرموں میں قید کر رکھا ہے۔ وہ اس کے سخت خلاف ہے کہ عورت صرف تفریح اور عیاشی کا ذریعہ بنائے۔ وہ مرد اور عورت کی برابری کا اور ایک خاوند اور ایک بیوی کا قائل ہے۔ وہ عورتوں کو فوجی تربیت دینا چاہتا ہے۔ میں نے تمہارے خاوند کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولا تھا کہ ایوبی نے اپنی فوج کے چند دستوں کو دمشق سے بھاگنے والوں کو لوٹنے اور ان کی لڑکیوں کو اٹھا لانے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ سچے اسلام کا علمبردار ہے۔ میں اسی اسلام کی خاطر اور اسی صلاح الدین ایوبی کی خاطر یہاں ایک کام کے لیے آیا ہوں"۔

لڑکی کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ اس نے ماجد حجازی کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چوم اور کہا..... "تمہارا یہ راز کبھی فاش نہ ہوگا۔ مجھے مت بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو اور میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟ مجھے مت بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی اصل میں کیا ہے اور تم نے میرے خاوند کو کیا بتایا تھا۔ میں عورتوں کی اس جماعت کی لڑکی تھی جو نورالدین زنگی کی زندگی میں ہم نے بنائی تھی۔ ہم صلیبیوں کے خلاف اپنا محاذ قائم کر رہی تھیں۔ زنگی کی بیوہ ہمار سرپرست اور نگران تھی۔ میرا باپ پسند نہیں کرتا تھا کہ میں اس جماعت میں رہوں۔ وہ لالچی اور خوشامدی انسان ہے۔ اس کے لیے صلیب اور ہلال میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اسی کا غلام ہے جس سے اسے کچھ رقم ہاتھ آ جائے۔ اس نے مجھے اس آدمی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس سودے کو لوگ شادی کہتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ مسلمان کی بچی میدانِ جنگ میں ہو یا اُسے کوئی بھی جنگی اور قومی کام دے دو تو وہ مردوں کو حیران کر دیتی ہے اور دشمن کا منہ پھیر سکتی ہے۔ مگر یہی بچی جب حرم میں قید کر لی جاتی ہے وہ چیونٹی بن جاتی ہے۔ یہی حالت میری ہوئی۔ اگر میرا یہ خاوند معمولی حیثیت کا ہوتا تو میں بغاوت کرتی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتی، مگر اس آدمی کے پاس طاقت ہے، دولت ہے اور الصالح کا جو محافظ دستہ ہے، اس کے آدمی سپاہی اس کے علاقے کے ہیں جو اسی کے بھرتی کرائے ہوئے ہیں.....

"میں چونکہ اس کی پہلی بیویوں سے زیادہ جوان اور خوب صورت ہوں، اس لیے میں ہی اس کا کھلونا بن گئی۔ میری روح مر گئی۔ میرا صرف جسم زندہ رہا۔ باہر کی دنیا سے میرا رشتہ ٹوٹ چکا تھا اور میں جس دنیا میں قید تھی، وہاں شراب اور ناچ گانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر کچھ اور تھا تو وہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کے منصوبے تھے.....

بولتے بولتے چپ ہوگئی۔ اس نے ماجد حجازی کو جھنجھوڑ کر کہا...... "کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟ میں نے یہ یقین کیے بغیر کہ تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہو یا میرے خاوند کے، تمہیں اپنے دِل کی باتیں سنا رہی ہوں۔ اگر میرے خاوند کے جاسوس ہو تو اُسے یہ ساری باتیں سُنا دینا جو میں نے تمہیں سنا رہی ہوں۔ وہ مجھے سزا دے گا۔ میں اب ہر قسم کی سزا برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے پاس اب جسم رہ گیا ہے۔ یہ جسم پتھر بن گیا ہے۔ روح مرگئی ہے"۔

"تمہاری رُوح زندہ ہے"۔ ماجد حجازی نے کہا...... "میری نگاہیں گہرائیوں سے زیادہ گہرائی تک دیکھ لیا کرتی ہیں۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تمہاری رُوح زندہ ہے، ورنہ میں اپنا راز کبھی تمہارے آگے نہ کھولتا۔ میں حسن اور جوانی سے مغلوب ہونے والا انسان نہیں ہوں، مرد ہوں۔ اپنی جان اسلام کے نام پر وقف کر دی ہے۔ تم بولو۔ اپنا دِل ہلکا کرتی جاؤ، میں سن رہا ہوں، تمہاری داستان میرے لیے نئی نہیں۔ یہ ہر مسلمان عورت کی داستان ہے۔ اسلام کا زوال اُسی روز شروع ہوگیا تھا جس روز ایک مسلمان نے حرم کھولا اور اس میں خوب صورت لڑکیاں خرید کر قید کی تھیں۔ صلیبیوں نے کہا کہ اب اس قوم کو عورت کے ہاتھوں مرواؤ۔ انہوں نے ہمارے بادشاہوں کے حرم اپنی بیٹیوں سے بھر دیے ہیں"۔

"یہ میرے خاوند کے گھر میں بھی ہوا"۔ لڑکی نے کہا...... "میں نے اپنی آنکھوں سے صلیبی لڑکیوں کو اپنے خاوند کے پاس آتے اور شراب پیتے دیکھا ہے۔ میں سوائے رونے کے اور کر ہی کیا سکتی تھی۔ میں اس لیے نہیں روتی تھی کہ ان لڑکیوں نے مجھ سے میرا خاوند چھین لیا ہے، بلکہ اس لیے کہ مجھ سے میرا اسلام چھن گیا تھا، وہ اسلام جس کی خاطر میں نے تمہاری طرح اپنی جان وقف کی تھی"۔

"آؤ جذباتی باتوں سے ہٹ کر اُس کام کی باتیں کریں جس کے لیے میں یہاں آیا ہوں"۔ ماجد نے کہا اور اس سے پوچھا...... "اپنے خاوند پر تمہارا کتنا کچھ اثر ہے؟ کیا تم اُس کے دِل سے راز کی باتیں نکال سکتی ہو؟"

"شراب کے دو پیالے پلا کر اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر میں اُس سے ہر راز لے سکتی ہوں"۔ لڑکی نے جواب دیا...... "تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"...... اُس نے کچھ سوچ کر اور مُسکرا کر کہا...... "میری ایک ذاتی شرط مان لو گے؟...... اگر میں تمہارا کام کردوں تو مجھے یہاں سے لے جاؤ گے؟ میری محبت کو ٹھکرا تو نہیں جاؤ گے؟"

ماجد حجازی نے اس کا دِل رکھ لیا اور اُس کی شرط مان لی۔ اُس نے اسے بتایا کہ الصالح گیارہ سال کا بچہ ہے۔ وہ امیروں کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ یہ امیر اور وزیر صلاح الدین ایوبی کو ختم کر کے سلطنتِ اسلامیہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوگیا تو ان ٹکڑوں کو صلیبی ہضم کر جائیں گے اور اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ جس قوم نے اپنے ملک کے ٹکڑے کیے، وہ کبھی زندہ نہیں رہی۔ ہمارے یہ امیر صلیبیوں تک سے مدد لینے کو تیار ہیں۔ صلیبی انہیں ضرور مدد دیں گے اور اس کے عوض وہ انہیں اپنا محکوم بنائیں گے۔ میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ خلیفہ کے ہاں کیا منصوبے بن رہے ہیں اور صلیبی انہیں کیا مدد دے رہے ہیں۔ مجھے یہ خبر بہت جلدی صلاح الدین ایوبی تک پہنچانی ہے تاکہ اس کے مطابق کارروائی کی جائے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان ایوبی بے خبری میں صلیبیوں کے حملے کی زد میں آجائے"۔

"کیا صلاح الدین ایوبی مسلمان امیروں پر حملہ کرے گا؟" لڑکی نے پوچھا۔

"اگر ضرورت پڑی تو وہ دریغ نہیں کرے گا"۔

لڑکی بہت ہی جذباتی تھی اور وہ ذہین بھی تھی۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔ اس نے کہا...... "اسلام کو یہ دن بھی دیکھنے تھے کہ ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت آپس میں لڑے گی"۔

''اس کے سوا کوئی اور علاج نہیں'' ۔ ماجد حجازی نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی بادشاہ نہیں، اللہ تعالیٰ کا سپاہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ملک اور قوم کو خطروں اور تباہی سے بچانے کا فرض فوج کے سپرد ہے۔ یہ خطرہ باہر کے دشمن کا ہو یا اندر کے غداروں اور مفاد پرست حکمرانوں کا، اُن سے ملک اور قوم کو بچانا سپاہی کا فرض ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ فوج کو حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بننے دے گا۔ فوج حکمرانوں کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے۔ وہ مسلمان کافروں سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے جو کافروں کو دوست سمجھ کر انہیں اپنی جڑوں میں بٹھاتا ہے...... اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنے خاوند سے یہ راز لو کہ یہاں کیا منصوبہ بن رہا ہے'' ۔

''میں راز بھی دوں گی اور دُعا بھی کروں گی کہ جب تم یہاں سے دمشق جاؤ تو تمہارے ساتھ یہ راز بھی ہو اور میں بھی ہوں'' ۔ لڑکی نے کہا۔

☆

''تریپولی کے صلیبی بادشاہ ریمانڈ کی طرف ایک ایلچی اس درخواست کے ساتھ بھیج دیا گیا ہے کہ وہ الصالح کی مدد کو آئے'' ۔ دوسرے ہی دن لڑکی نے ماجد حجازی کو بتایا...... ''میں نے رات کو شراب پلا کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف بہت باتیں کیں اور اُس سے کہا کہ تم لوگ بزدل ہو جو دمشق سے بھاگ کر حلب میں آن پناہ لی ہے۔ کوئی مسلمان حکمران کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا جو صلاح الدین ایوبی نے کی ہے...... ایسی بہت باتیں کیں تو بھڑک اُٹھا اور میرے ساتھ بیہودہ حرکتیں کرتے ہوئے بولا...... ''ایوبی چند دنوں کا مہمان ہے۔ فدائی قاتلوں کے مرشد شیخ سنان سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا بندوبست کرے اور منہ مانگا انعام لے۔ وہ اپنے تجربہ کار آدمی دمشق بھیج رہا ہے'' ...... اس نے یہ بھی بتایا کہ اپنی فوج کی تیاری کے لیے بہت وقت مل جائے گا کیونکہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں برف پڑنے لگے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی صحرائی فوج کو اتنی سردی اور برف میں نہیں لڑا سکے گا۔

یہ ابتدا تھی۔ شراب اور عورت ایک مرد کے سینے سے راز نکلوا رہی تھی۔ لڑکی نے ہر رات خاوند سے دن بھر کی کار گزاری معلوم کرنی شروع کر دی اور یہ راز ماجد حجازی کے سینے میں محفوظ ہوتے گئے۔ ایک روز خاوند نے ماجد سے کہا...... ''مجھے ملازموں نے تمہارے متعلق ایک قابلِ اعتراض بات بتائی ہے'' ...... ماجد کانپ اُٹھا۔ وہ سمجھا کہ اس کا بھانڈہ پھوٹ گیا ہے، مگر خاوند نے کہا...... ''تم میری بیوی کو ورغلا رہے ہو۔ میری غیر حاضری میں تم اس کے پاس بیٹھے رہتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ میرے مقابلے میں تم خوبرو ہو اور جوان بھی ہو۔ میری بیوی تمہیں پسند کر سکتی ہے، مگر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا'' ۔

ماجد حجازی نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ اُس کی غلط فہمی ہے لیکن اُس کے دل میں وہم پیدا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے بھی یہی بات کہی اور اس پر پابندی عائد کردی کہ وہ ماجد حجازی سے نہیں مل سکتی۔

ماجد حجازی ابھی وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اسے ابھی وہاں کا پورا منصوبہ نہیں ملا تھا۔ اُس نے لڑکی کے خاوند کی ڈانٹ ڈپٹ سہہ لی اور اس کی دھمکیوں سے اپنے اوپر مصنوعی خوف کی کیفیت بھی طاری کر لی۔ اس کی منت سماجت بھی کی۔ اس شخص نے اُسے معاف تو کر دیا لیکن اُسی روز چھ باڈی گارڈ لے آیا۔ اُس دور میں امیر کبیر لوگ اپنے گھر میں باڈی گارڈ رکھنے کو عزت کی نشانی سمجھتے تھے۔ اس آدمی نے ماجد حجازی سمیت سات باڈی گارڈ رکھ لیے اور ان میں سے ایک کو کمانڈر بنا دیا۔ اس کمانڈر نے ماجد کو یہ خصوصی حکم سنایا کہ چونکہ آقا کی نظروں میں مشتبہ ہے۔ اس لیے وہ مکان کے ... کے لیے بھی غیر حاضر نہیں ہو سکتا۔ ماجد نے اس حکم کے آگے بھی سر

تسلیم ختم کر دیا اور اُس نے ایسا رویہ اختیار کر لیا جیسے مر گیا ہو۔

دو تین راتیں ہی گزری ہوں گی، آدھی رات کے وقت یہ لڑکی باہر نکلی۔ بڑے دروازے پر ایک باڈی گارڈ پہرے پر کھڑا تھا۔ لڑکی نے اس سے آقاؤں کے جلال اور رعب سے پوچھا...... ''تم یہیں کھڑے رہتے ہو یا مکان کے اِردگرد چکر بھی لگاتے ہو؟''...... اس نے کچھ جواب دیا تو لڑکی نے کہا...... ''تم نئے آدمی ہو۔ ہمارے دمشق والے محافظ بہت ہوشیار اور چوکس تھے۔ تم اگر یہاں نوکری کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اسی طرح ہوشیار اور چوکس بننا پڑے گا۔ آقا بڑی سخت طبیعت کے مالک ہیں''۔ پہرہ دار نے احترام سے سر جھکا لیا۔

لڑکی باڈی گارڈوں کو دیکھنے نکلی تھی۔ وہ اُن دو خیموں کی طرف چل پڑی جن میں دوسرے باڈی گارڈ سوئے ہوئے تھے۔ دورازے والے پہرہ دار نے دوڑ کر کمانڈر کو جگا دیا اور بتایا کہ مالکہ معائنے کے لیے آئی ہے۔ کمانڈر گھبرا کر اُٹھا اور لڑکی کے آگے جھک گیا۔ لڑکی نے اسے بھی ہدایات دیں اور ایک خیمے کے آگے رُک کر بلند آواز سے باتیں کرنے لگی۔ ماجد حجازی اسی خیمے میں سویا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ باہر آ گیا۔ لڑکی نے اُس سے یوں بات کی جیسے اسے اچھی طرح جانتی ہی نہ ہو۔ اس سے پوچھا...... ''تم شاید پہلے والے محافظ ہو؟''...... ماجد نے تعظیم سے جواب دیا تو لڑکی نے کمانڈر سے کہا...... ''اس آدمی کو جلدی تیار کرو۔ یہ میرے ساتھ قصرِ سلطنت تک جائے گا۔ دو گھوڑے فوراً تیار کرو''۔

''اگر آقا آپ کے متعلق پوچھیں تو میں کیا جواب دوں؟'' کمانڈر نے پوچھا۔

''میں سیر سپاٹے کے لیے نہیں جا رہی''۔ لڑکی نے تحکمانہ لہجے میں کہا...... ''آقا کے ہی کام سے جا رہی ہوں۔ حکومت کے کاموں میں مت دخل دو، جاؤ گھوڑے تیار کرو''۔

کمانڈر نے ایک آدمی کو اصطبل کی طرف دوڑا دیا۔ ماجد حجازی تلوار سے مسلح ہو کر تیار ہو گیا تھا۔ لڑکی اُسے اصطبل کی طرف لے گئی۔ کمانڈر کو اس لڑکی کے خاوند نے بتا رکھا تھا کہ ماجد پر نظر رکھے اور اسے گھر کے اندر نہ جانے دے۔ اب لڑکی نے ماجد کو ہی اپنے ساتھ لے جانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ کمانڈر نے دیکھا کہ وہ دونوں اصطبل کی طرف چلے گئے ہیں تو وہ دوڑ کر اندر لڑکی کے خاوند کو اطلاع دینے چلا گیا۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ خاوند کو معلوم ہے کہ اس کی بیوی مشتبہ باڈی گارڈ کے ساتھ جا رہی ہے۔ وہ لڑکی کو روک بھی نہیں سکتا تھا، کیونکہ وہ اس کی مالکن تھی...... وہ اندر گیا اور ڈرتے ڈرتے اپنے آقا کے کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر قندیل جل رہی تھی اور کمرہ شراب کی بدبو سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آقا کو دیکھا، وہ بستر پر اس طرح پڑا تھا کہ اس کا سر اور بازو پلنگ سے لٹک رہا تھا۔ ایک خنجر اس کے سینے میں اُترا ہوا تھا۔ اس کے سینے پر خنجر کے کئی زخم تھے۔ کمانڈر نے اس کی نبض دیکھی، وہ مرا ہوا تھا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔

ماجد حجازی کو لڑکی بتا چکی تھی کہ اُس نے اپنے خاوند سے سارا منصوبہ معلوم کر لیا ہے اور اب اس منصوبے پر عمل شروع ہو رہا ہے۔ اس نے خاوند کو روزمرہ کی طرح شراب پلائی اور اتنی پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ لڑکی اُسے بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر آ سکتی تھی، لیکن انتقام کے جذبے نے اُسے پاگل کر دیا۔ اس نے اسی کے خنجر سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا خنجر اس کے سینے میں ہی رہنے دیا...... ماجد حجازی گھبرایا نہیں۔ وہ تو ہر لحظہ کسی نہ کسی اچانک پیدا ہونے والی صورتِ حال کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس نے لڑکی کے اس اقدام کو سراہا اور اسے کہا کہ وہ اطمینان سے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔

وہ جونہی گھوڑوں پر سوار ہونے لگے، رات کی خاموشی میں ایک آواز بڑی ہی بلند سنائی دینے لگی...... ''گھوڑے بنا، انہیں روک لو، وہ آقا کو قتل کر کے جا رہی ہے''۔

چھ کے چھ باڈی گارڈ تلواریں اور برچھیاں اُٹھائے باہر آ گئے۔ ماجد اور لڑکی گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔ انہیں اسی راستے سے گزرنا تھا جہاں باڈی گارڈ تھے۔ ماجد نے لڑکی سے کہا کہ وہ گھوڑسواری نہیں کر سکتی تو اُس کے گھوڑے پر پیچھے بیٹھ جائے۔ گھوڑا سرپٹ دوڑانا پڑے گا۔ لڑکی نے خود اعتمادی سے کہا کہ وہ گھوڑا دوڑا سکتی ہے۔ ماجد نے اُسے کہا کہ وہ گھوڑا اس کے پیچھے رکھے۔ ماجد نے تلوار نکال لی۔ اُدھر باڈی گارڈوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا اور وہ اصطبل کی طرف دوڑتے آ رہے تھے۔ ماجد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کے پیچھے لڑکی نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ کمانڈر کی آواز گرجی...... ''رُک جاؤ، مارے جاؤ گے''...... چاندنی رات تھی۔ ماجد نے دیکھ لیا کہ باڈی گارڈ برچھیاں اوپر کیے ان کی طرف آ رہے ہیں۔ اس نے گھوڑے کا رُخ ان کی طرف کر دیا اور آگے ہو کر تلوار گھمانے لگا۔ گھوڑے کی رفتار اس کی توقع سے زیادہ تیز تھی۔ دو باڈی گارڈ اس کے سامنے آ گئے اور گھوڑے تلے کچے گئے۔ ایک برچھی اُس کی طرف آئی جو اُس نے تلوار کے وار سے بے کار کر دی۔

''کمانیں نکالو''۔ کمانڈر نے چلا کر کہا۔ باڈی گارڈ تجربہ کار معلوم ہوتے تھے۔ ذرا سی دیر میں دو تیر ماجد حجازی کے قریب سے گزر گئے۔ اس نے گھوڑا دائیں بائیں گھمانا شروع کر دیا تاکہ تیر انداز نشانہ نہ لے سکیں۔ اتنے میں وہ تیروں کی زد سے نکل گئے۔ اب یہ خطرہ تھا کہ باڈی گارڈ گھوڑوں پر تعاقب کریں گے لیکن اُسے پکڑے جانے کا ڈر نہیں تھا، کیونکہ گھوڑوں پر زینیں کسنے کے لیے جو وقت صرف ہونا تھا، وہ اُس کے لیے دُور نکل جانے کے لیے کافی تھا اور ہوا بھی یہی۔ آبادی سے دُور نکل جانے تک اُسے تعاقب میں آتے گھوڑوں کی آوازیں سنائی نہ دیں۔ اس نے لڑکی سے کہا کہ اب گھوڑا اس کے پہلو میں کر لے۔

لڑکی کا گھوڑا جب اس کے پہلو میں آیا تو ماجد نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ گھبرائی یا ڈری تو نہیں؟ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ لڑکی نے اُسے دوڑتے گھوڑوں کے ساتھ بلند آواز سے سنانا شروع کر دیا کہ اس نے کون سا راز اپنے خاوند سے حاصل کیا ہے۔ ماجد نے اسے کہا کہ آگے چل کر رُکیں گے تو ساری بات سنوں گا لیکن لڑکی بولتی رہی۔ ماجد نے جب بار بار اسے کہا کہ چپ ہو جائے، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے تو لڑکی نے کہا...... ''پھر رُک جاؤ، میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکوں گی''...... ماجد ابھی رُکنا نہیں چاہتا تھا اور لڑکی بولتی جا رہی تھی۔ آخر لڑکی نے ہاتھ لمبا کر کے ماجد کے گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں۔ اس کے لیے اسے آگے جھکنا پڑا۔ تب ماجد نے دیکھا کہ لڑکی کے دوسرے پہلو میں تیر اُترا ہوا ہے۔ ماجد نے فوراً گھوڑا روک لیا۔

''یہ تیر مجھے وہیں لگ گیا تھا''...... لڑکی نے کہا...... ''میں اسی لیے تمہیں دوڑتے گھوڑے سے اصل بات سنا رہی تھی کہ مرنے سے پہلے یہ راز تمہیں دے دوں''...... ماجد حجازی نے اسے گھوڑے سے اُتارا اور زمین پر بیٹھ کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس نے تیر کو ہاتھ لگایا۔ وہ خاصا اندر چلا گیا تھا، نکالا نہیں جا سکتا تھا یہ جراح کا کام تھا جو پٹھا چیر کر تیر نکال سکتا تھا...... ''اسے رہنے دو، میری بات سن لو''...... لڑکی نے کہا...... اور اس نے ماجد کو سارا منصوبہ سنا دیا جو اس نے خاوند سے سنا تھا...... ''میرا خیال ہے کہ یہ شک کسی کو نہیں ہوگا کہ ہم کوئی راز لے کر حلب سے بھاگے ہیں۔ وہ منصوبے میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ محافظوں تک کو معلوم ہے کہ میرے خاوند کو شک ہے کہ میرے اور تمہارے درپردہ تعلقات ہیں۔ وہ یہی کہیں گے کہ میں تمہارے ساتھ محبت کی خاطر بھاگی ہوں''۔

لڑکی ساری بات سنا چکی تو اس نے ماجد کا ماتھا چوم کر کہا...... ''اب سکون سے مر سکوں گی''...... اور اُس پر غشی طاری ہونے لگی۔

ماجد نے دوسرے گھوڑے کو اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ دیا۔لڑکی کو اپنے گھوڑے پر ڈال کر اس کے پیچھے بیٹھ گیا اور اسے ایسی پوزیشن میں ساتھ لگا لیا کہ تیر اُسے تکلیف نہ دے، مگر تیر اپنا کام کر چکا تھا۔

☆

وہ جب دمشق میں اپنے کمانڈر حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچا، اُس وقت لڑکی کو شہید ہوئے کم وبیش بارہ گھنٹے گزر گئے تھے۔اس نے قصرِ حلب کا تمام تر منصوبہ سنا کر بتایا کہ یہ کارنامہ اس لڑکی کا ہے۔حسن بن عبداللہ اُسی وقت ماجد حجازی کو اور لڑکی کی لاش کو صلاح الدین ایوبی کے پاس لے گیا۔ماجد حجازی نے بتایا کہ لڑکی کیا تھی اور اسے باپ نے کس طرح ایک جاگیردار کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ماجد نے لڑکی کی ساری باتیں سلطان ایوبی کو سنائیں۔بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکی کا باپ بھی دمشق سے بھاگ گیا تھا۔سلطان ایوبی نے لڑکی کی لاش نورالدین زنگی کی بیوہ کے حوالے کر دی اور حکم دیا کہ لڑکی کو فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے۔

لڑکی نے مرنے سے پہلے ماجد حجازی کو جو منصوبہ بتایا تھا، وہ مختصراً یوں تھا کہ سلطان الملک الصالح تمام مسلمان مملکتوں کے اُمراء کو سلطان ایوبی کے خلاف متحد کر رہا تھا اور ان کی فوجوں کو ایک کمانڈر کے تحت لانا چاہتا تھا۔تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ کو مدد کے لیے آمادہ کرایا گیا تھا۔یہ لڑکی جو نئی خبر لائی تھی، یہ تھی کہ ریمانڈ اپنی فوج کو اس طرح استعمال کرے گا کہ مصر اور شام کے درمیان سلطان ایوبی کے لیے رسد اور کمک کے راستے روک دے گا۔اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سلطان ایوبی جنگ کی صورت میں مصر سے کمک منگوائے گا۔اس کے علاوہ ریمانڈ سلطان ایوبی کو گھیرے میں لینے کے لیے اپنے تیز رفتار سوار دستے حرکت میں رکھے گا۔ضرورت محسوس ہوئی تو ریمانڈ دوسرے صلیبی حکمرانوں کو بھی مدد کے لیے بلا لے گا۔حسن بن صباح کے پیروکار فدائیوں کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا سودا طے کر لیا گیا تھا۔فدائی فوری طور پر دمشق پہنچ رہے تھے۔اس تمام تر منصوبے کا ہر حصہ اہم تھا لیکن سلطان ایوبی نے اس کے جس حصے پر زیادہ توجہ دی وہ یہ تھا کہ دشمن سردیوں کا موسم گزر جانے کے بعد جنگ شروع کرے گا۔ان علاقوں میں سردی زیادہ پڑتی تھی، بارشیں ہوتی تھیں اور بعض جگہوں پر برف بھی پڑتی تھی۔ایسے موسم میں جنگ نہیں لڑی جا سکتی تھی اور نہ ہی کبھی لڑی گئی تھی۔یہاں جس نے بھی حملہ کیا، کھلے موسم میں کیا۔

لڑکی کی حاصل کی ہوئی معلومات کے مطابق منصوبے میں شامل کیا گیا تھا کہ فوجیں قلعہ بند ہو جائیں۔فوجوں کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور حملے کی تیاری کی جائے۔موسم کھلتے ہی ان فوجوں کو شام پر حملہ کرنا تھا۔صلیبی حکمران ریمانڈ کو جنگی مدد کا معاوضہ پیش کیا گیا تھا جو سونے کے سکوں کی صورت میں تھا۔ریمانڈ نے شرط پیش کی تھی کہ اسے یہ معاوضہ پہلے ادا کر دیا جائے۔الصالح کے حواری اُمراء نے فیصلہ کیا کہ معاوضہ فوراً بھیج دیا جائے۔

''مسلمانوں کی بدنصیبی''......سلطان ایوبی نے آہ لے کر کہا......''آج مسلمان کفار کے کندھے سے کندھا ملا کر اسلام کے خلاف اُٹھے ہیں۔میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو اس سے زیادہ اور اذیت کیا ملے گی''۔

قاضی بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں......''میرا عزیز دوست صلاح الدین ایوبی اتنا جذباتی کبھی نہیں ہوا تھا، جتنا اُس وقت ہوا جب اسے بتایا گیا کہ سلطان الصالح جسے اسلام کی عظمت کی نشانی سمجھا جاتا ہے اور مسلمان اُمراء مل کر اس کے اس عزم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں کہ صلیبیوں کو سرزمین عرب سے نکال کر سلطنت اسلامیہ کو وسعت دی جائے۔اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔رُک گیا اور ایسے جوش میں بولا جس

میں جذباتیت زیادہ تھی، کہنے لگا۔ ''یہ ہمارے بھائی نہیں، ہمارے دشمن ہیں۔ اگر مرتد بھائی کا قتل گناہ ہے تو میں یہ گناہ کروں گا۔ اگلے جہان دوزخ کی آگ قبول کرلوں گا لیکن اس جہان میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذہب کو رُسوا نہیں ہونے دوں گا۔ میرا ضمیر پاک ہے۔ اس حکومت پر لعنت، اس حکمران پر لعنت جو کفار سے دوستی کے معاہدے کرے اور کفار سے مدد مانگے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سب دولت اور حکومت کا لالچ ہے۔ یہ لوگ ایمان نیلام کر کے حکومت کا نشہ پورا کرنا چاہتے ہیں''...... اس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ مار کر کہا...... ''وہ سردی میں نہیں لڑنا چاہتے، وہ برفانی دیواروں میں لڑنے سے ڈرتے ہیں۔ میں سردی میں لڑوں گا، برف سے لدی چوٹیوں پر اور یخ دریاؤں میں لڑوں گا......

''صلاح الدین ایوبی حقیقت پسند تھا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ جنگ کے متعلق اس نے کبھی نعرہ نہیں لگایا تھا۔ وہ دوٹوک ہدایات دیا کرتا تھا۔ ہر دستے کے کمان دار کو دفتر میں کاغذ پر لکیریں ڈال کر اور میدانِ جنگ میں زمین پر انگلی سے لکیریں کھینچ کر ہدایات دیا کرتا تھا مگر اُس دن اسے اپنے اوپر قابو نہیں رہا۔ اس نے ایسی باتیں بھی کہہ دیں جو وہ عام محفل میں نہیں کہا کرتا تھا۔ وہ شاید یہ جانتا تھا کہ اس محفل میں فوج کے قابلِ اعتماد سالاروں اور میرے سوا اور کوئی نہیں''۔

''توفیق جواد!''...... سلطان ایوبی نے دمشق کی فوج کے سالار جواد سے کہا...... ''میں ابھی تک نہیں جان سکا کہ تمہاری فوج سردیوں میں لڑ سکے گی یا نہیں۔ جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لو کہ میں رات کو چھاپہ ماروں کو ایسی جگہوں پر چھاپے مارنے کے لیے بھیجوں گا، جہاں انہیں دریا میں سے گزر کر جانا پڑے گا۔ بارش بھی ہو گی اور برف بھی ہو سکتی ہے''۔

''میں آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ میری فوج میں جذبہ ہے''...... سالار توفیق جواد نے کہا...... ''اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ فوج میرے ساتھ ہے۔ الصالح کے ساتھ بھاگ نہیں گئی۔ میرے سپاہی جنگ کی غرض و غایت کو سمجھتے ہیں''۔

''اگر سپاہی میں جذبہ ہو اور وہ جنگ کی غرض و غایت کو سمجھتا ہو تو وہ جلتے ہوئے ریگستان میں بھی لڑ سکتا ہے اور جمی ہوئی برف پر بھی''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اللہ کے سپاہی کو نہ ریگزار کی تپش روک سکتی ہے نہ برف کی یخ سردی''...... اس نے محفل کے حاضرین پر نگاہ دوڑائی اور کہا...... ''تاریخ شاید مجھے پاگل کہے گی، لیکن میں اس فیصلے سے ٹل نہیں سکتا کہ میں دسمبر کے مہینے میں جنگ شروع کروں گا۔ اُس وقت موسم سرما کا عروج ہو گا۔ پہاڑیوں کا رنگ سفید ہو گا۔ یخ جھکڑ چلتے ہوں گے اور راتیں ٹھٹھر رہی ہوں گی۔ کیا تم سب میرے اس فیصلے کو قبول کرو گے؟''

سب نے بیک زبان کہا کہ وہ اپنے سلطان کا ہر حکم بجا لائیں گے۔ تب اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آگئی اور وہ ایسے احکام دینے لگا جن میں جذبات کا عمل دخل نہیں تھا۔ اس نے کہا...... ''آج ہی رات سے تمام فوج اس حالت میں جنگی مشقیں کرے گی کہ ہر ایک فرد، سالار سے سپاہی تک، کپڑوں کے بغیر ہو گا۔ صرف کمر جامہ پہنا جائے گا جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہو گی۔ باقی جسم ننگا ہوا گا۔ عشا کی نماز کے فوراً بعد تمام فوج کپڑے اُتار کر باہر نکل جایا کرے گی۔ یہاں قریب ہی جھیلیں ہیں۔ فوج کو ان میں سے گزارا جائے گا۔ میں تمہیں اس تربیتی منصوبے کی تفصیلات دوں گا۔ تمام طبیب فوج کے ساتھ ہوں گے۔ ابتداء میں سپاہی ٹھنڈ سے بیمار پڑ جائیں گے۔ طبیب فوراً، اسی جگہ انہیں گرم کپڑوں میں لپیٹ کر اور آگ کے قریب لٹا کر علاج کریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ بیماروں کی تعداد زیادہ نہیں ہو گی۔ دن کے وقت طبیب سپاہیوں کا معائنہ کرتے رہیں گے۔ اگر طبیبوں کی تعداد کم ہو تو مصر سے بلا لو، یہاں سے یہ ضرورت پوری کر لو''۔

یہ نومبر ۱۱۷۴ء کا آغاز تھا۔ رات کو سردی خاصی زیادہ ہو جاتی تھی۔ سلطان ایوبی نے راتوں کو ٹریننگ کا پروگرام مرتب

کرلیا اور اپنے سالاروں اور جونیئر کمانڈروں کو بلایا۔ اس نے مختصر سا لکچر دیا...... ''اب تم جس دشمن سے لڑو گے، اسے دیکھ کر تمہاری تلواریں نیاموں سے باہر آنے سے گریز کریں گی، کیونکہ تمہارا دشمن بھی ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے تمہارے سامنے آئے گا۔ اس کے علم پر بھی وہی چاند تارا ہے جو تمہارے علم پر ہے۔ وہ بھی وہی کلمہ پڑھتا ہے تو تم پڑھتے ہو۔ تم انہیں مسلمان سمجھو گے مگر وہ مرتد ہیں۔ وہ اپنی نیاموں میں صلیب کی تلواریں لا رہے ہیں۔ ان کی ترکش میں صلیب کے تیر ہیں، تم ایمان کے پاسبان ہو، وہ ایمان کے بیوپاری ہیں۔ خود ساختہ سلطان الصالح بیت المال کا سونا اور خزانہ ساتھ لے گیا ہے اور اُس نے قوم کو یہ دولت ترپولی کے صلیبی حکمران کو اس مقصد کے لیے دے دی ہے کہ وہ اسے جنگی مدد دے کر تمہیں شکست دے۔ یہ شکست تمہاری نہیں، اسلام کی شکست ہوگی۔ یہ خزانہ قوم کا ہے۔ قوم کی دی ہوئی زکوٰۃ کا ہے۔ یہ خزانہ شراب اور عیاشی میں بہہ رہا ہے اور اسی خزانے سے کفار کے ساتھ دوستانے گانٹھے جا رہے ہیں۔ کیا تم قومی خزانے کے چور کو اپنا سلطان تسلیم کرو گے؟''

''نہیں نہیں'' کے ساتھ کچھ آوازیں ''لعنت لعنت'' کی بھی سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں نے جن اصولوں پر مصر کی فوج تیار کر لی ہے، وہی اصول تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کے انتظار میں اپنے گھروں میں نہ بیٹھے رہو۔ یہ کوئی اصول نہیں کہ دشمن حملہ کرے تو تم حملہ روکو۔ تمہیں یہ اصول قرآن نے دیا ہے کہ جنگ ہو تو لڑو، جنگ نہ ہو تو جنگ کی تیاری میں مصروف رہو۔ جوں ہی تمہیں پتا چلے کہ دشمن تم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے، اُس پر حملہ کردو۔ یاد رکھو جو مسلمان نہیں، وہ تمہارا دوست نہیں۔ کافر تمہارے قدموں میں آ کر سجدہ کرے تو بھی اسے اپنا دوست نہ سمجھو۔ دوسرا بنیادی اُصول یہ ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ اور قوم کی آبرو کے پاسبان تم ہو۔ اگر تمہارے حکمران بے غیرت ہو جائیں، قوم بدکاری میں تباہ ہو جائے اور دشمن غالب آ جائے تو آنے والی نسلیں کہیں گی کہ اس قوم کی فوج نااہل اور کمزور تھی۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا کہ حکمرانوں کی بداعمالیاں فوج کے حساب میں لکھی جاتی ہیں، کیونکہ فتح و شکست کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوتا ہے۔ حکمرانوں کی عیش پسندی اور مفاد پرستی فوج کو کمزور کر چکی ہوتی ہے۔ پھر شکست کی ذمہ داری فوج کے کندھوں پر ڈال دی جاتی ہے......

''پھر کیوں نہ تم ابھی سے اپنے خلیفہ اور حکمرانوں کو ٹھکانے لگا دو جو تمہاری اور قوم کی ذلت و رُسوائی کا باعث بن رہے ہیں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ میں جس جنگ کی تیاری کر رہا ہوں وہ کیسی ہوگی۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ بڑی ہی سخت جنگ ہوگی۔ سخت ان معنوں میں کہ میں تمہیں انتہائی دشوار حالات میں لڑا رہا ہوں۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ تمہاری تعداد کم ہوگی۔ اس کمی کو تم جذبے اور ایمان کی قوت سے پورا کرو گے''۔

سلطان ایوبی نے انہیں یہ بھی بتایا کہ دشمن کے جاسوس اُن کے درمیان موجود ہیں اور ان جاسوسوں کا طریقہ کار کیا ہے۔

☆

''اور تم یہ مت سوچو کہ صلاح الدین ایوبی مسلمان ہے۔ خلیفہ کا درجہ پیغمبر جتنا ہوتا ہے۔ نجم الدین ایوب کے اس مرتد بیٹے نے خلیفہ کو قصرِ خلافت سے نکال دیا ہے اور شام پر غاصبانہ قبضہ کرکے مصر اور شام کا بادشاہ بن گیا ہے۔ اگر تم خدا کے قہر سے بچنا چاہتے ہو، زلزلوں اور طوفانوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو صلاح الدین ایوبی کو شرمناک شکست دے کر سلطنت کی گدی بحال کرو''...... یہ آواز ایک امیر کی تھی جو حلب میں اپنی فوج کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اس نے کہا...... ''سردیوں کا موسم نکل جائے گا تو ہم دمشق پر حملہ کریں گے۔ اس دوران ہم فوج میں اضافہ کریں گے اور تم جنگ

کی تیاری کرتے رہو گے"۔

"ذہنی تخریب کاری کے بغیر جنگ جیتنا بہت مشکل ہے"...... یہ آواز صلیبی فوج کے ایک مشیر کی تھی جسے ریمانڈ نے الصالح کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا......"ہم تمہارے کسی شہر میں آ کر نہیں لڑیں گے۔ ہم مصر سے آنے والی کمک کو روکیں گے اور موقع دیکھ کر سلطان ایوبی کو کہیں گھیرے میں لے لیں گے۔ آپ کی فوج دمشق پر حملہ کرے گی۔ سردیوں کے موسم میں نہ آپ حملہ کر سکتے ہیں، نہ صلاح الدین ایوبی۔ آپ اس وقت سے فائدہ اُٹھائیں۔ مجھے جو خطرہ نظر آ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کی قوم آپس میں لڑنے سے گریز کرے گی۔ آپ ان علاقوں میں جو آپ کے قبضے میں ہیں، اپنی قوم کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکائیں۔ اس کا بہترین حربہ آپ کا مذہب اور قرآن ہے۔ اس مقصد کے لیے مذہب، قرآن اور مسجد کو استعمال کریں۔ ہم نے مسلمانوں میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ مذہب کے نام پر جلدی بھڑک تے ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کریں تو ہم آپ کو یہ تخریب کاری دمشق میں بھی کر کے دکھا دیں گے"۔

"یہ دیکھ کر میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ پانچ سال گزر گئے ہیں، ہم سے ابھی صلاح الدین ایوبی قتل نہیں ہوا"...... یہ آواز فدائی قاتلوں (حشیشین) کے مُرشد شیخ سنان کی تھی۔ وہ اُن فدائیوں سے جنہیں سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا جا رہا تھا کہہ رہا تھا۔ ایوبی پر ہمارے چار حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ ناکام بھی ایسے کہ ہمارے آدمی مارے گئے اور زندہ بھی پکڑے گئے۔ حسن بن صباح کی روح مجھ سے جواب مانگ رہی ہے۔ کیا تم اسے زہر نہیں دے سکتے؟ کہیں چھپ کر اُسے تیر کا نشانہ نہیں بنا سکتے؟ کیا تم اپنی موت سے خوف زدہ ہو گئے ہو؟ اپنے حلف [illegible] بھول گئے ہو؟ میں اب یہ نہیں سننا چاہتا کہ صلاح الدین ایوبی ابھی زندہ ہے"۔

"وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا"...... ایک فدائی نے کہا اور اس کے ساتھیوں [illegible] اس کی تائید کی۔

سلطان ایوبی کی جو فوج مصر میں تھی، اس کی کمان سلطان ایوبی کے بھائی [illegible] کے پاس تھی۔ سلطان ایوبی اُسے یہ حکم دے آیا تھا کہ بھرتی تیز کر دے اور جنگی مشقیں جاری رکھے۔ اس نے العادل کو سوڈان کی طرف سے خبردار کیا تھا اور اسے بتا آیا تھا کہ سوڈان کی طرف سے معمولی سی بھی فوج حرکت ہو تو وسیع پیمانے پر جنگی کارروائی کرے اور سلطان ایوبی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کمک اور رسد تیار رکھے۔ دمشق کی مہم کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کیسی صورتِ حال پیدا کر دے۔ اب اس نے جو منصوبہ بنایا تھا، اس کے لیے اسے کمک کی ضرورت تھی۔ جاسوس اور لڑکی نے اسے بتا دیا تھا کہ ریمانڈ مصر اور شام کے درمیان حائل ہو کر سلطان ایوبی کی کمک اور رسد روک لے گا۔ اس اطلاع کے پیشِ نظر اس نے کمک قبل از وقت منگوا کر اپنے ہاتھ میں رکھ لینا ضروری سمجھا۔ اس کمک کو سردیوں کی جنگ کی ٹریننگ کی بھی ضرورت تھی۔ اس نے ایک طویل پیغام کے ساتھ ایک قاصد قاہرہ بھیج دیا۔

اس نے العادل کو پیادہ اور سوار دستوں کی تعداد لکھی جو اُسے درکار تھی اور یہ ہدایت بھیجی کہ تمام فوج اکٹھی کوچ نہ کرے، بلکہ چھوٹے چھوٹے دستے رات کے وقت ایک دوسرے سے دُور دُور نقل و حرکت کریں۔ دن کے وقت سفر نہ کیا جائے۔ حتی الامکان کمک کے کوچ کو خفیہ رکھا جائے...... العادل اپنے بھائی کا ہی تربیت یافتہ تھا۔ اس نے پیغام ملتے ہی کمک روانہ کر دی اور اسے خفیہ رکھنے کا یہ انتظام کیا کہ فوج کے چند افراد کو عام مسافروں کے لباس میں اونٹوں پر سوار کر کے اس ہدایت کے ساتھ کمک کے راستے میں بھیج دیا کہ وہ دائیں بائیں، دُور دُور چلتے رہیں اور کوئی مشکوک آدمی نظر آئے تو اس کی چھان بین کریں اور ضرورت محسوس ہو تو اسے پکڑ لیں۔

کمک کے دستے چند دنوں بعد دمشق پہنچنے لگے اور سلطان ایوبی نے انہیں بھی رات کی ٹریننگ میں شامل کر دیا۔ اس کے ساتھ نئی بھرتی کا حکم بھی دے دیا۔

☆

دمشق کے مضافات میں اُس دور میں جنگل اور کھڈ نالوں کا علاقہ ہوا کرتا تھا۔ وہاں ایک صدیوں پرانے قلعے کے کھنڈر تھے۔ اس کے اندر کبھی کوئی نہیں گیا تھا۔ رات کو لوگ اس کے قریب سے بھی نہیں گزرتے تھے۔ یہ چونکہ فوجی استعمال کے قابل نہیں رہا تھا اور تھا بھی بے موقعہ، اس لیے فوج نے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ سلطان ایوبی کے دور میں دمشق کے دفاع کے لیے ایک اور جگہ قلعہ تعمیر کر لیا گیا تھا۔ وہ پرانا قلعہ ناگوں والا قلعہ کہلاتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس میں ناگوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ ناگ اور ناگن کی عمر ایک ہزار سال ہو چکی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ قلعہ سکندرِ اعظم نے بنایا تھا اور یہ بھی کہ یہ دارا ایرانی کا بنایا ہوا ہے۔ بعض اسے بنی اسرائیل کی تعمیر کہتے تھے۔

اس میں تو اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ کس کی تعمیر تھی۔ ایک روایت کو سب سچ مانتے تھے۔ کہتے تھے کہ صدیاں گزریں یہاں فارس کا ایک بادشاہ آیا تھا۔ یہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ یہاں اس نے یہ قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے اندر اپنے لیے ایک خوش نما محل بنایا مگر اسے آباد کرنے کو اس کی بیوی نہیں تھی۔ اسے کسی گڈریے کی بیٹی پسند آ گئی۔ اس لڑکی کا منگیتر بھی تھا۔ بادشاہ نے لڑکی کے ماں باپ کو بے بہا دولت دی اور ان سے لڑکی لے لی۔ منگیتر نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اس قلعے میں کبھی آباد نہیں ہو سکے گا۔ بادشاہ نے اسے قلعے میں لے جا کر قتل کر دیا اور لاش اندر ہی کہیں دفن کر دی۔ لڑکی نے بادشاہ سے کہا کہ اس نے اس کا جسم خرید لیا ہے، اس کی روح آزاد ہو گئی ہے۔ پہلے روز ہی بادشاہ جب گڈریے کی بیٹی کو شاہانہ لباس پہنا کر محل میں داخل ہوا تو فرش بیٹھ گیا اور دیواروں کے ساتھ چھت نیچے آ رہی۔ بادشاہ اور لڑکی ملبے میں دفن ہو گئے۔ بادشاہ کی فوج ملبہ ہٹانے لگی تو ملبے میں سے دو ناگ نکلے۔ فوج نے انہیں برچھیوں، تیروں اور تلواروں سے مارنے کی کوشش کی لیکن ناگوں کو برچھی لگتی تھی نہ تلوار۔ تیر بھی ان کے قریب جا کر رُخ بدل لیتے تھے۔ فوج ڈر کر بھاگ گئی۔ یہ بھی مشہور تھا کہ اب بھی رات کو قلعے کے قریب سے گزرو تو ایک لڑکی گڈریوں کے لباس میں بھیڑ بکریاں چراتی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی ایک جوان آدمی بھی نظر آتا ہے۔ بہر حال سب مانتے تھے کہ اب قلعے میں جن اور پریاں رہتی ہیں۔

جن دنوں سلطان ایوبی خلیفہ اور اُمراء کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا، دمشق میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ ناگوں والے قلعے میں ایک بزرگ نمودار ہوا ہے جو دعا کرتا ہے تو سب روگ دور ہو جاتے ہیں اور وہ آنے والے وقت کی خبریں بھی دیتا ہے۔ شہر میں کسی نے اس کی کرامات سنائی تھیں جو فوراً مشہور ہو گئیں۔ بعض نے اسے امام مہدی بھی کہا تھا۔ لوگ وہاں جانے کو بے چین ہونے لگے، لیکن ڈرتے تھے کہ یہ گڈریے کی بیٹی اور اس کی منگیتر یا فارس کے بادشاہ کی بدروح ہی نہ ہو اور یہ جنوں اور بھوتوں کا فریب بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے ذرا دور کھڑے ہو کر قلعے کو دیکھا تھا۔ تین چار آدمیوں نے بتایا کہ انہوں نے سیاہ داڑھی اور سفید چغے والے ایک آدمی کو قلعے سے باہر آتے اور فوراً ہی اندر جاتے دیکھا تھا۔ لوگوں کو اس بزرگ کی کرامات تو سنائی دیتی تھیں، مگر ایسا کوئی آدمی نہیں ملتا تھا جس نے یہ کہا ہو کہ وہ قلعے کے اندر گیا اور اس کے لیے بزرگ نے دعا کی تھی۔

ایک روز سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا ایک سپاہی ڈیوٹی کا وقت پورا کر کے کہیں باہر گھوم پھر رہا تھا۔ وہ وجیہہ اور خوبرو جوان تھا۔ محافظ دستے کے تمام جوان ایسے ہی تھے۔ سامنے سے نورانی چہرے والا ایک آدمی آ رہا تھا جس کی سیاہ

داڑھی تھی اور سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ اس کا چغہ سفید تھا اور سر پر نہایت دلکش عمامہ۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ محافظ سپاہی کے سامنے آکر وہ رُک گیا۔ سپاہی کی ٹھوڑی کو تھام کر ذرا اوپر اُٹھایا اور دھیمی آواز میں کہا...... مجھے غلطی نہیں لگ سکتی۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو دوست؟''

''بغداد کا'' ......سپاہی نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا......''آپ مجھے پہچانتے ہیں؟''

''ہاں دوست! میں تمہیں پہچانتا ہوں'' ......سیاہ داڑھی والے نے حیرت کے لہجے میں کہا......''مگر تم شاید اپنے آپ کو نہیں پہچانتے''۔

سپاہی اس کی حیرت پر حیران ہوا اور اس کے بولنے کے انداز سے متاثر بھی ہوا، اگر اس آدمی کا چہرہ ایسا نورانی، اس کی داڑھی اتنی اچھی اور چغہ اتنا سفید نہ ہوتا تو سپاہی اسے کوئی دیوانہ یا مجذوب سمجھ کر ٹال دیتا، لیکن اس شخص کی آنکھوں، حال حلیے اور سراپا نے اسے رُکے رہنے پر مجبور کر دیا۔

''اپنے پردادا کو جانتے ہو، کون تھا اور کیا تھا؟'' ......اس شخص نے سپاہی سے پوچھا۔

''نہیں'' ......سپاہی نے جواب دیا۔

''اور دادا کو؟''

''نہیں''

''تمہارا باپ زندہ ہے؟''

''نہیں'' ......سپاہی نے جواب دیا......''میں دودھ پینے کی عمر میں تھا، جب وہ مر گیا تھا''۔

''ان میں بادشاہ کون تھا؟'' ......سیاہ داڑھی والے نے پوچھا......''پردادا؟ دادا؟ یا باپ؟''

''کوئی بھی نہیں'' ......سپاہی نے جواب دیا......''میں کسی شاہی خاندان کا فرد نہیں ہوں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے محافظ دستے کا سپاہی ہوں۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری شکل وصورت شاید آپ کے کسی پرانے دوست سے ملتی جلتی ہے''۔

اس شخص نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہ ہو۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی دائیں ہتھیلی کی لکیروں کو غور سے دیکھنے لگا، پھر اس کی آنکھوں میں چہرہ اس کے قریب کر کے جھانکا اور بڑی سنجیدہ اور کسی قدر حیرت زدہ آواز میں بولا......''مجھے یہ تخت کس کا نظر آرہا ہے۔ یہ تاج کس کا نظر آرہا ہے! تمہاری آنکھوں میں وہ جاہ وجلال محفوظ ہے جو تم نے نہیں دیکھا۔ تمہارے دادا کے محافظ دستے میں چالیس جوان تم جیسے تھے۔ آج تم اُس انسان کے محافظ دستے کے سپاہی ہو جو تمہارے دادا کے تخت پر بیٹھا ہے۔ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ تم شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو؟ میرا علم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میری آنکھیں غلط نہیں دیکھ سکتیں......تم نے شادی کر لی ہے؟''

''نہیں!'' ......سپاہی نے مرعوب ہو کر جواب دیا......''اپنے خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ منگنی ہو گئی ہے''۔

''نہیں ہو گی'' ......اس شخص نے کہا......''یہ شادی نہیں ہو گی''۔

''کیوں؟'' ......سپاہی نے گھبرا کر پوچھا۔

''تمہاری روح کا ملاپ کہیں اور ہے'' ......سیاہ داڑھی والے نے کہا......''مگر وہ کہیں اور قید ہے......سنو دوست! تم مظلوم ہو، کسی کے فریب کا شکار ہو۔ تم گمراہ ہو، تمہارے خزانے پر سانپ بیٹھا ہے۔ وہ شہزادی ہے جو تمہاری را

دیکھ رہی ہے، تمہیں کوئی بتا دے کہ وہ کہاں ہے تو تم جان کی بازی لگا کر اسے آزاد کرالو گے''۔ وہ چل پڑا۔

سپاہی نے اس کے پیچھے جا کر اسے روکا اور کہا...... ''مجھے بتا کر جاؤ کہ آپ نے میرے ہاتھ اور میری آنکھوں میں کیا دیکھا ہے۔ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ مجھے گمراہ اور پریشان کر چلے ہیں''۔

''میں کچھ بھی نہیں'' اس شخص نے جواب دیا...... ''جو کچھ ہے وہ میرے اللہ کی ذات ہے۔ تین چار بڑی پاک روحیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ یہ خدا کے اُن برگزیدہ لوگوں کی روحیں ہیں جو ماضی کو جانتے اور مستقبل کو پہچانتے تھے۔ میں کچھ ورد وظیفے کیا کرتا ہوں۔ ایک رات مجھے اشارہ ملا کہ ناگوں والے قلعے میں چلے جاؤ، تمہیں کوئی ملنے کو بے تاب ہے۔ وہی ورد وظیفے کرنا۔ میں وہاں جانے سے ڈرتا تھا لیکن اشارہ خدا کا ہو تو ڈر کیسا! میں چلا گیا اور پہلی رات ہی وظیفے کے دوران مجھے یہ روحیں مل گئیں۔ انہوں نے مجھے یہ طاقت دے دی کہ انسان کا چہرہ اور آنکھیں دیکھ کر اس کے دادا، پردادا تک کی تصویریں نظر آ جاتی ہیں مگر یہ کیفیت مجھ پر کبھی کبھی طاری ہوتی ہے۔ تمہیں دیکھا تو میں اس عالم میں تھا۔ کان میں ایک روح کی سرگوشی سنائی دی۔ اُس جوان کو دیکھو، شہزادہ ہے مگر اپنی لوحِ تقدیر سے بے خبر ہے اور سپاہیوں کے لباس میں دوسروں کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتا رہتا ہے''...... یہ کیفیت گزر گئی ہے۔ اب تم مجھے صرف سپاہی نظر آتے ہو''۔

یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ ہر کوئی خزانے اور جاہ و حشمت کے خواب دیکھتا ہے۔ یہ سپاہی تھا۔ اسے خزانے اور شہزادی کا اشارہ ملا تو سیاہ ریش کی منت کی کہ اسے اس کے متعلق کچھ اور بتائے۔ سیاہ ریش نے مُسکرا کر کہا......

''میرے پاس نجوم کا علم نہیں، غیب دان بھی نہیں ہوں۔ اللہ اللہ کرنے والا درویش ہوں۔ کوشش کروں گا کہ تمہیں کچھ بتا سکوں، لیکن جہاں تمہیں بلاؤں گا، وہاں تم آؤ گے نہیں''۔

''جہاں آپ کہیں گے، آ جاؤں گا''

''ناگوں والے قلعے میں آ جاؤ گے؟''

''ضرور آؤں گا''

''آج رات''...... سیاہ داڑھی والے نے کہا...... ''غسل کر کے ذہن کو دُنیا کے خیالوں سے خالی کر کے آ جانا اور یاد رکھو، کسی سے ذکر نہ کرنا۔ کسی کو نہ بتانا کہ میں تمہیں ملا تھا اور تم رات کہیں جا رہے ہو یا نہیں...... چوری چوری آنا''۔

☆

اگر خزانے کا، شہزادی اور تخت و تاج کا خیال نہ ہوتا تو یہ سپاہی کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہوتا، رات کے وقت ناگوں کے قلعے میں نہ جاتا۔ سلطان ایوبی کے مکان کے پچھلے دروازے پر اس کا پہرہ رات کے آخری پہر تھا۔ اس وقت سے پہلے وہ گھوم پھر سکتا تھا۔ وہ جب قلعے کے دروازے پر پہنچا تو خوف نے اس کے دل پر قبضہ کر لیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا......''میں آ گیا ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟''...... اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ ایک مشعل کہیں سے آئی اور اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دل پر خوف کا شکنجہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ مشعل ایک آدمی نے اُٹھا رکھی تھی۔ اس نے قریب آ کر سپاہی سے پوچھا......''تم ہی ہو جسے حضرت نے آج راستے میں کہیں دیکھا تھا؟''...... سپاہی نے بتایا کہ وہی ہے تو مشعل بردار نے کہا......''میرے پیچھے آؤ''۔

''تمہیں جو کچھ نظر آ رہا ہوں، وہی ہوں''...... اسے جواب ملا...... ''دل سے خوف نکال دو۔ ذہن سے ہر خیال نکال دو۔ خاموشی سے چلتے آؤ''...... مشعل بردار چلتا اور بولتا جا رہا تھا۔ ''حضرت سے کوئی سوال نہ پوچھنا، وہ جیسے حکم دیں ویسے کرنا''۔

تاریک غلام گردشوں اور چھتوں تلے ڈھکے کئی ایک راستوں سے گزر کر مشعل بردار ایک دروازے کے آگے رُک گیا اور بلند آواز سے بولا ...... ''یا حضرت! اجازت ہو تو اسے پیش کروں، جسے آپ نے بلایا ہے'' ...... اندر سے جانے کیا جواب آیا۔ مشعل بردار ایک طرف ہٹ گیا اور سپاہی کو اشارہ کیا کہ اندر چلا جائے۔ سپاہی اندر آ گیا تو اس قدر ہیبت ناک سمندر میں ایسے خوش نما سامان سے آراستہ کمرے کو دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا اور ڈرا بھی۔ یہ انسانوں کی نظر نہ آنے والی مخلوق کا مسکن ہو سکتا تھا۔ قالین بچھا ہوا تھا جس پر گاؤ تکیے سے پیٹھ لگائے سیاہ ریش بیٹھا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے تسبیح کر رہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے سپاہی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔ کمرے میں خوشبو تھی۔

سیاہ داڑھی والے حضرت نے آنکھیں کھولیں۔ سپاہی کو دیکھا اور تسبیح اس کی گود میں پھینک کر کہا۔ ''گلے میں ڈال لو'' ...... سپاہی نے تسبیح کو چوما اور گلے میں ڈال لی۔ کمرے میں ایک قندیل جل رہی تھی۔ حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو دوسرے کمرے سے جس کا دروازہ اس کمرے میں کھلتا تھا، ایک لڑکی نکلی۔ اس کے بال کھلے ہوئے اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے اتنی خوب صورت لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوش نما پیالہ تھا جو اس نے سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ سیاہ داڑھی والا اُٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ سپاہی پیالہ ہاتھ میں لیے کبھی لڑکی کو اور کبھی پیالے کو دیکھتا تھا۔ لڑکی نے اسے کہا۔ ''حضرت کچھ دیر بعد آئیں گے، یہ پی لو'' ...... لڑکی کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جس میں اپنائیت اور بے تکلفی تھی۔ سپاہی نے پیالہ ہونٹوں سے لگایا اور ایک گھونٹ پی کر لڑکی کو دیکھا۔

''مجھے تم جیسا خوب صورت جوان کبھی کبھی نظر آتا ہے'' ...... لڑکی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا ......

''پیو۔ میں یہ شربت بڑے پیار سے لائی ہوں۔ حضرت نے کہا تھا کہ آج تمہاری پسند کا ایک نوجوان آ رہا ہے، جسے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے''۔

سپاہی نے دو تین گھونٹ شربت پی لیا۔ اس کے بعد شربت گھونٹ گھونٹ اس کے حلق سے اترتا رہا اور لڑکی اس کے قریب ہوتی گئی اور پھر سپاہی نے یوں محسوس کیا جیسے لڑکی اپنے طلسماتی حسن اور سحر آگیں جسم کے ساتھ شربت کی طرح اس کے حلق میں اُتر گئی اور رگ رگ میں سما گئی ہو۔ سیاہ ریش حضرت آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا ایک گولہ تھا جس کا سائز ناشپاتی جتنا تھا۔ اس نے گولہ سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا ...... ''اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور اس میں سے قندیل کی لو کو دیکھو اور دیکھتے رہو''۔

سپاہی نے شیشے کے گولے میں سے قندیل کو دیکھا تو اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے کئی رنگ شعلوں کی طرح تھرکتے نظر آنے لگے۔ لڑکی کے ریشمی بال اس کے گالوں کو چھو رہے تھے اور لڑکی نے اس طرح اسے اپنی بازوؤں کے گھیرے میں لے رکھا تھا کہ وہ لڑکی کے جسم کی حرارت اور خوشبو کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ایک سریلی اور پُراسرار آواز پڑنے لگی ...... ''مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے، مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے'' ...... ذرا سی دیر اس کا یہ احساس زندہ رہا کہ یہ آواز سیاہ داڑھی والے کی ہے۔ پھر یہ اس کی اپنی آواز بن گئی اور پھر وہ اس دُنیا کا حصہ بن گیا جو اسے شیشے میں نظر آنے لگی تھی۔ اسے تخت سلیمان نظر آ رہا تھا جس پر نورانی چہرے والا ایک بادشاہ بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے چار پانچ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ وہ اتنی خوب صورت تھیں کہ وہ پریاں ہو سکتی تھیں۔

''ہاں، ہاں'' سپاہی نے کہا ...... ''مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے''۔

لڑکی کے بکھرے ہوئے بال اس کے اوپر پھیل گئے۔ سپاہی کو شیشے میں سے نظر آتے ہوئے تخت کے قریب

کھڑے ایک آدمی کی آواز سنائی دی...... ''یہ بادشاہ تمہارا دادا ہے جو ہفت اقلیم کا بادشاہ ہے۔ شاہ سلیمان کی پریاں اور جنات اس دربار میں سجدے کرتے ہیں۔ اپنے دادا کو پہچانو۔ یہ تمہارا ورثہ ہے۔ تخت جا رہا ہے''۔

سپاہی نے ہڑبڑا کر کہا...... ''وہ تخت لے جا رہے ہیں۔ یہ دیو ہیں۔ بہت بڑے بڑے، بہت ڈراؤنے۔ انہوں نے تخت اٹھا لیا ہے''۔

اور شیشے کے گولے میں کئی رنگوں کے شعلے رہ گئے جو تھرک رہے تھے جیسے وجد میں آئے ہوئے رقص کر رہے ہوں۔ سپاہی نے محسوس کیا جیسے کوئی چیز اس کی ناک کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ شیشے کا گولہ اس کی آنکھوں کے آگے سے خود ہی ہٹ گیا اور اُس پر غنودگی طاری ہوگئی۔ وہ اس وقت اپنے آپ میں آیا جب لڑکی اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو قالین پر پڑے پایا۔ لڑکی کا ایک بازو اس کے سر کے نیچے تھا اور لڑکی اس کے پاس نیم دراز تھی، سپاہی اُٹھ بیٹھا۔ وہ حیران تھا اور پریشان بھی۔ اس کے منہ سے پہلی بات یہ نکلی...... ''وہ کہتے تھے کہ تخت تمہارے دادا کا ہے اور یہ تمہارا ورثہ ہے''۔

''حضرت نے بھی یہی فرمایا ہے''۔ لڑکی نے بڑی پیاری آواز میں کہا۔

''حضرت کہاں ہیں؟'' سپاہی نے کہا۔

''وہ اب نہیں مل سکیں گے''۔ لڑکی نے جواب دیا...... ''تم نے کہا تھا کہ رات کے آخری پہر تمہارا پہرہ ہے، اس لیے میں نے تمہیں جگا دیا ہے۔ رات آدھی گزر گئی ہے، تم اب چلے جاؤ''۔

وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ اس نے خواب دیکھا تھا یا یہ حقیقت تھی۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ یہ خواب نہیں تھا۔ یہ حضرت کی خصوصی کرامات تھی۔ ان کے لیے حکم ہے کہ وہ اس قسم کا کوئی راز اپنے پاس نہ رکھیں۔ یہ اُس تک پہنچا دیں جس کا یہ راز ہے، مگر یہ کیفیت حضرت پر کسی کسی وقت طاری ہوتی ہے۔ اب معلوم نہیں کب ہو۔ سپاہی نے لڑکی کی منت سماجت شروع کر دی۔ لڑکی نے اُسے کہا۔ ''تم میرے دِل میں اُتر گئے ہو۔ میں نے اپنی روح تمہارے حوالے کر دی ہے۔ تمہارے لیے اپنی جان بھی قربان کر دوں گی۔ میں تمہیں کبھی جانے نہ دوں لیکن تمہارے فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔ اب چلے جاؤ۔ کل رات آ جانا، میں حضرت سے درخواست کروں گی کہ وہ تمہارا راز تمہیں دے دیں''۔

وہ جب قلعے سے نکلا تو اس کے قدم اُٹھ نہیں رہے تھے۔ اس کے ذہن پر اپنے دادا کا تختِ سلیمان غالب تھا اور دِل پر لڑکی کا قبضہ تھا۔ تاریک رات میں قلعے کے کھنڈر اسے محل کی طرح خوش نما نظر آ رہے تھے۔ وہ مسرور بھی تھا۔ دِل میں کوئی خوف اور کوئی پریشانی نہیں تھی۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی تمام تر توجہ فوج کی ٹریننگ اور منصوبہ بندی پر مرکوز تھی۔ اُس نے اپنے لیے اور مرکزی کمان کے اعلیٰ فوجی حکام کے لیے آرام حرام کر رکھا تھا۔ انٹیلی جنس کا انچارج حسن بن عبداللہ جہاں اپنے کاموں میں مصروف تھا، وہاں اسے یہ بھی فکر تھا کہ سلطان ایوبی اپنی حفاظت کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ اس کے باڈی گارڈ کے کمانڈر نے حسن بن عبداللہ سے کئی بار شکایت کی تھی کہ سلطان اسے بتائے بغیر پچھلے دروازے سے نکل جاتے ہیں اور وہ ان کے خالی کمرے کا پہرہ اس خیال سے دیتا رہتا ہے کہ سلطان اندر ہے۔ کمانڈر سلطان ایوبی کے ساتھ اپنے دو چار گارڈ سائے کی طرح لگائے رکھنا چاہتا تھا۔ کمانڈر کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اب فدائی پوری تیاری سے سلطان ایوبی کو قتل کرنے آ رہے ہیں۔

اس اطلاع نے کمانڈر کواور زیادہ پریشان کر دیا تھا، مگر سلطان ایوبی کی بے پروائی کا یہ عالم تھا کہ حسن بن عبداللہ نے اُسے کہا کہ وہ باڈی گارڈز کے بغیر باہر نہ نکل جایا کریں تو سلطان ایوبی نے مُسکرا کر اس کے گال پر تھپکی دی اور کہا...... ''ہم سب کی جان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ محافظوں کی موجودگی میں مجھ پر چار قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ اللہ کو منظور تھا کہ میں زندہ رہوں، میں اللہ کی راہ پر چل رہا ہوں، اگر اس کی ذاتِ باری مجھے اس سے سبکدوش کرنا چاہے گی تو اس کی رضا کو نہ میں روک سکوں گا، نہ میرے محافظ۔''

''پھر بھی سلطانِ محترم!'' حسن بن عبداللہ نے کہا...... ''میرے اور محافظ دستے کے فرائض ایسے ہیں کہ آپ کے عقیدوں اور جذبے سے میں متاثر نہیں ہو سکتا۔ مجھے فدائیوں کے متعلق جو اطلاعیں مل رہی ہیں، ان کے پیشِ نظر مجھے رات کو بھی آپ کے سرہانے کھڑا رہنا چاہیے''۔

''میں تمہارے اور محافظوں کے فرائض کا احترام کرتا ہوں حسن!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''مگر میں محافظوں کے ساتھ باہر نکلتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ جیسے مجھے اپنی قوم پر بھروسہ نہیں۔ عموماً حکمران اپنی قوم سے ڈرا کرتے ہیں، وہ دیانت دار اور مخلص نہیں ہوتے''۔

''ڈر قوم کا نہیں''۔ حسن بن عبداللہ نے کہا...... ''میں فدائیوں کی بات کر رہا ہوں''۔

''میں احتیاط کروں گا''۔ سلطان ایوبی نے ہنس کر کہا۔

ناگوں والے قلعے سے آ کر محافظ سپاہی اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ اس نے وہ دن اس ذہنی کیفیت میں گزارا کہ وہ تصوروں میں تختِ سلیمان اور لڑکی کو دیکھتا رہا۔ شام گہری ہوتے ہی وہ قلعے کی طرف چل پڑا۔ اس کے دِل پر کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر اندھیرے میں کچھ دور اندر چلا گیا اور رُک گیا۔ اس نے گزشتہ رات کی طرح پکارا...... ''میں آ گیا ہوں، کیا میں آگے آ سکتا ہوں؟''...... اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ مشعل کی روشنی نظر آنے لگی اور مشعل اس سے کچھ دور آ کر رُک گئی۔ مشعل بردار نے کہا...... ''حضرت کے قدموں میں سجدہ ضرور کرنا۔ آج کسی سے ملنا نہیں چاہتے، تم آ جاؤ''۔

گزشتہ رات کی طرح وہ غلام گردشوں وغیرہ سے گزرتا مشعل بردار کے ساتھ حضرت کے دروازے پر رُکا۔ حضرت نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ سپاہی نے اس کے قدموں میں جا سر رکھا اور التجا کی...... ''یا حضرت! مجھے میرا راز دے دو۔ میں کون ہوں؟ مجھے آپ کیا دکھائیں گے؟''

سیاہ ریش حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو وہی لڑکی دوسرے کمرے سے آئی۔ وہ سپاہی کو دیکھ کر مُسکرائی۔ سپاہی اُسے اپنے پاس بٹھانے کو بے تاب ہو گیا۔ سیاہ ریش نے لڑکی سے کہا...... ''یہ آج پھر آ گیا ہے۔ کیا میں یہاں تماشہ دکھانے کے لیے بیٹھا ہوں؟''

''اس گناہ گار کو بخش دیں یا حضرت!'' لڑکی نے کہا...... ''بڑی دُور سے اُمید لے کر آیا ہے''۔

تھوڑی دیر بعد کل والا شیشہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لڑکی نے اس سے پہلے اسے شربت پلایا تھا اور اس کے پیچھے بیٹھ کر اس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا لی اور بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے جیسے ماں نے اپنے بچے کو گود میں لے رکھا ہو۔ سپاہی کو سیاہ ریش حضرت کی سُریلی آواز سنائی دینے لگی...... ''مجھے شاہ سلیمان کا محل نظر آ رہا ہے۔ مجھے شاہ سلیمان کا محل نظر آ رہا ہے''...... یہ آواز دبتی چلی گئی جیسے بولنے والا دُور ہی دُور ہوتا جا رہا ہو۔

''اوہ!''...... سپاہی نے چونک کر کہا...... ''ایسا محل اس دُنیا کے کسی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا''۔

''میں اس محل میں پیدا ہوا تھا''۔ اُسے کسی کی آواز سنائی دینے لگی جو یہی الفاظ دہرا رہی تھی۔''میں اس محل میں پیدا ہوا تھا''...... پھر یہ اس کی اپنی آواز بن گئی اور پھر اس نے یوں محسوس کیا جیسے اس کے وجود کے اندر یہی ایک آواز گونجنے لگی ہے۔''میں اس محل میں پیدا ہوا تھا''۔ پھر وہ آوازوں سے لاتعلق ہو گیا۔ اسے ایک محل نظر آ رہا تھا اور وہ خود اس کے باہر ایک باغ میں گھوم پھر رہا تھا۔ اب یہ اسے شیشے کے گولے میں نظر نہیں آ رہا تھا، بلکہ یہ محل حقیقت بن گیا تھا جس کی ہر چیز کو، باغ کو، پودوں اور پھولوں کو ہاتھ لگا کر محسوس کر سکتا تھا اور سونگھ سکتا تھا۔ وہ وہاں سپاہی نہیں شہزادہ تھا۔

یہ محل فضا میں تحلیل ہو گیا اور سپاہی نے بہت دیر بعد اپنے آپ کو لڑکی کی آغوش میں پایا۔ اس نے لڑکی سے بہت کچھ پوچھا۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ حضرت کہہ گئے ہیں کہ یہ شخص شہزادہ تھا اور یہ اب بھی شہزادہ بن سکتا ہے۔ حضرت یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ سپاہی کے تخت وتاج پر کس کا قبضہ ہے۔ لڑکی نے اُسے کہا...... ''حضرت کہہ گئے ہیں کہ تم اگر سات آٹھ روز یہیں رہو تو وہ سب کچھ معلوم کر سکیں گے اور تمہیں سب کچھ دکھا دیں گے''۔

☆

اگلی رات وہ پھر قلعے کے اسی کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس نے چار روز کی چھٹی لے لی تھی۔ اُسے لڑکی نے اسی پیالے میں شربت پلایا اور اس کے ہاتھ میں شیشے کا گولہ دے دیا گیا۔ اس نے کسی کے بتائے بغیر گولہ اپنی آنکھوں کے آگے رکھ لیا اور قندیل کی لو کو دیکھتا رہا۔ اسے اس میں رنگا رنگ شعلے ناچتے نظر آئے۔ سیاہ ریش نے اپنے طلسماتی انداز سے کچھ بولنا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے وہ دوبار اس عمل سے گزر چکا تھا۔ دونوں بار ایسے ہوا تھا کہ اسے شیشے کے گولے میں تختِ سلیمان اور اگلی رات شاہ سلیمان کا محل نظر آیا تھا مگر اس کے بعد گولہ اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تھا۔ اسے جب گولے میں کوئی منظر نظر آنے لگتا تھا تو سیاہ ریش یا لڑکی سپاہی کے ہاتھ سے گولہ لے کر الگ رکھ دیتی تھی۔ اب تیسری رات بھی یہی ہوا۔ سیاہ ریش اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُراثر لہجے میں جو دھیما دھیما سا تھا کہہ رہا تھا...... ''یہ پھول ہیں، یہ باغ ہیں، میں باغ میں موجود ہوں''...... وہ یہی الفاظ دُہرا رہا تھا اور لڑکی سپاہی کے ساتھ لگی بیٹھی، اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

سپاہی کو ایک باغ نظر آ گیا۔ زمین اونچی نیچی تھی اور ہریالی سے ڈھکی ہوئی۔ ہر طرف رنگ برنگے پھول تھے اور ان کی مہک نشہ طاری کرتی تھی۔ سپاہی نے باغ میں ایک ایسی لڑکی کو ٹہلتے اور گنگناتے دیکھا جو اس لڑکی سے بہت ہی زیادہ خوب صورت تھی جو اس کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ اس کا لباس ایک ہی رنگ کا تھا اور یہ رنگ ان رنگوں میں سے نہیں تھا جو وہ اس دنیا میں دیکھا کرتا تھا۔ سپاہی اب ناگوں والے قلعے کے کمرے میں نہیں تھا۔ سیاہ ریش حضرت اور اس کے ساتھ کی لڑکی سے وہ بے خبر اور لاتعلق ہو چکا تھا۔ وہ قلعے سے نکل ہی گیا تھا۔ اس نے باغ میں لڑکی کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑا۔ لڑکی بھی دوڑی اور اس کے گلے کا ہار بن گئی۔ لڑکی کے جسم سے پھولوں کی مہک اُٹھ رہی تھی۔ سپاہی شاہ سلیمان کے خاندان کا شہزادہ تھا۔ وہ دونوں باغ کے اس گوشے میں چلے گئے جو ایک غار کی مانند تھا لیکن یہ غار رنگا رنگ بیلوں اور ان کے پھولوں نے بنا رکھا تھا۔ اس کے فرش پر مخمل جیسی گھاس تھی۔

لڑکی نے پھولوں کے اس غار کے ایک کونے سے ایک خوش نما صراحی اُٹھائی اور پیالہ بھر کر سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ میٹھی شراب تھی۔ سپاہی پر لڑکی کے حسن اور محبت کا نشہ تو پہلے ہی طاری تھا۔ شراب کے نشے نے اُسے اس سے زیادہ حسین اور طلسماتی دُنیا میں پہنچا دیا اور پھر لڑکی نے اسے کہا کہ وہ ابھی آتی ہے۔ وہ چلی گئی۔ سپاہی کو اس کی چیخیں

سنائی دیں۔ وہ باہر کو دوڑا۔ اسے لڑکی کہیں نظر نہ آئی۔ وہ دوڑتا ہی رہا۔ اسے لڑکی کی دلدوز چیخیں سنائی دیتی رہیں، مگر وہ سپاہی کو کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے غصے سے پاگل ہو کر تلوار نکال لی اور لڑکی کی تلاش میں پاگلا ہوتا رہا۔ آخر اسے ایک بڑھیا ملی۔ اس نے اسے بتایا کہ لڑکی اب تمہیں نہیں مل سکے گی۔ وہ جو لڑکی کو لے گیا ہے، وہ تم سے زیادہ طاقتور ہے۔ تم اب اسے کبھی نہیں دیکھ سکو گے۔ وہ جو لڑکی کو لے گیا ہے، اب اس تخت پر بیٹھے گا جس پر تمہیں بیٹھنا تھا۔ اس کے پیچھے مت بھاگو۔ زندہ رہو اور کبھی موقع پا کر اُسے قتل کر دینا۔ لڑکی تمہاری یاد میں ۔کان ہوتی رہے گی۔

''وہ کون تھا جو اس لڑکی کو لے گیا ہے؟'' سپاہی جب ناگوں والے قلعے کے اس کمرے میں لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا...... ''اور میں نے یہ کیا دیکھا ہے!''

''تم نے اپنی گزری ہوئی زندگی دیکھی ہے''۔ سیاہ ریش نے اسے بتایا...... ''میں تمہیں واپس لے آیا ہوں''

''میں وہاں سے واپس نہیں آنا چاہتا''۔ سپاہی نے بے تابی اور بے چینی سے کہا...... ''مجھے وہیں بھیج دو''۔

''کیا کرو گے وہاں جا کر؟'' سیاہ ریش نے اُس سے پوچھا...... ''جس کی خاطر جانا چاہتے ہو وہ تو کسی اور کے قبضے میں ہے۔ اسے جب تک قتل نہیں کرو گے، وہ تمہیں نہیں مل سکے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی کو قتل کرو اور میں یہ بھی جانتا ہوں تم اس انسان کو قتل کر بھی نہیں سکو گے''۔

''یا حضرت!'' سپاہی نے کہا...... ''اگر قتل کرنے سے مجھے میرا ورثہ اور میری بیوی مل سکتی ہے تو میں سلطان صلاح الدین ایوبی سے بھی اونچے رتبے کے آدمی کو قتل کر دوں گا''۔

''پھر یہ خون میری گردن پر ہوگا میرے دوست!''...... درویش نے کہا۔

سپاہی اس کے قدموں میں گر پڑا اور اس کے پاؤں پر سر رگڑنے لگا۔ وہ ''یا حضرت، یا حضرت'' کا ورد کیے جا رہا تھا اور وہ رونے بھی لگا تھا۔

سیاہ ریش حضرت نے اُسے پھر اُسی دُنیا میں پہنچا دیا جہاں تخت سلیمانی تھا۔ محل اور باغ تھا۔ اس کے کانوں میں آوازیں پڑتی رہیں...... ''یہ ہے تمہارے دادا کا قاتل، تمہارے باپ کا قاتل، تمہارے تخت و تاج کا غاصب اور اس لڑکی کو جو تمہیں چاہتی ہے، اسی کی قید میں ہے''۔

''نہیں نہیں''۔ سپاہی نے گھبرا کر کہا...... ''یہ نہیں ہو سکتا، یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے''۔

''یہی تمہاری قسمت کا قاتل ہے''۔ اس کے کانوں میں آوازیں پڑ رہی تھیں۔ ''یہ تمہارا سلطان نہیں ہو سکتا۔ یہ کُرد ہے، تم عرب ہو۔ کہو...... ''صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میرے تخت و تاج کا غاصب ہے...... اب راز کھل گیا ہے۔ انتقام لو، غیرت مند مرد انتقام لیا کرتے ہیں''۔

اور سپاہی اس طلسماتی ماحول میں گھومتے پھرتے یہی ورد کرتا رہا...... ''صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میرے تخت و تاج کا غاصب ہے۔ میری محبت کا قاتل ہے۔ میری قسمت کا قاتل ہے''۔

پھر یوں ہوا کہ اس کی نظروں کے آگے صرف صلاح الدین ایوبی رہ گیا۔ وہ اسے چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ سپاہی ہاتھ میں خنجر لیے اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا مگر قتل کا موقع نہیں ملتا تھا۔ سپاہی کو لڑکی نظر آ گئی۔ وہ پنجرے میں بند تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی پنجرے کے پاس کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ لڑکی سپاہی کو اُداس اور مظلوم نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ سلطان ایوبی کے چہرے پر سفاکی اور بربریت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ سپاہی کی زبان خاموش ہوتی تھی تو اسے ف

سے سرگوشیاں سنائی دیتی تھیں..... "صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل....."

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے کمرے میں اپنے مشیروں اور اعلیٰ فوجی حکام سے جنگ کی باتیں کر رہا تھا۔ جاسوس جونئی اطلاعیں لائے تھے، جن کے مطابق اپنے پلان پر نظر ثانی کر رہا تھا اور اُس وقت یہی محافظ سپاہی باہر پہرے پر کھڑا تھا جسے سیاہ ریش بزرگ نے نئی دُنیا دکھائی تھی۔ مشیر وغیرہ بہت دیر بعد کمرے سے نکلے اور سلطان ایوبی اکیلا رہ گیا۔ سپاہی کمرے میں چلا گیا اور اس نے تلوار سونت کر کہا..... "تم میرے دادا کے قاتل ہو، میرے باپ کے قاتل ہو"..... سلطان ایوبی نے چونک کر اسے دیکھا..... "اُسے آزاد کر دو، وہ میری ہے"..... اور اس کے ساتھ ہی اس نے قہر اور غضب سے سلطان ایوبی پر تلوار کا وار کیا۔ سلطان خالی ہاتھ تھا۔ وہ پھرتی سے وار بچا گیا۔ اس نے باڈی گارڈز کے کمانڈر کو آواز دی اور لپک کر اپنی تلوار اُٹھالی۔ سپاہی نے اور زیادہ غضب ناک ہو کر اس پر حملہ کیا۔ اگر اس کے مقابلے کا تیغ زن سلطان ایوبی نہ ہوتا تو اس تجربہ کار سپاہی کا وار خالی نہ جاتا۔ سلطان ایوبی نے اس کے وار صرف روکے اور وار ایک بھی نہ کیا اور جب کمانڈر دوڑتا اندر آیا تو سلطان ایوبی نے اُسے کہا..... "اس پر وار نہ کرنا، زندہ پکڑو"۔

سپاہی نے گھوم کر کمانڈر پر وار کیا۔ اتنے میں تین چار باڈی گارڈز اندر آ گئے۔ سپاہی کے قہر کا یہ عالم تھا کہ اس نے تلوار کے وار پہ وار کر کے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ وہ چونکہ سلطان ایوبی کو قتل کرنا چاہتا تھا، اس لیے وہ اسی کی طرف لپکتا اور للکارتا تھا..... "تم میرے دادا کے قاتل ہو، میرے باپ کے قاتل ہو، میرے تخت و تاج کے غاصب ہو"..... آخر اس کو پکڑ لیا گیا۔ اس سے تلوار چھین لی گئی۔

"زندہ باد میرے محافظ"..... سلطان ایوبی نے غصے کا اظہار کرنے کی بجائے اسے خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا..... "سلطنتِ اسلامیہ کو تم جیسے تیغ زنوں کی ضرورت ہے"..... باڈی گارڈ کمانڈر اور دوسرے سپاہی حیران تھے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے کمانڈر سے کہا..... "طبیب کو اور حسن بن عبداللہ کو فوراً بلاؤ"۔

سپاہی کو چار باڈی گارڈز نے جکڑ رکھا تھا اور وہ چلا رہا تھا..... "یہ میری محبت کا قاتل ہے، یہ میری قسمت کا قاتل ہے"۔

ایک باڈی گارڈز نے اس کے منہ ہاتھ رکھا، لیکن سلطان ایوبی نے کہا..... "اسے بولنے دو، ہاتھ ہٹا لو"۔ اس نے سپاہی سے کہا..... "بولو میرے دوست! بتاؤ تم مجھے کیوں قتل کرنے لگے تھے؟"

"اسے آزاد کر دو"۔ سپاہی نے چلا کر کہا..... "تم نے اُسے پنجرے میں بند کر رکھا ہے۔ حضرت نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں قتل نہیں کر سکوں گا۔ آؤ، میرا مقابلہ کرو۔ بزدلوں کی طرح اپنے آدمیوں کو اپنی جان بچانے کے لیے تم نے بلا لیا ہے، تلوار نکالو، میری تلوار مجھے دو، میدان میں آؤ"۔

سلطان ایوبی اُسے بڑی غور سے دیکھتا رہا۔ باڈی گارڈ سلطان ایوبی کے اس حکم کا انتظار کر رہے تھے کہ اس سپاہی کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ اس کا جرم معمولی نہیں تھا۔ اس نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اگر سلطان ایوبی بے خبری میں بیٹھا ہوتا یا وہ اس محافظ کو اندر آتے دیکھ نہ لیتا تو اس کا قتل ہو جانا یقینی تھا، مگر سلطان ایوبی نے اسے قید میں ڈالنے کا حکم نہ دیا۔ محافظ ہذیانی کیفیت میں بول رہا تھا..... اتنے میں طبیبؒ آ گیا اور اس سے ذرا بعد حسن بن عبداللہ آ گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

"اُسے لے جائیں"۔ سلطان ایوبی نے طبیب سے کہا..... "یہ غالباً اچانک پاگل ہو گیا ہے"۔

''یہ آج ہی چار روز چھٹی کاٹ کر آیا ہے''۔ باڈی گارڈ کمانڈر نے کہا۔ ''جب سے آیا ہے، خاموش ہے''۔

اسے گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ طبیب بھی ساتھ ہی چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو بتایا کہ اس سپاہی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ حسن بن عبداللہ نے اس شک کا اظہار کیا کہ یہ فدائی ہوگا۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ سپاہی کسی وجہ سے دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ حسن بن عبداللہ کو سلطان ایوبی نے کہا کہ اس کے متعلق اچھی طرح چھان بین کی جائے۔

☆

بہت دیر بعد طبیب سلطان ایوبی کے پاس آیا اور انکشاف کیا کہ اس سپاہی کو کئی روز مسلسل نشے کی حالت میں رکھا گیا ہے اور اس پر عمل تنویم (ہپناٹزم) کیا گیا ہے۔ طبیب نے اس کی سانس سونگھ کر معلوم کر لیا تھا کہ اسے نشہ آور چیزیں کھلائی یا پلائی گئی ہیں۔ اس نے سلطان ایوبی کو بتایا...... ''یہ عمل طب کے لیے کوئی عجوبہ نہیں۔ اس کا موجد حسن بن صباح ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک نشہ آور شربت تیار کیا تھا جس میں یہ اثر تھا کہ جو پی لے اُسے نہایت حسین اور دل نشیں مناظر نظر آتے تھے۔ اس کیفیت میں اس کے کان میں جو بات ڈالی جائے وہ اسی کو حقیقی روپ میں دیکھنے لگتا تھا جو دراصل تصور ہوتا تھا۔ حسن بن صباح نے اسی نشے اور عملِ تنویم کی بنیادوں پر ایک جنت بنائی تھی جس میں داخل ہونے والے وہاں سے نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ منہ میں مٹی اور کنکریاں ڈال کر سمجھتے تھے کہ مرغن کھانے کھا رہے ہیں۔ کانٹوں پر چلتے تو سمجھتے تھے کہ مخمل پر چل رہے ہیں۔ حسن بن صباح تو مر گیا، اس کا یہ شربت اور عمل پیچھے رہ گیا۔ اس کا گروہ قاتلوں کا گروہ بن گیا۔ اپنے مقاصد کے لیے یہ گروہ حسین لڑکیوں اور اس شربت کا استعمال کرتا ہے۔ اس سپاہی کو آپ کے قتل کے لیے اس عمل کا شکار بنایا گیا ہے''۔

طبیب نے یہ تشخیص کر کے سپاہی کو دوائیاں پلا دی تھیں، جنہوں نے اس کی ہذیانی کیفیت پر قابو پا لیا تھا اور وہ گہری نیند سو گیا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے پہلے ہی طبیب سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ سپاہی اپنی حقیقی حالت میں نہیں، وہ سراغ رساں تھا۔ اس نے باڈی گارڈوں سے معلوم کر لیا کہ یہ سپاہی چار روز کی چھٹی پر گیا تھا لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے چھٹی کہاں گزاری ہے۔ شہر میں ناگوں والے قلعے کے متعلق جو باتیں مشہور ہو گئی تھیں وہ حسن بن عبداللہ تک اس کے جاسوسوں کے ذریعے پہنچی تھیں۔ لوگ کہتے تھے کہ قلعے میں ایک بزرگ نمودار ہوا ہے جو غیب کا حال بتاتا اور مُرادیں پوری کرتا ہے۔ حسن بن عبداللہ نے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ اس قسم کے بزرگوں اور پیروں پیغمبروں کی آمدورفت لگی رہتی تھی۔ مجذوب اور دیوانے آدمی کو بھی لوگ برگزیدہ انسان کہہ کر ان سے مرادیں پوری کرانے لگتے تھے۔ حسن بن عبداللہ کو ایک جاسوس نے بتایا کہ اس نے ایک سیاہ ریش آدمی کو دو بار قلعے کے اندر جاتے دیکھا ہے۔

قلعے کے اردگرد گھومنے پھرنے والوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو ایک آدمی نے بتایا کہ سیاہ داڑھی اور سفید چغے والا ایک آدمی قلعے کے اندر آتا جاتا دیکھا گیا ہے۔ ایسی چند اور شہادتیں حاصل کر کے حسن بن عبداللہ نے سورج غروب ہونے سے پہلے فوج کے ایک دستے سے چھاپہ مارا۔ مشعلیں ساتھ تھیں۔ قلعہ اندر سے کچھ پیچیدہ سا تھا۔ گری ہوئی دیواروں اور چھتوں کا ملبہ بھی تھا۔ کئی کمرے سلامت تھے۔ فوجیوں کو ہر طرف پھیلا دیا گیا۔ کسی گوشے سے شور اُٹھا۔ کچھ سپاہی اُدھر دوڑے گئے، وہاں دو سپاہی پڑے تڑپ رہے تھے، اُن کے سینوں میں تیر اُترے ہوئے تھے، کہیں سے تین چار تیر آئے تین چار سپاہی اور گر پڑے۔ بعض سپاہی اس ڈر سے پیچھے ہٹ آئے کہ یہاں کوئی انسان نہیں ہو سکتا، یہ جن بھوت ہو گے۔ حسن بن عبداللہ حقیقت پسند انسان تھا۔ اس نے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھایا اور انہیں بتایا کہ یہ تیر انسانوں کے چلا

ہوئے ہیں۔ اس نے گھیرے کی ترتیب بدل دی اور گھیرا تنگ کرنے لگا، وہاں کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا، کہیں سے دو چار تیر آتے اور دو چار سپاہی زخمی ہو جاتے تھے۔

حسن بن عبداللہ نے فوج کا ایک اور دستہ منگوالیا۔ رات گہری ہوگئی تھی۔ بے شمار مشعلیں منگوالی گئیں۔ ایک دستے کا کمانڈر اُس کمرے تک پہنچ گیا جہاں سپاہی آتا رہا تھا۔ اس ذرا نے کھنڈر میں ایسے سجے سجائے کمرے کو دیکھ کر سپاہی ڈر گئے۔ یہ جنوں کا ہی مسکن ہو سکتا تھا۔ حسن بن عبداللہ کو بلایا گیا۔ اس نے اندر جا کر سامان دیکھا تو اس پر راز کھلنے لگے۔ اتنے میں چند ایک سپاہیوں نے سیاہ ریش والے آدمی کو کہیں سے پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ ان کے بعد چھ اور آدمی کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے پکڑے گئے۔ ان کے پاس کمانیں اور تیر تھے۔ سیاہ ریش نے خدا کا برگزیدہ انسان اور تنہائی میں چلہ کاٹنے والا تارک الدنیا بننے کی بہت کوشش کی، لیکن اتنی حسین اور جوان لڑکی اور تیر و کمان سے مسلح افراد اور ان کا فوج کے ساتھ مقابلہ اسے جھٹلا رہا تھا۔ اس کے سامان پر قبضہ کر لیا گیا اور ان سب کو لے گئے۔

تین چار مرتبان، صراحیاں اور پیالے بھی برآمد ہوئے تھے۔ یہ چیزیں رات کو طبیب کو دے دی گئیں۔ اس نے مرتبانوں اور صراحیوں کو سُونگھ کر ہی بتا دیا کہ ان میں وہ شربت ہے جو حسن بن صباح کی ایجاد تھا...... ان تمام آدمیوں اور لڑکی کو قید خانے میں لے گئے۔

☆

صبح طلوع ہو رہی تھی۔ جب لڑکی نے اذیتوں کے پہلے مرحلے میں ہی بتا دیا کہ یہ گروہ فدائیوں کا ہے اور یہ لوگ نیا حلف لے کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کر کے لوٹیں گے، ورنہ مر جائیں گے۔ لڑکی نے بتایا کہ اس محافظ سپاہی کو سیاہ ریش نے پھانسا تھا اور اسے نشہ پلا کر اُس پر عمل تنویم کیا جاتا تھا۔ سپاہی کے ذہن میں اس نشے اور عمل کے ذریعے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ایسی نفرت پیدا کی گئی کہ وہ سلطان کو قتل کرنے کے لیے چل پڑا۔ ان لوگوں کو توقع تھی کہ سلطان ایوبی اس سپاہی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا، اس لیے وہ اطمینان سے قلعے میں بیٹھے رہے۔ سیاہ ریش جاسوسی کے لیے گیا تھا، لیکن اُسے کچھ پتا نہیں چل سکا، نہ اسے وہ سپاہی کہیں نظر آیا۔ شام کے وقت اچانک فوج آگئی۔

سیاہ ریش بڑا سخت جان نکلا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اس کھنڈر میں ایک وظیفے کا چلہ کرنے آیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی پہلے انکار کیا لیکن حسن بن عبداللہ نے جب انہیں تہہ خانے میں لے جا کر اذیت رسانی کے عمل میں ڈالا تو انہوں نے باری باری اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ سیاہ ریش کو جب ان کے سامنے کھڑا کیا گیا تو اس کے لیے انکار کی کوئی صورت نہ رہی۔ اس نے جب اپنے ساتھیوں کی حالت دیکھی تو اُس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسے کہا گیا کہ وہ تمام تر واقعات پوری تفصیل سے سنا دے تو اُسے باعزت طریقے سے رکھا جائے گا، ورنہ اُسے مسلسل اذیتوں میں ڈال کر مرنے بھی نہیں دیا جائے گا اور زندہ رہنے کے قابل بھی نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس نے تہہ خانے میں اذیت رسانی کا سامان اور طریقے دیکھے تو وہ سب کچھ بتانے پر رضامند ہو گیا۔

اُس کے بیان کے مطابق وہ فدائی قاتلوں کے گروہ کا آدمی تھا۔ فدائیوں نے سرغنہ شیخ سنان کا وہ خصوصی تجربہ کار قاتل تھا، لیکن وہ اپنے ہاتھوں قتل نہیں کرتا تھا۔ اُس کا طریقۂ کار اسی قسم کا تھا جو اس نے اس واردات میں استعمال کیا تھا۔ یہ حسن بن صباح کی ایجاد تھی۔ اگر اس فرقے کے متعلق کتابیں پڑھی جائیں تو ان میں اس طریقے کی تفصیلات واضح ہو جاتی ہیں۔ تمام مصنفین نے رائے دی ہے کہ حسن بن صباح کو خدا نے غیر معمولی عقل عطا کی تھی جو اس نے شیطانی کاموں

میں استعمال کی۔ اس سپاہی کو جس طرح سلطان ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کیا گیا، وہ اس فرقے کا ایک عام طریقہ قتل تھا۔ اس سپاہی کی مثال سے اس انوکھے طریقۂ قتل کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگر انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا جائے تو کسی کا یوں اپنا آلۂ کار بنانا حیران کن نہیں لگتا۔ اس سپاہی کے لاشعور پر قبضہ کر کے اس پر سلطان ایوبی کے خلاف نفرت ڈالی گئی پھر اسے جذبہ انتقام میں بدلا گیا۔

سیاہ داڑھی والے نے بتایا کہ چونکہ سلطان ایوبی پر پہلے چار قاتلانہ حملے ناکام ہو چکے تھے۔ اس لیے اس شخص کو بھیجا گیا تھا کہ وہ اپنا خصوصی طریقہ استعمال کرے۔ سلطان ایوبی پر پہلے چار حملے براہِ راست کیے گئے تھے۔ یہ دیکھ لیا گیا کہ سلطان ایوبی کو سیدھے طریقے سے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ سیاہ ریش (جس کا نام وقائع نگاروں کے ہاں محفوظ نہیں) اپنے گروہ کے چھ تجربہ کار آدمیوں اور ایک لڑکی کو دمشق لے گیا۔ اس نے ناگوں والے ویران قلعے کو اپنا مسکن بنایا۔ اس میں گروہ رات کے اندھیرے میں داخل ہوا۔ انہوں نے اپنا سامان بھی رات کو وہاں پہنچایا۔ اس گروہ کے آدمیوں نے شہر میں یہ افواہ پھیلائی کہ قلعے میں ایک درویش نمودار ہوا ہے جس کے ہاتھ میں غیبی طاقت ہے اور وہ مستقبل کی باتیں بتاتا ہے۔ ان افواہوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگ قلعے میں آئیں اور سیاہ ریش کو غیب سے نمودار ہونے والا درویش یا پیغمبر تسلیم کر لیں۔ اپنی حیثیت منوا کر وہ کسی ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں کو قبضے میں لے کر سلطان ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا، خلاف توقع لوگ قلعہ میں نہ آئے جس کی وجہ یہ تھی کہ قلعے کے متعلق بڑی ہی ڈراؤنی روایات مشہور تھیں۔ ان میں یہ روایت سب سے زیادہ خطرناک تھی کہ دونوں ناگوں کی عمر ایک ہزار سال ہو چکی ہے اور اب انسانوں کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں اور کوئی ان کے قریب جائے تو اُسے نگل جاتے ہیں۔

گروہ کا سرغنہ منجھا ہوا قاتل تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سکیم آئی کہ سلطان ایوبی کے دستے کے کسی سپاہی کو استعمال کیا جائے۔ چنانچہ وہ کئی روز یہ دیکھتا رہا کہ محافظ دستے کے سپاہی کہاں رہتے ہیں اور ان کی ڈیوٹی کس طرح لگتی ہے۔ سلطان ایوبی کے دفتر تک اور گھر تک نہ پہنچ سکا کیونکہ ان دونوں جگہوں کے قریب کوئی شہری یا فوجی نہیں جا سکتا تھا۔ یہ ممنوعہ علاقہ تھا۔ تاہم اس استاد نے اس محافظ سپاہی کو دیکھ لیا اور کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ سلطان ایوبی کے دفتر کے محافظوں میں سے ہے، یعنی یہ آسانی سے سلطان ایوبی تک پہنچ سکتا تھا۔ اُس نے اس سپاہی پر نظر رکھی۔ اُس وقت سیاہ ریش کا حلیہ کچھ اور تھا۔ ایک روز یہ سپاہی اسے باہر جاتا نظر آ گیا۔ سیاہ ریش نے اسے راستے میں روک لیا اور اس کے ساتھ ایسی باتیں کیں جنہیں کوئی انسان خواہ وہ کتنی ہی مضبوط شخصیت کا ہو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ان باتوں کے لیے جو لب ولہجہ اختیار کیا گیا اور جو اداکاری کی گئی، وہ انسانی فطرت پر طلسماتی اثر کرتی ہے۔ یہ سپاہی معمولی سے ذہن کا پسماندہ آدمی تھا، جال میں آ گیا اور رات کو قلعے میں پہنچ گیا۔

قلعے کے ایک کمرے میں جو اہتمام کیا گیا تھا وہ پتھروں کو موم کرنے کے لیے کافی تھا۔ ایک تو کمرے کی سجاوٹ تھی اور بیش قیمت قالین۔ دوسرے یہ لڑکی تھی جس کے حسن میں اور جسمانی ساخت میں جادو تھا۔ اس کا لباس ایسا تھا جس میں وہ نیم عریاں تھی اور اس کے کھلے ہوئے ریشمی بالوں کا تاثر نشہ طاری کرتا تھا۔ سیاہ ریش کے کہنے کے مطابق یہ لڑکی اس کا لباس اور انداز زاہدوں اور پرہیزگاروں میں بھی حیوانی جذبہ بیدار کر دیتا ہے۔ تیسری اور اصل چیز وہ شربت تھا جو یہ لوگ اپنے شکار کو پلاتے تھے۔ شیشے کا گولا فریب نظر پیدا کرنے کے لیے تھا۔ اس سپاہی کے ذہن میں یہ ڈالا گیا کہ وہ شاہی خاندان کا فرد ہے اور اس کا خاندان تخت سلیمان کا وارث ہے۔ تخت سلیمان کا وجود تھا یا نہیں، دلچسپ کہانیوں میں اس

بہت ذکر آتا ہے اور ایسے انداز سے آتا ہے کہ یہ ایک حسین اور پُراسرار تصور کی طرح لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہو جاتا ہے۔
یہ سپاہی جب اس کمرے میں داخل ہوا تو کمرے کی زیبائش اور قیمتی سامان نے اسے متاثر کیا۔ سیاہ ریش مراقبے کی حالت میں تھا۔ اس کا بھی اثر تھا۔ اس نے جب اتنی حسین لڑکی دیکھی تو مرعوب ہو گیا۔ لڑکی نے اسے جو شربت پلایا، اس میں نشہ تھا۔ اس نشے کا اثر یہ تھا کہ انسان حقیقی دُنیا سے لاتعلق ہو کر حسین تصورات کی دُنیا میں چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اس پر عملِ تنویم کیا جاتا یعنی اسے ہپناٹائز کر لیا جاتا اور اس کے ذہن میں اپنے مطلب کے تصورات ڈالے جاتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا جو گولہ دیا جاتا تھا، اس میں سے قندیل کی لَو کے کئی رنگ نظر آتے تھے۔ جو کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ شیشے کی ساخت ایسی تھی کہ اس میں سے گزرتی روشنی اپنے ساتوں رنگوں میں نظر آتی تھی۔ ان رنگوں کا ذہن پر اثر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انتہائی حسین لڑکی سپاہی کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتی اور باتوں میں یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ اسے دِل و جان سے چاہتی ہے۔ سیاہ ریش سریلی اور پُراسرار آواز میں بولنے لگتا تھا۔ اس کے الفاظ سپاہی کے کان میں پڑتے اور اس کے ذہن میں مطلوبہ تصور آراستہ کرتے تھے۔ سیاہ ریش بھانپ لیتا تھا کہ سپاہی اپنے آپ میں نہیں رہا۔ اس وقت وہ اس کے ہاتھ سے شیشے کا گولہ لے کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتا اور اسے ہپناٹائز کر لیتا تھا۔

سپاہی جسے اپنی آواز سمجھتا تھا وہ سیاہ ریش کی آواز ہوتی تھی، پھر وہ اُس مرحلے میں داخل ہو جاتا تھا، جہاں وہ اپنے تصور کو حقیقی سمجھ کر اس کا حصہ بن جاتا تھا۔ کمزور شخصیت کے سپاہی نے یہ اثرات قبول کر لیے۔ سیاہ ریش اسے حقیقی دُنیا میں واپس لے آیا۔ اس مقصد کے لیے اسے کچھ سونگھایا جاتا تھا۔ سیاہ ریش دوسرے کمرے میں چلا جاتا اور لڑکی سپاہی کے ساتھ اکیلی رہ جاتی۔ وہ سپاہی کے اعصاب اور دماغ پر غالب آ جاتی۔ اس مقصد کے لیے وہ ایسی حرکات اور ایسی باتیں کرتی تھی جس کے اثر سے کم از کم یہ سپاہی بچ نہیں سکتا تھا۔ سپاہی کو صرف تختِ سلیمان دکھا کر رخصت کر دیا گیا اور اس کے ذہن میں ڈال دیا گیا کہ راز ابھی باقی ہے۔ سپاہی کے دِل میں تجسس پیدا ہو گیا۔ دوسری بار اس پر یہی عمل کیا گیا اور اسے کچھ اور دکھا دیا گیا۔ انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ سپاہی پوری طرح اُن کے جال میں آ گیا اور وہ اس کے ذہن پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ اب ان کی منت سماجت کرتا تھا کہ اسے سارا راز بتایا جائے۔ اسے کہا گیا کہ وہ کئی روز ان کے پاس رہے۔ اس نے چھٹی لے لی۔ وہ یہی چاہتے تھے۔

ان چار دنوں اور چار راتوں کے عرصے میں اسے مسلسل نشے اور ہپناٹزم کے زیر اثر رکھا گیا اور اس کے ذہن لاشعور میں صلاح الدین ایوبی کا تصور پیدا کر کے یہ بات ڈال دی گئی کہ سلطان ایوبی سپاہی کے دادا اور باپ کا قاتل ہے اور اس کے تخت پر بھی اس نے قبضہ کر رکھا ہے۔ سپاہی کو ایک حسین لڑکی کا تصور دکھایا گیا، پھر یہ دکھایا گیا کہ سلطان ایوبی نے اس لڑکی کو پنجرے میں بند کر دیا ہے۔ چار روز بعد اسے اسی حالت میں قلعے سے نکال دیا گیا، وہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔ اسے جوں ہی موقع ملا، اس نے سلطان ایوبی پر حملہ کر دیا۔

☆

سپاہی بے ہوش پڑا تھا۔ طبیب نے اس کے ذہن سے نشہ آور شربت کا اثر زائل کرنے کے لیے دوائی دی تھی۔ وہ حقیقت اور تصورات کے درمیان بھٹک رہا تھا۔ معلوم نہیں اس کے اعصاب پر کیسے کیسے اثرات تھے کہ اثرات اُترتے ہی اعصاب جواب دے گئے۔ طبیب نے اسے ہوش میں لانے کے کچھ اور طریقے اختیار کیے اور دو روز بعد سپاہی نے آنکھ کھولی۔ وہ اس طرح اُٹھا جیسے گہری نیند سو گیا تھا اور خواب دیکھتا رہا تھا۔ اپنے اِردگرد کھڑے آدمیوں کو حیرت سے دیکھنے

لگا۔ طبیب نے اُسے پوچھا کہ وہ کہاں تھا؟......اس نے کہا کہ وہ سویا ہوا تھا۔ بہت دیر بعد وہ اپنے آپ میں آیا تو وہ زیادہ کچھ نہ بتا سکا۔ اس نے بتایا کہ سیاہ داڑھی اور چغے والا ایک آدمی اسے قلعے میں لے گیا تھا، وہاں اس نے کچھ اور باتیں بھی بتائیں لیکن اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ اس نے تخت سلیمانی وغیرہ دیکھا ہے۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے سلطان ایوبی پر تلوار سے حملہ کیا تھا۔

یہ یقین کرنے کے لیے کہ سپاہی دھوکہ نہیں دے رہا، اسے سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اس نے فوجیوں کی طرح سلطان کو سلام کیا۔ سلطان ایوبی نے اس کے ساتھ شفقت اور پیار سے بات کی مگر وہ حیران تھا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے اور یہ کیا کر رہے ہیں۔ آخر اسے بتایا گیا کہ اس نے کیا کیا ہے تو وہ چلا اُٹھا......''یہ جھوٹ ہے۔ میں اپنے سلطان پر حملہ نہیں کر سکتا''......سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ بے گناہ ہے۔ اسے یاد ہی نہیں کرایا جائے کہ اس نے کیا کیا ہے۔

صلیب کے سائے میں

قتل کا یہ طریقہ صلاح الدین ایوبی کے فوجی حاکموں وغیرہ کے لیے بڑا ہی عجیب تھا کہ سلطان ایوبی پر جان قربان کرنے والے ایک محافظ کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے کر سلطان ایوبی پر ہی قاتلانہ حملہ کرایا۔ اللہ نے کرم کیا کہ سلطان ایوبی بال بال بچ گیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے جو کانفرنس بلائی اس میں دمشق کی انتظامیہ اور فوج کو حکام بلائے گئے تھے۔ ان سب کے مزاج اکھڑے ہوئے تھے۔ سب غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ سب الصالح اور اس کے اُمراء اور وزراء سے بہت جلد انتقام لینے کو بے تاب ہوئے جا رہے تھے جنہوں نے سلطان ایوبی کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ سلطان نے انہیں قاتلانہ حملے پر غور و خوض کرنے کے لئے بلایا ہے لیکن سلطان آیا تو اس نے اس واقعہ کا ذکر ہی نہ کیا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اسے اس وقت تک جاسوسوں نے دشمن کی سرگرمیوں کی جو اطلاعات دی تھی۔ وہ ان کے مطابق اپنے پلان کی تبدیلی کے متعلق سب کو آگاہ کر رہا تھا۔ اس کا رویہ اور انداز سرد سا تھا۔

جونہی اس نے اپنا لیکچر ختم کیا۔ سب بھڑک اٹھے۔ وہ انتقام کی باتیں کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے بے نیازی سے مسکرا کر وہی بات کہی جو وہ پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا۔ ''اشتعال، غصے اور جذبانیت سے بچو۔ دشمن آپ کو مشتعل کر کے ایسی کاروائی پر مجبور کرنا چاہتا ہے جس میں عقل کی بجائے جذبات اور غصہ ہو۔ میرا اتمام تر منصوبہ ایک قسم کی انتقامی کاروائی ہے لیکن انتقام اپنی ذات کا نہیں اپنے مذہب کا۔ میری جان اور میری ذات اور تم میں سے ہر کسی کی جان اور ذات کی اس سے بڑھ کر کوئی اہمیت نہیں کہ تم اسلام اور سلطنت اسلامیہ کے پاسبان ہو۔ تم سب کو جانیں قربان کرنی ہیں۔ خواہ میدان جنگ میں مارے جاؤ خواہ دھوکے میں دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔ حکمران اور مجاہد میں یہی فرق ہے۔ حکمران اپنی حکومت کی اور اپنی ذات کی حفاظت کرتا ہے اور مجاہد اپنے ملک و ملت پر قربان ہوتا ہے الصالح اور اس کے امیر وزیر اپنی بادشاہی کی حفاظت کر رہے ہیں۔ احکام خداوندی کی خلاف ورزی ہے اس لیے وہ ناکام ہوں گے۔''

اس نے اپنی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ ایسے تمام کھنڈروں اور پرانی عمارتوں کو جن کا کوئی مصرف نہیں مسمار کرا دے۔ اس نے یہ ہدایات بھی جاری کیں کہ مسجدوں میں اس موضوع پر خطبے دیئے جائیں کہ دونوں جہان کا حاکم خدا ہے اور غیب کا حال اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ خدا کا کوئی بندہ خدا اور بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ خدا ہر کسی کی سنتا ہے اور کسی انسان کے آگے سجدہ ناجائز ہی نہیں گناہ ہے۔ توہم پرستی سے لوگوں کو بچاؤ۔ اس نے کہا ''اپنے سپاہیوں کو سمجھاؤ کہ جس طرح میدان جنگ میں اپنے جسم کو دشمن کی تلوار سے بچاتے ہو، وار روکتے ہو، اس طرح ذہن اور دل کو بھی دشمن کے وار سے بچاؤ۔ یہ وار تلوار کا نہیں زبان کا ہوتا ہے۔ جسم کے زخم مل جاتے ہیں۔ جسم زخمی ہو کر بھی لڑتا رہتا ہے۔ مگر ذہن اور دل پر زخم آ جائے تو جسم بیکار ہو جاتا ہے۔ تم نے نشے کا اثر دیکھ لیا ہے۔ میرے اپنے محافظ نے مجھ پر ہی حملہ کر دیا۔ جب نشہ اترا تو وہ مان نہیں رہا تھا کہ اس نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔ اس نشے میں

ایک خوبصورت لڑکی کا نشہ بھی شامل تھا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ یہ حالت صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں تم اپنا غلام اور مویشی بنا لیتے ہو۔ ان میں ذمہ داری کا اور مسلمان کی عظمت کا احساس بیدار کرو۔ ان پر ذمہ داریوں اور قومی وقار کا نشہ طاری کردو۔ ملک وملت کا وقار اور اس وقار کا دفاع ان کے ایمان میں شامل کردو، پھر ان پر کوئی اور نشہ طاری نہیں ہو سکے گا۔''

سلطان ایوبی نے حملے کا جو پلان بنایا تھا اس کے مطابق قلعہ بہ قلعہ آگے بڑھنا تھا۔ مضبوط اور مشہور قلعے حمص، اور حماۃ کے تھے۔ حلب شہر الگ تھا۔ اس کے دفاعی انتظامات مضبوط تھے اور شہر سے کچھ دور قلعہ تھا جسے قلعہ حلب کہا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ کئی اور قلعہ بندیاں تھیں جن میں زیادہ تر پہاڑی اور دشوار گزار علاقے میں تھیں۔ سب سے بڑی دشواری اس علاقے کی سردی تھی۔ پہاڑیوں پر برف باری بھی ہوتی تھی جو سردی میں اضافہ کر دیتی تھی۔ چونکہ وہاں سردیوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی اس لیے مخالفین نے اپنی فوج جو مختلف امراء کے زیر کمان تھی قلعہ بند کر دی تھی۔ اس کے صلیبی مشیروں نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا۔ ادھر سلطان ایوبی نے سردیوں میں ہی لڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اسے جاسوس مسلسل خبریں دے رہے تھے۔

ان خبروں میں ایک اطلاع یہ بھی تھی کہ حلب کی مسجدوں میں امام اور خطیب لوگوں کو اس موضوع پر وعظ اور خطبے دے رہے ہیں کہ صلاہ الدین ایوبی وہ گناہگار انسان ہے جس نے بادشاہی کے لالچ اور نشے میں اور جنگی طاقت کے گھمنڈ میں خلیفہ کا نام خطبے سے نکال دیا ہے۔ سلطان ایوبی کو عیاش اور بدکار کہا جار ہا تھا، اور یہ بھی کہ خطبے میں خلیفہ کا نام نہ لیا جائے تو خطبہ مکمل نہیں ہوتا اور نامکمل خطبہ گناہ ہے۔ سراؤں، مسافر خانوں اور بازاروں میں بھی یہی الفاظ سنے اور سنائے جا رہے تھے کہ صلاح الدین ایوبی عیاش اور بدکار ہے اور نام کا مسلمان۔ اس کے ساتھ ہی جاسوسوں کی اطلاعوں کے مطابق لوگوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگی جنون پیدا کیا جار ہا تھا۔ الصالح کی فوج تھوڑی تھی۔ آدھی فوج سپہ سالار توفیق جواد کے زیر کمان سلطان ایوبی کے ساتھ مل گئی تھی۔ لہٰذا الصالح کے مفاد پرست مسلمان امراء اور حکمران شہریوں کو لڑنے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ ان منصوبوں میں صلیبوں نے اس طرح جان ڈال دی تھی کہ جن علاقوں پر ان کا قبضہ تھا وہاں کے صلیبی باشندوں کی خاصی تعداد کو حلب موصل اور دیگر قصبوں اور دیہات میں ان ہدایات کے ساتھ آباد کر دیا تھا کہ وہ وہاں کے مسلمان کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکاتے اور اکساتے رہیں۔

جاسوسوں نے بتایا تھا کہ حلب میں شہریوں نے جنگی تربیت کا انتظام کر لیا ہے۔ ہر کوئی ہتھیاروں کی زبان میں بات کر رہا تھا۔ جنگی جنوں کے ساتھ لوگوں پر اضطراری اور ہیجانی کیفیت بھی طاری ہوئی جارہی تھی۔ البتہ پرانی عمر کے مسلمان بہت ہی پریشان تھے اور کہتے تھے کہ یہ قیامت کی نشانی ہے کہ مسلمان مسلمان سے ٹکرائے گا مگر ان کی آواز صلاح الدین ایوبی کے خلاف نعروں اور بہتان تراشی کے شوروغوغا میں دبتی جارہی تھی۔ یہ آواز صلیبیوں کے عزائم کے خلاف تھی اس لئے انہوں نے اسے دبانے کا خاص اہتمام کیا تھا۔ یہ سارا منصوبہ دراصل تھا ہی صلیبیوں کا۔ کئی ایک مسجدوں سے پرانے اماموں اور خطیبوں کو نکال دیا گیا تھا کیونکہ وہ منبر پر کھڑے ہو کر مسلمان کو مسلمان کے خلاف بھڑکانے کا گناہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ الصالح نے تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ کو زرو جواہرات اور بے انداز خزانہ اس کام کی اجرت کے لیے بھیج دیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ جنگ کی صورت میں وہ اسے جنگی مدد دے گا۔ ریمانڈ نے یہ اُجرت وصول کر کے اپنے چند ایک فوجی کمانڈر مشیروں کی حیثیت سے حلب بھیج دیئے تھے۔ ان میں انٹیلی جنس کا ایک ماہر بھی تھا جو تخریب کاری میں بھی مہارت رکھتا تھا ان مشیروں نے آتے ہی حلب میں مسلمان فوجوں کی مشترکہ ہائی کمانڈ بنا دی تھی۔ فوجیں مختلف قلعوں میں تھیں۔ ان فوجوں کے کمانڈروں میں سیف الدین والی موصل، ایک قلعہ دار گمشتگین

جیسے گورنر کا درجہ حاصل تھا۔ سلطان الملک الصالح اور عزالدین قابل ذکر ہیں۔ ریمانڈ نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جنگ کی صورت میں وہ مصر سے صلاح الدین ایوبی کی کمک اور رسد کو روکے رکھے گا اور وہ جہاں کہیں محاصرہ کرے گا صلیبی فوج باہر سے حملہ کر کے محاصرہ توڑ دے گی۔

☆

دمشق میں سلطان ایوبی دوسرے تیسرے دن تمام کمانڈروں کی کانفرنس بلاتا تھا۔ فوجوں کی ٹریننگ خود بھی دیکھتا اور کمانڈروں سے رپورٹیں بھی لیتا تھا۔ راتوں کو کپڑوں کے بغیر ٹریننگ دے کر اس نے اپنی فوج کو سردیوں میں لڑنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ قریب چٹانیں تھیں اس نے صحرا میں بھاگنے دوڑنے والے گھوڑوں کو چٹانوں پر چڑھنے اور اترنے کا عادی بنا دیا تھا۔ ادھر حلب میں بھی دو تین کانفرنسیں ہو چکی تھیں۔ وہاں کے کمانڈروں کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج رات کو جنگی مشقیں کرتی ہے لیکن انہوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ایوبی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہمارے سامنے آئے گا تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ ان کمانڈروں میں کوئی ایک بھی انٹیلی جنس کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا تھا۔ یہ اہتمام بھی صلیبیوں نے کیا تھا کہ دمشق میں جاسوس بھیجے تھے۔ اور شیخ سنان نے فدائی قاتل اور تخریب کار بھیجے تھے، مگر ریمانڈ نے اپنا ایک ماہر بھیج دا تو اس نے اس اطلاع پر توجہ دی کہ سلطان ایوبی راتوں کو کیوں جنگی مشقیں کرا رہا ہے اس نے حلب کے کمانڈروں کی کانفرنس میں بھی یہ مسئلہ پیش نہیں کیا تھا۔ وہ ابھی اس کی وجہ معلوم نہیں کر سکا تھا۔

سلطان ایوبی نے تو حلب اور موصل وغیرہ میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا۔ ان کی زمین دوز مرکزی کمانڈ حلب میں تھی اور کمانڈر ایک عالم فاضل کے بہروپ میں تھا جو تمام جاسوسوں سے خبریں لیتا اور دمشق بھیجنے کا انتظام کرتا تھا۔ وہ اپنے جاسوسوں کی حفاظت کا اور انہیں خطرے کے وقت روپوش کرنا کا بندوبست بھی کرتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو برا بھلا کہنے میں وہ پیش پیش تھا۔ جہاں لوگ اس کا احترام کرتے تھے۔ وہاں امیر، وزیر، اور اونچی حیثیت کے شہری بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کے جاسوسوں کا گروہ ہر ضروری جگہ موجود تھا۔ الملک الصالح کے محل کے باڈی گارڈز میں بھی جاسوس موجود تھے۔ دو جاسوس خصوصی پہرہ داروں کی حیثیت سے خلیفہ کی مرکزی کمانڈ کی اس عمارت تک بھی پہنچ گئے تھے جہاں ان کی جنگی کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ صلیبی جاسوسوں کے کمانڈر نے آتے ہی ایک تو اس پر توجہ دی کہ دمشق میں جاسوسی کے نظام کو مضبوط اور کارگر بنایا جائے اور حلب میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس ہیں ان کا سراغ لگایا جائے۔

سلطان ایوبی کے ان دو جاسوسوں میں جو حلب کی ہائی کمانڈ کے پہرہ داروں میں شامل ہو گئے تھے ایک خلت ام کا جاسوس تھا۔ ایک عمارت کے کئی چھوٹے کمرے تھے اور اس میں ایک ہال تھا جو ضیافتوں، ناچ گانے اور دربار منعقد کرنے کے کام آتا تھا۔ خوب سجا ہوا تھا۔ جب سے حلب کے امیروں وزیروں نے صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ گانٹھا تھا اس کو اور زیادہ سجا دیا گیا تھا۔ ناچ گانے کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ ناچنے والیاں جو رکھی گئی تھیں وہ چنی ہوئی خوبصورت، جوان اور فن کی ماہر تھیں۔ ان رقاصاؤں میں صلیبیوں نے اپنی لڑکیوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ یہ پیشہ ور لڑکیاں تھیں الصالح کے امیروں وزیروں کو انگلیوں پر نچاتی رہتی تھیں۔ ان کا کام یہ تھا کہ اس کے خصوصی درباریوں، امراء اور فوج کے اعلیٰ کمانڈروں پر نظر رکھیں اور بھانپتی رہیں کہ ان میں کوئی سلطان ایوبی کا وفادار تو نہیں۔ اس کے علاوہ یہ لڑکیاں ان حکام وغیرہ کے دلوں میں صلیبیوں کی محبت اور صلیب کی وفاداری پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

کبھی کبھی اس ہال میں ضیافت ہوتی تھی جس میں شراب کے مٹکے خالی ہوتے، رقص ہوتا اور جب شراب اپنا

رنگ دکھاتی تو بدکاری انتہا کو پہنچ جاتی تھی۔ اس بڑے کمرے میں جنگی کانفرنسیں بھی ہوتی تھیں۔ اس کے بڑے دروازے پر باڈی گارڈز کے دو پہریدار کمر سے تلواریں اور ہاتھوں میں برچھیاں لیے مستعد کھڑے رہتے تھے۔ تین چار گھنٹوں بعد پہریدار بدلتے تھے۔ خلت سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اسکے ساتھ ایک اور پہریدار بھی جاسوس تھا۔ ان دونوں کا پہرہ اکٹھا لگا کرتا تھا۔ انہوں نے یہاں سے بہت سی معلومات حاصل کیں اور دمشق بھیجی تھیں۔ ایک شام ایک نئی رقاصہ آئی۔ اس شام ہال میں ضیافت تھی۔ مہمان بھی آ رہے تھے۔ ناچنے گانے والیاں اور دوسری لڑکیاں بھی آ رہی تھیں۔ خلت اور اس کا ساتھی ان سب کو جانتے پہچانتے تھے۔ دور دور کے قلعہ دار بھی آئے ہوئے تھے۔ مہمانوں میں ایک آدمی نیا تھا۔ یہ ریمانڈ کا بھیجا ہوا جاسوس کا کمانڈر تھا۔ خلت نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ کون ہے۔ اسے اب اس کی سرگرمیاں دیکھنی تھیں۔

اس کے علاوہ اس نے ایک اور نیا چہرہ دیکھا۔ یہ ایک لڑکی تھی جسے وہ تین چار دنوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ نئی آئی تھی۔ خلت اپنے ساتھی کے ساتھ ڈیوٹی ختم کر کے جا رہا تھا کہ یہ لڑکی سامنے آ گئی۔ وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ چہرہ اسے جانا پہچانا لگا مگر وہ سمجھ کہ چہروں میں مشابہت بھی ہوتی ہے۔ اس نے توجہ ہٹالی لیکن اس لڑکی نے اسے کچھ زیادہ ہی غور سے دیکھا اور اسے دیکھتی آگے نکل گئی۔ خلت نے گھوم کر دیکھا تو لڑکی رک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ دوسرے دن بھی ایسے ہی ہوا۔ خلت نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ رقاصہ ہے۔ وہ کوئی شہزادی معلوم ہوتی تھی خلت سپاہی تھا۔ اس کا ایسی لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ شہزادی قسم کی رقاصہ تو امیروں کی ملکیت تھی۔ البتہ خلت کو ایک اور لڑکی یاد آ گئی تھی جس کی شکل و صورت اس رقاصہ سے ملتی جلتی تھی۔

☆

وہ گیارہ بارہ سال پہلے کی بات تھی جس کی یاد بھی خلت کے ذہن سے محو ہوتی جا رہی تھی۔ اس وقت خلت ستر اٹھارہ سال کا نوجوان تھا۔ وہ دمشق سے تھوڑی ہی دور ایک گاؤں میں رہتا تھا اور اپنے باپ کے ساتھ کھیتی باڑی کیا کرتا تھا۔ وہ خوبرو بھی تھا اور اس کی طبیعت بہت شگفتہ تھی۔ ہنسی مذاق زیادہ کرتا تھا اور حاضر جواب بھی تھا۔ اسی لئے گاؤں میں بچے سے بوڑھے تک اسے سب بہت چاہتے تھے۔ ہجرت کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا تھا جن علاقوں پر صلیبی قابض تھے وہاں سے مسلمان کنبے صلیبیوں کے جور و ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کی حکمرانی کے علاقوں میں آتے رہتے تھے۔ مقامی لوگ ان کی مدد امداد کرتے اور انہیں آباد کر لیتے تھے۔ ایسا ہی ایک کنبہ کہیں سے ہجرت کر کے خلت کے گاؤں میں آ گیا۔ اس میں حمیرہ نام کی ایک بچی تھی جس کی عمر اس وقت گیارہ بارہ سال تھی۔ خوبصورت بچی تھی۔

گاؤں والوں نے اس کنبے کو آباد کر لیا اور کھیتی باڑی کے لیے زمین اور سامان بھی مہیا کر دیا۔ حمیرہ کے بہن بھائی چھوٹے تھے۔ کام کرنے کے قابل صرف باپ تھا۔ خلت نے اس کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ حمیرہ کو خلت کی باتیں اچھی لگتی تھیں اور خلت کو یہ بچی اچھی لگتی تھی۔ وہ خلت کے گھر آ جایا کرتی۔ گھر ہو یا کھیت حمیرہ اس سے کہانیاں ضرور سنتی تھی۔ خلت دلچسپ قصے گھڑ لیا کرتا تھا۔ دو چار ماہ بعد حمیرہ کے باپ نے کھیتی باڑی میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ دمشق قریب تھا وہ شہر میں چلا جاتا اور شام کو واپس آ تا تھا۔ ایک سال گزرا تو اس نے کھیتی باڑی ختم کر دی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے کون ذریعہ معاش اختیار کر لیا ہے۔ البتہ اس کنبے کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

حمیرہ خلت میں گھل مل گئی تھی۔ وہ کھیتوں میں کام کرنے جاتا تو حمیرہ وہاں چلی جاتی۔ گھر میں ہوتا تو وہاں آتی اب وہ تیرہ سال کی ہو گئی تھی اور اچھا برا سمجھنے لگی تھی۔ ایک روز خلت نے اس سے پوچھا کہ اس کا باپ کیا کام کرتا ہے حمیرہ نے بتایا کہ اسے یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور پیسے کہاں سے لاتا ہے۔ اسے صرف یہ پتا ہے کہ اس کا باپ ا

آدمی نہیں۔ وہ شہر سے کوئی نشہ کر کے آتا ہے۔ حمیرہ نے ایک نئی بات بتائی۔ اس نے کہا...... ''یہ شخص میرا باپ نہیں ہے۔ میرے ماں باپ مر گئے تھے۔ میں پانچ چھ سال کی تھی۔ اس نے مجھے سنبھال لیا اور اپنے گھر لے آیا۔ پھر میں اسی کو اپنا باپ کہنے لگی۔ میرے ساتھ یہ اپنی بیٹیوں جیسا سلوک کرتا ہے، مگر اچھا آدمی نہیں۔''

ڈیڑھ دو سال گزر گئے۔ خلت میں حمیرہ کی بچپنے کی دلچسپی محبت میں بدل گئی۔ شباب نے حمیرہ کے چہرے پر بڑا ہی دلکش نکھار پیدا کر دیا تھا اور قد بھی بڑھ کر جاذب نظر ہو گیا تھا۔ ایک روز وہ خلت سے ملی۔ بہت پریشان تھی۔ اس نے خلت کو بتایا کہ اسے شک ہے کہ اس کا باپ اسے شادی کے بہانے کسی اجنبی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ یہ شک اسے اس طرح ہوا تھا کہ اس کے باپ کے ساتھ ایک آدمی آیا تھا۔ باپ نے اس آدمی کی بہت خاطر تواضع کی تھی اور کچھ دیر بعد حمیرہ کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اس اجنبی نے حمیرہ کو بڑی غور سے دیکھا تھا۔ حمیرہ نے باپ سے پوچھا کہ اس نے کیوں بلایا ہے تو باپ نے کوئی ایسا بہانہ پیش کیا تھا جس نے حمیرہ کے دل میں شک پیدا کر دیا تھا۔ حمیرہ نے خلت سے کہا کہ وہ اس کے سوا کسی اور کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ خلت نے اسے کہا وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بات کر کے اس کے ساتھ شادی کی کوشش کرے گا۔

یہ تو الگ بات ہے کہ حمیرہ جسے باپ کہتی تھی وہ اس کا باپ نہیں تھا، لہٰذا اس شخص کو حمیرہ کے مستقبل کے متعلق کوئی فکر نہیں تھا، لیکن اس دور میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بہت سی رقم لے کر لڑکیوں کو کسی کے ساتھ بیاہ دینے کا رواج عام تھا۔ امیر کبیر لوگوں نے حرم بنا رکھے تھے جن کے لیے وہ نئی سے نئی لڑکیاں خریدتے رہتے تھے۔ اگر حمیرہ کو اس کا باپ فروخت کر رہا تھا تو یہ کوئی جرم یا کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا۔ خلت امیر ماں باپ کا بیٹا نہیں تھا۔ وہ یہی کر سکتا تھا کہ حمیرہ کو بھگا لے جائے اور کہیں غائب ہو جائے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے۔ حمیرہ کے ساتھ اسے محبت اتنی زیادہ تھی کہ وہ آسانی سے اس سے نظریں نہیں پھیر سکتا تھا۔

اس نے سوچنے میں زیادہ ہی وقت صرف کر دیا۔ تیسرے دن وہ کھیتوں میں تھا کہ حمیرہ اسے پکارتی اور دوڑتی آ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ تین آدمی اس کے پیچھے دوڑے آ رہے تھے جن میں ایک حمیرہ کا باپ تھا۔ دوسرے دونوں کو وہ نہیں پہچانتا تھا۔ گاؤں کے بہت سے آدمی باہر آ گئے تھے مگر وہ سب تماشائی تھے وہ اس لئے حمیرہ کی مدد کو آگے نہیں آتے تھے کہ اس کے پیچھے بھاگنے والوں میں اس کا باپ بھی تھا۔ حمیرہ خلت کے پیچھے ہو گئی۔ اس نے روتے ہوئے اسے بتایا کہ دو آدمی اسے اپنے ساتھ لے جانے آئے ہیں اور اس کے باپ نے ان کے ساتھ سودا کر لیا ہے۔

حمیرہ کے باپ نے خلت کے پیچھے سے حمیرہ کو پکڑنے کی کوشش کی تو خلت نے اسے دھکا دے کر کہا۔

''خبردار، اسے ہاتھ نہ لگانا۔ پہلے میرے ساتھ بات کرو۔''

''یہ میری بیٹی ہے۔''----باپ نے کہا----''تم کون ہو مجھے روکنے والے؟''

''یہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔'' خلت نے کہا۔

دوسرے دو آدمی حمیرہ کی طرف بڑھے۔ ایک نے تلوار نکال لی تھی۔ خلت کے ہاتھ میں کدال کی قسم کی کوئی چیز تھا۔ اس نے گھما کر ماری تو یہ ہتھیار تلوار والے کے سر پر پڑا۔ اس کی تلوار گر پڑی، پھر وہ خود بھی چکرا کر گرا۔ خلت نے تلوار اٹھا لی۔ دوسرے آدمی نے بھی تلوار نکال لی۔ خلت کو تیغ زنی کی کوئی مشق نہیں تھی، پھر بھی اس نے وار روکے۔ دوسرا تیغ زن معلوم ہوتا تھا۔ خلت کو لڑنے کا زیادہ موقعہ نہ ملا۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز پڑی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور وہ گر پڑا...... اس کے ہوش ٹھکانے آئے تو وہ اپنے گھر میں تھا۔ وہ جوش میں آ کر اٹھا لیکن اس کے باپ

اور دو تین آدمیوں نے اسے جکڑ لیا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ بہت دیر سے بیہوش پڑا ہے اور حمیرہ اس گاؤں سے رخصت ہو چکی ہے۔ خلت چلانے لگا کہ لڑکی کو فروخت کیا جا رہا ہے، مگر اسے بتایا گیا کہ اس کا نکاح پڑھا کر رخصت کر دیا گیا ہے۔

خلت کے سر کی حالت یہ تھی کہ وہ اٹھتا تھا تو اس کا سر چکرا جاتا تھا۔ اسے شدید چوٹ آئی تھی۔ بڑوں نے اسے نصیحت کی کہ حمیرہ کے معاملے میں اس کا بولنا جائز نہیں کیونکہ اگر بیچا بھی گیا ہے تو اس کا باقاعدہ نکاح کیا گیا ہے۔ بہر حال خلت کے لئے یہ حادثہ تھا۔ وہ جب ٹھیک ہو کر باہر نکلا تو حمیرہ کا باپ اپنے سارے کنبے کے ساتھ گاؤں سے ہمیشہ کے لیے جا چکا تھا۔

☆

خلت پر دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ اسے حمیرہ کی محبت اور انتقام کا جذبہ پریشان رکھتا تھا۔ کام کاج سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ وہ کبھی کبھی دمشق چلا جاتا اور حمیرہ کے باپ کو ڈھونڈتا رہتا۔ ماں باپ نے اسے اچھی اچھی لڑکیاں دکھائیں۔ لیکن اس نے کسی کو بھی قبول نہ کیا اس کے دل و دماغ پر حمیرہ غالب رہی...... ڈیڑھ ایک سال تک اس کی یہی حالت رہی۔ ایک روز دمشق میں گھومتے پھرتے اسے پتا چلا کہ فوج کی بھرتی ہو رہی ہے۔ اس نے اس خیال سے کہ اس بہانے وہ گاؤں سے دور رہے گا فوج میں بھرتی ہو جانا بہتر سمجھا اور بھرتی ہو گیا۔ اسے ٹریننگ دی گئی۔ گھوڑ سواری سکھائی گئی۔ تیر اندازی اور مختلف ہتھیاروں کا استعمال سکھایا گیا۔ اس کے ذہن کو مصروفیت مل گئی تو اس کے دل سے حمیرہ کا دکھ کم ہونے لگا۔ اپنے جیسے ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ رہتے، گپ شپ لگاتے اور ہنستے کھیلتے اس کے دل کی زندگی عود کر آئی اور وہ ایک بار پھر شگفتہ مزاج جوان بن گیا۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب صلاح الدین ایوبی کا نام ابھی مشہور نہیں ہوا تھا۔ لوگ ابھی نور الدین زنگی کو جانتے تھے۔ اسے ایک بار جنگ میں جانے کا موقعہ ملا۔ یہ ایک خونریز لڑائی تھی۔ اس نے پہلی بار اپنے دشمن کو دیکھا۔ اس نے وہ لٹے پٹے مسلمان کنبے دیکھے جو صلیبیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ صلیبی بہت سی مسلمان لڑکیوں کو اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ سن کر اس کے اندر قومی جذبہ اور اسلام کی لگن بیدار ہو گئی۔ اس جذبے اور لگن نے جنون کی صورت اختیار کر لی اور اس جنون نے اسے ان سپاہیوں کی صف میں کھڑا کر دیا جو تنخواہ اور مال غنیمت کی خاطر نہیں اللہ کے نام پر لڑا اور جانیں قربان کیا کرتے ہیں۔

تین چار سال بعد جب صلاح الدین ایوبی کو مصر کا امیر بنا کر قاہرہ بھیجا گا تو صلیبیوں نے سوڈانیوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کر کے سمندر کی طرف سے مصر پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی نے نور الدین زنگی سے کمک مانگی۔ زنگی نے اپنے منتخب دستے قاہرہ روانہ کر دیئے۔ ان میں خلت بھی تھا اس کا شمار ان ذہین عسکریوں میں ہوتا تھا جو تلوار کے ساتھ دماغ بھی استعمال کرتے تھے اسے پچاس سپاہیوں کے ایک جیش کا کماندار بنا دیا گیا۔ مصر میں اس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان سے کہا کہ وہ لڑاکا (کمانڈو) جاسوسوں کا انتخاب کرے تو خلت کو حاضر دماغی، ذہانت، جسم اور زبان کی مستعدی اور پھرتی، جسم اور شکل و صورت کی دلکشی کی بدولت لڑاکا جاسوسوں میں لے لیا گیا۔ اسے کمانڈو اور گوریلا قسم کے شبخون مارنے کے لیے چند بار بھیجا گیا تھا لیکن جاسوسی کے لیے ملک سے باہر نہ بھیجا گیا۔ ملک کے اندر جاسوسوں کی سراغرسانی، تعاقب اور گرفتاری کے لیے اسے استعمال کیا جاتا رہا۔ جاسوسوں کو وہ خوب پہچانتا تھا۔

اب ۱۱۷۴ء میں جب سلطان ایوبی نور الدین زنگی کی وفات کے بعد سات سو سوار لے کر دمشق پر قبضہ کرنے اور الملک الصالح کی معزولی کی مہم پر روانہ ہوا تو اس نے اپنے جاسوسوں کو پہلے ہی دمشق بھیج دیا تھا جو مختلف بہروپ دھار کر دمشق میں [illegible] دمشق پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو گیا اور الصالح، اس کے امیر وزیر اور ا

کے باڈی گارڈز دمشق سے بھاگے تو علی بن سفیان کے معاون حسن بن عبداللہ نے جو جاسوسوں کے ساتھ دمشق گیا تھا، کئی ایک جاسوس دمشق سے اس طرف روانہ کئے جس طرف الصالح اور اس کے باڈی گارڈز دستے گئے تھے۔ ان جاسوسوں کو خصوصی ہدایات اور مختلف مشن دیئے گئے تھے۔ خلت کو بھی ان کے ساتھ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھا۔

حلب میں پہنچے تو وہاں افراتفری کا عالم تھا۔ الصالح کے حواریوں کو فوری طور پر فوج کی ضرورت تھی۔ انہیں خطرہ تھا کہ سلطان ایوبی ان کا تعاقب کرے گا اور حملہ کرے گا۔ اس صورت حال میں انہیں جیسا کیسا سپاہی ملا انہوں نے رکھ لیا۔ خلت اور اس کے ساتھی نے اپنے آپ کو اس کی فوج کے سپاہی ظاہر کیا جو دمشق سے بھاگ آئے تھے۔ کمانڈروں میں سے کسی کو ہوش نہیں تھی کہ چھان بین کرتے کہ کوئی مشکوک افراد فوج میں نہ آ گئے ہوں۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے کئی اہم جگہیں سنبھال لیں اور حلب میں زمین دوز اڈہ بھی قائم کر لیا۔ خلت چونکہ خوبرو اور تنومند جوان تھا اور زبان کی چاشنی سے بھی مالا مال تھا اس لیے اسے قصر سلطنت کے محافظوں کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔

☆

اسلام کا عسکری جذبہ اس کی روح میں اتر گیا تھا۔ اس نے حمیرہ کو بھی یاد نہیں کیا تھا۔ اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملتی تھی، مگر اس نئی رقاصہ نے اسے حمیرہ یاد دلا دی۔ حمیرہ سے جدا ہوئے سات آٹھ سال گزر گئے تھے۔ اس وقت حمیرہ پندرہ سولہ سال کی تھی۔ یہ رقاصہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کے چہرے پر حمیرہ والی معصومیت اور سادگی نہیں تھی۔ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ اتنا سا ہی تھا کہ سینے کا تھوڑا سا حصہ اور ستر ڈھانپا ہوا تھا۔ آدھے سے زیادہ جسم عریاں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ یہ رقاصہ حمیرہ ہو۔ تیسری بار رقاصہ اس کے قریب سے گزری تو بھی خلت نے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ رقاصہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اب کے وہ رک گئی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' رقاصہ نے پوچھا۔

خلت نے اپنا وہ فرضی نام بتایا جو اس نے وہاں لکھوا رکھا تھا، اور پوچھا ---- ''آپ نے نام کیوں پوچھا ہے؟''

''تم مجھے گھور گھور کر دیکھا کرتے ہو اس لیے نام پوچھ رہی ہوں۔'' حمیرہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں شریف عورتوں والی ذرا سی بھی جھلک نہیں تھی۔ کہنے لگی ---- ''تم سپاہی ہو۔ اپنے کام پر توجہ رکھا کرو۔''

خلت کو کوفت ہوئی لیکن اسے خوشی بھی ہوئی کہ یہ حمیرہ نہیں۔ حمیرہ تو بھولی بھالی لڑکی تھی۔

اسی شام ہال میں ضیافت تھی۔ ریمانڈ کے جاسوسوں کا کمانڈر تین چار روز پہلے آیا تھا۔ اس کا نام وِنڈسر تھا۔ یہ ضیافت اسی کے اعزاز میں دی جا رہی تھی۔ خلت نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ جاسوسی کا ماہر ہے اور جاسوسی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے آیا ہے۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ ہال میں مہمان آ رہے تھے۔ کھانے چنے جا رہے تھے اور شراب کے دور چل رہے تھے۔ ابھی ونڈسر نہیں آیا تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی کی ڈیوٹی ہال کے دروازے پر تھی۔ کچھ دیر بعد ونڈسر آ گیا۔ اس نے دونوں پہرہ داروں کو غور سے دیکھا پھر اس نے خلت کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

''تم خلیفہ کے محافظ دستے میں کب آئے ہو؟'' ونڈسر نے خلت کی زبان میں پوچھا۔

''یہاں آ کر مجھے محافظ دستے میں لیا گیا ہے۔'' خلت نے جواب دیا..... ''اس سے پہلے میں دمشق کی فوج میں تھا۔''

''تم مصر بھی گئے تھے؟'' ونڈسر نے پوچھا۔

''نہیں!''

وِنڈسر نے دوسرے پہرہ دار سے خلت کے متعلق پوچھا۔ ''تم اسے کب سے جانتے ہو؟''

''ہم دونوں دمشق کی فوج میں اکٹھے رہے ہیں''...... اس نے جواب دیا...... ''ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''اور میں شاید تم دونوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وِنڈسر نے مسکرا کر کہا...... ''ذرا میرے ساتھ آؤ۔''

وہ انہیں پہرے سے ہٹا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ گھاگھ سراغرساں اور جاسوس تھا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے باڈی گارڈز کی خفیہ چھان بین شروع کر دی تھی۔ خلت کو دیکھتے ہی اسے کچھ یاد آ گیا تھا اور اس نے جب اس کے ساتھی کو دیکھا تو اس کا شک پکا ہو گیا۔ شک غلط بھی نہیں تھا۔ خلت اور اس کا ساتھی تین چار سال سے انٹیلی جنس میں تھے اور وہ اکٹھے رہتے تھے۔ ان کی جوڑی پکی ہو گئی تھی۔ وِنڈسر انہیں اپنے کمرے میں لے گیا جو اسی عمارت میں بڑے ہال سے تھوڑی ہی دور تھا۔ کمرے میں لے جا کر اس نے مشعل کی روشنی میں دونوں کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

''اگر تم مجھے یقین دلا دو کہ تم یہاں کے وفادار ہو اور صلاح الدین ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہو تو میں تمہیں چھوڑ ہی نہیں دوں گا بلکہ ایسے کام پر لگاؤں گا جہاں عیش کرو گے۔'' وِنڈسر نے کہا۔ ''جھوٹ نہ بولنا۔ پچھتاؤ گے۔''

''ہم یہیں کے وفادار ہیں۔'' خلت نے کہا۔

''تم نے وفاداری کب سے بدلی ہے؟'' وِنڈسر نے پوچھا ''اور کیوں بدلی ہے؟''

''خدا اور رسولؐ کے بعد خلیفہ کا رتبہ ہے۔'' خلت نے کہا۔ ''صلاح الدین ایوبی کا کوئی رتبہ نہیں۔''

''مصر سے کب آئے ہو؟'' وِنڈسر نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔ ''تم شاید مجھے نہیں جانتے میں بھی تمہاری طرح جاسوس ہوں۔ نام شاید بھول جاؤں چہرے نہیں بھولا کرتا۔ علی بن سفیان کہاں ہے؟ مصر میں یا دمشق میں؟''

''ہم اسے نہیں جانتے۔'' خلت کے ساتھی نے جواب دیا۔ ''ہم سیدھے سادے سپاہی ہیں۔''

وِنڈسر نے دروازے میں جا کر دیکھا اور کسی ملازم کو آواز دی۔ ملازم آیا تو اس نے کسی لڑکی کا نام لے کر ملازم سے کہا کہ اسے بلا لاؤ۔ وہ لڑکی قریب ہی کسی کمرے میں تھی۔ ذرا سی دیر میں ایک بڑی ہی حسین لڑکی آ گئی۔ خلت کو معلوم تھا کہ یہ صلیبی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ نئی رقاصہ تھی جسے دیکھ خلت کو حمیرہ یاد آ جایا کرتی تھی۔ وِنڈسر نے صلیبی لڑکی سے عربی زبان میں بات کی اس سے ہنس کر پوچھا کہ اس رقاصہ کو کیوں ساتھ لے آئی ہو۔ لڑکی نے جواب دیا کہ یہ میرے کمرے میں تیار ہو کر آ گئی تھی اور میں تیار ہو رہی تھی۔ آپ کا بلاوا آیا تو سمجھی کہ آپ نے مجھے ضیافت میں ساتھ چلنے کے لیے بلایا ہے۔ میں اسے بھی ساتھ لے آئی۔''

''کوئی بات نہیں۔''...... وِنڈسر نے کہا...... ''اچھا ہوا یہ بھی آ گئی ہے۔ تماشہ دیکھ لے گی۔'' اس نے صلیبی لڑکی سے کہا۔ ''میں نے تمہیں کسی اور کام کے لیے بلایا ہے۔'' دونوں پہرہ داروں کی طرف اشارہ کر کے اس نے لڑکی سے کہا...... ''ان دونوں کے چہروں کو دیکھو۔ شاید تمہیں کچھ یاد آ جائے۔''

لڑکی نے دونوں کو بڑی غور سے دیکھا۔ ماتھے پر شکن ڈال کر سوچا۔ پھر دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے خلت اور اس کے ساتھی سے پوچھا...... ''تم کس وقت ہوش میں آئے تھے؟''

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دکھا، پھر لڑکی کو دیکھا۔ خلت حاضر دماغ تھا۔ وہ جان گیا کہ انہیں پہچان لیا گیا ہے۔ وہ بچنے کے طریقے سوچنے لگا۔ یہ اب عقل اور ہوش کا کھیل تھا۔ اس نے بھولا بن کر کہا...... ''میں سمجھ نہیں سکتا کہ

پہرے سے ہٹا کر آپ نے ہمارے ساتھ کیوں مذاق شروع کر دیا ہے۔ ہمارے کمانڈار نے دیکھ لیا تو ہمیں سزا دے گا۔''

''تم پہرہ دار نہیں ہو۔'' ونڈسر نے کہا...... ''تم دونوں کو وہاں کھڑا کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ وہاں کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ وہاں تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔'' اس نے خلت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا...... ''یہاں آ کر اپنا حلیہ ذرا سا تو بدل لیا ہوتا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان جاسوسی کے ماہر ہیں۔ لیکن ہم بھی اناڑی نہیں۔ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو۔ فوراً بتا دو کہ تم دونوں مصر سے آئے ہوئے جاسوس ہو۔ تمہارے ساتھ میری اور اس (صلیبی) لڑکی کی ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔ تم مجھے نہیں پہچان سکے کیونکہ میں بگاڑے ہوئے حلیے میں تھا۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے کیونکہ تم آج بھی اسی حلیے میں ہو جس میں اڑھائی سال پہلے تھے۔ ذرا ذہن پر زور دو۔ تمہیں یاد آ جائے گا۔ مصر کے شمال میں تم دونوں ایک قافلے کے ساتھ چل پڑے تھے کیونکہ تمہیں شک تھا کہ یہ قافلہ مشکوک ہے۔ تم نے ایک قافلے کے ساتھ سفر کیا تھا۔ ایک رات بھی قافلے کے ساتھ گزاری تھی، مگر تمہاری بدقسمتی کہ تمہاری جب آنکھ کھلی تو تم صحرا میں اکیلے پڑے تھے۔ قافلہ بہت دور نکل گیا تھا۔

☆

ونڈسر نے انہیں یاد دلایا......

خلت اور اس کا یہی ساتھی جاسوسوں کی سراغرسانی کی ڈیوٹی پر تھے۔ یہ اڑھائی تین سال پہلے کا واقعہ ہے...... سوڈانیوں کو شکست تو دی جا چکی تھی۔ لیکن وہ صلیبیوں کی مدد سے مصر پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مصر کے اندر صلیبی جاسوس اور تخریب کار سرگرم تھے۔ ان کی سراغرسانی کے لیے علی بن سفیان کا جاسوسی کا نظام کام کر رہا تھا۔ سرحدوں پر گشتی دستے بھی تھے۔ مصر کے اپنے جاسوس مسافروں وغیرہ کے بھیس میں سرحدی علاقوں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ایک بار خلت اپنے اس ساتھی کے ساتھ مصر کے شمال میں گشت پر تھا۔ دونوں اونٹوں پر سوار تھے اور دونوں غریب سے صحرائی مسافروں کے بھیس میں تھے۔ انہیں ایک قافلہ جاتا نظر آیا جس میں بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ قافلے والوں میں بوڑھے بھی تھے، جوان بھی تھے، بچے اور عورتیں بھی تھیں۔

خلت اور اس کا ساتھی جاسوس تھے۔ وہ قافلے کو روک کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انہیں ہدایت یہ تھی کہ آتے جاتے قافلوں کو دیکھیں اور ذرا سا بھی شک ہو تو قریبی سرحدی چوکی کو اطلاع دیں۔ یہ چوکی والوں کا فرض تھا کہ قافلے کو روک کر چھان بین کریں اور سامان کی تلاشی بھی لیں۔ سرحدی دستے فوجی طاقت کے زور پر یہ کام کر سکتے تھے۔ دو جاسوسوں سے اتنی زیادہ تعداد کا قافلہ نہیں رک سکتا تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی نے ہدایات اور ٹریننگ کے مطابق قافلے والوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مسافر ہیں اور آگے جا رہے ہیں۔ اس زمانے میں یہی طریقہ تھا کہ مسافر اکٹھے چلا کرتے تھے کیونکہ سفر بہت طویل اور لوٹ مار کا خطرہ زیادہ تھا۔ قافلے والوں نے ان دونوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

ان دونوں نے گپ شپ کے انداز سے معلوم کرنا شروع کر دیا کہ یہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔

انہیں معلوم تھا کہ اگلی سرحدی چوکی کہاں ہے، مگر انہوں نے دیکھا کہ قافلہ ایسی سمت کو جا رہا تھا جس طرف کوئی چوکی نہیں تھی۔ وہ علاقہ ہی ایسا تھا کہ گشتی پہرے اور چوکی سے بچ کر نکلا جا سکتا تھا۔ اونٹوں پر جو سامان لدا ہوا تھا وہ بھی مشکوک سا معلوم ہوتا تھا۔ پتا نہیں چلتا تھا کہ ان بڑے بڑے مشکوں اور لپٹے ہوئے خیموں وغیرہ میں کیا ہے۔ بہرحال سامان معمولی نہیں تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی صحرائی خانہ بدوشوں کے انداز سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قافلے میں چار جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ ان کے لباس تو خانہ بدوشوں بلکہ بدوؤں کی طرح تھے۔ ان کے بالوں کا انداز بھی بتاتا تھا کہ

تہذیب وتمدن سے دور رہنے والی لڑکیاں ہیں لیکن ان کے چہروں اور آنکھوں کے رنگ اور خدوخال کی دلکشی بتارہی تھی کہ معاملہ کچھ اور ہے اور یہ بہروپ ہے۔

قافلے میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کا رنگ گورا تھا اور چہرے پر جھریاں مگر اس کے دانت بتاتے تھے کہ اس کی عمر اتنی زیادہ نہیں جتنی چہرہ بتا رہا تھا۔ اس بوڑھے نے خلت اور اس کے ساتھی کو اپنے ساتھ کرلیا اور بڑے پیارے انداز سے ان سے پوچھنے لگا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں۔ خلت اپنے متعلق غلط باتیں بتاتا رہا اور اس سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جارہا ہے اور سامان کیا ہے۔ وہ بوڑھا اتنی اچھی باتیں کرتا تھا کہ خلت اور اس کا ساتھی اس کی باتوں میں الجھ گئے۔ چلتے چلتے شام ہوگئی پھر رات گہری ہوگئی اور قافلہ چلتا رہا۔ خلت نے قافلے کا رخ بدلنے کے لیے بوڑھے سے کہا کہ فلاں طرف سے چلیں تو منزل قریب آجائے گی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قافلے کو چوکی کے قریب سے گزارا جائے۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ قافلہ چوکی سے بچنے کی کوشش میں ہے۔

شکوک پختہ ہوتے گئے۔ کچھ اور آگے گئے تو پڑاؤ کرنے کے لیے نہایت موزوں جگہ آگئی۔ قافلہ رک گیا اور پڑاؤ کرلیا گیا۔ خلت اور اس کا ساتھی ذرا الگ ہٹ کر بیٹھے اور سوچنے لگے کہ سب سو جائیں تو سامان کی تلاشی لیں یا ان دونوں میں سے ایک خاموشی سے نکل جائے اور کسی قریبی سرحدی چوکی کو اطلاع کردے، تاکہ قافلے پر چھاپہ مارا جائے مگر خطرہ یہ تھا کہ قافلے والوں کو شک ہوجائے گا اور وہ پیچھے رہنے والے اکیلے جاسوس کو قتل کرکے یا اغوا کرکے تیز رفتاری سے غائب ہوجائیں گے۔ انہوں نے سونے کی نہیں بلکہ جاگتے رہنے کی کوشش کی۔ قافلے والے کھاپی کر سوگئے۔

اتنے میں دولڑکیاں جو قافلے کے ساتھ تھیں اس طرح ان کے پاس آئیں جیسے چوری چھپے آئی ہوں۔ وہ اس علاقے کی صحرائی زبان بول رہی تھیں۔ انہوں نے خلت اور اس کے ساتھی سے کہا کہ اگر وہ انہیں راز کی ایک بات بتائیں تو کیا وہ ان کی مدد کریں گے؟...... ''راز'' ایک ایسا لفظ تھا جس نے صلاح الدین ایوبی کے ان دونوں جاسوسوں کو چونکا دیا۔ وہ راز حاصل کرنے کے لیے ہی ریگزاروں میں مارے مارے پھر رہے تھے اور اس قافلے کے ساتھ وہ راز کی خاطر ہی چل رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ قافلہ بردہ فروشوں کا ہے اور یہ چاروں لڑکیاں اغوا کرکے لائی جارہی ہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں کہاں لے جایا جارہا ہے۔ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اور ان لوگوں سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔

باتوں باتوں میں ایک لڑکی خلت کو الگ لے گئی۔ لڑکی کی باتوں میں سادگی بھی تھی اور جاذبیت بھی۔ اس نے خلت سے کہا کہ وہ اگر اسے اپنے ساتھ لے جائے تو اس کے ساتھ شادی کرے گی اور ساری عمر اس کی وفادار رہے گی۔ اس نے کچھ ایسی باتیں بھی کیں جیسے وہ خلت کو دل دے بیٹھی ہو۔ اس نے محبت اور مظلومیت کا اظہار ایسے الفاظ میں اور ایسے انداز سے کیا کہ خلت اس کی اور باقی لڑکیوں کی رہائی کے متعلق سوچنے لگا۔ دوسری لڑکی خلت کے ساتھی کے ساتھ الگ بیٹھی تھی اور وہ بھی اس قسم کی باتیں کررہی تھی۔ کسی عورت کا محض عورت ہونا اس کی قوت ہوتی ہے اور جب عورت خوبصورت اور جوان ہو اور وہ مظلوم بھی ہو تو مرد پگھل جاتے ہیں۔ یہ کیفیت ان دونوں مردوں کی ہوگئی۔ دونوں میں جوانی کا جوش تھا۔ ان میں غیرت بھی تھی اور اپنی فوج کا یہ اصول بھی کہ عورت کی پاسبانی کرنی ہے، خواہ وہ اپنی ہو خواہ کسی اور کی۔

دونوں لڑکیوں نے الگ الگ، ان دونوں مصری جاسوسوں کو خوش کرنے کے لیے انہیں کوئی بڑی ہی لذیذ چیز کھانے کو دی۔ ایک لڑکی دبے پاؤں گئی اور چھوٹا سا ایک مشکیزہ اٹھا لائی۔ اس میں سے اس نے دونوں کو کچھ پلایا جو کوئی شربت تھا۔ اس کا ذائقہ اتنا اچھا تھا کہ دونوں خاصا زیادہ پی گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کی آنکھ لگ گئی اور جب ان

آنکھ کھلی تو اگلے دن کا سورج افق سے تھوڑا ہی اوپر رہ گیا تھا۔ وہ ساری رات اور سارا دن سوئے رہے۔ ریگزار کی جھلسا دینے والی تپش بھی انہیں نہیں جگا سکی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ وہاں قافلہ بھی نہیں تھا اور ان دونوں کے اونٹ بھی نہیں تھے اور وہ اس جگہ بھی نہیں تھے جہاں انہوں نے رات پڑاؤ کیا تھا۔ یہ کوئی اور جگہ تھی۔ اردگرد مٹی اور ریت کے ٹیلے تھے۔ دونوں دوڑتے ہوئے ایک بلند ٹیلے پر چڑھے۔ ادھر ادھر دیکھا۔ انہیں ٹیلوں کی چوٹیوں اور ان سے دور صحرا کی ریت کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆

''وہ بوڑھا آدمی میں تھا جس کے ساتھ تم سفر کے دوران باتیں کرتے رہے تھے''...... ریمانڈ کے جاسوسوں کے کمانڈر رونڈسر نے انہیں کہا...... ''میں تمہاری باتوں سے جان گیا تھا کہ تم جاسوس ہو اور معلوم کرنا چاہتے ہو کہ ہم کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔''

''وہ تم نہیں تھے''...... خلت نے کہا...... ''وہ تو کوئی بوڑھا آدمی تھا۔''

''وہ میرا بہروپ تھا''...... ونڈسر نے کہا...... ''مجھے خوشی ہے کہ تم مان گئے ہو کہ تم دونوں جاسوس تھے، اور اب بھی جاسوس ہو اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تمہیں بے ہوش کرنے والی لڑکیوں میں سے ایک یہ تھی۔''

''ہم اب جاسوس نہیں ہیں''...... خلت نے کہا...... ''اب ہم خلیفہ کے وفادار ہیں۔''

''تم بکواس کرتے ہو''...... ونڈسر نے کہا...... ''علی بن سفیان کی میں نے ہمیشہ تعریف کی ہے، مگر تمہاری تربیت مکمل نہیں۔ تم نے ابھی تک اپنے آپ کو چھپانا اور اپنا حلیہ بدلنا نہیں سیکھا۔''

ونڈسر نے انہیں بتایا کہ وہ جنگی سامان اور بہت سی رقم سوڈان لے جا رہے تھے۔ قافلے میں جو افراد صحرائی لباس میں تھے، وہ فوجی مشیر تھے۔ وہ سب صلیبی تھے اور سوڈان جا رہے تھے۔ انہوں نے ہی سوڈانی فوج تیار کی اور صلاح الدین ایوبی کے بھائی تقی الدین کو ایسی بری شکست دی تھی کہ وہ اپنی آدھی فوج وہیں چھوڑ آیا تھا۔ اگر صلاح الدین ایوبی عقل استعمال نہ کرتا تو تقی الدین باقی فوج وہاں سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ان لڑکیوں نے بھی تمہاری شکست میں بہ[illegible] تھا۔

ونڈسر نے انہیں بتایا کہ ان کی ملاقات جب مصر کے شمال میں ہوئی تھی تو رات پڑاؤ کے دوران ان میں سے کوئی بھی نہیں سویا تھا اور ان دونوں لڑکیوں کو اسی مقصد کے لیے خلت اور اس کے ساتھی کے پاس بھیجا گیا تھا کہ انہیں باتوں میں الجھا کے بیہوش کر دیں۔ ان کی ترکیب کامیاب رہی۔ ان کے بیہوش ہوتے ہی قافلہ روانہ ہو گیا۔

خلت کو وہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا اور یہ واقعہ اس کے دل میں کانٹے کی طرح اتر ہوا تھا۔ اتنے خطرناک جاسوسوں کا قافلہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ اس خلش کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اس نے اس واقعہ کی رپورٹ اپنے ہیڈ کوارٹر کو دی ہی نہیں تھی کیونکہ اسے دشمن کے جاسوس دھوکہ دے گئے تھے۔ اس میں اس کی اور اس کے ساتھی کی بے عزتی تھی۔ انہیں دو لڑکیاں بے وقوف بنا گئی تھیں۔ اب ان میں سے ایک لڑکی اور ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ [illegible]ت اپنے ساتھی سمیت اس کا قیدی تھا۔ اب وہ ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے یہاں سے نکلنے یا مر جانے کو فیصلہ کر لیا۔

''میری ایک پیش کش قبول کر لو''...... ونڈسر نے انہیں کہا...... ''میں تم پر ایسا رحم کر رہا ہوں جو میں نے کبھی کسی پر [نہیں] کیا۔ تم دونوں میرے گروہ میں شامل ہو جاؤ۔ جتنی اجرت مانگو گے دوں گا۔ کہو گے تو دمشق بھیج دوں گا اور اگر قاہرہ جانا [چاہو] تو وہاں بھیج دوں گا۔ وہاں تم دونوں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بنے رہنا ہے لیکن کام ہمارے لیے کرنا۔ تمہارا کام [یہ ہو گا] کہ ہمارے جو جاسوس وہاں کام کر رہے ہیں ان کی مدد کرو۔ اگر کوئی ان کی نشاندہی کر دے تو انہیں قبل از وقت خبردار

کر کے ادھر ادھر کر دینا''..... وہ بولتا جا رہا تھا اور یہ دونوں خاموشی سے سن رہے تھے۔ اسے توقع تھی کہ یہ دونوں مان جائیں گے۔ اس نے کہا..... ''یہ پیشکش قبول کرنے سے پہلے میری یہ شرط ہے کہ یہاں تمہارے جتنے جاسوس ہیں وہ پکڑوا دو۔ یہ بتا دو کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔''

''ہمیں تمہاری پیشکش کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں'' ..... خلت نے کہا..... ''ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہاں کوئی جاسوس ہے یا نہیں۔''

''تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں تمہارے جسموں کی کیا حالت بنا دوں گا'' ..... وندسر نے کہا..... ''اگر تمہیں توقع ہے کہ تمہیں فوراً قتل کر دیا جائے گا تو تمہاری یہ توقع پوری نہیں ہوگی۔ میں تمہیں جس تنور میں پھینکوں گا اس میں سے اتنی جلد نجات حاصل نہیں کر سکو گے'' ..... اس نے مسکرا کر کہا..... ''کیا تم مجھ سے منوالو گے کہ تم جاسوس نہیں ہو؟ کیا میں ابھی شک میں ہوں؟ تم میں اتنی عقل نہیں کہ مجھے دھوکہ دے سکو۔ تم میں اتنی عقل ہوتی تو اس لڑکی کے ہاتھوں بیوقوف بنتے۔ اس نے تمہیں اپنی جوانی اور خوبصورتی کے جال میں پھانس لیا تھا۔''

''سنو میرے صلیبی دوست'' ..... خلت کھری باتوں پر آ گیا۔ بولا..... ''ہم دونوں جاسوس ہیں مگر یہ جھوٹ ہے کہ میں یا میرا یہ رفیق لڑکیوں کے حسن کے فریب میں آ گیا تھا۔ میں پتھر ہوں لیکن مجھ میں ایک کمزوری ہے۔ بہت عرصہ گزرا پندرہ سولہ سال کی عمر کی ایک لڑکی میرے سامنے فروخت ہوگئی تھی۔ میں نے اسے بچانے کی کوشش میں ایک آدمی سے تلوار چھین لی تھی..... اور ایک کو زخمی بھی کر دیا تھا۔ وہ تین تھے اور میں اکیلا۔ انہوں نے مجھ گرا لیا۔ اگر میں بیہوش نہ ہو جاتا تو اس لڑکی کو بچا لیتا۔ وہ اسے لے گئے اور مجھے لوگ بیہوشی کی حالت میں اٹھا کر گھر لے گئے۔''

''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟'' ..... وندسر نے پوچھا۔

''دمشق سمجھ لو'' ..... خلت نے جواب دیا..... ''میں اب کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے میں وہاں کا رہنے والا ہوں اور میرا ساتھی بغدادی ہے۔ میں یہ باتیں تمہارے ڈر سے نہیں بتا رہا۔ تم مجھے اتنی آسانی سے نہیں سکو گے۔ ہمت ہے تو ہمارے ہاتھوں سے برچھیاں لے لو۔ ہم سے تلوار لو۔ جس تنور کا تم ذکر کرتے ہو، اس میں ہماری لاشیں جائیں گی۔''

وندسر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ صلیبی لڑکی نے ہنس کر کہا..... ''انہیں خوش فہمی مروائے گی''..... اور رقاصہ خلت کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں اس لڑکی کو نہیں بچا سکا تھا'' ..... خلت نے کہا..... ''اس لڑکی کی یاد کانٹا بن کر میرے دل میں اتر گئی۔ اس رات جب ہم دونوں تمہارے قافلے کے ساتھ تھے تو تمہاری دو لڑکیوں نے مجھے کہا کہ انہیں بیچنے کے لیے اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے وہ لڑکی آ گئی جسے میں بچا نہیں سکا تھا۔ میں نے ان دونوں لڑکیوں کے چہروں پر اسی لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ میرے دل میں جو کانٹا تھا اس نے میری عقل پر پردہ ڈال دیا۔ اگر مجھے وہ یاد نہ آتی تو میں کبھی بیوقوف نہ بنتا۔''

نئی رقاصہ کا جسم بڑی زور سے کانپا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

''اور اب تو موت بھی مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتی'' ..... خلت نے کہا..... ''اور تمہارا کوئی لالچ مجھے اپنے فرض سے گمراہ نہیں کر سکتا۔''

ادھر ضیافت کے ہال میں وِنڈسر کا انتظار ہو رہا تھا جنہیں پتا چل چکا تھا کہ کوئی نئی رقاصہ آئی ہے وہ رقاصہ کے انتظار میں تھے۔ یہ تو کسی نے بھی نہ دیکھا کہ دروازے کے باہر جو دو سنتری مستعد کھڑے رہتے تھے وہ کہاں چلے گئے ہیں۔ برچھیاں اور تلواریں ابھی تک خلت اور اس کے ساتھی کے پاس تھیں۔ وِنڈسر نے جب دیکھا کہ وہ اس کی پیشکش ٹھکرا چکے ہیں اور دونوں اپنے عقیدے اور فرض کے پکے معلوم ہوتے ہیں تو اس نے انہیں کہا کہ ہتھیار اس کے حوالے کر دیں۔ دونوں نے صاف انکار کر دیا۔ وِنڈسر ان سے زبردستی ہتھیار لینے کے لیے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ باڈی گارڈز کو بلانا چاہتا ہوگا۔ خلت نے تیزی سے دروازہ بند کر دیا اور زنجیر چڑھا کر برچھی کی نوک وِنڈسر کی طرف کر کے کہا..... ''جہاں ہو وہیں کھڑے رہو''..... اس نے آگے بڑھ کر برچھی کی نوک وِنڈسر کی شاہ رگ پر رکھ دی۔

خلت کے ساتھی نے اپنی برچھی کی نوک صلیبی لڑکی کی شہ رگ پر رکھی۔ وِنڈسر اور لڑکی پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار کے ساتھ جا لگے۔ خلت اور اس کے ساتھی نے دونوں کو وہیں دبا لیا۔ خلت نے نئی رقاصہ سے کہا..... ''تم ان کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ۔ اگر تم نے شور مچایا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔''

''اگر تم خلت ہو تو میرا نام حمیرہ ہے''..... نئی رقاصہ نے کہا..... ''میں نے تمہیں پہلے دن ہی پہچان لیا تھا۔ اور تم مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔''

تھوڑی دیر پہلے خلت نے اپنے نام کے سوا باقی نشانیاں بتا دی تھیں۔ حمیرہ جب سے یہاں آئی تھی وہ خلت کو دیکھ رہی تھی مگر خلت کی طرح وہ بھی شک میں تھی۔ وہ بھی یہی سوچتی تھی کہ انسانوں کی صورتیں ایک جیسی بھی ہو سکتی ہیں۔

''کیا تم بھی جاسوس ہو؟'' خلت نے پوچھا۔

''نہیں''..... حمیرہ نے جواب دیا..... ''میں صرف رقاصہ ہوں مجھ پر کوئی شک نہ کرنا خلت۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے ساتھ جاؤں گی مرنا ہے تو تمہارے ساتھ مروں گی۔''

☆

الصالح ضیافت میں آ گیا۔ اس کے تمام امراء وزراء اور دوسرے مہمان بھی آ گئے۔ ان میں صلیبی فوج کے افسر بھی تھے جو مشیروں کی حیثیت سے یہاں آئے تھے۔ ان کا انداز بادشاہوں جیسا تھا۔ ان میں ریمنڈ کا فوجی نمائندہ بھی تھا۔ وہ سب وِنڈسر کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ ابھی تک غیر حاضر تھا۔ تمام صلیبی لڑکیاں ہال میں پہنچ گئی تھیں۔ صرف ایک نہیں تھی۔ ناچنے والیاں بھی آ گئی تھیں، نئی رقاصہ غیر حاضر تھی۔ الصالح کے آ جانے سے سب کی بیتابی بڑھ گئی۔ ایک ملازم سے کہا گیا کہ وہ وِنڈسر اور دونوں لڑکیوں سے کہے کہ سب آ گئے ہیں۔

''انہیں باندھ کر یہیں پھینک چلتے ہیں''..... خلت کے ساتھی نے کہا۔

''کیا تم سانپوں کو زندہ رکھنا چاہتے ہو؟''..... خلت نے کہا اور برچھی جس کی نوک وِنڈسر کی شہ رگ کو چھو رہی تھی پوری طاقت سے دبائی۔ وِنڈسر کا سر دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ برچھی کی انی اس کی شہ رگ میں داخل ہو کر پیچھے کر نکل گئی۔ وِنڈسر کا ہلکا سا خراٹہ سنائی دیا۔

اس کے فوراً بعد ایسا ہی ایک خراٹہ صلیبی لڑکی کے منہ سے نکلا۔ اس کی شہ رگ کو چیرتی ہوئی برچھی کی انی خلت کے ساتھی نے پار کر دی تھی۔ دونوں نے برچھیاں نکالیں۔ وِنڈسر اور لڑکی گر کر تڑپنے لگے۔ خلت اور اس کے ساتھی نے دونوں کے دلوں پر برچھیاں رکھ کر اوپر سے پورا وزن ڈالا۔ دونوں کے دل چر گئے۔ اور وہ ٹھنڈے ہو گئے۔ دونوں کی

لاشوں کو پلنگ کے نیچے پھینک دیا گیا۔ یہ کمرہ ونڈسر کا تھا۔ دیوار کے ساتھ اس کا چغہ لٹک رہا تھا جس کے ساتھ سر کو ڈھانپنے والا حصہ بھی تھا۔ حمیرہ نے خود ہی یہ چغہ پہن لیا اور سر بھی ڈھانپ لیا۔ وہیں سے کپڑے اٹھا کر اس نے رقص والا گھگھرا اتار دیا اور مردانہ لباس کمر سے نیچے تک چڑھا لیا۔ پاپوش بھی بدل لئے اور چہرہ بھی چھپا لیا۔ اسے اب ایک نظر میں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ لڑکی ہے۔

خلت نے دروازہ کھولا۔ باہر دیکھا برآمدے میں ملازموں کی آمدورفت اور بھاگ دوڑ تھی۔ وہ تینوں باہر نکلے۔ دروازہ بند کیا اور ایک طرف چل پڑے۔ فوراً بعد وہ اندھیرے میں ہو گئے۔ ادھر ایک گھاٹی تھی۔ اس سے اترے اور خطرے کے علاقے سے نکل گئے۔ خلت اور اس کے ساتھی کو معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ ان کا کمانڈر ایک عالم فاضل کے روپ میں جہاں رہتا تھا وہاں چھپنے کی جگہ بھی تھی اور وہاں نکلنے کا بندوبست بھی ہو سکتا تھا۔ اس وقت شہر سے نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ گھوڑے بھی نہیں تھے۔ انہیں حلب سے فرار ہو کر دمشق پہنچنا تھا۔ انہیں یہ اندازہ بھی تھا کہ قتل کا پتا چلتے ہی شہر میں کیا اودھم برپا ہو گا۔

قتل کا انکشاف ہوتے زیادہ دیر نہیں لگی۔ کسی نے ونڈسر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ پلنگ کے نیچے سے جو خون بہ رہا تھا وہ فرش پر پھیلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ ہنگامہ بپا ہو گیا۔ وہاں ایک نہیں دو لاشیں تھیں دونوں کے زخم ایک جیسے تھے۔ فوری طور پر پہریداروں کا خیال آیا۔ ان کی موجودگی میں بیک وقت دو قتل کون کر سکتا تھا؟ جن سنتریوں کی ڈیوٹی تھی انہیں بلایا گیا۔ دونوں غائب تھے۔ اس عمارت میں کسی کا بغیر اجازت داخلہ ممنوع تھا۔ یہاں چیدہ چیدہ لوگ جو حاکم یا معزز شہری تھے آ سکتے تھے۔ ان کی بھی چیکنگ ہوتی تھی۔ باڈی گارڈز کے کمانڈر کے لئے مصیبت کھڑی ہو گئی۔ یہ قتل پیشہ وروں کا کام تھا یا سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا، اور یہ کام فدائی قاتلوں کا بھی ہو سکتا تھا۔ کسی نے کہا کہ کرائے کے یہ قاتل کسی سے بھی اجرت لے کر قتل کر سکتے ہیں۔

دروازے کے دونوں سنتری نہ ملے تو یہ شک پختہ ہو گیا کہ وہ سلطان ایوبی کے آدمی ہوں گے اور انہوں نے ونڈسر کو اس وجہ سے قتل کیا ہے کہ وہ جاسوسوں کا سربراہ بن کے آیا تھا۔ رات دیر تک خلت اور اس کا ساتھی نہ ملے تو شہر میں ان کی تلاش شروع ہو گئی۔ یہ انکشاف بہت دیر بعد ہوا کہ نئی رقاصہ بھی غائب ہے۔ شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی۔

خلت، اس کا ساتھی اور حمیرہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو اپنا کارنامہ سنایا تو اس نے انہیں چھپا لیا اور کہا کہ وہ باہر کے حالات کے مطابق انہیں بتائے گا کہ وہ کب یہاں سے نکلیں۔ اس پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اسے لوگ عالم اور برگزیدہ انسان سمجھتے تھے۔ اداکاری میں اسے مہارت حاصل تھی۔ اس نے اپنے جو دو شاگرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے وہ بھی جاسوس تھے۔ حلب سے دمشق تک وہی اطلاعات پہنچاتے تھے۔ اس نے دونوں شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ باہر کی خبر رکھیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

حمیرہ نے اس ''عالم'' کے سامنے خلت کو سنایا کہ اس پر کیا گزری تھی۔ وہ واقعہ تو سات آٹھ سال پرانا ہو چکا تھا۔ اس نے سنایا کہ خلت جب حمیرہ کو اس کے باپ (جو دراصل اس کا باپ نہیں تھا) اور ان دو آدمیوں سے بچانے کے لیے لڑا تھا تو حمیرہ کے باپ نے پیچھے سے کدال خلت کے سر پر ماری تھی۔ اس سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ وہ تینوں حمیرہ کو گھر لے گئے۔ ایک نکاح خوان کو بلایا جس نے اس سے پوچھے بغیر نکاح پڑھ دیا اور وہ دونوں آدمی حمیرہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک رات وہ دمشق میں ٹھہرے پھر اسے ان علاقوں میں لے گئے جو صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ اسے ناچ کی

تربیت دی جانے لگی۔ ابتدا میں اس نے مزاحمت کی مگر اس پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ بیہوش ہو جاتی تھی۔ اس دوران اسے خوراک نہایت اچھی دی جاتی تھی۔ اسے کوئی بڑا ہی لذیذ شربت پلایا جاتا تھا جس کے اثر سے وہ ہنسنے اور ناچنے لگتی تھی۔

تشدد اور نشے سے اسے رقاصہ بنا لیا گیا۔ بہت اونچے درجے کے لوگ اسے داد دینے لگے۔ وہ ایسے قیمتی تحفے لاتے تھے کہ وہ دنگ رہ جاتی تھی۔ اسے یروشلم بھی لے جایا گیا تھا جہاں دو آدمیوں نے اس کے مالکوں سے کہا تھا کہ وہ منہ مانگی قیمت لے لیں اور یہ لڑکی انہیں دے دیں۔ انہوں نے صاف بتا دیا تھا کہ وہ اسے جاسوسی وغیرہ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے مالکوں نے سودا قبول نہیں کیا تھا۔ اسے اغوا کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی جو ناکام بنا دی گئی تھی۔ اب اسے حلب میں کسی اور امیر کی فرمائش پر بلایا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ پہلے دن اس نے خلت کو دیکھا تو اس نے بلاشک وشبہ دل سے کہا تھا کہ یہ خلت ہے لیکن یہ شک بھی ہوتا تھا کہ ہوسکتا ہے یہ خلت کی شکل وصورت کا کوئی اور آدمی ہو۔ وہ اسے غور سے دیکھتی تھی۔ آخر یہ اتفاق ہوا کہ وِنڈسر نے خلت اور اس کے ساتھی کو پہچان لیا۔ وِنڈسر نے اپنی لڑکی کو بلایا تو حمیرہ بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔ خلت نے جب اپنے متعلق چند ایک باتیں بتائیں تو حمیرہ کے شکوک رفع ہو گئے۔

اس نے کہا ''میں اس ذلیل زندگی کی عادی ہو گئی تھی۔ میرے دل میں جذبات مر گئے تھے۔ میں ایک پتھر کی طرح ادھر ادھر لڑھکتی پھر رہی تھی، لیکن خلت کو دیکھا تو میرے سارے جذبات زندہ ہو گئے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ خلت ہی ہے مگر اس کی صورت نے مجھے وہ وقت یاد دلا دیا جب میرے دل میں اس کی محبت تھی اور اس کے بچوں کی ماں بننے کی خواہش۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی وقت اس سے پوچھوں گی کہ تم خلت ہو؟ اگر یہ خلت نکلا تو اسے کہوں گی کہ آؤ بھاگ چلیں اور صحرا کے خانہ بدوشوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔''

اسے خلت تو مل گیا اور وہ اس کے ساتھ بھاگ بھی آئی لیکن حلب سے بچ کر نکلنا ایک مسئلہ تھا۔

☆

خلیفہ کی ضیافت اور رقص کی محفل ویران ہو چکی تھی۔ وہاں وِنڈسر کا انتظار ہو رہا تھا مگر وِنڈسر کی لاش پہنچی۔ وہاں صلیبی فوج کے جو اعلیٰ افسر تھے وہ سخت غصے میں تھے۔ ریمانڈ کا فوجی نمائندہ تو سب سے زیادہ بھڑکا ہوا تھا۔ وِنڈسر بہت قیمتی افسر تھا۔ فوجی نمائندہ الملک الصالح اور اس کے امرا اور اس کے فوجی کمانڈروں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتا تھا اور سب اس سے دبک رہے تھے۔ ان کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ وہ صلیبی افسروں کو فرشتے سمجھے بیٹھے تھے۔ انہی کی مدد سے وہ جنگ کی تیاری کر رہے تھے، لہٰذا ان کی خوشامد کو وہ ضروری سمجھتے تھے۔ فوجی نمائندہ جو کچھ کہتا تھا سب اس کے آگے سر جھکا لیتے اور ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ اس نے کہا...... ''قاتل رات ہی رات شہر سے نہیں نکل سکتے۔ صبح سویرے حلب کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی جائے۔ یہاں کی ساری فوج کو اس پر لا دو۔ فوج لوگوں کے جاگنے سے پہلے گھر گھر داخل ہو جائے۔ یہاں کے باشندوں کو اتنا پریشان کیا جائے کہ وہ قاتلوں کو خود ہی ہمارے حوالے کر دیں۔''

''ایسا ہی ہوگا''...... ایک مسلمان امیر نے کہا...... ''ہم فوج کو ابھی حکم دے دیتے ہیں کہ سحر کے اندھیرے میں شہر میں پھیل جائے۔''

''ایسا نہیں ہوگا''...... یہ آواز ایک مسلمان قلعہ دار کی تھی اس نے ایک بار پھر گرج کر کہا...... ''ایسا نہیں ہوگا۔ تلاشی صرف اس گھر کی لی جائے گی جس پر پختہ شک اور کوئی واضح شہادت ہوگی۔''

اتنے سارے اعلیٰ حکام کے ہجوم پر اس گرجدار آواز نے سناٹا طاری کر دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ ریمانڈ کے فوجی

نمائندے کے حکم کو کوئی مسلمان ایسے جوش سے ٹوکے گا۔ سب نے دیکھا کہ یہ کون ہے، وہ حماۃ کا قلعہ دار تھا جس کا نام جورد یک تھا (تاریخ میں اس کا نام جورد یک ہی لکھا گیا ہے۔ پورے نام کا علم نہیں ہوسکا۔ اس کے متعلق تاریخ اتنا ہی بتاتی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا دوست تھا) لیکن وقائع نگاروں کے مطابق اس واقعہ تک وہ صلاح الدین ایوبی کے مخالف کیمپ میں تھا اور الصالح کے وفاداروں میں سے تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ صرف اس ضیافت میں ہی شریک نہیں تھا بلکہ جنگی کانفرنسوں میں شریک ہوتا تھا۔ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ کا جو منصوبہ بنا تھا۔ وہ اس میں بھی شریک تھا۔

اس نے جب ایک صلیبی کے منہ سے یہ الفاظ سنے کہ حلب کے ہر گھر کی تلاشی لی جائے گی تو اس میں اسلامی وقار بیدار ہو گیا۔ اس نے کہا...... ''یہاں مسلمان گھرانے ہیں جن میں پردہ نشین خواتین بھی ہیں۔ ہم ان کی بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔ شریف گھرانوں میں فوجی داخل نہیں ہوں گے۔''

''قاتل اسی شہر کے تھے'' ...... ایک صلیبی افسر نے کہا...... ''ہم تمام شہریوں سے انتقام لیں گے۔ ونڈسر جیسا قابل افسر قتل ہو گیا ہے۔ ہمیں کسی کی عزت اور کسی کے پردے کی پروا نہیں۔''

''اور مجھے تمہارے ایک افسر کے قتل کی پروا نہیں'' ...... جورد یک نے قہر سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''جورد یک! خاموش رہو!'' نوعمر اور ناتجربہ کار سلطان نے حکم کے لہجے میں کہا...... ''یہ لوگ اتنی دور سے ہماری مدد کے لیے آئے ہیں۔ کیا تم مہمان نوازی کے آداب سے ناواقف ہو؟ احسان فراموش نہ بنو۔ ہمیں قاتل کو پکڑنا ہے۔''

خلیفہ کی تائید میں کئی آوازیں سنائی دیں۔

''''میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہوسکتا ہوں، اور ہوں بھی'' ...... جورد یک نے کہا...... ''لیکن اپنی قوم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ محترم سلطان! اگر آپ نے شہریوں کو پریشان کیا تو سب آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔ آپ صلاح الدین ایوبی کے خلاف جو محاذ بنا رہے ہیں وہ کمزور ہو جائے گا۔''

''ہم نے قوم کی کبھی پروا نہیں کی'' ...... ریمانڈ کے فوجی نمائندے نے کہا...... ''ہم قاتلوں کو ڈھونڈیں گے۔ وہ کسی گھر میں ہی ہوں گے۔ ہم انہیں باہر نکال لیں گے۔ یہ قتل صلاح الدین ایوبی نے کرایا ہے۔''

''میرے دوست!'' ...... جورد یک نے کہا...... ''تمہارے ایک افسر کا قتل کوئی بڑی بات نہیں۔ تم صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کی کتنی بار کوشش کر چکے ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اسے قتل نہیں کر سکے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم نے کوئی جرم کیا تھا۔ دشمن ایک دوسرے کو ہر جائز ناجائز طریقے سے مارنے اور مروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر تمہارے ونڈسر کو ایوبی نے قتل کرایا ہے تو فرق صرف یہ پڑا ہے کہ تم اسے قتل کرانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے اور وہ تمہارے ایک اہم افسر کو قتل کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تم اس کے کئی ایک اہم افسروں کو قتل کرا چکے ہو۔ اس نے شہریوں کو کبھی پریشان نہیں کیا۔''

تمام مسلمان امراء اور حکام جورد یک کے خلاف بولنے لگے۔ وہ صلیبیوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن جورد یک نے سب کا مقابلہ کیا اور اسی بات پر ڈٹا رہا کہ شہر کے کسی گھر کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔

''تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ تم بھی اس قتل میں شریک ہو؟'' ایک صلیبی مشیر نے کہا...... ''مجھے شک ہے کہ تم صلاح الدین ایوبی کے دوست ہو۔''

''اگر حلب کے مسلمان گھرانوں کو پریشان کیا گیا تو میں کسی کے بھی قتل میں شریک ہوسکتا ہوں۔'' جورد یک نے کہا...... ''اور میں ایوبی کا دوست بھی ہوسکتا ہوں۔''

''ہم جب تک یہاں ہیں ہمارا حکم چلے گا۔'' صلیبی نمائندے نے کہا۔

''تم یہاں اجرت پر آئے ہو۔'' جوردیک نے کہا..... ''یہاں ہمارا حکم چلے گا۔ ہم مسلمان ہیں۔ حالات ہمیں آپس میں لڑا رہے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم کی کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ اگر تم بلا اجرت آئے ہو تو میں تمہاری مدد سے دستبردار ہوتا ہوں۔ میں قلعہ داری کے عہدے سے بھی دستبردار ہوتا ہوں اور میں تم سب کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری قوم کے کسی ایک بھی بے گناہ فرد کو تکلیف دی گئی تو میں انتقام لوں گا۔''

کسی کے اشارے پر دو آدمی جوردیک کو باہر لے گئے۔ اس کی غیر حاضری میں صلیبی نمائندے نے سب سے کہا کہ حالات ایسے ہیں کہ قلعہ دار کو ناراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شخص اتنی دلیری سے باتیں کر رہا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے قلعے میں جو فوج ہے وہ اس کی مرید ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ صورت حال اچھی نہیں۔ آپس میں صلاح مشورہ کر کے جوردیک کو اندر بلایا گیا اور اسے بتایا گیا کہ شہریوں کو پریشان نہیں کیا جائے گا مگر قاتلوں کو تلاش ضرور کیا جائے گا۔ جوردیک نے کہا کہ وہ دو تین چار دن وہیں رہے گا۔

☆

تین چار دنوں بعد جوردیک حلب سے روانہ ہوا۔ وہ اپنے قلعے حماۃ کو جا رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں قاتلوں کی تلاش اور سراغرسانی ہوتی رہی۔ اس کی خواہش کے مطابق کسی گھر کی تلاشی نہیں لی گئی تھی۔ وہ مطمئن ہو کر جا رہا تھا، مگر صلیبیوں کو اس کے متعلق اطمینان نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دس بارہ محافظ تھے۔ جوردیک سمیت سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ راستے میں ٹیلوں اور چٹانوں کا علاقہ آتا تھا۔ جوردیک اس علاقے میں داخل ہوا تو بیک وقت کہیں سے دو تیر آئے۔ دونوں اس کے گھوڑے کے سر میں پیوست ہو گئے۔ تیر اندازوں نے تیر جوردیک پر چلائے ہوں گے۔ گھوڑا بے لگام ہو کر دوڑ پڑا۔ دو تیر اور آئے۔ وہ بھی گھوڑے کو لگے۔ اب کے نشانہ خطا ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ گھوڑا بدک کر ادھر ادھر دوڑ رہا تھا۔

جوردیک شاہسوار تھا۔ وہ دوڑتے گھوڑے سے کود کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس کے محافظ ادھر ادھر بکھر گئے۔ وہ تیر اندازوں کے تعاقب میں گئے تھے۔ علاقہ ایسا تھا کہ کسی کو پکڑنا آسان نہیں تھا۔ جوردیک سمجھ گیا کہ یہ کرائے کے قاتل ہیں جنہیں صلیبیوں نے اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ انہیں یہ شک تھا کہ جوردیک سلطان ایوبی کا دوست ہے۔ وہ جنگجو تھا۔ چٹان کی اوٹ سے نکل کر اوپر چلا گیا۔ اسے صرف چٹانیں نظر آئیں یا اپنے محافظ جو ادھر ادھر تیر اندازوں کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

''ادھر آجاؤ۔'' کسی نے چلا کر کہا..... ''ادھر آجاؤ۔ پکڑ لیے ہیں۔''

محافظ ادھر کو بھاگے۔ محافظوں نے تین آدمیوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ تینوں نقاب پوش تھے مگر ان کے پاس کمانیں نہیں تھیں۔ ترکش بھی کسی کے پاس نہیں تھی۔ ان کے ساتھ گھوڑے تھے۔ انہیں اس حالت میں پکڑا گیا تھا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ تینوں نے چہرے چھپا رکھے تھے۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ انہیں پکڑ کر جوردیک کے پاس لے گئے۔

''تمہاری کمانیں اور ترکش کہاں ہیں؟'' جوردیک نے ان سے پوچھا۔

''ہمارے پاس صرف تلواریں ہیں۔'' ایک نے جواب دیا۔

''سنو بھائیو!'' جوردیک نے بڑے تحمل سے کہا..... ''تمہارے چاروں تیر خطا گئے۔ تم مجھے قتل نہیں کر سکے۔ تم

پکڑے بھی گئے ہو۔تم ہار گئے ہو۔اب جھوٹ سے بچو۔''

''کیسے تیر؟'' ایک نے حیرت زدہ ہو کر کہا...... ''ہم نے کسی پر تیر نہیں چلائے۔ہم مسافر ہیں۔ذرا آرام کرنے کے لیے رکے تھے۔اب جا رہے تھے کہ ان لوگوں نے پکڑ لیا۔''

جوردیک ہنس پڑا اور جواب دینے والے نقاب پوش سے کہنے لگا...... ''میں تمہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔اگر ایسا ہوتا تو اب تک میں تم تینوں کی گردنیں اڑا چکا ہوتا۔تم کرائے کے قاتل ہو۔صرف یہ بتا دو کہ میرے قتل کے لیے تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ صاف صاف بتا دو اور جاؤ۔''

دو نقاب پوشوں نے قسمیں کھائیں۔تیسرا خاموش رہا۔

''اپنے آپ کو عذاب میں نہ ڈالو'' جوردیک نے کہا...... ''کسی کے لیے اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔فوراً آزاد کر دوں گا۔''

نقاب پوشوں نے پھر پس و پیش کی۔

''ان کے نقاب اتار دو'' جوردیک نے اپنے محافظوں سے کہا...... ان سے تلواریں لے لو۔''

دو نقاب پوشوں نے نیاموں سے تلواریں نکال لیں اور پھرتی سے پیچھے ہٹ گئے۔تیسرا نقاب پوش ان دونوں کے پیچھے ہو گیا۔اس کے پاس تلوار نہیں تھی۔جوردیک نے قہقہہ لگا کر کہا...... ''کیا تم اتنے سارے محافظوں کا مقابلہ کرو گے جبکہ تمہارے تیسرے ساتھی کے پاس تلوار ہی نہیں ہے؟ میں تمہیں ایک اور موقع دیتا ہوں۔میں نے ابھی اپنے محافظوں کو حکم نہیں دیا کہ وہ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں''...... محافظوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

''اور میں تمہیں آخری بار کہتا ہوں کہ ہم میں سے کسی نے تیر نہیں چلائے'' ایک نقاب پوش نے کہا۔

محافظوں کا کمانڈر ان تینوں کے پیچھے کھڑا تھا۔اسے جانے کس طرح کچھ شک ہوا۔اس نے اس تیسرے نقاب پوش جس کے پاس تلوار نہیں تھی کا چغہ اوپر سے کھینچا تو اس کے سر کا حصہ پیچھے کو ہو گیا۔اس نے اس کا نقاب بھی نوچ لیا۔ جب چہرہ بے نقاب ہوا تو سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔جوردیک نے کہا کہ اسے اس کے پاس لایا جائے۔دونوں نقاب پوشوں نے حیران کن پھرتی سے پیچھے کو مڑ کر لڑکی کو پکڑنے والے محافظ کے سینے پر تلواریں رکھ دیں۔ ایک نے للکار کر کہا...... ''جب تک ہمیں پوری بات نہیں بتاؤ گے اور ہماری نہیں سنو گے اس لڑکی کو ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔ہم جانتے ہیں ہمیں تمہارے ہاتھوں مرنا ہے لیکن ہم ان میں سے آدھے محافظوں کو مار کر مریں گے۔تمہیں یہ لڑکی زندہ نہیں مل سکتی۔

جوردیک ایک ٹھنڈے مزاج کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔اس نے محافظوں کو پیچھے ہٹا دیا اور نقاب پوشوں سے کہا...

''تم مجھ سے اور کیا بات سننا چاہتے ہو؟ بات اتنی سی ہے کہ تم کرائے کے قاتل ہو اور یہ لڑکی تمہیں انعام کے طور پر ملی ہے۔''

''دونوں باتیں غلط ہیں۔'' ایک نقاب پوش نے کہا...... ''ایک صلیبی حاکم اور ایک جاسوس صلیبی لڑکی کو قتل کرنا گناہ نہیں ... کی بدقسمتی ہے کہ ہم فرار میں پکڑے گئے ہیں لیکن ہم خوش ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔یہ لڑکی مسلمان ہے مظلوم ہے اسے ہم صلیبیوں کے پنجے سے چھڑا کر لا رہے ہیں اور دمشق جا رہے ہیں۔''

''کیا وِنڈسر اور صلیبی لڑکی کو تم نے قتل کیا ہے؟'' جوردیک نے پوچھا۔

''ہاں!'' ایک نقاب پوش نے جواب دیا ''ہم نے ان دونوں کو قتل کیا ہے۔''

''اور کیا تم نے مجھ پر اس لیے تیر چلائے ہیں کہ ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہیں۔'' جوردیک نے پوچھا

''ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارا نام جورد یک ہے اور تم حماۃ کے قلعہ دار ہو۔'' نقاب پوش نے کہا...... ''اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم سلطان ایوبی کے دشمن ہو لیکن تمہیں قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے اس کی مدد سے ہم بہت جلد تم سے ہتھیار ڈلوا کر تمہیں تمہاری فوج سمیت اپنا قیدی بنالیں گے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن صباح اور شیخ سنان نہیں۔ وہ للکار کر لڑا کرتا ہے چوروں کی طرح قتل نہیں کرایا کرتا۔ وِنڈسر اور لڑکی کا قتل ہمارا ذاتی فعل تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ وہ قتل کر دیئے جائیں۔ ہم نے قتل کا ارتکاب کیا۔ یہ سلطان ایوبی کا حکم اور منشا نہیں تھا''...... اس نے جورد یک کے گھوڑے کی طرف دیکھا جو کچھ دور مرا پڑا تھا۔ دو تیر اس کی پیشانی میں اور دو پہلو میں اترے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے کہا...... ''گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہم دونوں میں سے کسی کو تیر و کمان دو۔ تم گھوڑا دوڑاؤ جس طرح بھی دوڑا سکتے ہو دوڑاؤ۔ دائیں بائیں ہوتے جاؤ۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر تم پر تیر چلائے گا۔ اگر پہلا تیر خطا جائے تو تیر انداز کی گردن اڑا دینا۔ یہ تیر ہمارے چلائے ہوئے نہیں تھے۔ جو تمہاری بجائے تمہارے گھوڑے کو لگے''

''تم معمولی سپاہی نہیں لگتے؟'' جورد یک نے کہا ''کیا تم سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کے آدمی ہو؟''

''اور تم کون ہو؟'' نقاب پوش نے کہا...... ''کیا تم صلاح الدین ایوبی کی فوج کے آدمی نہیں ہو؟ کیا تم اسلام کے سپاہی نہیں ہو؟...... تم اپنی اصلیت کو بھول گئے ہو۔ قلعہ داری کے عہدے نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ تم نے اس سے زیادہ رتبہ حاصل کرنے کے لیے کافروں سے دوستانہ گانٹھ لیا ہے۔''

''تم درخت سے ٹوٹی ہوئی وہ ٹہنی ہو جس کی قسمت میں سوکھ کر تنکا تنکا ہو جانا لکھ دیا گیا ہے'' دوسرے نقاب پوش نے کہا...... ''تم اتنے اہم انسان نہیں ہو کہ سلطان ایوبی تمہارے قتل کی ضرورت محسوس کرے۔ تم اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے زندہ رہو گے۔ تم مرو گے تو صلیبیوں کے ہاتھوں مرو گے۔''

''تم حلب شراب پینے اور عیش کرنے گئے تھے۔'' پہلے نقاب پوش نے کہا...... ''تم اس لڑکی کے ناچ سے لطف اندوز ہونے گئے تھے۔''

''میں مسلمان لڑکی ہوں۔'' لڑکی بولی...... ''مجھے صلیبیوں کی محفلوں میں نچایا گیا اور وہ میرے جسم کے ساتھ کھیلتے رہے۔ ذرا سی دیر کے لیے تصور کرو کہ میں تمہاری بیٹی ہوں۔ میں نے وہاں مسلمانوں کی بیٹیوں کو ننگا ناچتے دیکھا ہے۔ تم اتنے بے غیرت ہو گئے ہو کہ اپنی بیٹیوں کی آبروریزی بھی تم میں غیرت بیدار نہیں کر سکتی۔ میں صلیبیوں میں سات آٹھ سال گزار کر آئی ہوں۔ میں نے ان صلیبی حاکموں کے ساتھ بھی وقت گزارا ہے جنہیں تم نے اپنا دوست بنا کر یہاں بلایا ہے۔ میں نے ان کی باتیں سنی ہیں وہ دوستی کا فریب دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔''

جورد یک پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اس کے محافظ حیران تھے کہ اتنا خودسر اور دلیر قلعہ دار ان تینوں کی اتنی سخت باتیں برداشت کر رہا ہے۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ اسے وہ جھڑپ یاد آ رہی تھی جو اس نے ریمانڈ کے فوجی نمائندے سے اس مسئلے پر کی تھی کہ حلب کے باشندوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے گی۔ اسے یہ خیال آیا کہ اس پر تیر چلانے والے صلیبیوں کے آدمی ہوں گے۔ اس نے نرم سے لہجے میں نقاب پوشوں سے کہا...... ''میں تمہیں اپنے قلعے میں لے جانا چاہتا ہوں''

''قیدی بنا کر؟''

''نہیں!'' جورد یک نے یہ کہہ کر سب کو حیران کر دیا...... ''مہمان بنا کر۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ اپنی تلواریں اپنے پاس رکھو۔''

سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ جوردیک کا گھوڑا مر چکا تھا۔ اس نے ایک محافظ کا گھوڑا لے لیا اور یہ قافلہ چل پڑا۔

☆

وہ چٹانی علاقے سے نکلنے والے تھے کہ سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیئے۔ سب نے اپنے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں اور نظر آ گیا کہ دو گھوڑ سوار پوری رفتار سے حلب کی سمت بھاگے جا رہے تھے۔ ان کی کمانیں اور ترکش صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ یقیناً یہاں سے بھاگے تھے۔

''یہ ہو سکتے ہیں تمہارے قاتل!'' ایک نقاب پوش نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ دوسرے نقاب پوش نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں۔ لڑکی وہیں رہی۔

تمام محافظوں نے گھوڑے تعاقب میں ڈال دیئے۔ ان میں سب سے زیادہ تیز گھوڑے نقاب پوشوں کے تھے۔ آگے کچھ علاقہ ریت کی ڈھیریوں اور گھاٹیوں کا تھا۔ بھاگنے والے سواروں نے گھوڑے موڑے۔ نقاب پوش تجربہ کار سوار معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کا رخ موڑ کر فاصلہ کم کر لیا۔ بھاگنے والوں نے کندھوں سے کمانیں اتار لیں اور ان میں ایک ایک تیر ڈال لیا۔ گھوڑوں کے رخ بدل کر انہوں نے تعاقب کرنے والوں پر تیر چلائے۔ تیر خطا گئے مگر تعاقب میں خطرہ پیدا کر گئے۔ نقاب پوش پہنچ گئے۔ فاصلہ چند گز رہ گیا تو بھاگنے والوں نے تیر چلانے کی کوشش کی مگر نقاب پوشوں نے انہیں مہلت نہ دی۔ ایک نے بھاگنے والے گھوڑے کے پچھلے حصے میں تلوار دی۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا۔ دوسرے نے دوسرے بھاگنے والے پر تلوار کا وار کیا تو اس کا ایک بازو صاف کاٹ دیا۔ دوسرے کا گھوڑا زخمی ہو کر بے لگام ہو گیا تھا۔ اسے محافظوں نے پکڑ لیا۔

انہیں جب جوردیک کے سامنے لے جایا گیا تو اصل صورت واضح ہو گئی۔ نقاب پوشوں نے نقاب اتار دیئے اور انہوں نے بتایا دیا کہ وہ سلطان ایوبی کے جاسوس ہیں۔ ان میں ایک خلت تھا اور دوسرا اس کا ساتھی اور جو بھاگتے ہوئے پکڑے گئے تھے وہ مسلمان ہی تھے لیکن جوردیک کو قتل کرنے آئے تھے۔ ان میں سے جس کا بازو کٹ گیا تھا، اسے بڑی بے رحمی سے کچھ دور پھینک دیا گیا۔ دوسرے سے کہا گیا کہ وہ زندہ واپس جانا چاہتا ہے تو بتا دے کہ اسے کس نے بھیجا تھا، ورنہ اس کا بھی بازو کاٹ کر یہیں پھینک دیا جائے گا۔ اس نے بتایا کہ ان دونوں کو ریمانڈ کے فوجی نمائندے نے دو مسلمان امرا کی موجودگی میں کہا تھا کہ فلاں دن اور فلاں وقت جوردیک حلب سے روانہ ہو رہا ہے اور وہ فلاں وقت چٹانی علاقے میں سے گزرے گا۔ ان دونوں کو بے تحاشہ انعام پیش کیا گیا تھا۔ انہیں جوردیک کے قتل کی یہ ترکیب بتائی گئی تھی کہ چٹانی علاقے میں چھپ جائیں اور جوردیک کو تیروں کا نشانہ بنا کر بھاگ آئیں۔

مقررہ وقت پر دونوں اس علاقے میں پہنچ گئے اور گزرنے والے راستے کو دیکھ کر ایک بلند چٹان پر چھپ گئے۔ بہت سے انتظار کے بعد جوردیک آ گیا۔ دو محافظ گھوڑ سوار آگے تھے۔ ایک اس کے دائیں اور دوسرا بائیں۔ باقی پیچھے تھے۔ تیر اندازوں نے نشانے تو ٹھیک لیے تھے لیکن پہلو والا محافظ آگے آ جاتا تھا۔ جوردیک اور قریب آیا تو تیر چلاتے وقت آگے والا محافظ آگے آ گیا۔ تیر چلا دیئے گئے لیکن نشانہ ذرا نیچے ہو گیا تھا۔ دونوں تیر گھوڑے کی پیشانی میں لگے۔ دوسرے دو تیر اس لیے خطا گئے کہ گھوڑا دو تیر کھا کر بدک گیا تھا اور جب تیر چلائے گئے تو وہ بہت زور سے اچھل پڑا تھا۔ اس سے تیر جوردیک کو لگنے کی بجائے گھوڑے کے پہلو میں لگے۔

وہاں چھپنے کی جگہیں بہت تھیں اور موزوں بھی تھیں۔ انہوں نے گھوڑے ایسی ہی ایک جگہ چھپا دیئے تھے اور ان

کے منہ باندھ دیئے تھے تاکہ ہنہنا نہ سکیں۔ تیر انداز بھاگ کر کہیں چھپ گئے۔ انہوں نے محافظوں کو دیکھا جو بکھر کر انہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ چھپ کر انہیں دیکھتے رہے پھر ایک طرف سے شور اٹھا کہ ادھر آ جاؤ، پکڑ لیے ہیں۔ تیر اندازوں نے دیکھا کہ محافظ تین نقاب پوشوں کو پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ تیر انداز بہت خوش ہوئے کہ ان کی جان بچ گئی، مگر وہ ابھی وہاں سے بھاگنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ابھی پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ ایک محافظ ایک چٹان پر کھڑا رہا۔ اسے وہاں دیکھ بھال کے لیے کھڑا کیا گیا تھا۔ بہت دیر بعد اس محافظ کو وہاں سے بلایا گیا۔ دونوں تیر انداز اپنے گھوڑوں کے پاس گئے۔ ان کے منہ کھولے اور سوار ہوکر فرار ہوئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جوردیک اپنے محافظوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑا ہے۔

اس تیر انداز کو جوردیک نے اپنے ساتھ لے لیا اور سب حماۃ کی سمت روانہ ہوگئے۔ دوسرا تیر انداز کٹے ہوئے بازو سے خون بہہ جانے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکا تھا۔ راستے میں خلت نے اسے حمیرہ کے متعلق ساری بات سنائی اور یہ بھی سنایا کہ اس نے ونڈسر کو کس طرح قتل کیا تھا۔ جوردیک کے لیے حیران کن یہ تھا کہ وہ حلب سے نکل کر کس طرح آئے۔ خلت نے اسے بتایا کہ وہاں ان کا ایک کمانڈر بھی تھا جس کا وہ نام اور حلیہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کپڑے وغیرہ لپیٹ کر نوزائیدہ بچے کے قدبت کی شکل بنادی اور اس پر کفن چڑھا دیا۔ چار پانچ جاسوسوں نے ادھر ادھر بتایا کہ فلاں (جاسوس) کا بچہ مرگیا ہے کفن میں لپٹے ہوئے کپڑوں کو کمانڈر نے ہاتھوں پر اٹھایا۔ خلت، اس کا ساتھی، حمیرہ (مردانہ لباس میں) اور چار پانچ آدمی جنازے کی شکل میں ساتھ چل پڑے۔ قبرستان شہر سے باہر تھا۔ وہاں تین گھوڑے کھڑے تھے۔ یہ گھوڑے ایک ایسا جاسوس لایا تھا جو حلب کی فوج میں تھا۔ یہ چرائے ہوئے گھوڑے تھے "جنازہ" فوجیوں کے سامنے سے گزرا اور قبرستان میں گیا۔ وہاں قبر کھودی گئی۔ جنازہ پڑھا گیا خلت، اس کا ساتھی اور حمیرہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور نکل گئے۔

قلعے میں جوردیک کا قافلہ رات کو پہنچا۔ خلت وغیرہ کو اس نے باعزت مہمانوں کی طرح رکھا۔ اس نے خلت سے پوچھا...... "مجھے اب اپنا دوست سمجھو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کیا کر رہا ہے تمہیں ضرور معلوم ہوگا۔ اس نے صالح کا تعاقب کیوں نہیں کیا تھا؟"

"میں اگر سلطان کا منصوبہ جانتا بھی ہوں تو آپ کو نہیں بتاؤں گا۔" خلت نے جواب دیا "اور میں آپ کو یہ بھی نہیں بتاؤں گا کہ میں نے حلب سے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری ذاتی دشمنی تھی۔" جوردیک نے کہا...... "پھر میں اس کے خلاف ہوگیا۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی تھی، میں غلطی پر تھا۔ مجھے اس غلطی کا احساس دشمن نے دلایا ہے۔ میں نے صلیبیوں کی نیت معلوم کر لی ہے۔ ایک طرف وہ میری فوج اور میرے قلعے کو استعمال کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف انہوں نے مجھے قتل کرانے کی کوشش کی۔ مجھے نورالدین زنگی مرحوم اور صلاح الدین ایوبی کی باتیں اور اصول یاد آ گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ جنگ ہلال اور صلیب کی ہے۔ یہ کسی عیسائی بادشاہ کی کسی مسلمان بادشاہ کے خلاف جنگ نہیں۔ ایوبی کہا کرتا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک بھی مسلمان زندہ ہے صلیبی اسے ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ غیر مسلم خواہ کسی بھی مذہب کا ہو مسلمان کا دوست نہیں ہوسکتا۔ غیر مسلم دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے تو اس میں دشمنی کا زہر ملا ہوا ہوگا۔ نورالدین زنگی بھی اسی اصول کا پابند تھا۔ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ جس روز مسلمان کسی غیر مسلم سے دوستی کریں گے، اس روز اسلام کا خاتمہ شروع ہو جائے گا۔"

"تو کیا آپ صلاح الدین ایوبی کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگئے ہیں؟" خلت نے پوچھا اور یہ بھی کہا...... "میں

ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ معمولی سا سپاہی ہوں۔ مجھے ایسی جرأت نہیں کرنی چاہئے۔ کہ ایک قلعہ دار سے یہ پوچھوں کہ کیا سوچ رہا ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں، لیکن مسلمان کی حیثیت سے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ کوئی مسلمان گمراہ ہو جائے تو اسے اتنا کہہ سکوں کہ تم گمراہ ہو گئے ہو۔''

''ہاں!'' جورد یک نے کہا...... ''تمہیں یہ حق حاصل ہے۔ میں تمہیں ایک پیغام دینا چاہتا ہوں۔ یہ سلطان ایوبی کے کانوں میں ڈال دینا۔ میں تحریری پیغام نہیں دینا چاہتا ہوں۔ میں اپنا کوئی ایلچی بھی نہیں بھیجنا چاہتا۔ تم ایوبی سے کہنا کہ حماۃ کے قلعے کو اپنا سمجھو مگر اپنے کسی معتمد سالار کو بھی پتا نہ چلنے دینا کہ میں نے یہ پیشکش کی ہے۔ یہ ایک بڑا ہی نازک راز ہے۔ اسے کہنا کہ صلیبی دوستی کے پردے میں ہمارے علاقوں میں قدم جماتے جا رہے ہیں۔ تم سردیوں کے بعد حملہ کرو، مگر یہ خیال رکھنا کہ ادھر سے تم پر پہلے ہی حملہ نہ ہو جائے۔ اگر تم نے پیش قدمی کی تو حماۃ کے راستے سے آنا۔ انشاءاللہ پرانی دوستی کا حق ادا کروں گا۔''

دوسرے دن جورد یک نے خلت، اس کے ساتھی اور حمیرہ کو رخصت کر دیا۔

☆

صلیبی انٹیلی جنس کے کمانڈر رونڈسر کا قتل بے شک اتفاقیہ تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے دو جاسوسوں کے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ وہ ان کے ہاتھوں قتل ہو گیا، لیکن یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس کے قتل سے سلطان ایوبی کو فائدہ پہنچا کہ اس کے دشمن کی انٹیلی جنس جو پہلے ہی کمزور تھی منظم نہ ہو سکی۔ اس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کا نظام جاسوسی زیادہ منظم اور ذہین تھا۔ اس کے جاسوس صرف جاسوس نہیں تھے جو پکڑے جائیں، تو خاموشی اختیار کر لیں۔ ان جاسوسوں کو بڑی ہی سخت کمانڈو ٹریننگ دے رکھی تھی تاکہ وہ پکڑے جانے کی صورت میں لڑ کر نکلیں اور جسے قتل کرنا ضروری ہوا سے قتل بھی کریں اور ان کے جسم اتنے سخت ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اذیت بھوک، پیاس اور تھکن برداشت کر سکیں۔ یہ خوبیاں خلت اور اس کے ساتھیوں میں بھی تھیں۔ انہوں نے نہ صرف صلیبیوں کے اتنے اہم افسر کو مار کر دشمن کو اندھا کیا بلکہ جورد یک جیسے سخت مزاج قلعہ دار کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ اسے سلطان ایوبی کا حامی بنا آئے۔

خلت نے سلطان ایوبی کو جب جورد یک کا پیغام دیا تو سلطان کو یوں سکون سا محسوس ہوا جیسے صحرا میں ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا بھولے بھٹکے سے آ گیا ہو۔ اسے ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے۔ اپنے بھی دشمن پرائے بھی دشمن۔ جورد یک کے پیغام نے اسے سکون تو دیا لیکن وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا۔ یہ دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے کے پلان میں کوئی ردوبدل نہ کیا۔ اتنا ہی پیش نظر رکھا کہ حماۃ سے حمایت کی توقع ہے۔

اب دشمن کے کیمپ (حلب) سے جو اطلاعیں آ رہی تھیں ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہاں کے کمانڈروں اور مشیروں کو یہی توقع تھی کہ سردیوں میں جنگ کا امکان نہیں۔ ایک اطلاع یہ بھی ملی کہ صلیبی بظاہر سب کے دوست بنے ہوئے ہیں مگر وہ درپردہ بڑے بڑے، امراء کو ایک دوسرے کے خلاف اکسا رہے ہیں۔ یہ تو سلطان ایوبی کو معلوم ہی تھا کہ الصالح کے تمام حواری ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وہ اکٹھے صرف اس لئے ہوئے کہ سلطان ایوبی کو وہ اپنا مشترکہ دشمن بنا بیٹھے تھے، اور اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی انہیں عیش و عشرت کی اور کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ انہیں سلطان ایوبی کا یہ مشن بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ سلطنت اسلامیہ کی توسیع و استحکام کو جنون یا صحیح الفاظ میں ایمان بنا لیا جائے۔ وہ ان حکمرانوں میں سے نہیں تھا جو آرام اور سکون سے حکومت

کرنے کی خاطر دشمن کو دوست بنالیا کرتے تھے۔

اسے جنگی نوعیت کی جن معلومات کی ضرورت تھی وہ اس نے حاصل کر لی تھیں۔اس کی فوج سردی میں لڑنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔اب رات کی ٹریننگ میں کوئی سپاہی بیمار نہیں ہوتا تھا۔۱۱۷۴ء کا دسمبر شروع ہو چکا تھا۔سلطان ایوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کی آخری کانفرنس بلائی۔اس میں مرکزی کمان کے تمام افسر شامل تھے اور دستوں کے کمانڈروں کو بھی بلایا گیا تھا۔سلطان ایوبی نے انہیں پہلا حکم یہ دیا کہ اس لمحے سے فوج کی نقل وحرکت کے متعلق کوئی بات وہ کتنی ہی بے ضرر کیوں نہ ہو باہر کے کسی آدمی کے ساتھ نہیں کی جائے گی جو عسکری اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں وہ گھروں میں بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔فوج کے کوچ کا وقت آ گیا ہے۔یہ ظاہر کیا جائے گا کہ فوج روزمرہ کی طرح تربیت اور مشق کے لیے جا رہی ہے۔

ان ہدایات کے بعد اس نے کہا...... ''ہمارے عیش پرست اور ایمان فروش بھائی اسلام کی تاریخ کو اس موڑ پر لے آئے ہیں جہاں تمہارا اپنے ہی عزیزوں کے خلاف لڑنا تم پر فرض ہو گیا ہے۔کیا کسی نے کبھی یہ بھی سوچا تھا کہ میں اپنے پیرومرشد نورالدین زنگی مرحوم کے بیٹے کے خلاف لڑوں گا؟ مگر صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بیٹے کی ماں بھی مجھ پر لعنت بھیج رہی ہے کہ اس کا مرتد بیٹا ابھی زندہ کیوں ہے۔میرے رفیقو! تم جس فوج سے لڑنے جا رہے ہو، اس میں تمہارے چچا زاد بھائی بھی ہوں گے، ماموں زاد اور خالہ زاد بھی ہوں گے۔مجھے دو بھائی ایسے بھی اپنی فوج میں نظر آئے ہیں جن کا ایک بھائی ایمان فروشوں کی فوج میں ہے۔اگر تم خون کے رشتوں کو دل میں جگہ دو گے تو اسلام کے ساتھ جو تمہارا رشتہ ہے وہ ٹوٹتا ہے۔کوچ سے پہلے تمہیں عہد کرنا ہوگا کہ تم یہ نہیں دیکھو گے کہ تمہارا مدمقابل کون ہے۔تمہاری نظریں اپنے علم پر رہیں گی۔دل میں یہ حقیقت بٹھا لو کہ تمہارے سامنے تمہارے کلمہ گو بھائی ہیں مگر ان کی پیٹھ پر صلیبی ہیں۔میں اس بھائی کو بھائی نہیں سمجھتا جو اپنے مذہب کے دشمن کو دوست سمجھتا ہے۔''

ایک وقائع نگار کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ اس لیکچر کے دوران صلاح الدین ایوبی کی آواز بھرا گئی۔اس نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔یہ دیکھنا کسی کے لیے مشکل نہ تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔وہ کچھ دیر سر جھکا کر خاموش بیٹھا رہا۔کانفرنس کے شرکاء پر سکوت طاری ہو گیا۔سلطان ایوبی نے سر اٹھایا اور دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے گڑگڑایا...... ''خدائے عزوجل میں تیرے نام کی خاطر، تیرے رسولؐ کی ناموس کی خاطر اپنے بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھا رہا ہوں۔اگر یہ گناہ ہے تو مجھے بخش دینا میرے خدا! مجھے تیری راہنمائی کی ضرورت ہے۔مجھے اشارہ دو۔میں گمراہ ہوں۔گنہگار ہوں''...... اس نے سر پھر جھکا لیا اور جانے اسے اپنی ذات سے کوئی اشارہ ملا یا خدا نے اسے کوئی اشارہ دے دیا، اس نے گرجدار آواز میں کہا...... ''ہمیں قبلہ اول کو آزاد کرانا ہے۔تمہیں بیت المقدس پکار رہا ہے۔میرے راستے میں میرا باپ آیا تو اسے بھی قتل کر دوں گا۔میرے بچے راستے میں حائل ہوئے انہیں بھی قتل کر دوں گا۔''

اس کا چہرہ دمکنے لگا۔جذباتیت کا غلبہ ختم ہو چکا تھا۔وہ پھر وہی صلاح الدین بن گیا جو صرف حقائق کے متعلق عسکری بات کیا کرتا تھا۔اس نے کمانڈروں کو بتایا کہ دو روز بعد رات کو کوچ ہوگا۔اس نے پلان کے مطابق فوجوں کی جو تقسیم کی تھی وہ سب کو بتائی اور ہر حصے کے کمانڈر کو کوچ کا وقت بتایا۔ہراول کے کمانڈر کو ضروری ہدایات دیں۔چھاپہ مار (کمانڈو) جیشوں کی تقسیم بتائی۔پہلوؤں پر جن دستوں کو رکھنا تھا ان کے کمانڈروں کو کوچ کا انداز، راستہ اور وقت بتایا اور اس نے سب کو یہ بھی بتایا کہ اس کا اپنا ہیڈ کوارٹر گھومتا پھرتا رہے گا۔اس سے پہلے اس نے مصر کے راستے پر متحرک رہنے کے لیے چھاپہ مار دستے بھیج دیئے تھے اور مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بہروپ میں اس نے اپنی انٹیلی جنس کی بہت سی نفری

ان علاقوں میں بھیج دی تھی جہاں ریمانڈ کی فوج کے آنے کی توقع تھی۔

رسد کے متعلق اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کم وبیش ایک سال تک مصر سے رسد اور کمک منگوانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسلحہ اور جانوروں کا سٹاک بھی اس نے دمشق میں جمع کر لیا تھا۔ اس نے گھوڑ سوار چھاپہ ماروں کو مصر کے راستے کے اردگرد کے علاقوں میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ ریمانڈ کی فوج ادھر آئے تو اس پر شبخون مارنے ہیں اور اگر ضرورت محسوس ہو تو فوراً اطلاع دیں تاکہ صلیبیوں کو گھیرے میں لینے کا انتظام کیا جائے۔

☆

۶/ ۷ دسمبر ۱۱۷۴ء کی رات کو ہراول دستے نے دمشق سے کوچ کیا۔ وہ رات بہت ہی سرد تھی۔ یخ جھکڑ چل رہے تھے جو جسم کو کاٹتے تھے۔ سپاہی اور گھوڑے ان جھکڑوں کے عادی ہو چکے تھے۔ ہراول کے کمانڈر کو بتا دیا گیا تھا کہ دیکھ بھال (ریکی) کا جیش پہلے روانہ ہو چکا ہے۔ اس کے سپاہی وردی میں نہیں تھے۔ وہ مسافروں کے بھیس میں گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں یہ ہدایت دی تھی کہ تیز رفتار قاصد پیچھے آکر ہراول کے کمانڈر کو آگے کی اطلاعیں دیتے رہیں۔ ہراول کو حماۃ کے قلعے تک جانا تھا جہاں قلعہ دار جوردیک تھا۔ کمانڈر کو سلطان ایوبی نے بتایا تھا کہ حماۃ کا قلعہ بغیر لڑے ملنے کا امکان ہے لیکن وہ کسی دھوکے میں نہ آئے۔ وہ قلعے سے موزوں فاصلے پر رک جائے اور دیکھے کہ قلعے والوں کا رویہ کیا ہے۔ اگر جوردیک صلح کرنا چاہے تو اسے قلعے سے باہر بلایا جائے اور سلطان ایوبی کے آنے تک اس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔

سلطان ایوبی نے دیواریں توڑنے والے تجربہ کار آدمیوں کی ایک جماعت کو آگے بھیج دیا تھا۔ ہراول کی روانگی سے تین چار گھنٹوں بعد دو زیادہ نفری کے دستے اس طرح روانہ کیے گئے کہ ایک کو ہراول کے دائیں اور دوسرے کو بائیں رہنا تھا۔ ان کے لیے ہدایت یہ تھی کہ اگر حماۃ کے قلعے سے ہراول کا مقابلہ ہو جائے تو یہ دونوں دستے دونوں طرف سے آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیں اور اس پر اس قدر تیر برسائیں کہ دیوار توڑنے والی جماعت دیوار تک پہنچ جائے۔

ان دونوں حصوں کے درمیان سلطان ایوبی جا رہا تھا۔ ہراول اور دونوں پہلوؤں کے دستے سلطان ایوبی کی فوج کا چوتھا حصہ تھے۔ اس نے باقی تمام فوج پیچھے رکھی تھی۔ اس نے کم سے کم نفری سے دشمن سے جھڑپ لینے کا پلان بنا تھا۔ رسد کے لیے اس نے چھاپہ مار دستے پھیلا دیئے تھے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے دستے حماۃ سے بہت آگے بھی بھیج دیئے تھے تاکہ حماۃ سے کوئی قاصد حلب تک نہ جا سکے، اور اگر کہیں سے کمک آجائے تو چھاپہ مار اسے شبخونوں سے پریشان کرتے رہیں اور پیش قدمی روکے رکھیں۔

اگلا دن گزر گیا۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ جب ہراول کے دستے حماۃ سے دو تین میل دور تک پہنچ چکے تھے۔ ۱۰ دسمبر ۱۱۷۴ء کی صبح طلوع ہوئی تو قلعے پر کھڑے سنتریوں کو کہر اور دھند میں ایسے سائے سے نظر آئے جیسے بہت سے انسان اور گھوڑے ہوں۔ کوئی قافلہ ہو سکتا تھا۔ جوں جوں سورج اوپر اٹھتا گیا دھند چھٹتی گئی اور سائے نکھرتے گئے۔ سنتریوں نے دیکھا کہ یہ فوج ہے۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ قلعے کے دائیں اور بائیں بھی فوج موجود ہے جو انہیں نظر نہیں آ سکتی تھی۔ نقارہ بجا دیا گیا۔ ایک کمانڈر دوڑتا اوپر آیا۔ اس نے فوج دیکھی تو دوڑتا گیا اور قلعہ دار جوردیک کو اطلاع دی۔

''گھبراؤ نہیں''..... جوردیک نے کمانڈر سے کہا...... ''یہ کسی حملہ آور کی فوج نہیں ہو سکتی۔ صلیبی مجھے قتل نہیں کر سکے انہوں نے کوئی اور سازش کی ہوگی۔ انہوں نے الصالح سے یہ حکم لے لیا ہوگا کہ حماۃ کا قلعہ مجھ سے لے کر کسی اور کو دے دیا جائے۔ یہ فوج قلعے کے لیے آئی ہوگی۔ تم باہر جاؤ اور دیکھو کہ یہ کس کا دستہ ہے اور یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔''

کمانڈر گھوڑے پر سوار باہر نکلا اور سلطان ایوبی کے ہراول دستے کی طرف گیا۔ اس نے علم دیکھا تو یہ سلطان ایوبی کا تھا۔ وہ ذرا پیچھے ہی رک گیا۔ ہراول دستے کا کمانڈر اس تک گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ دونوں نور الدین زنگی کی فوج میں اکٹھے رہ چکے تھے۔

''ایسا بھی ہونا تھا کہ ہم آپس میں لڑیں گے''...... ہراول دستے کے کمانڈر نے اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر کہا...... ''زنگی زندہ تھا تو ہم دوست اور رفیق تھے وہ مر گیا تو ہم دشمن بن گئے۔''

''تم کیوں آئے ہو؟'' قلعے کے کمانڈر نے پوچھا۔

''تم قلعے کو نہیں بچا سکو گے''...... ہراول کے کمانڈر نے کہا...... ''میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ قلعہ دار سے کہو کہ قلعہ ہمارے حوالے کر دے اور خون خرابہ نہ ہونے دے ہم تمہیں زیادہ مہلت نہیں دیں گے۔ تھوڑی دیر میں قلعہ محاصرے میں آ چکا ہوگا۔ تمہاری کمک وغیرہ کے راستے بند کیے جا چکے ہیں۔ ہتھیار ڈال دو۔''

قلعے کا کمانڈر کوئی جواب دیئے بغیر واپس چلا گیا اور جوردیک کو بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے حملہ کر دیا ہے اور وہ ہتھیار ڈالنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ دستے اس کے ہیں ...... جوردیک نے چلا کر کہا...... ''قلعے سے جھنڈا اتار لو۔ سفید جھنڈا چڑھا دو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی آیا ہے۔''

وہ دوڑتا باہر نکلا گھوڑے پر بیٹھا اور قلعے سے نکل گیا۔ ہراول دستے کے کمانڈر کے پاس پہنچا۔ سلطان ایوبی بہت پیچھے تھا۔ جوردیک ایک راہنما اور اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر سلطان ایوبی کے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆

سلطان ایوبی نے جوردیک کو گلے لگا لیا جوردیک نے اس سے معافی مانگی۔ کچھ جذباتی باتیں کیں اور قلعہ اپنی فوج سمیت سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا۔ سلطان ایوبی اپنی مرکزی کمان کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا تو اس نے سفید جھنڈے کی جگہ اپنا جھنڈا چڑھانے کا حکم دیا۔ جوردیک نے قلعے میں مقیم فوج کے چھوٹے بڑے کمانڈروں کو سلطان ایوبی کے سامنے بلایا اور کہا کہ تم سے ہتھیار نہیں ڈلوائے گئے۔ تمہیں کسی نے شکست نہیں دی۔ اپنے سپاہیوں سے بھی کہہ دو کہ اپنے آپ کو شکست خوردہ نہ سمجھیں۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ اب ہم صلیبیوں اور ان کے دوستوں کے خلاف لڑیں گے۔

سلطان ایوبی جس مہم پر نکلا تھا، اس کی پہلی منزل اسے کسی کاوش کے بغیر مل گئی۔ وہ خدا کے حضور سجدے میں گر گیا۔ اس کے بعد اس نے جوردیک کے ساتھ آگے کا پلان بنانا شروع کر دیا۔ مشکل ایک ہی تھی کہ جوردیک کے دستوں کو سردی میں لڑنے کی مشق نہیں کرائی گئی تھی۔ تاہم اس قلعے کو اڈہ (بیس) بنا لیا گیا۔ جوردیک کے دستوں کو ایسے طریقے سے تقسیم کیا گیا جس سے یہ دشواری ختم ہو گئی کہ وہ سردی میں نہیں لڑ سکیں گے، مگر سپاہیوں کو پتا چلا تو انہوں نے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ آگے جائیں گے اور لڑیں گے۔

آگے حمص کا قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے کوچ کا وقت ایسا رکھا کہ حمص تک رات کو پہنچا جائے۔ اس نے اسی ہراول کو آگے بھیجا لیکن اب کے اس نے ڈیپلائے میں کچھ ردوبدل کر دیا کیونکہ حمص میں اسے کوئی توقع نہیں تھی کہ قلعہ بغیر لڑے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس نے دیکھ بھال کے لیے ایک پارٹی آگے بھیج دی تھی جس نے راستے میں اطلاع دی تھی کہ قلعے کا محل وقوع کیا ہے اور گردوپیش کے احوال و کوائف کیا ہیں۔ سلطان ایوبی نے چند دستے اس طرف بھیج دیئے، جدھر سے مدد وغیرہ آنے کی توقع تھی۔ اس نے اپنی رسد حماۃ کے قلعے میں جمع کر لی اور رسد آگے لے جانے کے راستے کو

کئی گشتی پارٹیوں اور چھاپہ ماروں کے ذریعے محفوظ کر لیا۔ اس کے ساتھ حماۃ کا ایک دستہ بھی تھا۔ سلطان ایوبی کی کوشش یہ تھی کہ حلب تک اس کے حملے کی خبر نہ پہنچے تاکہ وہ دشمن کو بے خبری میں جا دبوچے۔ اس نے اس کا انتظام کر دیا تھا۔ اپنے آدمی حلب کے راستے پر پھیلا دیئے تھے جن کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ کسی بھاگے ہوئے فوجی کو یا کسی ایسے غیر فوجی کو جسے یہ معلوم ہو کہ حملہ شروع ہو چکا ہے، روک لیں۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ قلعہ دار اور اس کے کمانڈر ایک وسیع کمرے میں شراب سے دل بہلا رہے تھے۔ انہوں نے دو ناچنے والیاں بلا رکھی تھیں۔ کمرے میں طبل و سارنگ اور رقص و سرود کا پر رونق ہنگامہ بپا تھا۔ سپاہی بے فکری کی نیند سو گئے تھے اور جو ڈیوٹی پر تھے وہ سردی سے بچنے کے لیے کسی نہ کسی اوٹ میں کھڑے تھے۔ رات یخ تھی۔ کمانڈروں نے سب کو بتا رکھا تھا کہ سردیوں کے موسم میں جنگ کا کوئی خطرہ نہیں۔

''ہم اسی لیے نورالدین زنگی کے مرنے کی دعائیں کرتے تھے کہ اسی دنیا میں جنت دیکھ لیں''..... قلعہ دار نے شراب کا پیالہ اوپر کر کے کہا..... ''اب صلاح الدین ایوبی آیا ہے، خدا اسے بھی جلدی اٹھا لے گا۔''

''اسے ہم اٹھائیں گے''..... ایک کمانڈر نے کہا..... ''ذرا موسم کھل جانے دو۔''

''قلعے کی دیوار پر کھڑے ایک سنتری نے اپنے ساتھی سے کہا..... ''وہ دیکھو۔ آگ جل رہی ہے۔''

''جلنے دو''..... اس کے ساتھی نے کہا..... ''کوئی قافلہ ہوگا۔''

اتنے میں آگ کے تین چار گولے ہوا میں بلند ہوئے جو قلعے کی طرف آئے اور ان دونوں سنتریوں کے اوپر سے گزر کر قلعے کے اندر جا گرے۔ ان کے پیچھے اور گولے آئے یہ شعلوں کے گولے تھے۔ پھر کئی اور گولے آئے۔ ان میں سے کچھ سامان پر پڑے اور آگ لگ گئی۔ نقارے اور گھڑیال بج اٹھے۔ قلعہ دار کی محفل میں اودھم بپا ہو گیا۔ سب دوڑتے قلعے کی دیوار پر گئے۔ ان پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دروازے کے سنتریوں نے شور بپا کر دیا کہ دروازہ جل رہا ہے۔ سلطان ایوبی کے حملہ آور دستے نے دروازے پر آتش گیر مادہ پھینک کر آگ لگا دی تھی۔ چیخ چلا کر قلعے کے اندر کی فوج کو بیدار کیا گیا۔ قلعے سے بھی مزاحمت شروع ہو گئی لیکن باہر سے اتنے تیر آ رہے تھے کہ سر اٹھانا محال ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی کی منجنیقوں نے قلعے کو جہنم بنا دیا تھا قلعے کے کماندار چلا چلا کر اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ سپاہی اندھا دھند تیر چلا رہے تھے۔

''ہتھیار ڈال دو''..... سلطان ایوبی کی طرف سے کوئی للکار رہا تھا..... ہتھیار ڈال دو۔ تمہیں کہیں سے بھی مدد نہیں مل سکتی۔ جانیں بچاؤ''..... یہ اعلان بھی کیا گیا..... ''سلطان صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دو۔ کسی کو جنگی قیدی نہیں بنایا جائے گا۔ اطاعت قبول کر لو۔ ہماری فوج میں شامل ہو جاؤ۔''

رات بھر اعلان ہوتے رہے اور تیروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہا۔ صبح کی روشنی پھیلی تو قلعہ دار نے باہر کا منظر اور قلعے کی دیوار پر اپنے سپاہیوں کی لاشیں دیکھ کر سفید جھنڈا چڑھانے کا حکم دے دیا۔ یہ قلعہ بھی سر کر لیا گیا۔ قلعہ دار اور کمانڈروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی قلعے میں گیا تو قلعہ دار اور کمانڈروں سے اتنا ہی کہا..... ''خدا تمہیں معاف کرے'' اور حکم دیا کہ ان سب کو ان کے سپاہیوں کے ساتھ دمشق بھیج دیا جائے۔ سلطان ایوبی انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ان کی وفاداری ابھی مشکوک تھی۔ اس قلعے میں اسلحہ اور رسد کا خاصا ذخیرہ تھا۔ وہاں شراب بھی تھی اور دو ناچنے والیاں بھی۔ شراب باہر انڈیل دی گئی اور ناچنے والیوں کو بھی ان کے آدمیوں کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان ایوبی نے حمص کے قلعے کو دوسرا اڈہ بنا لیا اور حماۃ کے قلعہ کا ایک دستہ وہاں لگا دیا۔

اگلا قلعہ حلب کا تھا جو حلب شہر سے ذرا ہی دور تھا وہاں بھی وہی ہوا جو حمص میں ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کا حملہ ناگہانی تھا۔ اس نے قلعے والوں کو بے خبری میں جالیا تھا۔ اس کے سپاہیوں کا مورال دو قلعے سر کو لینے سے اور زیادہ مضبوط ہو گیا تھا۔ انہوں نے حلب کا قلعہ بھی سر کر لیا اور اس کے دستوں کو کمانڈروں سمیت دمشق بھیج دیا گیا مگر اس مرحلے پر آ کر راز داری ختم ہو گئی۔ ہتھیار ڈالنے والے سپاہیوں میں سے کوئی فرار ہو گیا یا کسی اور نے حلب اطلاع دے دی کہ سلطان ایوبی نے حماۃ، حمص اور حلب کے قلعے لے لیے ہیں اور وہ حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سلطان ایوبی کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا راز داری والا حربہ بیکار ہو چکا ہے۔ اس نے پیش قدمی کی رفتار بھی ختم کر دی جس کی وجہ یہ تھی کہ جو دستے حمص اور حلب کے قلعوں کو محاصرے میں لے کر راتوں کو لڑے تھے، انہیں آرام کے لیے پیچھے بھیجنا اور ان کی جگہ تازہ دم دستے آگے لانا ضروری تھا۔ اسے اب فوج کو بدلی ہوئی ترتیب میں آگے بڑھانا تھا، کیونکہ حلب شہر کی لڑائی قلعے کے محاصرے سے مختلف تھی۔ نئی ترتیب میں بھی کچھ وقت لگ گیا۔ سلطان ایوبی بہت محتاط تھا کیونکہ اصل لڑائی تو اب آ رہی تھی اور صلیبی فوج کے آنے کا امکان بھی تھا۔

☆

حلب اطلاع جلدی پہنچ گئی تھی۔ صلیبی مشیر وہاں موجود تھے۔ پہلے تو وہ اس پر حیران ہوئے کہ سلطان ایوبی نے سردیوں میں حملہ کیا ہے۔ پھر وہ خوش ہوئے کہ اس کی فوج صحرائی جنگوں کی عادی ہے۔ وہ ان چٹانی علاقوں میں لڑ نہیں سکے گی۔ انہیں یہ احساس تھا کہ حلب کی فوج بھی اس علاقے میں نہیں لڑ سکے گی۔ انہوں نے دو ترکیبیں سوچیں۔ ایک یہ کہ سلطان ایوبی کو اپنی پسند کے میدان میں لڑائیں اور دوسری یہ کہ یہاں صلیبیوں کی وہ فوج لائی جائے جو یورپ سے آئی ہے۔ ریمانڈ کی فوج میں ایسے سپاہیوں کی اکثریت تھی۔ چنانچہ فوری طور پر ریمانڈ کو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے اطلاع بھیج دی گئی کہ سلطان ایوبی حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اسے عقب سے گھیرے میں لیا جائے۔

وقت حاصل کرنے کے انہوں نے یہ انتظام کیا کہ سلطان ایوبی کو حلب کے محاصرے میں زیادہ سے زیادہ دیر تک الجھائے رکھا جائے تا کہ ریمانڈ کو اپنی فوج لانے کے لیے وقت مل جائے۔ صلیبی مشیروں نے راز داری پر پوری توجہ دی۔ انہیں معلوم تھا کہ شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوس موجود ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ فوراً اعلان کر دیا گیا کہ شہر سے باہر کوئی نکلے گا تو اسے خبردار کیے بغیر تیر مار دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی مسجدوں میں اعلان کیا گیا کہ سلطان ایوبی جنگی طاقت اور بادشاہی کے نشے میں حملہ آور ہوا ہے۔ صلیبی ذہنی تخریب کاری کے ماہر تھے۔ انہوں نے پروپیگنڈے کی نئی مہم چلا دی۔ گھر گھر، گلی گلی، مسجد مسجد اس قسم کی افواہیں پھیلا دیں کہ سلطان ایوبی کی فوج جس شہر کو فتح کرتی ہے، وہاں کی تمام لڑکیوں کو جمع کر کے آبروریزی کرتی ہے۔ شہر کو لوٹ کر آگ لگا دیتی ہے اور یہ بھی کہ سلطان ایوبی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور وہ نیا مذہب لا رہا ہے جو کفر ہے، ایسی بہت سی افواہیں پھیلائی گئیں۔ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا عمل تو چھ مہینوں سے جاری تھا۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کے خلاف جنگی جنون پیدا کر دیا گیا تھا۔ آخر کار ان تازہ افواہوں نے لوگوں کو آگ بگولا کر دیا اور وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔

شہر کی ناکہ بندی نے سلطان ایوبی کے جاسوسوں کو بیکار کر دیا۔ انہوں نے شہر کے باشندوں میں جو قہر اور غضب دیکھا، اس کے سامنے وہ بھی بے بس ہو گئے۔ ایک جاسوس شہر سے نکلنے کی کوشش میں مارا گیا۔ وہ سلطان ایوبی کو اطلاع دینا چاہتا تھا کہ شہر کی کیفیت کیا ہے اور وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر نہ آئے۔ جاسوس نے سرپٹ گھوڑا بھگایا مگر دو تیروں نے اسے گرا دیا۔ جاسوسوں کے کمانڈر نے (جو عالم کے بہروپ میں تھا) شہریوں میں صلیبی پروپیگنڈے کے خلاف مہم چلائی

مگر اس کے آدمیوں نے جہاں بھی بات کی، منہ کی کھائی۔

الصالح نے صلیبی مشیروں کے مشورے پر والئی موصل سیف الدین کو بھی اطلاع بھیج دی کہ مدد کے لیے آئے۔ حسن بن صباح کے فدائیوں کے پیرومرشد شیخ سنان کو اطلاع بھیج گئی کہ وہ جو اُجرت مانگے گا، اُسے دی جائے گی۔ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرا دے، خواہ اُس کے کتنے ہی آدمی کیوں نہ مارے جائیں۔ شیخ سنان کا ایک حملہ ناکام ہو چکا تھا جو اُس نے سلطان ایوبی کے ایک محافظ پر نشہ طاری کر کے اس سے کرایا تھا۔ اب اس نے ان فدائیوں کو بلایا جو زندگی اور موت کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ وہ برائے نام انسان تھے، مر جانا اور کسی کو مار دینا اُن کے لیے کوئی مطلب نہیں رکھتا تھا۔ ان میں مفرور قاتل بھی تھے۔ شیخ سنان نے انہیں کہا کہ انہیں منہ مانگی اُجرت ملے گی وہ سلطان ایوبی کو قتل کر دیں۔ ان میں سے نو آدمی تیار ہو گئے الصالح کے حامیوں میں سب سے زیادہ کینہ پرور اور شیطان فطرت آدمی گمشتگین تھا جسے گورنر کا درجہ حاصل تھا۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کے خلاف تھا مگر وہ دوست کسی کا بھی نہیں تھا۔ الصالح کو خوش کرنے کے لیے اس نے اس کی حمایت کی اور صلیبیوں کے ساتھ دوستی کا اظہار اس طرح کیا کہ اس کے قلعے میں بہت سے صلیبی جنگی قیدی تھے، ان سب کو رہا کر دیا اب حلب کی اس اطلاع پر کہ سلطان ایوبی کی فوج آ گئی ہے، اس نے اپنی فوج بھیج دی اور خود بھی لڑنے کا وعدہ کیا۔

یہ ایک طوفان تھا جو سلطان ایوبی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے زیادہ دشمنوں کے مقابلے میں اس کی نفری تھوڑی تھی اور اب اُس کے جاسوس بے کار ہو جانے کی وجہ سے اسے پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ دشمن کے کیمپ میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ حلب والوں کو بے خبری میں جا لے گا۔ تاہم وہ معمولی قسم کا جنگجو نہیں تھا۔ اس نے عقب اور پہلوؤں کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس نے کم سے کم تعداد سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے دیکھ بھال کے دستے آگے چلے گئے۔ آگے علاقہ چٹانی، پتھریلا اور نشیب و فراز کا تھا اور راستے میں ایک درمیانہ سا دریا بھی تھا۔

☆

جنوری ۱۱۷۵ء کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ سردی اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے فوج کی ایک چوتھائی نفری حملے کے لیے منتخب کی۔ محفوظہ میں اس نے زیادہ دستے رکھے۔ اس نے جب پیش قدمی کی تو دیکھ بھال کرنے والے دستوں نے اطلاع دی کہ دریا کے اُس طرف ایک وسیع و عریض نشیب ہے، وہاں دشمن کی فوج تیاری کی حالت میں موجود ہے۔ یہی وہ مقام تھا، جہاں سے دریا عبور کیا جا سکتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں دریا میں پانی گہرا نہیں تھا۔ اس مقام پر پاٹ پھیل جانے سے پانی اور بھی کم تھا۔ گھوڑے اور انسان آسانی سے گزر سکتے تھے۔ یہیں دشمن نے اپنی فوج پھیلا رکھی تھی سلطان ایوبی کو بتایا گیا کہ رات کو اس فوج کے چند ایک سنتری بیدار ہوتے ہیں اور دن کے دوران گشتی پارٹیاں ہر طرف گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔

اس اطلاع سے شک ہوا کہ حلب والوں کو اُس کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ انہیں بے خبری میں نہیں لے سکے گا۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے اس مقام سے دور کے علاقے میں اپنے آدمی بھیجے تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ دریا کسی اور جگہ سے عبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ نشیب میں دشمن کی فوج کو دھوکہ دے کہ حملہ اور پیش قدمی اسی طرف سے ہو گی۔ اُس نے اسی رات چھاپہ مار روانہ کر دیئے۔ اس کا اپنا ہیڈ کوارٹر وہاں سے پانچ چھ میل دور تھا۔ دریا کے کنارے دشمن کی جو فوج تھی وہ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ اتنی یخ راتوں کو حملہ نہیں ہو سکتا۔

نصف شب کے قریب سپاہی خیموں میں دبکے پڑے تھے۔ کمانڈر بے خبر سو رہے تھے۔ صرف سنتری جاگ

رہے تھے۔ایک سنتری سردی میں ٹھٹھرا کھڑا تھا۔ پیچھے سے کسی نے اس کی گردن دبوچ لی، کسی اور نے اسے اُٹھایا۔ یہ سلطان ایوبی کے دو چھاپہ مار تھے، وہ سنتری کو اُٹھا کر لے آئے اوراس سے پوچھا کہ گھوڑے کہاں بندھے ہوئے ہیں۔اس کے سینے پر دو تلواروں کی نوکیں رکھی ہوئی تھیں۔سنتری کو معلوم تھا کہ یہ سلطان ایوبی کے سپاہی ہیں۔اس نے ان سے التجا کی کہ میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں۔ یہ بادشاہوں کے جھگڑے ہیں، ہم ایک دوسرے کا خون کیوں بہائیں۔اس نے بتایا کہ گھوڑے ایک جگہ نہیں بندھے ہوئے۔ چونکہ فوج تیاری کی حالت میں ہے۔اس لیے گھوڑے، سواروں کے خیمے کے ساتھ دو دو تین تین کر کے بندھے ہوئے ہیں۔ چھاپہ مار اُسے اس کے کیمپ کے قریب لے گئے اور پوچھا کہ دستوں کے کمانڈر کہاں کہاں ہیں۔اس نے اندازہ کر کے ان خیموں کی سمتیں بتادیں۔

اُسے ساتھ ہی پیچھے لے آئے اور اُسے کہا کہ یہاں کھڑے رہو اور تماشہ دیکھو، وہاں چھوٹے سائز کی ایک منجنیق رکھی تھی۔اس میں چھاپہ ماروں نے ایک ہانڈی سی رکھی۔ چار آدمیوں نے اُسے پیچھے کھینچا اور چھوڑ دیا۔ ہانڈی غلیلے کی طرح اُڑ گئی۔دوسری ہانڈی کسی اور طرف پھینکی گئی پھر دو اور پھینکی گئیں۔ یہ سب دشمن کے کیمپ میں گریں۔سنتریوں نے ''کون ہے،کون ہے'' کی صدائیں لگائیں۔کہیں سے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر آئے جو زمین پر لگے۔ ہانڈیاں وہیں گر کر ٹوٹی تھیں۔اُن کے اندر سے سیال مادہ نکل کر بکھر گیا تھا۔ یہ آتش گیر تھا۔تیروں کے فلیتوں نے اُسے آگ لگادی۔دو خیموں کو بھی آگ لگ گئی۔زمین شعلے اُگل رہی تھی۔کیمپ میں بھگدڑ مچ گئی۔گھوڑے رسیاں تڑانے لگے۔سپاہی اُٹھ کر اِدھر اُدھر دوڑے تو چھاپہ ماروں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔یہ خیمہ گاہ ایک میل سے زیادہ لمبے چوڑے علاقے میں تھی۔پیشتر اس کے کمانڈر جوابی کارروائی کرتے چھاپہ مار تباہی مچا کر غائب ہو چکے تھے۔

سحر ابھی نیم تاریک تھی۔کیمپ کی حالت خاصی بُری تھی۔آگ نے بھی نقصان کیا تھا،لیکن چھاپہ ماروں کے تیروں سے اور بدکے ہوئے گھوڑوں تلے آکر بہت سے سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔سحر تک انہیں اُٹھاتے اور سنبھالتے رہے۔اچانک ایک طرف سے کسی نے چلا کر کہا...... ''ہوشیار،ہوشیار''...... ایک بار پھر قیامت آگئی،مگر اب کے چھاپہ مار نہیں تھے۔یہ سلطان ایوبی کے ایک دستے کا باقاعدہ حملہ تھا۔دشمن اس جگہ ہر لحہ تیاری کی حالت میں رہتا تھا،لیکن رات کو چھاپہ مار اُس کی حالت ایسی بدل آئے تھے کہ تیاری ختم ہوگئی تھی۔دشمن کے سپاہیوں نے جم کر لڑنے کی بہت کوشش کی دشمن اُن کے پاؤں جم نہ سکے۔سلطان ایوبی ان کا دم خم پہلے ہی ختم کرا چکا تھا،پھر بھی دونوں فریقوں کا خاصا نقصان ہوا۔دشمن کے سپاہی پسپا ہونے لگے۔کمانڈروں نے انہیں بہت للکارا مگر دوسری طرف کی للکار اُن کے لڑنے کے جذبے کو تباہ کر رہی تھی۔سلطان ایوبی کے سپاہی اُن پر چلا رہے تھے...... ''تم کافروں کے دوست ہو،خدا ہمارے ساتھ ہے۔اپنا حشر دیکھو،تم پر خدا کا قہر نازل ہورہا ہے''۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے نہایت معمولی سے سپاہی کے ذہن میں بھی اُتار دیا تھا کہ تم حق پر ہو اور کفار کے دوست مرتد ہیں۔اس کے مقابلے میں خلیفہ کی فوج کے پاس ایسا کوئی مقصد اور کوئی نعرہ نہیں تھا۔

دشمن کے سپاہی بکھر گئے۔ بہت سے پسپا ہو کر دریا پار کر گئے اور کچھ اِدھر اُدھر وادیوں اور نشیبی جگہوں میں جا چھپے۔سلطان ایوبی نے حملہ آور دستے کے کمانڈر کو حکم دے رکھا تھا کہ دشمن کی پسپائی کی صورت میں اپنا کوئی دستہ جیش یا کوئی سپاہی دریا پار نہ کرے۔اس نے اس کیمپ پر حملہ کر کے دراصل دشمن کو دھوکہ دیا تھا۔وہ تعاقب نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ آگے اصل جائزے اور مشاہدے کے بغیر کبھی پیش قدمی نہیں کرتا تھا۔وہ دریا کہیں دُور سے پار کرنا چاہتا تھا،لیکن دشمن نے

یہیں سے اُسے راستہ دے دیا تو اس نے یہیں سے دریا پار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ خود آگے گیا۔ اس کے سپاہی اِدھر اُدھر چھپے ہوئے دشمن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ختم کر رہے تھے۔ ہتھیار ڈالنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس نے ایک بلند چٹان پر جاکر میدانِ جنگ کا منظر دیکھا تو خوشی کی بجائے اس کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔

''یہ نظارہ دیکھ کر خدا بھی رو رہا ہوگا''۔ سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے نائبین سے کہا..... ''دونوں طرف کس کا خون بہہ گیا ہے؟..... مسلمان کا۔ یہ ہے اسلام کے زوال کی نشانی۔ اگر مسلمان ہوش میں نہ آئے تو کفار انہیں اسی طرح لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔ میرے رفیقو! مجھے کوئی یقین دلا دے کہ میں حق پر نہیں تو میں اپنی تلوار الصالح کے قدموں میں رکھ دوں گا''۔

''آپ حق پر ہیں، سلطانِ محترم!'' کسی نے کہا..... ''ہم حق پر ہیں۔ دل سے اب وسوسے نکال دیں''۔

حلب شہر میں ہر آدمی آگ کا شعلہ بنا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کے دستے دریا پار کر گئے تھے۔ حلب سامنے نظر آرہا تھا۔ سلطان ایوبی نے شہر کو دیکھا۔ اس کی وسعت، ساخت اور دفاعی انتظامات دیکھے اور جائزہ لیا کہ محاصرہ کیا جائے یا سیدھا حملہ کر کے شہر کے اندر لڑا جائے۔ اُسے ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ شہر کے اندر کی جذباتی کیفیت کیا ہے۔ اُسے توقع تھی کہ شہری چونکہ مسلمان ہیں، اس لیے وہ دونوں مسلمان فوجوں کی جنگ کے خلاف ہوں گے۔ غالباً اسی توقع نے اُس سے وہ کارروائی کرائی جس نے اُسے پریشان کر دیا۔ اس نے نفری سے نیم محاصرے کی ترتیب میں اپنے دستے آگے بڑھائے۔ لڑائی کی ابتدا تیروں کے تبادلے سے ہوئی، لیکن کچھ ہی دیر بعد اس نے محسوس کیا جیسے اس کے دستے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ حلب کے دفاع میں لڑنے والوں کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف سے کم وبیش دو سو گھوڑ سوار نکلے۔ انہوں نے سلطان ایوبی کے ایک دستے کے ایک پہلو پر حملہ کر دیا۔ یہ بڑا ہی تیز اور دلیرانہ حملہ تھا جو پیادہ دستے پر کیا گیا تھا۔

اُس کے سواروں نے جوابی ہلہ بول کر اپنے پیادہ دستے کو بچانے کی نہایت اچھی کوشش کی لیکن گھوڑوں کے تصادم میں اپنے ہی پیادے کچلے گئے۔ پھر یوں ہونے لگا کہ شہر سے ایک جیش پیادہ یا سوار نکلتا۔ ان کے پیچھے سے شہر کی منڈیروں اور بلند جگہوں سے تیروں کی بوچھاڑیں آتیں اور حملہ کرنے والے جیش سلطان ایوبی کی صفوں میں گھس جاتے۔

حلب کا یہ معرکہ بڑا ہی خون ریز تھا۔

اس کیفیت میں سلطان ایوبی کے دو تین جاسوس باہر نکل آئے اور سلطان ایوبی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُس تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ شہریوں کو کس طرح اس کے خلاف بھڑکایا گیا ہے اور شہر کے دفاع میں لڑنے والے اتنے فوجی نہیں جتنے شہری ہیں۔ سلطان ایوبی کو یہ تو پہلے ہی معلوم تھا کہ حلب کے باشندوں پر اس کے خلاف جنگی جنون طاری کیا جا رہا ہے، لیکن اُسے اندازہ نہیں تھا کہ شہری اس پاگل پن سے لڑیں گے۔ وہ اُن کی دلیری پر عش عش کر اُٹھا، لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنے لگا ''یہ ہے مسلمان کی شان، ان کا عسکری جذبہ دیکھو، کفار مسلمان کے اسی جذبے کو ختم کر رہے ہیں''۔

سلطان ایوبی نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ اُس کے کسی نائب نے مشورہ دیا کہ شہر پر منجنیقوں سے آگ پھینکی جائے۔ سلطان ایوبی نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ شہریوں کے گھر تباہ ہو جائیں گے۔ ان کی عورتیں اور بچے مارے جائیں گے۔ اسی لیے میں نے تباہ کار چھاپہ ماروں کو نہیں بھیجا۔ اگر یہ شہر صلیبیوں کا ہوتا تو اب تک شعلوں کی لپیٹ میں اور میرے چھاپہ ماروں کی زد میں ہوتا جو مسلمان میدانِ جنگ میں آکر لڑتے اور مرتے ہیں انہیں میں روک نہیں سکتا اور جو گھروں میں بیٹھے ہیں، انہیں مارنا نہیں چاہتا۔ اُس نے چند اور دستے آگے بلا کر شہر کو مکمل محاصرے میں

لے لیا اور حکم دیا کہ دفاع میں لڑا جائے۔ حملہ ہو تو روکا جائے، حملہ نہ کیا جائے اور محاصرہ مضبوط رکھا جائے۔ نفری کی بھی کمی تھی اور شہر کو تباہی سے بچانے کا خیال بھی تھا۔

جنوری ۱۱۷۵ء کا پورا مہینہ محاصرہ جاری رہا۔ حلب کی فوج اور شہریوں نے محاصرہ توڑنے کے لیے حملے کیے، لیکن اب وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ سلطان ایوبی نے اپنے دستوں کی ترتیب اور سکیم بدل دی تھی۔ یکم فروری ۱۱۷۵ء کی صبح سلطان کو اطلاع ملی کہ ترپیولی کا صلیبی حکمران ریمانڈ حماۃ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اُسے ریمانڈ کی فوج کی نفری (پیادہ اور سوار) کی اطلاع بھی دی گئی۔ سلطان ایوبی کو پہلے ہی توقع تھی کہ یہ صورت بھی پیدا ہوگی۔ اس کے لیے وہ تیار تھا۔ اس نے اس کے لیے دستے محفوظ رکھے ہوئے تھے اور ایسی جگہ رکھے ہوئے تھے جہاں سے وہ ریمانڈ کے استقبال کے لیے بروقت پہنچ سکتے تھے۔ اس نے یہ اطلاع ملتے ہی اپنے قاصد کو اس پیغام کے ساتھ اُن دستوں کی طرف دوڑایا کہ جس قدر جلدی ہو سکے الرستان کے علاقے میں پہنچ کر بلندیوں پر تیرانداز بٹھا دو۔ سوار دستے پیچھے رکھو۔ میں آ رہا ہوں۔ اگر صلیبی فوج مجھ سے پہلے آ جائے تو سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ گھات لگانا اور شب خون مارنا۔

الرستان ایک پہاڑی سلسلے کا نام تھا۔ ریمانڈ کو اس میں سے گزر کر آنا تھا۔ ریمانڈ کی پیش قدمی کا راستہ اس کے پلان کے مطابق موزوں تھا۔ وہ حماۃ تک پہنچ کر سلطان ایوبی کے عقب کے لیے اور رسد وغیرہ کے راستوں کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ پھر صورت یہ ہو جاتی کہ سلطان ایوبی حلب کی فوج اور ریمانڈ کی فوج (جو یقیناً برتر اور زیادہ تھی) کے درمیان پس جاتا۔ اُس نے دوسرا قدم یہ کیا کہ حلب کا محاصرہ اُٹھا دیا اور اس نے ان دستوں کو کسی اور سمت روانہ کر دیا۔ خود الرستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں کی چوٹیوں پر برف پڑی ہوئی تھی۔ ریمانڈ خوش تھا کہ اس موسم میں سلطان ایوبی کے صحرائی سپاہی اس کے یورپی اور اسی علاقے کے رہنے والے عیسائی سپاہیوں سے نہیں لڑ سکیں گے، مگر وہ آگے آیا تو برف پوش پہاڑی سلسلہ کوہ سے اُس پر تیر برسنے لگے۔ یہ اُس کے لیے بلائے ناگہانی تھی۔

اس نے لڑے بغیر اپنی فوج پیچھے ہٹا لی۔ اسے ہر جگہ گھات کا خطرہ تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے لڑنے کے انداز سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُس نے بہت پیچھے ہٹ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ وہ اپنے راستے پر نظر ثانی کرنا چاہتا تھا۔ موسم بگڑ گیا۔ بارشیں شروع ہو گئیں۔ سات آٹھ دنوں میں گھوڑوں کا خشک چارہ ختم ہو گیا۔ اناج کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے رسد کا انتظام نہایت اچھا رکھا تھا۔ وہاں تک اُسے باقاعدگی سے رسد پہنچ رہی تھی، مگر کئی دن پیچھے سے نہ رسد آئی، نہ کوئی اطلاع۔ اس نے قاصد بھیجا جو واپس آ گیا اور پیغام لایا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔ ریمانڈ بہت حیران ہوا کہ سلطان ایوبی اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گیا؟...... اس نے اپنے دو افسروں کو پیچھے کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔

یہ دو افسر تین چار روز بعد واپس آئے۔ انہوں نے تصدیق کی کہ سلطان ایوبی نے رسد کا راستہ روک لیا ہے اور یہ بھی کہ اس نے حلب کا محاصرہ اُٹھا لیا ہے۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا فرض ادا ہو گیا ہے۔'' ریمانڈ نے کہا..... ''فوج کو واپس ترپیولی لے چلو۔''

☆

یہ اطلاع سلطان ایوبی کے لیے حیران کن تھی کہ ریمانڈ لڑے بغیر واپس کوچ کر گیا ہے۔ ریمانڈ نے واپسی کا جو راستہ اختیار کیا تھا، وہ دشوار گزار تھا لیکن وہ اس راستے سے نہیں جانا چاہتا تھا، جس سے آیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی سے لڑنے کا ارادہ ترک کر چکا تھا۔ یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ لڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ سلطان ایوبی نے اسے ...

کی پوزیشن میں نہیں رہنے دیا تھا، وہ اسی سے گھبرا گیا تھا کہ مسلمان فوج اتنی سردی میں ایسی خوبی سے لڑ رہی ہے جیسے صحرا میں لڑتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی اُس کے عقب میں اور رسد کے راستے میں جا بیٹھا تھا۔ تیسری اور سب سے بڑی وجہ کچھ اور تھی جس کا انکشاف بعد میں ہوا۔ وہ دراصل الصالح اور اُس کے اُمراء کو دھوکہ دے گیا تھا۔ اس نے بے بہا خزانے کی شکل میں اُجرت لے لی تھی۔ اُسے اب لڑنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس کا یہ مقصد (جو صلیبیوں کا بنیادی مقصد تھا) پورا ہو چکا تھا کہ مسلمان آپس میں ٹکرا جائیں۔ صلیبی مسلمان قوم کی فوج کو دو حصوں میں کاٹ چکے تھے اور ان دونوں حصوں میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔

اس کی نیت کا پتا اُس وقت چلا جب تریپولی سے اس کا ایلچی الصالح کے نام یہ پیغام لے کر آیا۔ ''میں نے وعدہ کیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی نے آپ کو محاصرے میں لیا تو میں محاصرہ توڑ دوں گا۔ مجھے جونہی اطلاع ملی کہ صلاح الدین ایوبی نے حملہ کر دیا ہے، میں فوج لے کر آپ کی مدد کو آ گیا۔ صلاح الدین ایوبی نے فوراً حلب کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ میں نے وعدہ پورا کر دیا ہے، لہٰذا ہمارا وہ فوجی معاہدہ ختم ہو گیا ہے جس کے تحت آپ نے مجھے سونا وغیرہ بھیجا تھا اور اس کے عوض میں نے آپ کو محاصرے سے بچایا۔ میرے فوجی نمائندے اور مشیروں کو فوراً واپس بھیج دیا جائے''۔

حلب والے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ صلیبی انہیں ڈنک مار گئے تھے۔ دو موَرخوں نے لکھا ہے کہ ریمانڈ کو یہ خطرہ بھی نظر آنے لگا تھا کہ سلطان ایوبی اس کے دارالحکومت تریپولی پر حملہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی راجدھانی کا دفاع مضبوط کرنا شروع کر دیا۔

الصالح ابھی ناتجربہ کار تھا۔ اس کے ایک دو مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ سلطان ایوبی سے صلح کر لے، مگر سیف الدین اور گمشتگین وغیرہ نے اُسے مدد کا یقین دلا کر سمجھوتے اور صلح پر آمادہ نہ ہونے دیا۔ انہیں میں سے کسی نے اُسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی چند روز کا مہمان ہے۔ نو فدائی آ چکے ہیں، وہ مذہبی پیشواؤں اور صوفیوں کے بہروپ میں صلاح الدین ایوبی کے پاس یہ درخواست لے کے جا رہے ہیں کہ وہ آپس میں نہ لڑیں اور صلح کر لیں۔ سلطان ایوبی اُن کے احترام کے لیے انہیں اپنے پاس بٹھائے گا۔ اکیلے اُن کی بات سنے گا اور فدائی اسے نہایت اطمینان سے قتل کر کے نکل جائیں گے۔

انہوں نے الصالح کو یہ خبر سنا کر جھانسہ نہیں دیا تھا کہ جس وقت سلطان ایوبی الرستان کے سلسلۂ کوہ میں بیٹھا اپنے اگلے حملے کا پلان بنا رہا تھا تو پیشہ ور فدائی قاتل یہ سوچ رہے تھے کہ اسے کہاں قتل کیا جائے۔

جب خدا زمین پر اتر آیا

مصر میں جہاں آج اسوان ڈیم ہے، آٹھ سو سال پہلے وہاں ایک خونریز معرکہ لڑا گیا تھا۔ مؤرخوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی اس لڑائی کا ذکر کیا ہی نہیں، اگر کیا ہے تو اتنا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک جرنیل باغی ہو گیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی ڈائری میں اس جرنیل کا نام بھی لکھا ہے۔ نام القنص تھا، جس کا تلفظ القند ہے۔ وہ مصری مسلمان تھا۔ اس کی ماں سوڈانی تھی۔ شاید یہ سوڈانی خون تھا جس نے اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔ اس دور کے وقائع نگاروں اور کاتبوں کی جو غیر مطبوعہ تحریریں ملی ہیں، ان سے اس بغاوت کا پس منظر خاصی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔

یہ ۱۱۷۴ء کے آخر اور ۱۱۷۵ء کے اوائل کا عرصہ تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ اس سے پہلے پوری تفصیل سے سنایا جا چکا ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی وفات کے فوراً بعد شام کے حالات اس صورت میں بگڑ گئے تھے کہ مفاد پرست امراء نے زنگی مرحوم کے گیارہ سالہ بیٹے کو سلطنت کی گدی پر بٹھا دیا اور صلیبیوں سے گٹھ جوڑ کر کے خود مختاری کے راستے پر چل پڑے تھے۔ سلطنت اسلامیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر صلیبیوں کے پیٹ میں جا رہی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق پہنچا۔ تھوڑی سی معرکہ آرائی اور دمشق کے شہریوں کے تعاون سے اس نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ اور اس کے حواری امراء اور جرنیل حلب کو بھاگ گئے جہاں انہوں نے صلیبیوں سے جنگی مدد حاصل کی۔ صلیبیوں نے دھوکا جھانسہ دے کر مسلمان فوج کو مسلمان فوج سے ٹکرا دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حمص اور حماۃ کے قلعے سر کر لیے۔ حلب کے محاصرے میں اسے غیر متوقع مزاحمت کا سامنا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ نے حملہ کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو حلب کا محاصرہ اٹھا کر پیچھے آنا پڑا تا کہ صلیبی فوج کو راستے میں روکا جا سکے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے دستوں کی برق رفتاری نے اس کی چال کو کامیاب کیا اور ریمانڈ لڑائی سے منہ پھیر گیا۔ مگر یہاں لڑائی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اصل جنگ تو یہیں سے شروع ہوئی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی الرستان سلسلۂ کوہ میں اپنی فوج کو پھیلائے ہوئے تھا۔ اس کا مقابلہ تین دشمنوں کے ساتھ تھا۔ ایک الصالح اور اس کے حواری امراء کی فوج تھی، دوسرے صلیبی فوج اور تیسرا موسم۔ یہ جنوری فروری ۱۱۷۵ء کے دن تھے جب پہاڑیوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یخ جھکڑ چلتے تھے اور وادیاں ٹھٹھر رہی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں اس طرح الجھ گیا تھا جیسے زنجیروں میں جکڑا گیا ہو۔

مصر کے متعلق وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہاں کی فوج کی کمان وہ اپنے بھائی العادل کے سپرد کر آیا تھا۔ اس فوج میں سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے کمک بھی منگوا لی تھی۔ مصر پر سمندر کی طرف سے صلیبیوں کا اور جنوب سے سوڈانیوں کے حملے کا خطرہ تو تھا لیکن زیادہ خطرہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کی زمین دوز تخریب کاری کا تھا جو مصر میں جاری تھی۔ دشمن کی

جاسوسی اور تخریب کاری کو بہت حد تک دبایا جا چکا تھا مگر یہ کہنا غلط تھا کہ دشمن اس زمین دوز میدان سے بھاگ گیا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہی خطروں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی انٹیلی جنس کے ماہر سربراہ علی بن سفیان کو قاہرہ میں رہنے دیا تھا۔ اس نے العادل کو بھی اس ضمن میں بہت سی ہدایات دے دی تھیں، مگر جو جگہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری سے خالی ہوگئی تھی۔ اسے العادل اور علی بن سفیان مل کر بھی پر نہیں کر سکتے تھے۔

مصر کی سرحدوں اور ساحل کی دیکھ بھال کے لیے سرحدی دستوں کی چوکیاں اور ان کے پہرے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے العادل کے متعلق یہ حکم دے دیا تھا کہ سوڈانی سرحد پر ذرا سی بھی گڑبڑ کریں تو شدید جنگی نوعیت کی جوابی کارروائی کرو اور سوڈان کے اندر جا کر لڑو...... مگر ایک ضرورت ایسی تھی جس کی طرف کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ یہ تھی سرحدی دستوں کی بدلی۔ ان دستوں میں بیشتر سپاہی اور بعض کمانڈر ایسے تھے جو دو سال سے زیادہ عرصہ سے سرحدی ڈیوٹی پر تھے۔ یہ وہ سپاہی تھے جنہوں نے دشمن سے معرکے لڑے تھے، لہٰذا ان کے دلوں میں دشمن کیخلاف نفرت بھری ہوئی تھی۔ سوڈانیوں کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ ان سے پہلے جو دستے سرحد پر تھے وہ اچھے ثابت نہیں ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں مصر کی منڈی سے اناج اور دیگر ضروری اشیاء سمگل ہو کر سوڈان چلی جاتی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے محاذ سے واپس آ کر ان دستوں کو بدل دیا اور وہ دستے بھیجے تھے جو محاذ سے آئے تھے۔ ان دستوں نے سرحد پر پہنچ کر ادھم بپا کر دیا تھا۔ گشتی پہرے والوں کو کوئی چیز ہلتی نظر آتی تھی تو اسے جا دبوچتے تھے۔ وہ تیز رفتار تھے اور ان کی نظریں عقابی تھیں۔ انہوں نے سرحد صحیح معنوں میں سربمہر اور مقفل کر دی تھی۔

یہ دو اڑھائی سال پہلے کی بات تھی۔ ابتداء میں ان دستوں میں جوش اور جذبہ تھا اور کرنے کو ایک کام بھی تھا جو ایک مہم تھی۔ وہ جانفشانی سے اس میں مگن رہے۔ چند مہینوں میں ہی انہوں نے یہ مہم سر کر لی اور فارغ ہو گئے۔ یہ فراغت ان کے جذبے کو دیمک کی طرح کھانے لگی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ہر پہلو، ہر گوشے اور ہر عنصر پر نظر رکھتا تھا، لیکن سرحدی دستوں کی بدلی اتنی معمولی سی بات تھی جس پر وہ ذاتی توجہ نہ دے سکا۔ سرحدی دستوں کا شعبہ الگ تھا جس کا کمانڈر سالار (جرنیل) کے عہدے کا ایک فرد تھا اور یہ القند تھا۔ یہ اس کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ سال میں تین بار نہیں تو دو بار سرحدی دستوں کی بدلی کرتا رہتا۔ اس نے یہ بے حد ضروری کارروائی نہ کی۔ اس کوتاہی کے اثرات سامنے آنے لگے۔

سپاہی ایک ہی قسم کے ماحول اور فضا میں اور ایک ہی قسم کی زمین پر رہتے اور پہرے دیتے اکتاہٹ محسوس کرنے لگے۔ سوڈان خاموش تھا۔ سمگلنگ بند ہو چکی تھی۔ فراغت اور کاہلی سپاہیوں کی نفسیات پر تخریبی اثرات ڈال رہی تھی۔ ان کے لیے کام بھی نہیں تھا اور ان کے لیے تفریح بھی کوئی نہیں تھی۔ موسم میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ ریت کا سمندر اور ریت کے ٹیلے ایک ہی جیسے تھے جیسے صدیوں سے چلے آ رہے تھے۔ آسمان کا رنگ ایک ہی جیسا رہتا تھا۔ اس کیفیت اور سپاہیوں کی اکتاہٹ کا پہلا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ وہ گشتی پہرے پر جاتے تو راہ جاتے مسافروں سے یہ پوچھنے کی بجائے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں اور ان کے پاس کیا ہے، وہ انہیں روک کر ان سے گپ شپ لگاتے اور ان سے اِدھر اُدھر کی باتیں پوچھتے۔ یہ دل بہلانے کا ایک ذریعہ تھا۔

جن چوکیوں کی ذمہ داری کے علاقے میں کوئی گاؤں تھا سپاہی وہاں چلے جاتے اور گپ بازی سے دل بہلاتے۔ سرحد کے رکھوالوں کا یہ انداز ملک کے لیے خطرناک تھا۔ مگر وہ سپاہی تھے اور اکتائے ہوئے بھی تھے۔ انسانی فطرت کا تقاضہ تھا کہ وہ نہیں نہ کہیں سے تسکین حاصل کرتے۔ وہاں آتے جاتے مسافر تھے، رات بھر کے لیے پڑاؤ کر

والے قافلے تھے یا کہیں کوئی آباد گاؤں تھا۔ وہ ہر کسی کے ساتھ گھل مل گئے۔ مصر کے سرحدی لوگوں پر ان کا جو ڈر تھا وہ دور ہو گیا۔ ان کے کمانڈر بھی سپاہیوں جیسے ہی انسان تھے۔ وہ بھی وقت گزارنے کے اور تفریح کے ذرائع ڈھونڈنے لگے تھے۔

☆

جب سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق کے لیے روانہ ہونے لگا تو اتنی عجلت میں تھا کہ سرحدوں کے متعلق تمام تر ہدایات دینے کے باوجود اس کے ذہن میں یہ نہ آئی کہ پرانے دستوں کی بدلی کے احکام بھی دے دیتا۔ اسے غالباً اطمینان ہو گا کہ ان کا کمانڈر، القند، تمام تر ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جانے کے بعد العادل نے فوجوں کی کمان لی تو اس نے القند سے پوچھا کہ سرحد پر جو دستے ہیں وہ کب سے اس ڈیوٹی پر ہیں۔ القند نے جواب دیا کہ وہ بہت عرصے سے وہیں ہیں۔

''کیا سرحد پر مزید دستے بھیجنے کی ضرورت ہے؟'' العادل نے پوچھا...... ''اور کیا پرانے دستوں کو قاہرہ بلا کر نئے دستے بھیجنے کی ضرورت ہے؟''

''نہیں۔'' القند نے جواب دیا...... ''یہی وہ دستے ہیں جنہوں نے ملک سے اناج، مویشی اور ہتھیار وغیرہ کے چوری چھپے باہر جانے کو روکا تھا۔ وہ اب سرحد اور ارد گرد کے علاقوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ اب دور سے مشتبہ انسان کی بو سونگھ کر اسے پکڑ لیتے ہیں۔ ان کی جگہ اگر نئے دستے بھیجے گئے تو پرانے دستوں جیسا تجربہ حاصل کرتے انہیں ایک سال سے زیادہ عرصہ چاہیے۔ ہمیں ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔''

العادل اس جواب سے مطمئن ہو گیا تھا۔ اسے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ یہی القند رات کو اپنے گھر میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔ ''یہ سرحدی دستے بیکار ہو چکے ہیں۔ میری یہ کوشش کامیاب ہے کہ میں نے ان کی بدلی نہیں ہونے دی۔ انہوں نے سرحد کے لوگوں کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ ان کے پیٹ تو بھرے رہتے ہیں، کھانے پینے کی انہیں کوئی شکایت نہیں، میں ان کے لیے ضرورت سے زیادہ خوراک بھیجتا ہوں لیکن ان کی حالت بھوکے بھیڑیوں کی سی ہو گئی ہے۔ کوئی قافلہ گزرتا ہے تو وہ قافلے والوں کی عورتوں کو منہ کھول کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اب ہم اپنا کام کر سکتے ہیں۔''

وہ جس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا وہ کوئی سوڈانی تھا جو اس کے ہاں مہمان کے روپ میں آیا ہوا تھا۔ وہ سوڈان سے اس کے لیے تحفے لایا تھا اور ان تحفوں کے ساتھ ایک پیغام بھی تھا۔ اس نے القند کو بتایا تھا کہ سوڈانی تیار ہیں مگر نفری ابھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی۔ یہ آدمی پیغام لے کر آیا تھا کہ اس نفری کو کسی طرح مصر میں داخل کر کے چھپا لیا جائے۔ اس کے لیے پہلی مشکل یہ تھی کہ انہیں سرحد پار کس طرح کرائی جائے۔ اسی کے جواب میں القند نے کہا تھا کہ مصر کے سرحدی دستے بیکار ہو چکے ہیں...... القند ان چند ایک سالاروں میں سے تھا جن پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھروسہ تھا۔ القند نے کبھی شک بھی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ مصر کی امارت کا وفادار نہیں۔ علی بن سفیان تک کو اس نے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کا یہ کارنامہ کہ اس نے دو اڑھائی سال پہلے سمگلنگ روک دی اور سرحدیں سربمہر کر دی تھیں۔ اسے بہت فائدہ دے رہا تھا۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ وہ سرحدوں کا بھیدی بن چکا ہے۔

اب سلطان صلاح الدین ایوبی مصر سے چلا گیا تو القند نے العادل کو یقین دلا دیا کہ وہ سوڈان کی طرف سے بے فکر ہو جائے۔ سوڈان کا کوئی پرندہ بھی مصر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی یقین وہ علی بن سفیان کو بھی دلاتا رہا اور سوڈان میں حبشیوں

کی ایک فوج مصر پر اس انداز سے حملہ کرنے کے لیے تیار ہوتی رہی کہ حبشی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں مصر میں داخل ہوں گے، چوری چھپے قاہرہ کے قریب جائیں گے۔ اور ایک رات حملہ کر کے رات ہی رات مصر کی امارات کو قبضے میں لے لیں گے۔

☆

دریائے نیل سوڈان سے گزرتا مصر میں داخل ہوتا ہے۔ آگے مصر کے علاقے میں ایک وسیع جھیل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے آگے ایسے علاقے میں داخل ہوتا ہے جو پہاڑی ہے۔ اس سے آگے آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اس کے قریب اسوان ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں اسوان کے گرد و نواح کی جغرافیائی کیفیت کچھ اور تھی۔ دور دور تک چٹانیں اور پہاڑیاں تھیں۔ ان پر فرعونوں کی خصوصی نظر کرم رہی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر بت بنائے تھے۔ ان میں سب سے بڑے بت ابوسمبل کے تھے۔ بعض چٹانوں کی چوٹیاں تراش کر کسی معبد کے گنبد کی شکل کی یا کسی فرعون کا چہرہ بنا دی گئی تھیں۔ پہاڑیوں کے دامن میں غاریں بنائی گئی تھیں جو اندر سے وسیع و عریض تھیں۔ کچھ ایسی تھیں جن کے اندر کمرے، سرنگوں جیسے راستے اور بھول بھلیاں سی بنا دی گئی تھیں۔

کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ فرعونوں نے یہ پر اسراری دنیا کیوں آباد کی تھی۔ یہ بت تراشتے اور غاریں کھود کر اندر کمرے وغیرہ بناتے تین نسلیں ختم ہو گئی ہوں گی۔ فرعون اس دور کے ''خدا'' تھے۔ رعایا کا کام صرف یہ تھا کہ ان کے آگے سجدے کرے اور ان کا ہر حکم بجا لائے۔ یہ پہاڑ اسی مظلوم اور فاقہ کش رعایا سے کٹوائے گئے تھے۔ آج وہاں کوئی بت نہیں، کوئی غار نہیں، کوئی پہاڑ نہیں۔ وہاں اسوان ڈیم کی میل ہا میل وسیع جھیل ہے۔ اس ڈیم کی تعمیر سے پہلے ابوسمبل کے اتنے بڑے بڑے بت جو بجائے خود پہاڑ تھے مشینری سے وہاں سے اٹھائے گئے اور فرعونوں کے دور کی یادگاروں کے طور پر کہیں محفوظ کر لیے گئے ہیں ڈائنامیٹ سے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے زمین بوس کر دیا گیا تھا۔ اگر فرعون انسان کے ہاتھوں پہاڑوں کو یوں اڑاتا اور زمین سے ملتا دیکھتے تو خدائی کے دعوے سے دستبردار ہو جاتے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں اس علاقے کے خدوخال کچھ اور تھے۔ ان پہاڑوں کی وادیوں اور غاروں میں ساری دنیا کی فوج کو چھپایا جا سکتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ذاتی طور پر سرحد کے اس علاقے پر زیادہ توجہ دی تھی جہاں سے دریائے نیل مصر میں داخل ہوتا تھا۔ سوڈانی کشتیوں کے ذریعے مصر میں داخل ہو سکتے تھے۔ اس دریائی راستے پر نظر رکھنے کے لیے ایک چوکی قائم کی گئی تھی جو دریا سے دور تھی۔ چوکی سے دریا نظر نہیں آتا تھا، اور دریا سے چوکی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ فاصلہ دانستہ رکھا گیا تھا تا کہ دریا سے چوری چھپے گزرنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ انہیں دیکھنے اور پکڑنے والا کوئی نہیں۔ دریا پر گشتی پہرے کے ذریعے نظر رکھی جاتی تھی۔ دو گھوڑ سوار ہر وقت گشت پر رہتے تھے اور ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی۔

مصر سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری کے دنوں کا واقعہ ہے کہ دن کے وقت دریا کی دیکھ بھال والی سرحدی چوکی کے دو گھوڑ سوار گشت پر نکلے اور معمول کے مطابق دور تک نکل گئے۔ ایک جگہ دریا کے کنارے سبزہ زار تھا۔ سایہ دار درخت تھے اور یہ جگہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ گشت والے سنتری اس جگہ آ کر آرام کیا کرتے تھے۔ ایک عرصے سے انہوں نے کسی سوڈانی کو دریا سے آتے نہیں دیکھا تھا۔ ابتداء میں انہوں نے بہت سے آدمی پکڑے تھے جن میں بعض تخریب کار اور جاسوس تھے۔ اس کے بعد یہ دریائی راستہ ویران ہو گیا تھا۔ اب سنتری صرف ڈیوٹی پوری کرنے آتے اور چوکی کی نظروں سے اوجھل ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔

ان دو سواروں کا بھی یہی معمول تھا۔ اس معمول سے اب وہ تنگ آ گئے تھے۔ دریا کے کنارے اتنی سرسبز جگہ

بھی انہیں اچھی نہیں لگتی تھی۔ ہر روز دریا کو دیکھ دیکھ کر وہ اس کے حسن سے اکتا گئے تھے۔ یہاں انہیں باہر کی دنیا کی اگر کوئی چیز نظر آتی بھی تھی تو وہ صحرائی لومڑی تھی جو دریا سے پانی پیتی اور سنتریوں کو دیکھ کر بھاگ جاتی تھی، یا ماہی گیروں کی ایک آدھ کشتی نظر آتی تھی۔ وہ ماہی گیروں سے پوچھتے کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ پوچھنا بھی چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد ماہی گیروں نے بھی وہاں جانا چھوڑ دیا تھا...... اس روز وہ سنتری گشت کے علاقے میں گئے تو وہ اکتائی ہوئی سی باتیں کر رہے تھے۔ جن کا لب لباب یہ تھا کہ ان کے ساتھی قاہرہ، سکندریہ اور دوسرے شہروں میں عیش کر رہے ہیں اور وہ اس جنگل بیابان میں بڑے ہیں۔ ان کے لب و لہجے میں احتجاج تھا اور بے اطمینانی بھی۔

وہ اس سرسبز جگہ سے کچھ دور تھے تو انہیں وہاں چار پانچ اونٹ بندھے ہوئے نظر آئے۔ آٹھ دس آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور چار آدمی دریا میں نہا رہے تھے۔ دونوں سوار آگے چلے گئے مگر رک گئے۔ وہ کوئی انسان نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں جس چیز نے حیرت سے زیادہ خوف میں مبتلا کر دیا تھا وہ یہ تھی کہ دریا میں چار آدمی نہیں بلکہ چار جوان لڑکیاں نہا رہی تھیں۔ انہوں نے ستر باریک کپڑوں سے ڈھانپے ہوئے تھے وہ دریا میں اس جگہ ڈبکیاں لگا رہی تھیں جہاں پانی ان کی کمر تک تھا۔ ان کے جسموں کے رنگ مصریوں کی نسبت زیادہ ستھرے اور جاذب تھے۔ وہ قہقہے لگا رہی تھیں۔ گھوڑ سوار یہ سمجھ کر ڈر گئے کہ یہ جل پریاں ہیں یا آسمان سے اتاری ہوئی پریاں یا فرعونوں کی شہزادیوں کی بدروحیں وہ دونوں رُکے رہے اور انہیں دیکھتے رہے۔ انہوں نے وہیں سے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن جو آدمی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔

دو آدمی اٹھ کر ان کی طرف آئے۔ لڑکیوں نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ چاروں دریا سے نکل کر کنارے کی خشک اوٹ میں چلی گئیں۔ گھوڑ سواروں کا خوف ذرا کم ہوا۔ وہ آخر فوجی تھے۔ قریب جا کر انہوں نے ان دو آدمیوں سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں دونوں آدمیوں نے جھک کر سلام کیا۔ وہ صحرائی لباس میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ قاہرہ کے تاجر ہیں بہت سے سرحدی دیہات میں مال فروخت کر کے واپس جا رہے ہیں۔

''قاہرہ جانے کا یہ راستہ تو نہیں'' ایک سوار نے کہا۔

''لڑکیوں کا شوق ہے کہ دریا کے کنارے کنارے جائیں گے'' ایک نے جواب دیا...... ''ہم اپنے کام سے فارغ ہو گئے ہیں۔ واپسی کی کوئی جلدی نہیں دو تین راتیں یہیں قیام کریں گے...... '' اگر آپ کو شک ہو تو چل کر ہمارا سامان دیکھ لیں۔ ہمارے پاس بہت ساری رقم ہے۔ وہ بھی دیکھ لیں، تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ ہم واقعی مصر کے تاجر ہیں۔''

دونوں گھوڑ سوار ان کے ساتھ چل پڑے اور قیام کی جگہ پہنچے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے جھک کر سلام کیا پھر دونوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ وہ ان کا سامان کھول کر دیکھیں گے؟ گھوڑ سوار سنتری گھوڑوں سے اتر چکے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ سامان نہیں دیکھیں گے۔ ایک آدمی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کی تعریفیں شروع کر دیں۔ پھر انہوں نے ان دونوں کی جوانی، دلیری اور فرض کی تعریفیں کیں۔ انہوں نے ایسی کوئی بات نہ کی جس سے ان دونوں کو کوئی شک ہوتا۔ اس دوران چاروں لڑکیاں کپڑے پہن کر اور بال جھاڑ کر آ گئی تھیں لیکن وہ شرمائی شرمائی سی پرے ہٹ کر کھڑی رہیں۔ اس ویرانے میں ان سپاہیوں نے دو اڑھائی سال بعد باہر کے چند آدمیوں کی محفل دیکھی اور انہیں عورت ذات نظر آئی۔ ان لڑکیوں میں انہوں نے عورت کا ہر ایک روپ دیکھا...... ماں، بہن، بیوی اور وہ عورت بھی جو ماں ہوتی ہے نہ بہن نہ بیوی...... دونوں کی نظریں ان لڑکیوں نے گرفتار کر لیں۔ لڑکیاں انہیں دیکھ دیکھ کر شرماتی اور منہ چھپا کر مسکراتی تھیں۔ ان کے شرم و حجاب سے پتا چلتا تھا کہ یہ سب اچھے خاندان کے لوگ ہیں۔

یہ دونوں سرحدی سپاہی ان آدمیوں کی باتوں اور خصوصاً لڑکیوں میں ایسے محو ہوئے کہ اپنی ڈیوٹی بھول گئے۔ سرحدی علاقے میں اتنی مدت سے رہنے اور فارغ ہونے کے جو بُرے اثرات تھے، وہ بڑی خطرناک نفسیاتی تشنگی بن کر ان پر غالب آ گئے۔ ایک آدمی دریا کے کنارے برچھی لیے کھڑا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ وہ پانی پر دانے سے پھینکتا تھا۔ مچھلیاں اوپر آ جاتی تھیں۔ وہ اوپر سے برچھی مارتا تو ایک مچھلی برچھی کی اَنی میں پروئی ہوئی باہر آ جاتی۔ وہ بہت سی مچھلیاں پکڑ چکا تھا۔ کسی نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ مچھلیاں بھونیں۔ چاروں لڑکیاں دوڑی گئیں۔ انہوں نے آگ جلائی اور مچھلیوں کو کاٹ کر آگ پر رکھ دیا۔

☆

گھوڑسوار سرحدی سپاہی اپنے کھانے سے بھی اکتائے ہوئے تھے۔ ان کا کھانا اچھا ہوتا تھا مگر ہر روز ایک ہی قسم کا کھانا کھا کھا کر وہ اس کھانے سے بھی اکتائے ہوئے تھے۔ دریائے نیل کے کنارے ان کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی اور خشک پکا ہوا گوشت رکھا گیا تو دیکھ کر ہی ان پر نشہ طاری ہو گیا۔ سب مل کر کھانے لگے تو کھانا اور زیادہ لذیذ ہو گیا۔ کھانے کے دوران دونوں نے دیکھا کہ ایک لڑکی ان کے ایک گھوڑے کی گردن اور زین پر ہاتھ پھیرتی اور گھوڑے کو اشتیاق سے دیکھتی تھی۔ لڑکیاں مردوں کے ساتھ کھانے پر نہیں بیٹھی تھیں۔ گھوڑے والا سپاہی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ لڑکی نے ادھر دیکھا تو مسکرا کر اس نے منہ پھیر لیا کیونکہ اس گھوڑے کا سوار اسے دیکھ رہا تھا۔ ان سپاہیوں نے اتنی خوبصورت لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

ایک بوڑھے نے سپاہیوں سے کہا..... ''ان لڑکیوں نے کبھی گھوڑے کی سواری نہیں کی، اور یہ جو لڑکی گھوڑے کے قریب کھڑی ہے گھوڑسواری کی شوقین ہے۔ لیکن اسے گھوڑے پر بیٹھنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔''

''ہم ان چاروں کا شوق پورا کر دیں گے''..... ایک سپاہی نے کہا۔

کھانے کے بعد وہ سپاہی اٹھا اور اپنے گھوڑے کے پاس چلا گیا۔ لڑکی جھینپ کر پرے ہو گئی۔ سپاہی نے اسے کہا..... ''آؤ۔ میں تمہیں سواری کراتا ہوں۔ باری باری چاروں کو گھوڑے پر بٹھا دوں گا۔''

کسی نے لڑکی سے کہا..... ''ان سے شرماؤ نہیں۔ یہ تو تمہاری عزت اور ملک کے رکھوالے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو صلیبی اور سوڈانی معلوم نہیں تمہارا کیا حشر کریں۔''

لڑکی جھجکتی شرماتی گھوڑے کے قریب گئی۔ سپاہی نے اس کا پاؤں اٹھا کر رکاب میں ڈالا اور اسے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ سپاہی کو کسی نے آواز دی اور کچھ کہا۔ سپاہی اس طرف متوجہ ہوا۔ اچانک گھوڑا دوڑ پڑا۔ لڑکی کی چیخیں سنائی دیں۔ سپاہی نے گھوم کر دیکھا۔ گھوڑا سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔ اس کے اوپر لڑکی اِدھر اُدھر گرتی اور سنبھلنے کی کوشش کرتی تھی۔ سب نے شور بپا کر دیا کہ گھوڑا بے لگام ہو گیا ہے۔ لڑکی گر کر مر جائے گی۔ سپاہی کے قریب اس کے ساتھی کا گھوڑا کھڑا تھا۔ وہ اچھل کر اس گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑی لگا دی۔ لڑکی والا گھوڑا ایک چٹان سے گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سپاہی نے اپنے گھوڑے کی رفتار انتہا تک پہنچا دی۔ اسے معلوم تھا کہ لڑکی گری اور اس کا پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا تو اس کی ہڈیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی اور گھوڑا اسے گھسیٹ گھسیٹ کر ہڈیوں سے گوشت اتار دے گا۔

سپاہی نے گھوڑا چٹان سے موڑا۔ آگے کھلی وادی تھی۔ لڑکی کو گھوڑا اڑائے دوڑا جا رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر گھوڑا مڑا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سپاہی کو لڑکی کی چیخیں اور گھوڑے کے ٹاپو سنائی دے رہے تھے۔ وہ آگے جا کر مڑا۔

اسے گھوڑا نظر نہ آیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اسے اب کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ نہ گھوڑے کے ٹاپوں نہ لڑکی کی چیخیں۔ وہ سمجھا گھوڑا کسی کھڈ میں جا گرا ہے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار کم کردی۔ کچھ اور آگے گیا تو ایک اوٹ سے اسے لڑکی کی آواز سنائی دی...... ''اِدھر...... جلدی سے میرے پاس آجاؤ۔''

سپاہی نے اُدھر دیکھا تو اس پر خوف طاری ہو گیا۔ گھوڑا کھڑا تھا اور لڑکی اطمینان سے اس پر سوار تھی۔ اس کے چہرے پر ڈر یا گھبراہٹ نہیں بلکہ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سپاہی نے ایک بار تو ارادہ کر لیا کہ گھوڑے کو ایڑ لگائے اور بھاگ جائے۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی شر شرار یا بد روح ہے اور اسے دھوکے سے اس ڈھکی چھپی جگہ لے آئی ہے۔ اور اب اس کا خون پی جائے گی لیکن وہ جیسے جکڑ لیا گیا ہو۔ لڑکی کی مسکراہٹ اور اس کے سراپا میں کوئی ایسی قوت تھی جس نے سپاہی کے گھوڑے کا رخ لڑکی کی طرف کر دیا۔

''تم سپاہی ہو، مرد ہو۔'' لڑکی نے اسے کہا...... ''مجھ سے ڈر رہے ہو؟''...... وہ اس کے قریب گیا تو لڑکی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا...... ''گھوڑا بے لگام نہیں ہوا تھا۔ میں نے اسے خود ایڑ ی لگائی اور بھگایا تھا، اور چیخیں مار کر یہ ظاہر کیا تھا کہ گھوڑا بے لگام ہو گیا ہے اور میں گر پڑوں گی۔ مجھے امید تھی کہ تم میرے پیچھے آؤ گے۔ میں اناڑی نہیں شاہسوار ہوں۔''

''تم نے یہ دھوکہ کیوں دیا ہے؟'' سپاہی نے پوچھا۔

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' لڑکی نے کہا...... ''میں یہ باتیں سب کے سامنے نہیں کر سکتی تھی۔ تم نے ان آدمیوں میں ایک بوڑھا دیکھا ہے۔ وہ میرا خاوند ہے۔ اس کی عمر دیکھو اور میری جوانی دیکھو۔ میرے ساتھ جو لڑکیاں ہیں، ان میں سے ایک میری طرح ایک بوڑھے آدمی کی بیوی بنا دی گئی ہے۔ تم جانتے ہو کہ لڑکی کو جس کے ساتھ باندھ دو وہ بول نہیں سکتی۔ یہ بوڑھا مجھے خوش کرنے کے لیے اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ یہ سب تاجر ہیں۔ ہمیں بھی اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔''

''دوسری دو لڑکیاں کون ہیں؟'' سپاہی نے پوچھا۔

''وہ دونوں شادی شدہ ہیں۔''...... لڑکی نے جواب دیا...... ''ان کے خاوند جوان ہیں وہ انہیں سیر سپاٹے کے لیے ساتھ لاتے ہیں۔ تم میری مدد کرو۔''

''اگر یہ لوگ تمہیں اغوا کر کے لائے ہوتے تو میں ان سب کو چوکی لے جاتا''...... سپاہی نے کہا...... ''تم اس کی بیوی ہو۔''

''میں نے اسے اپنا خاوند تسلیم نہیں کیا''...... لڑکی نے کہا...... ''تمہیں دیکھا ہے تو میرے دل میں اس بوڑھے کی نفرت اور زیادہ گہری ہو گئی ہے''...... اس نے جذباتی لہجے میں کہا...... ''تمہیں پہلی نظر میں دیکھ کر میرے دل سے آواز آئی کہ یہ ہے تمہارا خاوند۔ خدا نے تمہیں اس خوبرو جوان کے لیے پیدا کیا ہے۔''

''میں اتنا خوبصورت نہیں جتنا تم نے کہا ہے''...... سپاہی نے کہا...... ''تم مجھے کیوں دھوکہ دے رہی ہو؟ تمہارے دل میں کیا ہے؟''

''خدا جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے''...... لڑکی نے مایوس سے لہجے میں کہا...... ''وہی تمہارے دل میں رحم ڈالے گا۔ اگر تم میرے دل کی آواز کو دھوکہ سمجھتے ہو تو میں اپنے خاوند کے پاس نہیں جاؤں گی۔ گھوڑے کو ایڑی لگاؤں گی اور سیدھی دریا میں گھوڑے سمیت کود جاؤں گی۔ خدا سے جا کر کہوں گی کہ تم میرے قاتل ہو۔''

وہ ایک تشنہ سپاہی تھا۔ سرحد کی ڈیوٹی سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان یا العادل

نہیں تھا۔ وہ سپاہی تھا، جوان تھا اور یہی اس کی شخصیت تھی۔ لڑکی کے حسن و شباب اور اس کے انداز اور اس کی باتوں نے اسے موم کر دیا۔ البتہ اس احساس کا اس نے اظہار کر دیا...... ''میں کمتر سپاہی ہوں اور تم شہزادیوں سے کم نہیں۔ تم مخمل سے نکل کر میرے ساتھ اس ریت پر اور ان چٹانوں میں زندہ نہیں رہ سکو گی۔''

''اگر خواہش مخمل اور دولت کی ہوتی تو اس بوڑھے خاوند سے بہتر میرے لیے کوئی خاوند نہیں ہو سکتا تھا'' لڑکی نے کہا...... ''اس نے اپنی دولت میرے قدموں میں ڈال رکھی ہے۔ لیکن میں کسی سپاہی کی بیوی بننا چاہتی ہوں۔ میرا باپ بھی سپاہی ہے۔ دو بڑے بھائی بھی سپاہی ہیں۔ وہ دمشق اور شام کے محاذ پر سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں ہیں۔ مجھے اس بوڑھے کے حوالے میری ماں نے کیا ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ میری خوا... رتی میری بدنصیبی کا باعث بنی ہے۔ میں شاہسوار ہوں۔ یہ میرے خاوند کو معلوم نہیں۔ ہمارے خاندان کی دولت یہی عسکری روایات ہیں۔ میں نے ہمیشہ یہ خواہش کی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہو جاؤں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی سپاہی کے ساتھ شادی کر لوں۔ تم ریت اور چٹانوں کی باتیں نہ کرو۔ میں اس ریت کی پیداوار ہوں اور جب میرا خون اسی ریت میں جذب ہو جائے گا تو میری روح مطمئن ہو کر خدا کے حضور جائے گی۔''

''میں تمہاری مدد کس طرح کر سکتا ہوں؟''

''آؤ'' لڑکی نے کہا...... ''آہستہ آہستہ واپس چلتے ہیں۔ وہ لوگ ہمارے پیچھے آ رہے ہوں گے۔ راستے میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں نے کیا سوچا ہے''...... وہ چل پڑے۔ لڑکی نے کہا...... ''میں تمہیں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ یہ جرم ہوگا۔ میرا خاوند قاضی کے پاس چلا جائے گا... ہم دونوں سزا پائیں گے۔ پہلے اس خاوند سے آزاد ہونا ہے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے ایسے طریقے سے قتل کیا جائے کہ یہ قتل نہ لگے۔ قتل تم نہیں کرو گے، میں کروں گی۔ ... سکتا ہے اسے شراب میں کچھ ملا کر پلا دوں اور رات کو دریا کے کنارے لے جا کر دھکا دے دوں اور کہوں کہ وہ نشے میں دریا میں اتر گیا تھا۔ اس کے لیے دو چار روز انتظار کرنا پڑے گا۔ میں اسے یہیں رکھوں گی۔''

''تمہارے پاس کوئی زہر ہے؟''...... سپاہی نے پوچھا۔

لڑکی نے قہقہہ لگایا اور کہا...... ''تم بدھو سپاہی ہو۔ میں قاہرہ کے دور اوپر کے علاقے کی رہنے والی ہوں جس میں سے یہ دریا گزرتا ہے۔ ہماری خوراک مچھلی ہے۔ مچھلی کا پتہ زہر سے بھرا ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ ہم یہاں بھی مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ میں مچھلی کا پتہ الگ کر کے چھپا لوں گی اور اس میں سے چند قطرے بوڑھے کی شراب میں ملا دوں گی، پھر اسے سیر کے بہانے دریا کے کنارے لے جاؤں گی۔''

''پھر میں تمہیں کس طرح لے جاؤں گا؟''

''وہ مر گیا تو میں آزاد ہوں گی'' لڑکی نے جواب دیا...... ''میں سب سے کہہ دوں گی کہ تم میں سے کوئی بھی میرا وارث نہیں جو مجھے اپنی مرضی کی شادی سے روکے۔ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تم مجھے اپنے گھر بھیج دینا...... اور سنو۔ تم مجھے ملتے رہنا۔ اب چلے جاؤ گے تو پھر کب آؤ گے؟''

''میں صرف گشت پر آ سکتا ہوں''...... سپاہی نے جواب دیا...... ''چوکی دور ہے۔ گشت کے بغیر ہم گھوڑا استعمال نہیں کر سکتے۔ میری گشت اسی ساتھی کے ساتھ کل رات کے دوسرے پہر ہوگی۔ میں یہیں آ جاؤں گا۔''

''ذرا دور رہنا'' لڑکی نے کہا...... ''میں تمہیں راستے ...ں گی۔ کہیں چھپ کر بیٹھ جائیں گے۔'' لڑکی

نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سپاہی نے اس کی طرف دیکھا تو لڑکی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ سپاہی کے تمام شکوک رفع ہو گئے۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ دل پر رکھ کر دبایا۔

☆

وہ جب اس جگہ پہنچے جہاں سے لڑکی کا گھوڑا چٹان کی اوٹ میں ہو گیا تھا، انہیں تمام آدمی نظر آئے۔ وہ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ ان کی طرف دوڑ پڑے۔ دونوں گھوڑوں سے اترے۔ لڑکی کا بوڑھا خاوند سپاہی کے ساتھ لپٹ گیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ دوسرے آدمیوں نے بھی والہانہ انداز سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ لڑکی نے انہیں جھوٹ موٹ کی کہانی سنا دی اور کہا کہ اس سپاہی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے بچایا ہے، ورنہ گھوڑا اسے کسی پتھریلے کھڈ میں گرا کر مار دیتا۔

دونوں سپاہی چوکی کو واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں اس سپاہی نے اپنے ساتھی کو بتایا کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ کے دل میں رشک سا پیدا ہوا لیکن اس نے بتایا کہ اس کی غیر حاضری میں ایک لڑکی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی تھی۔ یہ سپاہی اپنے ساتھی کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر پیدل پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ باقی آدمی پیچھے کھڑے رہے۔ وہ بہت آگے چلا گیا۔ دو لڑکیاں بھی آگے گئیں جن میں سے ایک اس کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ باتوں باتوں میں لڑکی نے اس سپاہی کے ساتھ محبت کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ اسے پھر کب ملے گا۔ اس نے لڑکی کو بتایا کہ وہ کل رات کے دوسرے پہر گشت پر آئے گا۔ اس لڑکی نے اسے بتایا کہ اسے ایک بوڑھے کے ساتھ بیاہ دیا گیا ہے۔ اور وہ اس کے ساتھ بھاگنا چاہتی ہے۔

دونوں کی کہانی ایک جیسی تھی۔ انہوں نے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کر دیا کہ وہ لڑکیوں کو کس طرح اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ وہ دونوں اس پر بھی غور کرنے لگے کہ اگر لڑکیاں اپنے خاوندوں کو قتل نہ کر سکیں تو وہ خود انہیں قتل کریں اور کس طرح کریں گے...... دونوں سپاہی بڑے ہی حسین تصورات میں خمار کی کیفیت میں اپنی چوکی پر پہنچے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو رپورٹ دی کہ فلاں جگہ قاہرہ کے تاجروں کا قافلہ رکا ہوا ہے جس کے سامان کی تلاشی لی گئی ہے۔ اور ہر طرح اطمینان کر لیا گیا ہے۔ کہ وہ مشتبہ اور مشکوک لوگ نہیں۔ ان سپاہیوں نے لڑکیوں کا ذکر بھی کیا۔ چوکی کے کمانڈر نے رپورٹ کے پہلے حصے کو توجہ سے نہیں سنا تھا۔ جب لڑکیوں کا ذکر آیا تو اس نے دلچسپی لینی شروع کر دی۔ لڑکیوں کی تعداد، عمر، شکل وصورت، قد بت، رنگ روپ، غرض اس نے کوئی بات نہ رہنے دی۔ سپاہیوں نے اس کے اس رویے کو محسوس کیا اور خاموش رہے۔

چوکی میں ایک اور چوکی کا سپاہی بیٹھا تھا۔ وہ چوکی وہاں سے آٹھ دس میل دور تھی۔ اس کے کمانڈر نے اس سپاہی کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا تھا کہ آج شام کے بعد میری چوکی میں آنا، ضروری کام ہے۔ کمانڈر نے یہ پیغام لانے والے سپاہی کو یہ کہہ کر روک لیا تھا کہ اکٹھے چلیں گے۔

سورج غروب ہوتے ہی کمانڈر سپاہی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ دوسری چوکی پر پہنچا تو شام گہری ہو چکی تھی۔ یہ چوکی ہری بھری جگہ تھی۔ وہاں اس شام کچھ اور ہی رونق تھی۔ چوکی کے تمام سپاہی جو ڈیوٹی پر نہیں تھے، چوکی کے باہر گول دائرے میں بیٹھے تھے۔ مشعلیں جل رہی تھیں۔ چوکی کا کمانڈر وہاں نہیں تھا۔ اس کے خیمے میں گئے۔ وہاں دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اور تین صحرائی آدمی بھی تھے۔ ان کے قریب ساز اور دف پڑے تھے۔ مہمان کمانڈر کے آتے ہی کھانا چنا گیا۔ سب کھا چکے تو چوکی کے کمانڈر کے کہنے پر سازندے اور لڑکیاں باہر چلی گئیں۔ دوسری چوکی کے کمانڈر نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور باہر کیا ہو رہا ہے۔

''یہ لڑکیاں ناچنے والی ہیں۔'' کمانڈر نے جواب دیا...... ''اور ان کے ساتھ سازندے ہیں۔ یہاں سے گزر رہے تھے۔ پانی پینے کے لیے رُکے تو میں نے انہیں بٹھالیا۔ لڑکیاں اچھی لگیں۔ میں نے انہیں کھانا بھی کھلایا۔ یہ کہیں جا رہے تھے۔ میرے کہنے پر رُک گئے۔ آج رات انہیں یہیں رکھوں گا۔''

''مجھے یہ سلسلہ اچھا نہیں لگا۔'' دوسرے کمانڈر نے کہا...... ''سرحد پر آ کر یہ عیاشی سپاہیوں کو خراب کرے گی۔''

''اس کے بغیر سپاہی زیادہ خراب ہو رہے ہیں۔'' میزبان کمانڈر نے کہا...... ''ایک ہمارے وہ ساتھی ہیں جو شہروں میں عیش کر رہے ہیں۔ ایک ہم ہیں جو معلوم نہیں کب سے یہاں بُو گیر کتوں کی طرح آوارہ پھر رہے ہیں۔ کیا تمہیں سپاہیوں نے کبھی پریشان نہیں کیا کہ ان کی جگہ دوسرے دستے لائے جائیں؟''

''میری چوکی میں تو دو سپاہی آپس میں لڑ بھی چکے ہیں۔'' مہمان کمانڈر نے کہا...... ''اب تو سپاہیوں کو معمولی سی بات پر غصہ آ جاتا ہے۔''

☆

سپاہی انہیں چیخ چیخ کر داد دے رہے تھے۔ تین چار سپاہیوں نے لڑکیوں کی طرف پیسے پھینکے جو لڑکیوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ وہ وطن کے محافظوں سے پیسے نہیں لیں گی۔ ان کے سازندوں نے بھی سپاہیوں سے کہا کہ اگر وہ ناچ گانے سے خوش ہوتے ہیں تو انہیں جب بھی بلایا جائے گا وہ بلا اُجرت آ جایا کریں گے...... ان تماشائیوں میں دو کمانڈر تھے۔ ان کے عہدے کوئی زیادہ اونچے تو نہیں تھے پھر بھی وہ ذمہ دار افراد تھے اور وہ دونوں اپنی ذمہ داریوں کو بھول چکے تھے۔ انہوں نے یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش نہ کی کہ ناچنے گانے والی یہ پارٹی آئی کہاں سے ہے اور جا کہاں رہی ہے۔ اور جو کچھ سازندوں نے اپنے متعلق بتایا ہے، وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ کمانڈروں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ تماشائیوں میں مصر کے صحرائی لباس میں جو چند ایک آدمی آ بیٹھے ہیں وہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں...... اور ان کمانڈروں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ چوکی کے چار سپاہی گشتی پہرے سے جلدی واپس آ گئے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے چار سپاہی پہرے کے لیے گئے ہی نہیں۔

چوکی سے کچھ دُور رات کی طرح سیاہ چہروں والے کم و بیش پچاس آدمی ایک دوسرے کے پیچھے سوڈان کی طرف سے آ رہے تھے۔ دو آدمی ان سے بہت آگے تھے۔ پیچھے والے تھوڑا سا چل کر رُک جاتے تھے۔ آگے والے دو آدمی اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھتے، رات کی آوازوں کو سننے کی کوشش کرتے اور گیدڑوں کی طرح بولتے، پیچھے والے اس آواز پر آگے چل پڑتے۔ دُور چوکی سے سازوں کے دھیمے دھیمے نغمے سرحد کی خاموش فضا میں بکھر رہے تھے...... آگے چٹانی علاقہ آ گیا۔ سیاہ چہروں والے کالے کالے سائے چٹانوں میں غائب ہو گئے۔ ان کے پاس برچھیاں تھیں، تلواریں اور خنجر بھی تھے۔ اور ہر ایک نے چار چار پانچ پانچ کمانیں اور تیروں کا وزنی خزانہ اٹھا رکھا تھا۔

ان کے استقبال کے لیے وہاں تین چار آدمی موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے آنے والی پارٹی کے سردار سے ہنس کر کہا...... ''لڑکیوں نے کام کر دیا ہے۔''

''ہاں!'' ...... سردار نے کہا...... ''ہم ان کے سازوں کے نغمے سنتے آئے ہیں۔ میں نے دس بارہ آدمی وہاں تماشائیوں کے بھیس میں بھیج دیئے تھے۔ ان میں سے ایک نے آ کر اطلاع دی تھی کہ محفل گرم ہو گئی ہے اور راستہ صاف ہے۔ گشتی سنتری بھی ناچ گانے میں چلے گئے ہیں۔''

''نیل سے بھی اچھی اطلاع ملی ہے'' ...... استقبال کرنے والوں میں سے ایک نے کہا...... ''ان لوگوں نے

لڑکیوں سے صحیح کام لیا ہے۔ دو سپاہیوں کو جو کل رات اس طرف پہرے پر ہوں گے، پھانس لیا گیا ہے۔ میں نے اطلاع بھیج دی ہے۔ کل رات کم از کم تین بڑی کشتیاں آ جائیں گی۔''

وہ آگے چل پڑے۔ چٹانیں اونچی ہوتی گئیں۔ آگے پہاڑیاں آ گئیں۔ سردار رک گیا اور اس نے ساری پارٹی کو بھی روک دیا۔ اس نے استقبال کرنے والوں سے سرگوشی میں کہا...... ''یہ نہ بھولنا کہ یہ سب حبشی ہیں۔ ان کا مذہب عجیب وغریب ہے اور ان کی عادتیں اور رسومات تمہیں حیران کر دیں گی۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ یہ جیسی کیسی مضحکہ خیز حرکت کریں اسے احترام کی نگاہ سے دیکھنا۔ ہم انہیں مذہب کے نام پر لائے ہیں۔ انہیں جھانسہ دیا ہے کہ انہیں اس جگہ لے جا رہے ہیں جہاں خدا رہتا ہے۔ وہ خدا جوریت کو پیاسا رکھتا، سورج کو آگ دیتا اور آسمان سے بجلی اور پانی برساتا ہے۔ ایک مشکل پیش آئے گی۔ یہ لوگ جنگ سے پہلے انسانی قربانی دینے کے قائل ہیں۔

یہ ان کا سردار بتائے گا کہ قربانی مرد کی دینی ہے یا عورت کی یا ایک مرد اور ایک عورت کی۔ اگر ہم نے ان کی یہ رسم پوری کر دی تو پھر انہیں لڑائی میں دیکھنا، قاہرہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی یہ فوج ان کے سامنے ایک دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکے گی۔''

سردار نے سب سے کہا...... ''سجدے میں گر پڑو۔ تم خدا کے گھر میں آ گئے ہو''...... سب سجدے میں گر پڑے۔ سردار کے کہنے پر اٹھے اور سردار کے پیچھے چل پڑے۔

یہ سوڈانی حبشی تھے جنہیں مصر میں داخل کیا جا رہا تھا۔ انہیں چھپانے کے لیے اس پہاڑی خطے کا انتخاب کیا گیا تھا۔ فرعونوں کے وقتوں کی غار جو دراصل زمین دوز عمارتیں تھیں، بہت بڑی فوج کو گھوڑوں اور اونٹوں سمیت چھپا سکتی تھیں۔ سوڈان میں خونخوار حبشیوں کو ان کے مذہب اور توہم پرستی کے ذریعے اکٹھا کر کے فوجوں کے خلاف لڑنے کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ لڑنے کے تو وہ ماہر تھے۔ ان کے قبیلوں کی جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ تیر اندازی اور نشانے پر برچھی پھینکنے کے وہ ماہر تھے۔ سوڈان کے حکمرانوں نے صلیبیوں سے معاہدہ کر کے بہت سے [illegible] فوجی افسروں کو بلا لیا تھا۔ وہ ان حبشیوں کو منظم اور باقاعدہ کمانڈ کے تحت لڑنے کی ٹریننگ دے رہے تھے اس سے پہلے سوڈانی [illegible] دو بار شکست [illegible] تھی۔ تیسری جنگ اس وقت ہوئی تھی جب سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔ سوڈانیوں نے یہ حملہ ناکام کر کے تقی الدین کی فوج کو بری طرح بکھیر دیا تھا۔ تقی الدین سلطان صلاح الدین ایوبی کی مدد سے اپنی بچی کھچی فوج واپس لے آیا تھا۔ اس میں سوڈانیوں کی ناکامی یہ تھی کہ انہوں نے تقی الدین کا تعاقب نہ کیا اور مصر پر حملہ نہ کیا۔ اگر سوڈانی تعاقب کرتے تو تقی الدین کی فوج اتنی تھکی ہاری تھی کہ مصر کو سوڈانیوں سے بچا نہ سکتی۔

ان ناکامیوں کو دیکھتے ہوئے صلیبیوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا طریقہ جنگ آزمانے کی سکیم بنائی تھی۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کم سے کم نفری سے زیادہ سے زیادہ فوج پر شب خون قسم کا حملہ کرتا اور جم کر لڑنے کی بجائے اپنے دستوں کو گھما پھرا کر لڑاتا اور بڑی سے بڑی گتھی ہوئی فوج کو بکھیر دیتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس قسم کے حملے کے لیے بڑی ہی سخت ٹریننگ اور خاص قسم کے سپاہیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام قسم کی فوج صرف ہجوم کی صورت میں لڑ سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے حبشی قبائل میں جنگی جنون پیدا کر کے تھوڑی سی فوج تیار کر لی تھی اور انہیں شب خون کی ٹریننگ دی تھی۔ وہ قاہرہ والوں کو بے خبری میں دبوچ لینا چاہتے تھے۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی مصر میں نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری میں وہ میدان مار لیں گے۔

انہیں اس حملے کی کمان کے لیے ایک ایسے جرنیل کی ضرورت تھی جو مصر کی فوج کا ہوتا کہ وقت اور قوت کم سے کم صرف ہو اور حملہ صحیح ٹھکانوں پر ہو۔ ان کی یہ ضرورت سلطان صلاح الدین ایوبی کے سالار القند نے پوری کر دی تھی۔ سوڈان کے حبشیوں کی فوج کو چھپانے کے انتظامات القند نے ہی کیے تھے۔ اس نے مصری فوج کے چار پانچ جونیئر کمانڈر بھی اپنے ساتھ ملا لیے تھے۔ جاسوسوں کے ذریعے اس کا رابطہ سوڈان کے ساتھ تھا۔ اب یہ فوج مصر میں داخل ہو رہی تھی۔

☆

رات گئے تک چوکی پر ناچ گانا ہوتا رہا۔ دوسری چوکی کا کمانڈر وہاں سے اپنی چوکی کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے اس چوکی کے کمانڈر سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے کہے کہ کل رات اس کی چوکی پر آئیں۔ سازندے مان گئے۔ انہیں اور جانا ہی کہاں تھا۔ وہ تو سوڈانیوں بلکہ القند کے بھیجے ہوئے لوگ تھے۔ یہ تو انہوں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ کسی کے بلاوے پر اس کے گاؤں جا رہے تھے ان کے ذمے یہی کام تھا کہ ان دو چوکیوں پر پانی پینے کے بہانے رکیں اور ایسی باتیں کریں کہ چوکیوں کے کمانڈر ان کے جال میں آ جائیں۔ ناچنے والی لڑکیاں دل کش تھیں۔ کمانڈر ان کے جال میں آ گیا۔ اس نے دریا والی چوکی کے کمانڈر کو بھی بلا لیا...... اور پچاس حبشی سرحد پار کر کے پہاڑیوں کے پیٹ میں غائب ہو گئے۔

اگلی رات دونوں رقاصائیں دریا والی چوکی پر جا پہنچیں۔ اور وہاں بھی رونق پیدا کی گئی جو اس چوکی پر کی گئی تھی۔ رات کے دوسرے پہر دریا کے ساتھ ساتھ گشت کرنے والے دو سپاہی واپس آ گئے۔ ان کی جگہ دوسرے دو سپاہی روانہ ہونے لگے۔ انہیں ساتھیوں نے کہا کہ وہ یہ رونق چھوڑ کر نہ جائیں۔ کمانڈر اس وقت لڑکیوں اور ان کے رقص میں مست ہے، لیکن وہ دونوں یہ کہہ کر چل پڑے کہ وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کرنا چاہتے۔ یہ وہی دو سپاہی تھے جنہیں دو لڑکیوں نے محبت کا اظہار کر کے کہا تھا کہ وہ اپنے بوڑھے خاوندوں سے نجات حاصل کر کے ان کے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔ انہیں فرض کا اتنا خیال نہیں تھا جتنا ان لڑکیوں کے پاس پہنچنے کا اشتیاق تھا۔ لڑکیوں نے انہیں کہا تھا کہ وہ انہیں ملیں گی۔

اس سے پہلے وہ آہستہ آہستہ چلتے، رکتے اور چلتے تھے مگر اس رات چوکی سے ذرا دور ہوتے ہی انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ ایک جگہ گھوڑے روک کر اترے اور آہستہ آہستہ چلتے الگ الگ ہو گئے۔ دونوں لڑکیاں مختلف جگہوں پر ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ دونوں کو دریا سے دور چٹانوں میں لے گئیں۔ دونوں نے ان پر اپنے حسن و جوانی اور محبت کا طلسم طاری کر دیا اور خاوندوں کے قتل کی سکیمیں بنتی رہیں۔ دونوں نے کہا کہ وہ اپنے خاوندوں کو شراب میں خواب آور سفوف پلا کر سلا آئی ہیں۔ دونوں سپاہی، ایک چٹان کے اس طرف دوسرا کہیں اور، صرف فرض کو ہی نہیں گرد و پیش کو اور دنیا کو بھی فراموش کیے بیٹھے تھے۔

اس جگہ سے تھوڑی دور آگے جہاں ان سپاہیوں نے تاجروں کے قافلے کو بیٹھے دیکھا تھا۔ دریا کے کنارے چار سائے اِدھر اُدھر حرکت کر رہے تھے۔ دریا کی ہلکی ہلکی لہریں جلترنگ بجا رہی تھیں۔ یہ آدمی پانی کی سطح پر تاریکی میں دور دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بے چین ہوئے جا رہے تھے۔ ایک نے کہا...... "انہیں اس وقت تک آ جانا چاہئے تھا" ...... دوسرے نے کہا...... "انہیں اطلاع تو دے دی گئی تھی۔" ایک نے آنکھیں سکیڑ کر کہا...... "وہ بادبان معلوم ہوتے ہیں" ...... اس نے ایک دیا جلا کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں ہلانا شروع کر دیا۔ دریا میں دور دو دیئے جلتے نظر آئے اور بجھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک بادبانی کشتی کنارے کے ساتھ آ لگی۔ کنارے پر کھڑے ایک آدمی نے کہا...... "کسی کی اونچی آواز نہ نکلے" ...... مکمل خاموشی سے سیاہ کالے حبشی کشتی سے کنارے پر کودنے لگے۔ اس کے پہلو میں ایک اور کشتی

آ رُکی۔ اس میں سے بھی حبشی اترے۔ یہ بہت بڑی کشتیاں تھیں۔ ان میں سے کم و بیش دو سو حبشی اترے۔ پھر ان میں سے سامان اترنے لگا۔ یہ سب جنگی سامان تھا۔ جونہی کشتیاں خالی ہوئیں ملاحوں سے کہا گیا کہ بہت تیزی سے کشتیاں واپس لے جائیں۔ ملاحوں نے بادبانوں کے رسے کھینچے، رخ بدلے اور کشتیاں ساحل سے ہٹ کر اندھیرے میں غائب ہو گئیں ...... اور حبشیوں کی یہ کھیپ بھی چٹانوں میں سے ہوتی ہوئی پہاڑیوں میں گئی اور غائب ہو گئی۔

☆

یہ دونوں سپاہی واپس آئے تو چوکی پر ناچ گانے کی محفل ختم ہو گئی تھی۔ سپاہی اپنے اپنے خیموں کو جا رہے تھے۔ ناچنے گانے والوں کے لیے کمانڈر نے الگ خیمہ کھڑا کر دیا تھا۔ اسے ایک لڑکی کچھ زیادہ ہی اچھی لگی۔ وہ چہرے مہرے سے معصوم سی لگتی تھی۔ کمانڈر نے یہ سوچ کر کہ یہ پیشہ ور لوگ ہیں۔ سازندوں سے کہا کہ اس لڑکی کو وہ اس کے خیمے میں بھیج دیں۔ یہ لوگ دراصل جاسوس اور تخریب کار تھے۔ ان کا مشن ہی یہی تھا کہ ان دو چوکیوں کو اپنے جال میں الجھائے رکھیں اور ان کے کمانڈروں کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کریں تا کہ سوڈان سے حبشی فوج مصر میں داخل ہوتی رہے۔ اس کمانڈر نے لڑکی کو اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس کی خواہش فوراً پوری کر دی گئی۔ رقاصہ اس کے ساتھ خیمے میں چلی گئی۔

کمانڈر ادھیڑ عمر تھا اور لڑکی نوجوان۔ خیمے میں جا کر لڑکی کی شوخی ختم ہو گئی۔ وہ تو ناچنے کودنے والی اور بڑی ہی پیاری مسکراہٹ سے تماشائیوں کا دل بہلانے والی رقاصہ تھی۔ باہر کی مشعلیں بجھ چکی تھیں۔ خیمے میں دیا جل رہا تھا۔ لڑکی ایک طرف بیٹھ کر کمانڈر کو گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''میں نے کبھی شراب نہیں پی'' ...... کمانڈر نے کہا۔

''میرے باپ نے بھی کبھی شراب نہیں پی تھی'' ...... رقاصہ نے کہا ...... ''تم نے شراب کا نام کیوں لیا ہے؟ میں نے تو نہیں کہا تھا کہ شراب پیو۔ تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمارے پاس شراب بھی ہو گی اور میں لا کر تمہیں پلاؤں گی۔''

''کہتے ہیں شراب کے بغیر عورت اور عورت کے بغیر شراب بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے'' ...... کمانڈر نے کہا ...... ''میں شراب کے ذائقے سے واقف نہیں اور میں غیر عورت کی چاشنی سے بھی آشنا نہیں۔''

''پھر تم اناڑی گنہگار ہو'' ...... رقاصہ نے سنجیدگی سے کہا ...... ''میں تم سے کوئی نقد اُجرت نہیں لوں گی۔ میری ایک بات مان لو تو میں اسی کو ساری رات تمہارے ساتھ ساتھ گزارنے کی اُجرت سمجھوں گی ...... بات یہ ہے کہ گناہ میں وہ چاشنی نہیں جو گناہ نہ کرنے میں ہے۔ تم مرد ہو۔ اس تنہائی میں جب ایک جوان لڑکی تمہارے پاس ہے تمہیں میری یہ بات عجیب لگے گی۔ تم میری بات مانو گے نہیں۔ ذرا غور کرو۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے آج پہلی بار گناہ کا ارادہ کیا ہے۔ رات اتنی سرد ہے مگر تمہارے ماتھے پر مجھے پسینے کے قطرے سے نظر آ رہے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' ...... ادھیڑ عمر کمانڈر نے کہا ...... ''ہمیں جب فوجی تربیت دی گئی تھی تو گناہوں سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے۔ جنگی اور جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی اور اخلاقی تربیت بھی شامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی ایک سو سپاہیوں سے ایک ہزار صلیبیوں کو خون میں نہلا دیتا ہے۔''

''لیکن ایک کمزور سی لڑکی نے تم سے ہتھیار ڈلوا لیے ہیں'' ...... رقاصہ نے کہا ...... ''تم اتنی لمبی روحانی اور اخلاقی تربیت سے دستبردار ہو گئے ہو۔''

کمانڈر پریشان ہو گیا۔ اس نے بے اختیار سا ہو کر کہا ...... ''مجھے بالکل اُمید نہیں تھی کہ تم یہاں آ کر اس قسم کی

باتیں کروگی۔ میں نے سوچا تھا کہ تنہائی میں آ کر تم شوخ اداؤں اور ناز و انداز سے مجھے دیوانہ بنا دو گی۔ تمہارے ہونٹوں کی وہ مسکراہٹ کہاں ہے جس نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ تمہارے آدمیوں سے تمہاری بھیک مانگوں؟ میں تمہارے عوض عربی نسل کے دو گھوڑے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"اپنی تلوار بھی دو گے؟"...... لڑکی نے گردن کو خم دے کر پوچھا...... "اپنی برچھی، اپنی ڈھال اور اپنا خنجر بھی دے دو گے؟"

"ہاں!"...... لیکن وہ چپ ہو گیا۔ بے چینی کے عالم میں بولا...... "نہیں۔ سپاہی اپنے ہتھیار سے دست بردار نہیں ہوا کرتا"...... وہ خیمے میں تیز تیز قدم اٹھا کر ذرا سی دیر ٹہلا اور اچانک غصے میں پوچھا...... "ایک رقاصہ کے منہ سے یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگ رہیں۔ کیا تم مجھ سے بچنا چاہتی ہو؟ کیا تم اس کوشش میں ہو کہ میں تمہارے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤں؟"

"ہاں!"...... رقاصہ نے کہا...... "میں تم سے اپنا جسم بچانا چاہتی ہوں۔"

"کیا تم اپنے جسم کو پاک سمجھتی ہو؟"

"نہیں"...... رقاصہ نے کہا...... "میں اپنے جسم کو ناپاک سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی"......

کمانڈر کی عقل میں یہ بات نہ پڑی۔ وہ احمقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے رقاصہ کو دیکھنے لگا۔ رقاصہ نے کہا...... "کوئی بیٹی اپنے باپ کے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔"

"اوہ!"...... کمانڈر نے آہ بھر کر کہا...... "میں بوڑھا ہوں۔ تم جوان ہو"...... وہ بیٹھ گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔

رقاصہ نے آگے بڑھ کر اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر اس کا سر اوپر اٹھایا اور کہا...... "اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کہیں بھاگ نہیں چلی۔ تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دے رہی۔ اگر تم صرف مرد کے روپ میں رہنا پسند کرتے ہو تو میں رقاصہ اور فاحشہ بنی رہوں گی۔ پھر میں کہوں گی کہ ایک اور مرد سے واسطہ پڑا تھا جس پر خدا نے لعنت بھیجی تھی۔ میں تمہیں باپ کے روپ میں دیکھ رہی ہوں۔ میری ایک دو باتیں سن لو پھر جو جی میں آئے کرنا۔ میں پتھر بن جاؤں گی۔ تم اس کے ساتھ کھیلتے رہنا...... تمہاری بیٹی ہے؟"

"ایک ہے"...... کمانڈر نے جواب دیا۔

"اس کی عمر کتنی ہے؟"

"بارہ سال۔"

"اگر تم مر جاؤ اور تمہاری بیوی غربت سے تنگ آ کر تمہاری بیٹی کو ناچنے گانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دے تو تمہاری روح کا کیا حشر ہو گا؟...... ان صحراؤں میں اور ان پہاڑوں میں بھٹکتی اور چیختی [illegible] رہے گی؟"

کمانڈر نے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے کئی اور قطرے پھوٹ آئے۔ رقاصہ نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔

"ذرا تصور میں لاؤ"...... رقاصہ نے کہا...... "تم مر گئے ہو اور تمہاری بیٹی ایک گناہگار مرد کے ساتھ خیمے میں بیٹھی ہے، اور وہ مرد اسے کہہ رہا ہے کہ شراب لاؤ، شراب کے بغیر عورت بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے۔"

کمانڈر کے ہونٹ تھر کے۔ اس نے اچانک گرج کر کہا...... "نکل جاؤ یہاں سے، فاحشہ، بدکار!"

لڑکی نے آہ بھری اور کہا...... "اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ مجھے تمہارے خیمے میں دیکھ کر مجھے بھی اور تمہیں بھی قتل

کر دیتا''......اس کے آنسو نکل آئے۔ کمانڈر اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا تھا۔ رقاصہ نے اس کی ذہنی کیفیت اور غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا......''میں تمہیں بوڑھا جان کر تم سے نفرت نہیں کر رہی۔ میں نے تو ایسے ضعیف العمر آدمیوں کے خیموں میں بھی راتیں گزاری ہیں جنہیں عمر نے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا وہ دولت سے اپنی لاشوں میں جان ڈالنا چاہتے تھے......میں نے تمہیں اتنا بوڑھا نہیں سمجھا۔ بات اتنی سی ہے کہ تمہاری شکل وصورت میرے باپ، سے اتنی زیادہ ملتی ہے کہ میں رقاصہ سے بیٹی بن گئی اور میں نے جو باتیں تمہیں کہی ہیں یہ میرے دماغ میں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں۔ میں صرف ناچنا اور انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ تم ذرا سوچو تو سہی، مجھ جیسی فاحشہ رقاصہ کے دماغ میں اتنی باتیں اور ایسی باتیں کیوں آ گئی ہیں جنہوں نے صرف تمہیں نہیں مجھے بھی حیران کر دیا ہے؟''

کمانڈر نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا غصہ بجھ گیا تھا۔ رقاصہ نے کہا......''مجھے اپنے ماں باپ کا چہرہ اور جسم اچھی طرح یاد ہے۔ مجھے اس کے جسم کی بو بھی یاد ہے۔ تمہاری بیٹی کی عمر بارہ سال ہے میری عمر نو دس سال تھی جب وہ مر گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مصری فوج میں سپاہی تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے آنے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ میری ماں جوان تھی اور بہت غریب۔ اس نے مجھے ایک آدمی کے حوالے کر دیا۔ اس نے میرے سامنے رقم لی تھی۔ اور اس آدمی نے میری ماں سے کہا تھا کہ اس کی شادی ایک بڑے اچھے آدمی سے کرا دے گا۔ میں رو پڑی تو ماں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تمہارا چچا ہے اور یہ تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے جا رہا ہے......میں بارہ سال سے اپنے باپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ انہی وعدوں پر مجھے ناچ سکھایا گیا کہ کہ مجھے باپ کے پاس لے جائیں گے۔ وہ تو ذرا بڑی ہوئی تو میں نے حقیقت کو قبول کیا کہ میرا باپ تو مر چکا ہے۔ اس وقت تک رقص میری عادت بن چکا تھا۔ مجھے کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ میں نے باپ کے نام پر رقص کی تربیت لی تھی۔ میرے استاد اور میرے آقا میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ بہت اچھے اچھے کھانے کھلاتے تھے۔ پھر میں جوان ہوگئی تو مجھے اپنی قیمت کا اندازہ ہوا۔ اس قیمت نے میرے جذبات مار دیئے اور میں خوبصورت پتھر بن گئی۔ مگر تمہیں دیکھ کر مرے ہوئے جذبات جاگ اٹھے ہیں۔''

اس کے آنسو نکل آئے۔ آہ لے کر کہنے لگی......''یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرے باپ کی روح اسی خیمے کے اردگرد گھوم پھر رہی ہے۔ اس خیمے میں آنے سے پہلے میں نے ایسا کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ کبھی یوں لگتا ہے، جیسے میرا وجود میرے باپ کی روح ہے جو بھٹکتی پھر رہی ہے۔''

''تم اگر قیمتی رقاصہ تھی تو ان صحراؤں میں کیا لینے آئی ہو؟'' کمانڈر نے پوچھا۔

''میں اُجرت پر آئی ہوں۔'' رقاصہ نے جواب دیا......''میں ان لوگوں کو نہیں جانتی۔ دوسری رقاصہ کو بھی میں اس سے پہلے نہیں جانتی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ سرحد پر جانا ہے اور وہاں جو چوکی والے خواہش کریں، انہیں بلا اُجرت ناچ گانے سے خوش کرنا ہے۔ مجھے اُجرت کی اتنی خوشی نہیں تھی جتنی اس کی کہ مصر کی عزت کی حفاظت کرنے والے مجاہدوں کا دل بہلانے جا رہی ہوں۔ میرا باپ بھی سپاہی تھا۔ میں دل کو دھوکہ دیتی ہوں کہ میرے رقص سے میرے مجاہد باپ کی روح بھی بہل جاتی ہوگی......میں ایک دھوکہ ہوں۔ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی، لیکن میں وطن کے مجاہدوں کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ پچھلی چوکی والے کمانڈر نے مجھے اپنے خیمے میں بلایا تھا۔ میں نے انکار کر دیا تھا۔ تمہارے پاس صرف اس لیے آ گئی ہوں کہ تمہارے چہرے مہرے اور قد کاٹھ میں مجھے اپنا باپ نظر آیا تھا۔''

رقاصہ اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔ کمانڈر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگایا پھر چوما۔ کمانڈر

نے دوسرا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا اور پوچھا...... "تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرے آقا مجھ برق کہتے ہیں۔" رقاصہ نے جواب دیا...... "باپ مجھے زہرہ کہا کرتا تھا۔"

"جاؤ زہرہ!" کمانڈر نے ایسے پیار سے کہا جس میں شفقت تھی۔ "اپنے خیمے میں چلی جاؤ۔"

☆

رات گزرتی جا رہی تھی۔ سازندوں میں سے دو اپنے خیموں میں جاگ رہے تھے۔ دوسری رقاصہ اور باقی سازندے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ جاگنے والوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا...... "ہمارا طریقہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ہم ان لڑکیوں کو یہ کہہ کر ساتھ لے آئے ہیں کہ ناچ گانے سے فوجیوں کا دل بہلانے جا رہے ہیں۔ ضرورت یہ تھی کہ ان لڑکیوں کو بتا دیتے کہ ہمارا اصل مقصد کیا ہے۔"

"کسی رقاصہ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔"...... دوسرے نے کہا...... "یہ لڑکی جو کمانڈر کے خیمے میں ہے، جذبات میں آ کر الگ تھلگ انعام لے کر اسے بتا سکتی ہے کہ ہم سرحدی چوکیوں کے لیے دھوکہ اور فریب بن کر آئے ہیں۔ ہمیں اپنا راز کسی رقاصہ کو نہیں دینا چاہیے۔ ان دونوں کو اپنی اُجرت سے غرض ہے۔ ہم انہیں منہ مانگی اُجرت دے چکے ہیں۔ ہمارا کام ہو گیا ہے۔"

"اگر ہم نے اسے بتا دیا ہوتا کہ ہمارا مقصد کیا ہے تو یہ لڑکی اس کمانڈر کو اچھی طرح اندھا کر لیتی۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اسے اس حد تک پھانس لیتی کہ اسی کی مدد سے ہم حبشیوں کو اندر لے آتے۔"

"ہمارے استاد ہم سے زیادہ عقل رکھتے ہیں۔ یہ لڑکیاں ہمارے ہتھیار ہیں۔ ہتھیاروں کو کبھی کسی نے ہمراز نہیں بنایا۔"

کمانڈر کے خیمے میں یہ حالت تھی کہ کمانڈر اس اطمینان کے ساتھ سو گیا تھا کہ رقاصہ نے اسے گناہ سے صاف بچا لیا اور اس کے سینے میں باپ کو بیدار کر دیا تھا۔ رقاصہ اسے بہت دیر دیکھتی رہی۔ کمانڈر کا چہرہ جب رقاصہ کے آنسوؤں میں چھپ گیا تو وہ خیمے سے نکل گئی۔ اپنے خیمے میں گئی اور سو گئی۔ رات کی ایک ہی ساعت رہتی تھی۔ جو گزر گئی۔ ناچنے گانے والے جاگے تو سورج اوپر آ گیا تھا۔ لڑکیوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے سازندے انہیں اپنے ساتھ لے جانے لگے تو کمانڈر باہر کھڑا تھا۔ زہرہ دوڑ کر اس تک گئی اور کہا...... "میرے سر پر ہاتھ رکھو۔" کمانڈر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو زہرہ نے اسے کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا اور وہ بھیگی آنکھوں سے اس سے رخصت ہوئی۔

وہ دریا کی طرف چلے گئے۔ کہیں سے دو شتر سوار آئے۔ وہ اونٹوں سے اترے۔ اونٹوں کو بٹھایا۔ دونوں لڑکیوں کو سوار کیا اور چل پڑے۔ یہ شتر سوار اسی گروہ کے افراد تھے جو قریب ہی کہیں ان کے انتظار میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ گروہ اس جگہ پہنچا جہاں تاجروں کا قافلہ چار لڑکیوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو یوں ملے جیسے اجنبی ہوں۔ لڑکیاں ناچنے والی لڑکیوں کو مردوں سے الگ دریا کے کنارے لے گئیں۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ انہیں مردوں سے الگ کر دیا جائے۔ چاروں لڑکیوں نے زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ کو اپنے متعلق بتایا کہ وہ ان آدمیوں کی بہو بیٹیاں ہیں اور سیر کے لیے ان کے ساتھ آئی ہیں۔

اُدھر مردوں کی منڈلی میں اصل مشن پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سازندوں نے اپنی دو راتوں کی کارگزاری سنائی۔ دوسرے گروہ نے انہیں بتایا کہ ان کے دو راتوں کے ناچ گانے سے کم و بیش ایک سو حبشی اندر آ گئے ہیں۔ اور ان لڑکیوں نے دو ساہوں کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اس سے دو سو سے زائد حبشی آ گئے ہیں...... اپنی اپنی کارگزاری سنانے کے بعد

انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ناچ گانے سے حبشیوں کی زیادہ تعداد اندر نہیں آسکتی۔ دریا کا راستہ زیادہ بہتر ہے۔ کشتیوں میں زیادہ آدمی اندر آسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے طے کیا کہ لڑکیاں ان دو سپاہیوں کے علاوہ دو یا چار اور گشتی سنتریوں کے ساتھ یہی کھیل کھیلیں تا کہ ہر رات کشتیاں آسکیں۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ کو یہیں کہیں قریب رکھا جائے لیکن اس راز میں شامل نہ کیا جائے۔

سازندوں نے بعد میں زہرہ اور اس کی ساتھی سے کہا کہ ان کا کام ختم ہو چکا ہے۔ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے اس لیے چند دن یہیں فارغ گزارے جائیں۔ انہوں نے لڑکیوں کو ایسے انداز سے اُکسایا کہ وہ رُک گئیں۔ دوسرے گروہ کی لڑکیوں نے انہیں اپنے ساتھ بے تکلف کر لیا لیکن ان کے قیام کی جگہ ذرا دور بنائی ...... اس رات زہرہ سو نہ سکی۔ اسے کمانڈر یاد آ رہا تھا۔ اس کی شخصیت زہرہ کے دل میں اتر گئی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ کمانڈر میں اسے اپنے باپ کی تصویر نظر آ رہی تھی اور دوسرے اس لیے کہ یہ پہلا مرد تھا جس نے اسے کھلونا سمجھنے کی بجائے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور تیسرے اس لیے کہ کمانڈر نے اسے زہرہ کہا برق نہیں کہا تھا۔

اس کی ساتھی رقاصہ سو گئی تھی اور اس کے گروہ کے سازندے بھی سو گئے تھے۔ وہ اٹھی اور خیمے سے باہر نکل گئی۔ اس نے راستہ دیکھا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چوکی کی طرف چل پڑی۔ وہ اتنی تیز اور اتنا زیادہ چلنے کی عادی نہیں تھی لیکن اس کے جذبات اسے قوت دے رہے تھے۔ وہ چوکی تک پہنچ گئی۔ کمانڈر کے خیمے سے وہ واقف تھی۔ وہ خیمے میں چلی گئی۔ کمانڈر گہری نیند سویا ہوا تھا ...... اس کی آنکھ کھل گئی۔ اندھیرے میں اس نے وہ ہاتھ پکڑ لیا جو کوئی اس کے منہ پر پھیر رہا تھا۔ ہاتھ چھوٹا سا تھا جو مردانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر پوچھا ...... ''کون ہو؟''

''زہرہ۔''

وہ اٹھ بیٹھا۔ زہرہ نے کہا ...... ''تمہیں دیکھنے آئی ہوں ...... سو جاؤ۔ میں جا رہی ہوں۔''

کمانڈر نے دیا جلایا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ زہرہ نے بتایا تو کمانڈر باہر نکلا۔ دو گھوڑے تیار کیے اور زہرہ کو باہر جا کر ایک گھوڑے پر اسے سوار کرایا۔ دوسرے پر خود سوار ہوا اور گھوڑے چل پڑے۔ راستے میں زہرہ جذباتی باتیں کرتی رہی اور کمانڈر شفقت اور پیار سے سنتا رہا۔ اپنے ٹھکانے سے کچھ دور ہی تھے کہ زہرہ نے اسے روک کر واپس چلے جانے کو کہا۔ کمانڈر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور واپس آ گیا۔

زہرہ جب اپنے ٹھکانے پر پہنچی تو اس کے ساتھ کا ایک آدمی جاگ رہا تھا۔ اس نے زہرہ سے پوچھا کہ وہ کہاں گئی تھی۔ زہرہ نے بتایا کہ وہ ویسے ہی گھومنے پھرنے نکل گئی تھی۔ اس آدمی نے کریدنا شروع کر دیا۔ اسے شک تھا۔ زہرہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ کہاں گئی تھی۔

''تم ہماری اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتی۔'' اس آدمی نے حکم دیا۔

''میں تمہاری زر خرید نہیں ہوں۔'' زہرہ نے کہا ...... ''میں نے جو اُجرت لی تھی اس کے عوض کام پورا کر چکی ہوں۔ میں کسی کے حکم کی پابند نہیں۔''

''تم اپنے مالکوں کے پاس شاید زندہ نہیں پہنچنا چاہتی۔'' اس آدمی نے کہا ...... ''اب ہم سے پوچھے بغیر کہیں جا کے دیکھو۔''

☆

دونوں سپاہی اپنی گشت کے دوران دریا کے کنارے جاتے رہے۔ دونوں لڑکیاں انہیں الگ الگ لے جاتیں اور اس دوران حبشیوں سے لدی ہوئی دو بادبانی کشتیاں تاریکی میں کنارے آلگتیں اور حبشیوں کو پہاڑیوں میں اگل کر تاریکی میں غائب ہو جاتیں۔ ان چار لڑکیوں نے دو اور سپاہیوں کو ''بوڑھے خاوندوں کی نوجوان بیویاں'' بن کر اور ان کے ساتھ بھاگ جانے کا جھانسہ دے کر اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ پہاڑی خطے میں اتنے زیادہ حبشی جمع ہو چکے تھے جو رات کے وقت سرحدی چوکیوں پر حملہ کر کے وہاں کی نفری کو سوتے میں آسانی سے ختم کر سکتے تھے لیکن ان کے کمانڈروں نے عقل کی بات سوچی تھی۔ سرحدی چوکیوں پر حملے کی خبر قاہرہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قاہرہ سے فوج آجاتی اور صلیبیوں کی یہ سکیم تباہ ہو جاتی کہ قاہرہ پر اچانک اور بے خبری میں حملہ کریں گے۔

پہاڑیوں میں حبشیوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی اور سوڈان میں صلیبی مشیروں نے وہ صلیبی کمانڈر جنہیں قاہرہ پر حملہ کرنا تھا مقرر کر دیئے۔ انہیں چند دنوں بعد مصر کی سرحد میں داخل ہو کر ان پہاڑیوں میں آنا اور حملے کی تیاری کرنی تھی۔ سالار القند ابھی تک قاہرہ میں اپنے فرائض سر انجام دے رہا تھا۔ اس کی کسی حرکت سے کسی کو شک نہیں ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑی غداری کا مرتکب ہونے والا ہے۔ اسے رات کو گھر میں پوری رپورٹ مل جاتی تھی کہ کتنے حبشی گزشتہ رات آچکے ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہو گئی ہے۔ حملے کی قیادت اسی کو کرنی تھی۔ اس نے پلان تیار کر لیا تھا۔

حبشی ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے اپنے مذہب کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ پہلے وہ آپس میں کھسر پھسر کرتے رہے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ انسان کی قربانی دی جائے۔ القند نے وہاں جو آدمی بھیج رکھے تھے، انہوں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی لیکن حبشی اپنے ساتھ جو مذہبی پیشوا لائے تھے وہ ٹلتے نظر نہیں آتے تھے۔ حبشیوں نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا تھا کہ انسان کی قربانی دو، ورنہ وہ واپس چلے جائیں گے۔ مذہبی پیشواؤں سے کہا گیا کہ وہ انہی حبشیوں میں سے کسی کو پکڑ کر ذبح کر دیں لیکن وہ کہتے تھے کہ یہ قربانی قبول نہیں ہوتی۔ قربانی کے لیے اسی خطے کا انسان ہونا چاہیے۔ جس پر حملہ کرنا ہے۔ لڑنے والے لوگ اپنی قربانی نہیں دیا کرتے۔

آخر انہیں کہا گیا کہ حملے سے ایک دن پہلے مصر کا ایک آدمی ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ حبشیوں کے پروہت نے کہا..... ''ہمیں وہ انسان ابھی چاہیے۔ ہم بہت دنوں تک اسے خاص غذا دے کر پالیں گے۔ اس پر اپنا خاص عمل کریں گے۔ اپنی عبادت بھی کریں گے..... اور ابھی ہمیں یہ حساب بھی کرنا ہے کہ قربانی مرد کی دینی ہے یا عورت کی یا دونوں کی۔''

اسی رات القند کو اطلاع دی گئی کہ حبشی قربانی کے لیے انسان مانگتے ہیں۔ القند نے کہا..... ''تو اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ کوئی آدمی پکڑو اور ان کے حوالے کر دو۔''

''لیکن وہ ابھی بتائیں گے کہ انہیں ایک آدمی چاہیے یا ایک عورت یا دونوں۔''

''ان کا جو بھی مطالبہ ہے پورا کرو'' ..... القند نے کہا..... ''چند دنوں بعد جب ہم قاہرہ پر حملہ کریں گے تو معلوم نہیں قاہرہ کے کتنے لوگ ہمارے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ دو کو اگر پہلے ہی مار دو گے تو کیا قیامت آجائے گی۔''

القند گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اتنے میں ایک صلیبی اندر آیا۔ اس نے مصری لباس پہن رکھا تھا۔ اندر آتے ہی اس نے مصنوعی داڑھی اتار کر رکھ دی۔ اس نے القند سے پوچھا کہ کیوں پریشان نظر آتا ہے۔

''حبشی اپنی رسم پوری کرنا چاہتے ہیں۔'' القند نے جواب دیا۔ ''وہ ابھی سے انسانی قربانی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔''

''تو آپ کیا سوچ رہے ہیں؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ حملے سے ایک دن پہلے ایک آدمی ان کے حوالے کر دیں گے۔'' القند نے جواب دیا۔
''نہیں۔'' صلیبی نے کہا...... ''وہ ابھی قربانی دینا چاہتے ہیں تو ابھی ان کی رسم پوری کرنے کا انتظام کریں۔ آپ سوڈان نہیں گئے۔ ہم ان کے مذہب سے ساتھ کھیل کر انہیں یہاں لا رہے ہیں۔ آپ شاید انسانوں کو استعمال کرنا نہیں جانتے۔ آپ کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے صرف لڑنا سکھایا ہے۔ انسانوں کو تلوار کے بغیر مارنا ہم صلیبیوں سے سیکھیں۔ دوسروں کے مذہب کو استعمال کریں۔ ان پر انہی کے مذہب کا جنون غالب کر کے ان کی عقل کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ ان کی بے ہودہ اور بے معنی رسموں کی مخالفت کرنے کی بجائے ان کی پیروی کرو بلکہ اپنے ہاتھوں یہ رسمیں ادا کراؤ۔ عام انسان کا ذہن مذہب اور توہم پرستی سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ ہم نے جتنے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملایا اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف استعمال کیا ہے۔ وہ مذہب اور توہم پرستی کے ہتھیاروں سے کیا ہے۔ مسلمان مذہب کے نام پر جلدی ہمارے جال میں آتا ہے۔ یہ حبشی تو جنگلی ہیں۔ انہیں ہم ایک سال سے زیادہ عرصے سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ سوڈان سے روانگی سے پہلے ہم نے دو سوڈانیوں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا اور بتایا تھا کہ یہ مصری ہیں۔ انہوں نے انہیں ذبح کیا تب وہ مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔''

''ان سے پوچھو کہ انہیں قربانی کے لیے مرد چاہیے یا عورت۔'' القند نے پوچھا۔
''اور آپ کا وہاں چلنا بہت ضروری ہے۔'' صلیبی نے کہا۔ ''لیکن آپ کو میں کسی اور طریقے سے ان کے سامنے لیجاؤں گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان حبشیوں سے بڑھ کر آپ کو کوئی اور وحشی اور خونخوار جنگجو نہیں ملے گا۔ اس وقت ان کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔ اگر ہم نے ان پر ان کے مذہب کا بھوت سوار کیے رکھا اور انہیں یہ یقین دلائے رکھا کہ یہ ہماری نہیں ان کی اپنی جنگ ہے تو ان میں سے صرف ایک ہزار اس تمام فوج کو جو قاہرہ میں ہے کئی لاشوں میں بدل دیں گے۔ ہم نے انہیں یہ بتایا ہے کہ ہم انہیں ان کے خدا کے گھر لیجا رہے ہیں اور یہ کہ ان کے خدا کی زمین پر ان کے دشمن نے قبضہ کر رکھا ہے۔''

''میں چلوں گا۔'' القند نے کہا۔

القند مصر پر سوڈانیوں کی حکومت چاہتا تھا کچھ عرصے پہلے وہ کسی غدار سے اس خواہش کا اظہار کر بیٹھا، تو اس نے اس کی خواہش کو عزم بنا دیا اور اس کی ملاقات صلیبیوں سے کرادی تھی۔ صلیبیوں نے اس کے ساتھ یہ سودا طے کیا تھا کہ مصر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ اسے دے دیا جائے گا اور باقی نصف سوڈان کو جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ حبشیوں کی فوج کا اہتمام صلیبیوں نے کیا تھا مورخوں نے القند کی بغاوت کو تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ اس دور کی عظیم شخصیت قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی ڈائری بعنوان ''سوانح صلاح الدین سلطان...... یوسف پر کیا افتاد پڑی؟'' میں تفصیل سے لکھا ہے کہ القند نے صلیبیوں اور سوڈانی لیڈروں کی مدد سے تہذیب و تمدن سے دور جانوروں اور درندوں کی سی زندگی بسر کرنے والے حبشیوں پر ان کے مذہب کا بھوت سوار کر کے ان پر جنگی جنون طاری کیا اور القند خود ان کا پیر و مرشد بنا۔ حبشیوں کو بتایا گیا کہ یہ ان کے خدا کا وہ ایلچی ہے جو صدیوں سے خدا کے پاس گیا ہوا تھا (سلطان یوسف سے مراد سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ اس مجاہد اعظم کا پورا نام یوسف صلاح الدین تھا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد اسے پیار اور شفقت سے یوسف کہا کرتا تھا۔)

وہ رات تاریک تھی۔ مصر کا آسمان آئینے کی طرح شفاف تھا۔ ستارے ہیروں اور سچے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ قاہرہ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ چند دنوں بعد ان پر کیا قیامت ٹوٹنے والی

ہے۔ مصر کے سرحدی دستے بھی سوئے ہوئے تھے۔ صرف گشتی سنتری جاگ رہے تھے لیکن وہ صرف جاگ رہے تھے۔ بیدار نہیں تھے۔ دریائے نیل کے ساتھ کی چوکی جو دریائی راستہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی اور اس سے چند میل دور دوسری چوکی جو پہاڑیوں کے علاقے کو سربمہر رکھنے کے لیے قائم کی گئی تھی، کے گشتی سنتری چار لڑکیوں کے حسین اور رومانی جال میں الجھے ہوئے تھے۔ لڑکیاں انہیں الگ الگ لے گئی تھیں۔ اس رات یہ گروہ بہت زیادہ چوکنا تھا۔

زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ اس گروہ سے کچھ دور خیمے میں سوئی ہوئی تھیں۔ سازندے بظاہر سوئے ہوئے تھے لیکن وہ بیدار تھے انہیں بتا دیا گیا تھا کہ آج رات بہت اہم ہے اور وہ بیدار رہیں۔ ان دونوں گروہوں کے لیے یہ حکم تھا کہ کوئی باہر کا آدمی دریا کے کنارے اور اس پہاڑی سلسلے کے قریب نہ آئے۔ کوئی آئے تو اسے پکڑ کر اندر لے آؤ۔

کچھ دیر بعد ایک سازندہ اٹھا۔ پہلے وہ باہر گھوما پھرا پھر اس نے اس چھوٹے خیمے میں جھانکا جس میں دونوں لڑکیاں سوئی ہوئی تھیں۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اندر جا کر ٹٹولا۔ اسے کچھ شک ہوا۔ دیا جلا کے دیکھا تو زہرہ غائب تھی۔ دوسری گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ سازندے نے سے نہ جگایا۔ اسے معلوم تھا کہ زہرہ کہاں گئی ہے۔ وہ چوکی کے کمانڈر کے پاس ہی جا سکتی تھی۔ اس میں خطرہ یہ تھا کہ کمانڈر اس کے ساتھ آ گیا، تو اپنے سنتریوں کو غائب پا کر انہیں ڈھونڈے گا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ دریا کے کنارے اس جگہ بھی پہنچ جائے۔ جس جگہ کو اس رات باہر کی دنیا سے چھپا کر رکھنا تھا...... سازندے نے اپنے دو ساتھیوں کو جگایا اور نہیں بتایا کہ ان کی ایک لڑکی غائب ہے۔ وہ چوکی پر ہی گئی ہو گی۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دریا سے دور گھات لگائی جائے اور اگر کمانڈر لڑکی کے ساتھ واپس آ رہا ہو تو دونوں کو پکڑ کر اپنے کمانڈر کے حوالے کر دیا جائے، اور اگر ضرورت پڑے تو دونوں کو قتل کر کے لاشیں دریا میں پھینک دی جائیں۔

پہاڑیوں کے اندر کی دنیا جاگ رہی تھی۔ یہ وسیع و عریض علاقہ تھا جہاں کوئی نہیں جاتا تھا۔ ایک اس لیے کہ یہ جگہ دور دراز اور راستوں سے ہٹ کر تھی اور دوسرا اس لیے مشہور تھا کہ اندر فرعونوں کی بھی بدروحیں رہتی ہیں، اور ان کی بھی جو فرعونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ بدروحیں آپس میں لڑتی رہتی ہیں اور اگر کوئی انسان اس علاقے میں چلا جائے تو اس کے جسم کا گوشت غائب ہو جاتا ہے اور پیچھے ہڈیوں کا پنجر رہ جاتا ہے...... یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس پہاڑی خطے کے وسط میں فرعونوں کے بہت بڑے بڑے بت پہاڑیوں کو تراش کر بنائے گئے تھے۔ پہاڑیوں کو اندر سے کھوکھلا کر کے اندر محل جیسے کمرے اور غلام گردشیں بنائی گئی تھیں۔

اس رات ان زمین دوز محلات میں روشنی ہی روشنی تھی۔ ہزاروں حبشی باہر اس میدان میں جمع تھے، جسے ہر طرف سے پہاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔ حبشیوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اونچی بات نہ کریں۔ انہیں ان کا خدا دکھایا جانے والا ہے۔ حبشیوں پر خوف اور عقیدت مندی کے جذبات سوار تھے۔ ڈر کے مارے وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ وہ ان پہاڑیوں اور چٹانوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جس پہاڑی کی طرح وہ منہ کر کے بیٹھے ہیں اس کی نصف بلندی پر ایک بہت بڑا بت ہے۔ یہ ابوسمبل کا بت تھا جس کے متعلق ان حبشیوں کو بتایا گیا تھا کہ ان کے خدا کا بت ہے اور ایک رات یہ خدا ایک انسان کے روپ میں ان کے سامنے آئے گا۔

اچانک ایسی گرج دار آواز آئی جیسے گھٹائیں گرجی ہوں۔ حبشی پہلے ہی خاموش تھے۔ اس گرج نے ان کی سانسیں بھی روک دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں ایک آواز سنائی دی...... ''خدا جاگ رہا ہے۔ سامنے پہاڑی پر دیکھو...... اوپر دیکھو'' ...... یہ آواز بڑی بلند تھی جو پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان گونج بن کر کچھ دیر سنائی دیتی رہی۔ فضا میں

دوشرارے اڑتے نظر آئے جو سامنے والی پہاڑی کی طرف گئے اور پہاڑی سے جہاں ٹکرائے وہاں سے ایک شعلہ اٹھا۔ ابو سمبل کا بت اس شعلے کے پیچھے اور کچھ اوپر تھا شعلے کی ناچتی تھرکتی ہوئی روشنی بت کے مہیب چہرے پر پڑی تو ایسے نظر آنے لگا جیسے بت آنکھیں جھپک رہا ہو۔ اس کا منہ کھلتا اور بند ہوتا نظر آتا تھا اور یوں بھی لگتا تھا جیسے اس کا چہرہ دائیں بائیں ہل رہا ہو۔

حبشیوں کا یہ سیاہ کالا ہجوم سجدے میں گر پڑا۔ انکے مذہبی پیشوا سجدے سے اٹھے۔ سب نے بازو پھیلا دیئے۔ ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے بت سے بڑی ہی بلند آواز سے کہا...... ''آگ اور پانی کے خدا ریگستانوں کو جلانے اور دریاؤں کو پانی دینے والے خدا! ہم نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ ہمیں بتا کہ ہم تیرے قدموں میں کتنے انسان قربان کریں۔ مرد لائیں یا عورت۔''

'' ایک مرد ایک عورت۔'' پہاڑیوں میں سے آواز آئی ...... ''تم نے ابھی مجھے نہیں دیکھا۔ میں انسان کے روپ میں تمہارے سامنے آرہا ہوں۔ اگر تم نے میرے دشمنوں کا خون نہ بہایا تو تم سب کو ان پہاڑیوں کے پتھروں کی طرح پتھر بنادوں گا۔ پھر تم دھوپ میں ہمیشہ جلتے رہو گے۔ تم میں سے جو لڑائی سے بھاگے گا اسے صحرائی ریت چوس لے گی...... انتظار کرو۔ میرا انتظار کرو۔

خاموشی اور گہری ہوگئی۔ شعلہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ پہاڑیوں میں سے حبشیوں کے مذہبی ترانے کی آواز آنے لگی۔ یہ ان کا وہ گیت تھا جو مذہبی تہواروں پر عبادت کے دوران گایا کرتے تھے۔ بہت سے آدمی مل کر گا رہے تھے اور ساتھ دف بج رہے تھے۔ نیچے بیٹھے ہوئے ہزاروں حبشیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں گا رہا تھا۔ یہ غیب کی آواز معلوم ہوتی تھی۔

☆

زہرہ چوکی کے کمانڈر کے خیمے میں تھی۔ اس کی باتیں پہلے سے زیادہ جذباتی ہوگئی تھیں۔ اس نے کمانڈر سے کہا...... ''اگر میں تمہیں نہ دیکھتی تو باقی عمر ناچتے اور دوسروں کا دل بہلاتے گزار دیتی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے یاد آگیا ہے کہ میں بیٹی ہوں رقاصہ اور فاحشہ نہیں۔ یا تم اپنے آپ کو مار لو، تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ میرا باپ مر گیا ہے یا مجھے قتل کر دو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو مجھے پناہ میں لے لو۔ اپنے گھر بھیج دو۔ آج مجھے واپس نہ جانے دو۔''

''تم آج چلی جاؤ۔'' کمانڈر نے جواب دیا...... ''میں تمہیں چوکی میں نہیں رکھ سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے گھر بھیجنے کا انتظام کردوں گا...... اور اگر تم یہاں سے چلی گئی تو مجھے قاہرہ میں اپنا ٹھکانہ بتادو۔ وہاں آکر تمہیں لے جاؤں گا۔''

تھوڑی دیر بعد کمانڈر نے دو گھوڑے تیار کیے اور زہرہ سے کہا کہ چلو چلیں۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔ راستے میں زہرہ نے کمانڈر سے پوچھا...... ''رات کو کشتیاں یہاں کیوں آیا کرتی ہیں؟''

''کشتیاں؟'' کمانڈر نے حیران سا ہو کر پوچھا...... ''کدھر سے آتی ہیں؟''

''اُدھر سے۔'' اس نے سوڈان کی طرف اشارہ کر کے کہا...... ''مجھے اب رات کو نیند کم آتی ہے۔ آدھی رات کو اٹھ کر خیمے سے باہر بیٹھ جاتی ہوں۔ میں نے دو راتیں دیکھا ہے۔ ایک رات تین اور ایک رات دو بادبانی کشتیاں آئیں۔ ان کے سفید بادبان اندھیرے میں بھی نظر آتے تھے۔ آگے جا کر کشتیاں کنارے لگیں۔ مجھے اس طرح کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جیسے ان سے بہت سے لوگ اتر رہے ہوں۔ مجھے کچھ دور درختوں کے پیچھے سائے سے جاتے اور پہاڑیوں میں غائب ہوتے نظر آئے۔''

''تم نے ہمارے دو سپاہیوں کو کبھی نہیں دیکھا؟'' کمانڈر نے پوچھا...... ''دو گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ انہیں دریا کے کنارے موجود رہنا چاہیے۔''

''نہیں۔'' زہرہ نے جواب دیا...... ''میں نے کبھی کوئی سپاہی نہیں دیکھا۔ دن کے دوران سپاہی آتے ہیں۔ آگے ایک قافلہ اترا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ ایک روز میں نے ایک سپاہی کو ایک لڑکی کے ساتھ بے تکلفی سے چٹانوں کے پیچھے جاتے دیکھا تھا۔''

زہرہ کو تو علم ہی نہیں تھا کہ سرحدوں پر کیا ہوتا ہے اور کیا ہو سکتا ہے اور سرحدی دستوں کے فرائض کیا ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رات کو یا دن کو سوڈان کی طرف سے کشتیوں کو آنا چاہیے۔ یا نہیں۔ اس نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا لیکن کمانڈر کے لیے یہ اہم خبر تھی۔ زہرہ اگر صحیح کہہ رہی تھی۔ تو وہ اسے راز کی بات بتا رہی تھی۔ وہ بے شک اس ڈیوٹی اور سرحدی ماحول سے اکتا گیا تھا مگر زہرہ کی باتوں نے اسے بیدار کر دیا۔ اس نے زہرہ سے کہا...... ''آؤ، آج دریا کے کنارے چلتے ہیں''...... اس نے گھوڑے کا رخ موڑ دیا۔

وہ دریا تک پہنچے اور کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ کمانڈر کی نظریں دریا پر تیر رہی تھیں۔ کچھ وقت گزرا تو اسے دریا میں دُور ایک لو نظر آئی جو دیئے کی معلوم ہوتی تھی۔ پھر ایک اور لو نظر آئی اور پھر دونوں روشنیاں بجھ گئیں۔ اِدھر کنارے پر بھی ایک دیا جلا اور بجھ گیا۔ کمانڈر نے ان گشتی سنتریوں کو آواز دی جنہیں وہاں گشت پر ہونا چاہیے تھا۔ اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے اور بلند آواز سے پکارا۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے اور زور سے پکارا۔ اسے اب دریا میں دو کشتیوں کے بادبان دکھائی دیئے۔ وہ پریشان ہو گیا۔ وہ زہرہ کی موجودگی کو بھول گیا اور گھوڑے کو کنارے کے ساتھ آگے چلا دیا۔ زہرہ بھی اسے کے پیچھے گئی۔ کمانڈر سنتریوں کو پکار رہا تھا۔

سنتریوں کو اس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ چٹانوں کی اوٹ میں ''بوڑھے خاوندوں کی نوجوان بیویوں'' کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کی آواز پہچان لی اور وہاں سے اٹھے۔ وہ جب وہاں جا کر اکٹھے ہوئے جہاں وہ اپنے گھوڑے باندھ گئے تھے تو دیکھا کہ دونوں گھوڑے غائب ہیں۔ وہ وہیں رُکے رہے۔ انہیں دُور دو گھوڑے جاتے دکھائی دیئے۔

کمانڈر آگے جا رہا تھا۔ زہرہ کا گھوڑا اس کے پہلو میں تھا۔ انہیں آواز سنائی دی...... ''تم جنہیں پکار رہے ہو وہ بہت دُور آگے گئے ہیں۔''

''تم کون ہو؟''...... کمانڈر نے پوچھا۔ ''آگے آؤ۔''

''ہم مسافر ہیں''...... اسے جواب ملا اور دو گھوڑے کمانڈر کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر ایک اور آواز آئی...... آگے چلیں ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔''

کمانڈر نے تلوار نکال لی۔ رات کے وقت مسافروں کا گھوڑوں پر سوار ہونا اور اس علاقے میں ہونا مشکوک تھا۔ وہ دونوں ان کے قریب آ گئے۔ ایک نے کمانڈر سے کہا...... ''اِدھر دیکھو۔ وہ آ رہے ہیں۔'' جونہی کمانڈر نے اُدھر دیکھا کسی آدمی نے ایک بازو کمانڈر کی گردن کے گرد لپیٹ کر بازو کا شکنجہ تنگ کر دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی تلوار والی کلائی پکڑ لی۔ دوسرے نے لڑکی کو دبوچ لیا۔ کمانڈر کو جس نے پکڑ رکھا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگا دی۔ گھوڑا تیز چلا۔ کمانڈر اپنے گھوڑے سے گرنے لگا۔ اندھیرے سے دو اور آدمی دوڑے آئے۔ انہوں نے کمانڈر کو بے بس کر لیا۔

یہ سازندے تھے جو دراصل تربیت یافتہ چھاپہ مار سپاہی تھے۔ ان میں سے دو تین زہرہ کے پیچھے گئے تھے اور انہیں راستے میں دیکھ کر اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے تعاقب میں آ رہے تھے۔ سنتریوں کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آنے والے ان کے ساتھی تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا...... ''انہیں زندہ لے چلو یہی حکم ملا تھا کہ کوئی مشتبہ آدمی نظر آئے تو اسے زندہ لے آؤ۔''

کمانڈر اور زہرہ کو جب پہاڑیوں کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ کشتیوں میں سے حبشی سامان اتار رہے تھے۔ یہ جنگی سامان اور رسد تھی۔

☆

پہاڑیوں میں دُور اندر ہزاروں حبشیوں کا ہجوم ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ شعلہ کبھی کا بجھ چکا تھا۔ مذہبی گیت کی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ حبشیوں پر طلسم طاری تھا۔ ان کی جذباتی کیفیت کچھ اور ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو ان حبشیوں سے برتر سمجھنے لگے تھے جو سوڈان میں رہ گئے تھے...... گیت گانے والے خاموش ہو گئے۔ اچانک سامنے پہاڑی پر چمک نظر آئی تھی جیسے بجلی چمکی ہو۔ چمک پھر پیدا ہوئی جو مستقل روشنی بن گئی۔ یہ روشنی ابوسمبل کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے ابوسمبل کا چہرہ اپنی روشنی سے روشن ہو گیا ہو۔

روشنی بجھ گئی۔ ذرا سی دیر بعد روشنی پھر نظر آئی۔ سب نے دیکھا کہ ابوسمبل کے پہاڑ جیسے بت کی گود میں سے ایک آدمی اترا اور آگے چل پڑا۔ بت کے پیچھے سے چار آدمی نمودار ہوئے۔ سب ایک ایک سفید چادر میں ملبوس تھے۔ جنہوں نے کندھوں سے پاؤں تک جسم کو ڈھانپ رکھے تھے۔ جو آدمی بت کی گود سے آیا تھا وہ کوئی بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سر پر تاج تھا اور تاج پر ایک مصنوعی سانپ کے پھن کا سایہ تھا۔ اس کا چغہ لال رنگ کا تھا۔ روشنی جو معلوم نہیں کہاں سے آ رہی تھی۔ اس آدمی پر پڑ رہی تھی۔ اس کے چغے پر ستارے تھے جو روشنی میں چمکتے اور ٹمٹماتے تھے اس کے ہاتھ میں برچھی اور دوسرے میں ننگی تلوار تھی، تلوار بھی چمکتی تھی۔ سفید چادروں والے آدمی اس کے پیچھے آئے۔

وہ ڈھلان سے اتر رہے تھے اور روشنی ان کے ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔ اگلا آدمی جو بادشاہ لگتا تھا رک گیا۔ پیچھے والے چاروں آدمیوں نے اکٹھے بڑی ہی بلند آواز سے کہا...... ''خدا زمین پر اتر آیا ہے۔ سجدہ کرو۔ اٹھو اور غور سے دیکھو'' ...... سارا ہجوم سجدے میں گر پڑا۔ سب نے سر اٹھائے اور ''خدا'' کو دیکھا۔ اس وقت ''خدا'' نے تلوار اوپر اٹھالی تھی۔ وہ ڈھلان سے اترنے لگا۔ سناٹا ایسا طاری ہو گیا جیسے وہاں ایک بھی انسان نہ ہو۔ وہ اترتے اترتے ایسی جگہ آن کھڑا ہوا جو بلند تھی اور ہجوم کے قریب بھی تھی، یہ جگہ چوڑی تھی۔ روشنی صرف اس پر اور ان چار آدمیوں پر پڑ رہی تھی جو اس کے ساتھ تھے۔ اچانک اس روشنی میں چار لڑکیاں داخل ہوئیں۔ ان کے لباس اتنے سے ہی تھے کہ صرف ستر ڈھانپے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں کے رنگ گورے تھے۔ ان کی پیٹھوں پر کندھوں سے ذرا نیچے پرندوں کی طرح پَر پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے بال کھلے تھے۔ وہ یوں حرکت کرتی تھیں جیسے اڑ رہی ہوں۔ وہ رقص کی اداؤں سے اس بادشاہ (حبشیوں کے ''خدا'') کے اردگرد گھوم کر وہیں کہیں غائب ہو گئیں شاید چٹان کے پیچھے اتر گئی تھیں۔

اس وقت چار آدمی کمانڈر اور زہرہ کو وہاں ایک غار میں لے گئے اور ایک کمرے میں داخل کر دیا۔ ایک آدمی باہر چلا گیا۔ وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ اسے بتا دیا گیا کہ یہ چوکی کا کمانڈر ہے اور یہ رقاصہ ہے اور انہیں دریا کے کنارے سے اس وقت پکڑا گیا ہے جب کشتیاں سامان اور مزید حبشیوں کو اتار رہی تھیں۔

''تم انہیں بڑے اچھے وقت لائے ہو۔'' اس نے کہا...... ''یہ بدبخت حبشی انسانی قربانی مانگ رہے تھے۔ ہم نے القند کے کہنے پر خدا کی آواز میں اعلان کر دیا تھا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی قربانی دی جائے گی ہمیں کہیں سے ایک مرد اور ایک عورت کو اغوا کر کے ان کے حوالے کرنا تھا۔ تم نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔ ہر کام پوری کامیابی سے ہو رہا ہے۔ قربانی کے لیے اپنے آپ ہی دو انسان آ گئے ہیں۔''

''حبشیوں نے خدا دیکھ لیا ہے؟'' ایک نے پوچھا۔

''اگر تم ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے کیسی استادی سے انہیں خدا دکھایا ہے۔'' اس نے جواب دیا...... ''بت کی سامنے والی پہاڑی سے جلتے ہوئے فلیتے والے دو تیر چلائے گئے۔ تیر اندازوں نے اندھیرے میں ایسا نشانہ باندھا کہ صحیح جگہ پر تیر گرے۔ ہم نے تیل اور مادہ زیادہ جگہ پھیلا تھا۔ پہلے ہی دو تیروں نے اسے آگ لگا دی۔ اینڈرسن تجربہ کار آدمی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ شعلے میں بت ہنستا، مسکراتا اور جھپکتا نظر آئے گا۔ یہ شعلے کا کرشمہ تھا کہ خود ہمیں یقین ہونے لگا تھا کہ بت نہ صرف آنکھوں اور ہونٹوں کو حرکت دے رہا ہے بلکہ اس کا چہرہ دائیں بائیں حرکت کر رہا ہے۔

''اور حبشیوں کا ردعمل کیا تھا؟''

''سجدے میں گر پڑے تھے۔'' اس نے جواب دیا...... ''ہمارے آدمیوں کی آوازیں بڑی گونج دار تھیں۔ پہاڑیوں میں ان کی گونج کچھ دیر تک سنائی دیتی رہی۔ میں اندھیرے میں دیکھ نہیں سکا۔ مجھے یقین ہے کہ حبشی خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ القند کا ناٹک تو بہت ہی کامیاب رہا۔ شعلہ بجھا تو ہم نے اسے پوشاک پہنا کر بت کی گود میں بٹھا دیا اور چار آدمی پہلے ہی وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ بت پر سامنے کی پہاڑی سے روشنی پھینکنے کا سلسلہ بھی کامیاب رہا۔ ساتھ والی پہاڑی پر جو آگ جلائی گئی تھی وہ نیچے کسی کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس کے قریب بڑا آئینہ رکھ کر بت پر عکس پھینکا تو یوں لگتا تھا جیسے یہ بت کے چہرے کا نور ہے۔ اس میں سے القند 'خدا' بن کر اترا تو ہماری لڑکیوں نے سب کو یقین دلا دیا کہ یہ خدا ہے اور وہ پریاں ہیں۔ ہم کسی قدم پر ناکام نہیں ہوئے اب القند کو اندر بٹھا کر تمام حبشیوں کو ان کے سامنے سے گزارا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا 'خدا' جو جنگ میں تمہارے ساتھ ہو گا۔

''ان دونوں (کمانڈر اور زہرہ) کو آج ہی قربان کر دیں گے۔''

''اس کا فیصلہ حبشی کریں گے۔ وہ شاید انہیں تین چار روز پالیں پوسیں گے اور اپنی کچھ رسمیں ادا کریں گے۔''

انہیں کسی کی آواز سنائی دی...... ''مجھے معلوم نہیں تھا کہ لڑنے والے سالار کو یہ سوانگ بھی بھرنا پڑے گا''...... تین چار آدمیوں کی ہنسی سنائی دی۔ کسی اور نے کہا...... ''اس کے بغیر ان حبشیوں کو لڑانا آسان نہیں تھا۔ بہر حال آپ کو اس سوانگ کی بہت زیادہ قیمت مل رہی ہے...... ''پورا مصر۔''

یہ القند اور اس کے ساتھیوں کی آوازیں تھیں۔ وہ قریب آئے تو ان دونوں نے بتایا کہ ایک مرد اور ایک عورت اتفاق سے ہاتھ آ گئی ہے۔ انہیں حبشیوں کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ القند نے یہ پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں۔ وہ سر سے تاج اتار کر اس کمرے میں چلا گیا جہاں کمانڈر اور زہرہ کو رکھا گیا تھا۔ القند کمانڈر کو نہ پہچان سکا۔ کمانڈر نے اسے پہچان لیا۔ کمانڈر کے کانوں میں وہ باتیں بھی پڑ گئی تھیں جو باہر ایک آدمی دوسرے کو سنا رہا تھا اس نے اس کے منہ سے کئی بار القند کا نام سنا تھا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اسے اور زہرہ کو قربان کیا جائے گا۔ القند اس کے سامنے آیا تو اسے اس پر حیرت نہ ہوئی کہ اس کا سالار یہاں کیسے آ گیا ہے۔

القند یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ ان دونوں کو حبشیوں کے مذہبی پیشواؤں کے حوالے کر دو۔

☆

تین چار روز بعد قاہرہ میں العادل نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا ...... ''تین چار دنوں سے سالار القند نہیں مل رہا۔ میں اسے جب بھی بلاتا ہوں جواب آتا ہے کہ وہ نہیں ہے۔ اس کے گھر سے بھی یہی جواب ملا ہے۔ وہ کہاں جا سکتا ہے؟''

''اگر سرحدی دستوں کے معائنے کے لیے سرحد کے دورے پر جاتا تو آپ سے اجازت لے کر جاتا'' ...... علی بن سفیان نے جواب دیا ...... ''فوری طور پر میرے ذہن میں یہی آتا ہے کہ اسے تخریب کاروں نے اغوا یا قتل کر دیا ہوگا۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تخریب کاروں سے ہی جا ملا ہو'' ...... العادل نے کہا۔

''کبھی ایسا شک ہوا نہیں تھا'' ...... علی بن سفیان نے کہا ...... ''میں اس کے گھر سے پتہ کراتا ہوں۔''

وہ خود اس کے گھر چلا گیا القند کے بارہ باڈی گارڈ موجود تھے۔ ان کے کمانڈر سے پوچھا کہ سالار القند کہاں ہیں؟ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کسی بھی باڈی گارڈ کو معلوم نہیں تھا۔ ملازمہ کو باہر بلا کر کہا گیا کہ القند کی بیویوں سے پوچھے کہ القند کہاں گیا ہے۔ ملازمہ اسے اندر لے گئی۔ الگ کمرے میں بٹھایا۔ وہ بوڑھی عورت تھی۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا۔ ''اس گھر سے آپ کو پتا نہیں چلے گا کہ سالار القند کہاں چلے گئے ہیں۔ میں ایک عرصے سے یہاں جو کچھ دیکھ رہی ہوں۔ وہ بتا دیتی ہوں لیکن میری جان کی حفاظت آپ کے ذمے ہوگی۔ اگر میں مرگئی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ خاوند مدت ہوئی مر گیا تھا۔ ایک ہی بیٹا تھا وہ سوڈان کی لڑائی میں شہید ہو گیا ہے۔ میں نے یہاں نوکری کر لی ہے۔ یہ لوگ مجھے غریب اور سیدھی سادی عورت سمجھتے رہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ شہید کی ماں اس ملک اور اس مذہب کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی جس کی خاطر اس نے اپنا بیٹا شہید کرایا ہو ...... اس گھر میں مشکوک سے لوگ آتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک رات آدمی کو اندر آتے دیکھا۔ وہ عربی لباس میں تھا اور اس کی داڑھی تھی۔ مجھے اندر بلا کر کہا گیا کہ میں شراب لانے کا انتظام کروں۔ شراب ایک نئی بیگم پلایا کرتی ہے جو مصری یا عربی معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے دیکھا کہ داڑھی والا مہمان داڑھی اتار رہا تھا، اس کی داڑھی اور مونچھیں مصنوعی تھیں۔ اس سے پہلے بھی یہاں ایسے لوگ آتے رہے ہیں جن پر مجھے شک ہے کہ یہ نیک نیت لوگ نہیں۔ میرے کانوں میں اس قسم کے الفاظ بھی پڑے ہیں ...... آدھا مصر سوڈان کا ...... مصر کی امارت ...... ایک ہی رات میں کام ہو جائے گا ...... سالار رات کو نکلے تھے۔ ان کے ساتھ دو اجنبی صورت آدمی تھے میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ سالار نے محافظوں کے کمانڈر سے کچھ باتیں کی تھیں۔؟''

بوڑھی ملازمہ نے کچھ اور باتیں بتا کر علی بن سفیان پر یہ ثابت کر دیا کہ سالار القند نہ اغوا کیا گیا ہے نہ قتل اور نہ ہی وہ کسی سرکاری ڈیوٹی پر گیا ہے۔ مصر میں تخریب کاری اور غداری اتنی زیادہ ہوئی تھی اور ہو رہی تھی کہ کسی شریف انسان پر بھی شک نہ کرنا بہت بڑی لغزش تھی۔ القند نے کبھی شک پیدا نہیں ہونے دیا تھا لیکن علی بن سفیان بال کی کھال اتارنے والا سراغرساں تھا۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ کسی سالار کے رتبے کے آدمی کے گھر کی تلاشی کسی شہادت [illegible] نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے لیے مصر کے قائمقام سپریم کمانڈر العادل کی اجازت کی ضرورت تھی۔ اس نے [illegible] بھی لڑکی [illegible] معلوم نہیں۔

[illegible] اپنے محافظ کو بھیج کر اپنے شعبے کے تین چار سراغرساں بلا لیے اور انہیں القند کے مکان [illegible] نہ کرے۔ اس کے متعلق جو کچھ [illegible] انہیں ہدایت دی کہ کوئی مرد یا عورت مکان سے باہر آئے تو چوری چھپے اس کا تعاقب [illegible]

باہر آکر اس نے باڈی گارڈ کے کمانڈر کو حکم دیا کہ اپنے اور تمام محافظوں [illegible] القند کہاں گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ سوڈان

ساتھ چلو۔ بارہ آدمیوں کی گارد کو نہتہ کر کے علی بن سفیان اپنے ساتھ لے گیا اور العادل کو تفصیل رپورٹ دی۔ العادل نے اسے القند کے گھر پر چھاپہ مارنے کی اجازت دے دی..... وقت ضائع کیے بغیر سپاہیوں کی ایک ٹولی لائی گئی۔ اِدھر القند کے گھر میں کوئی اور ہی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ علی بن سفیان جب وہاں سے نکلا تھا تو القند کی ایک بیوی جو جوان تھی ملازمہ کو اپنے کمرے میں لے گئی اور اس سے پوچھا کہ علی بن سفیان نے اس سے کیا پوچھا اور اس نے کیا بتایا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ وہ سالار کے متعلق پوچھ رہا تھا اور میں نے بتایا تھا کہ میں غریب سی ملازمہ ہوں مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔

''تمہیں بہت کچھ معلوم ہے''..... بیگم نے اسے کہا..... ''اور تم نے بہت کچھ بتایا ہے۔''

بڑھیا اپنی بات پر قائم رہی۔ بیگم نے ایک ملازم کو بلایا اور اسے ساری بات بتا کر کہا..... ''اس نامراد بڑھیا کی زبان کھولو۔ کہتی ہے میں نے کچھ نہیں بتایا۔''

ملازم نے بڑھیا کے بال مٹھی میں لے کر مروڑے اور ایسا جھٹکا دیا کہ وہ چکرا کر گری۔ ملازم نے اس کی شہ رگ پر پاؤں رکھ کر دبایا۔ بڑھیا کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ ملازم نے دانت پیس کر کہا..... ''بتا اسے کیا بتایا ہے''..... اس نے پاؤں اٹھالیا۔

بڑھیا میں اٹھنے کی ہمت کم ہی رہ گئی تھی۔ وہ خاموش رہی۔ ملازم نے اس کی پسلیوں میں لات ماری۔ بڑھیا تڑپنے لگی۔ اس کے بعد ملازم نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر ادھ موا کر دیا۔ تب اس نے کہا..... ''جان سے مار ڈالو۔ اپنے شہید بیٹے کی روح کے ساتھ غداری نہیں کروں گی۔ تم غدار ہو۔ تم ایمان فروش کی بدکار بیوی ہو۔''

☆

کوشش نہ کرے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں بتائے گا تو اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ اس نے یہ کہہ کر وہ حکم کا پابند اور انعام و اکرام کا طلبگار تھا، علی بن سفیان کو بتایا کہ القند کا مسلسل رابطہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ تھا اور وہ انہی کے ساتھ گیا ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ایک گھریلو ملازم کو ایک سالار کے خفیہ پلان کا علم ہوتا۔ ملازم نے بتایا کہ القند نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ بہت دنوں کے بعد آئے گا اور جب تک ممکن ہو سکا اس کی غیر حاضری کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرتے رہیں۔ ملازم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ القند گیا کہاں ہے۔

نئی بیگم کو علی بن سفیان نے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ اپنے مخصوص تہہ خانے میں بھیج دیا اور خود کچھ اور تفتیش کر کے اور القند کے گھر پر پہرہ لگا کر اپنے دفتر میں چلا گیا جہاں القند کے باڈی گارڈ نہتے بیٹھے تھے۔ ان سب کو علی بن سفیان نے کہا..... ''تم مصر اور شام کی متحدہ سلطنت کے فوجی ہو کچھ چھپاؤ گے تو اس کی سزا موت ہے اور اگر تم نے حکم کی پابندی کرتے ہوئے سالار القند کی سرگرمیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے تو شاید میں تمہیں کوئی سزا نہ دوں گا۔''

گارد کا کمانڈر بول پڑا۔ اس نے جو بیان دیا، اس سے اس کی تصدیق ہوگئی کہ القند کے پاس صلیبی اور سوڈانی [illegible] بھی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ انہیں بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ القند گیا کہاں ہے۔

[illegible]ن اتار کر اس کمرے میں [illegible] علی بن سفیان تہہ خانے میں گیا القند کی نئی بیگم تنگ سی ایک کوٹھڑی میں بند تھی۔ اسے [illegible] لیا۔ کمانڈر کے کانوں میں وہ با[illegible] کوٹھڑی میں ایک ایسے قیدی کو ڈال دیا گیا تھا جو مسلسل اذیتوں سے تڑپتا اور کراہتا تھا۔ [illegible] نام سنا تھا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا [illegible] کی نشاندہی نہیں کرتا تھا۔ نئی بیگم دوپہر سے اس کے ساتھ بند تھی اور اسے تڑپتا دیکھ رہی ہوئی کہ اس کا سالار یہاں کیسے آ گیا [illegible] شہزادی تھی۔ تہہ خانے اور کوٹھڑی کی صرف بدبو ہی اسے پاگل کرنے کو کافی تھی۔ اس

آدمی کی حالت دیکھ دیکھ کر اس کا خون خشک ہو گیا تھا۔

علی بن سفیان جب اس کے سامنے گیا تو لڑکی چیخنے چلانے لگی اسے باہر نکال کر علی بن سفیان ایک اور کوٹھڑی کے سامنے لے گیا۔ سلاخوں کے پیچھے تنگ سی کوٹھڑی میں ایک سیاہ کالا حبشی بند تھا۔ ہیبت ناک شکل اور جسم بھینسے جیسا۔ اس نے سرحدی دستے کے ایک کمانڈر کو قتل کیا تھا۔ علی بن سفیان نے لڑکی سے کہا کہ باقی رات اسے اس کے ساتھ بند کیا جائے گا۔ لڑکی چیخ کر علی بن سفیان کے پاؤں گر پڑی۔

''پوچھو مجھ سے کیا پوچھتے ہو!''...... اس نے علی بن سفیان کی ٹانگوں سے لپٹ کر کہا۔

''القند کہاں گیا ہے؟ کیوں گیا ہے؟ اس کے ارادے کیا ہیں؟''...... علی بن سفیان نے پوچھا......

''اور اسے تہہ خانے میں لے جا کر ختم کر دو''...... بیگم نے کہا......''رات کو لاش غائب کر دینا۔ ہمارے سر سے ابھی خطرہ ٹلا نہیں۔ وہ ہمارے محافظ کو نہتہ کر کے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس بد بخت بڑھیا کو بہت کچھ معلوم ہے۔ اس راز سمیت زمین میں دبا دو۔''

بڑھیا فرش پر پڑی تھی۔ اس پر نیم غشی کی کیفیت طاری تھی۔ ملازم نے اسے ہلکی سی گٹھڑی کی طرح اٹھا کر کندھے پر ڈال دیا۔ کمرے سے نکل کر وہ برآمدے میں جا رہا تھا کہ آواز آئی......''رک جاؤ''...... اس نے گھوم کر دیکھا۔ سپاہی دوڑے آ رہے تھے۔ علی بن سفیان کے حکم پر وہ سب بکھر کر کمروں اور برآمدوں وغیرہ میں پھیل گئے۔ ملازم بھاگ نہ سکا۔ اس کے کندھے پر بڑھیا کو اتارا گیا۔ بڑھیا کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ علی بن سفیان کو دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا......''اس سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ تم آئے تو میرے شک پختہ ہو گیا کہ یہ تو گڑ بڑ ہے''...... اس کی آواز اکھڑ رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے بتایا کہ نئی بیگم اور اس کے اس ملازم نے اس سے یہ اگلوانے کے لیے کہ اس نے علی بن سفیان کو کیا بتایا ہے اسے بہت مارا ہے۔

علی بن سفیان نے ایک سپاہی سے کہا کہ بڑھیا کو فوراً طبیب کے پاس لے جاؤ...... بڑھیا نے روک دیا اور کہا ''مجھے کہیں نہ بھیجو۔ میں اپنے شہید بیٹے کے پاس جا رہی ہوں۔ مجھے نہ رکو''...... اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

القند کے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا گیا تہہ خانے میں گئے تو یہ اسلحہ خانہ بنا ہوا تھا۔ گھر سے سونے کے ٹکڑوں اور نقدی کے انبار برآمد ہوئے۔ ایک مہر بھی برآمد ہوئی جس پر القند کا پورا نام اور اس کے ساتھ ''سلطان مصر'' کندہ تھا۔ القند کو اپنی فتح کا اتنا یقین تھا کہ اس نے اپنے نام کی مہر بھی بنوالی تھی۔ اس مہر نے شکوک کو یقین میں بدل دیا۔ القند کے گھر میں چھ بیویاں تھیں اور شراب کا ذخیرہ بھی تھا۔ القند کے متعلق مشہور تھا کہ شراب نہیں پیتا۔ اب اس کے گھر سے پتا چلا کہ رات کو پیا کرتا تھا۔ علی بن سفیان نے اس کی تمام بیویوں سے پوچھ گچھ کی تو اور کار آمد معلومات حاصل ہوئیں۔ اہم شہادت نئی بیگم کی تھی جس نے ملازم کے ہاتھوں بڑھیا کو مروا دیا تھا۔ باقی تمام بیویوں نے کہا کہ سارا راز نئی بیگم کے سینے میں ہے۔ اس کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ اس کی زبان مصری نہیں، سوڈانی ہے اور جب باہر کے آدمی آتے ہیں تو صرف یہی لڑکی ان میں اٹھتی بیٹھتی اور ان کے ساتھ شراب پیتی ہے۔ ان بیویوں کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ انہیں اور کچھ بھی معلوم نہیں۔

نئی بیگم کو الگ کر لیا گیا۔ علی بن سفیان نے کہا کہ وہ اب کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے متعلق جو کچھ جانتی ہو بتا دو۔''

نازک سی لڑکی نے سب کچھ ہی بتا دیا۔ اسے بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ القند کہاں گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ سوڈان

سے حبشیوں کی فوج لائی جا رہی ہے جو کسی رات قاہرہ پر حملہ کرے سارے مصر پر قابض ہو جائے گی یہ لڑکی چونکہ شراب پلانے کا فرض ادا کرتی تھی، اس لیے القند کے گھر میں آئے ہوئے صلیبی اور سوڈانی مہمان اسے اپنا سمجھ کر اس کے سامنے بھی باتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ لڑکی سوڈان کے کسی بڑے آدمی کی بیٹی تھی۔ اسے القند کے لیے تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ القند نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ لڑکی بہت ہوشیار اور تیز تھی وہ سوڈان کے مقصد کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اس کے بتانے کے مطابق یہ سونا اور نقدی جو اس کے گھر سے برآمد ہوئی تھی، سوڈان سے آئی تھی۔ یہ جنگ کے اخراجات کے لیے اور مصری کی فوج سے غدار خریدنے کے لیے تھی۔ اس لڑکی کو اس مقام کا علم نہیں تھا جہاں حبشیوں کی بہت سی فوج آ چکی تھی، اس نے بتایا کہ فوج کہیں دریا کے کنارے ہے اور اس کا حملہ شب خون کی قسم کا ہوگا۔

جس قدر معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں کر لی گئیں۔ علی بن سفیان نے العادل کو تفصیلی رپورٹ دی اور تجویز پیش کی کہ دو دو چار چار سپاہی دیکھ بھال کے لیے ہر طرف پھیلا دیئے جائیں جو یہ دیکھیں کہ سوڈانی فوج کا اجتماع کہاں ہے اور یہ بھی معلوم کیا جائے کہ حبشیوں کی فوج اگر واقعی اندر آ گئی ہے تو کدھر سے آئی ہے۔ اس نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع نہ دی جائے کیونکہ وہ سوائے پریشان ہونے کے کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ العادل سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ حالات زیادہ بگڑ سکتے ہیں۔ اس صورت میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی ضرورت پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مکمل رپورٹ لکھ کر ایک سینئر کمانڈر کو چار محافظوں کے ساتھ دی گئی اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ ہر چوکی پر گھوڑے تبدیل کریں اور کہیں رکیں نہیں۔

☆

میدان جنگ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ہیڈ کوارٹر کسی ایک جگہ نہیں رہتا تھا۔ وہ دن کو کہیں اور رات کو کہیں اور ہوتا اور خود گھومتا پھرتا رہتا تھا لیکن اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اس تک پہنچتے وقت وقت نہیں ہوتی تھی۔ جگہ جگہ راہنما موجود رہتے تھے۔ جنہیں خبر پہنچا دی جاتی تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کہاں ہے۔ یہ ایک راز ہوتا تھا، اس لیے راہنما ذہین قسم کے افراد ہوتے تھے۔ جس دن تین دنوں کی مسافت کے بعد پیغام لے جانے والا کمانڈر چار محافظوں کے ساتھ دمشق پہنچا اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی الرستان کے سلسلہ کوہ میں تھا۔ سردی کا عروج تھا۔ کمانڈر اور اس کے محافظوں کی یہ حالت تھی کہ بھوک، نیند اور مسلسل سواری سے ان کے چہرے لاشوں کی طرح سوکھ گئے تھے۔ زبانیں باہر نکلی ہوئیں اور سر ڈول رہے تھے۔ پھر بھی وہ فوراً روانہ ہونے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ انہیں زبردستی کھلایا پلایا گیا اور وہ الرستان کے لیے روانہ ہو گئے۔

تریپولی کا صلیبی حکمران ریمانڈ الملک الصالح کی مدد کے لیے آیا اور بغیر لڑے واپس چلا گیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے آگے گھات لگائی اور عقب سے اس کی رسد روک لی تھی۔ عقب میں بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج دیکھ کر ریمانڈ اپنی فوج کو کسی اور طرف سے نکال کر لے گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کا تعاقب مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس سے وقت اور طاقت ضائع ہوتی تھی۔ اس نے زیادہ نفری کے چھاپہ مار دستے ریمانڈ کی رسد کو پکڑ لانے یا دوسری صورت میں تباہ کر دینے کے لیے بھیج دیئے۔ موسم سرما کی بارشیں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ صلیبیوں کی رسد کا قافلہ بہت ہی بڑا تھا۔ رات کے وقت رسد کے محافظ گھوڑا گاڑیوں کے نیچے اور خیموں میں پڑے تھے۔ انہیں رسد واپس لے جانی تھی۔ اگلی صبح انہیں کوچ کرنا تھا۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دن کے وقت پہاڑیوں اور چٹانوں کی اوٹ سے چند

آنکھیں انہیں دیکھتی رہی تھیں۔ انہیں غالباً توقع تھی کہ اتنی سردی میں اور بارش کے دوران ان پر کوئی حملہ نہیں کرنے آئے گا۔

رات کو اچانک ان کے کیمپ کے ایک طرف شور اٹھا۔ شعلے بھی اٹھے۔ خیمے جل رہے تھے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ ماروں کا شب خون تھا۔ انہوں نے پہلے چھوٹی منجنیقوں سے آتش گیر مادے کی ہانڈیاں پھینکیں، پھر جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے تھے۔ شعلوں کی روشنی میں انہوں نے حملہ کر دیا۔ برچھیوں اور تلواروں سے بہت سے صلیبیوں کو ختم کر کے چھاپہ مار پہاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ کچھ دیر تک قریبی چٹانوں سے رسد کے کیمپ پر تیر برستے رہے۔ اس کے بعد چھاپہ ماروں کی دوسری پارٹی نے حملہ کیا۔ صبح تک ڈیڑھ دو میل علاقے میں پھیلے ہوئے کیمپ میں رسد رہ گئی تھی یا لاشیں یا ایسے زخمی جو چلنے کے قابل نہیں تھے۔ بہت سے گھوڑوں کو صلیبی بھگا لے گئے تھے۔ بہت سے پیچھے بھی رہ گئے تھے چھاپہ ماروں کے شب خونوں کے درمیانی وقفے میں صلیبی کچھ گھوڑا گاڑیاں نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جو رسد اور گھوڑے رہ گئے وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج نے قبضے میں لے لیے۔

حلب کا محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس اہم شہر کو ایک بار پھر محاصرے میں لینے کی سکیم بنا رہا تھا۔ دن کے وقت جب چھاپہ ماروں کا کمانڈر سلطان صلاح الدین ایوبی کے شبخونوں کی رپورٹ دے رہا تھا۔ دربان خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی کہ قاہرہ سے ایک کماندار ایک پیغام لایا ہے۔ پیغام قاصد لایا لے جایا کرتے تھے۔ کماندار کا نام سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی دوڑ کر باہر آیا اور اس کے منہ سے نکلا ''خیریت؟...... تم کیوں آئے ہو؟''

''پیغام اہم ہے''...... کمانڈر نے کہا...... ''خدائے ذوالجلال سے خیریت کی امید رکھنی چاہیے۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے پیغام لیا اور کمانڈر کو اندر لے گیا۔ اس نے پیغام پڑھا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔

''ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سوڈانیوں کی فوج مصر میں داخل ہو کر کہاں خیمہ زن ہوئی ہے؟''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

''دیکھ بھال کے دستے بھیج دیئے گئے ہیں''...... کماندار نے جواب دیا۔

''مجھے توقع تھی کہ میری غیر حاضری میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''میرے بھائی (العادل) سے کہنا کہ گھبرائے نہیں۔ قاہرہ کے دفاع کو مضبوط کر لے لیکن صرف دفاعی لڑائی نہ لڑے۔ زیادہ تر دستے اپنے پاس رکھے اور ان میں سے جوابی حملے کے لیے تجربہ کار دستے الگ کر لے لیکن انہیں شہر میں ہی رہنے دے۔ فوج کی کوئی نقل و حرکت نہ کرے تاکہ دشمن کو یہ امید رہے کہ وہ تمہیں بے خبری میں لے لے گا۔ ظاہر یہ کرتے رہنا کہ قاہرہ کی فوج کو علم نہیں کہ قاہرہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ شہر کو محاصرے میں نہ آنے دینا۔ اس سے پہلے ہی جوابی حملہ کر دینا۔ کوشش یہ کرو کہ دشمن کے حملے سے پہلے ہی ڈھونڈ لو۔ اگر پتا چل جائے کہ وہ کہاں ہے تو زیادہ نفری سے حملہ نہ کرنا۔ شب خون مارنا۔ سرحدی دستوں کی نفری زیادہ کر دو تاکہ دشمن بھاگ کر نہ جا سکے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی فوج سرحد پار کس طرح کر آئی ہے۔ کسی نہ کسی سرحدی چوکی کی مدد یا کوتاہی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمہیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ دشمن رسد اور کمک کے بغیر نہیں لڑ سکے گے سرحد کو مضبوطی سے بند کر دینا۔ لڑائی کو طول دینا تاکہ دشمن بھوک سے مرے۔ میں تمہیں عملاً بتا چکا ہوں کہ دشمن کو بکھیر کر کس طرح لڑایا جاتا ہے۔ زیادہ نفری کے خلاف زیادہ نفری سے آمنے سامنے آ کر لڑنا قطعاً ضروری نہیں......

''مجھے توقع نہیں تھی کہ القند بھی غدار نکلے گا۔ پھر بھی میں حیران نہیں۔ ایمان کی نیلامی میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

بادشاہی کا صرف تصور ہی انسان کو ایمان سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اقتدار کا نشہ قرآن کو بند کر کے الگ رکھ دیتا ہے۔ مجھے افسوس القند پر نہیں، میں اسلام کے مستقبل کے متعلق پریشان ہوں۔ ہمارے بھائی صلیبیوں کے ہاتھوں فروخت ہوتے جا رہے ہیں۔ ادھر میرے بھائی میرے خلاف لڑ رہے ہیں۔ میرا پیرومرشد نورالدین زنگی اس دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ کل پرسوں ہم بھی اٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ یہی سوال مجھے پریشان رکھتا ہے۔ کوشش کرنا کہ جب تک زندہ رہو اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ مجھے باخبر رکھنا''

اس نے پیغام لانے والے کمانڈر کو بہت سی ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

☆

مصری فوج کے چند ایک دستوں کو دو دو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر کے بھیج دیا گیا کہ وہ گھوم پھر کر دشمن کے اجتماع کو ڈھونڈیں۔ اس دوران اس سرحدی چوکی سے جس کا کمانڈر زہرہ کے ساتھ لاپتہ ہو گیا تھا، ایک سپاہی نے قاہرہ آ کر رپورٹ دی کہ چوکی کا کمانڈر چند دنوں سے لاپتہ ہے۔ سپاہی نے یہ نہ بتایا کہ ان کی چوکی پر ناچ گانا ہوا تھا اور ایک رقاصہ کمانڈر کے خیمے میں گئی تھی۔ اس اطلاع سے شک ہوا کہ وہ دشمن کے ساتھ مل گیا ہے اور اسی کی مدد سے دشمن اندر آیا ہے۔ علی بن سفیان نے رائے دی کہ چونکہ وہ چوکی دریائی راستے کی نگرانی کے لیے ہے، اس لیے دشمن دریا کے راستے آیا ہوگا۔ فیصلہ ہوا کہ کسی ذہین کمانڈر کو اس چوکی پر محافظوں کے ایک دستے کے ساتھ بھیجا جائے۔

چوکی کا کمانڈر اور زہرہ حبشیوں کے قبضے میں تھے لیکن قید ہوتے ہوئے بھی وہ قیدی نہیں تھے۔ انہیں جو لباس پہنایا گیا تھا وہ پرندوں کے رنگ برنگ پروں کا بنا ہوا تھا۔ جس کمرے میں انہیں رکھا گیا تھا، اسے پروں اور پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ انہیں خاص قسم کی غذا کھلائی جا رہی تھی۔ حبشیوں کے مذہبی پیشوا ان کے آگے سجدے کرتے اور کچھ بڑبڑا کر چلے جاتے تھے۔ کسی طور کو ان کے قریب آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک بار انہیں درختوں کی مضبوط ٹہنیوں اور پتوں کی بنی ہوئی پالکیوں پر اٹھا کر دریا میں نہلانے کے لیے لے جایا گیا تھا۔ دونوں کو معلوم تھا کہ انہیں ذبح کیا جائے گا۔ رات کو وہ تنہا ہوتے تھے لیکن باہر آٹھ دس حبشی موجود رہتے تھے۔ کمانڈر نے کئی بار اٹھ کر دیکھا تھا کہ فرار کی کوئی صورت بن سکتی ہے یا نہیں۔ فرار ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

ایک رات حبشیوں کے دو مذہبی پیشوا آئے۔ کمانڈر اور زہرہ سوئے ہوئے تھے۔ انہیں جگایا گیا۔ وہ سمجھے کہ ان کی موت آن پہنچی ہے۔ مذہبی پیشواؤں نے ان کے آگے سجدہ کیا اور دونوں کو باہر لے گئے۔ باہر پالکیاں رکھی تھیں۔ ایک پر کمانڈر اور دوسرے پر زہرہ کو بٹھایا گیا۔ دو دو حبشیوں نے ایک ایک پالکی اٹھالی۔ مذہبی پیشوا آگے آگے چل پڑے۔ وہ دونوں مل کر کچھ گنگنانے لگے۔ پالکیوں کے پیچھے دو اور حبشی تھے جن کے پاس برچھیاں تھیں۔ وہ محافظ تھے۔ کمانڈر اور زہرہ خاموش تھے۔ پہاڑیوں سے نکل کر وہ لوگ دریا کی طرف چل پڑے۔ کمانڈر نے دیکھا کہ چاند افق سے نکل رہا تھا۔ اس سے اس نے اندازہ کیا کہ رات آدھی گزر گئی ہے۔ اس وقت سے پہلے چاند نہیں ہوتا تھا۔

دریا کے کنارے لے جا کر پالکیاں اتاری گئیں۔ مذہبی پیشوا آگے بڑھ کر کمانڈر اور زہرہ کا لباس اُتارنے لگے۔ چاند کی روشنی میں کمانڈر نے دیکھا کہ برچھیوں والے دونوں محافظ اور پالکیاں اٹھانے والے دونوں حبشی ان کی طرف پیٹھ کر کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے تھے۔ اُن کے لیے شاید یہی حکم تھا۔ کمانڈر نے چیتے کی طرح جست لگائی اور ایک حبشی سے برچھی چھین لی۔ وہ تجربہ کار سپاہی تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر دوسرے حبشی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ اس حبشی کی

برچھی گر پڑی۔ کمانڈر نے چلا کر کہا...... ''زہرہ بھاگ کر آؤ۔ یہ برچھی اٹھا لو''

زہرہ دوڑی۔ کمانڈر نے گری ہوئی برچھی کو ٹھڈا مارا تو وہ زہرہ تک پہنچ گئی۔ کمانڈر نے کہا...... ''اب مرد بن جاؤ''...... حبشیوں نے خالی ہاتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ برچھیوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مذہبی پیشوا بھاگ اٹھے۔ کمانڈر نے انہیں دور نہیں جانے دیا۔ زہرہ بھی ادھر کو ہی دوڑ پڑی۔ دونوں پیشوا ختم ہو گئے۔ باقی بھی مرنے سے پہلے زور زور سے کراہ اور چلا رہے تھے۔ کمانڈر کی برچھی نے سب کو خاموش کر دیا اور وہ چوکی طرف دوڑ پڑے۔ بہت آگے گئے تو انہیں دو گشتی سنتری گھوڑوں پر سوار آتے نظر آئے۔ کمانڈر نے انہیں پکار کر کہا کہ جلدی آگے آؤ۔

سنتریوں نے اپنے کمانڈر کو پہچان لیا۔ کمانڈر نے انہیں کہا ...... ''گھوڑے ہمیں دو۔ ہم قاہرہ جا رہے ہیں۔ تم دونوں واپس چوکی میں چلے جاؤ۔ اگر کوئی ہماری تلاش میں آئے تو کہنا کہ تم نے ہمیں نہیں دیکھا۔''

سپاہی پیدل واپس چلے گئے۔ کمانڈر نے زہرہ کو گھوڑے پر سوار کیا اور خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر زہرہ سے کہا کہ اگر تم نے کبھی گھوڑ سواری نہیں کی تو گھبرانا نہیں۔ گھوڑا تمہیں گرائے گا نہیں۔ ڈرنا مت۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑے لگا اور اس کے ساتھ ہی زہرہ نے ڈر کے مارے چیخنا شروع کر دیا۔ کما[illegible] لیا اور زہرہ کو اپنے گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور دوسرے گھوڑے کی باگیں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر زہرہ سے کہا کہ وہ اس کی کمر کے گرد بازو ڈال لے۔

گھوڑا پھر دوڑ پڑا۔ کمانڈر خطے سے دور ہٹ کر اور چکر کاٹ کر جا رہا تھا۔ اسے سمت اور راستے کا علم تھا۔ وہ ابھی دو میل بھی نہیں گیا ہوگا کہ ایک طرف سے اسے آواز سنائی دی...... ''ٹھہر جاؤ کون ہو؟''...... کمانڈر رکا نہیں۔ بیک وقت چار گھوڑے اس کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ کمانڈر نے اپنے گھوڑے کی رفتار اور تیز کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا گھوڑا تھک گیا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ دوسرے گھوڑے کو اپنے پہلو میں کر کے اس پر سوار ہو جائے وہ گھوڑا بغیر وزن کے بھاگ رہا تھا۔ اس لیے زیادہ تھکا ہوا نہیں تھا، مگر زہرہ کے ساتھ بھاگتے گھوڑے سے دوسرے گھوڑے پر سوار ہونا ممکن نہیں تھا۔ چاند اوپر آگیا تھا جس سے دُور تک نظر آسکتا تھا۔ چاروں گھوڑے بہت قریب آگئے تھے۔

دو تیر آئے جو کمانڈر کے قریب سے گزر گئے۔ ان کے ساتھ آواز آئی...... ''اگر نہ رُکے تو اب تیر کھوپڑی میں اتر جائیں گے۔''

کمانڈر کو معلوم تھا کہ وہ رُکا تو بھی موت ہے۔ یہ لوگ حبشیوں کے حوالے کر کے آج ہی رات ذبح کر دیں گے بھاگتے رہنے میں بچ نکلنے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس نے گھوڑا دائیں بائیں گھما گھما کر دوڑانا شروع کر دیا تاکہ تیر نشانے پر نہ آئیں۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ اس کے تعاقب میں آنے والے سیدھے آرہے تھے۔ جس سے فاصلہ کم ہو گیا اور وہ گھیرے میں آگیا۔ اس کے جسم پر پردوں کا لباس تھا جس سے وہ پرندہ لگتا تھا۔ یہی حالت زہرہ کی تھی کمانڈر نے ان چاروں کو دیکھا تو اسے شک ہوا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا...... ''تم کون ہو؟'' ''یہ لڑکی کون ہے؟''...... دوسرے نے کہا...... ''پوچھتے کیا ہو، سوڈانی ہے یہ۔ دیکھو تو انہوں نے پہن کیا رکھا ہے۔''

کمانڈر ہنس پڑا اور بولا...... ''میرے دوستو، میں تمہاری فوج کا ایک کماندار ہوں''...... اس نے زہرہ کا تعارف کرایا اور ساری واردات سنا دی۔

یہ چار سوار دیکھ بھال کے کسی دستے کے تھے۔ وہ یہی دیکھتے پھر رہے تھے کہ سوڈان کی فوج کہاں ہے اور کہیں

ہے بھی یا نہیں۔ وہ کمانڈر اور زہرہ کو ساتھ لے کر قاہرہ کی سمت چل پڑے۔

☆

بڑی ہی لمبی مسافت طے کر کے وہ اگلی رات قاہرہ پہنچے۔ انہیں سب سے پہلے علی بن سفیان کے پاس لے جایا گیا اور رات کو ہی العادل کو جگا کر بتایا گیا کہ چار ہزار سے زیادہ حبشی فوج فلاں جگہ چھپی ہوئی ہے۔ اور اس کی قیادت سالار القند کر رہا ہے۔ العادل نے اسی وقت اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے طریقہ جنگ کے مطابق اس نے ہراول میں سوار دستے رکھے، جن کی نفری خاصی تھوڑی تھی۔ دو حصے پہلوؤں میں پیچھے رکھے۔ درمیان میں اپنا مین کوارٹر اور اپنے پیچھے زیادہ سے زیادہ دستے ریزرو میں رکھے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ خطہ پہاڑی ہے۔ اس نے فوج کو قلعے کا محاصرہ کرنے کی تربیت میں رکھا اور کمانڈروں کو وہ جگہ سمجھا کر محاصرے کی ہی ہدایات دیں۔ پہاڑوں پر چڑھنے کے لیے اس نے چھاپہ مار دستے الگ کر لیے جنہیں اس نے اپنی کمان میں رکھا۔

اُدھر صبح کے وقت کسی نے دیکھا کہ مذہبی پیشواؤں اور چار حبشیوں کی لاشیں دریا کے کنارے پڑی ہیں۔ القند اور اس کے صلیبی مشیروں کو اطلاع دی گئی۔ کسی حبشی کو پتا نہ چلنے دیا گیا۔ القند کو یہ بھی بتایا گیا کہ جس مرد اور عورت کو قربانی کے لیے رکھا گیا تھا وہ لاپتہ ہیں۔ تب القند نے پوچھا کہ وہ آدمی کون تھا۔ اسے جب بتایا گیا کہ وہ اس قریبی چوکی کا کمانڈر تھا تو وہ چونکا۔ اسے یاد آ گیا کہ اس کمانڈر نے اسے دیکھا تھا۔

''وہ سیدھا قاہرہ گیا ہوگا'' القند نے کہا...... ''اسے چوکی میں جا کر دیکھنا اور پکڑنا بیکار ہے۔ اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہم قاہرہ پر بے خبری میں ہلہ بولنا چاہتے تھے لیکن ہم نے وقت ضائع کیا۔ اب ہم بے خبری میں مارے جائیں گے۔ میں اپنی فوج کو جانتا ہوں۔ خبر ملتے ہی اڑ کر پہنچے گی...... اور ایک کام فوراً کرو۔ حبشیوں کی لاشیں دریا میں بہا دو۔ اگر ان حبشیوں کو پتا چل گیا کہ ان کے مذہبی پیشوا اور ان کے محافظ مارے گئے اور جنہیں قربان کرنا تھا وہ بھاگ گئے ہیں تو یہ ہجوم قاہرہ کی بجائے خرطوم کی طرف چل پڑے گا۔

فوراً ہی اعلان کر دیا گیا کہ دریا کے کنارے قربانی دے دی گئی ہے۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ میرے دشمنوں پر فوراً حملہ کر دو...... ان کے جو کمانڈر مقرر کیے گئے تھے انہوں نے حبشیوں کو تعداد کے مطابق الگ الگ کر دیا تیر انداز الگ ہو گئے۔ جنگی سکیم کے مطابق انہیں ترتیب میں کر لیا گیا۔ انہیں پہاڑیوں کے اندر سے نکال کر دریا کے کنارے اس جگہ کے قریب سے گزارا گیا جہاں حبشیوں کا خون بکھرا ہوا تھا اور پالکیاں پڑی تھیں۔ وہاں ایک آدمی کھڑا اعلان کر رہا تھا...... ''یہ خون اس مرد اور عورت کا ہے جنہیں قربان کیا گیا ہے۔''

یہ فوج دریا کے کنارے قاہرہ کی سمت روانہ ہوئی۔ حبشی جنگی ترانہ گاتے جا رہے تھے۔ دن چلتے گزر گیا رات آئی تو پڑاؤ کیا گیا۔ اگلی صبح پھر کوچ ہوئی۔ پہاڑی خطہ بہت پیچھے رہ گیا۔ یہ دن بھی گزر گیا۔ اور ایک اور رات آئی۔ حبشیوں پڑاؤ کرنے کو کہا گیا۔ وہ کھا پی کر صحرا میں بکھر گئے اور بے سدھ سو گئے...... آدھی رات کے وقت ان کے پچھلے حصے پر العادل کے ایک چھاپہ مار گروہ نے شب خون مارا۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے اور غائب ہو گئے۔ حبشیوں میں ہڑبونگ مچ گئی بہت دیر بعد ایسا ہی ایک اور ہلہ آیا جو بہت سے حبشیوں کو روندتا کچلتا نکل گیا۔ القند سب سے آگے تھا۔ اسے اطلاع ملی اس نے اگلے روز کی پیشقدمی روک دی۔

''یہ شب خون بتاتے ہیں کہ ہم مصری فوج کی نظر میں آ گئے ہیں۔'' اس نے صلیبی اور سوڈانی کمانڈروں

کہا...... ''یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا خصوصی طریقہ جنگ ہے۔ ہم اب آگے نہیں بڑھ سکتے۔ تم ہزار جتن کرو مصری فوج سے تم کھلے صحرا میں لڑ نہیں سکتے اور اب تم بھاگ بھی نہیں سکتے۔ اب پیچھے چلو اور پہاڑیوں میں لڑو۔ ہمارا تمام تر منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ قاہرہ والے نہ صرف بیدار ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے فوج بھیج دی ہے۔''

''کیا ہم صحرا میں مصری فوج کو ڈھونڈ کر اس سے لڑ نہیں سکتے؟'' ایک صلیبی نے کہا۔

''اگر تم لوگ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کو سامنے لا کر لڑا سکتے تو آج مصر تمہارا ہوتا۔'' القند نے کہا...... ''میں اس فوج کا سالار رہوں۔ تم مجھ سے بہتر نہیں سمجھتے کہ اس فوج سے کیسے لڑنا ہے۔''

☆

سحر کے وقت حبشیوں کی فوج واپس چل پڑی۔ ہر طرف حبشیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ القند ٹھیک کہتا تھا کہ اس کی فوج مصری فوج کی نظر میں آ گئی ہے۔ مصری فوج کا دیکھ بھال کا انتظام القند کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ وہ حبشیوں کی فوج کو پیچھے لے چلا تو العادل فوراً سمجھ گیا کہ القند پہاڑیوں میں لڑنا چاہتا ہے۔ اس نے اسی وقت سوار تیر انداز دستے دُور کے راستے سے پہاڑی خطے کی طرف روانہ کر دیئے۔ پیادہ دستے بھی بھیجے گئے اور اس نے زیادہ تر دستے اپنے پاس روکے رکھے۔ ان دستوں کے ساتھ وہ حبشی فوج سے بہت فاصلہ رکھ کر پیچھے پیچھے چل پڑا۔

راستے میں رات آئی۔ حبشیوں کا پڑاؤ ہوا۔ رات کو العادل کے چھاپہ مار دستے حرکت میں آئے۔ حبشیوں کے ایک جیش کو بیدار رکھا گیا تھا۔ یہ تیر انداز تھے۔ انہوں نے بہت تیر چلائے جن سے کچھ سوار چھاپہ مار شہید ہوئے لیکن وہ جو نقصان کر گئے وہ بہت زیادہ تھا۔ سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ حبشیوں کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو گیا تھا۔ وہ کچھ اور سوچ کر آئے تھے۔ وہ آمنے سامنے لڑنے کے عادی تھے مگر یہاں دشمن انہیں نظر ہی نہیں آتا تھا وہ تباہی بپا کر جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ آگے بڑھتے بڑھتے پیچھے ہٹ رہے تھے۔

اگلے دن حبشیوں نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھیں اور پیچھے کو چل پڑے...... سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ جب وہ پہاڑی خطے میں داخل ہوئے لیکن اب انہیں پہلے کی طرح ایک جگہ جمع نہیں کرنا تھا، بلکہ پہاڑیوں کے اوپر، نیچے اور وادیوں میں لڑنے کی ترتیب میں رکھنا تھا ان کی آدھی نفری پہاڑیوں میں پہنچ چکی تھی۔ جب ان پر بلندیوں سے تیر برسنے لگے۔ العادل کے برق رفتار دستے پہلے ہی وہاں پہنچ کر مورچہ بند ہو گئے تھے۔ حبشیوں کے کمانڈروں نے چیخ چلا کر انہیں اوٹ میں کیا اور تیر اندازی کا حکم دیا۔ باقی نصف فوج ابھی باہر تھی۔ اسے پیچھے ہٹایا گیا۔ القند نے اس نفری کو پہاڑیوں پر چڑھا کر آگے جانے اور اوپر سے تیر چلانے کی چال چلی مگر حبشی ابھی پہاڑوں پر چڑھنے ہی والے تھے کہ ادھر سے العادل کی فوج جوان کے عقب میں جا رہی تھی پہنچ گئی۔

حبشیوں کی خاصی نفری بلندیوں پر جانے میں کامیاب ہو گئی۔ جہاں سے حبشیوں نے نہایت کارگر تیر اندازی کی۔ العادل کو نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر اس کی سکیم اچھی تھی۔ اس نے ادھر سے دستے پیچھے ہٹا لیے۔ اس کی پہلی ہدایات کے مطابق دوسری طرف سے تیر انداز اور دیگر دستے پہاڑی خطے کی بلندیوں پر جا رہے تھے۔ سوار دستوں میں ایک کو دریا کے کنارے بھیج دیا گیا۔

اسوان کے اس سلسلہ کوہ میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ وادیوں پر تیر برس رہے تھے۔ پھر سوار دستوں کو وادیوں میں بولنے کا حکم ملا۔ رات کو حبشی تو دبک گئے لیکن العادل نے منجنیقوں کے دستوں کو حکم دیا کہ وہ جگہ جگہ آتش گیر مادے کی

ہانڈیاں پھینک کر آگ کے گولے پھینکیں۔ تھوڑی دیر بعد پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر آگ کے شعلے اٹھے اور ہر طرف روشنی ہوگئی۔ اس روشنی میں رات کو بھی معرکہ جاری رہا۔ صبح کے وقت حبشی خاموش ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ زمین دوز محلات میں چلے گئے تھے۔ انہیں بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔

دن کے وقت القند کی لاش مل گئی۔ وہ کسی کے تیر سے یا تلوار سے نہیں اپنی تلوار سے مرا تھا۔ اس کی اپنی تلوار اس کے دل کے مقام پر اتری ہوئی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اس نے خودکشی کی ہے۔ چند ایک صلیبی اور سوڈانی کمانڈر زندہ پکڑے گئے اور حبشی جنگی قیدیوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔

العادل نے وہیں سے قاصد کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام کامیابی کا پیغام دے کر روانہ کر دیا اور اسے حکم دیا کہ بہت جلدی سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچو۔ وہ بہت پریشان ہوں گے۔

یہ چراغ لہو مانگتے ہیں

عالمِ اسلام کے اسی خطے میں جہاں آج شامی مسلمان لبنانی صلیبیوں کے ساتھ مل کر فلسطینی حریت پسندوں کو پوری جنگی قوت سے سے کچل رہے ہیں، وہیں آٹھ سو سال پہلے بہت سے مسلمان امراء، اور حاکم اور مسلمان زنگی مرحوم کا نوعمر بیٹا صلیبیوں سے مدد لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا تھا۔ اس وقت فلسطین صلیبیوں کے قبضے میں تھا اور سلطان صلاح الدین ایوبی قبلۂ اول کے اس خطے کو کفار سے آزاد کرانے کا عزم لے کر نکلا تھا۔ صلیبی اس سے فلسطین کو نہیں بچا سکتے تھے مگر مسلمان ہی اس کے راستے میں حائل ہو گئے۔ آج بھی فلسطین پر کفار کا قبضہ ہے اور فلسطینی حریت پسند جو قبلۂ اول کو آزاد کرانے کے لیے اٹھے تھے، شامی مسلمانوں کی توپوں اور ٹینکوں سے بھسم کیے جا رہے ہیں۔

مارچ ۱۱۷۵ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی اسی خطے کے الرستان سلسلۂ کوہ میں کسی جگہ اپنے کوارٹر میں بیٹھا اپنے مشیروں اور کمانڈروں کے ساتھ اگلے اقدام کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس نے حلب کا محاصرہ اس لیے اٹھا لیا تھا کہ ملک الصالح نے صلیبی بادشاہ ریمانڈ کے ساتھ جو جنگی معاہدہ کیا تھا، اس کے مطابق ریمانڈر سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے آ گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بروقت محاصرہ اٹھا لیا اور ایسی چال چلی کہ ریمانڈ کی فوج کے عقب میں چلا گیا اور ریمانڈ نے لڑے بغیر بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔ حلب مسلمانوں کا شہر تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن مسلمان امراء اور الملک الصالح کا جنگی مرکز بن گیا تھا۔ حلب کے مسلمانوں نے خلیفہ اور امراء کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ بے جگری سے کیا تھا۔

وہ حلب پر ایک بار پھر حملہ کر کے غداروں اور ایمان فروشوں کے اس مرکز کو ختم کرنے کی سکیم بنا رہا تھا کہ اسے مصر سے اطلاع ملی کہ مصر میں اس کے ایک جرنیل القند نے صلیبیوں کی مدد سے سوڈانی حبشیوں کی فوج اس مقصد کے لیے تیار کر لی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصر پر حملہ کیا جائے اور مصر کی امارت سلطان صلاح الدین ایوبی سے چھین لی جائے لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل نے حبشیوں کو اسوان کے مقام پر شکست دی اور القند نے خودکشی کر لی۔ اس کی اطلاع ابھی سلطان صلاح الدین ایوبی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے وہ الرستان میں پریشان بیٹھا تھا۔

عظمتِ اسلام کا یہ پاسبان ہر طرف سے خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ کئی ایک مسلمان امراء کی فوجیں اس کے خلاف متحد تھیں اور صلیبیوں کا خطرہ الگ تھا۔ ان سب کے مقابلے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ اس نے ایسا اقدام کر دکھایا تھا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اس کے دشمنوں کو یہ توقع تھی کہ اس پہاڑی خطے میں سردیوں میں کوئی جنگ کی سوچ ہی نہیں سکتا۔ پہاڑیاں جو بلند تھیں وہاں برف بھی پڑتی تھی۔ سلطان صلاح الدین

ایوبی نے اپنی فوج کو ٹریننگ دے کر اس وقت حملہ کیا جب سردی عروج پر تھی۔ اس دلیرانہ اور غیر متوقع اقدام سے اس نے قلیل فوج سے سب کو خوفزدہ کر دیا اور ایسی پوزیشن حاصل کر لی کہ دشمن کی کسی بھی فوج کو اپنی پسند کی جگہ گھسیٹ کر لڑا سکتا تھا۔ اس کی فوج اتنی تھوڑی تھی کہ اسے کبھی کبھی ناکامی کا خطرہ بھی محسوس ہونے لگتا تھا لیکن سبھی اس سے ڈر رہے تھے۔ اسے یہ ڈر تھا کہ ریمانڈ سکیم اور راستہ بدل کر اس پر حملہ کرے گا لیکن ریماڈ کی حالت یہ تھی کہ اس نے اپنے علاقے تریپولی کا دفاع اس ڈر سے مضبوط کر لیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی حملہ کرے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جس طرح اسے بھگایا تھا اس سے سلطان صلاح الدین ایوبی اسی صورت میں فائدہ اٹھا سکتا تھا کہ صلیبیوں کا تعاقب کرتا مگر فوج کی قلت نے اسے آگے نہ جانے دیا اور بڑی وجہ یہ تھی کہ مصر میں القند کی بغاوت نے اسے روک دیا تھا۔ اسے خطرہ نظر آ رہا تھا کہ مصر کے حالات بگڑ جائیں گے۔ اس صورت میں اسے مصر چلے جانا تھا۔ وہ اس صورت حال سے ڈرتا تھا۔ اگر اسے مصر جانا پڑتا تو مسلمان امراء عالم اسلام کو صلیبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے۔ اس کا دارومدار اس پر تھا کہ مصر سے اسے کیا اطلاع ملتی ہے۔

اپنے مشیروں اور کمانڈروں سے وہ مصر کے متعلق ہی پریشانی کا اظہار کر رہا تھا جب اسے اطلاع ملی کہ قاہرہ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بادشاہوں کی طرح یہ نہ کہا کہ اسے اندر بھیج دو۔ وہ اٹھا اور دوڑتا خیمے سے باہر نکل گیا۔ قاصد اتنے لمبے سفر کی تھکن سے چور گھوڑے سے اتر کر خیمے کی طرف آ رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھبراہٹ کے لہجے میں پوچھا...... ''کوئی اچھی خبر لائے ہو؟''

''بہت اچھی سلطان عالی مقام!'' ...... اس نے جواب دیا...... ''محترم العادل نے حبشیوں کے لشکر کو اسوان کی پہاڑیوں میں ایسی شکست دی ہے کہ اب سوڈان کی طرف سے لمبے عرصے تک کوئی خطرہ نہیں رہا۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ خیمے سے دوسرے لوگ بھی باہر آ گئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں یہ خوشخبری سنائی اور قاصد کو خیمے میں لے گیا۔ اس کے لیے کھانا وہیں لانے کو کہا اور اس سے اسوان کے معرکے کی تفصیل سن کر پوچھا۔ ''اپنی فوج کی شہادت کتنی ہے؟''

''تین سو ستائیس شہید۔'' قاصد نے جواب دیا...... ''پانچ سو سے کچھ زیادہ زخمی دشمن کا تمام تر جنگی سامان ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ ایک ہزار دو سو دس حبشی قیدی پکڑے ہیں۔ صلیبی اور سوڈانی سردار اور کمانڈر جو قید کیے گئے ہیں الگ ہیں۔'' قاصد نے پوچھا...... ''محترم العادل نے پوچھا ہے کہ قیدیوں کے متعلق کیا حکم ہے؟''

''صلیبی اور سوڈانی سالاروں اور کمانڈروں کو قید خانے میں ڈال دو۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا...... ''اور وہ جو ایک ہزار اور کچھ حبشی قیدی ہیں انہیں اسوان کی پہاڑیوں میں لے جاؤ۔ وہ جن غاروں میں چھپے تھے وہ ان سے پتھروں سے بھرواؤ۔ وہاں فرعونوں کے جو زمین دوز محل ہیں انہیں بھی پتھروں سے بھروا دو۔ یہ کام ان حبشیوں سے کرواؤ۔ اگر پہاڑ کھودنے پڑیں تو ان حبشیوں سے کھدواؤ۔ وہاں کوئی غار اور پہاڑیوں کے اندر کوئی محل نہ رہے۔ العادل سے کہنا کہ قیدیوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرنا۔ روزانہ ان سے اتنا کام لینا جتنا ایک انسان کر سکتا ہے۔ کوئی قیدی بھوکا اور پیاسا نہ رہے اور کسی پر صرف اس لیے تشدد نہ ہو کہ وہ قیدی ہے۔ وہیں اسوان کے قریب کھلا قید خانہ بنا لو اور کھانے کا انتظام وہیں کرو۔ اس کام میں کئی سال لگیں گے۔ اگر تمہارے سامنے کوئی اور کام ہو تو وہ ان قیدیوں سے کراؤ، اور اگر سوڈانی اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کریں تو مجھے اطلاع دینا۔ میں خود ان کے ساتھ سودا کروں گا۔''

اس پیغام کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصد سے کہا۔'' العادل سے کہنا کہ مجھے کمک کی شدید ضرورت ہے۔ اپنی ضرورت کا بھی خیال رکھنا۔ بھرتی اور تیز کردو۔ جنگی مشقیں ہر وقت جاری رکھو۔ جاسوسی کا جال اور زیادہ پھیلا دو۔ اگر القند جیسا قابل اعتماد سالار غداری کا مرتکب ہوسکتا ہے تو تم بھی غدار ہوسکتے ہو اور میں بھی۔ اب کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ علی بن سفیان سے کہنا کہ اور تیز اور چوکنا ہو جائے۔''

☆

''مصر سے کمک آنے تک میں کوئی جارحانہ کارروائی نہ کروں تو بہتر ہوگا۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصد کو واپس روانہ کر کے اپنے سالاروں وغیرہ سے کہا۔'' ابھی ہم ان کامیابیوں کے دفاع میں رہیں گے جو ہم حاصل کر چکے ہیں۔ اپنی موجودہ صورت حال پر ایک نظر ڈالو۔ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا اپنا بھائی ہے۔ تمہارے طاقتور دشمن تین ہیں۔ حلب میں الملک بیٹھا ہے۔ دوسرا اس کا قلعہ دار گمشتگین ہے جو حران میں فوج تیار کیے ہوئے ہے، اور تیسرا سیف الدین ہے جو موصل کا حاکم ہے۔ یہ تینوں فوجیں اکٹھی ہو گئیں تو ہمارے لیے ان کا مقابلہ آسان نہیں ہوگا۔ ریمانڈ کو تم نے پسپا کر دیا ہے لیکن وہ اس انتظار میں ہے کہ مسلمان فوجیں آپس میں الجھ جائیں تو وہ ہمارے عقب میں آجائے۔ میں محصور ہو کر بھی لڑ سکتا ہوں لیکن لڑنا چاہوں گا نہیں۔''

''کیا ایک کوشش اور نہ کی جائے کہ ملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کو اسلام اور قرآن کا واسطہ دے کر راہ راست پر لایا جائے؟'' ایک سالار نے کہا۔

''نہیں۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔'' جو لوگ اپنے دل اور دماغ حق کی آواز کے لیے سربمہر کر لیا کرتے ہیں، وہ خدا کے قہر اور عذاب کے بغیر اپنے دل اور دماغ نہیں کھولا کرتے۔ کیا میں کوشش کر نہیں چکا؟ اس کے جواب میں مجھے دھمکیاں ملیں۔ اگر اب میں صلح اور سمجھوتے کے لیے ایلچی بھیجوں گا تو وہ لوگ کہیں گے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی لڑنے سے گھبراتا اور ڈرتا ہے۔ اب میں ان پر خدا کا وہ عذاب اور قہر بن کر گرنا چاہتا ہوں جو ان کے دل اور دماغ کی مہریں توڑ دے گا۔ یہ قہر تم ہو اور تمہاری فوج۔'' اس نے آہ بھری اور کہا۔'' تم نے حلب کا محاصرہ کیا تو حلب کے مسلمان جس دلیری سے لڑے وہ تم کبھی نہیں بھولو گے۔ وہ بے شک ہمارے خلاف لڑے لیکن میں ان کی تعریف کرتا ہوں۔ ایسی بے جگری سے صرف مسلمان لڑ سکتا ہے۔ کاش یہ جذبہ اور یہ طاقت اسلام کے لیے استعمال ہوتی۔ تم جانتے ہو کہ میں بادشاہ نہیں بننا چاہتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ عالم اسلام متحد ہو اور یہ قوت جو بکھر گئی ہے مرکوز ہو کر صلیبی عزائم کے خلاف استعمال ہو اور فلسطین آزاد کرا کے ہم سلطنت اسلامیہ کی توسیع کریں۔''

''ہم مایوس نہیں۔'' ایک سالار نے کہا۔'' نئی بھرتی آرہی ہے۔ اس علاقے جوان خاصی تعداد میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ مصر سے بھی کمک آرہی ہے۔ ہم آپ کی ہر توقع پوری کریں گے۔''

''لیکن میں کب تک زندہ رہوں گا۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔'' تم کب تک زندہ رہو گے؟ ابلیسی قوتیں زور پکڑ رہی ہیں۔ ان کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے۔ میرے وہ عزیزی دوست جن پر مجھے بھروسہ اور اعتماد تھا صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیلے اور میرے ہاتھوں قتل ہوئے۔ القند تمہارے ساتھ کا معتمد سالار تھا۔ کیا تم سن کر حیران نہیں ہوئے کہ القند نے سوڈان سے حبشیوں کی فوج بلائی اور مصر پر قابض ہونے کی کوشش کی؟ اس نے مجھ پر یہ کرم کیا ہے کہ شکست کھا کر اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لی ہے۔ میں نے اسے سزائے موت نہیں دی۔ حکومت کا نشہ، دولت اور عورت اچھے اچھے

انسانوں کو اندھا کر دیتی ہیں۔ ایمان میں کیا رکھا ہے؟ ایمان سونے کی طرح چمکتا نہیں، عورت کی طرح عیاشی کا ذریعہ نہیں بنتا اور ایمان بادشاہ اور فرعون نہیں بننے دیتا۔ ایک بار روح کے دروازے بند کر لو تو ایمان بیکار شے بن جاتا ہے، پھر عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں......

''سپین سے تمہارا پرچم کیوں اترا؟ تاریخ کہتی ہے کہ یہ کفار کی سازش کا نتیجہ تھا مگر ان کی سازشیں کیوں کامیاب ہوئیں؟ کیونکہ خود مسلمانوں نے اپنے آپ کو کفار کا آلۂ کار بنایا اور اجرت وصول کی۔ سپین ان کا تھا جنہوں نے سمندر پار جا کر کشتیاں جلا ڈالی تھیں تا کہ واپسی کا خیال ہی دل سے نکل جائے۔ سپین کی قیمت وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ قیمت دی تھی۔ سپین شہیدوں کا تھا۔ یہ ہوتا آیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہی ہوتا چلا جائے گا کہ خون کے نذرانے دے کر ملک حاصل کرنے والے دنیا سے اٹھ جاتے ہیں تو وہ لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں جن کے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا۔ انہیں چونکہ ملک مفت ہاتھ آ جاتا ہے اس لیے اسے وہ عیاشی کا ذریعہ بناتے ہیں اور اپنے تخت و تاج کی سلامتی کے لیے دین و ایمان والوں اور دل میں قوم کا درد رکھنے والوں کی زبانیں بند کرتے اور ان کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ انہیں افلاس اور فاقوں کی چکی میں پیس کر ان کے جذبوں کو ختم کر دیتے ہیں......

''سپین میں یہی ہوا۔ کفار نے ہمارے بادشاہوں کو زور جواہرات اور یورپ کی حسین لڑکیوں سے اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہیں انہی کی فوج کے خلاف کیا۔ مجاہدین کو مجرم بنایا اور سپین کی اسلامی مملکت کو دیمک کھا گئی۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانوں نے لہو کے چراغ جلا کر آدھی دنیا کو حق کی آواز سے منور کیا۔ کہاں ہیں وہ چراغ؟ ایک ایک کر کے بجھتے جا رہے ہیں یہ چراغ لہو مانگتے ہیں مگر لہو دینے والے صلیبیوں کی شراب اور عورت کے طلسم میں گم ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ سلطنت مفت ہاتھ آئی ہے۔ وہ ان شہیدوں کو بھول چکے ہیں جن کے خون کے عوض خدا نے قوم کو یہ سلطنت عطا کی تھی اور خدا نے یہ سلطنت بادشاہیاں قائم کرنے اور عیاشی کے لیے عطا نہیں کی تھی، بلکہ اس لیے کہ اسے مرکز بنا کر اسلام کا نور ساری دنیا میں پھیلایا جائے اور بنی نوع انسان کو شر کی قوتوں سے نجات دلائی جائے مگر شر کا جادو چل گیا اور آج جب قبلۂ اول پر کفار کا قبضہ ہے، ہم ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔''

''کافر سے پہلے غدار کا قتل ضروری ہے''۔ ایک مشیر نے کہا۔ ''اگر ہم حق پر ہیں تو ہم ناکام نہیں ہوں گے۔''

''مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ خطہ خون میں ہی ڈوبا رہے گا''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''حکومت شاید مسلمانوں کی ہی رہے مگر ان کے دلوں پر صلیبیوں کی حکمرانی ہو گی۔''

☆

جنگی نقطۂ نگاہ سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو ایسی پوزیشنوں میں تقسیم کر رکھا تھا کہ کسی بھی ایسے قلعے پر جو وہ فتح کر چکا تھا دشمن براہ راست حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان قلعوں میں اس نے مختصر سی نفری رکھی تھی کیونکہ وہ قلعہ بند ہو کر لڑنے کا قائل نہیں تھا۔ پہاڑی علاقے میں اس نے تمام راستوں اور وادیوں کی بلندیوں پر تیر انداز بٹھا دیئے تھے۔ جو راستے تنگ تھے ان کے اوپر پہاڑیوں پر اس نے بہت بڑے بڑے پتھر رکھ کر کچھ آدمی بٹھا دیئے تھے، تا کہ دشمن گزرے تو اوپر سے پتھر لڑھکا دیئے جائیں۔ دمشق سے آنے والے راستے کو اس نے کمانڈو قسم کے گشتی دستوں سے محفوظ کر رکھا تھا تا کہ رسد دشمن سے محفوظ رہے۔ ایک جگہ ایسی تھی جسے ''حماۃ کے سینگ'' کہا جاتا تھا۔ یہ ایک وسیع وادی تھی جس میں ایک ٹیکری جو خاصی بلند تھی آگے جا کر سینگوں کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے

پھندے کی حیثیت دے رکھی تھی۔ اس نے اپنے سالاروں کو ٹیکنیکی لحاظ سے سمجھا دیا تھا کہ دشمن باہر آ کر لڑا تو اسے اس وادی میں گھسیٹ کر لڑایا جائے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے تمام علاقے میں ایسی جگہوں پر پوزیشنیں قائم کر لی تھیں جن سے وہ دشمن کو کسی بھی جگہ لانے پر مجبور کر سکتا تھا۔ اس اہتمام کے علاوہ اس کے چھاپہ مار جوان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں دور دور تک گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ جاسوسی (انٹیلی جنس) کا نظام ایسا تھا کہ دشمن کے قلعوں کے اندر بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس موجود تھے جو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔ اسے یہاں تک معلوم ہو گیا تھا کہ سلطانی کے نام نہاد دعویدار الملک الصالح نے اپنے گورنر (حران کے قلعہ دار) گمشتگین کو اور موصل کے حاکم سیف الدین کو مدد کے لیے بلایا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کچھ شرائط کے بدلے مدد دیں گے، صرف بلاوے پر نہیں جائیں گے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ مسلمان حکمران اور امراء بظاہر اتحادی ہیں لیکن ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں۔ ہر ایک اپنی جنگ لڑ کر زیادہ سے زیادہ علاقے پر قابض ہونے کی فکر میں ہے اور صلیبی انہیں مدد کم اور شہ زیادہ دے رہے ہیں اور ان کی باہمی چپقلش کو ہوا بھی دے رہے ہیں۔

"شمس الدین اور شاد بخت کی کوئی اطلاع نہیں آئی؟" سلطان صلاح الدین ایوبی نے حسن بن عبداللہ سے پوچھا۔

"کوئی تازہ اطلاع نہیں۔" حسن بن عبداللہ نے جواب دیا۔ "وہ بڑی کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ گمشتگین نے کوئی بھی قدم اٹھایا یہ دونوں سالار اپنا پورا کام کریں گے۔ ان کا پیغام بھی یہی تھا کہ حالات کے مطابق وہ کارروائی کریں گے۔"

حسن بن عبداللہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ وہ علی بن سفیان کا نائب تھا۔ علی بن سفیان مصر میں تھا کیونکہ دشمن کی جاسوسی اور تخریب کاری کا زیادہ خطرہ مصر میں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن عبداللہ کے ساتھ باہر ٹہل رہا تھا۔ اس نے شمس الدین اور شاد بخت کا نام لیا تھا۔ یہ دونوں گمشتگین کے جرنیل تھے۔ گمشتگین کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ شیطان فطرت مسلمان تھا۔ عہدے اور رتبے کے لحاظ سے وہ گورنر تھا اور حران کے قلعے میں مقیم تھا۔ اس قلعے میں اور باہر اس نے خاصی فوج جمع کر رکھی تھی۔ وہ خلافت کے تحت تھا اور خلیفہ کے احکام کا پابند، لیکن اس نے ذاتی سیاست بازی اور چالبازیوں سے فوجی اور سیاسی لحاظ سے ایسی پوزیشن حاصل کر لی تھی جہاں وہ کسی کو پلے نہیں باندھتا تھا۔ اس نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے قلعے میں نورالدین زنگی کے پکڑے ہوئے صلیبی قیدی تھے جن میں کمانڈر بھی تھے۔ زنگی فوت ہو گیا تو گمشتگین نے کسی کے حکم کے بغیر تمام قیدی رہا کر دیئے۔ اس نے یہ اقدام صلیبیوں کی خوشنودی کے لیے کیا تھا کیونکہ وہ اب صلیبیوں کے خلاف نہیں بلکہ ان سے مدد حاصل کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اس کے دو سالار تھے جو ذہانت اور جنگی اہلیت کی بدولت اس کے معتمد تھے۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ ایک کا نام شمس الدین علی اور دوسرے کا شاد بخت علی تھا۔ یہ دونوں ہندوستانی مسلمان تھے۔ عراق کے اس وقت کے ایک مؤرخ کمال الدین نے عربی میں "تاریخ حلب" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس نے ان کا اتنا ہی ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں بھائی تھے اور نورالدین زنگی کی زندگی میں ہندوستان سے اس کے پاس آئے تھے۔ زنگی نے انہیں فوج میں اچھا رتبہ دے کر حران بھیج دیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے بھی ان کا اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے۔ عرب میں چونکہ نام کے ساتھ باپ کا نام بھی لکھا اور بولا جاتا [illegible]

الدین علی بن الضیا اور شاد بخت علی بن الضیا۔'' یہ اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ ضیا کون تھا۔ تاریخ میں ان دونوں کا نام آنے کا باعث ایک واقعہ ہے جسے اس دور کے وقائع نگاروں نے قلمبند کیا ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ گمشتگین من مانی کا قائل تھا۔ حران میں عملاً اسی کی حکومت تھی۔ اس نے اپنے ایک خوشامدی اور بدطینت افسران بن الخاشب ابوالفضل کو قاضی کا رتبہ دے دیا تھا۔ اسلام کے قاضی انصاف اور دانش کی وجہ سے مشہور تھے لیکن ابوالفضل بے انصافی اور گمشتگین کی خوشنودی کی وجہ سے مشہور ہوا۔ اس کی بے انصافی کے قصے شمس اور شاد بخت تک بھی پہنچتے رہتے تھے لیکن وہ خاموشی اختیار کیے رکھتے تھے۔ وہ فوج کے جرنیل تھے قاضی کے فیصلوں اور شہری امور کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ طبعاً بھی وہ خاموش رہنے والے انسان تھے۔ یہ مشہور تھا کہ گمشتگین پر ان کا بہت اثر ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ انہوں نے گمشتگین پر اپنا اثر پیدا کر رکھا تھا۔

ان دنوں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نورالدین زنگی کی وفات کے بعد سات سو سواروں کے ساتھ آیا اور شام اور مصر کی وحدت کا اعلان کیا تھا، اس نے اپنے بہت سے جاسوس ان اسلامی علاقوں میں بھیج دیئے تھے جو خلافت کے تحت ہوتے ہوئے ذاتی ریاستوں کی صورت اختیار کر گئے تھے (ان جاسوسوں کے چند ایک کارنامے سنائے جا چکے ہیں) ان میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا انطانون نام کا ایک ترک جاسوس حران چلا گیا۔ وہ خوبرو اور وجیہہ جوان تھا۔ ترکی کے علاوہ عربی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اس نے گمشتگین تک رسائی حاصل کر لی اور یہ کہانی سنائی کہ اس کا خاندان یروشلم میں آباد ہے جو اس وقت صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ اس نے بتایا کہ صلیبی وہاں مسلمانوں پر بے رحمی سے ظلم و تشدد کرتے ہیں اور بلا وجہ جسے چاہتے ہیں بیگار پر لگا دیتے ہیں۔ انہوں نے اس کی دو جوان بہنوں کو اغوا کر لیا اور اس کے بھائیوں اور باپ کو بیگار کے لیے پکڑ لیا ہے۔ وہ فرار ہو کر یہاں تک پہنچا ہے اور صلیبیوں سے انتقام لینے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

اس نے اپنا حال حلیہ بگاڑ رکھا تھا اور پتا چلتا تھا کہ وہ یروشلم سے پیدل آیا ہے اور بھوک اور تھکن نے اسے ادھ موا کر رکھا ہے۔ گمشتگین نے اسے فوجی نظروں سے دیکھا تو اس کا قد بت اسے پسند آیا۔ اس سے پوچھا کہ وہ گھوڑ سواری اور تیر اندازی جانتا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ اسے ذرا آرام اور کھانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد دکھائے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ گمشتگین نے اسے کھلا پلا کر سلا دیا۔ وہ بہت دیر بعد اٹھا تو اسے گمشتگین کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ایک گھوڑا منگوایا گیا۔ باہر لے جا کر ایک باڈی گارڈ کی کمان اور ایک تیر اسے دے کر کہا گیا کہ خود ہی کہیں نشانے پر تیر چلا کر دکھاؤ پھر گھوڑا دوڑاؤ۔

قریب ایک درخت تھا جس پر پرندے بیٹھے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا پرندہ ایک چڑیا تھی۔ اس نے اس کا نشانہ لیا اور تیر چلایا۔ تیر چڑیا کے جسم میں اتر کر اسے اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ اس نے ایک اور تیر مانگا جو لے کر وہ گھوڑے سوار ہوا اور کہا کہ وہ قریب آئے تو کوئی چیز اوپر پھینکی جائے۔ وہاں گمشتگین کے باڈی گارڈ کھڑے تھے۔ ایک دوڑ گیا اور اپنے کھانے کی پلیٹ اٹھا لایا جو مٹی کی تھی۔ انطانون گھوڑے کو دور لے گیا۔ وہاں سے موڑ کر ایڑی لگائی تو گھوڑا سرپٹ دوڑا۔ انطانون نے کمان میں تیر ڈالا۔ ایک باڈی گارڈ نے پلیٹ ہوا میں اچھالی۔ انطانون دوڑتے گھوڑے سے تیر چلایا اور پلیٹ کے ٹکڑے ہوا میں بکھیر دیئے۔ اس نے گھوڑا موڑ کر سواری کے کچھ اور کرتب دکھائے۔ یہ تو کسی کو بھی نہ معلوم تھا کہ وہ تخریب کار جاسوس اور چھاپہ مار (کمانڈو) ہے اور اسے ہر ایک ہتھیار کے استعمال اور گھوڑ سواری کا ماہر بنایا گیا ہے۔

اس کے قد بت، گٹھے ہوئے جسم، گورے چٹے رنگ اور کرتب دیکھ کر گمشتگین بہت متاثر ہوا اور اسے اپنے باڈی گارڈز میں رکھ لیا۔ دو باڈی گارڈز گمشتگین کے گھر بھی ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد انطانون گھر کی ڈیوٹی پر گیا جہاں اسے آٹھ دن اور آٹھ راتیں رہنا تھا۔ مسلمان حکمرانوں کی طرح گمشتگین کا حرم بھی بارونق تھا۔ اس میں بارہ چودہ لڑکیاں تھیں۔ انطانون نے پہلے دن جا کر گھر کے تمام دروازوں اور کونوں کھدروں کو دیکھا۔ اس نے وہاں کے تمام ملازم مردوں اور عورتوں سے کہا کہ وہ چونکہ گھر کی حفاظت کے لیے آیا ہے اس لیے سارے گھر سے واقفیت حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اس نے کمرے تک دیکھ ڈالے۔ وہ بہت چالاک تھا۔ باتوں کا جادو چلانا جانتا تھا۔ حرم میں جانے کی اسے جرات نہ ہوئی۔ ایک جوان لڑکی اسے برآمدے میں مل گئی۔ یہ بھی حرم کی ملکیت تھی۔ اس نے انطانون سے شہزادیوں والے رعب سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟

''محافظ ہوں۔'' اس نے گردن تان کر جواب دیا۔ ''دیکھ رہا ہوں کہ اس محفل جیسے مکان میں آنے اور جانے کے راستے کتنے ہیں اور کہاں کہاں ہیں اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے علاوہ یہاں کون رہتا ہے۔''

''محافظ تو پہلے بھی یہاں رہتے ہیں۔ کبھی کوئی اندر نہیں آیا۔'' لڑکی نے کہا۔ ''یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں۔''

''یہ میرا فرض ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اگر حرم سے کوئی ایک بھی حسینہ غائب ہوگئی تو محترم قلعہ دار اس کی جگہ میری بہن کو اٹھا لائیں گے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی بہن کی حفاظت کے لیے آئے ہو۔'' لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''اگر میں اس کی حفاظت کر سکتا تو آج ایک لڑکی سے یہ نہ کہلواتا کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔'' اس نے چہرے پر اداسی کا تاثر پیدا کر کے کہا۔ ''میں اپنی بہن کی حفاظت نہیں کر سکا تھا اس لیے آپ کی حفاظت میں پوری پوری احتیاط کر رہا ہوں۔ اس نے آہ بھر کر کہا۔ ''وہ بھی آپ جیسی تھی۔ بالکل آپ جیسی...... مجھے روکنے کی کوشش نہ کریں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔''

اس نے اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا وہ نشانے پر لگا۔ اس نے عورت کی جذباتیت پر تیر چلایا تھا۔ وہ بھی جوان لڑکی تھی۔ پوچھے بغیر نہ رہ سکی کہ وہ اپنی بہن کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا تو کیا ہوا تھا؟ کیا اس کی بہن اغوا ہوگئی تھی؟

''اگر اغوا کرنے والے مسلمان ہوتے یا وہ خود کسی مسلمان کے ساتھ گھر سے بھاگ جاتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔'' اس نے کہا۔ ''دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ کوئی اس سے شادی کر لے گا یا اسے کسی مسلمان امیر کے حرم میں دے دیا جائے گا۔ اسے صلیبیوں نے اغوا کیا ہے۔ ایک نہیں دو بہنوں کو۔ میں ان کی حفاظت نہیں کر سکا۔''

لڑکی نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے اور کس طرح اغوا ہوئی ہیں۔ اس نے وہی یروشلم والی کہانی سنا دی اور اپنے فرار کی کہانی ایسی سنسنی خیز بنا کر سنائی کہ لڑکی کا چہرہ بتاتا تھا جیسے یہ تیر اس کے دل میں اتر گیا ہے۔ اس نے کہا ''میں وہاں سے پیدل یہ ارادہ لے کر آیا ہوں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر صرف اپنی بہنوں کا ہی نہیں ان تمام بہنوں کا انتقام لوں گا جنہیں صلیبیوں نے اغوا کیا ہے۔ قلعہ دار نے مجھے اپنے محافظ دستے میں رکھ لیا ہے۔'' اس نے اور بھی بہت سی جذباتی باتیں کیں جو لڑکی کے دل میں اترتی گئیں۔

انطانون اچھی طرح جانتا تھا کہ حرم کی لڑکیوں کے جذبات نازک ہوتے ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے وہ کمزور ہوتی ہیں۔ وجہ صاف ہے۔ ایک آدمی کی ایک درجن یا اس سے بھی زیادہ بیویاں ہوں تو کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ آدمی اسی کو

چاہتا ہے اور جب بیویاں بغیر نکاح کے حرم میں قید رکھی ہوئی ہوں تو انہیں محبت کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ جوان لڑکی کے کچھ جذبات بھی ہوتے ہیں۔ حرم کی جوان لڑکی یہ بھی جانتی ہے کہ چند سال بعد اس کی قدر و قیمت ختم ہو جائے گی۔ انطانون کو معلوم تھا کہ حرم کی لڑکیوں نے اپنے خوابوں اور رومانوں کو دبا کر رکھا ہوتا ہے اور وہ چوری چھپے اپنے خاوند یا آقا کے کسی جوان دوست یا کسی جوان اور خوبرو ملازم کے ساتھ عشق و محبت کا نشہ پورا کر لیتی ہیں۔

انطانون کے سامنے چونکہ یہی لڑکی اتفاق سے آگئی تھی اس لیے اس نے اسی کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی۔ اپنے جاسوسی کے مقاصد کے لیے اسے حرم کی ایک لڑکی کے دوستانے کی ضرورت تھی۔ اسے ٹریننگ میں بتایا گیا تھا کہ گمشتگین جیسے عیاش گورنر اور امراء رقص اور شراب کی محفلیں جماتے ہیں جن میں حرم کی لڑکیاں بھی شریک ہوتی ہیں۔ شراب اور عورت کے نشے میں ان لوگوں کی زبانیں بے قابو ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا راز انہی محفلوں اور ضیافتوں میں بے نقاب ہوتے ہیں۔ انطانون اور اس کے ساتھی جاسوس علی بن سفیان کے تربیت یافتہ تھے اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں بے دریغ مالی اور دیگر مراعات دے رکھی تھیں۔ کوئی جاسوس دشمن کے علاقے میں پکڑا یا مارا جاتا تو سلطان صلاح الدین ایوبی اس کے خاندان کو اتنا زیادہ مستقل وظیفہ دیا کرتا تھا کہ مالی لحاظ سے اس خاندان کو کسی کی محتاجی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

انطانون نے اس لڑکی پر ایسا اثر پیدا کر دیا جو اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ اسے امید نظر آنے لگی کہ یہ لڑکی اس کے جال میں آجائے گی۔ وہ وہاں سے ہٹنے لگا تو لڑکی نے اسے دبی زبان میں کہا:

''پچھلی طرف ایک باغیچہ ہے۔ رات کے دوسرے پہر وہاں بھی آکر دیکھ لینا۔ مکان میں کوئی ادھر سے بھی داخل ہو سکتا ہے۔'' لڑکی کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی اس نے دل کی بات کہہ دی۔

☆

باڈی گارڈز کے فرائض میں رات کو پہرہ دینا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بڑے دروازے کے سامنے نہایت اچھے لباس میں چمکتی ہوئی برچھیاں تھامے نمائش کے لیے موجود رہتے تھے۔ اور جب باڈی گارڈز اپنے آقا کے ساتھ ہوتے وہ اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ ان کا اصل کام میدان جنگ میں سامنے آتا تھا جب وہ اپنے آقا کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ انطانون رات کے دوسرے پہر باغیچے میں چلا گیا اور ٹہلتا رہا۔ یہ مکان محل جیسا تھا۔ اندر سے گانے بجانے اور ناچنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ انطانون نے ان مہمانوں کو بڑے غور سے دیکھا تھا جو آئے تھے۔ ان میں دو تین صلیبی بھی تھے۔ وہ باغیچے میں کچھ دیر ٹہلا تو پچھلے دروازے سے لڑکی نکلی اور اس کے پاس آگئی۔

''آپ کیوں آئی ہیں؟'' انطانون نے انجان بن کر پوچھا۔

''اور تم کیوں آئے ہو؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''آپ کا حکم بجالانے ......'' انطانون نے جواب دیا۔ ''آپ نے حکم دیا تھا کہ رات کے دوسرے پہر باغیچے میں آکر دیکھ لینا۔ کوئی ادھر سے بھی داخل ہو سکتا ہے......'' اس نے پوچھا۔ ''آپ اتنی گرما گرم محفل چھوڑ کر باہر کیوں آگئی ہیں......''

''وہاں دم گھٹتا ہے......'' لڑکی نے جواب دیا...... ''شراب کی بو سے متلی آنے لگتی ہے۔''

''آپ شراب کی عادی نہیں؟''

''نہیں۔'' لڑکی نے جواب دیا''...... میں یہاں کی کسی بھی چیز کی عادی نہیں ہو سکی...... بیٹھ جاؤ۔'' اس نے بنچ کے ایک بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں مالکہ کی برابری کی جرات نہیں کرسکتا''...... انطانون نے کہا...... ''کسی نے دیکھ لیا تو......''

''دیکھنے والے شراب میں بدمست ہیں''...... لڑکی نے کہا...... ''بیٹھو اور اپنی بہنوں کی باتیں سناؤ''......

انطانون نے اپنے فن کے کمالات دکھانے شروع کر دیئے اور لڑکی اس کے قریب ہوتی گئی۔ وہ بات کو بہنوں سے پھیر کر اپنے آپ پر لے آئی۔ اس میں جو جھجک تھی وہ انطانون نے ختم کر دی۔ یہ انطانون تھا جس نے کہا کہ اسے اب چلے جانا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ قلعہ دار لڑکی کی تلاش کے لیے نوکروں کو دوڑا دے اور وہ پکڑی جائے۔ لڑکی نے کہا کہ اس کی غیر حاضری کو کوئی بھی محسوس نہیں کرے گا۔ وہاں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ انطانون نے اگلی رات پھر ملنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔ لڑکی نے اسے اپنے متعلق جو کچھ بتایا تھا وہ یہ تھا کہ اسے شراب سے نفرت ہے۔ اسے جس طرح عیاشی کا ذریعہ بنایا گیا ہے اس سے بھی اسے نفرت ہے۔ وہ حلب کی رہنے والی تھی۔ اس کے باپ کے ایک دوست نے اسے گمشتگین کے لیے منتخب کیا اور برائے نام نکاح پڑھا کر باپ نے اسے رخصت کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی پیار کی پیاسی تھی۔

دوسری رات ان کی وہیں ملاقات ہوئی۔ لڑکی انطانون کے انتظار میں بے حال ہوگئی تھی۔ وہ آیا تو لڑکی نے اسے پہلی بات یہ کہی۔ ''اگر تم مجھے ایک خوبصورت لڑکی سمجھ کر کسی اور نیت سے آئے ہو تو واپس چلے جاؤ۔ مجھے تم سے ایسی کوئی غرض نہیں۔''

''جس روز میں نے بدنیتی کا اظہار کیا اس روز میرے منہ پر تھوک کر اندر چلی جانا۔'' انطانون نے کہا...... ''میں تمہیں اپنی بہنوں جیسی پاکیزہ لڑکی سمجھتا ہوں۔''

''لیکن مجھے ابھی بہن نہ کہنا۔'' لڑکی نے سنجیدگی کو مسکراہٹ میں بدل کر کہا۔ ''معلوم نہیں میں کس وقت کیا فیصلہ کر بیٹھوں۔''

''یعنی تم میرے ساتھ کہیں بھاگ چلنے کا فیصلہ کرو گی؟''

''یہ تم پر منحصر ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''ساری عمر چوری چھپے ملتے تو نہیں گزرے گی۔ تم یہاں آٹھ یا دس دنوں کے لیے آئے ہو۔ چلے جاؤ گے تو میں تمہاری صورت کو بھی ترستی رہوں گی۔''

اس رات وہ ایک دوسرے کے دل میں اتر گئے۔ اگلے دن لڑکی اتنی بے قابو ہوئی کہ اس نے انطانون کو دن کے وقت اپنے کمرے بلا لیا۔ اس دن گمشتگین حران سے کہیں باہر چلا گیا تھا۔ یہ ملاقات دونوں کے لیے خطرناک تھی۔ لڑکی جذبات کے جادو میں بھول گئی تھی کہ ان محلات میں سازشیں بھی ہوتی ہیں اور حرم کی لڑکیاں ایک دوسرے کو خاوند کی نظروں میں گرانے کے موقعے ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ انطانون کی شخصیت اور اس کی باتوں کے طلسم نے اسے اندھا کر دیا تھا۔ یہ محبت کی تشنگی کا نتیجہ تھا۔ انطانون نے اسے شک نہ ہونے دیا کہ اسے اس کے جسم کے ساتھ کوئی دلچسپی ہے۔ وہ لڑکی کے لیے سراپا خلوص اور پیار بن گیا تھا۔ وہ جب اس کے کمرے سے نکلا تو لڑکی کی یہ کیفیت تھی جیسے اس کے ساتھ ہی نکل جائے گی۔ رات کے دوسرے پہر انہیں پھر ملنا تھا۔

وہ جب وہاں سے نکلا تو حرم کی ایک اور لڑکی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس لڑکی نے اسے کمرے میں جاتے بھی دیکھا تھا۔

☆

گمشتگین رات کو بھی غیر حاضر تھا۔ لڑکی باغیچے میں چلی گئی۔ انطانون بھی آگیا۔ اب ان کے درمیان نہ

کوئی حجاب رہا تھا اور نہ کوئی پردہ۔ لڑکی نے اسے کہا۔ ''تم نے کہا تھا کہ تم اپنی بہنوں کا انتقام لینے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہونے آئے تھے پھر تم اس فوج میں کیوں بھرتی ہو گئے۔؟''

''کیا یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج نہیں؟'' انطانون نے ایسے پوچھا جیسے اسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ اسلامی فوج ہے اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے؟''

''یہ فوج اسلامی ہے لیکن اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا جارہا ہے۔'' لڑکی نے کہا۔

''یہ تو بہت بری بات ہے۔'' انطانون نے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا مجھے ایسی فوج میں رہنا چاہیے جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو رہی ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یروشلم میں اور ان تمام علاقوں میں جہاں صلیبیوں کا قبضہ ہے مسلمان سلطان صلاح الدین ایوبی کو امام مہدی بھی کہتے ہیں۔ وہ صلیبیوں کے مظالم سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ مسجدوں میں امام بھی کہتے ہیں کہ یہ قوم کو گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ دمشق سے امام مہدی صلاح الدین ایوبی کے روپ میں نجات دلانے آرہے ہیں..... مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''

''اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے ساتھ لو۔ یہاں سے نکلو'' لڑکی نے کہا۔ ''میں تمہیں سلطان صلاح الدّین ایوبی کی فوج تک پہنچادوں گی۔ تمہیں اس فوج میں نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن میں یہ نہیں چاہوں گی کہ تم مجھے یہاں چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔''

''کیا تم اپنے خاوند سے اس لیے بھاگنا چاہتی ہو کہ اس نے تمہیں زر خرید لونڈی بنا رکھا ہے یا وہ بوڑھا ہے یا اس لیے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہے؟''

''مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''وجوہات تم نے خود ہی بتادی ہیں۔ اس نے مجھے لونڈیوں کی طرح حرم میں قید کر رکھا ہے۔ وہ بوڑھا بھی ہے اور نفرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔ اس کے حرم میں آنے سے پہلے جوانی کی امنگوں کے ساتھ میرے دل میں ایک اور جذبہ بھی تھا جو مجھے مجبور کرتا تھا کہ میں شادی نہ کروں اور نور الدین زنگی کے پاس جا کر کہوں کہ مجھے کوئی سا جنگی فرض سونپ دیں۔ میں صلیب کے خلاف لڑنا چاہتی تھی۔ میں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا نام سن رکھا تھا۔ میں نے تیر اندازی سیکھی اور نشانے پر برچھی پھینکنے کی بھی مشق کی مگر میرے جذبے کو اس بدبخت کے حرم میں قید کر کے اسے شراب سے مار دیا گیا۔ سچ پوچھو تو میں اس قلعے میں آئی تو خوش ہوئی تھی کہ ایک جنگجو کی بیوی بن کے آئی ہوں اور یہ جنگجو صلیبیوں کے خلاف لڑے گا لیکن سلطان نور الدین زنگی کی وفات کے فوراً بعد اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔''

''یہ ابھی تک سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آیا ہے یا نہیں؟'' انطانون نے پوچھا۔

''مقابلے میں آنے کو تیار ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ بہت گہرا آدمی ہے۔ خلیفہ الملک الصالح اور اس کے درباری امراء کا دوست ہے۔ وہ سب سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ گمشتگین نے انہیں وعدہ دے رکھا ہے کہ وہ انہیں اپنی فوج دے گا مگر یہ صلیبیوں کے ساتھ یارانہ گانٹھ کر آزادانہ طور پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسے امید ہے کہ وہ بہت سے علاقے پر قبضہ کر لے گا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ حران اور مفتوحہ علاقوں کا بادشاہ بن جائے گا۔''

''تم نے اس کی ساتھ کبھی اس مسئلے پر بات کی ہے؟''

''کی تھی۔'' لڑکی نے جواب دیا۔'' اس نے میرے دل میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں ڈالنے کی کوشش کی۔ میں سلطان :سلاح الدین ایوبی کو اپنا پیر اور پیغمبر مانتی ہوں۔ گمشتگین کی کسی بات نے بھی مجھ پر اثر نہ کیا تو اس نے میرے ساتھ تعلق توڑ لیا۔ مجھے مارتا پیٹتا بھی رہا۔ اس کے بعد اس نے مجھے کہا کہ تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے علاقے میں چلی جاؤ۔ تم بہت خوبصورت ہو اور نوجوان بھی ہو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے تین چار سالاروں کو اپنے جال میں پھانس کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف کردو۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تمہارے ساتھ دو بہت ہوشیار اور بہت خوبصورت صلیبی لڑکیاں ہوں گی۔ تم تینوں مل کر پہاڑوں کو بھی اپنا مرید بنا سکتی ہو۔ اس نے مجھے طریقے بتائے اور کہا کہ میں جا کر جاسوسی بھی کروں، اور اگر میں اس کے یہ سارے کام کردوں تو وہ میرے خاندان کو بے انداز زر و جواہرات دے گا اور مجھے آزاد کر کے میری پسند کے آدمی کے ساتھ میری شادی کر دے گا۔ میں نے کوئی بھی شرط نہ مانی۔''

''تم مان لیتی''...... انطانون نے کہا۔'' یہاں سے نکل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس چلی جاتی''......

''اس مردود نے اور اس کے صلیبی دوستوں نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ ان کے دشمنوں کے علاقے میں جا کر کوئی لڑکی یا جاسوس غداری کرے تو اسے اغوا کر کے لے آتے ہیں یا وہیں قتل کر دیتے ہیں۔ ان کا تعلق حسن بن صباح کے قاتل فدائیوں کے ساتھ بھی ہے۔ میری روح مر گئی تھی۔ یہ جسم رہ گیا تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ ایسا ہی کروں جیسے تم نے کہا ہے لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔ تمہیں دیکھا اور تم میرے قریب آئے تو میری روح جاگ اٹھی۔ میں تمہارا احسان ساری عمر نہیں بھولوں گی کہ تم نے مجھے اپنے دل میں بٹھایا لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ آؤ یہاں سے نکل چلیں۔

''تم یہیں، اسی قلعے میں صلیب کے خلاف اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمنوں کے خلاف لڑ سکتی ہو''......

''وہ کیسے؟''

''جس طرح تمہارا آقا گمشتگین تمہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے علاقے میں جاسوسی کے لیے بھیجنا چاہتا ہے۔ اسی طرح سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھی جاسوسوں کی ضرورت ہے جو یہاں رہ کر اسے ان لوگوں کے ارادوں اور دوسرے رازوں سے آگاہ کرتے رہیں۔''

''تمہیں کیسے پتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو جاسوسوں کی ضرورت ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''میں خود سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔'' انطانون نے کہا۔ لڑکی اس طرح چونکی جیسے اسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔'' کیوں؟ تم حیران کیوں ہو گئی ہو؟ یہ سچ ہے۔ میں یروشلم سے نہیں، قاہرہ سے آیا ہوں۔ میری کوئی بہن اغوا نہیں ہوئی۔''

''تم نے جہاں اتنے جھوٹ بولے ہیں وہاں یہ بھی جھوٹ ہوگا کہ تم نے مجھے دلی محبت دی ہے۔'' لڑکی نے کہا۔'' تمہارا پیار اور تمہارے وعدے بھی جھوٹے ہوں گے۔''

''میری محبت کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنا راز دے دیا ہے۔'' انطانون نے کہا۔'' یوں سمجھو کہ میں نے اپنی زندگی تمہارے قدموں میں رکھ دی ہے۔ تم گمشتگین کو میری اصلیت بتا کر مجھے مروا سکتی ہو۔ کوئی جاسوس اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کرتا۔ مجھے تمہارے جذبے اور تمہاری محبت نے اتنا مجبور کیا کہ میں نے اپنا آپ تم پر ظاہر کر دیا ہے۔ محبت کا دوسرا ثبوت اس وقت دوں گا جب یہاں سے اپنا کام کر کے واپس جاؤں گا۔ میں اکیلا نہیں جاؤں گا، تم میرے ساتھ ہو گی لیکن ایک بات صاف صاف سن لو۔ اگر تمہاری محبت اور میرا فرض اکٹھے میرے سامنے آ گئے اور خدا نے میرا امتحان

لینا چاہا کہ میں کسے پسند کرتا ہوں تو میں فرض کا انتخاب کروں گا۔ تمہاری محبت کو قربان کر دوں گا۔ دھوکہ نہیں دوں گا۔ تم نہیں جانتی کہ جاسوس سے اس کا فرض کیسی کیسی قربانیاں مانگتا ہے۔ سپاہی میدان جنگ میں لڑتا اور مرتا ہے۔ اس کے دوست اس کی لاش گھر لے جاتے ہیں اور بڑی عزت سے دفن کرتے ہیں۔ جاسوس مارا نہیں پکڑا جاتا ہے۔ دشمن اسے قید خانے میں لے جا کر ایسی ایسی اذیتیں دیتا ہے جو تم سن کر ہی بے ہوش ہو جاؤ۔ جاسوس مرتا بھی نہیں زندہ بھی نہیں رہتا۔ جاسوس کے لیے فولاد جیسے مضبوط ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ایسا ہی ایمان لے کر آیا ہوں۔ تم سے محبت کی ہے تو فولاد کی طرح مضبوط رہوں گا مگر ایمان کا حکم نہیں ٹال سکوں گا۔''

لڑکی نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور چوم کر اپنے منہ پر پھیرا۔ اس نے کہا۔ ''تم مجھے بھی اتنا ہی مضبوط پاؤ گے۔ بتاؤ میں کیا کروں۔''

انطانون نے اسے بتانا شروع کر دیا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے لیے ضروری ہدایت یہ تھی کہ وہ گانے بجانے اور پینے پلانے کی ان محفلوں سے غیر حاضر نہ ہوا کرے جس میں صلیبی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اگر اسے شراب کے دو گھونٹ پینے پڑیں تو پی لیا کرے، وران لوگوں میں گھل مل کر ان کی باتیں سنے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو برا بھلا کہے اور ان سالاروں کے سینوں سے یہ راز نکلوائے کہ ان کے جنگی ارادے کیا ہیں۔ صلیبیوں کی باتیں غور سے سنے۔ انطانون نے اس سے ان دو سالاروں کے متعلق پوچھا جن کے متعلق بتایا گیا تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔

''شمس الدین علی اور شاد بخت کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' گمشتگین ان کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ وہ اکثر یہاں آتے ہیں۔ راگ رنگ میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن شراب نہیں پیتے۔''

''تم ان کے قریب ہو جاؤ۔'' انطانون نے کہا۔ ''باتوں باتوں میں ان سے پوچھنا۔ ''کیا الرستان میں برف پگھل رہی ہے؟'' ...... وہ تم سے پوچھیں گے۔ 'کیا تم الرستان جا رہی ہو؟'' تم مسکرا کر کہنا...... 'ارادہ تو یہی ہے۔' اس کے بعد وہ تمہارے ساتھ کچھ باتیں کریں گے اور شاید یہ بھی پوچھیں کہ ادھر سے کون آیا ہے۔ تم بتا دینا کہ وہ تمہیں مل جائے گا۔''

''میں کچھ سمجھی نہیں۔'' لڑکی نے کہا۔

''سب سمجھ جاؤ گی۔'' انطانون نے کہا۔ ''فاطمہ! میں تمہیں کبھی ان جھمیلوں میں نہ ڈالتا لیکن فرض کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی عزیز ترین شے کو بھی اپنے فرض پر قربان کر دیں۔ تم مجھے قربان کر دو، میں تمہیں قربان کر دوں۔ گھبرانہ جانا فاطمہ! آنے والا وقت معلوم نہیں ہمارے لیے کیسے کیسے مصائب اور کیسی کیسی آزمائشیں لا رہا ہے۔ اگر ہم دونوں قید خانے کے جہنم میں چلے گئے یا مارے بھی گئے تو ہمارا خون ضائع نہیں ہوگا۔ خدائے ذوالجلال ہمیں فراموش نہیں کرے گا۔ اسلام کی عظمت کی پاسبانی خون دیئے بغیر نہیں ہو سکتی۔''

''تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔'' فاطمہ نے کہا...... ''تم نے میرے اس جذبے کو بھی زندہ کر دیا ہے جو میں سمجھتی تھی کہ مر گیا ہے۔''

☆

انطانون چلا گیا۔ فاطمہ اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو فاطمہ نے محسوس کیا کہ وہ اکیلی نہیں۔ اس کے پاس کوئی کھڑا تھا۔ اس نے بدک کر دیکھا۔ حرم کی ہی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ بھی فاطمہ کی ہی طرح جوان اور خوبصورت تھی۔ اس نے کہا...... ''فاطمہ! اس محبت کا انجام سوچ لو۔ تم آزاد نہیں ہو۔ میرے جذبات بھی تم جیسے ہیں۔

میں بھی پنجرہ توڑ کر اڑ جانا چاہتی ہوں لیکن یہ ممکن نہیں۔ ہماری قسمت میں جو لکھا تھا وہ ہمیں مل گیا ہے۔ دل کو کچل ڈالو۔ اگر دل کی تسکین کا سامان کرنا ہی ہے تو اور بہت ہیں۔ اپنے محافظ کو اتنا بڑا درجہ نہ دو۔''

''کون محافظ؟'' فاطمہ نے حیران سا ہو کے پوچھا۔ ''تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''میں نے ابھی وہ نہیں کہا جو میں نے سنا ہے۔'' دوسری لڑکی نے کہا..... ''مجھ سے اب کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ تم نے اس کے ساتھ جو سودا کیا ہے وہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔'' یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور فاطمہ وہیں کھڑی اندھیرے خلاؤں میں گھورتی رہی۔

اسے یاد آ گیا کہ انطانون اسے کہہ گیا تھا کہ اپنا کام آج ہی سے شروع کر دو۔ اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اس نے انطانون سے کہا تھا کہ تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔ اس نے دل ہی دل میں اس لڑکی پر لعنت بھیجی اور اپنے آپ سے کہا کہ حرم میں ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کوئی لڑکی کسی لڑکی کو ہمدردی سے کچھ سمجھاتی ہے اور بعض آقا کی نظر میں ایک دوسری کو گرانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اسے اب ایک سہارا اور قومی جذبے کی تسکین کا ذریعہ مل گیا تھا، مگر وہ ناتجربہ کار تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ حرم میں کچھ بھی کسی سے چھپایا نہیں جا سکتا اور یہ بھی کہ اس ماحول میں اخلاق اور کردار ناپید ہے اور یہاں کسی بھی وقت کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے۔ گناہوں کی اس پر اسرار دنیا میں وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہی تھی۔

دو تین روز بعد اس کی ملاقات شمس الدین اور شاد بخت سے ہو گئی۔ اس رات بھی گمشتگین نے بزم عیش و طرب منعقد کی تھی۔ اپنے سالاروں، صلیبی مشیروں اور اعلیٰ افسروں کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے وہ انہیں خوب عیش کراتا تھا۔ ان دو تین دنوں کی ملاقاتوں میں انطانون نے فاطمہ کو ٹریننگ دے دی تھی۔ فاطمہ اس ضیافت میں خوب دلچسپی لے رہی تھی۔ گمشتگین حیران ہوتا ہو گا اور خوش بھی کہ اس لڑکی میں تبدیلی آ گئی ہے۔ وہ ہر کسی کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ وہ شمس الدین کے پاس جا رکی اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے اس نے کہا..... ''کیا الرستان میں برف پگھل رہی ہے؟''

سالار شمس الدین چونک اٹھا۔ گمشتگین جیسے چالاک اور سخت مزاج قلعہ دار کے حرم کی کسی لڑکی کی زبان سے ایسے الفاظ نکلنے کی اسے توقع نہیں تھی کیونکہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کے خفیہ الفاظ تھے جو بول کر جاسوس ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ ان الفاظ سے جاسوسوں کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ شمس الدین کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس قلعے میں کوئی جاسوس قید نہیں تھا جس نے یہ الفاظ بتا دیئے ہوں۔ اس نے کوڈ کا اگلا مکالمہ بولا...... ''کیا تم الرستان جا رہی ہو؟''

''فاطمہ نے مسکرا کر کہا۔ ''ارادہ تو یہی ہے۔''

شمس الدین باتیں کرتے کرتے فاطمہ کو الگ لے گیا۔ دوسرے لوگ شراب اور رقص میں محو تھے۔ شمس الدین نے اس سے پوچھا۔ ''تم جانتی ہو میں سالار ہوں۔''

''میں کچھ اور بھی جانتی ہوں۔'' فاطمہ کی مسکراہٹ میں طنز نہیں اپنائیت اور ایک مطلب تھا۔

''کون آیا ہے؟'' شمس الدین نے رازداری سے پوچھا۔

''وہ آپ کو مل جائے گا۔'' فاطمہ نے جواب دیا۔

''تم جانتی ہو کہ مجھے دھوکہ دے کر تمہارا انجام کیا ہو گا؟''

''دھوکہ نہیں۔'' فاطمہ نے جواب دیا۔'' آپ ٹہلتے ٹہلتے بڑے دروازے تک چلے جائیں۔ وہاں دو محافظ کھڑے ہیں۔ پوچھنا کہ یروشلم سے کون آیا ہے۔''

شمس الدین دروازے پر چلا گیا۔ وہاں دو محافظ کھڑے تھے جنہیں وہ جانتا تھا۔ اس نے پوچھا۔'' تم میں سے یروشلم سے کون آیا ہے؟'' انطانون نے آگے بڑھ کر بتایا کہ وہ یروشلم سے آیا ہے۔ شمس الدین نے پوچھا۔'' تم اگر الرستان کی طرف سے آئے ہو تو وہاں برف پگھل رہی ہوگی۔''

''کیا آپ الرستان جا رہے ہیں؟'' انطانون نے پوچھا۔

''ارادہ تو یہی ہے۔'' شمس الدین نے مسکرا کر کہا۔

جب اسے یقین ہوگیا کہ انطانون واقعی جاسوس ہے تو اس نے پوچھا۔'' وہ لڑکی دھوکہ تو نہیں دے رہی؟''

''نہیں۔'' انطانون نے جواب دیا۔'' ملاقات کا موقعہ دیں۔ ساری بات بتاؤں گا۔''

☆

ملاقات کا موقع پیدا کر لیا گیا۔ شمس الدین آخر سالار تھا۔ وہ موقع پیدا کر سکتا تھا۔ اس نے انطانون سے پوچھا کہ اس نے فاطمہ کو کس طرح اپنے جال میں پھانسا ہے اور اسے وہ کس طرح اتنا قابل اعتماد سمجھتا ہے کہ اسے خفیہ (کوڈ) الفاظ تک بتا دیئے ہیں۔ انطانون نے اسے شروع سے آخر تک سنا دیا کہ یہ لڑکی کس طرح اسے ملی اور ان کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں۔

''میں ایک خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔'' شمس الدین نے کہا'' تم جوان ہو، خوبرو اور تنومند ہو۔ لڑکی جوان ہے اور اس کی خوبصورتی غیر معمولی ہے۔ جذبات فرض پر غالب آنے کے امکانات مجھے صاف نظر آ رہے ہیں۔ تمہارا دن کے دوران اس کے کمرے میں جانا جذبات کے تحت تھا۔ تم نے احتیاط نہیں کی۔ لڑکی میں محبت اور خلوص کی تشنگی ہے۔ تم نے اسے محبت بھی دی خلوص بھی دیا ہے۔ ایسی لڑکیوں کے جذبات نازک اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تم اپنے فرض کو رومانی جذبات کے غلبے سے تباہ کر دو گے۔ جوانی اور تشنگی مل کر بارود بن جاتی ہیں...... کیا تم مجھے یقین دلا سکتے ہو کہ تمہارے دل میں اس لڑکی کی محبت پیدا نہیں ہوگی؟ میں تمہارے ایمان کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔''

''میں نے اسے اپنے کام کے لیے گرویدہ بنایا ہے۔'' انطانون نے کہا...... ''لیکن میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ لڑکی میرے دل میں اتر گئی ہے۔ میں آپ کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ یہ محبت میرے فرض پر غالب نہیں آئے گی۔''

پھر ان کے درمیان اپنے کام کی کچھ باتیں ہوئیں اور شمس الدین نے اسے کچھ ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

اسی روز شمس الدین نے اپنے بھائی شاد بخت کو بتایا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہاں ایک اور آدمی بھیج دیا ہے۔ جس کا نام انطانون ہے اور وہ محافظ دستے میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ ان دونوں بھائیوں کے دو ذاتی محافظ، ان کے اردلی اور دو ملازم بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے لڑاکا جاسوس تھے۔ شمس الدین اور اس کے بھائی نے انہیں بھی بتایا کہ ان کا ایک اور ساتھی آ گیا ہے جس نے یہاں آ کر اپنے آپ کو ایک خطرے میں ڈال دیا ہے۔ یہ اس کا کارنامہ ہے کہ اس نے قلعہ دار کی ذاتی ہائش گاہ میں سے ایک مچھلی پکڑ لی ہے مگر اس میں خطرہ بھی ہے۔ شمس الدین نے اپنے آدمیوں کو یہ خطرہ تفصیل سے بتایا اور کہا...... ''ابھی تک حران میں ہمارا کوئی جاسوس نہیں پکڑا گیا۔ مجھے ڈر ہے کہ انطانون پکڑا جائے گا ہم اس پر نظر رکھیں گے، تاہم تم سب کو تیار رہنا ہوگا۔ اگر وہ پکڑا گیا تو ہماری بے عزتی ہوگی۔ یہ ڈر بھی ہے کہ اذیتوں سے

گھبرا کر وہ ہم سب کی نشاندہی کر دے۔ لیکن مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خیال آتا ہے وہ کہیں گے کہ دو سالار اور چھ لڑاکا جاسوس ایک آدمی کی حفاظت نہ کر سکے۔''

''آپ اور ہم موجود تھے تو ایک اور آدمی کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟'' ایک نے پوچھا۔

یہی ضرورت تھی جو اس نے پوری کر لی ہے۔'' شمس الدین نے جواب دیا...... ''گمشتگین کے حرم تک رسائی ضروری تھی۔ تم ان بحثوں میں نہ پڑو۔ میں جانتا ہوں یہ حسن بن عبداللہ کا فیصلہ ہے جو صحیح ہے۔ میں تمہیں اس کے خطروں سے آگاہ کر رہا ہوں۔ تیار رہنا ہو سکتا ہے اس لڑکی کو اغوا کر کے غائب کرنا پڑے۔ اس کے لیے بھی تیار رہو۔''

''ہم تیار ہیں۔'' سب نے کہا...... ''لیکن ہمیں بروقت اطلاع ملنی چاہیے۔''

''یہ ممکن نہیں کہ اطلاع بروقت ملے۔'' شمس الدین نے کہا...... ''ہو سکتا ہے مجھے بھی اس وقت پتا چلے جب انطانون شکنجے میں جکڑا ہوا ہو اور اس کی ہڈیاں توڑی جا رہی ہوں۔''

''کیا تم دونوں بھائی پسند کرو گے کہ ہم کسی سے مدد لیے بغیر اپنی جنگ آزادی سے لڑیں؟'' گمشتگین سالار شمس الدین اور شاد بخت سے پوچھ رہا تھا۔ ''آپ دونوں جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہم کئی ایک لوگ ہیں۔ ہم سب نے بظاہر متحدہ محاذ بنا رکھا ہے لیکن ہم دل سے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ الملک الصالح بچہ ہے۔ وہ جن امراء کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر الصالح کو باہر پھینک دیں گے اور خود مختار حاکم بن جائیں گے۔ موصل کا حاکم سیف الدین بھی ہمارا دوست ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا دشمن۔ لیکن وہ بھی اپنی ریاست الگ بنانا چاہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے حران کے گرد و نواح سے کافی فوج تیار کر لی ہے۔ میں نے صلیبی حکمران ریجنالڈ کو اور اس کے تمام جنگی قیدیوں کو اس معاہدے کے تحت آزاد کر دیا تھا کہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آؤں تو صلیبی اگر میری مدد براہ راست نہ کریں تو عقب سے یا پہلو سے سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں یا اسے حملے کا دھوکہ دے کر اس کی توجہ مجھ سے ہٹا دیں۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ایک وسیع و عریض علاقہ آپ کی عملداری میں ہوگا۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دے سکیں گے۔ وہ صلیبیوں کو پسپا کر سکتا ہے۔ صلیبی اس کی جنگی چالوں سے واقف نہیں۔ ہم واقف ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ اگر اس کی فوج بے جگری سے لڑ سکتی ہے تو ہم اس سے زیادہ بہادری کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی پہلی بار حلب میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ حلب والوں نے اس کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔''

شمس الدین اور شاد بخت نے اسے بالکل نہ کہا کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے اور صلیبی جو ہم سب کے دشمن ہیں ہمیں مدد کا دھوکا دیں گے مدد نہیں دیں گے۔ ان دونوں بھائیوں نے اسے یہ بھی یاد نہ دلایا کہ الملک الصالح نے صلیبی حکمران ریمانڈ کو سونے کی شکل میں معاوضہ دیا اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگ کی صورت میں ریمانڈ اس پر عقب سے حملہ کرے گا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو ریمانڈ فوج لے کر آ گیا مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کے صرف چھاپہ مار دستوں نے اسے روک دیا اور ریمانڈ لڑے بغیر واپس چلا گیا تھا۔ شمس الدین اور شاد بخت نے گمشتگین کے ساتھ کسی بھی نکتے پر بحث نہ کی۔ اس کی تائید کی اور اسے مشورہ دیا کہ اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی الرستان کی پہاڑیوں میں بیٹھا ہے۔ اس سلسلہ کوہ ''حماۃ کے سینگ'' نام کی جو وادی ہے اسے میدان جنگ بنایا جائے تو سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دی جا سکتی ہے۔ انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ اپنی

جنگ آزادی سے لڑی جائے اور صلیبیوں سے مدد لی جائے۔

''مجھے کچھ ایسی اطلاعیں مل رہی ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہمارے درمیان موجود ہیں اور وہ ہر ایک خبر اسے پہنچا رہے ہیں۔'' گمشتگین نے کہا...... ''آپ دونوں محتاط اور چوکنے رہیں اور چھان بین کریں۔''

''کہنے کی ضرورت نہیں۔'' سالار شاد بخت نے کہا...... ''ہم جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا نظام جاسوسی بہت مضبوط اور تیز ہے ہم نے یہاں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں جو ہمیں مشتبہ اور مشکوک افراد سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔''

''میں اس معاملے میں بہت سخت ہوں۔'' گمشتگین نے کہا......''اگر مجھے اپنے بیٹے کے متعلق بھی شک ہوا کہ جاسوس ہے تو میں اسے بھی شکنجے میں ڈال دوں گا۔ ذرہ بھر رحم نہیں کروں گا۔''

گمشتگین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ جن دو سالاروں سے اتنے نازک مشورے لے رہا ہے وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہیں۔ یہ دونوں بھائی تو بہت ہی خطرناک جاسوس تھے۔ کیونکہ وہ دونوں اس کی فوج کے جرنیل تھے اور فوجوں کی کمان انہی کے پاس تھی۔ گمشتگین سے فارغ ہو کر وہ جب اکیلے بیٹھے تو انہوں نے آپس میں یہ سکیم بنائی کہ وہ جب فوج لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جائیں گے تو اسے اپنی پیش قدمی کے متعلق پہلے اطلاع دے دیں گے۔ وہ ان کی فوج کو گھیرے میں لے لے گا اور ہتھیار ڈال دیئے جائیں گے۔ دونوں بھائی دیر تک سکیم بناتے اور ہر پہلو پر غور کرتے رہے۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ گمشتگین کب حملہ کرنا چاہتا ہے۔ انہیں اسے اس پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ جلدی حملہ کرے۔

☆

انطانون اب گمشتگین کی رہائش گاہ کی ڈیوٹی سے ہٹ گیا تھا کیونکہ اس کی ڈیوٹی کے آٹھ دن پورے ہو چکے تھے۔ فاطمہ نے اسے کام کی کچھ باتیں بتائی تھیں۔ اب اس کا فاطمہ سے ملنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ہر لمحے اسے ملنے کے لیے بیتاب رہتا تھا جس کی ایک وجہ تو اپنے فرض کی ادائیگی تھی اور دوسری وجہ جذباتی اور رومانی تھی۔ فاطمہ نے ایک خادمہ کو ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ایک شام اس خادمہ کے ذریعے فاطمہ نے انطانون کو اطلاع بھجوائی کہ رات اسی وقت وہ باغیچے میں آ جائے۔ بڑے دروازے سے اندر جانا ناممکن تھا۔ باغیچے کے پیچھے اونچی دیوار تھی۔ فاطمہ نے کہلا بھیجا تھا کہ دیوار کے باہر رسہ لٹک رہا ہو گا۔ اس رات وہاں بہت بڑی ضیافت تھی۔ گمشتگین نے ایسے تمام بڑے بڑے لوگوں کو مدعو کیا تھا، جو جنگ میں اس کے مددگار ہو سکتے تھے۔ ان میں صلیبی کمانڈر بھی تھے اور چند ایک مسلمان فوجی افسر بھی جو موصل سے چوری چھپے آئے تھے۔ گمشتگین نے ایسے غیر فوجی آدمیوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ جن کے پاس بے انداز دولت تھی۔ اب سب مہمانوں سے وہ جنگ کے لیے مدد لینا چاہتا تھا۔ ان میں شمس الدین اور شاد بخت بھی تھے اور ان میں گمشتگین کا قاضی ابن الخاشب ابوالفضل بھی تھا۔

یہ اجتماع فاطمہ کے لیے بہت اچھا تھا۔ اسے اس کی اہمیت کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے مزاج کے خلاف اپنا بناؤ سنگار ایسے طریقے سے کیا تھا جس میں مردوں کے لیے بے پناہ کشش تھی۔ اس کی جوانی اور خوبصورتی کی کشش الگ تھی۔ وہ پھدکتی پھر رہی تھی۔ ہر مہمان کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی تھی۔ اسے جہاں بھی کوئی صلیبی اور اپنی فوج کا کوئی اعلیٰ افسر باتیں کرتا نظر آتا وہاں اس طرح پیٹھ کر کے کھڑی ہو جاتی کہ انہیں شک نہ ہوتا۔ وہ ان کی طرف کان لگا دیتی۔ وہ شمس الدین اور شاد بخت کے پاس بھی گئی۔ دونوں نے اسے کہا کہ وہ بہت محتاط رہے اور اس کے کان میں کوئی راز کی بات

بتا دے تو انہیں بتا دے۔ انطانون سے زیادہ ملاقاتیں نہ کرے لیکن اس نے یہ راز ان سے چھپائے رکھا کہ اس نے آج رات انطانون کو بلا رکھا ہے اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس سے باغیچے میں ملنے جائے گی پھر واپس آ کر اپنا کام کرے گی۔ اس نے شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی خادمہ سے رسہ دیوار کے اوپر بندھوا کر پچھلی طرف لٹکوا دیا تھا۔ دیوار کی اندر کی طرف ایک درخت تھا۔ انطانون کو باہر سے رسے کے ذریعے اوپر آنا اور اسی رسے کو اندر کی طرف لٹکا کر درخت کی اوٹ میں اترنا تھا۔

اس ضیافت میں باہر سے نہایت اعلیٰ درجے کی ناچنے والیاں بلائی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ لڑکیوں جیسے خوبصورت نوعمر لڑکے بھی بلائے گئے تھے۔ جو نیم عریاں ہو کر خاص قسم کا رقص کرتے تھے۔ حرم کی ساری لڑکیاں گمشتگین کی اس ہدایت یا حکم کے ساتھ موجود تھیں کہ مہمانوں کو پوری طرح اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کریں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ اس اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ شراب کے مٹکوں کے منہ کھول دیئے گئے تھے۔ فاطمہ بھی اس میں آزاد تھی کہ کہ مہمانوں میں سے کسے ملتی ہے اور اس کے ساتھ کیسی باتیں اور حرکتیں کرتی ہے۔

محفل کی رونق اور سازوں کے ہنگامے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور فاطمہ بے چین ہوتی جا رہی تھی کیونکہ انطانون کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ ایک صلیبی کمانڈر کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ یہ صلیبی روانی سے عربی زبان بولتا تھا۔ فاطمہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کر رہی تھی۔ تا کہ یہ صلیبی اپنے دل کی باتیں اگل دے۔ ایسا ہی ہوا۔ وہ فاطمہ کو بتانے لگا کہ وہ کس طرح سلطان صلاح الدین ایوبی کو ختم کریں گے۔ ان باتوں کے دوران اس نے فاطمہ کے ساتھ بے تکلفی پیدا کر لی۔ فاطمہ نے مزاحمت نہ کی۔ اسے کچھ قیمتی راز حاصل ہو رہے تھے۔ صلیبی اسے باتوں میں لگائے محفل سے پرے لے گیا۔ چلتے چلتے وہ اندر والے باغیچے میں چلے گئے۔ وہاں روشنی نہیں تھی۔ وہاں جا کر فاطمہ نے محسوس کیا کہ انطانون آ گیا ہو گا اور اس کے انتظار میں پریشان ہو رہا ہو گا۔ اس نے صلیبی سے کہا کہ آؤ واپس چلیں لیکن صلیبی ابھی واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ فاطمہ کوئی جھوٹ موٹ وجہ بتائے بغیر بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔ مگر بھاگنے کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔ بھاگنے کی بظاہر وجہ بھی کوئی نہیں تھی۔

صلیبی نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھاس پر بٹھا لیا اور اس کے حسن کی تعریفیں شروع کر دیں۔ فاطمہ نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ صلیبی نشے میں بھی تھا۔ اس نے دست درازی کی تو فاطمہ نے ہنس کر کہا...... ''یہ سوچ لو کہ میں کس کی بیوی ہوں۔''

''اسی کی اجازت سے یہ جرأت کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا اور فاطمہ کو اپنے قریب گھسیٹ لیا۔ کہنے لگا...... ''تم جسے اپنا خاوند کہہ رہی ہو وہ تمہارا خاوند نہیں ہے۔'' صلیبی نے کہا...... ''اس حقیقت سے تم بھی واقف ہو۔ اگر وہ تمہارا خاوند ہوتا ہے تو اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے اور بادشاہ بننے کے لیے اپنی تمام بیویاں آج رات کے لیے ہم پر حلال کر دی ہیں۔''

''وہ بے غیرت ہے۔'' فاطمہ نے غصے کو ہنسی میں دبا کر کہا، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ صلیبی جو کچھ کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے۔

''جو آدمی اپنا ایمان بیچ ڈالتا ہے وہ اپنی بیوی، اپنی بہن اور اپنی بیٹی کی عزت سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے۔ تم عجیب لڑکی ہو۔ عیش و عشرت سے کیوں بیزار ہو؟ کہتی ہو میں شراب بھی نہیں پیتی۔''

فاطمہ کو دو باتیں پریشان کر رہی تھیں۔ پہلی یہ کہ انطانون آ گیا ہو گا اور دوسری یہ کہ گمشتگین اگر غیرت مند

ہوتا تو وہ دوڑتی اس کے پاس جاتی اور اسے بتاتی کہ یہ آدمی مجھ سے دست درازی کرتا ہے۔ مگر وہاں صورت یہ پیدا کر دی گئی تھی کہ کسی مہمان کو خصوصاً کسی صلیبی کمانڈر کو ناراض کرنا گمشتگین کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ وہ اپنی بیویوں کی عصمت کے عوض سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگ مدد لے رہا تھا۔ فاطمہ جال میں الجھ کے رہ گئی۔ وہ اس صلیبی کے منہ پر تھوک نہیں سکتی تھی اور اسے دھتکار بھی نہیں سکتی تھی۔ ان مجبوریوں کے باوجود اپنی عزت سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کیا کرے۔

اس نے اسے ذرا سلجھے ہوئے طریقے سے ٹالنے کی کوشش کی جو محض بے کار ثابت ہوئی۔ اسے بڑی شدت سے خیال آیا کہ انطانون آ گیا ہوگا۔ وہ پیچ و تاب کھانے لگی۔ اس ذہنی کیفیت میں صلیبی نے ایک بیہودہ حرکت کی۔ فاطمہ بھڑک اٹھی۔ وہ گھاس پر بیٹھے تھے۔ اس نے صلیبی کو بڑے زور سے دھکا دیا۔ وہ پیٹھ کے بل گرا۔ عورت میں غیرت بیدار ہو جائے تو وہ چٹان کو بھی دھکا دے کر گرا سکتی ہے۔ یہ صلیبی تو نشے میں تھا۔ اس نے اسے فاطمہ کا مذاق سمجھا اور قہقہہ لگایا۔ قریب ہی مٹی کا ایک بڑا گملا رکھا تھا۔ فاطمہ کو غصے نے پاگل کر دیا۔ اس نے گملا اٹھایا۔ یہ بہت وزنی تھا۔ گملا اوپر کو اٹھا کر اس نے صلیبی کے منہ پر دے مارا۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹا قہقہے لگا رہا تھا۔ گملا اس کی پیشانی پر گرا اور اس کے قہقہے خاموش ہو گئے۔ فاطمہ نے گملا پھر اٹھایا۔ صلیبی بے ہوش ہو کر پہلو کے بل ہو گیا تھا۔ فاطمہ نے گملا اپنے سر سے اوپر لے جا کر اس کے سر پر پھینکا اور وہاں سے غلام گردش میں چلی گئی۔ کسی کمرے میں داخل ہوئی اور اندھیرے میں پچھلے باغیچے میں چلی گئی۔

محفل پر شراب کا نشہ طاری ہو چکا تھا۔ رقص عروج پر تھا۔ شرابیوں کی ہاؤ ہو نے اس قلعہ نما محل کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔ کسی کو ہوش نہ تھا کہ کون زندہ ہے اور کون قتل ہو گیا ہے۔ اس ہنگامے سے لاتعلق ہو کر فاطمہ پچھلے باغیچے میں گئی۔ انطانون کی محبت کے جوش اور نشے میں اسے ابھی یہ احساس نہیں تھا کہ وہ ایک انسان کو قتل کر آئی ہے اور مقتول صلیبی ہے۔ وہ انطانون کو فخر سے سنانا چاہتی تھی کہ اس نے اپنی عزت کی حفاظت میں ایک صلیبی کو قتل کر دیا ہے، مگر انطانون وہاں نہیں تھا۔ فاطمہ کا دل اس خیال سے ڈوبنے لگا کہ وہ آ کر چلا گیا ہے۔ اس نے درخت کے پیچھے جا کر دیکھا کہ رسہ باہر ہے یا اندر۔ رسہ اندر تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انطانون آیا ہے۔ اسی لیے رسہ اندر ہے۔ مگر وہ کہاں ہے؟ واپس گیا ہوتا تو رسہ باہر کو ہوتا۔

وہ وہاں کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اسے اندھیرے میں ایک سایہ سا حرکت کرتا نظر آیا۔ اس نے غور سے دیکھا۔ اس کی خادمہ معلوم ہوتی تھی۔ فاطمہ نے اسے آہستہ سے آواز دی۔ وہ خادمہ ہی تھی۔ فاطمہ کی طرف دوڑی گئی۔ اس نے فاطمہ سے کہا..... ''اسے یہاں نہ ڈھونڈو۔ وہ آیا تھا۔ میں اس کے انتظار میں چھپ کر کھڑی تھی۔ میں نے اسے دیوار پر دیکھا۔ اس نے رسہ اندر پھینکا اور اترنے لگا۔ ادھر سے دو آدمی آتے نظر آئے۔ اس وقت وہ رسے سے اتر رہا تھا۔ دونوں آدمی قریب آ گئے۔ میں اسے خبردار نہ کر سکی۔ وہ دونوں درخت کے تنے سے لگ گئے۔ وہ جونہی اترا ان دونوں نے اسے ایسا جکڑا کہ وہ ان سے آزاد نہ ہو سکا۔ میں آپ کو ڈھونڈتی رہی لیکن میں مہمانوں میں نہیں جا سکتی تھی۔''

فاطمہ کو چکر آ گیا اور جب اسے یہ خیال آیا کہ وہ ایک صلیبی کو قتل کر آئی ہے تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ یہ الف لیلیٰ کی پراسرار اور طلسماتی دنیا تھی جسے فاطمہ جیسی لڑکی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اسے حرم کی ایک لڑکی نے خبردار بھی کیا تھا کہ وہ ایک محافظ سپاہی کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل کر غلطی کر رہی ہے۔ اسے اب یہ مسئلہ پریشان کرنے لگا کہ انطانون کو کس نے گرفتار کرایا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو پہلے سے معلوم ہوگا کہ وہ آ رہا ہے۔ اب فاطمہ کو یہ خدشہ نظر آنے لگا کہ اسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔ اسے اپنی خادمہ پر بھی شک تھا۔ وہ بھی تو مخبری کر سکتی تھی۔

وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ خادمہ کو ساتھ لے کر اس نے اوپر سے رسہ کھلوایا اور اسے کہا کہ اسے کہیں چھپا دے۔ وہ خود انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں سالار شمس الدین اور شاد بخت کی طرف دوڑ گئی۔ رقص اور شراب کی محفل گرم تھی۔ فاطمہ کو شاد بخت نظر آ گیا۔ اسے محفل کے انداز سے معلوم ہوا کہ صلیبی کے قتل کا کسی کو پتا نہیں چلا، وہ خراماں خراماں شاد بخت تک گئی اور اسے اشارے سے بلایا۔ الگ جا کر اسے بتایا کہ وہ ایک صلیبی کو قتل کر آئی ہے۔ اس نے قتل کی وجہ بھی بتائی۔

شاد بخت نے یہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہ فاطمہ کو کسی نہ کسی نے اس صلیبی کے ساتھ ادھر جاتے دیکھا ہوگا جہاں اس کی لاش پڑی ہے اور اس کے پکڑے جانے کا امکان بڑا واضح ہے، اس نے کہا...... ''تمہیں اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ تم اگر گرفتار ہو گئی تو میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ گمشتگین تم جیسی خوبصورت لڑکی کا قید خانے میں کیا حال کرائے گا۔ اگر اس کا باپ مارا جاتا تو وہ پروانہ کرتا۔ وہ ایک صلیبی کمانڈر کے قتل کا بڑا بھیانک انتقام لے گا۔''

''میں کہاں جاؤں؟'' فاطمہ نے پوچھا۔

''تھوڑی دیر یہیں گھومو پھرو'' ...... شاد بخت نے کہا...... ''میرا بھائی شمس الدین آ جائے تو اس سے بات کروں گا۔''

''وہ کہاں چلے گئے ہیں؟'' فاطمہ نے خوف سے کانپتی آواز میں پوچھا۔

''کچھ دیر گزری انہیں اطلاع ملی تھی کہ پچھواڑے کی دیوار سے رسے سے پھلانگ کر ایک آدمی اندر آ گیا تھا۔ معلوم نہیں وہ کون ہے اور کس ارادے سے اندر آیا تھا۔ شمس الدین اسے دیکھنے اور اسے قید خانے میں ڈالنے یا جو بھی کارروائی مناسب سمجھے گا کرنے کے لیے گیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر تک نہ آیا تو میں خود چلا جاؤں گا۔ دل مضبوط رکھنا۔ ہم تمہیں چھپا لیں گے۔''

فاطمہ کے ذہن میں خیال آیا کہ پکڑا جانے والا انطانون ہی ہوگا۔ اسے اطمینان سا ہوا کہ انطانون کو سالار شمس الدین کے حوالے کیا گیا ہے اور وہ اسے بچانے کی کوشش کرے گا۔

وہ انطانون ہی تھا۔ اسے دو سپاہیوں نے پکڑا تھا۔ چونکہ یہ شمس الدین کے شعبے کی ذمہ داری تھی کہ اس قسم کے مجرموں سے پوچھ گچھ کر کے کارروائی کرے اس لئے اسی کو اطلاع دی گئی کہ ایک آدمی دیوار پھلانگ کر اندر آتے پکڑا گیا ہے۔ شمس الدین محفل سے اٹھ کر باہر گیا تو سپاہیوں نے انطانون کو پکڑ رکھا تھا۔ شمس الدین نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اس مجرم کو نہیں جانتا اس سے پوچھا...... ''تم تو شاید محافظ دستے کے جوان ہو۔ دیوار کیوں پھلانگی ہے؟ سچ سچ بتا دو ورنہ سزائے موت سے کم سزا نہیں دوں گا۔''

انطانون خاموش رہا۔ شمس الدین کو اس خیال سے غصہ آ رہا تھا کہ اسے اس نے کہا بھی تھا کہ محتاط رہے اور فرض پر جذبات کو غالب نہ آنے دے۔ اس نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا۔ ایک طرف تو اس نے فن کا یہ کمال دکھایا تھا کہ ایک ہی کوشش میں محافظ دستے میں بھی شریک ہو گیا اور فوراً بعد اس نے حرم تک رسائی حاصل کر لی مگر دوسری طرف اس نے ایسی حماقت کی کہ ایک ہی ہلے میں پکڑا گیا۔ جاسوس کی حیثیت سے یہ اس کا جرم تھا لیکن اس کی سزا اسے یہاں نہیں دی جا سکتی تھی، یہاں سے اسے بچانا اور نکالنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فاطمہ کو بھی وہاں سے نکالنا ضروری تھا کیونکہ اس انکشاف کا بھی خطرہ تھا کہ انطانون کو فاطمہ نے بلایا تھا اور رسہ لٹکانے کا انتظام اسی نے کیا تھا۔

شمس الدین نے دونوں سپاہیوں کو ایک جگہ بتا کر کہا کہ اسے وہاں لے جائیں اور وہ اسے قید خانے میں لے جانے کا انتظام کرنے جا رہا ہے۔ سپاہی اسے لے گئے تو شمس الدین کسی اور طرف چلا گیا۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ کو

بلایا۔ جو وہیں کہیں موجود تھا۔ باڈی گارڈ چلا گیا۔ اس کے بعد شمس الدین اندر چلا گیا اور اپنے بھائی شاد بخت کو اپنے پاس بلایا۔ رقص ہو رہا تھا۔ مہمان عش عش کر رہے تھے۔ شراب بہہ رہی تھی۔ مشعلوں کے شعلوں اور فانوس کی رنگ برنگی روشنیوں نے ناچنے والیوں کے رنگا رنگ لباسوں سے مل کر ایسی رونق پیدا کر رکھی تھی جس میں الف لیلیٰ کا طلسم تھا۔ سب مدہوش اور مخمور ہوئے جا رہے تھے۔ صلیبی کی لاش ابھی وہیں پڑی تھی۔ اس طلسماتی ماحول اور فضا میں شمس الدین اور شاد بخت کے درمیان انطانون اور فاطمہ کے متعلق باتیں ہوئیں۔ شاد بخت نے شمس الدین کو بتایا کہ فاطمہ ایک صلیبی کو قتل کر چکی ہے۔

انہوں نے فاطمہ کو اپنے پاس بلایا اور اسے اپنے کمرے میں جا کر لباس اور حلیہ بدل کر وہاں سے نکلنے کی ترکیب اچھی طرح سمجھا دی۔ وہ خراماں خراماں وہاں سے غائب ہو گئی۔

کچھ دیر بعد دربان نے اندر آ کر شمس الدین کو اطلاع دی کہ باہر فلاں کمانڈر کھڑا ہے۔ شمس الدین باہر گیا۔ ایک کمانڈر گھبرایا ہوا کھڑا تھا۔ اس نے رپورٹ دی۔ ''انطانون نام کے جس محافظ کو دیوار پھلانگتے پکڑا گیا تھا، وہ فرار ہو گیا ہے۔''

''کیا وہ دو سپاہی مر گئے تھے جن کے حوالے میں انہیں کر کے آیا تھا؟''...... شمس الدین نے گرج کر پوچھا۔

''معلوم ہوتا ہے یہ اکیلے انطانون کا نہیں ایک سے زیادہ آدمیوں کا کام ہے''...... کمانڈر نے بتایا۔ ''دونوں سپاہی وہاں بے ہوش پڑے ہیں۔ ان کے سروں پر ضربوں کے نشان ہیں۔''

شمس الدین نے موقعہ واردات پر جا کر دیکھا۔ دونوں سپاہی ہوش میں آ چکے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یہاں کھڑے تھے۔ اندھیرے میں پیچھے سے ان کے سروں پر کسی نے ایک ایک ضرب لگائی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ شمس الدین نے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ اس وقت ایک عورت جس نے سر سے پاؤں تک برقعے کی طرز کا سیاہ ریشمی لبادہ لے رکھا تھا اور اس میں سے اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، گمشتگین کی رہائش گاہ کے بڑے دروازے سے نکلی اور جانے کہاں چلی گئی۔ اس رات مہمانوں کا آنا جانا تو جاری تھا۔ دربان اور محافظوں نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ یہ کون ہے جو مستور ہو کر جا رہی ہے۔

آدھی رات کے بعد جب مہمان رخصت ہوئے تو قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ گھوڑے اور بگھیاں گزرنے لگیں۔ انہی میں ایک گھوڑا سوار گزرا جس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا اس کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر وہی مستور عورت تھی جو گمشتگین کے گھر سے اکیلی نکلی تھی۔ یہ انتظام شمس الدین اور شاد بخت نے کیا تھا۔ اس نے ان دو سپاہیوں کو ایک جگہ بتا کر کہا کہ انطانون کو وہاں لے جا کر میرا انتظار کریں۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا تھا کہ وہ انطانون کو آزاد کرائیں اور اس کے گھر میں چھپا دیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شمس الدین اور شاد بخت کے باڈی گارڈ، دو اردلی اور دو ملازم سلطان صلاح الدین ایوبی کے کمانڈو جاسوس تھے۔ انہوں نے بروقت حرکت کی اور انطانون کو چھڑا کر لے گئے۔ اُدھر سے فاطمہ بھی کامیابی سے نکل گئی اور شمس الدین کے گھر پہنچ گئی۔ وہاں انتظامات مکمل تھے۔ جب مہمان نکلے تو انہیں گھوڑے دے کر وہاں سے نکال دیا گیا۔

یہ رات تو رقص اور شراب کی مدہوشی میں گزر گئی۔ اگلی صبح صلیبی کی لاش دیکھی گئی اور گمشتگین کو یہ اطلاع بھی ملی کہ اس کا ایک محافظ اور اس کے حرم کی ایک لڑکی لاپتہ ہے۔ اس نے یہ حکم دے دیا کہ جن دو سپاہیوں کی حراست سے انطانون بھاگا ہے ان دونوں کو عمر بھر کے لیے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔

☆

انطانون اور فاطمہ کا فرار سب کو بھول ہی گیا کیونکہ گمشتگین کے صلیبی دوستوں نے اپنے ایک کمانڈر کے قتل پر اودھم بپا کر دیا تھا۔ انہیں دراصل اپنے کمانڈر کے مارنے جانے پر اتنا افسوس نہیں تھا جتنا انہوں نے غل غپاڑہ مچایا تھا۔ وہ دراصل گمشتگین کے ساتھ ناراضگی کا اظہار کر کے اس سے کچھ اور مراعات لینا چاہتے تھے۔ اور یہ شہ دینا چاہتے تھے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دے۔ صلیبی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے حرموں میں ایسے ڈرامے کھیلے ہی جاتے رہتے ہیں جن میں لڑکیاں اغوا بھی ہوتی ہیں، از خود بھی غائب ہوتی ہیں اور وہاں پر اسرار قتل بھی ہوتے ہیں، لیکن وہ گمشتگین کو مجبور کر دینا چاہتے تھے کہ سر ان کے قدموں میں رکھ دے۔ جن سے مدد مانگی جاتی ہے وہ اپنی ہر شرط منواتے اور غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صلیبیوں کی تو نیت ہی کچھ اور تھی۔

یہ صورت حال چھپائی نہ جا سکی۔ حلب تک اس کی خبر پہنچ گئی۔ وہاں کے درباری امراء جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے تھے۔ گمشتگین کو بھی اپنا اتحادی بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے الملک الصالح کی طرف سے گمشتگین کی طرف ایک ایلچی بھیجا۔ اس کے ساتھ رواج کے مطابق بیش قیمت تحائف تھے۔ ان تحالف میں دو جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ گمشتگین آرام کر رہا تھا۔ ایلچی اور لڑکیوں کو شمس الدین کے پاس لے گئے۔ کیونکہ گمشتگین کے بعد وہی سالار تھا جو سرکاری اُمور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اپنے گھر میں لڑکیوں کو الگ بٹھا کر اس نے ایلچی سے پوچھا کہ وہ کیا پیغام لایا ہے۔ اس نے جو طویل پیغام دیا وہ مختصراً یوں تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو ریمانڈ صلیبی فوج لے کر آیا تھا۔ جس سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے محاصرہ اٹھا دیا مگر ریمانڈر بغیر لڑے فوج واپس لے گیا۔ صلیبی آئندہ بھی ہمیں دھوکہ دیں گے۔ ہم اگر الگ الگ ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑیں گے تو ہم سب شکست کھائیں گے۔ ہمیں متحد ہو جانا چاہیے تا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکیں۔

اس پیغام کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کا ایک منصوبہ تھا جو کچھ اس طرح تھا کہ الرستان کی پہاڑیوں کی برف پگھل رہی ہے۔ جاسوسوں نے بتایا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سپاہی بلندیوں پر نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ وہاں پگھلتی برف کا پانی ان کے لیے رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ ہمارے لیے یہ موقع اچھا ہے۔ ہم سب اپنی فوجوں کو اکٹھا کر لیں تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کو گھیرے میں لے کر اسے شکست دے سکتے ہیں۔ اس منصوبے میں یہ بھی تھا کہ صلیبی حکمران ریجنالڈ کو اپنے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ (گمشتگین) اسے اپنا منصوبہ بتائیں اور اسے اپنا معاہدہ یاد دلائیں جس کے تحت اسے جنگی قید سے رہا کیا گیا تھا۔

شمس الدین نے یہ پیغام شاد بخت کو سنایا۔ دونوں بھائیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور سوچنے لگے کہ یہ پیغام گمشتگین تک نہ پہنچنے پائے۔ وہ دونوں اس کوشش میں تھے کہ گمشتگین اکیلا سلطان صلاح الدین ایوبی سے لڑے کیونکہ اس طرح اس کی شکست کا امکان تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس فوج تھوڑی ہے۔ اس سے وہ اکیلے اکیلے غدار حکمران کو آسانی سے ختم کر سکتا تھا...... یہ دونوں بھائی اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے پوری پوری احتیاط کرتے تھے مگر اس موقع پر ان پر جذبات کا غلبہ ہو گیا۔ جذبات کو مشتعل ان لڑکیوں نے کیا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے لڑکیوں سے ان کا مذہب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں۔ عمر کے لحاظ سے وہ نوجوان تھیں۔ شمس الدین اور شاد بخت نے افسوس سا محسوس کیا کہ ایک تو مسلمانوں نے اپنے آپ میں یہ کمزوری پیدا کر لی ہے کہ خوبصورت لڑکی کے عوض اپنا ایمان تک الگ پھینک دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جن مسلمان لڑکیوں کو شریف گھرانوں میں آباد ہونا ہوتا

ہے انہیں لالچی والدین امراء کے حرموں میں دے دیتے ہیں۔

''تم کہاں کی رہنے والی ہو اور ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگی ہو؟''......شاد بخت نے پوچھا۔''تمہارے باپ زندہ ہیں؟ بھائی نہیں ہیں؟''......

لڑکیوں نے انہیں جو جواب دیا اس سے دونوں بھائیوں کے جذبات بھڑ اٹھے۔جن علاقوں پر صلیبی قابض تھے وہاں کے مسلمانوں کا جینا حرام ہو رہا تھا۔کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں تھی۔پہلے بھی سنایا جا چکا ہے۔کہ وہاں کے مسلمان باشندے قافلوں کی صورت میں نقل مکانی کرتے تھے۔ان کے ساتھ تاجر بھی چل پڑتے تھے۔اس طرح ہر قافلے کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی تھیں اور مال و دولت بھی۔صلیبیوں نے قافلوں کو لوٹنے کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔یہ تو یورپی مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ بعض صلیبی حکمران جو مشرق وسطیٰ میں کسی نہ کسی علاقے پر قابض تھے،ان قافلوں کو اپنی فوج کے ہاتھوں لٹواتے تھے۔لوٹنے والے کمسن لڑکیوں، جانوروں اور مال و دولت کو اڑا لے جاتے تھے۔لڑکیوں کو وہ منڈی میں نیلام کرتے یا مسلمان امراء کے ہاتھ فروخت کرتے تھے۔ان میں کچھ لڑکیاں صلیبی اپنے لیے رکھ لیتے اور انہیں جاسوسی اور اخلاقی تخریب کاری کے لیے تیار کرتے تھے۔انہیں مسلمانوں کے علاقوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔

ان دونوں لڑکیوں کو ایک قافلے سے چھینا گیا تھا۔اس وقت دونوں تیرہ چودہ سال کی تھیں۔وہ فلسطین کے کسی مقبوضہ علاقے سے اپنے کنبوں کے ساتھ کسی محفوظ علاقے کو جا رہی تھیں۔یہ بہت بڑا قافلہ تھا جس پر صلیبی ڈاکوؤں نے رات کے وقت حملہ کیا اور بہت سی لڑکیوں کو اٹھا لے گئے۔یہ دونوں چونکہ غیر معمولی طور پر خوبصورت تھیں اس لیے انہیں الگ کر کے ان کی خصوصی پرورش اور تربیت شروع کر دی گئی۔ان پر غیر انسانی تشدد کیا گیا پھر ان کے ساتھ ایسا اچھا سلوک ہونے لگا جیسے وہ شہزادیاں ہوں۔انہیں فی الواقع شہزادیاں بنایا گیا۔شراب پلائی گئی اور نہایت خوبی سے ان کے ذہنوں کو صلیبیوں نے اپنے رنگ میں ڈھال لیا۔چار پانچ سال بعد جب سلطان نور الدین زنگی فوت ہو گیا تو صلیبیوں کی طرف سے ان دونوں لڑکیوں کو تحفے کے طور پر دمشق بھیجا گیا۔انہیں صلیبیوں کا ایک مسلمان ایلچی ساتھ لایا تھا۔یہ صلیبیوں کی خیر سگالی کا تحفہ تھا۔وہ الملک الصالح اور اس کے امراء کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف اور اپنے حق میں کرنا چاہتے تھے۔

ان لڑکیوں نے بتایا''ہمارے ذہنوں سے مذہب اور کردار نکال دیا گیا تھا۔ہم خوبصورت کھلونے بن گئی تھیں۔لیکن ہمیں جب دمشق بھیجا گیا تو ہمارے ذہنوں میں اپنا مذہب اور کردار بیدار ہو گیا۔ہمارے خون میں جو اسلامی اثرات تھے وہ اُمڈ کر ہماری روحوں پر چھا گئے۔ہمیں اپنے ماں باپ اور بہن بھائی تو نہیں مل سکتے تھے۔ہم نے ان مسلمان حاکموں اور بادشاہوں کو اپنے باپ اور بھائی سمجھ لیا لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی ہمیں بیٹی اور بہن نہیں سمجھا۔صلیبیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہو کر ہمیں اتنا دکھ نہیں ہوا تھا، جتنا مسلمان بھائیوں کے پاس آ کر ہوا۔کیونکہ صلیبیوں سے ہمیں ایسے سلوک کی توقع تھی۔ہم نے ہر اس مسلمان حاکم کے پاؤں پکڑے جن کے حوالے ہمیں کیا گیا۔ہاتھ جوڑے، اسلام، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دیئے کہ ہم ان کی بیٹیاں ہیں، مظلوم ہیں، ان کی عزت ہیں مگر ان کی آنکھوں پر شراب اور شیطان نے صلیب اور ستارے میں کوئی فرق نہیں رہنے دیا تھا......

''ہمارے اندر انتقام کا جذبہ بیدار ہو گیا۔جب سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق میں آیا تو ہم بہت خوش ہوئیں۔صلیبیوں کے علاقوں میں مسلمان سلطان صلاح الدین ایوبی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔اسے وہ امام مہدی بھی کہتے ہیں۔وہ دمشق میں آیا تو ہم نے تہیہ کر لیا کہ اس کے پاس چلی جائیں گی اور اسے کہیں گی کہ ہمیں اپنی فوج میں رکھ لے

کوئی سا کام ہمیں دے دیں۔ مگر ہمیں وہاں سے زبردستی بھگا کر حلب لے آئے۔ اب انہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔ ہم آپ سے بھی توقع نہیں رکھتیں کہ آپ ہمیں بیٹیاں سمجھیں گے۔ ہم اتنا ضرور کہیں گی کہ ہماری عصمت تو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے اسلام ہاتھ سے نہ جائے۔ ہم صلیبیوں کے ہاں رہیں تو وہاں بھی سلطان صلاح الدین ایوبی اور اسلام کے خلاف منصوبے بنتے دیکھے۔ مسلمانوں کے پاس رہیں تو وہاں بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہی باتیں سنیں۔ آپ ہمیں آزمائیں۔ ہم نے سنا ہے کہ صلیبی لڑکیاں یہاں جاسوسی کے لیے آتی ہیں۔ آپ ہمیں اسلام کے دفاع اور فروغ لیے اور صلیبیوں کی شکست کے لیے کچھ کرنے کا موقع دیں۔''

ان لڑکیوں کی یہ روائیداد ایسی تھی جس نے شمس الدین اور شاد بخت کو شدید جذباتی جھٹکہ دیا۔ انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ انہیں اب کسی عیش پرست حکمران کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

☆

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باڈی گارڈ نے اندر آ کر انہیں طلاع دی کہ قاضی صاحب آئے ہیں۔ دونوں بھائی ملاقات والے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں حران کا قاضی ابن الخاشب ابوالفضل بیٹھا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس نے کہا...... ''سنا ہے حلب سے ایلچی آیا ہے اور پیغام کے ساتھ تحفے بھی لایا ہے۔''

''ہاں!''...... شاد بخت نے کہا۔ ''قلعہ دار سوئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایلچی کو اپنے پاس روک لیا ہے......''

''میں وہ دو تحفے دیکھنے آیا ہوں''...... ابن الخاشب نے آنکھ مار کر کہا۔ ''ان کی ایک جھلک دکھادو''......

دونوں بھائی جانتے تھے کہ یہ قاضی کس قماش کا انسان ہے۔ وہ گمشتگین پر چھایا ہوا تھا۔ شمس الدین نے دونوں لڑکیوں کو اس کمرے میں بلایا۔ قاضی نے انہیں دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ اس کے منہ سے حیرت زدہ سرگوشی نکلی۔ ''آفرین...... ایسا حسن؟''

شمس الدین نے لڑکیوں کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ قاضی نے کہا ''انہیں میرے حوالے کر دو۔ میں خود قلعہ دار کے سامنے لے جاؤں گا۔'' اس کی آنکھوں سے شیطان جھانک رہا تھا۔

''آپ قاضی ہیں''...... شمس الدین نے اسے کہا۔ ''قوم کی نظروں میں آپ کا مقام گمشتگین سے زیادہ بلند ہے۔ آپ کے ہاتھ میں عدل اور انصاف ہے۔''

قاضی نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ ''تم فوجی احمق ہوتے ہو۔ تم شہری امور کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ قاضی مر گئے ہیں جن کے ہاتھ میں اللہ کا قانون اور عدل وانصاف ہوا کرتا تھا۔ وہ اپنے حکمران سے نہیں خدا سے ڈرا کرتے تھے بلکہ حکمران بھی ان کے ڈر سے کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتے تھے۔ اب حکمران اسے قاضی بناتے ہیں جو ان کی بے انصافیوں کو جائز قرار دے اور جو قانون کو نہیں حکمرانوں کو خوش رکھیں۔ میں اپنے خدا کا نہیں اپنے حکمران کا قاضی ہوں۔''

''اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ کفار تمہارے دلوں پر قابض ہو گئے ہیں۔'' شاد بخت نے کہا۔ ''ایمان فروش حکمران کا قاضی بھی ایمان فروش ہوتا ہے۔ تم جیسے قاضیوں اور منصفوں نے امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تک پہنچا دیا ہے جہاں ہمارے امراء اور حکمران اپنی ہی بیٹیوں کی عصمتوں سے کھیل رہے ہیں۔ یہ آپ کی مسلمان بچیاں ہیں جنہیں آپ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔''

قاضی پر شیطان کا اتنا غلبہ تھا کہ اس نے شمس الدین اور شاد بخت کی باتوں کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی اور

ہنس کر کہا۔ ''ہندی مسلمان مردہ دل ہوتے ہیں۔ تم ہندوستان سے یہاں کیوں چلے آئے تھے؟''

''غور سے سنو میرے دوست!''...... شمس الدین نے کہا۔ ''میں تمہاری عزت صرف اس لیے کرتا رہا کہ تم قاضی ہو، ورنہ تمہاری اصلیت اتنی سی ہے کہ تم میرے ماتحت کمانڈر تھے۔ تم نے خوشامد اور چاپلوسی سے یہ مقام حاصل کرلیا ہے۔ میں تمہاری غیرت کو بیدار کرنے کے لیے تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم ہندوستان سے کیوں آئے تھے چھ سو سال گزرے، محمد بن قاسم نام کا ایک نوجوان جرنیل ایک لڑکی کی پکار اور فریاد پر اس سرزمین سے جاکر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ تم جانتے ہو ہندوستان کتنی دور ہے۔ تم اندازہ کرسکتے ہو کہ اس لڑکے نے فوج کسی طرح وہاں پہنچائی ہوگی۔ تم خود فوجی ہو۔ اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ اس نے مرکز سے اتنی دور جاکر رسد اور کمک کے بغیر جنگ کس طرح لڑی ہوگی۔ جذبات سے نکل کر اس کے عملی پہلو پر غور کرو......

''اس نے ایسی مشکلات میں فتح حاصل کی جن میں شکست کے امکانات زیادہ تھے۔ اس نے صرف فتح حاصل نہیں کی ہندوستانیوں کے دلوں پر قبضہ کیا اور کسی ظلم و تشدد کے بغیر اس کفرستان میں اسلام پھیلایا۔ پھر وہ نہ رہے جنہوں نے اتنی دور جاکر ایک لڑکی کی عصمت کا انتقام لیا۔ اور اسلام کا نور پھیلایا تھا، دنیا سے اٹھ گئے اور وہ ملک ان بادشاہوں کے ہاتھ آیا جو مجاہدین کے قافلے میں تھے ہی نہیں۔ انہیں وہ ملک مفت مل گیا۔ انہوں نے وہاں وہی حرکتیں شروع کردیں جو آج یہاں ہو رہی ہیں۔ ہندو اسی طرح مسلمانوں پر غالب آتے گئے جس طرح یہاں صلیبی غالب آرہے ہیں۔ سلطنت اسلامیہ سکڑنے لگی۔ اور جب ہم جوان ہوئے تو اس سلطنت کی جڑیں بھی خشک ہوچکی تھیں جسے محمد بن قاسم اور اس کے غازیوں نے خون سے سینچا تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے عرب سے رشتہ توڑ لیا۔ ہم دونوں بھائی جن کے خاندان کو عسکری روایات سے پہچانا جاتا تھا وہاں سے مایوس ہوکر یہاں آگئے۔ ہم ہندی مسلمانوں کے ایلچی بن کر آئے تھے۔ ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑنے آئے تھے......

''سلطان نورالدین زنگی سے ملے تو اس نے بتایا کہ وہ ہندوستان کا رخ کس طرح کرسکتا ہے۔ عرب کی سرزمین غداروں سے بھری پڑی ہے۔ زنگی مرحوم دُور کے کسی محاذ پر اس لیے نہیں جاتا تھا کہ اس کی غیر حاضری میں ادھر بغاوت ہوجائے گی جس سے صلیبی فائدہ اٹھائیں گے۔ ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے کردار پر غالب آگیا اور یہاں صلیبی غالب آگیا۔ زنگی نے ہمیں اپنی فوج میں رکھ لیا اور جب گمشتگین سیف الدین اور عزالدین وغیرہ نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ گٹھ جوڑ شروع کردیا تو سلطان زنگی مرحوم نے ہم دونوں کو گمشتگین کی فوج میں اس مقصد کے لیے بھیج دیا کہ ہم اس پر نظر رکھیں کہ اس کی خفیہ سرگرمیاں کیا ہیں۔''

''یعنی تم دونوں جاسوس ہو۔'' قاضی ابن الخاشب نے طنزیہ کہا۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو''...... شمس الدین نے کہا...... ''تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے مسلمان امراء اس مجاہد کے خلاف لڑ رہے ہیں جو اسلام کو صلیب کے عزائم سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ آج کا ایلچی بہت خطرناک پیغام لایا ہے''...... اس نے پیغام سنا کر کہا...... ''گمشتگین پر تمہارا اثر ہے۔ تم اسے روک سکتے ہو۔ تم اگر ہمارا ساتھ دو تو گمشتگین کو اس پر قائل کریں کہ وہ غداروں کے ساتھ اتحاد کرنے کی بجائے، سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ مل جائے۔ ورنہ اسے ایسی شکست ہوگی جو اسے ساری عمر قید خانے میں بند رکھے گی۔''

''اس سے پہلے میں تم دونوں کو قید خانے میں بند کرواتا ہوں''...... ابن الخاشب نے کہا...... ''دونوں لڑ

میرے حوالے کردو۔"

وہ اٹھ کر اس کمرے کی طرف جانے لگا۔ جس میں لڑکیاں تھیں۔ شاد بخت نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا۔ اس نے شاد بخت کو دھکا دیا۔ شاد بخت نے اسے منہ پر اتنی زور سے گھونسہ مارا کہ وہ پیچھے کو گرا۔ شمس الدین وہاں کھڑا تھا۔ اس نے اپنا ایک پاؤں اس کی شہہ رگ پر رکھ دبایا اور ایسا دبایا کہ تڑپ کر بے حس ہو گیا۔ دیکھا، وہ مر چکا تھا۔ ان بھائیوں کا ارادہ قتل کا تھا یا نہیں، وہ مر گیا۔ انہوں نے سوچا کہ اب پکڑے تو جانا ہی ہے۔ انہوں نے اپنے دونوں اردلیوں کو بلایا۔ انہیں چار گھوڑے تیار کرنے کو کہا۔ گھوڑے تیار ہو گئے تو انہوں نے دو گھوڑوں پر دونوں لڑکیوں کو بٹھایا۔ اردلیوں کو تلواریں اور تیر وکمان دے کر دوسرے گھوڑوں پر سوار ہونے کو کہا۔ وہ اور شاد بخت ان کے ساتھ گئے اور قلعے کا دروازہ کھلوا کر ان چاروں کو بھاگ جانے کو کہا۔ انہیں انہوں نے یہ ہدایت دی تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تک پہنچ جائیں۔ انہوں نے ان اردلیوں کو تفصیل سے بتا دیا تھا کہ گمشتگین کا منصوبہ کیا ہے۔

چاروں گھوڑے باہر نکلتے ہی سرپٹ دوڑے پڑے۔ دونوں بھائیوں کو بھی نکل جانا چاہیے تھا۔ معلوم نہیں کیا سوچ کر وہ واپس آئے۔ گمشتگین جاگ کر آ چکا تھا۔ اس نے ایلچی کو دیکھا تو اس نے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اس نے بتا دیا مگر وہاں لڑکیاں نہیں تھیں جو وہ تحفے کے طور پر لایا تھا۔ شمس الدین اور شاد بخت نے کہا کہ لڑکیاں جا چکی ہیں کیونکہ مسلمان تھیں۔ ہم نے انہیں وہاں بھیج دیا ہے جہاں ان کی عزت محفوظ رہے گی۔ انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ قاضی کی لاش اندر پڑی ہے۔

گمشتگین نے لاش دیکھی۔ ایلچی دوسرے کمرے میں ان دونوں بھائیوں کی وہ باتیں سن رہا تھا جو وہ قاضی ابن الخاشب سے کر رہے تھے۔ گمشتگین جل اٹھا۔ اس نے سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت علی کو قید خانے میں ڈال دیا۔

حران کے قلعے سے دور چار گھوڑ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نہایت قیمتی راز سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے لے جا رہے تھے، اور اس وقت الرستان کی پہاڑیوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن عبداللہ سے پوچھ رہا تھا کہ ان دونوں بھائیوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی؟

جب سلطان ایوبی پریشان ہو گیا

سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو جب قاضی ابن الخاشب کے قتل اور تحفے کے طور پر آئی ہوئی دولڑکیوں کو قلعے سے بھگا دینے کے جرم میں قید خانے ڈالا جا رہا تھا۔ اُس وقت ایسا ہی ایک ایلچی جو اس قلعے میں آیا تھا، موصل میں غازی سیف الدین کے پاس پہنچا۔ غازی سیف الدین خلافت کے تحت موصل اور اُس کے گردونواح کے علاقے کا گورنر مقرر کیا گیا، لیکن نورالدین زنگی کی وفات کے بعد اُس نے اپنے آپ کو والئی موصل کہلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خاندان کا ہی فرد تھا مگر کردار اور ذہنیت کے لحاظ سے سلطان ایوبی کے اُلٹ تھا۔ موصل اسلامی سلطنت کا حصہ تھا مگر سیف الدین وہاں کا آزاد حکمران بن گیا تھا اور سلطان ایوبی کے مخالفانہ محاذ میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس کا بھائی عزالدین تجربہ کار جرنیل تھا۔ فوج کی اعلیٰ کمانڈ اسی کے پاس تھی۔ سیف الدین چونکہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا، اس لیے اُس کی عادات بادشاہوں جیسی تھیں۔ اُس نے حرم میں ملک ملک کی لڑکیاں اور ناچنے والیاں بھر رکھی تھی۔ اُس کا دوسرا شوق پرندے رکھنے کا تھا، جس طرح اُس نے حرم میں ایک سے ایک خوب صورت لڑکی رکھی ہوئی تھی، اسی طرح اُس نے رنگ برنگے پرندے بھی پنجروں میں بند کر رکھے تھے۔ اُس کی ذاتی دلچسپیاں حرم اور پرندوں کے ساتھ تھیں۔

اُسے اپنے بھائی عزالدین کی عسکری اہلیت پر اعتماد تھا اور اُسے توقع تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو شکست دے کر اپنی ریاست الگ بنائے رکھے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے حران کے قلعہ دار گمشتگین کی طرح اور نام نہاد سلطان الملک الصالح کی طرح اپنے پاس صلیبی مشیر رکھے ہوئے تھے، جنہوں نے اُسے اُمید دلا رکھی تھی کہ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ کی صورت میں صلیبی اُسے جنگی مدد دیں گے۔ اس طرح سلطان ایوبی کے لیے صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی تین فوجیں اُس کے خلاف لڑنے کو تیار اور پابرکاب تھیں۔ ایک حلب میں، دوسری حران میں اور تیسری موصل میں۔ یہ تو بڑے بڑے مسلمان حکمران اور اُمراء تھے۔ چھوٹے چھوٹے شیخ اور چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے نواب جن کی تعداد کا علم نہیں، ان تین بڑے حکمرانوں کے حامی، مدد اور معاون تھے۔ انہوں نے ان تینوں کو فوجی اور مالی مدد دینے کا وعدہ کر رکھا تھا اور مدد دے بھی رہے تھے۔ انہیں کہا گیا تھا کہ اگر سلطان ایوبی چھا گیا تو جس طرح اُس نے شام اور مصر کا الحاق کر کے ایک سلطنت بنالی ہے، اسی طرح وہ ہر ایک مسلمان ریاست کو اپنی سلطنت میں مدغم کر کے سب کو غلام بنالے گا۔

وہ بظاہر متحد تھے، لیکن اندر سے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک دوسرے سے کمزور رہیں۔ ان کی حالت چھوٹی بڑی مچھلیوں کی مانند تھی۔ ہر چھوٹی مچھلی بڑی مچھلی سے خائف تھی اور خواہش مند کہ وہ بھی بڑی مچھلی بن جائے۔ سلطان ایوبی اپنے انٹیلی جنس کے نظام کے ذریعے اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس کے مخالفین میں نفاق ہے، تاہم وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ ہر لحہ اس حقیقت کو سامنے رکھتا تھا کہ تین بڑی فوجیں اُس کے خلاف محاذ آرا ہیں۔ فوج آخر فوج ہوتی ہے۔ بھیڑ بکریوں کا ریوڑ نہیں ہوتی۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ تینوں افواج کے کمانڈر اور جوان مسلمان

ہیں اور فنِ سپاہ گری اور شجاعت جو مسلمان کے حصے میں آئی ہے، وہ خدا نے کسی اور قوم کو عطا نہیں کی۔ صلیبی چار پانچ گنا طاقتور لشکر لے کے آئے تو مسلمان سپاہ نے قلیل تعداد میں اُنہیں شکست دی اور ان احوال وکوائف میں بھی شکست دی کہ صلیبیوں کا اسلحہ برتر تھا اور فوجیں زرہ پوش تھیں۔ گھوڑوں کو پیشانیاں اور پچھلے حصے بھی زرہ پوش تھے۔

سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان فوج مسلمان فوج کے مقابلے میں آئی تھی۔ حلب کی مسلمان فوج اور وہاں کے شہریوں نے جس بے جگری سے حلب کا دفاع کیا تھا، اس سے سلطان ایوبی کے پاؤں اُکھڑنے لگے تھے۔ وہ اس معرکے کو ذہن سے اُتار نہیں سکتا تھا۔ سلطان ایوبی پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر فوج کشی کر رہا ہے۔ یہ الزام عائد کرنے والے اُسی عباسی خلافت کے حامی تھے جسے اُس نے مصر میں معزول کیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ مسلمان حکمران اور اُمراء سلطان ایوبی کے اس عزم کے راستے میں آ گئے تھے کہ وہ فلسطین کو آزاد کرائے گا۔ اُسے یہ خیال چین نہیں لینے دیتا تھا کہ قبلۂ اول پر کفار کا قبضہ رہے اور وہ یہودیوں کے عزائم سے بھی بے خبر نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی یہ دعویٰ لیے پھرتے ہیں کہ فلسطین اُن کا وطن ہے اور قبلۂ اوّل مسلمانوں کی نہیں، یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔ یہودی فوج لے کر سامنے نہیں آرہے تھے، وہ صلیبیوں کو مالی امداد دے رہے تھے اور انہوں نے جو سب سے زیادہ خطرناک مدد صلیبیوں کو دے رکھی تھی، وہ غیر معمولی طور پر خوب صورت، جوان اور نہایت ہوشیار اور چالاک لڑکیوں کی صورت میں تھی۔ ان لڑکیوں کو جاسوسی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور مسلمانوں کی کردار کشی کے لیے بھی۔

سلطان ایوبی کو یہ حقیقت اور زیادہ پریشان کرتی تھی کہ صلیبی فوجیں بھی موجود ہیں، جن کے اعلیٰ کمانڈر اور حکمران اُس کے مسلمان مخالفین کو شہ دے رہے ہیں۔ ان حالات میں سلطان ایوبی چوکنا تھا۔ وہ اپنی فوج کو نہایت اچھے طریقے سے ڈسپلائے کیے ہوئے تھا اور اُس نے انٹیلی جنس کے نظام کو دشمنوں کے علاقے میں بھیج رکھا تھا۔ اُس کا جو جنگی پلان تھا، اس میں اُس نے زیادہ تر بھروسہ چھاپہ مار (کمانڈو) ٹولیوں اور جاسوسوں پر کیا تھا۔

☆

مُوصل میں بھی حلب کا ایلچی پہنچا۔ الملک الصالح اور اُس کے درباری اُمراء نے والئ مُوصل کے لیے پیغام کے ساتھ جو تحفے تھے، اُن میں اُسی طرح کی دو لڑکیاں تھیں جس طرح حران کے قلعہ دار گمشتگین کو بھیجی گئی تھیں۔ حران میں تو دو ہندوستانی جرنیلوں، شمس الدین اور شاد بخت نے اِن لڑکیوں کو فرار کرا دیا، قاضی کو قتل کیا اور قید خانے میں بند ہو گئے تھے لیکن موصل میں جو لڑکیاں گئیں، انہیں وہاں کے والی سیف الدین نے بسر و چشم قبول کیا۔ اُس کے حرم میں یہ نہایت دل نشیں اضافہ تھا۔ حلب کے ایلچی نے وہی پیغام دیا جو گمشتگین کو دیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ صلیبی حلب والوں کو مدد کے معاملے میں دھوکہ دے چکے ہیں، اس لیے اُن پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور اُن کی دوستی سے ہمیں دستبردار بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اُن کی مدد حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم آپس میں متحد ہو کر سلطان ایوبی پر حملہ کر دیں۔ وہ الرستان کے سلسلۂ کوہ میں قرونِ حماۃ (حماۃ کے سینگ) کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ ہم حملہ کریں گے تو صلیبی اُس پر عقب سے حملہ کر دیں گے۔

اس پیغام میں ایک پلان بھی تھا جس میں کچھ اس قسم کی وضاحت کی گئی تھی کہ وہاں برف پگھل رہی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق سلطان ایوبی کی مورچہ بندیاں برف کے بہتے پانی کی وجہ سے تہس نہس ہو گئی ہیں۔ ہم تین فوجوں سے اُسے انہی وادیوں میں محاصرے میں لے کر آسانی سے شکست دے سکتے ہیں۔ پیغام میں کہا گیا تھا کہ گمشتگین کو بھی پیغام بھیجا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ متحدہ محاذ میں اپنی فوج کو شامل کر دے گا۔ آپ (سیف الدین)

بھی مزید وقت ضائع کیے بغیر اپنی فوج کو مشترکہ کمان میں لے آئیں، تا کہ صلاح الدین ایوبی کو فیصلہ کن شکست دی جائے۔

سیف الدین نے پیغام ملتے ہی اپنے بھائی عزالدین کو، دو سینئر جرنیلوں کو اور مُوصل کے ایک نامی گرامی خطیب ابن الخذوم لکبوری کو بلایا۔ سب آ گئے تو اُس نے ایلچی کا یہ پیغام سب کو سنا کر کہا..... ''آپ سب میرے اس فیصلے اور ارادے سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں صلاح الدین ایوبی کی اطاعت قبول نہیں کروں گا۔ میری رگوں میں بھی وہی خون ہے جو اُس کی رگوں میں ہے۔ آپ لوگ مجھے یہ مشورہ دیں کہ میں فوری طور پر اپنی فوج مشترکہ کمان میں دے دوں یا نہیں۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ ہماری فوج ظاہری طور پر مشترکہ کمان میں رہے، لیکن آپ لوگ اُسے الگ تھلگ لڑائیں، تا کہ جو علاقہ ہماری فوج فتح کرے، اُس کا مالک میرے سوا اور کوئی نہ بن سکے''۔

ایک سالار نے کہا..... ''آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، اس سے بہتر اور کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ آپ کے ارادے اتنے بلند ہیں جو کسی اور کے نہیں ہو سکتے''۔

''صلاح الدین ایوبی صلیبیوں اور سوڈانیوں کو شکست دے سکتا ہے ہمیں نہیں''۔ دوسرے سالار نے کہا..... ''آپ اپنی فوج متحدہ محاذ میں شامل کر دیں، لیکن کمان اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ ہم اپنی فوج کو اس طرح لڑائیں گے کہ ہماری کامیابیاں حلب اور حران کی فوج سے الگ تھلگ نظر آئیں گی''۔

''ہم آپ کے حکم پر جانیں قربان کر دیں گے، شہنشاہِ موصل!'' پہلے سالار نے کہا..... ''ہم آپ کو اُس سلطنتِ اسلامیہ کا شہنشاہ بنائیں گے جس کے خواب صلاح الدین ایوبی دیکھ رہا ہے''۔

''صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھوں گا''۔ دوسرے نے کہا..... ''اُس کی فوج الرستان کی وادیوں سے زندہ نہیں نکل سکے گی۔ آپ فوری طور پر کوچ کا حکم دیں۔ فوج تیار ہے''۔

دونوں سالار ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنی وفاداری اور ایثار کا اظہار کر رہے تھے۔ عزالدین خاموش بیٹھا، اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا اور خطیب ابن المخدوم کبھی اِن سالاروں کو اور کبھی سیف الدین کو دیکھتا اور سر جھکا لیتا تھا۔

''عزالدین تمہارا کیا خیال ہے؟'' سیف الدین نے اپنے بھائی سے پوچھا۔

''مجھے آپ کے اس فیصلے سے اتفاق ہے کہ ہمیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے''۔ عزالدین نے کہا..... ''لیکن ہمارے سالاروں کو اس قسم کی جذباتی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ جیسی ان دونوں نے کی ہیں۔ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ایوبی صلیبیوں اور سوڈانیوں کو شکست دے سکتا ہے، ہمیں نہیں۔ ایوبی کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ میں یہ کہوں گا کہ جس نے کم تعداد میں صلیبیوں کی کئی گنا زیادہ فوج کو شکست دی ہے، وہ آپ کو بھی شکست دے سکتا ہے، جس نے صحرائی فوج برفانی وادیوں میں لڑا کر چار قلعے فتح کر لیے اور ریمانڈ کی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کیا ہے، وہ برف پگھل جانے کے بعد زیادہ اچھی طرح لڑے گا، ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ دشمن کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ آپ یہ سوچیں کہ وہ حالات کیسے ہیں جن میں آپ کو لڑنا ہے۔ اُس میدان کی بات کریں جہاں آپ لڑیں گے اور اُس دشمن کی فوج کی بات کریں جو آپ کے مقابل ہے''۔

عزالدین نے سلطان ایوبی کی فوج کی خوبیاں بیان کیں، پھر سلطان ایوبی کے لڑنے کے طریقے بیان کیے اور جس میدان میں لڑائی متوقع تھی، اُس کے کوائف پر روشنی ڈال کر کہا..... ''برف پگھل رہی ہے اور بہار کی بارشیں اس سال تاخیر سے برس رہی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج خیموں میں ہے لیکن گھوڑوں کو خیموں میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اس وقت

اس کی فوج کے جانور درختوں کے نیچے یا کھوہوں اور غاروں میں رہتے ہیں۔ گھوڑے اور اونٹ اس حالت میں زیادہ دیر تندرست نہیں رہ سکتے۔ یہ توقع بھی رکھنی چاہیے کہ ایوبی کے سپاہی پہاڑی علاقے سے اُکتا چکے ہوں گے۔ یہ بھی پیشِ نظر رکھ لیں کہ ہم نے اپنی فوج حلب اور حران کی فوج سے ملادی تو ایوبی محاصرے میں لیا جا سکے گا لیکن یہ بھی نہ بھولیں کہ مسلمان سپاہی جب مسلمان سپاہی کے آمنے سامنے آئے گا تو اسلام کا ابدی رشتہ انہیں گتھم گتھا کرنے کی بجائے انہیں بغل گیر بھی کر سکتا ہے۔ تلواریں جو وہ ایک دوسرے کے خلاف نکالیں گے، جھک بھی سکتی ہیں اور خون بہائے بغیر نیاموں میں واپس جا سکتی ہیں''۔

''عزالدین!'' سیف الدین نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا...... ''تم صرف فوجی ہو، تم صرف خون، تلوار اور نیام کی باتیں سوچ سکتے ہو۔ یہ چالیں مجھ سے سیکھو کہ مسلمان سپاہی کو مسلمان سپاہی کے خلاف کس طرح لڑایا جا سکتا ہے۔ پرسوں ماہِ رمضان شروع ہو رہا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نماز روزے کا جس قدر خود پابند ہے۔ اتنی ہی پابندی اپنی فوج سے کراتا ہے۔ اُس کی تمام فوج روزے سے ہوگی۔ ہم اپنی فوج سے کہہ دیں گے کہ جنگ میں روزے کی کوئی پابندی نہیں۔ محترم خطیب تمہارے پاس بیٹھے ہیں۔ میں ان کی جانب سے اعلان کرادوں گا کہ جنگ میں روزے معاف ہیں۔ ہم حملہ دوپہر کے بعد کریں گے۔ علی الصبح حملہ کیا تو ایوبی کے سپاہی تر و تازہ ہوں گے۔ دوپہر کے بعد ہمارے سپاہیوں کے پیٹ میں کھانا ہوگا اور صلاح الدین ایوبی کے سپاہی بھوکے اور پیاسے ہوں گے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ فیصلہ غلط تو نہیں کہ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے''۔

''آپ کا یہ فیصلہ برحق ہے''۔ ایک سالار نے کہا۔

''آپ کے فیصلے کو ہم عملی شکل دے کر ثابت کریں گے کہ یہ فیصلہ ہر لحاظ سے صحیح ہے''۔ دوسرے سالار نے کہا۔

''آپ کے فیصلے کے خلاف میں نے کوئی بات نہیں کی''۔ عزالدین نے کہا...... ''ایک مشورہ اور دوں گا۔ مجھے آپ محفوظہ میں رکھیں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں بعد میں حملہ کروں گا۔ پہلے تصادم کی کمان آپ اپنے ہاتھ میں رکھیں''۔

''ایسا ہی ہوگا''۔ سیف الدین نے کہا...... ''فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرلو اور فوری تیاری کا حکم دے دو۔ محفوظہ میں جو حصہ رکھنا چاہتے ہو، اُسے اپنے پاس رکھو''۔

☆

وہاں خطیب ابن المخدوم بھی موجود تھا۔ سیف الدین نے اُس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا...... ''قابلِ صد احترام خطیب! آپ نے کئی بار قرآن سے فال نکال کر مجھے خطروں سے آگاہ کیا ہے۔ آپ نے میری کامیابی اور سلامتی کے وظیفے کیے اور خدا کے حضور میرے لیے دعا بھی کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ سے بڑھ کر میں کسی کو برگزیدہ نہیں سمجھتا۔ اگر کسی انسان کے آگے سجدے کی اجازت ہوتی تو میں آپ کے آگے سجدہ کرتا۔ اب میں ایسی مہم پر جا رہا ہوں جس کی کامیابی مخدوش ہے۔ میں ایک طاقتور دشمن کے مقابلے میں جا رہا ہوں۔ جنگ میں فتح ہوتی ہے یا شکست۔ مجھے قرآن سے فال نکال کر بتایئے کہ میری قسمت میں فتح لکھی ہے یا شکست''۔

''امیر محترم!'' خطیب اُٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا...... ''یہ صحیح ہے کہ آپ نے کئی بار مجھ سے قرآن میں سے فال نکلوائی ہے۔ سلطان نورالدین زنگی مرحوم و مغفور کی زندگی میں آپ ڈاکوؤں کے بہت بڑے گروہ کے تعاقب میں گئے تھے تو میں نے قرآن میں سے فال نکال کر آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور آپ کامیاب لوٹے تھے۔ صلیبیوں کے خلاف آپ جب بھی گئے، میں نے فال نکالی اور آپ کو خطروں سے خبردار کیا اور کامیابی کی خبر دی۔ اللہ کا شکر کہ میری نکالی ہوئی ہر فال

صحیح نکالی، مگر......'' خطیب نے پہلے عزالدین کی طرف پھر دونوں سالاروں کو دیکھا اور کہا...... ''مگر موصل کے امیر! اب بغیر فال نکالے میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ جس مہم پر آپ فوج لے جا رہے ہیں۔ اس میں آپ کامیاب لوٹیں گے یا ناکام''۔

''جلدی بتائیے، میرے محترم استاد!'' سیف الدین نے بے تاب ہو کر کہا۔

''آپ کو ایسی بُری شکست ہوگی جس میں آپ وقت پر نہ بھاگے تو آپ ہلاک ہو جائیں گے''۔ خطیب نے کہا...... ''اس مہم پر نہ خود جائیں نہ اپنے بھائی کو بھیجیں نہ اپنی فوج کو بھیجیں''۔

سیف الدین کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ گھبرایا ہے یا ڈرا ہوا ہے۔ عزالدین اور سالاروں پر بھی خاموشی طاری ہوگئی۔ خطیب سیف الدین پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

''آپ نے قرآن تو کھولا نہیں''۔ سیف الدین نے کہا...... ''قرآن کے بغیر آپ نے فال کیسے نکالی؟ میں کیسے مان لوں کہ آپ نے مجھے جو بُری خبر سنائی ہے، وہ صحیح ہے؟''۔

''سنو موصل کے امیر!'' خطیب ابن المخدوم نے کہا...... ''میں آج آپ کو بتاتا ہوں کہ قرآن سے جو فالیں نکال کر میں آپ کو کامیابی کے مژدے سناتا رہا، اُن کا قرآن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ قرآن کسی جادوگر کی لکھی ہوئی کتاب نہیں۔ قرآن صرف یہ فال بتاتا ہے کہ جو اس مقدس کتاب میں احکاماتِ خداوندی تحریر ہیں، ان پر جو عمل نہیں کرے گا، وہ ناکام اور نامراد رہے گا۔ اس سے پہلے آپ صلیب کے پرستاروں کے خلاف لڑنے گئے تو آپ کے کہنے پر میں نے قرآن کی فال آپ کو بتائی کہ آپ کامیاب لوٹیں گے۔ اس کے بعد آپ جس مہم پر بھی گئے، میں نے آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور کہا کہ یہ قرآن کی فال ہے۔ ہر فال نیک تھی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کی ہر مہم اور ہر کام خدا کے حکم کے عین مطابق تھا، مگر یہ مہم جس پر آپ جا رہے ہیں، خدائی احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔ آپ کفار کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ اُن سے مدد مانگ کر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس پر فدا ہونے والوں کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں''۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس پر فدا ہونے آیا ہے؟''۔ سیف الدین نے بھڑک کر کہا...... ''میں کہتا ہوں، وہ ایک وسیع سلطنت کی سلطانی کا خواب دیکھ کر آیا ہے۔ ہم اُس کا یہ خواب پورا نہیں ہونے دیں گے۔ اُسے موت یہاں لے آئی ہے۔ اُسے موت کے حوالے کر کے ہم صلیب کے پرستاروں کو ختم کریں گے''۔

آپ مجھے کھوکھلے لفظوں کا فریب دے سکتے ہیں، خدا کو نہیں''۔ خطیب نے کہا...... ''خدا وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہم سب نے اپنے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔ فتح اُس کی ہے جس نے اپنے نفس پر فتح پالی۔ میں آج آخری پیشین گوئی کر رہا ہوں۔ شکست آپ کا مقدر ہو چکی ہے۔ اگر آپ اسلام کے پرچم تلے چلے جائیں اور اللہ کی راہ میں قتال اور جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں تو آپ کے مقدر کا لکھا ٹل سکتا ہے''۔

''محترم خطیب!'' عزالدین بول پڑا...... ''آپ اپنے مذہب اور اپنی مسجد سے سروکار رکھیں۔ جنگی امور اور سلطنتوں کے معاملات کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ آپ ہمارا دل اور ہمارا جذبہ توڑنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم اُن عناصر سے مالا مال ہیں، جن سے جنگ جیتی جا سکتی ہے''۔

''اگر آپ جنگ کو مذہب اور مسجد سے الگ کر کے لڑیں گے تو نہ آپ کا دل ساتھ دے گا نہ جذبہ''۔ خطیب نے کہا...... ''آپ نے صحیح فرمایا کہ میں جنگی امور سمجھنے سے قاصر ہوں لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ جنگ صرف ہتھیاروں اور

گھوڑوں سے نہیں جیتی جاسکتی اور جنگ اُس عسکری قابلیت سے بھی نہیں جیتی جاسکتی جس پر آپ کو ناز ہے اور جس کے بھروسے پر آپ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک عنصر اور بھی ہے جو فتح کو شکست میں بدل دیا کرتا ہے''۔

سب نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے کہا...... ''جس قوم کا حکمران خوشامد پسند ہو جائے وہ اپنے ساتھ قوم اور ملک کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ وہ حکومت کے امور خوشامدیوں اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں کے حوالے کر دے تو وہ ایک آزاد اور خوددار قوم کو بھوکی، ننگی اور غلام رعایا میں بدل دیتے ہیں اور جب یہ حکمران فوج کی کمان خوشامدی سالاروں کو دے دیتے ہیں تو ملک کو دشمن کھا جاتا ہے۔ خوشامدی سالار اپنے ماتحتوں سے خوشامد کرواتے ہیں، پھر اُن کا مقصد قوم اور ملک کے لیے لڑنا نہیں، بلکہ حکمران کی خوشنودی حاصل کرنا بن جاتا ہے۔ میں نے آپ کے اس دربار میں دیکھا ہے کہ دونوں سالاروں نے آپ کی ہاں میں ہاں ملائی ہے اور ایسی جذباتی باتیں کیں ہیں جو جنگجو نہیں کیا کرتے۔ دونوں نے آپ کے فیصلے اور ارادے کی تعریف تو کر دی ہے لیکن آپ کو خطروں سے خبردار نہیں کیا۔ انہوں نے آپ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ صلیبی تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ مسجد اقصیٰ پر کفار کا قبضہ ہے۔ لہٰذا ان حالات میں بہتر یہ ہوگا کہ آپ، گمشتگین اور حلب کے اُمراء وغیرہ صلاح الدین ایوبی کے پاس جائیں اور اگر آپ ہی سچے ہیں تو اُسے جھوٹا اور سلطانی کا لالچی ثابت کریں......

''مگر آپ کے سالاروں نے آپ کو ایسا کوئی مشورہ نہیں دیا۔ آپ کے سالاروں نے آپ کو یہ بھی نہیں بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے الرستان کے پہاڑی علاقے کو اڈہ بنا کر اپنے دستے دُور دُور تک اس طرح پھیلا دیئے ہیں کہ آپ اُسے محاصرے میں لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ آپ اُس کے چھاپہ ماروں سے اچھی طرح واقف ہیں، لیکن آپ کے سالاورں نے آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ پہلو آپ کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کہ ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار آپ کے سینے سے راز نکال کر لے جاسکتے ہیں اور آپ کے حرم کی لڑکیوں کو اُٹھا کر لے جاسکتے ہیں۔ آپ کی فوج یہاں سے کوچ کرے گی تو صلاح الدین ایوبی کو آپ کی فوج کی رفتار، تعداد اور کوچ کی سمت کا علم ہو جائے گا''۔

''سلطانِ موصل!'' ایک سالار نے غصے میں آکر کہا...... ''کیا ہم اپنی توہین برداشت کرتے رہیں؟ مسجد میں دن رات بیٹھ کر اللہ ہو، اللہ ہو کا ورد کرنے والا ہمارا اُستاد بننے کی جسارت کر رہا ہے۔ یہ آپ کے فیصلے کی مخالفت کر کے ہمارے سامنے آپ کی توہین کر رہا ہے''۔

''مجھے سن لینے دو''۔ سیف الدین نے کہا...... ''میں محترم خطیب کو ابھی تک احترام کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں''۔

''بولیے محترم خطیب!'' عزالدین نے طنزیہ کہا...... ''اس کے بعد آپ کو یہ بتانا ہوگا کہ آپ کی وفاداریاں کس کے ساتھ ہیں۔ ہمارے ساتھ یا صلاح الدین ایوبی کے ساتھ''۔

''میری وفاداریاں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں''۔ خطیب نے عزالدین سے کہا...... ''میں آپ کی تعریف اتنی سی کروں گا کہ آپ نے اپنے بھائی کو دو چار باتیں تو حقیقت کے رنگ میں بتائی ہیں۔ باقی آپ نے بھی دماغ اور آنکھیں بند کر کے بات کی ہے۔ عمادالدین بھی تو آپ کا بھائی ہے کبھی سوچا آپ نے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا دوست کیوں ہے اور آپ کی حمایت کے لیے کیوں نہیں آتا؟''

''آپ ہمارے خاندانی معاملات میں دخل نہ دیں''۔ عزالدین نے کہا...... ''آپ دراصل ہم پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے اور ہم سب کو اُس کے آگے سجدے کرنے چاہئیں۔ آپ کو

صرف یہ کہا گیا تھا کہ قرآن سے فال نکال کرتا ئیں کہ ہماری یہ مہم کامیاب رہے گی یا ناکام"۔

"قرآن اپنا حکم صادر کر چکا ہے"۔ خطیب نے آواز میں جوش پیدا کرتے ہوئے کہا...... "اب میں آپ کے سامنے حقیقت پوری طرح بے نقاب کرتا ہوں۔ صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر نہیں، وہ ایک طوفان ہے، ایک سیلاب ہے جو کفر کو گھاس کی سوکھی ہوئی پتیوں کی طرح بہالے جانے کے لیے دمشق سے اُٹھا ہے۔ آپ سب درخت سے ٹوٹ کر گری ہوئی ٹہنیاں ہیں، آپ کے پتے مرجھا رہے ہیں جو جھڑ کر اس طوفان کے ساتھ غائب ہو جائیں گے۔ ایوبی نے آپ پر چڑھائی نہیں کی۔ آپ اس کے راستے میں آ گئے ہیں۔ آپ کا حشر وہی ہوگا جو سیلاب کے راستے میں آنے والوں کا ہوتا ہے"۔

"خطیب!" سیف الدین نے گرج کر کہا...... "میرے دل سے اپنا احترام نہ نکالو"۔

"تم!...... سیف الدین!......" خطیب نے بارعب آواز میں کہا...... "تم زمین کے اس ذرا سے خطے کے بادشاہ ہو۔ ذرا اُس کی ذات سے جو دونوں جہان کا بادشاہ ہے۔ میرا احترام نہ کرو۔ میرے منہ پر تھوک دو مگر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے نہ ہوتو۔ تم پر بادشاہی کا نشہ طاری ہے۔ اِن بے وقار سالاروں نے اور تمہاری حکومت کے عہدے داروں نے تمہیں خوش رکھنے کے لیے تمہیں بادشاہ بنا ڈالا ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ یہ محض خوشامد ہے اور تم بادشاہ نہیں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ بے وقار خوشامدی تمہارے دشمن ہیں، اپنی قوم کے اور اپنے ملک کے دشمن ہیں۔ تم پر زوال آئے گا تو یہ تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے اور اُس کے پاپوش چاٹیں گے جو تمہاری گدی پر بیٹھے گا۔ مجھے غصے سے نہ دیکھ سیف الدین۔ اپنا گھر دوزخ میں نہ بنا۔ تاریخ سے عبرت حاصل کر۔ ان غلاموں کی ذہنیت والوں نے ایک سے ایک جابر بادشاہ کو گدا کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ افسوس اس پر ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت بھی اس تباہی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ تیرے جیسے بادشاہ اُمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاریخ کی نظروں سے اوجھل کر کے ہی دم لیں گے"۔

"لے جاؤ اُسے یہاں سے"۔ سیف الدین غصے سے کانپتی آواز میں گرجا...... "اُس وہاں بند کر دو جہاں سے اس کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے"۔

ایک سالار کے پکارنے پر دو باڈی گارڈ اندر آئے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ خطیب کو قید خانے میں لے جائیں۔ اُسے جب دونوں بازوؤں سے پکڑ کر لے جا رہے تھے تو سیف الدین کو اُس کی آوازیں سنائی دیتی رہیں...... "بادشاہی کا لالچ مذہب سے بیگانہ کرتا ہے۔ خوشامد پسند حکمران ملک اور قوم کو بیچ کھاتا ہے۔ کافر کی دوستی دشمنی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ فلسطین ہمارا ہے، فلسطین میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ تمہیں کافر اس لیے آپس میں لڑا رہا ہے کہ فلسطین پر اس کا قبضہ رہے۔ آپس میں لڑتے رہو گے تو قبلۂ اوّل تم پر لعنت بھیجتا رہے گا"۔

خطیب المخدوم کو گھسیٹ کر لے جا رہے تھے اور وہ بلند آواز سے بولتا جا رہا تھا۔ بہت سے فوجی باہر نکل آئے اور آن کی آن میں یہ خبر تمام تر موصل میں پھیل گئی...... "خطیب المخدوم پاگل ہو گیا ہے...... خطیب کو قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے"...... یہ آوازیں شہر میں گھومتے پھرتے خطیب کے گھر کے دروازے میں داخل ہو گئیں۔ اس گھر میں خطیب کی نوجوان بیٹی تھی۔ اس گھر میں یہی دو افراد تھے۔ یہ لڑکی اور اُس کا باپ خطیب۔ خطیب کی یہ واحد اولاد تھی۔ اُس کی بیوی عرصہ گزرا مر گئی تھی۔ خطیب نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ وہ اس بیٹی کے سہارے جی رہا تھا اور بیٹی اُس کی خاطر زندہ تھی۔

بہت سی عورتیں اُس کے گھر میں چلی گئیں۔ یہ گھر سب کے لیے بڑا قابلِ احترام تھا کیونکہ یہ خطیب کا گھر تھا

عورتوں نے لڑکی سے پوچھا کہ اُس کے باپ کو اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیا واقعی وہ پاگل ہو گیا ہے؟

''ایسا ہونا ہی تھا''۔لڑکی نے کہا......''ایسا ہونا ہی تھا''......اُس کے انداز میں ٹھہراؤ سا تھا۔افسوس اور گھبراہٹ نہیں تھی۔اس کے بعد اُس کے پاس جو بھی عورت آئی ،لڑکی نے یہی کہا......''ایسا ہونا ہی تھا''۔

''موصل میں خطیب کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔حران میں دو سالاروں شمس الدین اور شاد بخت کو گمشتگین نے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ گمشتگین کو پہلی بار پتا چلا کہ اُس کے یہ دونوں سالار دراصل صلاح الدین ایوبی کے آدمی ہیں اور جاسوس ہیں۔ان دونوں کو قید خانے میں ڈال کر گمشتگین رات کے وقت قید خانے میں گیا۔شمس الدین اور شاد بخت کو اُن کی کال کوٹھریوں سے نکلوا کر انہیں اُس جگہ لے گیا جہاں قیدیوں سے راز اُگلوانے کے لیے کئی ایک وحشیانہ طریقے اختیار کیے جاتے تھے،وہاں دو آدمی اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ چھت کے ساتھ بندھی ہوئی رسیوں سے اُن کی کلائیاں بندھی ہوئی تھیں۔اُن کے پاؤں زمین سے کوئی دو فٹ اوپر تھے اور ٹخنوں کے ساتھ کم و بیش دس دس سیر وزن کے لوہے کے ٹھوس گولے بندھے ہوئے تھے۔موسم سرد ہونے کے باوجود ان کے جسموں سے پسینہ اس طرح پھوٹ رہا تھا جیسے اُن پر پانی انڈیلا گیا ہو۔اُن کے بازو کندھوں سے الگ ہوئے جا رہے تھے،وہاں خون کی بدبو تھی اور گلی سڑی لاشوں کا تعفن بھی۔

''انہیں دیکھ لو''۔ گمشتگین نے دونوں بھائیوں سے کہا......''اس قید خانے میں آنے تک تم میری فوجوں کے مالک تھے۔شہزادے تھے۔اب تم بے کار جذبات میں اُلجھ کر اس دوزخ میں آ گئے ہو۔تم غدار ہو۔تم میری آستین میں سانپوں کی طرح پلتے رہے ہو۔میں تمہیں اب بھی بخش دینے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ جن لڑکیوں کو تم نے یہاں سے بھگایا اور جو دو آدمی اُن کے ساتھ گئے ہیں،وہ کہاں گئے ہیں اور یہاں سے کیا کیا راز لے کر گئے ہیں''......شمس الدین اور شاد بخت مُسکرا دیئے اور خاموش رہے۔ گمشتگین نے کہا......''وہ صلاح الدین ایوبی کے پاس گئے ہیں۔کیا یہ جھوٹ ہے؟''دونوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ گمشتگین نے کہا......''اِن دونوں کو دیکھ لو۔یہ تو جوان ہیں،اس لیے ابھی برداشت کر رہے ہیں۔تم دونوں کو میں نے ان کی طرح لٹکا کر پاؤں کے ساتھ وزن باندھ دیا تو تم تھوڑی سی دیر میں اپنا سینہ کھول کر میرے سامنے رکھ دو گے۔اس کے بغیر ہی مجھے سب کو بتا دو''۔

''وہ کوئی راز نہیں لے گئے''......شمس الدین نے کہا......''یہاں کوئی راز نہیں۔تمہارے متعلق سلطان ایوبی اچھی طرح جانتا ہے کہ تم صلیبیوں کی مدد سے اُس کے خلاف لڑنے کی تیاری میں ہو۔ایوبی پوری تیاری کر کے تمہاری سرکوبی کے لیے آیا ہے۔یہاں سے کوئی کیا راز لے جائے گا۔راز صرف یہ فاش ہوا ہے کہ ہم دونوں بھائی تمہاری فوج کے سالار تھے،تم ہمیں معتمد سمجھتے رہے لیکن ہم دراصل سلطان ایوبی کے آدمی ہیں''۔

''میں دوسرا راز بھی تمہیں بتا دیتا ہوں''......شمس الدین کے بھائی شاد بخت نے کہا......''یہ اتفاق ایسا ہو گیا ہے کہ دو مسلمان لڑکیاں تمہارے پاس تحفے کے طور پر آ گئیں۔ہمیں پتا چل گیا کہ وہ مظلوم ہیں اور مسلمان ہیں۔تمہارا بنایا ہوا قاضی ابوالخاشب تم سے پہلے ان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ہم نے لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں سمجھ کر بھگا دیا اور ابوالخاشب نے ہمارے لیے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ہم نے اُسے قتل کر دیا اور تمہیں پتا چل گیا۔تم نے ہمیں قید کر دیا۔اگر ہم قید نہ ہوتے تو ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہمیں بھیجو گے تو ہم پوری فوج کو سلطان ایوبی کے گھیرے میں لے جا کر ہتھیار ڈال دیں گے۔ہماری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی''۔

''ہم پھر بھی کامیاب ہیں''...... شمس الدین نے کہا...... ''تم ہمیں سزائے موت دے دو، ہمیں چھت سے لٹکا کر ہمارے پاؤں کے ساتھ بیس بیس سیر وزن باندھ دو، ہمارے بازو کندھوں سے الگ کر دو، ہمیں اذیت کا کچھ احساس نہیں ہوگا۔ اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے تیر پھول بن جاتے ہیں۔ جسم فنا ہو جاتے ہیں، روحیں نہیں مرا کرتیں۔ اللہ کی راہ میں قربان ہونے والوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کو عزیز ہوتی ہیں''۔

''مجھے وعظ نہ سناؤ''...... گمشتگین نے کہا...... ''مجھے وہ راز بتاؤ غدارو، جو تم نے صلاح الدین ایوبی کو بھیجا ہے۔''

''تم ہمیں غدار کہتے ہو؟...... شمس الدین نے کہا...... ''یہی راز ہے جسے تم چھپانا چاہتے ہو کہ غدار کون ہے۔ تم یہ راز آنے والی نسلوں سے اور تاریخ سے بھی نہیں چھپا سکو گے کہ تم غدار ہو۔ تاریخ پکار پکار کر کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی فلسطین کو صلیبیوں سے آزاد کرانے کے لیے نکلا تھا مگر گمشتگین نام کا ایک مسلمان قلعہ دار اُس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔''

''تم اگر اتنے پکے مسلمان ہوتے تو ہندوستان ہندوؤں کے حوالے کر کے نور الدین زنگی کے پاس نہ بھاگے آتے''...... گمشتگین نے طنزیہ کہا...... ''تم غلام ملک سے آئے ہو''۔

''ہندوستان کو ہم نے ہندوؤں کے حوالے نہیں کیا تھا''...... شاد بخت نے جواب دیا...... ''وہاں بھی تم جیسے مسلمان موجود تھے، جنہوں نے ہندوؤں سے دوستی کی اور تمہاری طرح اپنی ذاتی بادشاہی کے خواب دیکھے۔ بادشاہی کا نشہ انہیں لے بیٹھا اور ہندو سارے ملک پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اگر ملک کی قسمت سالاروں کے ہاتھ میں ہوتی تو آج ہندوستان عرب کی سرزمین کے ساتھ ملا ہوا تھا، مگر وہاں کی فوج کو بادشاہوں نے اپنا غلام بنا لیا تھا''۔

''میں تمہیں دو دن اور سوچنے کا موقع دیتا ہوں''...... گمشتگین نے کہا...... ''اگر میرے سوالوں کے جواب مجھے دے دو گے تو ہو سکتا ہے تمہیں اس جہنم سے نکال کر تمہارے گھروں میں نظر بند کر دوں۔ اگر مجھے مایوس کر دو گے تو میں تمہیں سزائے موت نہیں دوں گا۔ انہی کال کوٹھڑیوں میں پڑے گلتے سڑتے رہو گے، سوچ لو''...... اور وہ حکم دے کر انہیں کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جائے، چلا گیا۔

☆

گمشتگین نے اپنے قلعے میں صلیبی مشیر رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ان پر واضح کر دیا کہ ان کا ایک ساتھی جو قتل ہو گیا ہے وہ کسی سازش کا شکار نہیں ہوا، بلکہ وہ حرم کی ایک لڑکی کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ گمشتگین نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اس نے اپنے دو سالاروں کو قاضی کے قتل اور غداری کے جرم میں قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اُس نے ان سے مشورہ لیا کہ وہ فوری طور پر سلطان ایوبی کے خلاف فوج بھیجنا چاہتا ہے۔

''مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں سالاروں نے کیسے کیسے راز صلاح الدین ایوبی کو بھیج دیئے ہیں''۔ گمشتگین نے کہا...... ''پیشتر اس کے کہ وہ ان رازوں سے فائدہ اُٹھائے ہمیں حملہ کر دینا چاہیے۔ اس صورت میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی''۔

صلیبی مشیروں نے مدد کا وعدہ کیا اور کہا کہ وہ اپنے ایک آدمی کو آج ہی رات صلیبیوں کے کیمپ کو روانہ کر دیتے ہیں۔ اُسی رات ایک صلیبی روانہ ہو گیا۔

موصل میں خطیب المخدوم قید خانے کی ایک کوٹھری میں بند تھا اور اُس کی نوجوان بیٹی جس کا نام صاعقہ تھا، گھر میں اکیلی بیٹھی تھی۔ دن بھر عورتیں اس کے پاس جاتی رہی تھیں اور صاعقہ سب سے یہی کہتی رہتی تھی...... ''ایسا ہی ہونا

تھا''......عورتوں نے غور نہیں کیا تھا کہ اس سے اُس کا مطلب کیا ہے۔ دو جوان لڑکیوں نے اُس کے ان الفاظ اور انداز کو نظر انداز نہ کیا۔ انہیں کچھ شک ہوا۔ رات جب صاعقہ گھر میں اکیلی تھی۔ یہ دونوں لڑکیاں اُس کے گھر میں داخل ہوئیں۔ صاعقہ انہیں اچھی طرح نہیں جانتی تھی۔

''تم سارا دن یہ کیوں کہتی رہی ہو کہ ایسا ہونا ہی تھا؟''......ایک لڑکی نے پوچھا۔

''خدا کو ایسے ہی منظور تھا''......صاعقہ نے جواب دیا......''اس کے سوا میں اور کیا کہہ سکتی ہوں''۔

کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ آخر دوسری لڑکی نے کہا......''اگر اس سے تمہارا مطلب کچھ اور ہے تو صاف بتا دو۔ ہوسکتا ہے کہ ہم کچھ مدد کرسکیں''۔

''خدا کے سوا میری کوئی مدد نہیں کرسکتا''......صاعقہ نے کہا......''میرے والد محترم نے کوئی اخلاقی جرم نہیں کیا۔ انہوں نے امیر موصل کو کوئی کھری بات کہہ دی ہوگی۔ وہ ہمیشہ حق بات کہا کرتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتی ہوں کہ ایسا ہونا ہی تھا، کیونکہ وہ خوشامد کرنے والے انسان نہیں''۔

''یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کیا کہا اور کیا کیا ہے''......دوسری لڑکی نے کہا......''ہم یہ کہنا چاہتی ہیں کہ انہوں نے صلاح الدین ایوبی کی حمایت میں کوئی بات کہہ دی ہوگی۔ یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو کہ وہ موصل کے والی کے حامی تھے یا صلاح الدین ایوبی کے''۔

''تم جسے سچا سمجھتی ہو، وہ اُسی کے حامی تھے''......صاعقہ نے مُسکرا کر پوچھا......''تم کس کی حامی ہو؟''۔

''صلاح الدین ایوبی کی''......دونوں لڑکیوں نے جواب دیا۔

''وہ بھی ایوبی کے حامی تھے''......صاعقہ نے جواب دیا......''سیف الدین کو پتا چل گیا ہوگا''۔

وہ زبانی حمایت کرتے تھے یا عملاً بھی؟''......ایک لڑکی نے پوچھا۔

''کیا تم جاسوسی کرنے آئی ہو؟''......صاعقہ بھڑک کر بولی......''کیا موصل کا نوجوان خون بھی کفار کا حامی ہوگیا ہے؟''

''ہاں!''......ایک لڑکی نے جواب دیا......''ہم دونوں جاسوسی کرنے آئی ہیں اور تمہیں یہ یقین دلانے آئی ہیں کہ موصل کا نوجوان خون کفار کا حامی نہیں، بلکہ کفار کے پاؤں تلے سے عرب کی زمین نکالنے کے لیے بے تاب ہے اور اس عزم پر عمل کرکے دکھانے کو اُبل رہا ہے۔ تم ہماری ذہانت کا اندازہ اس سے کرو کہ تمہارے ان الفاظ کو کہ ایسا ہونا ہی تھا، ہمارے سوا کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ ہم سمجھ گئی تھیں کہ تمہارے والد محترم سلطان ایوبی کے حامی ہوں گے اور اُن کی سرگرمیوں کا علم والئی موصل کو ہوگیا ہوگا''۔

کچھ دیر کے تبادلۂ خیالات اور بحث کے بعد صاعقہ کو یقین ہوگیا کہ یہ دونوں لڑکیاں اُسے دھوکہ نہیں دے رہیں۔ اُس نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہیں اور وہ کر کیا سکتی ہیں۔

''سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ محترم خطیب کو قید خانے پر یشان تو نہیں کیا جارہا؟''......ایک لڑکی نے کہا......''اگر پریشان کیا جارہا ہے تو انہیں قید خانے سے غائب کرنے کا انتظار کیا جائے گا''۔

''یہ کیسے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ قید خانے میں اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے''۔ صاعقہ نے پوچھا۔

''ہم اپنے طور پر معلوم کرنے کی کوشش کریں گی''......دوسری لڑکی نے کہا......''تم والئی موصل کے پاس جاؤ

اور اپنے والد سے ملنے کی عرض کرو۔ اگر اُس نے اجازت نہ دی تو ہم کچھ کریں گی''۔

''میں کل صبح جاؤں گی...... '' صاعقہ نے کہا...... '' اور یہ بھی پوچھوں گی کہ میرے باپ کا جرم کیا ہے؟''

لڑکیاں جانے کے لیے اُٹھیں تو خیال آ گیا کہ صاعقہ گھر میں اکیلی ہے۔ انہوں نے اُسے کہا کہ وہ رات اُ کے ساتھ گزاریں گی لیکن صاعقہ تنہائی میں کوئی ڈر یا خطرہ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ لڑکیوں نے اپنے گھر والوں کو جا کر بتایا وہ صاعقہ کے پاس رہیں گی، کیونکہ وہ اکیلی ہے۔ وہ اُس کے پاس چلی گئیں...... سردیوں کا موسم تھا۔ وہ کمرے میں سوئیں۔ آدھی رات کے وقت ایک لڑکی بیت الخلاء میں جانے کے لیے باہر نکلی تو صحن سے آگے جو برآمدہ تھا، وہاں اُ ایک سیاہ سایہ حرکت کرتا نظر آیا اور وہ کہیں غائب ہو گیا۔ لڑکی ڈری نہیں، وہ کمرے میں چلی گئی۔ اپنی سہیلی کو جگایا اور اُ بتایا، دونوں کے پاس خنجر تھے، خنجر ہاتھ میں لے کر وہ برآمدے میں گئیں، اِدھر اُدھر دیکھا، انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

وہ صحن میں آئیں۔ انہوں نے صاعقہ کو نہیں جگایا تھا، لیکن صاعقہ کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں سہیلیوں کو کمرے غیر حاضر دیکھ کر وہ باہر چلی گئی۔ سہیلیوں کو پکارا۔ وہ آئیں تو انہوں نے اُسے بتایا کہ برآمدے میں ایک سایہ حرکت کر رہا کسی انسان کا معلوم ہوتا تھا۔

''چلو چل کر سو جاؤ'' ...... صاعقہ نے اُن سے کہا...... ''تم جب بھی باہر نکلو گی، تمہیں ایک سایہ ہلتا جلتا نظر آ گا، آگے جا کر کسی سائے کو خنجر نہ مار دینا''۔

''یہ سائے کیسے ہیں؟'' ...... ایک لڑکی نے پوچھا...... ''انسان نہیں یہ؟''

''یہ جو کچھ بھی ہیں، مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں'' ...... صاعقہ نے کہا...... ''تم بھی ان سے نہ ڈرو''۔

مگر اب دونوں لڑکیاں ڈرنے لگی تھیں۔ وہ صرف انسانوں سے نہیں ڈرتی تھیں۔ یہ سائے صاعقہ کے کہنے مطابق انسانوں کے نہیں تو پھر یہ جن ہی ہو سکتے تھے۔ صاعقہ نے کہا...... ''یہ میرے والد محترم کے عقیدت مندوں سائے ہیں۔ انہیں جن ہی سمجھ لو۔ میں ان کے قریب کبھی نہیں گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ میری حفاظت کے لیے یہاں گھو پھرتے رہتے ہیں''۔

''محترم خطیب برگزیدہ شخصیت ہیں'' ...... ایک لڑکی نے کہا...... ''اُن کے عقیدت مند جن بھی ہوں گے''۔

''کچھ ایسی ہی بات ہے'' ...... صاعقہ نے کہا...... ''اِن سے ڈرنا نہیں اور ان کے قریب بھی نہ جانا''۔

☆

اُس رات خطیب کوٹھری میں بند تھا۔ اُسے ابھی کچھ علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ ا سنتری اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرا۔ خطیب نے اُسے روک کر کہا...... ''مجھے قرآن کی ضرورت ہے۔ قید خانے قرآن تو ضرور ہو گا''۔

''یہاں؟ ...... قرآن؟'' ...... سنتری نے طنزیہ لہجے میں کہا...... ''یہاں قرآن پاک پڑھنے والے نہیں کرتے۔ یہ جہنم ہے۔ یہاں گناہگار آتے ہیں۔ سو جاؤ'' ...... سنتری آگے چلا گیا۔

خطیب حافظ قرآن نہیں تھا۔ اُسے بہت سی صورتیں اور آیتیں یاد تھیں۔ اُس نے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت بلند آ سے شروع کر دی۔ ایک تو سورۃ الرحمٰن کا اپنا تاثر ہے جو پہاڑوں کا بھی جگر چاک کر ڈالتا ہے، اس کے ساتھ خطیب المخدوم کی سریلی آواز کا سحر انگیز سوز۔ قید خانے کے مقید ماحول پر جیسے وجد طاری ہو گیا ہو۔ اُس نے یہ سورۃ مبارکہ ختم

سے محسوس ہوا کہ وہ اکیلا نہیں۔ دروازے کی طرف دیکھا۔ وردی میں جیل کا کوئی عہدے دار کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''تم کون ہو؟''...... عہدے دار نے خطیب سے پوچھا...... ''میں چھ سال سے اس قید خانے میں نوکری کر رہا ہوں۔ قرآن کی آواز پہلی بار سنی ہے اور ایسی آواز بھی پہلی بار سنی ہے جو میرے دِل میں اُتر گئی ہے۔ میں نے قرآن نہیں پڑھا، حالانکہ یہ میری مادری زبان میں لکھا گیا ہے''۔

''میں موصل کا خطیب ہوں''...... خطیب نے جواب دیا۔

''اور آپ کا جرم؟''...... عہدے دار نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔

''صرف یہ کہ میں قرآن کی زبان میں بات کیا کرتا ہوں''...... خطیب نے جواب دیا...... ''میرا جرم یہ ہے کہ میں نے اپنے بادشاہ کا حکم نہ مانا اور قرآن کے حکم کو مقدم جانا''۔

''پھر پڑھو''...... عہدے دار نے التجا کے لہجے میں کہا...... میرے اندر ایک زہر ہے جو قرآن کے الفاظ نے اور آپ کی آواز نے نکالنا شروع کر دیا ہے۔ میں آپ کو حکم نہیں دے رہا، التجا ہے''۔

خطیب نے پہلے سے زیادہ وجد آفریں آواز میں سورۂ الرحمٰن پڑھی۔ عہدے دار کوٹھڑی کی موٹی موٹی سلاخوں کو پکڑے کھڑا رہا اور اُس کے آنسو بہتے رہے۔ خطیب خاموش ہوا تو عہدے دار نے آنکھیں بند کر کے دھیمی آواز میں سورۂ رحمٰن کی بعض آیات دہرانی شروع کر دیں۔

''اگر آپ کی آواز میں یہ جادو ہے تو آپ کے معتقدوں میں جنات بھی ہوں گے''...... عہدے دار نے کہا...... ''میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ قرآن سے فال نکالی جاتی ہے۔ کوئی سوال پوچھو تو جنات قرآن کے ذریعے میں جواب دیتے ہیں''۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارا سوال کیا ہے!''...... خطیب نے کہا...... ''قرآن صرف ایمان والوں کو مژدہ بنایا گیا ہے''۔

''اور جس کا ایمان پختہ نہ ہو؟''

''اُس کے سینے میں ایمان کی قندیل روشن کرتا ہے''...... خطیب نے کہا...... ''تمہارا سوال کیا ہے؟''

''میری ایک آرزو ہے''۔ عہدے دار نے کہا...... ''میرے سینے میں آگ جل رہی ہے۔ معلوم نہیں، یہ ایمان کی آگ کا شعلہ ہے یا یہ آگ انتقام کی ہے۔ میں اُس فوج میں شامل ہونا چاہتا ہوں جو یروشلم کو فتح کرے گی۔ مجھے انتقام لینا ہے''۔

''اگر یروشلم کی فتح کو تم ایمان کہو تو وہاں جلدی پہنچو گے''...... خطیب نے کہا...... ''انتقام ذاتی فعل ہے، ایمان حکم ہے...... تم انتقام کیوں کہہ رہے ہو؟ اور یروشلم کیوں کہہ رہے ہو؟ بیت المقدس کہو''۔

''میں نے کسی قیدی کے ساتھ ایسی باتیں کبھی نہیں کی تھیں''...... عہدے دار نے کہا...... ''آپ خطیب ہیں۔ آپ کے سامنے میں اپنا دِل کھول کر رکھنا چاہتا ہوں۔ میری روح کو تسکین کی ضرورت ہے۔ میں بیت المقدس کا رہنے والا ہوں۔ وہاں صلیبیوں کی حکمرانی ہے۔ مسلمانوں کو وہاں بھیڑ بکریاں اور جانور سمجھا جاتا ہے۔ صلیبی جس مسلمان کو چاہیں قتل کر دیں، جسے چاہیں قید خانے میں ڈال دیں۔ بیگار کا رواج تو عام ہے، جس گھر میں لڑکی جوان ہو، اُن کا دم تو خشک رہتا ہے۔ وہاں کے مسلمان سلطان ایوبی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ سات سال گزرے، ایک روز ایک صلیبی نے مجھے پکڑ لیا اور

ساتھ لے گیا۔ اس کا کوئی سامان اُٹھا کر اُس کے گھر تک لے جانا تھا۔ اُس نے مجھے سامان اُٹھانے کو کہا تو میں نے انکار کر دیا۔ اُس نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر کہا کہ مسلمان ہو کر تم میرا حکم نہ ماننے کی جرأت کر رہے ہو؟ میں نے اُس کے منہ پر گھونسہ مارا۔ وہ گرا تو میں نے اس کے سر کے بال مٹھی میں لے کر اُسے اُٹھایا اور دوسرا گھونسہ مار کر اُسے پھر گرا دیا......

''اتنے میں مجھے پیچھے سے کسی نے جکڑ لیا، پھر صلیبیوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ سپاہی بھی آ گئے اور مجھے بیگار کیمپ میں لے گئے۔ میں نے وہاں تین دن گزارے اور تیسری رات میں نے ایک سنتری کو پیچھے سے دبوچا اور اُسی کے خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر کے بھاگ نکلا۔ میں گھر پہنچا تا کہ رات ہی رات سارے کنبے کو بیت المقدس سے بھگا لے جاؤں ورنہ سب کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا، مگر میرا گھر کھنڈر بن چکا تھا۔ اندر گیا تو گھر جلا ہوا تھا۔ میں نے ایک مسلمان پڑوسی کے دروازے پر دستک دی۔ وہ ڈرتا ڈرتا باہر آیا۔ میں نے پوچھا کہ میرے گھر والے کہاں بھاگ گئے ہیں؟ اُس نے، سنا کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکال دی کہ گھر کے مردوں کو صلیبی پکڑ کر لے گئے ہیں اور میری دونوں کنواری بہنوں کو صلیبی فوجی لے گئے تھے۔ پھر انہوں نے گھر کو آگ لگا دی......

''میرے دل پر جو گزری اُس کا تصور آپ کر سکتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھے بہنیں واپس نہیں مل سکتیں اور یہاں رُکا رہا تو پکڑا جاؤں گا اور صلیبی مجھے قتل کر دیں گے یا قید خانے میں بند کر کے ساری عمر اذیتیں دیتے رہیں گے۔ کسی مسلمان کے گھر چھپنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہ پورا گھرانہ مارا جاتا۔ میں رات کو ہی بیت المقدس سے نکل آیا۔ خون کھول رہا تھا، مگر میں بے بس تھا۔ میں نے اس طرف کا رُخ کر لیا۔ صبح طلوع ہوئی تو میں نے ایک صلیبی کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار میرے راستے پر سامنے سے آ رہا تھا۔ وہ سپاہی نہیں تھا۔ میں نے اُسے روک لیا اور اُسے باتوں میں اُلجھا کر گھوڑے سے اُتار لیا۔ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں دوسرا زمین پر تھا کہ میں نے پیچھے سے اُس کی گردن اپنے بازو کے گھیرے میں لے لی۔ اس کے کمر بند کے ساتھ چھوٹی تلوار تھی۔ وہ کھینچ لی اور اُسے قتل کر دیا۔ اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی......

''یہ دوسرا صلیبی تھا جسے میں نے قتل کیا۔ اس سے پہلے میں ایک سنتری کو قتل کر آیا تھا، لیکن میرے دل کو اطمینان نہ ہوا۔ میں تمام صلیبیوں کو قتل کرنے کے لیے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنے دن اور کتنی راتیں سفر کیا اور کہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ مجھے بھوک محسوس نہ ہوئی، پیاس کا احساس تک نہ رہا۔ بہنیں یاد آتی تھیں اور میں گھوڑا روک کر صلیبی سے چھینی ہوئی تلوار ہاتھ میں لے کر بیت المقدس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ میرا جسم کانپنے لگ جاتا تھا۔ میں نے کئی بار خدا کو پکارا اور خدا سے پوچھا کہ اُس نے مجھے کون سے گناہ کی سزا دی ہے، اگر میں گناہ گار تھا تو سزا مجھے ملنی چاہیے تھی، میری بہنوں اور میرا کمسن چھوٹی بھائی بے گناہ تھے۔ مجھے خدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے سجدے میں گر کر خدا کو پکارا اور مایوس ہوا۔ میں نے خدا سے یہ التجا بھی کی کہ مجھے سکون مل جائے یا میرے اندر انتقام کی آگ بجھ جائے۔ میرا احساس مردہ ہو جائے......

''میں موصل کے ایک گاؤں میں پہنچ گیا، جہاں یہ خطرہ نہیں تھا کہ صلیبی مجھے پکڑ لیں گے، لیکن میرے دل کو بے رحم کے ہاتھوں نے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ میں ہر لمحہ بے قرار اور بے چین رہتا تھا۔ میں مسجد میں چلا گیا۔ امام سے کہا کہ مجھے دکھا دے کہ خدا کہاں ملے گا، میری روح کو سکون کہاں ملے گا۔ اُس نے میری کوئی مدد نہ کی۔ میں وہاں سے ایک اور گاؤں چلا گیا۔ پھر وہاں سے بھی چلا گیا۔ اس کے بعد یہی یاد آتا ہے کہ میں مسجدوں میں خدا کو ڈھونڈتا پھرتا رہا۔ اماموں سے روحانی سکون مانگتا رہا، مگر کسی نے میری دستگیری نہ کی۔ مجھے کسی نے خدا کا اتا پتہ نہ بتایا، کسی نے کوئی طریقہ نہ بتایا

سے میں خدا سے ہمکلام ہوسکوں اور اُس سے روحانی سکون مانگ سکوں۔ راتوں کو اکثر بہنوں کو خواب میں دیکھتا تھا۔ وہ روتی نظر آتی تھیں۔ مجھے اُن کی سسکیاں اور ہچکیاں اُس وقت بھی سنائی دیتی تھیں جب جاگ اُٹھتا تھا۔ روز بروز میرے اندر یہ احساس پیدا ہوتا گیا کہ میری بہنیں مجھ پر لعنت بھیج رہی ہیں......

''کسی نے بتایا کہ صلیبیوں سے انتقام لینا ہے تو فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ سلطان نورالدین زنگی فلسطین کو آزاد کرانے کے لیے لڑ رہا ہے۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں اور صلیبیوں کی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ ہمیں بیت المقدس میں معلوم ہو جاتا تھا کہ کون سی جنگ میں کسے شکست ہوئی ہے۔ بیت المقدس میں صلیبی جب وہاں کے مسلمان باشندوں پر ظلم وستم اچانک زیادہ کر دیتے تھے تو ہم سمجھ جاتے تھے کہ کسی میدان میں انہیں شکست ہوئی ہے، جس کا انتقام وہ یہاں کے نہتے اور بے بس مسلمانوں سے لے رہے ہیں۔ پھر ہمیں وہاں صلاح الدین ایوبی کا نام سنائی دینے لگا۔ یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ وہاں کے صلیبی باشندے اس نام سے ڈرتے تھے اور اُس سے نفرت کرتے تھے۔ یہ بھی پتا چلا کہ صلاح الدین ایوبی طوفان کی طرح آرہا ہے، مگر وہ نہ آیا۔ اس کی بجائے میں یہاں سینے میں ایک گہرا زخم لے کر آ گیا۔ میں فوج میں بھرتی ہو گیا، لیکن محاذ پر بھیجنے کی بجائے مجھے اس قید خانے میں بھیج دیا گیا، یہاں مجھے ترقی بھی مل گئی......

''یہاں میں نے انسانوں پر ظلم ہوتے دیکھا، اس سے میں کانپ کانپ اُٹھتا تھا۔ یہاں انسانوں کی ہڈیاں توڑی جاتی ہیں۔ بیت المقدس میں صلیبی مسلمانوں کا یہی حشر کرتے تھے، یہاں مسلمانوں کو مسلمانوں پر وہی ظلم کرتے دیکھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہاں بے گناہوں کو بھی لایا اور اذیت میں ڈالا جاتا ہے۔ اُن کا گناہ وہی ہے جو آپ نے کیا ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کو یہاں لا کر کیوں بند کیا گیا ہے۔ یہ کام مجھے بھی کرنا پڑا۔ میں نے بھی انسانوں کو ایسی ایسی اذیتیں دیں جو آپ کو سناؤں تو آپ بے ہوش ہو جائیں۔ میرے ساتھی پوری طرح وحشی درندے بن گئے ہیں۔ ان میں انسانیت صرف اتنی سی رہ گئی ہے کہ وہ انسانوں کی طرح چلتے پھرتے اور باتیں کرتے ہیں۔ میں ان سے اس لحاظ سے مختلف ہوں کہ میں چوری چھپے قیدیوں کے ساتھ ہمدردی کی دو چار باتیں کر لیتا ہوں۔ ان سے پوچھتا ہوں کہ اُن کا جرم کیا ہے، مگر ہمدردی کے اس جذبے نے میری روح سے بوجھ اُتارنے کی بجائے، نہ جانے کیسا بوجھ ڈال دیا ہے۔ مجھے سکون نہیں ملتا۔ مجھے خدا نظر نہیں آتا، میری آنکھوں کے سامنے سے میری بہنیں ہٹتی نہیں۔ میں پھر یہی محسوس کرتا ہوں کہ جب تک صلیبیوں سے انتقام نہیں لوں گا، میں اسی طرح بے چین رہوں گا......

''آج آپ کی آواز میں قرآن کے یہ الفاظ سنے......''گناہگار اپنے چہروں ہی سے پہچان لیے جائیں گے، پھر وہ بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے......تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے'' تو معلوم نہیں میرے دل میں کیا ہلچل بپا ہو گئی ہے۔ مجھے ایسے محسوس ہونے لگا ہے جیسے وہ راز انہی لفظوں میں ہے جو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں''......اُس نے سلاخوں میں سے ہاتھ اندر کر کے خطیب ابن المخدوم کا چغہ پکڑ لیا اور بے تاب ہو کر بولا......''مجھے بتاؤ یہ راز کیا ہے۔ کیا میرے دماغ پر خون سوار ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں انتقام کس طرح لوں گا؟ میں پاگل تو نہیں ہو جاؤں گا؟ اگر خدا ہے تو اُس سے پوچھ کر مجھے بتاؤ کہ میرے سوالوں کا جواب کیا ہے؟''

''تمہارے دماغ پر خون سوار ہے''۔ خطیب نے کہا۔''تم نے خدا کی آواز سن لی ہے۔ میری آواز میں خدا بول رہا تھا۔ تم انتقام لینے کو بے تاب ہو لیکن یہاں تم اسی طرح بے حال اور بے چین رہو گے۔ تم جس فوج کے ملازم ہو، وہ بھی

بیت المقدس نہیں جائے گی"۔

"کیوں؟"

"کیونکہ یہ فوج پہلے سلطان ایوبی کو شکست دے گی"۔ خطیب نے جواب دیا۔ "پھر سلطان ایوبی کو قتل کیا جائے گا اور پھر صلیبیوں کے ساتھ دوستی کی جائے گی"۔

عہدے دار کی آنکھیں کھلتی گئیں۔ خطیب اُسے بتاتا رہا کہ مسلمان حکمران کیا کر رہے ہیں۔ عہدے دار نے کہا۔ "میں کچھ عرصے سے اس قسم کی باتیں سن رہا تھا لیکن یقین نہیں آتا تھا۔ میں تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ہمارے حکمران قوم کی اُن بیٹیوں کو بھول جائیں گے جو صلیبیوں کی بربریت کا نشانہ بنی ہیں اور جنہیں انہوں نے اغوا کر کے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے"۔

"وہ بھول چکے ہیں"۔ خطیب نے کہا۔ "وہ اس حد تک بھول چکے ہیں کہ اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکیاں انہیں تحفوں کے طور پر پیش کی جاتی ہیں اور یہ انہیں اپنے حرموں کی زینت بناتے ہیں۔ اس لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن بن گئے ہیں کیونکہ وہ قرآن کے احکام کا پابند ہے اور قوم کی عصمت کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اُس کا کوئی گھر ہے یا نہیں۔ اُس کی عمر صحراؤں اور پہاڑوں میں گزر رہی ہے۔ میرا بھی جرم یہی ہے کہ میں نے والیٔ موصل کو قرآن کے احکام یاد دلا دیئے تھے اور اُسے کہا تھا کہ ایک مردِ مجاہد کے خلاف لڑو گے تو شکست کھاؤ گے۔ قرآن کے جن مقدس الفاظ نے ابھی ابھی تم پر جادو کیا ہے، میں نے یہی الفاظ موصل کے بادشاہ سیف الدین کو یاد دلائے تھے۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ تم جیسے گناہگار چہروں سے پہچانے جائیں گے اور بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے۔ میں نے اُسے قرآن کا یہ حکم بھی سنایا تھا کہ تم دماغ سے بادشاہی کا نشہ نہیں اُتارو گے تو دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں گھومو پھرو گے، مگر اُس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے نفس کا حکم مانا۔ اُس نے مجھے قید خانے میں بند کرا دیا"۔

"آپ کو یہاں بہت تکلیف ہوگی"۔ عہدے دار نے کہا۔ "میں جو خدمت کر سکا، کروں گا"۔

"یہ دنیاوی اور جسمانی اذیتیں مجھے کوئی تکلیف نہیں دے سکتیں"۔ خطیب نے کہا۔ "تم نے میری آواز میں جو سوز اور تاثر محسوس کیا ہے، وہ میری روح کی آواز تھی۔ دُنیا کے اس جہنم میں مطمئن ہوں۔ میری آواز اللہ کی آواز ہے۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ ہاں، ایک غم ہے جو مجھے پریشان کرتا ہے۔ میری جوان بیٹی ہے اور یہ میری واحد اولاد ہے۔ میری بیوی مدت ہوئی مر گئی تھی۔ میں نے اس بچی کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔ ہم ایک دوسرے کی خاطر زندہ ہیں، وہ گھر میں اکیلی ہے"۔

"میں اُس کی حفاظت کروں گا"۔ عہدے دار نے کہا۔

"سب کی حفاظت کرنے والا خدا ہے"۔ خطیب نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے گھر کا پتہ بتا دیتا ہوں۔ میری بیٹی صاعقہ سے کہہ دینا کہ ثابت قدم رہے اور میرے متعلق کوئی فکر نہ کرے۔ اگر یہاں قرآن پڑھنے کی اجازت ہو تو میری بیٹی سے میرا قرآن لے آنا"۔

عہدے دار علی الصبح خطیب کے گھر چلا گیا اور اُس کی بیٹی کو تسلی دی کہ اپنے باپ کے متعلق وہ پریشان نہ ہو۔ اُس نے صاعقہ کو بتایا کہ وہ اُس کے باپ سے بہت متاثر ہوا ہے، اُس کی جو مدد وہ کر سکتا ہے کرے گا، لیکن اوپر کے حکم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ قید خانے کا ادنیٰ ملازم ہے۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ محترم خطیب کا قرآن دے دے۔ لڑکی نے قرآن دینے سے پہلے عہدے دار کے ساتھ بہت باتیں کر کے یقین کر لیا کہ وہ تہہ دل سے اور جذبے کے تحت اُس

کے باپ کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ وہ جذباتی لگتا تھا۔ اُس نے جب یہ کہا کہ وہ اُس کی خاطر اور اُس کے باپ کی خاطر جان پر بھی کھیل جائے گا تو صاعقہ نے اُسے کہا۔ ''آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ میرے والد کو کس جرم میں قید کیا گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ سیف الدین انہیں اذیت خانے میں ڈال دے گا تا کہ اُن کے دل سے صلاح الدین ایوبی کی حمایت نکل جائے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ آپ انہیں قید خانے سے فرار ہونے میں مدد دیں؟ ہم دونوں مُوصل سے غائب ہو جائیں گے''۔

عہدے دار مسکرایا اور بولا۔ ''جو اللہ کو منظور ہو گا، میں نے تمہارے والد کی آواز میں اللہ کی آواز سنی ہے اور اُن کی آنکھوں میں ایمان کا نور دیکھا ہے۔ اللہ کی آواز اور ایمان کے نور کو کوئی انسان قید خانے میں محبوس نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس آواز اور اس نور کو آزاد کرانے کا نیک کام خدا نے میری قسمت میں لکھ دیا ہو اور اُس کے عوض میرے سینے کی آگ سرد ہو جائے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ میں کیا کروں گا، کیونکہ تم عورت ذات ہو اور نوجوان ہو۔ شاید راز کو راز نہ رکھ سکو''۔

''میں والد محترم کے لیے قرآن لے آتی ہوں''۔ وہ اندر چلی گئی اور بہت دیر بعد آئی۔ اُس کے ہاتھ میں قرآن تھا جو عہدے دار کو دے کر اُس نے کہا۔ ''میں والی مُوصل کے پاس جا رہی ہوں کہ وہ مجھے اپنے باپ سے ملنے کی اجازت دے دے''۔

''ہاں!'' عہدے دار نے کہا۔ ''ملاقات کا یہی طریقہ ہے''.... اور وہ قرآن لے کر چلا گیا۔

☆

صاعقہ تیار ہو کر سیف الدین کے دربار میں چلی گئی۔ اُسے باہر روک دیا گیا۔ سیف الدین، صلاح الدین ایوبی نہیں تھا کہ ہر کسی کو ملنے کی کھلی اجازت تھی۔ سیف الدین تو بادشاہ تھا اور اُس کے طور طریقے شاہانہ تھے۔ اُسے شراب بھی پینی ہوتی تھی، حرم کے لیے بھی وقت نکالنا ہوتا تھا۔ رقص کی محفلیں بھی منعقد کرنی ہوتی تھیں اور جو وقت بچتا تھا، وہ اپنی بادشاہی کو سلطان ایوبی سے بچانے کے منصوبے بناتے صرف ہوتا تھا۔ اُسے اپنی رعایا کا کوئی علم نہ تھا۔ حکومت کے نشئی رعایا کو استعمال کیا کرتے ہیں، اُن کے نیک و بد کی انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ رعایا کے پیٹ میں صرف اتنا سا اناج جانے دیتے ہیں جس سے رعایا صرف زندہ رہے اور اُن کے آگے سجدہ ریز رہے۔

صاعقہ اُسی رعایا کی ایک لڑکی تھی۔ دربان نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو اُس نے بتایا کہ وہ موصل کے خطیب ابن المخدوم ککبوری کی بیٹی ہے۔ دوسروں کی طرح دربان کو بھی یہ معلوم تھا کہ خطیب اچانک پاگل ہو گیا ہے اور اُسے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ خطیب کا احترام ہر کسی کے دِل میں تھا اور اُس کے پاگل ہو جانے کی وجہ سے سب کے دلوں میں ہمدردی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ دربان نے کسی سے کہہ کر سیف الدین سے اجازت لے لی کہ صاعقہ کو اُس کے پاس بھیجا جائے۔

صاعقہ جب سیف الدین کے سامنے گئی تو وہ اس لڑکی کی خوب صورتی دیکھ کر چونک اُٹھا۔ وہ لڑکیوں کا شکاری تھا۔ اُس نے صاعقہ کو دلچسپی سے اپنے پاس بٹھایا۔ وہ سمجھ گیا ہوگا کہ لڑکی اپنے باپ کی رہائی کی درخواست لے کر آئی ہے۔

''سنو لڑکی!'' اُس نے صاعقہ کی بات سنے بغیر کہا۔ ''میں جانتا ہوں تم کیوں آئی ہو، لیکن میں نے بہت مجبور ہو کر تمہارے باپ کو قید میں ڈالا ہے، اگر اُسے ایک دو دنوں بعد ہی رہا کرنا ہوتا تو میں اُسے گرفتار ہی نہ کرتا۔ میں اُسے رہا نہیں کر سکوں گا''۔

''اُن کا جرم کیا ہے؟'' صاعقہ نے پوچھا۔

''غداری''۔ سیف الدین نے جواب دیا۔

''کیا انہوں نے آپ کے خلاف صلیبیوں کے حق میں غداری کی ہے؟''

''ریاست کا دشمن صلیبی ہو یا مسلمان''۔ سیف الدین نے جواب دیا۔ ''اُس کے ساتھ مل کر ریاست کو نقصان پہنچانا جرم ہے۔ کیا تمہارا باپ صلاح الدین ایوبی کا حامی نہیں تھا؟''

''مجھے کچھ علم نہیں''۔ صائقہ نے جواب دیا۔ ''میرا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا حامی ہونا جرم نہیں''

''یہی بات تمہارا باپ بھی نہیں سمجھ سکتا۔'' سیف الدین نے کہا۔ ''میں حیران ہوں کہ بہت سے لوگ صلاح الدین ایوبی کو فرشتہ سمجھتے ہیں۔ وہ عورت کے معاملے میں درندہ ہے۔ دمشق اور قاہرہ میں اُس نے اپنا حرم تم جیسی سینکڑوں لڑکیوں سے بھر رکھا ہے، ہر لڑکی تین چار مہینوں بعد اپنے سالاروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اُس کی فوج جہاں حملہ کرتی ہے، وہاں نہ مسلمان گھرانہ دیکھتی ہے، نہ غیر مسلم۔ ہر گھر کو لوٹتی اور ہر لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ تم جیسی حسین لڑکی اُس سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ میرا فرض ہے کہ تمہاری عزت کی حفاظت کروں، خواہ مجھے تمہیں اپنے گھر میں رکھنا پڑے''۔

''میری حفاظت خدا کرے گا''۔ صائقہ نے کہا۔ ''میں صرف یہ التجا کرنے آئی ہوں کہ مجھے تھوڑی سی دیر کے لیے اپنے باپ سے ملنے کی اجازت دی جائے''۔

''جب تک قاضی اُسے سزا نہیں دیتا، اجازت نہیں دی جاسکتی''۔

''سزا کیا ہوگی؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''موت''

صائقہ کے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے لڑکی کو اور زیادہ خوف زدہ کرنے کے لیے کہا۔ ''لیکن یہ موت اتنی آسان نہیں ہوگی کہ تلوار سے سرتن سے جُدا کر دیا جائے گا۔ اُسے آہستہ آہستہ اذیتیں دے دے کر مارا جائے گا۔ پہلے اُس کی آنکھیں نکالی جائیں گی، پھر اُس کا ایک ایک دانت زنبور سے کھینچ کر نکالا جائے گا، پھر اُس کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں کاٹی جائیں گی اور پھر وہ زندہ ہی ہوگا تو اُس کی کھال اُتاری جائے گی''۔

لڑکی کا جسم بڑی زور سے کانپا۔ اُس نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیے اور اُس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''کیا آپ ان پر یہ رحم نہیں کر سکتے کہ اُن کا سر تلوار سے کاٹ دیا جائے؟ اگر انہیں سزائے موت ہی دینی ہے تو ایک ثانیے میں انہیں کیوں نہیں ختم کر دیتے؟''

''اگر تمہیں اپنی قیامت خیز جوانی پر رحم آجائے تو میں تمہارے باپ پر رحم کر سکتا ہوں''۔

صائقہ نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو سیف الدین نے کہا۔ ''باپ کے مر جانے کے بعد تم ایک عام سی اور غریب سی لڑکی بن کے رہ جاؤ گی۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم میرے عقد میں آجاؤ جس سے تمہارے باپ کو بھی فائدہ پہنچے گا اور تمہاری حیثیت موصل کی ملکہ کی ہو جائے گی؟''۔

''اگر میرے باپ نے مجھے خودداری کی تعلیم نہ دی ہوتی تو ملکہ بننا تو بہت بڑی بات ہے، میں آپ کے ساتھ ایک رات گزارنے پر بھی فخر محسوس کرتی''۔ صائقہ نے کہا۔ ''میرا باپ میری عصمت کی حفاظت میں اپنی کھال ہنستے کھیلتے اُتروا لے گا۔ یہ سودا میرے باپ کے ساتھ کریں۔ اُس سے پوچھیں کہ تم جلاد کے پاس جانا چاہتے ہو یا اپنی بیٹی کو میرے پاس بھیجنا چاہتے ہو۔ میرا باپ یقیناً یہ کہے گا...... ''مجھے جلاد کے حوالے کر دو''...... میں صرف یہ درخواست لے کر آئی تھی کہ

تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے اپنے باپ سے ملنے دیا جائے۔ اب میں اپنی درخواست میں یہ اضافہ کرتی ہوں کہ اس کے لیے میں کوئی سودا قبول نہیں کروں گی''۔

''کیا تمہارا یہ فیصلہ ہے کہ تم میرے پاس نہیں آؤ گی؟'' سیف الدین نے پوچھا۔

''اٹل فیصلہ''۔ صائقہ نے جواب دیا۔'' آپ موصل کے مالک ہیں۔ مجھے زبردستی اپنے حرم میں داخل کر لیں''۔

''میں نے ایسا جرم کبھی نہیں کیا''۔ سیف الدین نے کہا۔

صائقہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے دراصل ملاقات کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ تو یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کے باپ کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہورہا ہے۔ وہ اُسے قید خانے کے ایک عہدے دار سے معلوم ہو گیا تھا اور اُسے یہ اُمید بھی تھی کہ یہ عہدے دار اُس کے باپ کو فرار میں مدد دے گا۔ اُس نے سیف الدین کو سلام کیا اور چل پڑی۔ سیف الدین نے اُسے جاتے دیکھا تو بولا۔ ''ٹھہرو، یہ نہ کہنا کہ والیٔ موصل نے ایک لڑکی کی تمنا پوری نہیں کی تھی۔ تم آج رات اپنے باپ سے ملاقات کرنے کے لیے جا سکتی ہو۔ ایک آدمی تمہارے گھر آئے گا، وہ تمہیں اپنے ساتھ قید خانے میں لے جائے گا، تم جتنی دیر چاہو اپنے باپ سے باتیں کر سکتی ہو''۔

صائقہ شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔ سیف الدین کے پیچھے ایک باڈی گارڈ کھڑا تھا۔ صائقہ چلی گئی تو سیف الدین نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا۔'' اتنا خوبصورت پرندہ پنجرے میں آنا چاہیے۔ میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کہا تھا کہ اُس کے باپ کو کس طرح اذیتیں دے کر مارا جائے گا مگر لڑکی دل گردے کی پکی معلوم ہوتی ہے۔ جانتے ہو میں نے اُسے کیوں کہا ہے کہ ایک آدمی تمہارے گھر آئے گا، وہ تمہیں قید خانے میں باپ سے ملاقات کرانے لے جائے گا؟''

''کیا میں ابھی تک آپ کے اشارے سمجھنے کے قابل نہیں ہوا؟'' باڈی گارڈ نے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔'' وہ آدمی میں ہی ہوں گا جو اسے شام کے بعد گھر سے قید خانے لے جانے کے بہانے لے جاؤں گا''۔

''اور تم جانتے ہو کہ اسے کہاں لے جانا ہے؟'' سیف الدین نے پوچھا۔'' اسے یہ شک نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے اسے اغوا کرایا ہے''۔

''سب جانتا ہوں''۔ باڈی گارڈ نے کہا..... ''یہ کام پہلی بار تو نہیں کر رہا۔ میں اسے بن بھول بھلیوں سے گزار کر اور اس کی جو حالت کر کے آپ کے پاس پہنچاؤں گا، اس سے وہ یہ سمجھے گی کہ دُنیا میں آپ واحد انسان ہیں جو اس کے مونس و غم خوار ہیں۔ آگے آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے پرندے کو پنجرے میں کس طرح بند کرتے ہیں''۔

سیف الدین نے اپنے باڈی گارڈ کے کان میں کچھ کہا۔ باڈی گارڈ کی آنکھوں میں شیطان مسکرانے لگا۔

☆

قید خانے کا جو عہدے دار صائقہ کے پاس آیا اور اُسے تسلی دے کر اور قرآن لے کر چلا گیا تھا، رات کی ڈیوٹی پر تھا۔ شام کے بعد وہ قید خانے میں داخل ہوا۔ دن کی ڈیوٹی والے کو رخصت کیا اور خطیب ابن المخدوم کی کوٹھڑی کے سامنے کھڑا ہوا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس نے قرآن خطیب کو دے کر کہا..... ''اپنی بیٹی کے متعلق آپ کوئی غم نہ کریں۔ وہ ہر لحاظ سے مطمئن ہے، محفوظ ہے اور خیریت سے ہے۔ اُس نے مجھے ایک بات کہی ہے۔ دُعا کریں کہ اللہ مجھے بچی کی تمنا پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے''۔

''وہ کیا بات ہے؟'' خطیب نے پوچھا۔

عہدے دار نے اِدھر اُدھر دیکھا اور منہ سلاخوں کے ساتھ لگا کر کہا...... ''فرار...... آپ میں اتنی ہمت ہے؟...... میں مدد کروں گا''۔

''جس کام میں اللہ کی خوشنودی شامل ہو، اُس کے لیے اللہ ہمت بھی دے دیتا ہے۔'' خطیب نے کہا، ''لیکن میں تمہاری مدد سے فرار نہیں ہوں گا۔ اس کی بجائے یہاں مر جانا پسند کروں گا''۔

''کیوں؟'' عہدے دار نے حیران ہو کر پوچھا...... ''کیا آپ مجھے گناہگار سمجھ کر میری مدد قبول نہیں کرنا چاہتے؟''

''نہیں''۔ خطیب نے جواب دیا۔ ''میں تمہاری مدد اس لیے قبول نہیں کرنا چاہتا کہ تم گناہگار نہیں ہو۔ میں تو تمہاری مدد سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ تم پیچھے رہ جاؤ گے اور پکڑے جاؤ گے۔ میرے جرم کی اور تمہاری نیکی کی سزا تمہیں ملے گی جو بہت ہی بھیانک ہوگی''۔

''میں بھی آپ کے ساتھ ہی جاؤں گا''۔ عہدے دار نے کہا...... ''آپ کی کل رات کی باتوں نے یہاں سے میرا دِل اچاٹ کر دیا ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جا رہا ہوں۔ میں چونکہ قیدی نہیں، اس لیے آسانی سے فرار ہو سکتا ہوں، لیکن اب آپ کو ساتھ لے کے جاؤں گا۔ میرا اس دُنیا میں کوئی نہیں۔ ویسے بھی میرے دِل میں آگ ہے جو گزشتہ رات آپ کو دکھائی تھی، اِسی آگ کو سرد کرنا ہے''۔

''ہاں''۔ خطیب نے کہا ... ''میں اس صورت میں تمہاری مدد قبول کر سکتا ہوں''۔

''آپ کی بیٹی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ والیٔ موصل کے پاس جا رہی ہے۔'' عہدے دار نے کہا...... ''وہ آپ سے ملاقات کی اجازت مانگے گی''۔

''نہیں''۔ خطیب نے گھبرا کر کہا...... ''اُسے سیف الدین جیسے شیطان فطرت انسان کے پاس نہیں جانا چاہیے، تم اُسے کہو کہ وہاں نہ جائے''۔

''میں تو صبح جا سکوں گا''۔ عہدے دار نے کہا۔

عہدے دار کوٹھڑی سے ہٹ کر چلا گیا۔ خطیب نے قرآن کو چوما، پھر سینے سے لگا کر اپنے آپ سے کہا...... ''اب میں اس کال کوٹھڑی میں تنہا نہیں ہوں''۔ اُس نے غلاف اُتارا اور دیئے کی روشنی میں بیٹھ کر قرآن کھولا۔ ورق اُلٹتے اُلٹتے قرآن میں سے ایک کاغذ نکلا۔ اُس کی بیٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا...... ''خدا ساتھ ہے، جنات موجود ہیں، پیغمبر برحق ہے۔ پیغمبر کا فرمان سنیں۔ ایمان تروتازہ ہے''۔ خطیب کے چہرے پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے کاغذ کا یہ ٹکڑا دیئے کی لو پر رکھا اور جلا ڈالا۔ وہ پیغام سمجھ گیا تھا۔ پیغمبر سے اُس کی مراد قید خانے کا یہ عہدے دار تھا۔ وہ کہنا یہ چاہتی تھی کہ یہ آدمی سچا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بات (فرار) پر عمل کریں۔ ''جنات موجود ہیں'' سے مراد یہ تھی کہ صائقہ کی حفاظت کے لیے آدمی موجود ہیں۔

جس وقت خطیب یہ پیغام جلا رہا تھا، اُس وقت اُس کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ صائقہ نے دروازہ کھولا۔ اُس کے ہاتھ میں قندیل تھی۔ باہر جو آدمی کھڑا تھا، اُسے اس نے پہچان لیا۔ وہ سیف الدین کا باڈی گارڈ تھا جو صائقہ کی ملاقات کے وقت وہاں موجود تھا۔ اُس نے صائقہ سے کہا کہ وہ اُسے باپ کی ملاقات کے لیے قید خانے لے جانے آیا ہے اور وہ اُسے گھر واپس بھی لائے گا۔

صائقہ تیار تھی۔ چلنے لگے تو باڈی گارڈ نے صائقہ سے کہا...... ''باپ کے ساتھ صرف خیر خیریت اور گھر کی باتیں کرنے کی اجازت ہوگی۔ کوٹھڑی کی سلاخوں سے تمہیں تین قدم دُور کھڑا کیا جائے گا۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا جو والیٔ موصل

غازی سیف الدین کے وقار کے خلاف ہو"۔

☆

باڈی گارڈ آگے آگے جارہا تھا۔ صاعقہ اُس سے دو تین قدم پیچھے تھی۔ دونوں خاموشی سے چلے جارہے تھے۔ رات تاریک تھی۔ وہ اندھیری گلیوں سے گزرتے جارہے تھے۔ وہ ایک گلی کا موڑ مڑے تو باڈی گارڈ رُک گیا۔ اُس نے پیچھے دیکھا۔ صاعقہ نے پوچھا...... "کیا بات ہے؟"

"تم نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ نہیں سنی تھی؟" باڈی گارڈ نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں"۔ صاعقہ نے کہا...... "میں ہی تمہارے پیچھے پیچھے آرہی ہوں"۔

"میں نے کوئی اور آواز سنی تھی"۔ باڈی گارڈ نے زیرلب کہا اور آگے چل پڑا۔

"اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟" صاعقہ نے پوچھا...... کوئی اگر پیچھے سے آتا ہے تو آتا رہے"۔

باڈی گارڈ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ گلی ختم ہوگئی۔ اس سے آگے آبادی نہیں تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کھڈنالے بھی تھے۔ قید خانہ اُسی طرف آبادی سے کچھ دُور تھا۔ دونوں کھڈوں سے بچتے جارہے تھے، وہاں جھاڑیاں اور درخت تھے۔ باڈی گارڈ ایک بار پھر رُک گیا اور پیچھے کو دیکھا۔ اُسے پیچھے آہٹ سنائی دی تھی۔ اُس نے تلوار نکال لی اور پیچھے کو گیا۔ دو تین جھاڑیوں کے اِردگرد گھوم کر دیکھا، وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"اب تم نے پیچھے کسی کے پاؤں کی آواز سنی ہوگی"۔ باڈی گارڈ نے صاعقہ سے کہا۔ "یہ آواز بڑی صاف تھی"۔

صاعقہ نے یہ آہٹ سنی تھی، لیکن اُس نے جھوٹ بولا۔ کہنے لگی...... "تمہارے کان بجتے ہیں۔ اگر یہ کسی کی آہٹ تھی ہی تو خرگوش یا کسی ایسے ہی جنگلی جانور کی ہوگی۔ تم اِن آہٹوں سے کیوں ڈرتے ہو؟"

"میں تمہیں جو بات کہنے سے جھجکتا تھا وہ اب کہہ دیتا ہوں"۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا...... "تم بہت ہی خوب صورت اور جوان لڑکی ہو۔ تمہیں اپنی قیمت کا اندازہ نہیں۔ تمہیں کسی نے اغوا کر کے کسی امیر یا حاکم کے پاس بیچ ڈالا تو وہ مالا مال ہو جائے گا۔ تم میری ذمہ داری میں ہو۔ کسی نے تمہیں مجھ سے چھین لیا تو والیٔ موصل میرا سر تن سے جدا کر دے گا۔ تم میرے ساتھ چلو، میرے پیچھے نہ رہو"۔

صاعقہ اُس کے ساتھ ہوگئی۔ کچھ آگے جا کر پگڈنڈی شروع ہوتی تھی۔ وہ وہاں تک چلے گئے اور پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ تھوڑا آگے اس پگڈنڈی سے ایک اور راستہ نکلتا تھا جو کسی اور طرف جاتا تھا۔ باڈی گارڈ صاعقہ کو اس راستے پر لے گیا۔ چند ہی قدم آگے گئے ہوں گے کہ انہیں کسی کے دوڑتے قدموں کی صاف آواز سنائی دی جو فوراً ہی خاموش ہوگئی۔ کوئی پیچھے سے دوڑتا آیا اور دائیں کو چلا گیا۔ باڈی گارڈ نے ایک سایہ ایک درخت کے پیچھے غائب ہوتا دیکھ لیا تھا۔ وہ تلوار سونت کر اُس درخت کی طرف دوڑا۔ پیچھے اُسے صاعقہ کی گھٹی ہوئی چیخ سنائی دی۔ کسی نے صاعقہ کے اوپر بوری کی طرح کا تھیلا ڈال دیا اور اس سے پہلے اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا۔ باڈی گارڈ کو اندھیرے میں اتنا ہی نظر آیا کہ جہاں صاعقہ اکیلی تھی، وہاں دو سائے اُچھل کود رہے ہیں۔

وہ اُس کی طرف دوڑنے ہی لگا تھا کہ عقب سے کسی نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اُس کے بھی منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا اور اُوپر بوری کی طرح کا تھیلا اُس پر چڑھا دیا گیا۔ وہ تنومند جنگجو تھا، لیکن اُسے جکڑنے والے تعداد میں زیادہ تھے اور وہ بھی طاقتور اور اپنے فن کے استاد تھے۔ اُدھر صاعقہ کو دوہرا کر کے تھیلے میں ڈال کر تھیلے کا منہ بند کر دیا گیا۔ اِدھر

باڈی گارڈ کو اسی طرح تھیلے میں بند کر دیا گیا۔ انہیں پکڑنے والے انہیں اُٹھا کر چل پڑے۔ آگے جا کر ایک ایک تھیلا پیٹھ پر اُٹھا لیا۔ اندھیرے میں پاس سے گزرنے والوں کو بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ دو انسانوں کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے۔ وہ ایک اندھیری گلی میں چلے گئے اور کچھ دُور جا کر ایک تنگ و تاریک مکان میں داخل ہو گئے۔

اندر جا کر وہ صاعقہ کو ایک کمرے میں اور باڈی گارڈ کو دوسرے کمرے میں لے گئے۔ الگ الگ کمروں میں تھیلوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ صاعقہ تھیلے سے نکلی تو اُس کے منہ میں سے کپڑا نکال دیا گیا۔ کمرے میں دیا جل رہا تھا۔ صاعقہ کو دو آدمی کھڑے نظر آئے۔ اُس نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا..... ''تم نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟''

''محفوظ طریقہ یہی تھا''۔ کمرے میں کھڑے دو آدمیوں میں سے ایک نے جواب دیا..... ''راستے میں کوئی بھی تمہیں ہمارے ساتھ چلتا دیکھ سکتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ تمہیں بھی چھپا کر لایا جائے''۔

''مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم یہ طریقہ اختیار کرو گے''۔ صاعقہ نے پوچھا..... ''میں تو یہ سمجھی تھی کہ یہ تم نہیں ہو، کوئی ڈاکو ہیں اور مجھے سچ مچ اغوا کیا جا رہا ہے''۔

''ہمارے طریقے کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں''۔ دوسرے آدمی نے کہا۔

''کیا تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھے کہیں اور لے جا رہا تھا؟'' صاعقہ نے پوچھا۔

''یہ یقین تو ہمیں اُسی وقت ہو گیا تھا جب تم اُس کے ساتھ گھر سے نکلی تھیں''۔ ایک آدمی نے جواب دیا..... ''اگر وہ تمہیں واقعی قید خانے میں لے جا رہا تھا تو چھوٹا اور سیدھا راستہ دوسری طرف تھا۔ وہ کھنڈرات کے ویرانے میں تمہیں لے گیا اور پگڈنڈی سے ہٹ کر ایک اور راستے پر چل پڑا۔ ہمیں پختہ یقین ہو گیا کہ وہ تمہیں کہیں اور لے جا رہا ہے''۔

''اُس نے کئی بار تمہارے قدموں کی آہٹ سنی تھی''۔ صاعقہ نے کہا..... ''ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہیے''۔

''اندھیرے میں فاصلے کا اندازہ نہیں ہوتا تھا''۔ اُسے بتایا گیا۔ ''ہم تم دونوں کے تعاقب میں دُور نہیں تھے، دُور تک نظر نہیں آتا تھا، اس لیے تمہارے قریب رہنا ضروری تھا''۔

صاعقہ کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ باڈی گارڈ کے ہاتھوں لاپتہ اور ذلیل و خوار ہونے سے بال بال بچ گئی تھی۔ دوسرے کمرے میں باڈی گارڈ کو تھیلے میں سے نکال کر اُس کے منہ سے کپڑا نکالا گیا۔ اُس کے سامنے تین نقاب پوش کھڑے تھے۔ اُس کی تلوار انہی نقاب پوشوں کے پاس تھی۔

''کون ہو تم؟'' اُس نے بڑے رعب سے نقاب پوشوں سے کہا..... ''میں والیٔ موصل کا خصوصی محافظ ہوں۔ تم سب کو سزائے موت دلاؤں گا۔ مجھے جانے دو''۔

''والیٔ موصل کی حفاظت اب خدا ہی کرے تو کرے''۔ ..... ایک نقاب پوش نے کہا..... ''تم اپنی حفاظت کی فکر کرو۔ اس لڑکی کو تم کہاں لے جا رہے تھے؟''

''قید خانے میں اُس کے باپ سے ملاقات کرانے لے جا رہا تھا''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا..... ''یاد رکھو جس لڑکی کو تم نے اغوا کیا ہے، اسے تم ہضم نہیں کر سکو گے۔ یہ خطیب ابن المخدوم کی بیٹی ہے اور والیٔ موصل غازی سیف الدین نے اپنا خصوصی محافظ اس کے لیے بھیجا تھا۔ اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ لڑکی لاپتہ ہو گئی تو والیٔ موصل شہر کے گھر گھر کی تلاشی لے گا۔ تم شہر سے نکل نہیں سکو گے۔ تھوڑی دیر بعد غازی سیف الدین کو پتا چل جائے گا کہ اُس کا محافظ اور خطیب کی بیٹی لاپتہ ہیں۔ شہر کی ناکہ بندی فوراً کر دی جائے گی۔ لڑکی کہاں ہے؟''

''سنو دوست!'' ایک نقاب پوش نے کہا۔۔۔ ''لڑکی یہیں ہے۔ اسے اغوا نہیں کیا گیا۔ اسے اغوا ہونے سے بچایا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ والئی موصل سیف الدین کے لیے یہ لڑکی اہم ہے اور وہ اس کی تلاش میں اپنی پوری فوج لگا دے گا کیونکہ لڑکی خوب صورت اور نوجوان ہے اور اس کا باپ قید خانے میں بند ہے۔ وہ سیف الدین کو دھتکار آئی تھی۔ پھر اُس نے لڑکی کو ملاقات کے لیے اجازت دے دی اور کہا کہ اُسے ایک آدمی اپنے ساتھ قید خانے میں لے جائے گا۔ ملاقات کا وقت رات کا رکھا گیا۔ تم بتا سکتے ہو کہ ملاقات دن کو کیوں نہ کرائی گئی؟ لڑکی نے ہمیں بتایا۔ ہم نے اس کی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ تم اسے گھر سے ہی غلط راستے پر لے چلے تو ہم تمہارے تعاقب میں چل پڑے۔ تم نے دو تین بار رُک کر پیچھے دیکھا تھا۔ وہ ہم ہی تھے۔ تم نے جنہیں جھاڑیوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی، وہ بھی ہم ہی تھے۔ ہم تو دن کی روشنی میں بھی کسی کو نظر نہیں آتے''۔

''تم نے اس لڑکی پر ظلم کیا ہے''۔ باڈی گارڈ نے کہا۔۔۔ ''میں اسے اس کے باپ کے پاس لے جا رہا تھا''۔

''تم اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے''۔ ایک نقاب پوش نے تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر رکھ کر ذرا سی دبائی اور کہا۔۔۔ ''تم اسے سیف الدین کے لیے لے جا رہے تھے۔ ہم جانتے ہیں تمہارا والئی موصل کتنا بے رحم دل ہے جس نے خطیب تک کو قید کرنے سے گریز نہ کیا اور اب اُس کی بیٹی کو ملاقات کی اجازت دے رہا ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محترم خطیب کا جرم ہے مگر تم یہ نہیں جانتے کہ یہ عالم موصل میں تنہا نہیں۔ وہ قید خانے میں ہے اور اُس کی بیٹی تنہا نہیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ہم سیف الدین کا تختہ اُلٹ دیں گے۔ اُس کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ ہم اُسے کسی بھی وقت قتل کر سکتے ہیں، لیکن صلاح الدین ایوبی نے ہمیں سختی سے حکم دے رکھا ہے کہ کسی کو حسن بن صباح کے فدائیوں کی طرح قتل نہ کرنا۔ ہم میدان میں للکارتے اور قتل کرتے ہیں''۔

''تم صلاح الدین ایوبی کے آدمی ہو؟'' باڈی گارڈ نے پوچھا۔

''ہاں!'' نقاب پوش نے جواب دیا۔۔۔ ''ہم جانباز دستے کے سپاہی ہیں''۔۔۔ اُس نے تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر اور زیادہ دبائی تو باڈی گارڈ کی پیٹھ دیوار کے ساتھ جا لگی۔ نقاب پوش نے کہا۔۔۔ ''تم سیف الدین کے خصوصی محافظ ہو اور ہر وقت اُس کے ساتھ رہتے ہو۔ تم اُس کے راز دان ہو۔ لڑکیاں اغوا کر کے اُسے دیتے ہو۔ پوری تفصیل سے بتاؤ کہ سلطان ایوبی کے خلاف اُس کے ارادے کیا ہیں۔ اگر بتانے سے انکار کرو گے یا کہو گے کہ تمہیں کچھ علم نہیں تو تمہارا حال وہی کیا جائے گا جو سیف الدین قید خانے میں اپنے مخالفین کا کرتا ہے''۔

''اگر تم سپاہی ہو تو اچھی طرح جانتے ہو گے کہ حاکم اور بادشاہ کے سامنے ایک محافظ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا۔۔۔ ''میں اُس کے ارادوں کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں''۔

ایک نقاب پوش نے اُس کا سر ننگا کر کے اُس کے بال مٹھی میں لے کر مروڑے اور جھٹکا دے کر اُسے ایک طرف جھکا دیا۔ دوسرے نے اسے ٹانگوں سے گھسیٹ کر گرا دیا۔ ایک نقاب پوش اُس کے پیٹ پر کھڑا ہو گیا۔ وہ دو تین بار اُس کے پیٹ پر اُچھلا تو باڈی گارڈ کے دانت بجنے لگے۔ پھر اُسے مختلف اذیتوں کا ذرا ذرا ذائقہ چکھایا گیا اور اُسے کہا گیا کہ وہ وہاں سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔

''مجھے اُٹھنے دو''۔ اُس نے کراہتے ہوئے کہا۔

''اُسے اٹھایا گیا۔ اُس نے کہا۔۔۔'' سیف الدین سلطان ایوبی کے خلاف لڑنا چاہتا ہے''۔

''یہ کوئی راز نہیں''۔ ایک نقاب پوش نے کہا۔ ''ہمیں بتاؤ وہ کب اور کس طرح لڑنا چاہتا ہے۔ کیا وہ حلب اور حرن کی فوجوں کے ساتھ اپنی فوج شامل کرے گا یا الگ لڑے گا''۔

''فوج دوسری فوجوں میں شامل کرے گا''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا...... ''لیکن ایسی چال چلے گا کہ اُس کی فوج کی فتح الگ تھلگ نظر آئے۔ حلب اور حرن والوں پر اُسے بھروسہ نہیں''۔

''اپنے سالاروں کو اُس نے کیا ہدایات دی ہیں''۔ ایک نقاب پوش نے پوچھا۔

''اُس کا منصوبہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو پہاڑی علاقے میں محصور کرلیا جائے''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا۔

''فوج کس راستے سے جائے گی؟''

''قرونِ حماۃ کی طرف سے''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا۔

''صلیبی کتنی مدد دے رہے ہیں؟''

''صلیبیوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ ''لیکن سیف الدین انہیں بھی دھوکہ دے گا۔ صلیبی فوج کے چند ایک کمانڈر موصل کی فوج کو تربیت دے رہے ہیں''۔

یہ نقاب پوش اور وہ دو آدمی جو دوسرے کمرے میں صاعقہ کے ساتھ تھے، سلطان ایوبی کے چھاپہ مار جاسوس تھے۔ ان کا رابطہ خطیب ابن المخدوم کے ساتھ تھا، بلکہ خطیب اُن کا نگران اور سربراہ تھا۔ یہ گروہ سلطان ایوبی کے لیے آنکھوں اور کانوں کا کام کرتا تھا۔ موصل سے جو بھی اطلاع وہ حاصل کرتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جنگی ہیڈ کوارٹر کو بھیج دیتے تھے۔ موصل میں وہ مختلف کام دھندا، ملازمت اور دکان داری کرتے تھے۔ خطیب قید ہوگیا تو یہ رات کو باری باری خطیب کے گھر کا پہرہ دیتے تھے۔ اُس لڑکیوں نے جو صائقہ کے گھر اُسے تنہا سمجھ کر سونے آئی تھیں، انہی کے سائے حرکت کرتے دیکھے تھے۔ صائقہ نے اِن لڑکیوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ سائے سے انسان ہیں۔ اُس نے ایسا تاثر دیا تھا جیسے یہ جنات ہیں۔ ان آدمیوں کو معلوم تھا کہ صائقہ سیف الدین کے پاس باپ سے ملاقات کی اجازت لینے گئی ہے۔ واپس آکر اُس نے ان میں سے ایک آدمی کو بتا دیا تھا کہ رات کو ایک آدمی اُسے قید خانے میں لے جانے کے لیے آئے گا۔ اُس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ سیف الدین نے اُس کے ساتھ ناروا باتیں کیں اور اُسے اپنے عقد میں لینے کی پیش کش کی تھی۔

اس آدمی نے اپنے گروہ کو بتایا۔ یہ سب بہت ذہین تھے۔ انہیں شک ہوا کہ صائقہ کو کسی اور طرف لے جا کر اُسے غائب کر دیا جائے گا۔ چنانچہ سورج غروب ہونے کے بعد پانچ آدمی صائقہ کے گھر میں جا کر چھپ گئے تھے۔ صائقہ باڈی گارڈ کے ساتھ گئی تو یہ آدمی اُن کے تعاقب میں چل پڑے۔ آگے جا کر اُن کا شک صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے کامیابی سے صائقہ کو بچا لیا اور باڈی گارڈ کو بھی پکڑ لائے جو سیف الدین کا راز دان تھا۔ انہوں نے فوجی اہمیت کے بہت سے راز اُگلوا لیے۔ ان میں یہ راز اہم تھا کہ سیف الدین کے بھائی عزالدین نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو اپنی کمان میں رکھا ہے۔ یہ حصہ محفوظہ کے طور پر استعمال ہوگا، یعنی اُسے بعد میں ضرورت کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ پہلے حملے کی قیادت سیف الدین کو کرنی تھی۔ دوسری اہم بات جو معلوم ہوئی، وہ یہ تھی کہ حلب سے گمشتگین اور سیف الدین کے ہاں ایلچی یہ پیغام لے کر گئے ہیں کہ تینوں فوجوں کو مشترکہ کمان میں رکھا جائے اور صلیبیوں کی مدد پر زیادہ بھروسہ نہ کیا جائے۔ باقی معلومات بھی اہم تھیں۔

باڈی گارڈ نے یہ معلومات اُگل کر کہا کہ اُسے رہا کر دیا جائے۔ نقاب پوشوں نے اُسے رہائی کے وعدے پر ٹال

دیا۔ صائقہ کو اسی کمرے میں رہنے دیا گیا۔ اُسے اُس کے گھر رکھنا مناسب نہیں تھا۔ باڈی گارڈ کو اس مکان کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

☆

حرن اور حلب سے تقریباً پچاس میل دُور صلیبی فوج کا جنگی ہیڈ کوارٹر تھا جہاں زیادہ سرگرمیاں جاسوسی کے متعلق تھیں، وہاں جو صلیبی حکمران اور کمانڈر تھے۔ وہ سلطان ایوبی کے خلاف کھلی جنگ لڑنے کی بجائے اُس کے مسلمان مخالفین کو متحد کر کے اُس کے خلاف لڑانے کی سکیمیں بنا رہے تھے اور اُن پر عمل بھی کر رہے تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے بڑے بڑے امراء کو اپنے فوجی مشیر دے رکھے تھے جو انہیں جنگی مشورے دینے کے علاوہ فوجوں کو جنگی تربیت بھی دیتے تھے۔ اپنی اصل نیت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے وہ مسلمان اُمراء کو عیش و عشرت کا سامان بھی مہیا کرتے رہتے تھے۔ اُن کے جاسوس بھی اِن اُمراء کے درباروں میں موجود رہتے اور اپنے ہیڈ کوارٹر کو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔

حرن سے گمشتگین کا ایک صلیبی مشیر اپنے اس جنگی ہیڈ کوارٹر میں پہنچا۔ اُس وقت صلیبیوں کے دو مشہور جنگجو حکمران ریمانڈ اور ریجنالٹ وہاں موجود تھے۔ ریمانڈ وہ حکمران تھا جسے حال ہی میں سلطان ایوبی نے ایک بروقت اور برق رفتار چال چل کر بھگا دیا تھا اور ریجنالٹ وہ مشہور صلیبی حکمران تھا جسے نور الدین زنگی نے ایک معرکے میں جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ اُسے اور دیگر صلیبی قیدیوں کو حرن میں گمشتگین کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اُس وقت گمشتگین خلافت بغداد کا ایک قلعہ دار تھا۔ زنگی فوت ہو گیا تو اس قلعہ دار نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور صلیبیوں کے ساتھ دوستی گہری کرنے کے لیے ریجنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو تمام صلیبی قیدیوں سمیت رہا کر دیا...... نور الدین زنگی نے کہا تھا کہ ریجنالٹ کے عوض وہ صلیبیوں سے اپنی شرطیں منوائے گا۔ زنگی مر گیا تو اُمراء نے عیاشی اور حکومت کے نشے میں اُس کے تمام تر منصوبے اُلٹ کر دیئے اور صلیبی سلطنتِ اسلامیہ کی بنیادوں پر اُترنا شروع ہو گئے۔

حرن سے صلیبی مشیر جو دراصل جاسوس تھا۔ ریمانڈ اور ریجنالٹ کے پاس پہنچا اور حرن کے تازہ واقعات کی تفصیلی رپورٹ دی۔ اُس نے کہا۔ ''حلب سے الملک الصالح نے گمشتگین اور سیف الدین کو تحفوں کے ساتھ پیغام بھیجے ہیں کہ وہ اپنی فوجیں اُس کی فوج کے ساتھ مشترکہ کمان میں دے دیں۔ وہاں یہ عجیب یہ واقعہ ہوا ہے کہ گمشتگین کے دو سالاروں نے حرن کے قاضی کو قتل کر دیا اور دو لڑکیوں کو جو حلب سے الملک الصالح نے پیغام کے ساتھ تحفے کے طور پر بھیجی تھیں، بھگا دیا۔ پھر انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے حامی ہیں اور وہ اُسی کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے۔ یہ دونوں سالار سگے بھائی ہیں اور ہندوستان سے آئے ہیں۔ دونوں کو گمشتگین نے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اس سے ایک ہی روز پہلے ہمارا ایک ساتھی مشیر گمشتگین کے گھر میں ایک دعوت کے دوران پُراسرار طریقے سے قتل ہو گیا ہے۔ اگلے دِن معلوم ہوا کہ گمشتگین کے حرم کی ایک لڑکی اور اُس کا ایک باڈی گارڈ لاپتہ ہیں''۔

صلیبیوں کی اس کانفرنس میں قہقہہ بلند ہوا اور کچھ دیر تک سب ہنستے رہے۔ ریمانڈ نے کہا۔ ''یہ مسلمان قوم اس قدر جنسیت پسند ہو گئی ہے کہ اس کے حکمران، اُمراء اور وزراء جنگ اور سیاست کے فیصلے بھی جنسی لذت پرستی سے مغلوب ہو کر کرتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ گمشتگین جیسے جابر اور جنگجو قلعہ دار کی فوج کی اعلیٰ کمان جن دو سالاروں کے پاس تھی وہ دونوں اُس کے دشمن صلاح الدین ایوبی کے کیمپ کے سالار تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں نے تحفے میں آئی ہوئی لڑکیوں کی خاطر قاضی کو قتل کیا ہو گا اور لڑکیوں کو صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دیا ہو گا اور خود قید ہو گئے۔ گمشتگین

کے حرم کی جولڑکی لاپتہ ہوگئی ہے، وہ اُس محافظ نے بھگائی ہوگی اور ہمارا آدمی معلوم نہیں کس چکر میں قتل ہوگیا۔ مسلمان اُمراء، قلعہ داروں اور حاکموں کے حرموں کی مقید دُنیا بڑی ہی پُراسرار دُنیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ قوم عیش و عشرت اور لذت پرستی سے تباہ ہوگی''۔

''میں دو باتیں کہوں گا''۔ ایک اور صلیبی نے کہا۔ یہ صلیبی اپنی افواج کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس نے کہا۔ ''آپ نے کہا ہے کہ تحفے میں آئی ہوئی لڑکیاں حرن سے بھگا کر صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دی گئی ہوں گی۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔ میں جاسوسی کا ماہر ہوں۔ دشمن کے فوجی راز حاصل کرنے کے علاوہ میرے شعبے کا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ دشمن کے فوجی قائدین اور دیگر اعلیٰ حکام کے ذاتی کردار اور جنگی چالوں کے متعلق بھی معلومات حاصل کرے اور اپنی فوج کو آگاہ کرے۔ میں آپ کو پورے وثوق سے بتاتا ہوں کہ عورت اور شراب کے معاملے میں صلاح الدین ایوبی پتھر ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ آپ اُسے زہر دے کر نہیں مار سکتے، نہ اُسے کسی حسین لڑکی کے جال میں پھانس کر فدائیوں سے قتل کرا سکتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا اٹل اصول ہے کہ جو انسان ذہنی عیاشی کا عادی نہ ہو، اُس کا عزم پختہ ہوتا ہے اور جو مہم ہاتھ میں لیتا ہے، اُسے سر کر کے ہی دم لیتا ہے۔ آپ کے دشمن صلاح الدین ایوبی میں یہی خوبی ہے۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ اُس کا دماغ پورا کام کرتا ہے اور وہ ایسی ایسی چالیں چلتا ہے جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی اور آپ کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں، جہاں تک میں نے اُس کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسمانی ضروریات سے بے نیاز ہے۔ اُس نے یہی خوبی اپنی فوج میں پیدا کر رکھی ہے، ورنہ صحرا میں لڑنے والے سپاہی برف پوش وادیوں میں اور پہاڑوں پر اس یخ موسم میں کبھی نہ لڑ سکتے۔ جب تک آپ اپنے ہاں بھی یہی خوبی پیدا نہیں کریں گے، اپنے اس دشمن کو جسے آپ صلاح الدین ایوبی کہتے ہیں، کبھی شکست نہیں دے سکتے.....

''اور دوسری بات یہ ہے کہ دوسرے مسلمان اُمراء، وزراء اور حکمرانوں میں جو زن پرستی پیدا ہوگئی ہے، وہ میرے شعبے کا کمال ہے۔ یہودی دانشوروں نے ایک صدی سے زیادہ عرصے سے مسلمانوں کی کردار کشی کی مہم چلا رکھی ہے۔ یہ دراصل ان کی کامیابی ہے کہ ہم نے لڑکیوں اور زر و جواہرات کے ذریعے مسلمان سربراہوں کا کردار ختم کیا ہے۔ ہم تو انہیں اخلاقی لحاظ سے تباہ کرنے کے لیے حسین اور تیز طرار لڑکیاں باقاعدہ تربیت کے ساتھ اُن کے ہاں تحفے کے طور پر بھیجتے ہیں۔ ان بدبختوں نے آپس میں بھی لڑکیوں کو بطور تحفہ بھیجنا شروع کر دیا ہے۔ ان کے ہاں قومی کردار ختم ہو چکا ہے۔ یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان تفرقہ اور بادشاہی کا لالچ پیدا کر دیا ہے''۔

''اس قوم کو ہم اسی طرح ختم کریں گے''۔ ریجنالٹ نے کہا..... ''اور یہ قوم اپنے کردار کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی خوش ہو رہا ہوگا کہ اس نے ہمارے بھائی ریمانڈ کو پسپا کر دیا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ ریمانڈ میدانِ جنگ سے پسپا ہوا ہے۔ یہ تو اُس کی قوم کے سینے میں گھس گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم میدان میں ہی لڑیں، ہم کسی دوسرے محاذ پر بھی لڑ سکتے ہیں''۔

''اس مہم کو مزید تیز کرنے کی ضرورت ہے''۔ اُس مشیر نے کہا جو حرن سے گیا تھا۔ ''میں نے آپ کو گمشتگین کے اندرونِ خانہ کے واقعات سنائے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور تخریب کار صرف موجود ہی نہیں بلکہ گمشتگین کے گھر کے اندر اور اُس کی اعلیٰ کمان میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ہمیں اُن کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہیے''۔

''ہمیں کیا ضرورت ہے کہ گمشتگین اور سیف الدین اور الملک الصالح اور اُن کے متحدہ محاذ کے دوسرے اُمراء وغیرہ کو صلاح الدین ایوبی کی جاسوسی اور تباہ کاری سے بچائیں'' ۔ایک صلیبی کمانڈر نے کہا.... ہم تو ان کی تباہی کے عمل کو تیز کریں گے۔ یہ تباہی ہمارے ہاتھوں ہو یا اُن کے اپنے ہی کسی بھائی کے ہاتھوں۔ کیا آپ ان مسلمانوں کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں، سچے دِل سے اپنا دوست سمجھ بیٹھے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سچے صلیبی نہیں۔ آپ شاید ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ہماری دشمنی نور الدین زنگی کے ساتھ نہیں تھی، نہ ہی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی بھی میرے سامنے آ گیا تو میں اُس کا احترام کروں گا۔ وہ جنگجو ہے، میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے، تیغ زن ہے، ہماری دشمنی اس مذہب کے خلاف ہے، جسے اسلام کہتے ہیں۔ ہم ہر اُس آدمی کے خلاف لڑیں گے جو اس مذہب کا دفاع کرے گا اور جو اسے فروغ دے گا۔ ہمارے اور صلاح الدین ایوبی کے مرنے کے بعد یہ جنگ ختم نہیں ہو جائے گی۔ اسی لیے ہم مسلمانوں میں ایسی بُری عادتیں پیدا کر رہے ہیں جو ان کی آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوں گی۔ ہم ایسے طریقے اختیار کر رہے ہیں کہ مسلمان اپنی روایات کو بھول جائیں اور ہماری پیدا کردہ خوبیوں کے دلدادہ ہو جائیں''۔

''ہمیں ان کے اصل تہذیب و تمدن کو بگاڑنا ہے''۔ ریمانڈ نے کہا۔''ہم اُس دور میں زندہ نہیں ہوں گے۔ ہم دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ ہم نے کردار کی تباہ کاری کی مہم جاری رکھی تو وہ دور آئے گا کہ اسلام اگر زندہ رہا تو یہ اسلام کی بدروح ہوگی، جو بھٹکتی پھرے گی۔ مسلمان نام کے مسلمان ہوں گے۔ ان کی کوئی آزاد اسلامی مملکت رہ بھی گئی تو وہ گناہوں اور بدی کا گھر ہوگی۔ یہودی اور عیسائی دانشوروں نے اس قوم میں بدی کی محبت پیدا کر دی ہے''۔

''بہر حال اب ضرورت یہ ہے کہ وہ لوگ ہماری مدد کی توقع لیے بیٹھے ہیں''، صلیبی مشیر نے کہا۔ ''گمشتگین نے مجھے اسی لیے بھیجا ہے''۔

بہت دیر اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ فوجوں کی صورت میں انہیں کوئی مدد نہ دی جائے، مدد کا جھانسہ دیا جائے۔ انہیں یہ یقین دلایا جائے کہ وہ صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر کے اُسے الرستان کے اندر ہی لڑاتے رہیں اور ہم اپنی فوجیں اُس کے کسی نازک مقام پر لے جا کر اُسے مجبور کر دیں گے کہ وہ الرستان سے پسپا ہو جائے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ حلب، حرن اور موصل کی فوجوں کے لیے اس مشیر کے ہمراہ کمانوں اور تیروں کا اور آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھیج دیا جائے۔ اس کے علاوہ پانچ سو گھوڑے بھی بھیج دیئے جائیں، لیکن یہ خیال رکھا جائے کہ زیادہ تعداد ایسے گھوڑوں کی ہو جو ہماری فوج کے کام کے نہیں رہے۔ بظاہر تندرست ہوں۔

''اور آئندہ یوں کیا جائے کہ ان اُمراء وغیرہ کو تھوڑا تھوڑا اسلحہ دیا جاتا رہے''۔ ریجنالٹ نے کہا''۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں عیاشی کی طرف مائل کیا جائے۔ انہیں یہ تاثر دیا جائے کہ انہیں جب بھی اسلحہ اور گھوڑوں کی ضرورت ہوگی، وہ ہم پوری کر دیں گے۔ اس طرح وہ خود اپنی ضرورت پوری کرنے سے غافل ہو جائیں گے اور ہمارے محتاج رہیں گے۔ اس مدد سے اور اپنے مشیروں کی وساطت سے ہم اُن کے دلوں اور دماغوں پر غالب آ جائیں گے''۔

''انتہائی ضروری بات تو رہ گئی ہے''۔ ایک کمانڈر نے کہا۔''شیخ سنان کے بھیجے ہوئے فدائی چلے گئے ہیں۔ اب کے اُمید ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیں گے۔ وہ حلف اُٹھا کر گئے ہیں، اس میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ جان پر کھیل کر اُسے قتل کریں گے، ورنہ وہ زندہ واپس نہیں آئیں گے''۔

اُسی روز پانچ سو گھوڑے، ہزار ہا کمانیں اور لکھوکھہا تیر اور آتش گیر مادے کے سربمہر مٹکے حلب کو اس پیغام کے

ساتھ روانہ کر دیئے گئے کہ اس ٹھوس مدد کا سلسلہ جاری رہے گا اور صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کر دیا جائے''۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس سب سے پہلے انطانون اور فاطمہ پہنچے۔ فاطمہ گمشتگین کے حرم کی وہ لڑکی تھی جس نے ایک صلیبی مشیر کو قتل کیا اور انطانون نام کے محافظ کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ انطانون سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس تھا جو جذبات سے مغلوب ہو گیا تھا، اسی لیے وہ گرفتار ہوا تھا۔ یہ تو سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کی بدولت تھا کہ اُسے دھوکے سے بھگا دیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا سربراہ حسن بن عبداللہ تھا جو انطانون اور فاطمہ کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ انطانونی نے اپنی واردات من وعن سنادی جو سلطان ایوبی کو پسند نہ آئی لیکن اُسے اس لیے معاف کر دیا گیا کہ وہ کامیابی سے گمشتگین کے محافظ دستے میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس نے دوسرا کارنامہ یہ کیا تھا کہ اُس نے فاطمہ کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے حرم تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ سلطان ایوبی نے انطانون کے متعلق حکم دیا کہ اسے فوج میں بھیج دیا جائے، کیونکہ جاسوسی کے نازک کام کے لیے اس کے جذبات پختہ نہیں ہیں۔ فاطمہ کو دمشق بھیج دینے کا حکم دیا گیا۔

''میں انطانون کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں''۔ فاطمہ نے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''لیکن شادی دمشق میں ہوگی۔ میدانِ جنگ شہادت کے لیے ہے، شادی کے لیے نہیں''۔

''سلطانِ محترم!'' انطانون نے کہا۔ ''میں نے آپ کو ناراض کیا ہے۔ میں اپنے لیے یہ سزا تجویز کرتا ہوں کہ میں جب تک سلطان کو خوش نہ کر لوں، میں شادی نہیں کروں گا''۔ اُس نے فاطمہ سے کہا۔ ''تم سلطان کے حکم کے مطابق دمشق چلی جاؤ۔ وہاں تمہارے رہنے کا بہت اچھا انتظام ہے۔ تمہاری شادی میرے ساتھ ہی ہوگی''۔ اُس نے سلطان ایوبی سے کہا۔ ''میری یہ عرض مانی جائے کہ میں آپ کے کسی چھاپہ مار دستے میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے شب خون مارنے کی تربیت حاصل کر رکھی ہے''۔

اُسے ایک چھاپہ مار دستے میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے فاطمہ کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

دوسرے دن جب فاطمہ دمشق بھیجا جانے لگا تو وہ لڑکیاں پہنچ گئیں جو الملک الصالح نے گمشتگین کو تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ اُن کے ساتھ سالار شمس الدین اور شاد بخت کے بھیجے ہوئے دو آدمی تھے۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ حرن میں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دونوں سالاروں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ لڑکیوں نے سلطان ایوبی کو اپنی کہانی سنائی۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ فلسطین کے مسلمان آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں؟'' ایک لڑکی نے کہا۔ ''وہاں کی لڑکیاں آپ کے گیت گاتی ہیں۔ مسجدوں میں آپ کی فتح کی دعائیں مانگی جاتی ہیں''۔ اُس نے پوری تفصیل سے سنایا کہ مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے اور اُن کے لیے دُنیا جہنم بنا ڈالی ہے۔

''وہاں ہماری بچیوں کی نہیں، ہماری عظمت کی عصمت دری ہو رہی ہے''۔ دوسری لڑکی نے کہا۔ ''میں تو یہ کہوں گی کہ قوم کی عظمت کی عصمت دری ہمارے اپنے حکمران کر رہے ہیں۔ ہمیں اُن کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا۔ ہم نے انہیں خدا کے واسطے دیئے اور بتایا کہ ہم اُن کی بیٹیاں ہیں مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ انہوں نے ہمیں ایک دوسرے کی

طرف تحفے کے طور پر بھیجنا شروع کر دیا''۔

''فلسطین کے راستے میں بھی وہی حائل ہیں'' ۔ سلطان ایوبی نے کہا۔''میں گھر سے فلسطین پہنچنے کے لیے ہی نکلا تھا مگر میرے بھائی میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ تم اب محفوظ ہو۔ ایک لڑکی پہلے بھی یہاں آئی ہے۔ اُسے دمشق بھیجا جا رہا ہے، تم بھی اُسی کے ساتھ دمشق جا رہی ہو''۔

''ہم اپنی عصمت کا انتقام لینا چاہتی ہیں'' ۔ایک لڑکی نے کہا۔''ہمیں یہیں رکھا جائے اور ہمیں کوئی فرض سونپا جائے۔ ہم اب کسی حرم میں یا کسی گھر میں قید نہیں ہونا چاہتیں''۔

''ابھی ہم زندہ ہیں'' ۔ سلطان ایوبی نے کہا۔''تم دمشق چلی جاؤ۔ وہاں تمہیں کوئی قید نہیں کرے گا، وہاں لڑکیاں کئی اور طریقوں سے ہماری مدد کر رہی ہیں، وہاں تمہیں کوئی فرض سونپ دیا جائے گا''۔

لڑکیوں کو رخصت کر کے سلطان ایوبی بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اُس وقت حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی نے کہا۔''مصر سے ابھی کمک نہیں پہنچی۔ اگر تینوں فوجیں ہم پر حملے کے لیے آ گئیں تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کو معلوم نہیں کہ میرے پاس فوج کم ہے اور میں کمک کا انتظار کر رہا ہوں۔ اگر اُن کی جگہ میں ہوتا تو میں فوراً حملہ کر دیتا اور دشمن کی کمک اور رسد کا راستہ میں روک لیتا''۔

''مصر سے کمک آ ہی رہی ہو گی'' ۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔''محترم العادل ایسے تو نہیں کہ وقت ضائع کریں گے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دشمن نے ہماری کمک کا راستہ روکا ہوا نہیں''۔

تمام مورخ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر سلطان ایوبی بڑی نازک اور پُر خطر صورتِ حال میں تھا۔ وہ مصر سے کمک کا انتظار کر رہا تھا۔ اگر اس وقت الملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کی مشترکہ فوج اُس پر حملہ کر دیتی تو اسے آسانی سے شکست دی جا سکتی تھی، کیونکہ اُس کے پاس فوج تھوڑی تھی۔ پہاڑی علاقے میں وہ صحرا کی چالیں نہیں چل سکتا تھا، لیکن اُس کے دشمن نہ جانے کیا سوچتے رہے۔ صلیبی اُس پر حملہ کرنے کی بجائے مسلمان اُمراء کو اس کے خلاف لڑانا چاہتے تھے۔ انہوں نے بھی نہ دیکھا کہ سلطان ایوبی مجبوری کی حالت میں بیٹھا اللہ سے دُعائیں مانگ رہا ہے کہ اس حالت میں دشمن اُس پر ہلہ نہ بول دے۔ وہ تو اس قابل بھی نہیں تھا کہ پانی کی اُس ندی کی حفاظت کر سکتا جس سے اُس کی فوج کے گھوڑے اور اونٹ پانی پیتے تھے۔ صلیبی یا اُس کے مسلمان دشمن اگر عقل سے کام لیتے تو چھاپہ ماروں کے ذریعے اُس کی کمک اور رسد کا راستہ روک سکتے تھے یا کمک کی رفتار سست کر سکتے تھے۔ سلطان ایوبی نے اُس راستے کو گشتی چھاپہ ماروں کے ذریعے محفوظ رکھا ہوا تھا۔

قاضی بہاؤالدین شداد جو اُس وقت کا عینی شاہد اور مبصر ہے، اپنی یادداشتوں ''سلطان یوسف (صلاح الدین ایوبی) پر کیا افتاد پڑی'' میں لکھتا ہے۔''اگر خدا انہیں (دشمنوں) کو فتح دینا چاہتا تو وہ سلطان ایوبی پر اُس وقت حملہ کر دیتے، مگر خدا جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے، وہ ذلیل ہو کے رہتا ہے۔ (قرآن ۸/۴۳)۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو اتنا وقت دے دیا کہ مصر سے کمک پہنچ گئی۔ سلطان نے اسے اپنی فوج میں مدغم کر کے اپنی مورچہ بندی کو نئی ترتیب دے لی اور حملے سے پہلے اُس نے تمام تر گھوڑوں کو پانی بھی پلایا اور پانی کا ذخیرہ بھی کر لیا''۔

سلطان ایوبی کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ رات کو سوتا بھی نہیں تھا۔ اُس نے جہاں جہاں اپنی مختصر سی فوج مورچہ بند کر رکھی تھی، وہاں جاتا، غور کرتا اور اپنی سکیم کے مطابق یقین کر لیتا تھا کہ اُس کے یہ تھوڑے سے سپاہی دشمن کا حملہ روک لیں گے۔ قرونِ حماۃ میں جہاں ایک پہاڑی سینگوں کی طرح دو حصوں میں بٹ جاتی تھی، اُس نے دشمن کے لیے پھندا تیار

رکھا ہوا تھا، مگر اُس کا مسئلہ یہ تھا کہ اس جگہ اتنی تھوڑی نفری سے وہ صرف دفاعی جنگ لڑ سکتا تھا۔ جوابی حملہ جو جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے ضروری ہوتا ہے، ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے جاسوسوں نے اُسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ صلیبی کوشش کریں گے کہ مسلمان اُمراء کو سلطان ایوبی کے خلاف اس طرح لڑایا جائے کہ جنگ طول پکڑ جائے تاکہ سلطان ایوبی پہاڑی علاقے سے باہر نہ نکل سکے اور محصور ہو کر دفاعی جنگ لڑتا لڑتا ختم ہو جائے۔

اُس کے جاسوس اُسے یہ نہیں بتا سکے تھے کہ نو فدائی اُسے قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ اُس کی نظر اپنی جان پر نہیں میدانِ جنگ پر تھی۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے دُور دُور تک آدمی پھیلا رکھے تھے۔

اس سے دوسرے ہی دن حرن سے سلطان ایوبی کا ایک جاسوس آیا جس نے اطلاع دی کہ سالار شمس الدین اور سالار رشاد بخت کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے قاضی ابن الخاشب کو قتل کر دیا ہے۔ جاسوس کو قتل کی وجہ کا علم نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ اُس نے بہت سی اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اُسے معلوم تھا کہ گمشتگین کی فوج کی کمان اِن دونوں کے ہاتھ ہوگی اور اُن کی فوج لڑے بغیر تتر بتر کر دی جائے گی۔ جاسوس نے یہ اطلاع بھی دی کہ اب میدانِ جنگ میں فوج کی کمان گمشتگین خود کرے گا اور یہ بھی کہ وہ اپنی فوج مشترکہ کمان میں دے رہا ہے۔

''حسن بن عبداللہ!'' سلطان ایوبی نے کہا۔ ''یہ دونوں بھائی زیادہ دن قید میں نہ رہیں۔ اس آدمی (جاسوس) سے معلوم کرو کہ حرن میں اپنے کتنے آدمی ہیں اور کیا وہ ان دونوں سالاروں کو قید خانے سے فرار کرا سکتے ہیں؟۔ مجھے ڈر ہے کہ ان دونوں کو گمشتگین قتل کرا دے گا۔ اُسے پتا چل گیا ہوگا کہ یہ دونوں سالار میرے جاسوس ہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتا کہ حرن کو جا کر محاصرے میں لوں اور قلعہ سر کر کے انہیں رہا کرواؤں۔ پیشتر اس کے کہ گمشتگین کوئی اوچھا فیصلہ کر بیٹھے، انہیں اُس کے قید خانے سے آزاد کراؤ۔ میں دو سالاروں کے لیے اپنے دو سو چھاپہ ماروں کو مروانے کے لیے تیار ہوں۔ حرن میں اپنے آدمیوں کی کمی ہو تو یہاں سے چھاپہ مار بھیجو''۔

''بندوبست ہو جائے گا''۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔

☆

حلب چونکہ سلطان ایوبی کے مخالفین کا مرکز بن گیا تھا، اس لیے صلیبیوں نے جو تیر و کمان، آتش گیر مادے کے مٹکے اور گھوڑے مدد کے طور پر بھیجے تھے، وہ حلب لے جائے گئے۔ حلب والوں میں صلیبیوں نے یہ خوبی بھی دیکھی تھی کہ انہوں نے سلطان ایوبی کے محاصرے کا مقابلہ بڑے ہی بے جگری سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ حلب سلطنت کی گدی بھی بن گیا تھا۔ صلیبی مشیروں نے موصل میں سیف الدین کو اور حرن میں گمشتگین کو پیغام بھیجے کہ اُن کی مشترکہ فوج کے لیے مدد آ گئی ہے اور وہ فوراً حلب میں آ جائیں۔ مورخین کے مطابق اُن کی ملاقات حلب شہر سے باہر ایک ہرے بھرے مقام پر ہوئی جہاں تینوں میں ایسا معاہدہ ہوا جو تحریر میں نہ لایا گیا۔ معاہدے کو آخری شکل صلیبی مشیروں نے دی۔

اُس وقت موصل کے قید خانے میں خطیب ابن المخدوم حسبِ معمول دیئے کی روشنی میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا۔ اُس کی بیٹی صاعقہ اُسی مکان کے ایک کمرے میں تھی جہاں اُسے تھیلے میں ڈال کر لے جایا گیا تھا، جس باڈی گارڈ کو اُس کے ساتھ پکڑا گیا تھا، وہ دوسرے کمرے میں بند تھا۔ اس مکان میں اُن کے صرف دو آدمی تھے جو صاعقہ اور باڈی گارڈ کو اُٹھا لائے تھے۔ اُن کے باقی ساتھی قید خانے کی دیوار کے ساتھ باہر کی طرف لگے کھڑے تھے۔ دیوار کا بالائی حصہ قلعے

کی دیوار کی طرح تھا، جس میں مورچے سے بنے ہوئے تھے۔ دیوار پر سنتری گھوم پھر رہے تھے۔ اُن کی تعداد زیادہ نہیں تھی، وہ عہدے دار جس نے خطیب کو فرار کرانے کا وعدہ کیا تھا، دیوار پر چلا گیا۔ وہ سنتریوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ اُس نے اُس دیوار والے سنتری کو جس کے نیچے آدمی کھڑے تھے، بلایا اور اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔

اُس نے کوئی اشارہ کیا۔ نیچے چھپے ہوئے آدمیوں نے رسہ اوپر پھینکا۔ رسّے کا سرا ایک مضبوط ڈنڈے کے درمیان میں بندھا ہوا تھا اور ڈنڈے پر کپڑے لپیٹ دیئے گئے تھے تاکہ اوپر دیوار پر گر کر زیادہ آواز نہ پیدا کرے۔ ڈنڈا اوپر جا کر اٹک گیا۔ ایک تو اندھیرا تھا، دوسرے عہدے دار سنتری کو دُور لے گیا تھا۔ چار آدمی رسّے کے ذریعے اُوپر چڑھ گئے۔ یہی رسہ اُوپر کھینچ کر اندر کی طرف نیچے گرا دیا گیا۔ چاروں نے خنجر نکال کر اپنے اپنے منہ میں پکڑ لیے اور رسے سے نیچے اُتر گئے۔ انہیں عہدے دار نے اندر کا نقشہ سمجھا رکھا تھا۔ اندر کچھ روشنی تھی۔ کہیں کہیں مشعلیں جل رہی تھیں۔ کوٹھڑی کی ایک قطار کے آگے برآمدہ تھا جس میں ایک سنتری ٹہل رہا تھا۔ یہ چاروں چھپ گئے۔ سنتری اُن کی طرف آیا تو ایک آدمی نے کہا۔ ''اِدھر آنا بھائی''۔ وہ جونہی اُدھر گیا، دو آدمیوں کی گرفت میں آ گیا۔ دل پر خنجر کے دو وار کام کر گئے۔

چاروں آدمی چھپ چھپ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک خاصا آگے تھا۔ باقی تین بکھر کر چھپتے چھپاتے اُس کے پیچھے جا رہے تھے۔ قید خانے کے اُس حصے میں پہنچ گئے جو گولائی میں تھا۔ خطیب کی کوٹھڑی اسی حصے میں تھی۔ آگے جانے والا آدمی اس کوٹھڑی تک پہنچ گیا۔ خطیب نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اُس نے قرآن بند کیا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف آیا۔ اُس آدمی کے ہاتھ میں بڑی سی ایک چابی تھی۔ یہ عہدے دار نے ایک لوہار سے بنوائی تھی۔ اُسے قید خانے کی چابیوں سے پوری طرح واقفیت تھی۔ اُس آدمی نے تالے میں چابی لگائی تو تالا کھل گیا۔ دوسرے لمحے خطیب کوٹھڑی سے باہر تھا۔ وہ واپس چل پڑے۔

دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور یہ آواز...... ''ٹھہر جا، کون ہے؟''...... اِدھر سے اُسے کہا گیا...... ''بھاگ کے آ دوست''۔ یہ آواز اندھیرے سے اُبھری تھی۔ وہ جوں ہی اس جگہ پہنچا ایک خنجر اُس کے دل میں اُتر گیا۔ وہ آگے کو جھکا تو اُس کی پیٹھ کی طرف سے ایک اور خنجر اُس کے دل تک جا پہنچا۔ خطیب کو رسے تک لے آئے۔ سب سے پہلے ایک آدمی اوپر چڑھا، پھر خطیب اوپر آیا۔ عہدے دار نے سنتری کو ابھی تک کہیں دُور باتوں میں اُلجھا رکھا تھا۔ وہ سب اُوپر آئے پھر رسہ کھینچ کر باہر کی طرف پھینکا اور سب نیچے اُتر گئے۔ عہدے دار کو قید خانے کے باہر سے ایک گیدڑ کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے سنتری کو دوسری طرف بھیج دیا اور خود وہاں آیا جہاں رسہ لٹک رہا تھا۔ وہ تیزی سے رسہ اُتر گیا۔

یہ سب اُس مکان میں چلے گئے جہاں صائقہ اور باڈی گارڈ تھے۔ اپنے باپ کو دیکھ کر صائقہ کے جذبات بے قابو ہو گئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو مُوصل سے میلوں دُور چار گھوڑے جا رہے تھے۔ ایک پر خطیب سوار تھا، دوسرے پر صائقہ، تیسرے پر قید خانے کا عہدے دار اور چوتھے پر ایک اور آدمی۔ یہ آدمی سلطان ایوبی کے جاسوسوں میں سے تھا۔ وہ باڈی گارڈ کو پکڑ کر لانے والی پارٹی میں بھی تھا۔ اُسی نے باڈی گارڈ سے بڑے قیمتی راز اُگلوائے تھے۔ وہ جب مُوصل سے بہت دُور پہنچ گئے تھے، اُس وقت باڈی گارڈ کی لاش اُسی مکان میں کہیں دفن کی جا چکی تھی۔ رات کو جب یہ پارٹی فرار ہوئی تھی، باڈی گارڈ کو قتل کر دیا گیا تھا۔

اس وقت قید خانے میں بھی قیامت بپا ہو چکی تھی۔ اندر دو سنتریوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ خطیب غائب تھا۔ عہدے دار کا بھی کسی کو علم نہ تھا کہ کہاں چلا گیا ہے اور دیوار کے ساتھ باہر کی طرف ایک رسہ لٹک رہا تھا۔ والیٔ موصل کے

ہاں تو ایک روز پہلے سے ہی یہ قیامت بپا ہو چکی تھی کہ سیف الدین نے یہ حکم دے دیا تھا کہ اُس کا باڈی گارڈ صاعقہ کو قید خانے کے بہانے کسی اور جگہ لے جانے اور اُس تک پہنچانے کے لیے گیا تھا، لیکن لڑکی اتنی خوب صورت تھی کہ باڈی گارڈ کی نیت خراب ہو گئی اور وہ اُسے کہیں بھگا لے گیا۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ باڈی گارڈ کو لڑکی سمیت پکڑ لیا گیا ہے۔

☆

حرن کے قید خانے میں سالار شمس الدین اور شاد بخت قید تھے۔ سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ انہیں وہاں سے نکالنے کا بندوبست کیا جائے، لیکن انہوں نے حرن میں اپنا جو گروہ تیار کر رکھا تھا، وہ پہلے ہی بندوبست کر چکا تھا۔ ان سالاروں نے فوج اور انتظامیہ کی ہر سطح پر ایک ایک دو آدمی داخل کر رکھے تھے۔ سالاروں کے فرار میں دشواری یہ تھی کہ انہیں قید خانے کے تہ خانے میں رکھا گیا تھا۔ وہاں سے نکالنے کے لیے کوئی خصوصی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔

خدا نے اُن کی مدد کی۔ گمشتگین کو حلب سے بلاوا آگیا اور وہ اپنے اعلیٰ حکام، مشیروں اور محافظوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گا۔ شمس الدین اور شاد بخت کی گرفتاری کے متعلق صرف گمشتگین کے قریبی حلقوں کو علم تھا۔ قاضی کے قتل کو بھی شہرت نہیں دی گئی تھی۔ فوج تک کو ابھی معلوم نہ تھا کہ اُن کے دو اعلیٰ کمانڈروں کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔

گمشتگین کے جانے کے ایک روز بعد قید خانے کے داروغہ نے دیکھا کہ تین گھوڑ سوار گھوڑے دوڑاتے آرہے ہیں۔ وہ گرد سے باہر آئے تو اُس نے دیکھا کہ ان کے ساتھ دو گھوڑے خالی ہیں۔ دن کا وقت تھا۔ گھوڑے قید خانے کے دروازے پر آ کر رُک گئے۔ ایک سوار نے حرن کی فوج کا جھنڈا بھی اُٹھا رکھا تھا۔ یہ جھنڈا میدانِ جنگ میں سالارِ اعلیٰ کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان سواروں میں ایک کمان دار تھا اور دوسرے دو سوار سپاہی تھے۔ وہ محافظ دستے کے معلوم ہوتے تھے۔ قید خانے کا داروغہ جو بڑے دروازے کی سلاخوں میں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کمان دار کو جانتا تھا، وہ باہر آگیا۔ کمان دار سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں؟

''بادشاہوں کے حکم نرالے ہوتے ہیں'' ...... کمان دار نے کہا ...... ''شراب کے نشے میں ان سالاروں کو قید میں ڈال دیا جن کے بغیر فوج ایک قدم نہیں چل سکتی۔ اب حکم ملا ہے کہ دونوں کو قید خانے سے نکالا جائے''۔

''آپ دونوں سالاروں کو لینے آئے ہیں؟'' ...... داروغہ نے پوچھا۔

''ہاں!'' کمان دار نے کہا ...... ''انہیں جلدی لے جانا ہے''۔

''آپ کے پاس قلعہ دار امیر گمشتگین کا تحریری حکم نامہ ہے؟'' ...... داروغہ نے کہا ...... ''وہ تو کہیں باہر چلے گئے ہیں''۔

''میں وہیں سے آیا ہوں'' ...... کمان دار نے کہا ...... ''میں رات کو ہی آگیا تھا۔ انہیں اب تحریری حکم نامہ جاری کرنے کا ہوش نہیں رہا۔ ہماری فوج حلب اور موصل کی فوجوں کے ساتھ مل کر سلطان ایوبی پر حملہ کرنے جا رہی ہے۔ اگر ہم نے وقت ضائع کر دیا تو ایوبی حملہ کر دے گا۔ خطرہ بڑھ گیا ہے۔ گمشتگین اسی سلسلے میں حلب گیا ہے۔ اُسے جو خطرہ نظر آرہا ہے، اس نے اُس کے ہوش ٹھکانے کر دیئے ہیں۔ اسے احساس ہو گیا ہے کہ ان دو سالاروں کے بغیر وہ لڑ نہیں سکے گا۔ اس نے مجھے حلب کے راستے پر واپس دوڑا دیا کہ اُن دونوں کو ان کے جھنڈے کے ساتھ پورے اعزاز سے لاؤ۔ اسی حکم کے تحت ہم اُن کا جھنڈا اور گھوڑے لائے ہیں''۔

داروغہ اسے اندر لے گیا۔ دونوں سپاہی بھی ساتھ چلے گئے۔ وہ تہ خانے میں گئے۔ سالار دو مختلف کوٹھڑیوں میں بند

تھے۔ پہلے ایک سالار کو نکالا گیا۔ کمان دار نے اُسے فوجی انداز سے سلام کر کے کہا..... ''امیر حرن گمشتگین نے آپ کی رہائی کا حکم بھیجا ہے۔ آپ کا گھوڑا اور آپ کا ذاتی محافظ ہمارے ساتھ ہے۔ آپ کے لیے حکم ہے کہ تیار ہو کر فوراً حلب پہنچیں۔

''معلوم ہوتا ہے، شراب کا نشہ اُتر گیا ہے'' ..... سالار نے کہا۔

''میری حیثیت ایسی نہیں کہ آپ کی رائے کی تائید یا تردید کر سکوں'' ..... کمان دار نے کہا..... ''میرا کام حکم پہنچانے اور آپ کے ساتھ جانے تک محدود ہے''۔

درواغہ نے اُن کی باتیں غور سے سنیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی گڑبڑ نہیں، لیکن دوسرے سالار کو نکالنے لگے تو داروغہ کو شک ہو گیا۔ اس سالار نے کمان دار کو دیکھا تو جذبات سے مغلوب ہو کر بولا ..... ''تم آ گئے؟ سب ٹھیک ہے؟'' ..... اُس نے داروغہ کی موجودگی کو نظر انداز کر دیا تھا۔ داروغہ اناڑی نہیں تھا۔ اُس کی عمر قید خانے میں گزری تھی۔ اُس نے کوٹھڑی کا تالا کھول دیا تھا۔ دروازہ کھلنا باقی تھا۔ اس نے تالا پھر چڑھا دیا اور بولا۔ ''تحریری حکم نامے کے بغیر میں انہیں رہا نہیں کروں گا''۔

کمان دار نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس سے چابی چھین لی۔ دو سپاہی جو سالاروں کے باڈی گارڈ بن کے آئے تھے، داروغہ کی پیٹھ کے ساتھ لگ گئے۔ دونوں نے خنجر نکال کر ان کی نوکیں اُس کی پیٹھ پر رکھ دیں۔ کمان دار نے اُسے سرگوشی میں کہا..... ''تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار جانبازوں کے قبضے میں ہو۔ تم جانتے ہو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار کیا کیا کرتے ہیں۔ اونچی آواز نہ نکلے''۔

کمان دار نے دروازہ کھولا۔ داروغہ کو دھکیل کر اس طرح کوٹھڑی میں لے گئے کہ قریب سے گزرنے والوں کو بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی جرم ہو رہا ہے۔ اندر لے جا کر اُسے سلاخوں والے دروازے سے پرے کر لیا گیا۔ ایک سپاہی نے بڑی تیزی سے ایک رسی جو بمشکل پون گز لمبی تھی، اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر رسی کو مروڑا اور دو تین جھٹکے دیئے۔ داروغہ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ ٹھنڈا ہو گیا تو اُسے پتھر کے اُس چوڑے بنچ پر ڈال دیا گیا جس پر قیدی سویا کرتے تھے۔ لاش پر کمبل ڈال دیا گیا۔ اس سالار نے بے موقع جذباتی ہو کر یہ مشکل پیدا کر دی تھی۔

ان لوگوں نے باہر نکل کر دروازے پر تالا چڑھا دیا اور چابی اپنے ساتھ لے گئے۔ باہر کے دروازے کی چابیاں داروغہ کے پاس تھیں۔ وہ بھی اس سے چھین لی گئی تھیں۔ یہ پارٹی وہاں سے چلی۔ تہ خانے سے اوپر آئی تو نیچے کے سنتری نے جا کر خالی کوٹھڑیوں کو دیکھنا چاہا۔ وہ دُور سے دیکھ رہا تھا کہ قید خانے کا داروغہ دو قیدیوں کو رہا کر رہا تھا۔ سنتری یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس نے دونوں قیدی سالاروں کو باہر جاتے دیکھا ہے، لیکن ایک کوٹھڑی میں ایک قیدی پڑا ہے۔ اس پر چونکہ کمبل پڑا تھا، اس لیے وہ پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ دوسری کوٹھڑی خالی تھی۔ اس نے کمبل میں لپٹے ہوئے قیدی کو آوازیں دیں مگر وہ نہ بولا۔ دروازہ مقفل تھا۔ سنتری نے سلاخوں میں سے برچھی اندر کی۔ اس کی نوک قیدی تک پہنچ گئی۔ اس نے نوک قیدی کو چبھوئی۔ وہ پھر بھی نہ اُٹھا۔ برچھی سے اُس نے کمبل ہٹا کر اُس کا چہرہ ننگا کر دیا۔ یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ وہ تو قید خانے کا درواغہ تھا۔ آنکھوں اور چہرے سے صاف پتا چلتا تھا کہ وہ مرا ہوا ہے۔

اُس نے وہیں سے چلانا شروع کر دیا..... ''خبردار، خبردار، قیدی نکل گئے'' ..... وہ اُوپر کو دوڑا۔ اُس کی پکار پر نقارہ بجنے لگا۔ یہ الارم تھا۔ اُس وقت فرار ہونے والی پارٹی بڑے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ سنتری دوڑا آ رہا تھا۔ بڑے گیٹ کی چابیاں کمان دار کے پاس تھیں۔ انہوں نے قدم تیز کر دیئے اور اندرونی تالے کو چابی لگائی۔ سنتری نے دور سے کہا..... ''انہیں روک لو۔ داروغہ کوٹھڑی میں مرے ہوئے ہیں''۔

نقارے کی آواز پر قید خانے کے تمام سنتری اپنی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے۔ باہر کی گارد دوڑی آئی۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ چونکہ یہ خطرے کا الارم تھا۔ اس لیے باہر سے آنے والی گارد کی نفری ٹریننگ کے مطابق بہت تیزی سے دروازے میں داخل ہوئی۔ سب سے بڑا خطرہ یہ ہوا کرتا تھا کہ قیدیوں نے بغاوت کر دی ہوگی یا کہیں آگ لگ گئی ہوگی۔ وہ سنتری جو چیختا چلاتا آرہا تھا، باہر سے آنے والے والی گارد کے سیلاب میں گم ہوگیا۔ اس ہڑبونگ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فرار ہونے والے باہر نکل گئے۔ گھوڑے باہر کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے، لیکن گھوڑے گھوم کر چلے تو کسی نے انہیں للکارا...... ''رُک جاؤ، مارے جاؤ گے'' ......انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگادی۔ پیچھے سے ایک ہی بار تیروں کی بوچھاڑ آئی۔ دو تیر کمان دار کی پیٹھ میں اُتر گئے۔ اور ایک تیر ایک سالار کے گھوڑے کے پچھلے حصے میں لگا۔ کمان دار نے جسم میں دو تیر لے کر بھی اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ سالار شمس الدین کا گھوڑا تیر کھا کر بدکا۔ شمس الدین نے اُسے سنبھالنے کی کوشش کی اور اُسے کمان دار کے گھوڑے کے قریب لے جا کر اُس کے گھوڑے پر کود گیا۔ کمانڈ آگے کو جھک گیا۔ شمس الدین نے اس کے ہاتھ سے باگیں لے لیں۔ پیچھے سے اور تیر آئے، لیکن گھوڑوں کی رفتار اچھی تھی، زد سے نکل گئے۔

انہوں نے پیچھے دیکھا۔ قید خانہ دُور رہ گیا تھا، لیکن دس بارہ گھوڑ سوار اُن کے تعاقب میں گھوڑے دوڑا چکے تھے۔ آگے علاقہ کھلا تھا۔ آبادی دوسری طرف تھی۔ فرار ہونے والے والوں نے گھوڑوں کو انتہائی رفتار پر ڈال دیا۔ ان کے پاس ہتھیاروں کی کمی تھی۔ دونوں سالار نہتے تھے۔ کمان دار شہید ہو رہا تھا۔ وہ مقابلہ کرنے کی حالت میں نہیں تھا۔ آگے چٹانیں اور ٹیلے آگئے۔ ایک سالار نے کہا...... ''بکھر جاؤ۔ اکیلے اکیلے ہو جاؤ'' ...... وہ منجھے ہوئے سوار تھے۔ تعاقب کرنے والے ابھی دُور تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ فرار ہونے والے ایک دوسرے سے دُور دُور ہو کر چٹانوں میں غائب ہو گئے ہیں۔ وہ سست پڑ گئے اور نکلنے والے نکل گئے۔

گناہوں کا کفارہ

اس وقت حلب کے باہر تینوں مسلمان امراء کی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی برخاست ہوئی۔ انہوں نے سلطان پر حملے کا پلان بنالیا تھا۔ زیادہ تر عقل صلیبی مشیروں کی استعمال کی گئی تھی۔ انہوں نے یہ بھی طے کیا تھا کہ تینوں فوجوں کی ترتیب کیا ہوگی۔ حملے کے لیے گمشتگین کی فوج کو آگے رکھنا تھا۔ اس کے پہلوؤں کی حفاظت کی ذمہ داری حلب کی فوج کی تھی اور پہلے حملے کے بعد دوسرا حملہ جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے جوابی حملے کو روکنے کے لیے کرنا تھا، سیف الدین کے سپرد کیا گیا تھا۔ سیف الدین نے اس متحدہ محاذ کو یہ دھوکہ دیا کہ وہ اپنی فوج کا ایک حصہ اپنے بھائی عزالدین مسعود کی کمان میں چھوڑ آیا تھا۔ مشترکہ کمان کو اس نے یہ بتایا تھا کہ یہ محفوظ ہے جسے وہ ہنگامی حالات میں استعمال کرے گا، مگر اپنے بھائی کو اس نے کہا تھا کہ وہ حلب اور حرن کی فوجوں کی کیفیت دیکھ کر آگے آئے۔ اگر جنگ کی حالت ہمارے خلاف ہوگئی تو محفوظہ کو موصل کے دفاع میں استعمال کیا جائے اور اگر جوابی حملے میں شریک ہونا ہی پڑا تو یہ شرکت ایسی ہو کہ موصل کا اور اپنے مفاد کا زیادہ خیال رکھا جائے۔

ماہ رمضان شروع ہو چکا تھا۔ ان تینوں فوجوں میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ جنگ کے دوران روزے کی کوئی پابندی نہیں۔ تین چار روز بعد تینوں افواج اپنے اپنے شہر سے کوچ کر گئیں۔ انہیں رون حماۃ کے قریب آ کر اکٹھے ہونا اور حملے کی ترتیب میں آنا تھا۔

اس کوچ سے دو روز پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی مورچہ بندی دیکھ رہا تھا جب اسے اطلاع ملی کہ حرن سے دو سالار مفرور ہو کر آئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک لاش ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ وہاں جا کر وہ گھوڑے سے کود کر اترا اور دونوں سالاروں کو گلے لگایا۔ پھر دونوں سپاہیوں سے گلے ملا۔ یہ دونوں اس کے نامور چھاپہ مار جاسوس تھے۔ کماندار بھی اس کا جاسوس تھا اور ایک عرصے سے گمشتگین کی فوج میں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے لاش کے گالوں کا بوسہ لیا اور حکم دیا کہ لاش دمشق بھیج دی جائے اور شہیدوں کے قبرستان میں دفن کی جائے۔

''آپ یہاں بیٹھے کیا سوچ رہے ہیں؟''......سالار شمس الدین نے اپنی بپتا سنانے سے پہلے جنگی باتیں شروع کر دیں۔

''میں کمک کا انتظار کر رہا ہوں''......سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا کہ گذشتہ رات اطلاع ملی ہے کہ کمک آج رات پہنچ جائے گی۔ اسے قاہرہ سے آنا تھا، اس لیے اتنے دن لگ گئے ہیں۔''

سلطان ایوبی نے دونوں بھائیوں کو تفصیل سے بتایا کہ اس کی نفری کتنی ہے اور اسے اس نے کس طرح ڈیپلائے کر رکھا ہے۔ اسی وقت سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے تمام دستوں کے کمانڈروں کو بلایا اور شمس الدین اور شاد بخت سے ملایا۔ پرانے افسر دونوں کو جانتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے دونوں سے کہا کہ وہ اس کے کمانڈروں کو

بتائیں کہ جو افواج حملہ کرنے آ رہی ہیں ان کی جنگی اہلیت کیسی اور جذباتی کیفیت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ فوج بہر حال فوج ہوتی ہے۔ دشمن کو اناڑی اور کمزور سمجھنا ایک جنگی لغزش تصور کی جاتی ہے۔ یہ نہ بھولیں کہ یہ مسلمان افواج ہیں جن کے سپاہی پیٹھ دکھانے کے عادی نہیں۔ سپاہیوں میں عسکری روح موجود ہے۔ وہ پورے جوش وخروش سے لڑیں گے۔ ان کے ذہنوں میں یہ ڈالا گیا ہے کہ آپ لوگ درندے، وحشی اور عورتوں کے شکاری ہیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی سلطنت کو وسعت دینے آیا ہے۔ صلیبیوں نے ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت بھر رکھی ہے۔

سالاروں نے بتایا کہ جہاں تک ان کی قیادت کا تعلق ہے، وہ قابل تعریف نہیں۔ ان میں کوئی بھی سلطان صلاح الدین ایوبی نہیں...... سیف الدین اور گمشتگین اپنے ذاتی مفاد کے لیے لڑنے آ رہے ہیں۔ دونوں اپنے حرم اور شراب کے مٹکے ساتھ لائیں گے۔ ہماری جگہ گمشتگین اپنی فوج کی کمان خود کرے گا۔ یہ قیادت فوج کو طریقے سے لڑا نہیں سکے گی۔ پھر بھی آپ کو محتاط ہو کر لڑنا پڑے گا۔ وہ آپ کو ان پہاڑیوں میں محاصرے میں لینا چاہتے ہیں۔ تینوں فوجوں کی کمان مشترک ہو گئی ہے۔ لیکن وہ دل سے متحد نہیں۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خطیب ابن المخدوم، صاعقہ، قید خانے کا عہدیدار اور ایک جاسوس پہنچ گئے۔ وہ راستہ بھول گئے تھے اس لیے دیر سے پہنچے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم تھا کہ خطیب اس کا حامی ہے اور وہ موصل میں اس کے جاسوسوں کی راہنمائی اور نگرانی کرتا رہا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے بھی اجلاس میں شامل کر لیا اور اسے کہا کہ وہ موصل کی فوج کے متعلق کچھ بتائے۔

''وہ امیر اپنی فوج کو کس طرح لڑائے گا جو شراب اور عورت کا رسیا ہو اور قرآن سے فال نکال کر فیصلے کرتا ہو''۔ خطیب نے کہا..... ''جس کے سینے میں ایمان ہی نہیں وہ میدان جنگ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں قرآن سے فال نکال کر بتاؤں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگ میں اسے فتح ہو گی یا شکست۔ میں نے اسے بتایا کہ چونکہ اس کا یہ اقدام قرآنی احکام کے خلاف ہے اس لیے اسے شکست ہو گی۔ اس نے مجھے قید میں ڈال دیا۔ وہ قرآن کو جادو کی کتاب سمجھتا ہے۔ میں آپ کو قرآن کی کرامات سناتا ہوں۔ میرا فرار قرآن کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ سیف الدین نے میری بیٹی کو اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن میری بیٹی بال بال بچ گئی۔ میں آپ سب کو یہ مژدہ سناتا ہوں کہ اگر آپ قرآنی احکام کے پابند رہے اور جنگ کو قومی اور مذہبی سطح پر رہنے دیا تو فتح آپ کی ہو گی۔ یہ جنگ کا مذہبی پہلو ہے۔ فنی پہلو کے متعلق میں یہ مشورہ دوں گا کہ چھاپہ ماروں کو زیادہ استعمال کریں۔ آپ کا تو طریقہ ہی یہی ہے لیکن ان مسلمان بھائیوں کے خلاف یہ طریقہ زیادہ استعمال کریں۔ انہیں راتوں کو بھی چین نہ لینے دیں۔''

خطیب کو جس عہدیدار نے فرار کرایا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔ اس کی درخواست پر اسے فوج میں شامل کر لیا گیا اور خطیب کو اس کی بیٹی صاعقہ کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے ساتھ رکھا۔

☆

حلب، حرن اور موصل کی افواج کوچ کرتی آ رہی تھی۔ ادھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے مصر سے جو کمک آ رہی تھی وہ قریب آ گئی تھی۔ تاریخ یہ دیکھ رہی تھی کہ سلطان ایوبی تک دشمن کی فوج پہلے پہنچتی ہے یا کمک۔ وہ بہت پریشان تھا۔ وہ محاصرے سے ڈرتا تھا۔ کمک کے بغیر محاصرہ توڑنا آسان نہیں تھا۔ اس نے دماغی قوت کا آخری ذرہ بھی اس مسئلے پر

صرف کرڈالا کہ وہ محاصرے میں آ گیا تو اتنی تھوڑی نفری سے محاصرہ کس طرح توڑے گا۔ وہ اس قدر پریشان ہو گیا کہ اس نے اپنی اعلیٰ کمان کے سالاروں سے بھی اس کا اظہار کر دیا۔ اس نے کہا..... ''چھاپہ مار دستوں کو مکمل طور پر اپنے قابو میں اور اپنی نظر میں رکھنا۔ کمک کا کچھ پتا نہیں۔ محاصرے کا خطرہ ہے۔ محاصرہ صرف چھاپہ مار ہی توڑ سکیں گے۔''

''اللہ کو جو منظور ہو گا وہ ہو کر رہے گا'' ......ایک سالار نے کہا...... ''یہ قلعہ تو نہیں جس میں محصور ہو کر ہم لڑ نہیں سکیں گے۔ ان چٹانوں پر ہم گھوم پھر کر لڑیں گے۔''

اس رات بھی وہ اچھی طرح سو نہ سکا۔ اس کے خیمے میں قندیل جلتی رہی۔ اس نے میدان جنگ اور اس علاقے کا جو نقشہ بنایا تھا اسی کو دیکھتا اور اس پر نشان لگاتا رہا۔ اگر اسے کوئی غیر فوجی دیکھتا تو یہی کہتا کہ وہ شطرنج کھیلنے کی مشق کر رہا ہے۔ سحری کھانے کے لیے جب نقارے بجے اور اس کی فوج جاگ اٹھی تو اس کی بھی آنکھ کھلی۔ اسے دو خبریں اکٹھی ملیں۔ ایک یہ کہ کمک پہنچ گئی ہے اور دوسری یہ کہ دشمن کی افواج آٹھ دس کوس تک آ گئی ہیں اور شاید کل ہمارے سر پر آ جائیں گی۔ یہ دیکھ بھال کی کسی پارٹی کا کمانڈر تھا۔ اس نے بتایا کہ دشمن کی پیش قدمی تین حصوں میں ہو رہی ہے۔ ایک حصہ آگے ہے دوسرا پیچھے اور تیسرا اس سے پیچھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جو معلومات لینی تھیں لے لیں۔ اس نے یہ اطلاعیں لانے والوں کو بھیج دیا اور دربان سے کہا کہ وہ چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر اور کمک کے اعلیٰ کمانڈروں کو فوراً بلا لائے اور انہیں کہے کہ وہ سحری اس کے ساتھ کھائیں۔ اس نے جلدی جلدی وضو کیا اور کمک آ جانے پر شکرانے کے نفل پڑھے، پھر خدا سے کامیابی کی التجا کی......

تھوڑی ہی دیر میں چھاپہ ماروں کا کمانڈر آ گیا اور اس کے بعد کمک کے چار کمانڈر آ گئے۔ سحری کا کھانا بھی آ گیا۔ کمک اس کی توقع سے کم تھی لیکن ان حالات میں یہی کافی تھی۔ العادل نے اسلحہ جو بھیجا تھا اس سے سلطان صلاح الدین ایوبی مطمئن ہو گیا۔ اسلحہ میں چھوٹی اور بڑی منجنیقیں زیادہ تھیں اور آتش گیر مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔ کمک نفری کے لحاظ سے تھوڑی تھی لیکن یہ نفری چونکہ تجربہ کار تھی اس لیے کارگر تصور کی جاتی تھی۔ البتہ یہ دشواری نظر آ رہی تھی کہ اس فوج اور گھوڑوں کو پہاڑی لڑائی کا تجربہ نہیں تھا۔ اتنے میں انٹیلی جنس کا سربراہ حسن بن عبداللہ بھی آ گیا۔ اس نے بتایا کہ حلب سے اپنا ایک جاسوس آیا ہے جس نے یہ معلومات دی ہیں کہ صلیبیوں نے اس مشترکہ لشکر کو تیروں اور کمانوں کا ذخیرہ، آتش گیر مادے کے مٹکے اور پانچ سو گھوڑے بھیجے ہیں، جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ وہ پیش قدمی کے بعد آیا ہے، اس لیے اس نے دیکھا ہے کہ یہ مٹکے اونٹوں پر لاد کر لائے گئے ہیں۔ یہ قافلہ الگ تھلگ فوج کے ساتھ ہے۔ منجنیقیں بھی ساتھ ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن منجنیقوں سے آگ کے گولے پھینکے گا اور فلیتے والے آتشیں تیر چلائے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے چھاپہ مار دستوں کے اعلیٰ کمانڈر سے کہا...... ''تمہیں سب کچھ بتایا جا چکا ہے۔ اپنا کام تم جانتے ہو۔ اب پہلے منصوبے میں یہ ترمیم کر لو کہ جب تک دشمن حملہ نہ کرے اس پر کہیں بھی شب خون نہ مارنا۔ اطلاع کے مطابق وہ سیدھا قرون حماۃ کی طرف آ رہا ہے۔ شب خون مارو گے تو اس کی رفتار سست ہو جائے گی۔ حملے کے بعد تمہیں معلوم ہے کہ میں جوابی حملہ نہیں کروں گا۔ دشمن کو میرے حملے کی توقع ہو گی اور میں حملہ سامنے سے نہیں عقب سے کروں گا۔ تمہارا کام اس وقت شروع ہو گا جب دشمن عقب کے حملے سے گھبرا کر ادھر ادھر نکلنے کی کوشش کرے گا۔ ان پہاڑیوں میں سے دشمن کا ایک بھی سپاہی نکل کر نہ جائے۔ زیادہ سے زیادہ قیدی پکڑو۔ وہ مسلمان سپاہی ہیں۔ تمہاری قید میں آئیں گے تو حق اور باطل کو سمجھ جائیں گے۔ یہی میرا منشا ہے۔ ہمارے مقابلے میں آ کر ہمارے تیروں سے اور ہماری

تلواروں سے جو مرتا ہے اسے مرنے سے میں روک نہیں سکتا......

''تمہارے سامنے یہ اطلاع آئی ہے کہ دشمن آتش گیر مادے کے مٹکے لا رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ صحیح حالت میں ہمارے قبضے میں آ جائیں لیکن ان سے تم ایک فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اپنے کسی دستے کے دس بارہ منتخب چھاپہ ماروں کو یہ کام سونپو کہ وہ حملے کے دوران شب خون مار کر ان مٹکوں کو توڑ دیں اور آگ لگا دیں۔ دن کے وقت وہ دیکھ لیں کہ مٹکوں کا قافلہ کہاں ہے۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ دشمن ابھی ندی تک نہیں پہنچا۔ گھوڑوں کو پانی پلا لو اور مشکیزے بھر لو۔ موسم سرد ہے اور یہ صحرا نہیں، پیاس سے کوئی مرے گا نہیں پھر بھی یہ جنگ ہے اور پیاس پریشان کرے گی۔''

اسے رخصت کر کے اس نے کمک کے کمانڈروں سے کہا...... ''تم لوگ صرف یہ ذہن میں رکھنا کہ یہ مصر کا صحرا نہیں پہاڑی علاقہ ہے اور ٹھنڈ ہے۔ دھوپ نکلے گی اور بھاگو دوڑ و گے تو گرمی آ جائے گی۔ یہاں تمہیں ضرب لگاؤ اور کسی اور طرف نکل جاؤ کا موقعہ ضرور ملے گا۔ تمہیں اس کی تربیت دی گئی ہے لیکن یہاں خیال رکھنا کہ تمہارے لیے زمین محدود ہے۔ صحرا میں تو کئی کئی کوس کا چکر کاٹ کر دشمن کے اوپر آ سکتے ہو اور تمہیں اپنی چال دہرانے کے لیے لامحدود میدان مل سکتا ہے۔ یہاں میں نے دشمن کو جس جگہ گھسیٹ کر لانے کا بندوبست کیا ہے۔ وہ میدان ہی ہے لیکن محدود ہے۔ وقت نہیں کہ تمہیں چٹانوں اور ٹیکریوں سے متعارف کرایا جائے، اس لیے اپنی عقل استعمال کرنا۔ تیر اندازوں کو چٹانوں پر رکھنا۔ گھوڑوں کو ٹیکریوں پر نہ لے جانا، جلدی تھک جائیں گے۔ ہمارے گھوڑے کچھ عادی ہو گئے ہیں۔''

اس نے کمک کو محفوظہ کے طور پر رکھ لیا اور کمانڈروں کو اپنی اعلیٰ کمان کے سالاروں کے سپرد کر دیا۔ ان سالاروں کو جنگ کا پلان دیا جا چکا تھا۔

وادیوں میں صبح کی اذان کی کئی مقدس آوازیں گونج رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے غسل کیا۔ اپنی تلوار نیام سے نکالی۔ اس کی چمک اور دھار دیکھی اور جذبات اچانک ابل پڑے۔ اس نے تلوار دونوں ہاتھوں پر رکھی، قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے۔ آنکھیں بند کر کے اس نے خدا کو پکارا...... ''خدائے عز و جل! تیری خوشنودی اس میں ہے کہ مجھے شکست دے تو میں اس ذلت کے لیے تیار ہوں۔ فتح دے تو تیری ذات باری کا شکر ادا کروں گا۔ آج میں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ اگر یہ گناہ ہے تو مجھے اشارہ دے کہ میں اپنی تلوار اپنے پیٹ میں اتار دوں میں ان بچیوں کی روح کی پکار پر آیا ہوں جن کی عصمتیں صرف اس لیے لٹ گئی ہیں کہ وہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے تھیں۔ مجھے تیرے وہ بے بس بندے پکار رہے ہیں جو مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ میں تیرے عظیم مذہب کی عظمت اور عصمت کی حفاظت کے لیے صحراؤں، جنگلوں اور پہاڑیوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقبول! میرے سچے رب ذوالجلال! میں آپ کے قبلہ اول کو آزاد کرانے چلا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میرے راستے میں آ گئی ہے۔ مجھے اشارہ دو کہ ان کا خون بہانا مجھ پر حلال ہے یا نہیں۔ میں گمراہ تو نہیں ہو گیا؟ مجھے اپنے نور کی روشنی دکھاؤ، اگر میں حق پر ہوں تو ہمت و استقلال عطا فرماؤ۔''

اس نے سر جھکا لیا اور بہت دیر اسی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اچانک تلوار نیام میں ڈال لی اور باہر نکل گیا۔ اس کے قدموں میں کچھ اور ہی شان تھی۔ وہ اس جگہ چلا جا رہا تھا جہاں اس کے مرکز اور اعلیٰ کمان کے کمانڈر اور دیگر افراد با جماعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ جماعت کھڑی ہو رہی تھی۔ وہ پچھلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے ایک طرف اس

کا باورچی اور دوسری طرف اس کے کسی کمانڈر کا اردلی کھڑا تھا۔

☆

نماز سے فارغ ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی قرون حماۃ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے باری باری چار قاصد ملے اور زبانی پیغام دیے۔ یہ دیکھ بھال کی پارٹیوں کے قاصد تھے جو حرن، حلب اور موصل کی مشترکہ فوجوں کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں کی خبریں لائے تھے۔ یہ سلسلہ دن رات چلتا رہتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصدوں کو رخصت کر دیا اس کے ساتھ سالار شمس الدین تھا۔ اس کے بھائی سالار رشاد بخت کو اس نے کسی اور طرف متعین کر دیا تھا۔

''دشمن کے متعلق جو خبریں مل رہی ہیں ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟'' شمس الدین نے پوچھا...... ''کیا ہم اتنی تھوڑی فوج سے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کر سکیں گے؟''

''میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ دشمن کتنا لشکر لایا ہے اور میرے پاس کیا ہے۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے جواب دیا۔ ''میں پریشان اس پر ہوں کہ دشمن حملہ کیوں نہیں کرتا۔ میرے ان مسلمان بھائیوں کے پاس صلیبی جاسوس ہیں۔ کیا صلیبی اتنے اناڑی ہو گئے ہیں کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ مصر سے میری کمک آ رہی ہے اور میں کمک کے بغیر لڑ نہیں سکتا؟ اگر دشمن سرگرم ہوتا تو میرے تمام مسئلے حل ہو جاتے۔ دشمن کا یوں آ کے بیٹھ جانا اور مجھے اتنا وقت دے دینا کہ میں کمک حاصل کر لوں، اسے ٹھکانے بھی لگا لوں، تمام تر فوج کے گھوڑوں کو پانی پلا کر پانی کا ذخیرہ بھی کر لوں، میرے لیے پریشان کن ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ دشمن کوئی ایسی چال چلے گا جو کبھی میرے دماغ میں نہیں آئی۔ یہ لوگ کھیل تماشے کے لیے تو نہیں آئے۔''

''جہاں تک میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔'' شمس الدین نے کہا۔ ''ان کے پیش نظر کوئی ایسی چال نہیں۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے۔ خدا نے ان کے دماغوں پر مہر ثبت کر دی ہے کیونکہ وہ باطل کی انگیخت اور مدد سے حق کے خلاف لڑنے آئے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ میں کسی گہری اور خطرناک چال کا خدشہ محسوس نہیں کر رہا۔''

''شمس بھائی!'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''مجھے بھی اللہ پر ہی بھروسہ ہے لیکن میں جذبات اور فلسفے کی بجائے حقیقت کو دیکھا کرتا ہوں۔ حق پر باطل نے بھی کئی بار فتح پائی ہے کیونکہ حق والے اللہ کے بھروسے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ گئے تھے۔ حق خون اور جان کی قربانی مانگتا ہے۔ اگر ہم یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں تو حق کی فتح ہوگی۔ باطل میں جو قوت ہے اس کا مقابلہ ہمیں میدان میں کرنا ہے۔ ہمیں حقائق پر نظر رکھنی ہے۔ اپنی پوری صلاحیتیں اور جسم کی تمام تر طاقت استعمال کرنی ہے۔ اس کے بعد کے نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔ اپنے آپ کو خوش فہمیوں میں مبتلا نہ کرو۔''

وہ گھوڑے سے اترا۔ سالار شمس الدین، دو اور مشیر اور محافظ جو اس کے ساتھ تھے۔ گھوڑوں سے اترے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، شمس الدین اور دونوں مشیروں کو ایک بلند چٹان پر لے گیا۔ ان کے سامنے چٹانوں میں گھرا ہوا وسیع میدان تھا جو سینگوں کی شکل کی چٹانوں سے آگے پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس طرف جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کھڑا تھا دو چٹانیں آگے پیچھے تھیں۔ ان کے درمیان وادی یا گلی تھی جو میدان میں کھلتی تھیں۔ یہ گھوم پھر کر اس طرف باہر نکل جاتی تھی۔ میدان میں چٹانوں کے ساتھ ساتھ سینکڑوں چھوٹے بڑے خیمے کھڑے تھے۔ ایک طرف اس فوج کے گھوڑے بندھے تھے جو خیموں میں تھی۔ سپاہی گھوم پھر رہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو دھوپ میں لیٹے ہوئے یا سوئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان پر ایک بہت بڑا لشکر کسی بھی وقت حملہ کرنے کے لیے ان کے سر پر بیٹھا ہے۔ اگر وہ جنگی تیاری میں ہوتے تو ان کے خیمے کھڑے رہنے کی بجائے لپٹے ہوئے کہیں اور رکھے ہوئے ہوتے اور

ان کے گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہوتیں۔

''ان دستوں کے سالاروں اور کمانڈروں کو میں نے جو ہدایات دی ہیں وہ تم تینوں ایک بار پھر سن لو''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔'' ہوسکتا ہے میں تم سے پہلے مارا جاؤں اور جنگ شروع ہوتے ہی مارا جاؤں۔ میرے بعد میدان کی ذمہ داریاں تم سنبھالو گے۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ خیمے لگے رہنے دو۔ گھوڑے زینوں کے بغیر بندھے رہنے دو۔ فراغت کی حالت میں گھومو پھرو اور ادھر ادھر بیٹھے اور لیٹے رہو، لیکن خیموں میں اپنے ہتھیار اور گھوڑوں کی زینیں تیار رکھو۔ دشمن کے جاسوس تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ تاثر دو کہ تمہیں دشمن کی کچھ خبر نہیں۔ جب دشمن کا لشکر آئے تو گھبراہٹ کا مظاہرہ کرو۔ ہتھیار اٹھالو۔ خیمے پھر بھی کھڑے رہنے دینا۔ آگے بڑھ کر مقابلہ نہ کرنا۔ دشمن اوپر چڑھ آئے تو لڑتے ہوئے اتنی تیزی سے پیچھے ہٹنا کہ دشمن کے حملہ آور دستے تمہارے ساتھ ہی ان چٹانوں کے گھیرے میں آجائیں۔ دشمن کو پسپائی کا تاثر دو''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دو متوازی چٹانوں کے درمیان گلی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔'' میں نے ان دستوں کو بتادیا ہے کہ اس گلی میں آکر پیچھے کو نکل جائیں۔ انہیں جہاں اکٹھا ہونا ہے وہ جگہ بھی انہیں بتادی ہے۔'' اس نے وہ جگہ اپنے رفیقوں کو بتا کر کہا۔'' ان دستوں کو دشمنوں کے عقب میں جانا ہوگا۔ ان چٹانوں پر میں نے دشمن کے استقبال کا جو بندوبست کر رکھا ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! ہمیں یہاں کوئی علاقہ اور کوئی قلعہ فتح نہیں کرنا۔ ہمیں دشمن کو بے بس اور بے کار کرنا ہے تاکہ وہ ہمارے راستے سے ہٹ جائے، مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کو دشمن کہتے ہوئے شرم آتی ہے مگر حالات کا تقاضا یہی ہے میں انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے احکام جاری کردیے ہیں کہ زیادہ افراد کو زندہ پکڑو اور جنگی قیدی بناؤ۔ میں انہیں تلوار سے زیر کرکے اخلاق سے ذہن نشین کراؤں گا کہ تم مسلمان سپاہی ہو اور تمہارے بادشاہ تمہارے مذہب کے دشمن کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔''

''کسی قوم کو مارنا ہو تو اس میں خانہ جنگی کرادو'' سالار شمس الدین نے کہا...... ''صلیبیوں نے کامیابی سے یہ حربہ استعمال کیا ہے۔''

''مسلمان قوم کی مثال بارود کی سی ہے۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''یہ قوم جذباتی ہوتی چلی جارہی ہے۔ بارود کے اس ڈھیر میں کہیں سے بھی چنگاری آن گرے یہ دھماکے سے پھٹ جاتا ہے۔ یہ چنگاری مسجد کے امام سے ملے یا عیش پرست حکمران سے یا دشمن ہمارے ہی بھائیوں کے ہاتھوں یہ چنگاری پھینکے، جذبات بارود کی طرح پھٹتے ہیں۔ اگر قوم کی یہ کمزوری جڑ پکڑ گئی تو قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔ قوم اگر زندہ رہی تو کفار اسے دھڑوں میں تقسیم کرکے لڑاتے رہیں گے اور قوم کے سربراہ حکمرانی کے نشے اور لالچ میں آپس میں لڑتے رہیں گے۔ یہ جو تین فوجیں اپنی ہی قوم کے خلاف یلغار کرکے آئی ہیں، ان کے سربراہ اکٹھے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکہ فریب دے کر سلطنت اسلامیہ کے بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کے دماغوں سے بادشاہی کا کیڑا نکال کر قوم کو راہ راست پر لانے کی فکر میں ہوں۔ میرے پیش نظر اسلام کا تحفظ اور فروغ ہے۔''

☆

قرون حماۃ سے تھوڑی ہی دور حرن کا قلعہ دار گمشتگین جس نے خودمختاری کا اعلان کردیا تھا اپنے سالاروں اور چھوٹے بڑے کمانڈروں کو اکٹھا کرکے کہہ رہا تھا ''صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کو شکست دے سکتا ہے۔ وہ جب تمہارے سامنے آئے گا تو لومڑی کی ساری چالیں بھول جائے گا۔ وہ ہم میں سے نہیں، وہ کرد ہے۔ تم پکے مسلمان ہو دین

اور پرہیز گار ہو۔ وہ صرف نام کا مسلمان ہے، مکار اور عیار ہے۔ وہ یہاں اپنی سلطنت قائم کر کے اس کا بادشاہ بننے کی کوشش میں ہے۔ میں تمہیں اس کی جنگی کیفیت بھی بتا دیتا ہوں۔ اس کے پاس فوج بہت تھوڑی ہے اور وہ پہاڑیوں میں چھپا بیٹھا ہے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے جاسوسوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس کی فوج خیموں میں آرام کر رہی ہے اور اس کے گھوڑے بھی تیاری کی حالت میں نہیں۔ اس کی وجوہات دو ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اسے یقین ہے کہ اسے ہم شکست نہیں دے سکتے۔ دوسری یہ کہ اسے یہ خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے کہ ہم اس پر حملہ نہیں کریں گے۔ وہ شاید صلح کے لیے ہمارے پاس ایلچی بھی بھیجے گا۔ اب ہم اس کے ساتھ کوئی صلح یا سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ وہ اب ہمارا قیدی ہے۔ اگر زندہ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو میں تمہیں اس کی لاش دکھاؤں گا۔ اپنے سپاہیوں سے کہہ دو کہ صلاح الدین ایوبی امام مہدی یا پیغمبر نہیں اور اس کی فوج میں کوئی جن بھوت نہیں۔ ہم اس کی فوج کو بے خبری میں جا پکڑیں گے۔''

اپنے سامعین کو اشتعال دلا کر اور ان کا حوصلہ بڑھا کر اس نے انہیں رخصت کر دیا اور اپنے ان خیموں میں چلا گیا جو اس نے جنگل میں منگل بنا رکھا تھا۔ اس کا اپنا خیمہ بہت بڑا تھا جس کے اندر قالین بچھے ہوئے تھے اور بیش قیمت پلنگ تھا۔ شراب کی صراحی اور نہایت دلکش پیالے رکھے تھے۔ اندر سے خیمہ کسی محل کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے اردگرد کئی اور خیمے تھے جو فوجی خیموں سے مختلف اور خوبصورت تھے۔ ان میں حرم کی لڑکیاں اور ناچنے گانے والیاں رہتی تھیں۔ خیموں سے دور دور پہرہ دار کھڑے تھے۔ گمشتگین کے خیمے کے باہر نو آدمی اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر گمشتگین تیز چل پڑا اور قریب جا کر انہیں اندر چلنے کو کہا۔ اندر جاتے ہی لڑکیوں کی ایک قطار ہاتھوں میں طشتریاں اٹھائے خیمے میں داخل ہوئی۔ کھانا چن دیا گیا اور شراب کی صراحیاں بھی آ گئیں۔ گمشتگین ان نو آدمیوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گیا۔

یہ نو آدمی کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے بھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہاتھوں میں لے کر خونخوار درندوں کی طرح کھانے شروع کر دیے۔ ساتھ ساتھ وہ شراب پانی کی طرح پی رہے تھے۔ ان کی آنکھیں لال سرخ تھیں جن سے وہ وحشی اور خونخوار لگتے تھے۔ تین چار خوبصورت لڑکیاں ان کے پیالے شراب سے بھرتی جا رہی تھیں اور یہ وحشی کبھی کسی لڑکی کے بکھرے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرتے کبھی ان کے عریاں بازوؤں کو پکڑ کر ان پر اپنے گال رگڑتے۔ کھانا اور چھیڑ خانی چلتی رہی۔ گمشتگین ان کی حرکتیں اور کھانے کا انداز دیکھ کر مسکراتا رہا مگر اس کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ زبردستی مسکرا رہا ہے۔ اور اسے یہ لوگ بالکل پسند نہیں۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر گمشتگین نے لڑکیوں کو باہر بھیج دیا اور ان نو آدمیوں کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ لگا کر کہا..... ''اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں صلاح الدین کی طرف رخصت کروں۔ اب کے وار خالی نہیں جانا چاہیے۔''

''اگر آپ ہمیں روک نہ لیتے تو اب تک آپ یہ خوشخبری سن چکے ہوتے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے اور قاتل معلوم نہیں کون تھے۔'' ایک آدمی نے کہا۔

یہ حسن بن صباح کے وہی نو فدائی تھے جنہیں ان کے مرشد شیخ سنان نے تریپولی سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ یہ منتخب افراد تھے جو بظاہر انسان تھے لیکن خصلت کے درندے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی سے خون کے دس دس قطرے نکال کر مقدس پیالے میں گرائے، ان پر شراب اور حشیش ڈالی اور تینوں چیزیں ملا کر ہر ایک نے ایک ایک گھونٹ پیا اور اپنے مخصوص الفاظ میں حلف اٹھایا تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیں گے یا زندہ نہیں رہیں گے۔ شیخ سنان نے انہیں تارک الدنیا صوفیوں کے لباس میں ہاتھوں میں تسبیحیں اور گلے میں

قرآن لٹکا کر اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی تک رسائی حاصل کریں اور اس کے سا
یہ مسئلہ رکھیں کہ مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے، اور وہ ثالث بن کر آپس میں ٹکرانے والے مسلمان امراء کا صلح نا
کرائیں گے۔ اس طرح تنہائی میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیں گے۔

شیخ سنان نے طریقہ اچھا سوچا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی مذہبی پیشواؤں کو احترام سے اپنے پاس بٹھا
اور ان کی بات توجہ سے سننے کا عادی تھا۔ اس کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ وہ چاہتا ہی یہی تھا کہ کوئی درمیان میں آ کر مخالفی
کے ساتھ اس کا سمجھوتہ کرا دے تاکہ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل نہ ہو ورنہ صلیبیوں کو جنگی تیاریوں کا اور حملہ کر کے بہ
بڑی کامیابی حاصل کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اس نے حلب وغیرہ میں اپنے ایلچی بھیجے بھی تھے، جو توہین آمیز جواب
لائے تھے۔ اب ''نوصوفی منش'' چغوں میں خنجر اور تلواریں چھپائے اس کی خواہش پوری کرنے کا دھوکہ لے کر آ رہے تھے
وہ اسے آسانی سے قتل کر سکتے تھے۔ تریپولی سے وہ روانہ ہوئے اور حرن پہنچے تھے۔ گمشتگین کو اس کے صلیبی مشیروا
نے بتایا تھا کہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے جا رہے ہیں اس نے ان سے قتل کا طریقہ سنا تو اسے مسترد کر
انہیں اپنے پاس شاہی مہمانوں کی حیثیت سے روک لیا اور صلیبی مشیروں سے کہا تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر حم
کرنے جا رہا ہے۔ ان نو فدائیوں کو اپنے ساتھ لے جائے گا اور موزوں موقعے پر اور کسی بہتر طریقے سے سلطان صلا
الدین ایوبی کو قتل کرائے گا۔ چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ محاذ پر لے آیا تھا۔

اب نے میدان جنگ میں ان کے لیے موقع پیدا کر لیا اور ان کا بہروپ بھی تیار کر لیا تھا۔ اس نے کھانے
فارغ ہو کر انہیں کہا...... ''آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے قتل کا کیا طریقہ سوچا ہے۔ تم
صوفیوں کا جو روپ دھارا ہے وہ شک پیدا کر سکتا ہے۔ ایوبی کی نظر بڑی گہری ہے۔ اس پر پہلے چار پانچ قاتلانہ ح
ہو چکے ہیں۔ وہ اور زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ دو بڑے ہی تجربہ کار سراغرساں ہیں، ایک علی بن سفیان اور دو
حسن بن عبداللہ۔ وہ ایک نظر میں انسان کو بھانپ لیتے ہیں۔ ہمارے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق اس وقت حسن ب
عبداللہ اس کے ساتھ ہے اور علی بن سفیان قاہرہ میں ہے۔ صلاح الدین ایوبی سے کوئی اجنبی ملنے جاتا ہے تو دو تین سالا
اور حسن بن عبداللہ اس کی بڑی گہری چھان بین کرتے ہیں۔ انہیں شک ہو تو اس کی تلاشی بھی لیتے ہیں......

''ایوبی یا حسن بن عبداللہ کو یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہ چپقلش تو کئی مہینوں سے چل رہی ہے، تمہیں صلح نامے کا خیا
آج کیسے آیا ہے ایوبی یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ تم کہاں کے مذہبی پیشوا ہوا اور وہ کوئی ایسا سوال پوچھ سکتا ہے جس کا تم لوگ
جواب نہ دے سکو یا ایسا جواب دو جو تمہیں بے نقاب کر دے۔ وہ خود عالم ہے، مذہب اور تاریخ کا اس کا گہرا مطالعہ ہے
اس کے علاوہ تمہارے چہروں پر داڑھیوں کے سوا صوفیوں والی کوئی نشان نظر نہیں آتے۔ تم میں سے چار کی داڑھیاں ابھ
چھوٹی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ایک مہینے سے بڑھائی گئی ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں حشیش اور شراب کا نشہ چڑھا ہوا ہے
مجھے ان چہروں پر پاکیزگی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔''

ان نو میں سے کسی نے بھی برا نہ مانا۔ ان کے سرغنہ نے کہا...... ''مجھے آپ کی ہر ایک بات سے اتفاق ہے۔
صلاح الدین ایوبی نے ہمیں صوفی یا امام سمجھ کر عزت سے اپنے خیمے میں بٹھا لیا اور کچھ کھانے پینے کے لیے ہمارے آ
رکھ دیا تو میرے یہ دوست ٹوٹ پڑیں گے۔ ہم میں سے کسی کو بھی علم نہیں کہ امام اور خطیب کھاتے کس طرح ہیں۔ آپ
کیا طریقہ سوچا ہے؟''

''نہایت سہل اور بے خطر۔'' گمشتگین نے کہا۔''میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے رضا کار محافظ بنا کر قرون حماۃ بھیج رہا ہوں۔ اس کے محافظ گہری چھان بین کے بعد منتخب کئے جاتے ہیں۔ ان کے خاندانوں کی بھی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ تم جاتے ہی اس کے محافظ دستے میں شامل ہو جاؤ گے۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے جو مجھے امید ہے کامیاب ہوگا۔ جاسوسوں نے بتایا کہ دمشق کے لوگوں میں ہمارے خلاف اور صلاح الدین ایوبی کے حق میں اتنا جوش وخروش اور جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر محاذ پر آ رہے ہیں۔ وہاں جسے دیکھو تیغ زنی اور تیر اندازی کی مشق کر رہا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایوبی ان رضا کاروں کو باقاعدہ فوج میں تو نہیں رکھتا۔ دوسرے کاموں کے لیے رکھ لیتا ہے۔ میں اس فضا سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔''

اس نے الگ رکھا ہوا لکڑی کا ایک بکس کھولا۔ اس میں کپڑے تھے۔ اس نے فدائیوں سے کہا۔''تم سب یہ لباس پہن کر صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ گے۔ یہ اس کے محافظ دستے کا مخصوص لباس ہے۔ تم میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایوبی کا جھنڈا ہوگا۔ باقی آٹھ کی برچھیوں کے ساتھ اس کی فوج کی جھنڈیاں ہوں گی۔ تم سیدھے ایوبی کے پاس جاؤ گے۔ تمہیں روک لیا جائے گا۔ اس تک نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ تم جوش اور جذبات سے کہنا کہ ہم رضا کار ہیں اور دمشق سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ یہ بھی کہنا کہ ہم نے بڑی محبت سے محافظ دستے کا لباس سلوایا اور دل میں سلطان کی عقیدت لے کر آئے ہیں۔ ہمیں سلطان کے اردگرد پہرے پر لگایا جائے یا ہمیں جانباز دستے میں شامل کر دیا جائے ہم واپس نہیں جائیں گے...... تمہیں صلاح الدین ایوبی تک جانے نہیں دیں گے تم ضد کرنا اور کہنا کہ ہم اتنی دور سے عقیدت اور جذبات سے آئے ہیں، ہم سلطان سے ملے بغیر نہیں جائیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ جذبے کی بہت قدر کرتا ہے، تم سے ملے گا ضرور۔ برچھیاں تمہارے ہاتھوں میں ہوں گی۔ اگر وہ باہر ہوا تو گھوڑوں سے اترنا نہیں۔ قریب جا کر گھوڑوں کو ایڑ لگا دینا اور اس کا جسم برچھیوں سے چھلنی کر کے نکلنے کی کوشش کرنا۔ تم سب نے جان کی بازی لگانے کا حلف اٹھایا ہے، لیکن مجھے امید ہے تم سب نکل آؤ گے، مجھے پوری توقع ہے کہ اپنے سلطان کو زخمی حالت میں دیکھ کر محافظوں میں افراتفری مچ جائے گی۔ پیشتر اس کے کہ وہ سمجھ پائیں کہ یہ ہوا کیا ہے تم ان کے تیروں کی زد سے نکل آؤ گے۔ میں تمہیں عرب کی اس نسل کے گھوڑے دے رہا ہوں جن کے تعاقب میں ہوا بھی نہیں پہنچ سکتی۔''

''طریقہ بہت اچھا ہے۔'' فدائی قاتلوں کے سرغنہ نے کہا۔'' ہمارے وہ ساتھی بدبخت، اناڑی اور بزدل تھے جو اسے سوتے وقت بھی قتل نہ کر سکے۔ اسی کے ہاتھوں مارے گئے اور جو زندہ رہے وہ پکڑے گئے۔ اب ہم جا رہے ہیں۔ اگر اس کا سر کاٹ کر نہ لا سکے تو آپ یہ خبر ضرور سنیں گے کہ سلطان صلاح االدین ایوبی قتل ہو گیا ہے۔''

''اور اگر ہم اسے قتل کر آئے تو؟'' ایک فدائی نے حرم کی لڑکیوں کے خیموں کی طرف اشارہ کر کے اور شیطانی مسکراہٹ سے کہا۔

گمشتگین شیطان کی مسکراہٹوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے ایسی ہی مسکراہٹ سے کہا۔''تم میں سے جو زندہ آئیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کر کے آئیں گے انہیں میں ایک ایک خیمے میں داخل کر دوں گا۔ تمہیں جو انعام صلیبی دیں گے اس سے اتنے زیادہ زر و جواہرات میں دوں گا جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے اور تم میں سے جو آدمی صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اسے اس کی پسند کی دو لڑکیاں ہمیشہ کے لیے دوں گا۔''

فدائیوں نے وحشیوں کی طرح چیخ چیخ کر قہقہے لگانے شروع کر دیے۔ گمشتگین نے بڑی مشکل سے انہیں

خاموش کیا اور کہا...... ''آؤ، تمہیں وہ راستہ بتا دوں جو دمشق سے قرون کی طرف آتا ہے۔ تم یہاں سے دور کا چکر کاٹ کر دمشق کے راستے پر پہنچو گے لیکن خیال رکھنا کہ راستے میں کوئی بھی پوچھے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو تو یہی بتانا کہ تم دمشق سے آئے ہو اور محاذ پر جا رہے ہو۔ راستے میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار ملیں گے۔ تمہیں آج ہی رات روانہ ہونا ہے۔''

''آج ہی رات؟'' ایک فدائی نے پوچھا۔ ''کل دن کو نہ جائیں؟''

''اتنا وقت نہیں''...... گمشتگین نے جواب دیا۔ تمہارا چکر بہت لمبا ہے۔ دو دنوں بعد منزل پر پہنچو گے گھوڑوں کو آرام دیتے جانا ورنہ تھک ہوئے گھوڑوں سے وہاں سے بھاگ نکلنا دشوار ہو جائے گا۔''

گمشتگین نے بکس سے کپڑے نکال کر انہیں کہا کہ یہیں پہن لو۔ اس نے دربان سے کہا کہ وہ نو گھوڑے لے آؤ جو میں نے الگ کروا رکھے ہیں۔

آدھی رات کے بعد نو گھوڑ سوار گمشتگین کے کیمپ سے دور اس سمت جا رہے تھے جدھر دمشق سے قرون حماۃ کو راستہ جاتا تھا۔ اگلے گھوڑ سوار کے پاس سلطان صلاح الدین ایوبی کا جھنڈا تھا اور باقی آٹھ کی برچھیوں کی انیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بندھی تھیں۔

☆

اسی روز جس وقت گمشتگین اپنے سالاروں اور کمانڈروں کو اشتعال انگیز تقریر سے جوش دلا رہا تھا، سیف الدین اور حلب کی فوجیں بھی ایسی ہی اشتعال انگیز تقریریں سن رہی تھیں۔ حلب کا ایک سالار گھوڑے پر سوار اپنی فوج سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ وہی صلاح الدین ہے جس نے حلب کا محاصرہ کیا تھا۔ تم نے اسی صلاح الدین کو اس کی اسی فوج کو حلب سے بھگایا تھا۔ رب کعبہ کی قسم! یہ روایت جھوٹی ہے کہ صلاح الدین جس قلعے اور جس شہر کو محاصرے میں لیتا ہے اسے فتح کر کے دم لیتا ہے۔ وہ حلب کے محاصرے میں کیوں کامیاب نہیں ہوا تھا؟ اس نے محاصرہ اٹھا کیوں لیا تھا؟ صرف اس لیے کہ تم شیر ہو۔ تم جان پر کھیل جانے والے سرفروش ہو۔ تم نے شہر سے نکل نکل کر اس پر جو حملے کیے تھے انہیں وہ برداشت نہیں کر سکا۔ فتح اس کی ہوتی ہے جس پر خدا خوش ہوتا ہے۔ خدائے ذوالجلال کی خوشنودی تمہیں حاصل ہے۔ صلاح الدین ایوبی پر خدا کیوں خوش ہوگا۔ وہ لیٹرا ہے۔ اس نے دمشق پر قبضہ کیا اور اس شہر کے لوگوں کی اس نے جو حالت کی ہے وہ وہاں جا کر دیکھو کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہی۔ ہمیں دمشق چھوڑ کر حلب آنا پڑا۔ ہمیں وہاں واپس جانا ہے۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی سے انتقام لینا ہے...... اور اللہ کے سپاہیو! یہ نہ سوچنا کہ تم مسلمان ہو کر مسلمان فوج کے خلاف لڑنے جا رہے ہو۔ وہ مسلمان کافر سے بدتر ہے جو مسلمانوں کے شہروں کو فتح کرتا پھر رہا ہے۔ تم پر ایسے مسلمان کا قتل خدا نے فرض کر دیا ہے......

''خلافت کے محافظو! تمہارے دشمن صلیبی نہیں صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج ہے۔ صلیبیوں کو دشمن اس شخص نے بنایا ہے۔ نورالدین زنگی نے قوم پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ صلاح الدین کو مصر کی امارت دے دی ورنہ یہ شخص چھوٹے سے ایک جیش کی کمان کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔ میں اسے اپنی فوج میں سپاہی کی حیثیت سے بھی نہ رکھوں۔ آج اس شخص کی موت اسے ان چٹانوں میں لے آئی ہے۔ اب اس کے سامنے تمہاری تلواریں، تمہاری برچھیاں اور تمہارے گھوڑے ہوں گے اور اس کے پیچھے چٹانیں اور پہاڑیں ہوں گی۔ تم اسے اور اس کی فوج کو پیس کر رکھ دو گے۔ تمہیں حلب کی توہین اور بربادی کا انتقام لینا ہے۔ اگر تم نے صلاح الدین کو یہاں، انہی پہاڑیوں میں ختم نہ کیا تو وہ سیدھا

حلب پر آئے گا۔ اس کی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری بہنیں اور بیٹیاں اس کے سالاروں کے حرم کی زینت بنیں گی۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو نورالدین زنگی کا بیٹا جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ سیف الدین والی موصل جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ گمشتگین جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اگر اتنے امراء جھوٹے نہیں ہیں تو اکیلا صلاح الدین ایوبی جھوٹا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تین فوجیں اسے کچلنے کے لیے آئی ہیں۔ تم سب سچے ہو۔ غیرت اور حمیت والے ہو۔ ثابت کردو کہ غیرت اور حمیت کی خاطر تم اپنے بھائی کا بھی خون بہا سکتے ہو۔''

فوج بظاہر خاموشی سے سن رہی تھی لیکن اس کے اندر اشتعال نے طوفان بپا کر رکھا تھا۔ سالار نے حقائق پر پردہ ڈال کر فوج کے جذبات کو مشتعل کردیا اور فوج نعرے لگانے لگی۔ ''ہم غلام نہیں بنیں گے۔ صلاح الدین ایوبی زندہ نہیں رہے گا۔'' ایک شور تھا جو زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا۔

سیف الدین کے کیمپ کی بھی کیفیت جذباتی تھی۔ وہ بھی اپنی فوج کے جذبات کو بھڑکا رہا تھا۔ اس نے سپاہیوں کے لیے یہ سہولت بھی پیدا کردی تھی کہ دو علماء سے یہ فتویٰ لے لیا تھا کہ میدان جنگ میں روزہ فرض نہیں۔ تمام فوج خوش تھی۔ سیف الدین نے کہا کہ ہم اس وقت حملہ کریں گے۔ جب صلاح الدین ایوبی کی فوج کا دم خم ٹوٹ چکا ہوا۔ پھر ہماری منزل دمشق ہوگی۔ دمشق میں بے انداز دولت ہے جو تمہاری ہوگی۔

☆

ادھر لشکروں اور فوجوں کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ادھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے کیمپ میں چھ چھ، آٹھ آٹھ، دس دس چھاپہ ماروں کے حساب سے سکیمیں بن رہی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج سے کوئی خطاب نہیں کیا، کوئی جوشیلی تقریر نہیں کی۔ اس کی نظر اس زمین پر تھی جس پر اسے لڑنا تھا۔ اس زمین کے خدوخال سے وہ زیادہ سے زیادہ جنگی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے جو بھی بات کی اپنے سینئر اور جونیئر کمانڈروں سے کی اور وہ بھی حقیقت کی بات کی۔ کبھی کبھی وہ اس وجہ سے جذباتی ہو جاتا تھا کہ اس کے مسلمان بھائی فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے ہیں اور مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ اس کا اس کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ وہ صلح اور امن کے لیے ایلچی بھیج کر اپنی توہین کرا چکا تھا۔ اب وہ تصادم کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اس نے مصر سے آئی ہو کمک کو اپنی سکیم کے مطابق تقسیم کردیا تھا اور دشمن کے انتظار میں بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے مشیروں سے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا کہ دشمن شاید یہ چاہتا ہے کہ پہاڑیوں سے نکل کر اس پر حملہ کیا جائے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی چٹانوں سے نکلنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ دشمن کو پہل کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے چھاپہ ماروں سے دشمن کے کیمپوں میں تباہی مچا سکتا تھا۔ یہ اس کا خصوصی طریقہ جنگ تھا لیکن اس نے چھاپہ ماروں کو بھی استعمال نہ کیا۔ وہ دشمن کی چال اور حرکت دیکھ رہا تھا۔

دمشق میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے اپنا ایک اور محاذ کھول رکھا تھا۔ جب سے سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق سے نکلا تھا۔ اس عظیم عورت نے لڑکیوں کی ایک رضا کار فوج تیار کرنی شروع کردی تھی۔ لڑکیوں کو زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھانے، خون روکنے اور ابتدائی مرہم پٹی کی تربیت دی جاتی تھی لیکن زنگی کی بیوہ انہیں تیغ زنی، تیزہ بازی اور تیر اندازی کی تربیت بھی دے رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے چند ایک تجربہ کار مرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی محاذ پر عورت کی موجودگی کو پسند نہیں کرتا، اور یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ لڑکیوں کو فوج میں شامل کرے گا۔ اس کے باوجود زنگی کی بیوہ لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رہی تھی۔ وہاں کیفیت یہ تھی کہ کسی کو یہ کہنے کی

ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو مرہم پٹی وغیرہ کی تربیت کے لیے بھیجا کرے۔ لوگ اپنی بیٹیوں کو تربیت کے لیے بھیج کر فخر محسوس کرتے تھے۔ دس بارہ سال کی عمر کے بچے اپنے طور پر لکڑی کی تلواریں بنا کر تیغ زنی کرتے رہتے تھے۔

زنگی کی بیوہ کی فوج میں چار لڑکیوں کا اضافہ ہوا۔ ان میں ایک تو فاطمہ تھی جسے سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک چھاپہ مار جاسوس حرن سے بلکہ گمشتگین کے حرم سے نکال لایا تھا۔ دوسری موصل کے خطیب ابن المخدوم کی بیٹی منصورہ تھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسے اپنے باپ کے ساتھ کس طرح موصل سے نکالا گیا تھا۔ باقی دو وہ لڑکیاں تھیں جنہیں حلب سے گمشتگین کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ انہیں سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت نے حرن کے قاضی کو قتل کر کے وہاں سے نکالا تھا۔ یہ حمیرہ اور سحر تھیں۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس محاذ پر پہنچی تھیں جہاں سے انہیں دمشق بھیج دیا گیا تھا۔ ایسی بے ٹھکانہ لڑکیوں کو نورالدین زنگی کی بیوی کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ یہ چاروں اس کے پاس پہنچیں تو انہوں نے وہاں لڑکیوں کو تربیت حاصل کرتے دیکھا۔ یہی ان کی خواہش تھی جو فوری طور پر پوری ہوگئی۔

انہوں نے زنگی کی بیوہ کو اپنی اپنی آپ بیتی سنائی۔ وہ انہیں ان لڑکیوں کے سامنے لے گئی اور انہیں کہا کہ وہ تمام لڑکیوں کو تفصیل سے سنائیں کہ دشمن کے قبضے میں ان پر کیا گزری ہے۔ چاروں نے اپنی اپنی کہانی سنائی۔ خطیب کی بیٹی منصورہ ذہنی طور پر زیادہ مستعد اور ہوشیار تھی۔ اس نے لڑکیوں سے کہا۔ ''عورت قوم کی آبرو ہوتی ہے۔ دشمن جب کسی شہر پر قبضہ کرتا ہے تو اس کی فوج سب سے پہلے عورتوں پر ہلہ بولتی ہے۔ تم نے ان دو لڑکیوں (حمیرہ اور سحر) سے سن لیا ہے کہ جو علاقے صلیبیوں کے قبضے میں ہیں وہاں صلیبی مسلمانوں کے ساتھ کتنا ہولناک سلوک کر رہے ہیں۔ وہاں کسی مسلمان لڑکی کی عزت محفوظ نہیں۔ خدانخواستہ دمشق بھی ان کے قبضے میں آ گیا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ اگر ہم نے خون کی قربانی دینے سے گریز کیا تو صلیبی ہمارے آقا بن کر رہیں گے۔ انہوں نے ہمارے بہت سے امراء کو خرید لیا ہے۔ اب صلیبی بھی تمہارے دشمن اور مسلمان امراء بھی تمہارے دشمن ہیں۔ اگر تم فتح حاصل کرنا چاہتی ہو تو انتقام کے جذبے کو زندہ و پائندہ رکھو۔ میرے محترم والد کہا کرتے ہیں کہ جو قوم ان معصوموں کو فراموش کر دیتی ہے جو کفار کی بربریت کا شکار ہوئے تھے وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی......

''میری بہنو! میں محترم سلطان صلاح الدین ایوبی کی مرید ہوں۔ ان کے نام پر سولی چڑھنے کو تیار ہوں لیکن مجھے ان کا یہ اصول پسند نہیں کہ عورت محاذ پر نہ جائے۔ انہوں نے جو سوچا ہے ٹھیک ہی سوچا ہے لیکن عورت کو کمزور سمجھا جا رہا ہے۔ نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو حرموں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ ہمیں مرد کی تفریح کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح قوم کی آدھی قوت بیکار ہو کر رہ گئی ہے۔ دشمن لشکر لے کر آتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہماری فوج آدھی بھی نہیں ہوتی۔ ہم مردوں کے دوش بدوش لڑیں گی اور فوج کی کمی پوری کریں گی۔ میں موصل میں جاسوسوں کے گروہ میں رہی ہوں۔ میں اس محاذ پر لڑ کر آئی ہوں۔ یہ میرے والد کی غلطی تھی کہ انہوں نے جذبات میں آ کر والی موصل پر اپنے اصل خیالات کا اظہار کر دیا۔ اگر وہ نہ پکڑے جاتے تو وہاں ارادے کچھ اور تھے۔ ہم وہاں تباہ کاری نہ کر سکے اور ہمیں وہاں سے نکلنا پڑا۔''

ان چاروں لڑکیوں کی آپ بیتی اور منصورہ کی باتوں نے لڑکیوں کے جذبے کی شدت میں اضافہ کر دیا۔ ان میں سے چار سو لڑکیاں تربیت حاصل کر کے تیار ہو چکی تھیں۔ انہیں محاذ کے لیے روانہ کیا جانے لگا۔ چاروں لڑکیوں نے چند دنوں میں کچھ تربیت حاصل کر لی تھی۔ انہیں روک لیا گیا لیکن ان میں انتقام کا جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ اسی جیش کے ساتھ محاذ پر جانے کی ضد کرنے لگیں۔ فاطمہ، حمیرہ اور سحر کی ضد اتنی سخت تھی کہ تینوں رو پڑیں۔ ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

نگی کی بیوہ نے انہیں بھی چار سو کے اس جیش میں شامل کر لیا۔ ان کے ساتھ ایک سو مردوں کو بھیجا گیا۔ یہ رضا کار تھے۔ انہوں نے لڑنے کی تربیت حاصل کر لی تھی۔ ان کا کمانڈر حجاج ابو وقاص تھا۔

نورالدین زنگی کی بیوہ نے حجاج وقاص کو ایک تحریری پیغام دے کر کہا۔ ''یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو دے دینا۔ میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ تم انہیں یہ بتانا کہ یہ لڑکیاں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ تم ایک بار پھر سن لو۔ ان لڑکیوں اور رضا کار محافظوں کو اپنے ساتھ رکھنا۔ انہیں شب کو شب خون مارنے کی تربیت دی گئی ہے اور لڑکیاں بھی لڑ سکتی ہیں۔ زخمیوں کو سنبھالنے کے بہانے تم سب لڑو گے۔ فوج کے سامنے رکاوٹ نہ بن جانا۔ جہاں موقع ملے دشمن کو کمزور کرو۔ میں نے لڑکیوں کو بتا دیا ہے کہ دشمن کے ہاتھ زندہ نہ آئیں۔ وہ خود کہتی ہیں کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہوا تو وہ اپنی تلوار سے اپنے آپ کو ختم کر دیں گی۔''

چار سو لڑکیوں اور ایک سو رضا کار مردوں کا یہ دستہ گھوڑوں پر سوار دمشق سے روانہ ہوا تو سارا شہر اُمڈ کر باہر آ گیا۔ لوگوں نے جانے والوں پر پھول برسائے۔ اس قسم کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ''واپس نہ آنا۔ آگے جانا...... صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ دمشق کی تمام عورتیں آئی گی...... اللہ تمہیں فتح دے گا...... اسلام کا کوئی دشمن زندہ نہ رہے'' ...... شہر کے بہت سے آدمی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار دور تک اس جیش کے ساتھ گئے۔

☆

رمضان کا مہینہ تھا۔ راستے میں ایک رات پڑاؤ کرنا تھا۔ افطاری کے وقت سے کچھ دیر پہلے یہ قافلہ ایک جگہ رک گیا۔ لڑکیاں کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں اور مرد خیمے نصب کرنے لگے۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ راتیں سرد ہو جاتی تھیں۔ گھوڑوں کے اس قافلے کے ساتھ اونٹ بھی تھے جن پر خیمے لدے ہوئے تھے لیکن خیموں میں برچھیاں، تلواریں اور تیر و کمان لپٹے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے بارہ گھوڑ سوار آ گئے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار تھے، جو دمشق سے محاذ پر جانے والے راستے کی حفاظت میں گھوم پھر کر رہے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں اور رضا کاروں کے قافلے کو دیکھ لیا تھا۔

ان آٹھ سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر میر کارواں حجاج ابو وقاص آگے بڑھا۔ چھاپہ ماروں کا کمانڈر انطانون تھا۔ اس نے ابو وقاص سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ ابو وقاص نے اسے مکمل جواب دیا اور اسے مطمئن کر دیا۔ چھاپہ ماروں کو دیکھ کر بہت سی لڑکیاں دوڑی گئیں اور ان کے لوگوں جمع ہو گئیں۔ سب کا یہی ایک سوال تھا کہ محاذ کی کیا خبر ہے۔ انطانون نے انہیں بتایا کہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی، اور کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ کس وقت شروع ہو جائے۔

انطانون بولتے بولتے چپ ہو گیا اور اس کی نظریں لڑکی پر جم گئیں۔ اس نے حیران سا ہو کر پوچھا...... ''فاطمہ! تم کیسے آ گئی ہو؟''

فاطمہ بے تابی سے آگے بڑھی اور انطانون کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انطانون نے فاطمہ کو گمشتگین کے حرم سے نکالا تھا۔ ابو وقاص نے انطانون سے کہا کہ وہ افطار ان کے ساتھ کریں اور کھانا بھی انہی کے ساتھ کھائیں۔ سب بکھر گئے ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ انطانون اور فاطمہ نے اتنا سا موقع پیدا کر لیا کہ انطانون نے اسے رات کو ملنے کی ایک جگہ بتا دی۔ دمشق سے دور اس ویرانے میں اذان کی صدائے مقدس گونجی۔ سب نے روزہ افطار کیا۔ نماز پڑھی اور کھانا کھایا۔ سب دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ جنہیں سونا تھا وہ سو گئے۔ لڑکیوں نے ٹولیوں میں بٹ کر گیت گانے شروع کر دیے۔

چھاپہ ماروں نے ان سے کچھ دور اپنا ڈیرہ جمالیا۔ انطانون اپنی پارٹی کو یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ ادھر ادھر دیکھ بھال کرنے جا رہا ہے۔

فاطمہ چپکے سے لڑکیوں میں سے غائب ہوگئی۔ وہ خیمہ گاہ سے دور ایک جگہ کھڑا انطانون کا انتظار کر رہی تھی۔

انطانون بھی آ گیا۔ فاطمہ کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات حرن میں ہوئی تھی۔ اس وقت انطانون سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔ اس نے اس لڑکی کو صرف اس لیے پھانسا تھا کہ وہ حرن کے حکمران اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن گمشتگین کے حرم کی لڑکی تھی۔ اس وہ اپنی جاسوسی کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ فاطمہ نے ایک صلیبی مشیر کو قتل کر دیا اور انطانون گرفتار ہو کر فرار ہوا اور فاطمہ کو ساتھ لے آیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے فاطمہ کو دمشق بھیج دیا اور انطانون اپنی درخواست پر چھاپہ مار دستے میں شامل ہو گیا۔ اب اتنے دنوں بعد فاطمہ اسے اچانک ملی تو انطانون نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ اس لڑکی کے بغیر اس کی زندگی روکھی پھیکی ہو گئی ہے اور یہ لڑکی اس کے دل میں اتر گئی ہے۔ یہ تعلق صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ لڑکی کو جاسوسی کے لیے استعمال کرنا تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت فاطمہ کی تھی۔

ان کی ملاقات جذباتی تھی۔ وہ اپنے اپنے قابو میں نہیں رہے تھے لیکن انطانون نے اس کی بازوؤں سے نکل کر کہا..... ''فاطمہ! ہمارا فرض ابھی پورا نہیں ہوا۔ میں حرن میں بھی اپنا فرض پورا نہیں کر سکا تھا۔ تمہیں وہاں سے نکال لانا کوئی کارنامہ نہیں تھا اور یہ میرے فرائض میں شامل بھی نہیں تھا۔ میں سلطان کے آگے شرمسار ہوں اور میں اپنی قوم کے آگے بھی شرمسار ہوں۔ میں چھاپہ مار دستے میں اسے لیے شامل ہوا ہوں کہ فرض پورا نہ کر سکنے کے گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں۔ سلطان محترم نے مجھ پر ذمہ دار عائد کر دی ہے کہ ان سات چھاپہ ماروں کی کمان اور قیادت مجھے دے دی ہے۔ اب ایک بار پھر میرے راستے میں نہ آ جانا۔ مجھے تم سے محبت ہے لیکن مجھے پہلے فرض ادا کرنے دو۔''

''میں بھی فرض ادا کرنے آئی ہوں۔'' فاطمہ نے کہا۔ ''میں گمشتگین کو قتل کرنے آئی ہوں۔''

''ناممکن ہے۔'' انطانون نے کہا۔ ''محترم سلطان عورت کو محاذ سے بہت دور رکھتا ہے۔ وہ شاید تم سب کو واپس بھیج دے گا۔''

''میں واپس نہیں جاؤں گی۔'' فاطمہ نے غصے سے کہا۔ ''میں ثابت کر دوں گی کہ عورت حرم کے لیے نہیں جہاد کے لیے پیدا کی گئی ہے..... انطانون، میری یہ خواہش پوری کرو کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مجھے مردانہ کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ رکھو۔''

''ایسا ہو نہیں سکتا۔'' انطانون کے کہا۔ ''اگر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ بھی لوں تو میری توجہ تم پر لگی رہے گی۔ میں کام نہیں کر سکوں گا، اور اگر میں پکڑا گیا تو مجھے اس جرم میں قید خانے میں ڈال دیں گے کہ میں نے ایک لڑکی اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ میری اور تمہاری نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو یہ جرم معمولی نہیں..... فاطمہ! جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ تم جدھر جا رہی ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے سلطان تم سب کو زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے اپنے ساتھ رکھ لے۔''

''تم پھر مل سکو گے!'' فاطمہ نے پوچھا۔

''شاید کہیں زندہ یا مردہ مل جاؤں۔'' انطانون نے جواب دیا۔ ''چھاپہ مار اپنے متعلق بتا نہیں سکتا کہ وہ کس وقت کہاں ہوگا اور اس کی لاش کہاں سے ملے گی۔ چھاپہ ماروں کی لاشیں ملا نہیں کرتیں۔ وہ دشمن کی جمعیت میں جا کر مرتے ہیں۔ زندہ رہا تو سیدھا تمہارے پاس آؤں گا۔''

''ہو سکتا ہے تم زخمی ہو جاؤ تو میں ہی تمہاری مرہم پٹی کروں۔'' فاطمہ نے کہا۔

''چھاپہ ماروں کی مرہم پٹی دشمن کیا کرتا ہے۔'' انطانون نے جواب دیا۔ ''فاطمہ جذبات میں نہ آؤ۔

جذبات کو بھی اور ایک دوسرے کو بھی قربان کرنا پڑے گا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ تم جیسی لڑکیاں حرموں میں نہ جائیں اور وہ صلیبیوں کے وحشی پن سے بچی رہیں تو میرا خیال دل سے نکال دو۔ میدان جنگ میں تمہیں جو فرض سونپا جائے صرف اسے دل میں رکھنا۔ تم گمشتگین کو قتل نہیں کر سکو گی۔ یہ ارادہ بھی دل سے نکال دو۔"

وہ بوجھل دل سے جدا ہوئے۔ فاطمہ پر انطانون کی کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ اس کے دل سے گمشتگین کے قتل کا ارادہ بھی نہ نکلا۔ اور انطانون کی محبت بھی نہ نکلی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کی سرگرمیاں دوہی تھی۔ میدان جنگ کا نقشہ دیکھتا اور اس کی لکیروں میں کھویا رہتا یا گھوڑے پر سوار اپنی فوج کی مورچہ بندیاں دیکھتا رہتا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے یا موزوں وقت تک کے لیے دفاعی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ اصل جنگ قرون کے اندر لڑنا چاہتا تھا جس کی اس نے سکیم بنا رکھی تھی لیکن ایک پہلو اسے پریشان کر رہا تھا۔ بائیں پہلو پر تو چٹانیں اور ان کے پیچھے پہاڑیاں تھیں لیکن دائیں پہلو پر چٹانیں زیادہ نہیں تھیں۔ ان کے پیچھے کچھ میدان تھا۔ دشمن اس طرف پیش قدمی کر کے یا ہلہ بول کر آگے نکل سکتا تھا۔ اس سے سلطان ایوبی کا سارا پلان تباہ ہونے کا خطرہ تھا۔ اس کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ اس میدان میں سواروں اور پیادوں کی دیوار کھڑی کر سکتا۔ قریبی چٹان پر اس نے تیر انداز بٹھا دیے تھے لیکن یہ انتظام کافی نہیں تھا۔ میدان کے لیے اس نے دو دستے سوار اور پیادہ تیار کر لیے تھے لیکن انہیں ابھی چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو یہ میدان پریشان کر رہا تھا۔ ان دستوں کے علاوہ اس نے ایک منتخب دستہ اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

وہ ایک چٹان پر کھڑا ادھر دیکھ رہا تھا کہ دور افق سے اسے گرد اٹھتی نظر آئی۔ ایسی گرد فوجی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ وہ کوئی سوار فوج آرہی تھی۔ گرد کے پھیلاؤ سے پتا چلتا تھا کہ گھوڑے ایک صف میں نہیں چار چار یا چھ چھ کی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے آرہے ہیں۔ دشمن کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا۔ "کیا اس راستے پر اپنا ایک بھی آدمی نہیں تھا؟ تیاری کا حکم دو۔"

تیاری کے نقارے بج اٹھے۔ فوج کو جس طرح دفاع کے لیے تیاری کی مشق کرائی گئی تھی وہ اسی طرح تیار ہوگئی۔ ذرا سی دیر بعد گھوڑے نظر آنے لگے۔ ان کی چال دشمن والی یا حملے والی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ دو چار سوار دوڑاؤ، دیکھو یہ کون لوگ ہیں...... سوار دوڑا دیے گئے اور جب وہ واپس آئے تو دور سے چلانے لگے۔ "دمشق سے رضا کار آئے ہیں۔ ساتھ عورتوں کی فوج ہے۔"

"عورتوں کی فوج؟" سلطان ایوبی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "عورتوں کی فوج؟" اس نے ذرا توقف سے سکون کی آہ لے کر کہا۔ "یہ فوج میری بیوہ بہن نے تیار کر کے بھیجی ہوگی۔ زنگی مرحوم کی بیوہ ہی یہ کام کر سکتی ہے"...... سلطان ایوبی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ وہ اتنا کبھی نہیں ہنسا تھا۔ ہنستے ہنستے وہ سنجیدہ ہو گیا۔ اور اپنے پاس کھڑے سالاروں سے کہنے لگا۔ "میری قوم کی بچیاں تمہیں فتح یاب کر کے دم لیں گی۔ ہم کیوں نہ مرمٹیں ان بچیوں کی آبرو پر...... لیکن میں انہیں واپس بھیج دوں گا۔ اگر ایک بھی لڑکی دشمن کے ہاتھ چڑھ گئی تو میں۔

وہ چٹان سے اتر کر آگے چلا گیا۔ لڑکیوں اور رضا کاروں کی فوج قریب آگئی۔ اس کا کمانڈر ابو وقاص گھوڑے سے اتر کر سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ سلام کے بعد نور الدین زنگی کی بیوہ کا تحریری پیغام دیا۔ اس نے لکھا تھا...... "میرے

بھائی! اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میرا شوہر زندہ ہوتا تو تم اتنے سارے دشمنوں کے سامنے اکیلے نہ ہوتے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ جو مجھ سے ہو سکتا تھا وہ پیش کر رہی ہوں۔ ان لڑکیوں کو میں نے زخمیوں کو سنبھالنے اور زخموں کی مرہم پٹی کی تربیت دلائی ہے۔ دوائیوں کا ذخیرہ بھی بھیج رہی ہوں۔ ایک سو رضا کار بھی ساتھ ہیں...... بوڑھے فوجیوں نے انہیں جنگی تربیت دی ہے۔ تقریباً تمام کو شبخون مارنے کی مشق بھی کرائی ہے۔ یہ سب جوش اور جذبے والے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ ان لڑکیوں کو تم محاذ پر رکھنا پسند نہیں کرو گے۔ میں تمہارے خیالات سے آگاہ ہوں، لیکن یہ خیال رکھنا کہ تم نے انہیں واپس بھیج دیا تو دمشق والوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم نہیں جانتے کہ اس شہر میں لوگوں میں کیا جذبہ ہے۔ مرد تو محاذ پر جانے کو تیار ہیں، عورتیں بھی تمہاری قیادت میں لڑنے کو بیتاب ہیں۔ اس جیش کو سارے شہر نے عقیدت اور ولولے سے رخصت کیا ہے۔ یہاں تو بچے بھی فوجی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ تمہیں فوج کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔''

پیغام پڑھ کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ تھیں تو لڑکیاں لیکن گھوڑوں پر وہ سپاہی لگتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو گھوڑوں سے اتار کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ اس نے کہا۔ ''میں تم سب کو میدان جنگ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تمہارے جذبے کا صلہ میں نہیں دے سکتا، خدا دے گا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ لڑکیوں کو محاذ پر بلاؤں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ تاریخ کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی بیٹیوں کو لڑایا تھا۔ میں تمہارے جذبات کو مجروح بھی نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنے پاس رکھنے سے پہلے میں تمہیں موقع دینا چاہتا ہوں کہ سوچ لو۔ تم میں اپنے کوئی ایسی لڑکی ہے جو اپنی مرضی سے نہیں آئی تو وہ الگ ہو جائے، اور وہ لڑکیاں بھی الگ ہو جائیں جن کے دل میں ذرا بھی شک اور خوف ہے۔''

کوئی ایک بھی لڑکی الگ نہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''میں تمہیں پیچھے محفوظ جگہ رکھوں گا۔ جنگ کے دوران تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا۔ پھر بھی یہ علاقہ ایسا ہے کہ تم دشمن کی زد میں آ سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے تم میں سے کئی تیروں سے ماری جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دشمن کے ہاتھ چڑھ جائے۔ یہ بھی سن لو کہ برچھی اور تلوار کا زخم بہت گہرا اور بڑا ہی بھیانک ہوتا ہے۔''

ایک لڑکی کی آواز بلند ہوئی۔ ''آپ تاریخ سے ڈرتے ہیں اور ہم بھی تاریخ سے ڈرتی ہیں۔ ہم واپس چلی گئیں تو تاریخ کہے گی کہ قوم کی بیٹیوں نے صلاح الدین ایوبی کو تنہا چھوڑ دیا اور گھروں میں بیٹھی رہی تھیں۔''

ایک اور لڑکی نے کہا۔ ''خدا صلاح الدین کی تلوار میں اور زیادہ قوت دے۔ ہم حرموں کے لیے پیدا نہیں ہوئیں۔''

تیسری لڑکی نے کہا۔ ''تین چاند پہلے میرا بیاہ ہوا تھا۔ اگر آپ نے مجھے واپس بھیج دیا تو میں اپنے خاوند کو اپنے اوپر حرام سمجھوں گی۔''

''تمہارا خاوند خود کیوں نہیں آیا؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔ ''اس نے اپنی دلہن کو کیوں بھیج دیا ہے۔''

''وہ آپ کی فوج میں ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

پھر تمام لڑکیوں نے چلانا شروع کر دیا۔ اس کے سوا کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنے جوش اور جذبے کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ یہ شوار ذرا تھما تو کسی لڑکی کی آواز سنائی دی...... ''محترم سلطان! ہمیں لڑنے کا موقع دیں ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔''

''یہ بھول جاؤ کہ میں تمہیں لڑائی میں شریک ہونے دوں گا۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔ ''تمہیں چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر دوں گا۔''

اس نے اسی روز لڑکیوں کو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر ٹولی کے ساتھ ایک ایک رضا کار لگا دیا گیا۔ رضا

کاروں کے متعلق کہا گیا تھا کہ انہیں جنگی ٹریننگ دی گئی ہے لیکن سلطان ایوبی نے انہیں زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام دیا کیونکہ وہ باقاعدہ فوج کے سپاہی نہیں تھے۔ انہیں فوج کے ساتھ مل کر لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ لڑکیوں اور رضا کاروں کی خیمہ گاہ قرون سے دور بنائی گئی۔ انہیں سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا جو زخمیوں اور لاشوں کو اٹھانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام کرتے تھے۔ ان سپاہیوں نے لڑکیوں اور رضا کاروں کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔

☆

فاطمہ، منصورہ، حمیرا اور سحر ایک ٹولی میں آ گئیں۔ ان کا ایک ٹولی میں اکٹھا ہو جانا قدرتی امر تھا کیونکہ وہ اکٹھی دمشق پہنچیں اور ان کے دلوں میں ایک ہی جیسی خواہش اور ولولہ تھا۔ ان کے ساتھ آذر بن عباس نام کا ایک رضا کار تھا۔ اس کا چھوٹا سا خیمہ الگ تھا اور اس کے قریب ہی چاروں لڑکیوں کے لیے بڑا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ ان لڑکیوں میں خطیب کی بیٹی منصورہ، جسمانی اور دماغی لحاظ سے تیز اور ہوشیار تھی۔ شام سے کچھ دیر پہلے اس نے دیکھا کہ ان کا ساتھی رضا کار آذر ایک چٹان پر چڑھتا جا رہا ہے۔ وہ اوپر چلا گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ منصورہ بھی اوپر چلی گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وادیوں میں اور ڈھلانوں پر سپاہی نظر آ رہے تھے۔ آذر نے منصورہ سے کہا۔ ''آؤ آگے چلیں۔'' وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ آذر قدرتی مناظر اور پہاڑی علاقے کی تعریفیں کرتا رہا۔

آذر خوبرو جوان تھا۔ اس کی باتوں میں زندہ دلی اور چاشنی تھی۔ اس نے منصورہ کے ساتھ بڑی شگفتہ سی باتیں شروع کر دیں۔ منصورہ نے بھی اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ وہ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے واپس آئے۔ اتنے سے وقت میں آذر منصورہ کے دل میں اتر چکا تھا۔ افطاری کے بعد لڑکیاں اپنے خیمے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ فوج کے کسی کمانڈر نے خیمے میں جھانک کر دیکھا اور لڑکیوں سے پوچھا کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں؟ لڑکیوں نے آرام اور اطمینان کا اظہار کیا تو کمانڈر خیمے سے ہٹ گیا۔ باہر آذر کھڑا تھا۔ اس نے کمانڈر کو باتوں میں لگا لیا۔ وہ بہت دیر باہر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ منصورہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ آذر نے کمانڈر سے پوچھا کہ اتنی تھوڑی فوج سے وہ تین فوجوں کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔

''دشمن کے لیے پھندا تیار ہے۔'' کمانڈر نے کہا۔ ''جنگ اس میدان میں نہیں ہوگی جہاں دشمن ہوگا۔ ہم اسے اس جگہ گھسیٹ لائیں گے جہاں ہم نے وسیع پیمانے پر گھات تیار رکھی ہوئی ہے۔'' اس کمانڈر نے آذر کی جذباتی اور جوشیلی باتوں سے متاثر ہو کر تفصیل سے بتا دیا کہ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو کس طرح تقسیم کیا ہے اور وہ کیا کرے گا۔ مصر کی کمک کے متعلق بھی تفصیل بتا دی۔

اسی رات کا واقعہ ہے۔ آدھی رات کے لگ بھگ منصورہ کی آنکھ کھل گئی۔ اسے آذر بن عباس کے خیمے سے باتیں سنائی دیں۔ وہ سمجھی کہ آذر کا کوئی دوست ہوگا لیکن اسے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ ''تم ابھی نکل جاؤ۔ کچھ باتیں تم نے خود معلوم کر لی ہیں۔ باقی میں نے بتا دی ہیں۔ میرے لیے یہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔ اب راستہ سمجھ لو۔'' اس آدمی نے آذر کو بتایا کہ وہ کس طرف سے نکلے۔ اسے سارا راستہ سمجھا کر کہا۔ ''تم پیدل جا رہے ہو۔ پیدل ہی جانا چاہیے۔ صبح سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ جلدی پہنچنے کی کوشش کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کل ہی اندھا دھند حملہ کریں۔ پھندا تیار ہے اور مضبوط ہے۔ قرون کے اندر نہ آئیں۔ خدا حافظ!''

منصورہ کو اس آدمی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چلا گیا تھا۔ منصورہ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر باہر دیکھا۔ آذر اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ وہ ایک طرف چل پڑا۔ منصورہ نے اپنے خیمے کی کسی لڑکی کو جگائے بغیر اپنے

سامان سے خنجر نکالا اور باہر نکل گئی۔

☆

آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے جن کی وجہ سے چاندنی بہت ہی دھندلی تھی۔ منصورہ کو آذر سائے کی طرح نظر آرہا تھا۔ کچھ فاصلہ رکھ کر اور اوٹ میں ہو ہو کر اس نے آذر کا تعاقب کیا۔ آذر ایک چٹان کے دامن میں ہو گیا۔ اور چلتا گیا۔ منصورہ بھی اسی راستے پر ہو گئی۔ راستے میں کوئی سنتری یا کوئی اور فوجی ادھر ادھر آتا جاتا نظر نہ آیا۔ اس لیے منصورہ سمجھ گئی کہ لڑکیوں اور رضا کاروں کے خیمے اگلے مورچوں سے بہت پیچھے لگائے گئے ہیں اور اس سے پیچھے کوئی فوج نہیں۔ منصورہ کو معلوم نہیں تھا۔ وہاں کئی جگہوں پر فوج موجود تھی لیکن جو آدمی آذر کے پاس آیا تھا وہ اسے ایسا راستہ بتا گیا تھا جو اسے فوج کی نظر سے بچا سکتا تھا۔ وہ ایک کٹی ہوئی چٹان کے اندر چلا گیا۔ منصورہ رکی۔ ذرا دیر بعد وہ بھی چٹان کے کٹاؤ میں داخل ہو گئی۔

آگے وادی تھی جس میں درخت بھی تھے۔ آذر کسی درخت کے پیچھے رک جاتا، ادھر ادھر دیکھتا اور چل پڑتا۔ منصورہ کے بھی چلنے، رکنے اور چھپنے کا انداز یہی تھا۔ کچھ دور اونچی پہاڑی کا دامن آ گیا۔ منصورہ بھی اس میں داخل ہوئی تو یخ ہوا کے تیز و تند جھونکے نے اس کے پاؤں اکھاڑ دیے اور اس کا جسم سن ہونے لگا۔ آذر نے کسی شک کی بنا پر پیچھے دیکھا اور رک گیا۔ منصورہ بڑے سے ایک پتھر کے پیچھے بیٹھ گئی۔ آذر آگے کو چل پڑا۔ منصورہ اٹھی اور جس طرف پہاڑی کا سایہ تھا طرف ہو گئی۔

درے سے باہر نکلے تو کھلا میدان تھا۔ آذر تیز چل پڑا۔ منصورہ نے بھی رفتار تیز کر دی وہ عورت تھی، بہت سا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ ٹھنڈ بھی تھی اور نیچے پتھر تھے۔ وہ تھک گئی یہ تو اس کا جذبہ تھا جو اسے تعاقب میں چلائے جا رہا تھا۔ اب وہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ اس تعاقب میں انجام کیا ہوگا۔ اگر آذر دوڑ پڑا تو وہ اس تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ جس شک پر اس کے تعاقب میں گئی تھی وہ یقین میں بدل چکا تھا۔ آذر دشمن کی طرف جا رہا تھا۔ منصورہ نے تعاقب کا یہ پہلو تو سوچا ہی نہیں تھا کہ اسے پکڑے یا پکڑوائے گی کیسے۔ اب تو وہ بہت تیز چل پڑا تھا۔ اگر اسے پکڑنا ہی تھا تو یہ دوبدو مقابلہ تھا۔ منصورہ کے پاس خنجر تھا۔ اس نے خنجر زنی کی تربیت موصل میں اپنے باپ سے لی تھی لیکن وہ صرف تربیت تھی۔ دشمن سے کبھی مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ یہ دشمن تنومند مرد تھا۔ کیا منصورہ اسے زیر کر کے پکڑ سکے گی؟

وہ سوچتی گئی اور تیز چلتی گئی۔ آذر اچانک رک گیا اور اس نے پیچھے دیکھا۔ منصورہ کے قریب ایک درخت تھا وہ پھرتی سے درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔ درخت کیساتھ جگہ ذرا بلند تھی اور وہاں پتھر تھے۔ منصورہ کا پاؤں پتھروں پر پھسلا اور وہ گر پڑی۔ رات کے سکوت میں پتھروں کی آواز بہت اونچی سنائی دی۔ آذر پیچھے کو آیا۔ منصورہ نے اسے آتے دیکھ لیا۔ وہ اٹھی نہیں، درخت کے پیچھے بیٹھ گئی اور آذر کو دیکھتی رہی۔ اس نے خنجر نکال لیا۔ آذر درخت کے بالکل قریب آ گیا تو منصورہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ آذر درخت سے ذرا آگے ہوا تو منصورہ نے اس کے پاؤں پر جھپٹا مارا اور اس کے دونوں ٹخنے پکڑ لیے۔ وہ اب پیٹ کے بل تھی۔ اس نے پوری طاقت سے آذر کے ٹخنے پیچھے کو کھینچے۔ وہ منہ کے بل گرا۔ دوسرے لمحے منصورہ اس کی پیٹھ پر گھٹنے رکھ چکی تھی اور اس کے خنجر کی نوک آذر کی گردن پر تھی۔ یہ عمل دو تین سیکنڈ میں مکمل ہو گیا۔

ایک لڑکی ایک ہٹے کٹے جوان کو اپنے گھٹنوں اور جسم کے تمام تر وزن سے بے بس نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن گردن پر خنجر کی نوک نے آذر کو حرکت نہ کرنے دی۔ اس کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرے جا پڑی تھی۔

''کون ہو تم؟'' آذر نے پیٹ کے بل بے بس پڑے ہوئے پوچھا۔

''جس کے ہاتھ سے تم بچ کر نہیں سکو گے۔'' منصورہ نے جواب دیا۔

''تم عورت ہو؟''

''ہاں!'' منصورہ نے جواب دیا۔ ''میں عورت ہوں جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرا نام منصورہ ہے۔''

''اوہ، پاگل لڑکی!'' آذر نے ہنس کر کہا۔ ''تم نے کیا مذاق کیا ہے؟ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ہٹو، اترو، اپنا خنجر ہٹالو، میری کھال میں اتر رہا ہے۔''

''یہ مذاق نہیں آذر...... تم کہاں جا رہے ہو؟''

''خدا کی قسم میں کسی اور لڑکی کے پیچھے تو نہیں جا رہا۔'' آذر نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ ''تم سے زیادہ اچھی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ میں تمہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا۔''

''مجھے نہیں تم میری قوم کو دھوکہ دینے جا رہے تھے۔ منصورہ نے کہا۔ تم مجھے سب سے زیادہ اچھی لڑکی سمجھتے تھے اور میں نے تمہیں سب سے زیادہ اچھا مرد سمجھا تھا مگر اب نہ میں تمہارے لیے اچھی ہوں نہ تم میرے لیے اچھے ہو۔ فرض نے جذبات پر مہر ثبت کر دی ہے۔ تم اپنا فرض ادا کرنے چلے تھے، میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔ اگر تم میرے خاوند ہوتے، میرے جسم اور روح کے مالک اور میرے بچوں کے باپ ہوتے تو بھی میرا خنجر تمہاری گردن پر ہوتا۔''

''تم نے مجھے کیا سمجھ کر گرا لیا ہے؟'' آذر نے پوچھا۔

''نام کا مسلمان اور صلیبیوں کا جاسوس۔'' منصورہ نے کہا۔ ''تم صلیبیوں کے دوستوں کو بتانے جا رہے ہو کہ احتیاط سے حملہ کرنا اور قردن لے اندر نہ آنا۔''

''تم گنوار لڑکی کیا جانو جاسوس کسے کہتے ہیں''...... آذر نے کہا۔ ''میں دشمن کو دیکھنے جا رہا تھا۔''

''میں جانتی ہوں جاسوس کیسے ہوتے ہیں۔ منصورہ نے کہا۔ ''میں بہت بڑے جاسوس کی بیٹی ہوں۔ ابن الخدوم گکبوری کا نام کبھی سنا ہے؟ وہ موصل کے خطیب تھے۔ میں ان کے گروہ کی جاسوس ہوں۔ میں نے اپنے باپ کو موصل کے قید خانے کے تہہ خانے سے نکلوا کر فرار کرایا اور خود ان کے ساتھ موصل سے فرار ہو کر آئی ہوں۔ تم اناڑی جاسوس ہو۔ تجربہ کار جاسوس دور جا کر باتیں کیا کرتے ہیں۔ کسی کے خیمے کے پاس کھڑے ہو کر راز کی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تم رضا کار بن کر آئے تھے۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''میرے اوپر سے اٹھو''...... آذر نے کہا۔ ''خنجر ہٹاؤ، میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تمہاری زبان آزاد ہے''...... منصورہ نے کہا۔ ''کہو، ضروری بات کہو، میں سن رہی ہوں۔''

آذر خاموش ہو گیا۔ اس کا جسم بے حس ہو گیا۔ اس نے ماتھا زمین سے لگا دیا۔ منصورہ کے سامنے اب یہ مسئلہ آ گیا کہ اسے باندھے کیسے اور وہاں سے کس طرح لے جائے اگر اسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ اسے زندہ ایوبی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔ چونکہ وہ خود جاسوسوں کے گروہ کے ساتھ رہ چکی تھی، اس لیے جانتی تھی کہ جاسوس کو زندہ پکڑا جاتا ہے۔ اسے یہ خیال آیا کہ ارد گرد کہیں اپنے سپاہی ہوں گے۔ اس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔ ''کوئی ہے تو پہنچو۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔'' پھر اس نے کہا ''آہو۔ ہا آہو۔'' کی آوازیں بلند کیں۔

آذر جو بے حس ہو گیا تھا اچانک اتنی زور سے اچھلا کہ منصورہ جو اس کی پیٹ پر گھٹنے دبا کر بیٹھی ہوئی تھی لڑھک کر ایک طرف جا پڑی۔ آذر تلوار کی طرف لپکا۔ منصورہ نے بجلی کی تیزی سے اٹھ کر آذر کو پیچھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ آگے کو گرا۔ منصورہ نے تلوار اٹھالی۔ آذر دوڑ پڑا۔ اس کے لیے مقابلہ کرنے کی بجائے نکل بھاگنا زیادہ ضروری تھا۔

منصورہ شور مچاتی اس کے پیچھے دوڑی۔ اس کے پاؤں میں بلا کی تیزی آگئی تھی۔ دور کہیں گشتی سنتری گشت کررہے تھے۔ انہیں منصورہ کا واویلا سنائی دیا تو دوڑے آئے۔ آگے ندی تھی۔ آذر کو رکنا پڑا۔ منصورہ پہنچ گئی۔ اور دونوں سنتری بھی پہنچ گئے۔ آذر نے ندی میں چھلانگ لگادی۔ منصورہ چلائی۔ ''جانے نہ دینا جاسوس ہے۔ زندہ پکڑو۔''

سنتری بھی ندی میں کود گئے اور آذر کو پکڑ اگیا۔ اسے باہر لائے لیکن ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ وہ سمجھے کہ یہ کوئی اور گڑبڑ ہے۔ ان کے پوچھنے پر منصورہ نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہے اور محاذ پر کس طرح پہنچی ہے اور یہ آدمی رضا کار بن کے آیا ہے لیکن مشتبہ ہے۔ اسے سلطان صلاح الدین کے پاس لے چلو۔

''سنو میرے دوستو!'' آذر نے سنتریوں سے کہا۔ ''تمہیں یہاں کیا ملتا ہے؟ چند سکوں اور دو وقت کی روٹی کی خاطر مرنے آئے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ شہزادے بنادوں گا۔ اس جیسی لڑکیوں کے ساتھ شادی کراؤں گا۔ دولت سے مالا مال کردوں گا۔''

''ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں گے''..... ایک سنتری نے کہا۔ ''پہلے تم ہمارے ساتھ چلو۔ تم بھی چلو لڑکی...... وہاں جاکر دیکھیں گے کہ یہ جاسوس ہے یا تم بھی جاسوس ہو یا دونو ادھر بد معاشی کے لیے آئے تھے۔''

☆

سلطان ایوبی کے خیمے سے تھوڑی ہی دور حسن بن عبداللہ کا خیمہ تھا۔ سنتری، آذر اور منصورہ کو اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر انہیں حسن بن عبداللہ کے پاس لے گیا۔ اسے جگایا اور آذر کو اس کے حوالے کردیا۔ منصورہ نے حسن بن عبداللہ کو تمام تر واردات سنائی۔ تعاقب کی تفصیل بھی سنائی۔ حسن بن عبداللہ نے منصورہ کو غور سے دیکھا کر پوچھا۔ ''تمہارا چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں۔ تم شاید موصل سے فرار ہو کر آئی تھیں۔ تمہارے ساتھ موصل کے خطیب ابن المخدوم بھی تھے؟''

''میں ان کی بیٹی ہوں۔'' منصورہ نے کہا۔

''تم نے میری حیرت ختم کردی ہے۔'' حسن بن عبداللہ نے کہا۔ ''ہماری لڑکیاں تم سے زیادہ دلیر ہوسکتی ہیں لیکن یہ ذہانت کم ہی پائی جاتی ہے جس کا مظاہرہ تم نے کیا ہے۔''

''مجھے محترم والد نے تربیت دی ہے۔'' منصورہ نے کہا۔ ''میرے کانوں میں صرف دو جملے پڑے اور میں سمجھ گئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔''

آذر کی جامہ تلاشی لی گئی۔ اس سے کاغذ برآمد ہوئے۔ ان پر نشان لگے ہوئے تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی پوزیشنیں ظاہر کرتے تھے۔ کاغذوں پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں تھیں۔ یہ قرون حماۃ کا خاکہ تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ سلطان ایوبی کا مکمل دفاعی پلان دشمن کے پاس جارہا تھا۔

''آذر بھائی!'' حسن بن عبداللہ نے آذر کو کاغذات دکھاتے ہوئے کہا۔ ''ان کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ گئی ہے تو بتادو، پھر میں تمہیں آزاد کردوں گا۔ اگر بے گناہ ہو تو بولو۔ مجھے یقین دلاؤ...... تم مسلمان ہو؟''

''خدائے ذوالجلال کی قسم!''

حسن بن عبداللہ نے اس کے منہ پر سیدھا گھونسا اس قدر زور سے مارا کہ آذر کئی قدم پیچھے پیٹھ کے بل گرا۔ حسن نے دھیمی مگر قہر آلود آواز میں کہا۔ ''جاسوسی کافروں کی کرتے ہو اور قسم ہمارے خدا کی کھائے ہو۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ تم جاسوس ہو یا نہیں۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہاں تمہارے جتنے ساتھی ہیں ان کے نام بتادو اور بتاؤ کہ وہ کہاں کہاں ہیں

''میں مسلمان ہوں''...... آذر نے التجا کی۔''سب کچھ بتا دوں گا۔ مجھے بخش دو۔ میں اگلی صف میں لڑوں گا''......

''پہلے میرے سوال کا جواب دو''...... حسن بن عبداللہ نے کہا۔''اب تم مجھ پر اپنی کوئی شرط نہیں ٹھونس سکتے''......

وہ ہٹ کا پکا معلوم ہوتا تھا۔ بولا''میں اکیلا ہوں۔''

''اس لڑکی نے تمہارے خیمے میں جس دوسرے آدمی کی باتیں سنی تھیں وہ کون تھا؟''

''میں نے اسے پہچانا نہیں تھا''...... آذر نے جواب دیا۔''وہ اندھیرے میں آیا اور اندھیرے میں چلا گیا تھا''......

حسن بن عبداللہ نے اپنے دو آدمیوں کو بلایا اور کہا......''اسے لے جاؤ اور پوچھو کہ اس کے ساتھ کون ہیں اور کہاں ہیں''......اس نے منصورہ سے کہا۔''تم جا کر سو جاؤ۔ فجر کی نماز کے بعد تمہیں بلائیں گے۔''

☆

سلطان ایوبی جب فجر کی نماز پڑھ کر آیا تو حسن بن عبداللہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ خطیب ابن المخدوم کی بیٹی نے رات ایک جاسوس پکڑا ہے۔ اس نے سارا واقعہ سنایا تو سلطان ایوبی نے کہا۔''اسلام کی بیٹیوں کا یہی کردار تھا۔ اگر ہم نے اپنے کلمہ گو دشمنوں کو خون سے لکھا ہوا سبق نہ پڑھایا تو وہ قوم کی بیٹیوں کا کردار ختم کر دیں گے...... وہ جاسوس کہاں ہے؟''

''ابھی آپ اسے نہ دیکھیں''...... حسن بن عبداللہ نے کہا۔''میں اس کا سینہ خالی کر لوں تو اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔ خوبرو جوان ہے۔ اپنے آپ کو دمشق کا باشندہ کہتا ہے۔ یہاں رضا کار بن کے آیا تھا۔''

اس وقت آذر ایک درخت کے ٹہن کے ساتھ الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اس کا سر زمین پر گز ڈیڑھ گز اوپر تھا نیچے انگارے دہک رہے تھے۔ ایک سپاہی تھوڑی تھوڑی دیر بعد آگ میں کچھ پھینکتا تھا جس کے دھوئیں سے آذر تڑپتا اور کھانستا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے اسے نیچے اتروایا۔ اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ سارا خون چہرے پر آ گیا تھا۔ وہ کھڑا نہ رہ سکا۔ تھوڑی دیر غشی کی حالت میں زمین پر پڑا رہا۔ اس کے منہ میں پانی ٹپکایا گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو حسن بن عبداللہ نے کہا۔''یہ بسم اللہ ہے۔ نہیں بولو گے تو تمہارا ایک ایک جوڑ الگ کیا جائے گا۔''

اس نے پانی مانگا۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔''دودھ پلاؤں گا۔ میرے سوال کا جوب دو۔'' اور اس نے ایک سپاہی سے کہا۔''دودھ لے آؤ، ایک گھوڑا اور ایک رسہ بھی لے آؤ۔ رسہ اس کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دو۔''

آذر نے دو نام بتا دیئے۔ یہ دونوں رضا کار تھے۔ ان میں رات والا آدمی بھی تھا۔ اس نے دمشق کے اڈے کی بھی نشان دہی کر دی۔ حسن بن عبداللہ نے اسی وقت دونوں رضا کاروں کو پکڑنے کا حکم دے دیا اور آذر کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''دمشق کا۔''

''کس کے بیٹے ہو؟''

آذر نے ایک جاگیردار کا نام بتایا۔

''میں شاید اسے جانتا ہوں۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔''وہ دمشق میں ہے۔؟''

''جب الملک الصالح کی فوج دمشق سے بھاگی تھی تو وہ بھی حلب چلا گیا تھا۔''

''اور تمہیں جاسوسی کے لیے پیچھے چھوڑ گیا تھا''...... سلطان ایوبی نے کہا۔

''میں خود ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔'' آذر نے کہا۔''میرے باپ نے ایک آدمی کے ہاتھ حلب سے پیغام بھیجا تھا کہ میں جاسوسی کروں۔ مجھے پوری ہدایات ملی تھیں۔''اس نے ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی سے التجا کی۔''میں مسلمان ہوں، مجھے باپ نے گمراہ کیا تھا۔ مجھے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ میں اس گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔''

''اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔''میں اللہ کے قانون میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا مسلمان مرد ہے جس کے ہاتھ سے ایک عورت نے تلوار گرائی اور اسے پکڑلیا ہے...... تم نے یہاں کیا کیا دیکھا ہے؟''

''میں نے یہاں بہت کچھ دیکھ لیا تھا......'' آذر نے کہا۔''باقی معلومات میرے ان دو ساتھیوں نے دی تھیں جو یہاں پہلے سے موجود تھے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ یہ دیکھوں کہ منجنیقیں اور تیر انداز کہاں ہیں۔ میں نے یہ دیکھ لیے تھے۔''

''تم سے پہلے تمہارا کوئی ساتھی یہ معلومات لے کر یہاں سے گیا ہے؟''...... سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''نہیں''...... آذر نے جواب دیا۔''ہم تینوں کے سوا یہاں اور کوئی نہیں''......

''تمہیں احساس ہے کہ تم کتنے خوبرو اور وجیہہ جوان ہو؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔''اور کیا تم جانتے ہو کہ ایک لڑکی نے تمہیں کس طرح گرالیا تھا؟''

''اگر وہ پیچھے سے میرے دونوں ٹخنے نہ پکڑ لیتی تو میں نہ گرتا۔''

''تم پھر بھی گر پڑتے''...... سلطان ایوبی نے کہا۔''جن کا ایمان فروخت ہو چکا ہوتا ہے وہ بڑی آسانی سے گرا کرتے ہیں اور وہ تمہاری طرح منہ کے بل گرا کرتے ہیں۔ تم حق والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہوتے تو دس کافر مل کر بھی تمہیں نہ گرا سکتے۔ اصل قوت بازو اور تلوار کی نہیں ایمان کی ہوتی ہے۔''

''مجھے ایک موقع دیں۔'' آذر نے کہا۔

''اس کا فیصلہ دمشق کا قاضی کرے گا۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔''میں تمہارے ساتھ یہ باتیں اس لیے کر رہا ہوں کہ تم مسلمان کے بیٹے ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہونا چاہئے تھا مگر تم ادھر چلے گئے۔ میں جانتا ہوں دمشق کی دو چار لڑکیاں تمہاری محبت کا دم بھرتی ہوں گی۔ چہرے اور جسم کے لحاظ سے تم اس قابل ہو کہ لڑکیاں تمہیں پسند کریں لیکن اب وہ لڑکیاں تمہارے منہ پر تھوکیں گی۔ خدا نے بھی تم سے نظریں پھیر لی ہیں...... میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ دمشق کے محترم قاضی تمہیں کیا سزا دیں گے۔ اگر وہ سزائے موت دیں تو جتنی دیر زندہ رہو اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہنا۔ کم از کم مرنے سے پہلے مسلمان ہو جانا۔''

''میرے باپ کو کون سزا دے گا؟''...... آذر نے غصے سے کہا۔''اس گناہ کی ترغیب مجھے باپ نے دی تھی۔ اسی نے میرے دل میں دولت کا لالچ ڈالا تھا۔ اسی نے میرے دل سے ایمان نکالا تھا۔''

''اللہ کا قانون اسے نہیں بخشے گا۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔''دولت کا نشہ عارضی ہوتا ہے۔ ایمان کی قوت مر کر بھی ختم نہیں ہوتی۔''

''میری ایک عرض سن لیں۔'' آذر نے کہا۔''میرا باپ کوئی دولت مند انسان نہیں تھا۔ دولت کا پرستار تھا۔ میری دو بہنیں جوان ہوئیں تو اس نے دونوں کو دو امراء کے حوالے کر دیا اور دربار میں جگہ حاصل کر لی۔ اس نے اپنی بیٹیوں

کی بہت زیادہ قیمت وصول کی۔ پھر وہ مخبری اور غیبت کرنے لگا۔ مجھے بھی اسی نے اسی کام پر لگالیا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کر دیا۔ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد میرے باپ نے اور زیادہ اونچی حیثیت حاصل کر لی۔ وہ اب تجربہ کار سازشی اور جوڑ توڑ کا ماہر ہو گیا تھا۔ اس وقت تک وہ خاصی جاگیر حاصل کر چکا تھا۔ آپ کی فوج آئی تو الملک الصالح اور اس کے درباری امراء اور جاگیردار دمشق سے بھاگ گئے۔ ان میں میرا باپ بھی تھا۔ میں کسی ارادے کے بغیر ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد حلب سے ایک آدمی آیا۔ وہ میرے باپ کا یہ پیغام لایا کہ میں جاسوسی کا کام شروع کر دوں۔ وہ آدمی مجھے دمشق میں ہی اس اڈے پر لے گیا جس کی میں نے نشاندہی کی ہے۔ وہاں مجھے بہت سی رقم دی گئی اور دو تین دنوں میں بتادیا گیا کہ مجھے کیا کرنا اور کس طرح کرنا ہے۔ میں اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ خوب عیش و عشرت کی۔ ایک روز ہمارے سرغنہ نے ہمیں کہا کہ محاذ پر رضا کار جا رہے ہیں، تین چار آدمی ان میں شامل ہو جاؤ۔ ہم تین آدمی شامل ہو گئے۔ دو پہلے ہی یہاں آ گئے تھے۔ پھر مجھے حکم ملا کہ میں بھی یہاں آؤں اور آپ کی فوج کی ساری کیفیت دیکھ کر تمام معلومات مشترکہ کمان تک پہنچاؤں۔ میں آ گیا۔ میرے ساتھی یہاں کا نقشہ تیار کر چکے تھے۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ آپ اپنے دشمن کی فوج کو اس جگہ لا کر لڑانا چاہتے ہیں جو چٹانوں میں گھری ہوئی ہے۔ میں نے چٹانوں پر چھپے ہوئے آپ کے تیرانداز اور منجنیقیں بھی دیکھ لی تھیں۔“

اس کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے کہا۔ ”میں پکڑا گیا ہوں تو محسوس کیا ہے کہ میں گناہ کر رہا تھا۔ آپ کی باتوں نے میرے اندر ایمان کی حرارت بیدار کر دی ہے۔ اگر میرا باپ اپنی بیٹیوں کو بیچ کر دولت مند نہ بنتا تو میرا ایمان قائم رہتا۔ یہ گناہ میرے باپ کا ہے۔ سلطان! آپ کا اقبال بلند ہو۔ مجھے گناہ کا کفارا ادا کرنے کا موقع دو۔“

سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو اشارہ کیا تو آذر کو خیمے سے باہر لے گئے۔

☆

اسی روز آذر کو دمشق کو روانہ کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ دو محافظ تھے۔ تینوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ آذر کے ہاتھ رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے وہ آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ رات کے لیے رکنا تھا۔ راستے میں دونوں محافظ اس سے سنتے رہے تھے کہ اس کا جرم کیا ہے۔ آذر نے ان کے ساتھ جذباتی سی باتیں کر کے انہیں متاثر کر لیا تھا۔ شام کے وقت آذر نے انہیں کہا کہ تھوڑی سی دیر کے لیے وہ اس کے ہاتھ کھول دیں۔ محافظوں نے اس خیال سے اس کے ہاتھ کھول دیے کہ یہ نہتہ ہے۔ بھاگ کر کہاں جائے گا۔ انہوں نے دوسری احتیاط یہ کی کہ اسے گھوڑے سے اتار لیا۔ وہ پیدل تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ بیٹھ گئے اور ان کے پاس کھانے کے لیے جو کچھ تھا کھانے لگے۔

آذر نے موقع دیکھ لیا اور اچانک اٹھ کر بہت ہی تیزی سے دوڑا۔ گھوڑے قریب ہی کھڑے تھے۔ آذر ایک ثانیے میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ محافظ پہنچ تو گئے لیکن آذر نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر رخ ان کی طرف کر دیا۔ وہ دونوں ادھر ادھر ہو گئے اور اپنے گھوڑوں تک بروقت نہ پہنچ سکے۔ جتنی دیر میں وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اتنی دیر میں آذر بہت سا فاصلہ حاصل کر چکا تھا۔ محافظوں نے گھوڑے بھگائے لیکن اب تعاقب بے سود تھا۔ شام گہری ہونے لگی تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کہیں کہیں ٹیلے اور چٹانیں بھی تھیں۔ محافظ دور تک گئے مگر آذر غائب ہو چکا تھا۔

دوسرے دن دونوں محافظ سر جھکائے ہوئے، شکست خوردہ اور بری طرح تھکے ہوئے حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچے۔ ایک نے کہا۔ ”ہمیں گرفتار کر لیں۔ قیدی بھاگ گیا ہے۔“ انہوں نے یہ بھی بتادیا کہ قیدی کے کہنے پر انہوں نے اس

کے ہاتھ کھول دیئے تھے۔ حسن بن عبداللہ نے انہیں حراست میں لے لیا لیکن گھبراہٹ سے اس کا پسینہ نکل آیا کیونکہ آذر معمولی قسم کا قیدی نہیں تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا سارا پلان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ فتح وشکست کا دارومدار اس پلان پر تھا۔ حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی کو بتانے سے ڈر رہا تھا کہ پکڑا ہوا جاسوس ہاتھ سے نکل گیا ہے اور اپنے سارے منصوبے بیکار ہوگئے ہیں۔ چھپانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو جب حسن بن عبداللہ نے بتایا کہ قیدی بھاگ گیا ہے تو سلطان کے چہرے کا رنگ بدل گیا کتنی ہی دیر اس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔ سلطان اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا۔ اس دور کا ایک وقائع نگار اسدالاسدی لکھتا ہے۔ ''صلاح الدین ایوبی انتہائی خطرناک صورت حال میں بھی نہیں گھبراتا تھا لیکن اس جاسوس کے بھاگ جانے کی خبر سن کر اس کے چہرے سے خون غائب اور آنکھیں بے نور ہوگئیں...... خیمے میں ٹہلتے ٹہلتے ہوا رک گیا، اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''خدائے ذوالجلال! کیا یہ اشارہ ہے کہ میں یہاں سے واپس چلا جاؤں؟ کیا میری ذات باری نے میرے گناہ بخشے نہیں؟ میں نے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا، پھر اس کی آواز رندھیا گئی۔ اسے شاید غیب کا کوئی اشارہ مل جایا کرتا تھا جو اس موقعے پر بھی ملا۔ اس نے حسن بن عبداللہ سے کہا ان دونوں سپاہیوں کو زیادہ سزا نہ دینا۔ سزا سے بچنے کے لیے وہ مفرور ہوسکتے تھے لیکن وہ تمہارے پاس آگئے۔ انہیں غلطی کی سزا ضرور دینا، نیک نیتی اور سچ بولنے کا صلہ بھی ضرور دینا...... سالاروں کو بلاؤ، اس کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔''

تین سالار آگئے۔ سلطان ایوبی نے ان سے کہا۔'' وہ جاسوس بھاگ گیا ہے جس کے پاس دفاعی منصوبہ تھا۔ اس نے جو نقشے بنائے تھے وہ ہمارے پاس رہ گئے ہیں۔ اس نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھ لیا تھا اور اسے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ ہم دشمن کو کہاں لاکر لڑانا چاہتے ہیں۔ بھاگنے والے کے دو ساتھی ابھی ہمارے پاس ہیں۔ حسن بن عبداللہ انہیں ابھی یہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اب ہمارے لیے صورت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ہم نے دشمن کے لیے جو پھندا تیار کیا تھا۔ وہ بیکار ہوگیا ہے۔ وہ اب قرون کے اندر نہیں آئے گا۔ ہوسکتا ہے وہ ہمیں محاصرے میں لے لیں اور ہماری رسد کا راستہ روک لے۔ مجھے مشورہ دو کہ ہم اپنا منصوبہ بدل دیں یا اسی پر قائم رہیں۔''

تینوں سالاروں نے اپنے اپنے مشورے دیئے جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ صرف اس بات پر تینوں متفق تھے کہ پلان بدل دیا جائے...... سلطان ایوبی نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ پلان بدلنے کے لیے وقت چاہیے۔ خطرہ یہ ہے کہ اس دوران دشمن نے حملہ کردیا تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہوجائے گی۔ کھلی جنگ لڑنے کے لیے فوج کم تھی۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ پلان میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ اس کی بجائے چھاپہ ماروں کو حکم دیا گیا کہ وہ وسیع پیمانے پر شب خون ماریں اور وہ دشمن کی مشترکہ کمان کے مرکز اور تینوں فوجوں کے مرکزوں پر زیادہ شب خون ماریں۔ رسد کے راستے کو اور زیادہ محفوظ کرلیا جائے۔ اس نے چھاپہ ماروں کے سالار سے کہا کہ وہ اپنے اس دستے کو لے آئے جسے مٹکے توڑنے کا کام سونپا گیا ہے۔

سالار نئے احکام لے کر چلے گئے۔ سلطان ایوبی نے یہ احکام خود اعتمادی سے دیے تھے، لیکن وہ بہت پریشان تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ بھاگنے والے جاسوس نے اس کا سارا پلان تباہ کردیا ہے اور اب معلوم نہیں کیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد بارہ چھاپہ ماروں کا ایک جیش اس کے سامنے لایا گیا۔ صلیبیوں نے حلب والوں کو آتش گیر مادے کے جو مٹکے بھیجے تھے وہ میدان جنگ میں لائے گئے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے یہ ذخیرہ دیکھ لیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جب دشمن حملہ کرے تو یہ ذخیرہ تباہ کردیا جائے۔ اس کے لیے بارہ جانباز اور جنونی قسم کے چھاپہ مار منتخب کیے گئے اور انہیں

سلطان ایوبی کے سامنے لایا گیا۔ اس نے دیکھا اور ایک چھاپہ مار کو دیکھ کر مسکرایا۔ بولا "انطانون! تم اس جیش میں آ گئے ہو۔؟"

"مجھے اسی جیش میں آنا چاہیے تھا۔" انطانون نے کہا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔"

"میرے عزیز دستو!" سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے کہا۔ "تم نے کہاں کہاں قربانیاں نہیں دیں لیکن اب مذہب اور ملت کی آبرو تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے۔ تم جنگ کا پانسہ پلٹ سکتے ہو۔ تمہیں ہدف بتا دیا گیا ہے۔ اگر تم نے اسے تباہ کر دیا تو آنے والی نسلیں بھی تمہیں یاد رکھیں گی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی فوج تھوڑی ہے اور دشمن کے تین لشکر ہیں۔ ان سے اپنی فوج کو تم بچا سکتے ہو۔"

"ہم مذہب اور ملت کو مایوس نہیں کریں گے۔" چھاپہ ماروں کے کمانڈر نے کہا۔

انہیں چند اور ہدایات دے کر رخصت کر دیا گیا۔

☆

اگلی صبح ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی ابھی اپنے خیمے میں تھا۔ سوار نے اطلاع دی کہ دشمن آ رہا ہے۔ فاصلہ ایک میل رہ گیا تھا۔ رخ قرون کی طرف تھا۔ اتنے میں ایک اور سوار آ گیا۔ اس نے اطلاع دی کہ دائیں طرف سے بھی دشمن کی فوج آ رہی ہے۔ اس فوج کے رخ سے سلطان ایوبی نے اندازہ لگایا کہ دائیں پہلو پر آ رہی ہے۔ اس پہلو کے متعلق سلطان ایوبی کو پریشان تھی۔ وہ اب اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس کے اعصاب پر آذر جاسوس سوار تھا جو نہایت قیمتی راز لے کر چلا گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ یہ جاسوس گزشتہ رات پہنچا ہو گا اور اس کی معلومات پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی نے تیاری کا حکم دے دیا۔ اس کے قاصد ادھر ادھر دوڑ پڑے۔ قرون کے درمیان خیمے لگے رہے۔ سپاہی خیموں میں رہے یا ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہے تاکہ دشمن یہ سمجھے کہ وہ تیار نہیں چٹانوں پر تیر انداز تیار ہو گئے۔

دشمن کی رفتار تیز تھی۔ اس کے ہراول نے دیکھا کہ خیمے ابھی تک کھڑے ہیں تو ہراول نے اس خیال سے کہ انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو بے خبری میں آ لیا ہے پیچھے خبر دے دی کہ رفتار تیز کرو۔ سلطان ایوبی ایک بلند چٹان پر چلا گیا جہاں سے سارا منظر اور دائیں طرف کا میدان بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ گمشتگین کی فوج سیدھی قرون کی طرف آ رہی ہے۔ سلطان ایوبی کے سپاہیوں نے ہدایات کے مطابق اپنے گھوڑوں پر زینیں اس وقت ڈالیں جب دشمن بالکل قریب آ گیا تھا۔ پیادوں نے آگے بڑھ کر چند ایک تیر چلائے۔ ادھر سے للکار سنائی دینے لگی...... کچل دو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ صلاح الدین ایوبی کو زندہ پکڑو۔ سر کاٹ لو۔"

سلطان ایوبی کے سوار آگے بڑھے مگر پیچھے کو آ گئے۔ پیادوں اور سواروں نے حملے کی اگلی صف کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے پیچھے ہٹتے آئے حتیٰ کہ تمام حملہ آور دستے قرون کے اندر اسی پھندے میں آ گئے جہاں انہیں سلطان ایوبی لانا چاہتا تھا۔ چٹانوں میں گھرا ہوا یہ میدان ڈیڑھ میل کے لگ بھگ وسیع اور عریض تھا۔ جونہی دشمن اندر آیا دونوں طرف کی چٹانوں سے اس پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دشمن کے گھوڑے تیر کھا کر بدکتے، منہ زور ہوتے اور اپنے ہی پیادوں کو کچلتے پھرتے تھے۔ دشمن کے کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہاں خیموں میں جو فوج تھی وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آگے چٹانوں میں ایک کٹاؤ ہے جو ایک وادی میں چلا جاتا ہے اور سلطان ایوبی فوج اس میں لاپتہ ہوتی جا رہی ہے میدان میں خیمے کھڑے تھے جن کی رسیاں رکاوٹ پیدا کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فلیتوں والے آتشیں تیر آنے لگے جو خیموں پر جلائے جا رہے تھے۔ انہوں نے خیموں کو آگ لگا دی اور میدان جنگ سے شعلے اٹھنے لگے۔ دشمن کے کمانڈروں کے لیے بڑی مشکل پیدا ہوگئی۔ ان کی جمعیت بکھر گئی تھی۔ دستے گڈ مڈ ہوگئے تھے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کا، زخمیوں کی چیخ و پکار کا اور کمانڈروں کے واویلے اور للکار کا اتنا زیادہ شور تھا کہ آوازوں کو الگ کر کے سمجھنا ناممکن تھا۔ کم و بیش دو گھنٹے دشمن کے سپاہی افراتفری کی کیفیت میں اور ان کے کمانڈر انہیں سنبھالنے کی کوشش میں سلطان ایوبی کے تیر اندازوں سے زخمی اور ہلاک ہوتے رہے۔ وہ بھی آخر مسلمان سپاہی تھے۔ عسکری جذبہ انہیں پسپا نہیں ہونے دے رہا تھا۔ ان میں سے کئی ایک ان چٹانوں پر چڑھنے لگے جہاں سے تیر آ رہے تھے۔ یہ ان کی دلیری کا مظاہرہ تھا لیکن اوپر سے آئے ہوئے تیر انہیں پتھروں کی طرح لڑھکا رہے تھے۔

بہت ہی مشکل سے دشمن کے دستوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا گیا۔ انہیں پیچھے ہی ہٹنا تھا۔ مگر پیچھے ہٹے تو انہیں پتا چلا کہ عقب میں سلطان ایوبی کی فوج کھڑی ہے۔ اعلان ہونے لگے۔ ''ہتھیار ڈال دو۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ ہم تمہیں ہلاک نہیں کریں گے۔'' ان اعلانات کے ساتھ ساتھ گھوڑے بڑھتے اور پھیلتے آ رہے تھے۔ گمشتگین کے گرے ہوئے سپاہیوں میں اب لڑنے کا دم خم نہیں رہا تھا۔ ان میں سے آدھے مارے گئے یا زخمی ہوگئے تھے، جو زندہ تھے ان پر دہشت طاری ہوگئی تھی۔ وہ کچھ اور توقع لے کر آئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ بڑی سہل فتح ہوگی۔ مگر ان کے لیے میدان جنگ جہنم بن گیا۔ انہوں نے ہتھیار پھینکنے شروع کر دیئے۔

☆

سلطان ایوبی کی یہ چال تو کامیاب رہی لیکن دوسری طرف دشمن نے اس کے لیے مشکل پیدا کر دی۔ یہ دائیں پہلو کا وہی میدان تھا جس کے متعلق اسے شروع سے ہی فکر تھا۔ اس طرف سے صحرائی آندھی کی طرح دشمن کی فوج آ رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کے مختصر سے دو دستے تھے۔ حملہ آوروں کے جھنڈے نظر آنے لگے۔ یہ حلب کی فوج تھی۔ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کر کے اس فوج کے جوہر دیکھے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ یہ فوج گمشتگین اور سیف الدین کی فوج سے مختلف ہے۔ فنی مہارت اور شجاعت کے لحاظ سے یہ فوج یقیناً برتر تھی۔ سلطان نے اپنے آپ کو کبھی خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ وہ فوراً جان گیا کہ اس کے یہ دستے اس فوج کو نہیں روک سکیں گے۔ وہ اپنے ریزرو کو ابھی استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دماغ کو حاضر رکھا۔ اپنے پاس کھڑے سالاروں کو اس نے کوئی ہدایات دے کر بھیج دیا۔

اس نے ریزرو ٹروپس کے علاوہ منتخب سواروں کا ایک دستہ اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس طرف والی چٹان پر جو تیر انداز تھے ان کے کمانڈر کو حکم بھیجا کہ قرون سے ہٹ کر منہ پیچھے کر لیں اور اسی پوزیشن سے نئے حملہ آوروں کو نشانہ بنائیں۔ اس نے اپنے منتخب سواروں کے کمانڈر کو حکم دیا کہ دستہ میدان میں لاؤ، میں خود کمان کروں گا۔ نہایت تھوڑے وقت میں وہ چٹان سے اترا۔ اس کا دستہ تیار تھا۔ وہ بھی میدان میں آ گیا۔ سلطان ایوبی میدان جنگ میں اپنا جھنڈا نہیں لہرایا کرتا تھا تاکہ دشمن کو پتا نہ چل سکے کہ وہ کہاں ہے لیکن اس موقع پر اس نے بلند آواز سے کہا...... ''میرا جھنڈا اونچا رکھو'' ...... قاضی بہاؤ الدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔ ''اس معرکے میں اپنا جھنڈا چڑھا کر صلاح الدین ایوبی اپنے دستوں کو بتانا چاہتا تھا کہ ان کی کمان اور قیادت سلطان خود کر رہا ہے اور وہ حلب کے حملہ آوروں کو بھی بتانا چاہتا تھا کہ ان کا مقابلہ صلاح الدین کے ساتھ ہے۔''

سلطان ایوبی نے اشارے اور الفاظ مقرر کر رکھے تھے۔ اس نے نہایت تیزی سے سواروں کو اس ترتیب میں کر

لیا کہ دو گھوڑے آگے، چار پیچھے، ان کے پیچھے چھ، ان کے پیچھے آٹھ اور باقی تمام آٹھ آٹھ کی ترتیب میں رہے لیکن اس نے ترتیب کہیں کھڑے ہو کر نہیں بنائی بلکہ تین چار صفوں میں دوڑتے گھوڑ سواروں کو اس ترتیب میں ہونے کا حکم دیا تھا۔ سامنے سے دشمن صف در صف پھیلا ہوا آرہا تھا۔ قریب جا کر سلطان ایوبی کے سوار اس ترتیب میں ہو گئے۔ تصادم اس طرح ہوا کہ یہ گھوڑ سوار ایک کیل کی طرح دشمن کے لشکر میں داخل ہو گئے۔ سلطان ایوبی اس ترتیب کے درمیان میں تھا۔ دشمن کے گھوڑ سوار دائیں بائیں سے آگے نکل گئے۔ راستے میں جو آیا اسے برچھیوں سے مجروح کرتے گئے۔

دشمن کے سواروں کے پیچھے پیادہ دستے تھے۔ سلطان ایوبی نے دور آگے جا کر سواروں کو پیچھے موڑا، اور فوراً صفوں کو ترتیب میں لا کر پوری رفتار سے پیادہ دستوں پر حملہ کیا۔ پیادوں نے مقابلہ تو بہت کیا لیکن گھوڑے اور سوار انہیں روندتے اور کاٹتے آگے نکل گئے۔ سلطان ایوبی کے پیادہ دستے سامنے تھے۔ انہوں نے دشمن کے سواروں کا مقابلہ کیا۔ عقب سے سلطان ایوبی نے ہلہ بول دیا۔ قریبی چٹانوں سے تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن حلب کی فوج کا حوصلہ نہ ٹوٹا۔ سلطان الدین ایوبی نے اپنی کمان نہ بکھرنے دی۔ معرکہ بڑا ہی خون ریز تھا اور بڑا ہی شدید تھا۔ تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگر سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان خود نہ لیتا تو اس کا سارا پلان اس پہلو سے تباہ ہو جاتا۔

قاضی بہاؤ الدین شداد نے مؤرخین سے کچھ اختلاف کیا ہے۔ اس کی یادداشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حملہ آور فوج حلب کی نہیں موصل کی تھی۔ اور اس کی کمان سالار مظفر الدین بن زین الدین کر رہا تھا، اور یہ کمان اتنی دانشمندانہ تھی کہ مظفر الدین نے سلطان ایوبی کے اس پہلو کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ قیادت کی دانشمندی کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مظفر الدین سلطان ایوبی کے ساتھ سالار رہ چکا تھا اور اس نے یہ فن سلطان ایوبی سے ہی سیکھا تھا۔ نفری زیادہ ہونے کے علاوہ مظفر الدین کو یہ فائدہ بھی حاصل تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی چالوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصدوں کو اپنے ساتھ رکھا اور ان کے ذریعے چھوٹے سے چھوٹے جیش کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھا۔ اس نے ایسی چال چلی کہ دشمن کو اس چٹان کے قریب لے گیا جس پر تیر انداز تیار تھے۔ انہوں نے بہت کام کیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی نفری میں اتنی کمی محسوس کی کہ اسے ابتدائی پلان بدلنا پڑا۔ اس نے ٹروپس کو بھی بلانے کا فیصلہ کر لیا لیکن عین اس وقت ایک قاصد نے اسے بتایا کہ ایک طرف سے اپنے چار پانچ سو سوار آرہے ہیں۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا کہ وہ کون سا دستہ ہے اور کیوں آیا ہے؟ وہ میدان جنگ میں ڈسپلن کا زیادہ پابند ہو جاتا تھا، حالانکہ اسے اس میدان میں کمک کی شدید ضرورت تھی، لیکن اس کی اجازت اور ہدایت کے بغیر کسی کی حرکت اسے پسند نہ آئی، اس نے قاصد کو دوڑایا کہ خبر لائے کہ یہ سوار کون ہیں۔

قاصد جو خبر لایا اس نے سلطان ایوبی کو سن کر دیا۔ خبر یہ تھی کہ یہ چار سو لڑکیاں اور ایک سو رضا کار ہیں۔ ان کی قیادت حجاج ابو وقاص کر رہا ہے اور وہ سالار شمس الدین کی اجازت سے آئے ہیں۔ سلطان ایوبی انہیں روک سکتا تھا لیکن جس انداز سے یہ پانچ سو گھوڑ سوار آئے اس سے سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ کمان واقعی شمس الدین کر رہا ہے۔ یہ سوار دشمن کو چٹان کی طرف دھکیل رہے تھے۔ اس معرکے میں پیادے گھوڑوں تلک کچلے جا رہے تھے۔ دشمن کی پیش قدمی روک لی گئی تھی۔ وہ آگے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے وہیں الجھا لیا گیا۔

مسلمان، مسلمان کے ہاتھوں کٹ رہا تھا۔ اللہ اکبر کے نعرے اللہ اکبر کے نعروں سے ٹکرا رہے تھے۔ زمین کانپ رہی تھی۔ آسمان خاموش تھا۔ صلیبی تماشہ دیکھ رہے تھی۔ تاریخ دم بخود تھی۔ لڑکیاں اپنے بھائیوں اور باپوں کے دوش

بدوش بھائیوں اور باپوں کے خلاف لڑ رہی تھیں۔ لہولہان جنگ ہو رہی تھیں۔ قوم کی عظمت گھوڑوں کے سموں تلے روندی جا رہی تھی۔ اور خدا دیکھ رہا تھا۔

دن بھر کے معرکے کا یہ انجام ہوا کہ دشمن کا حوصلہ ختم ہو گیا۔ اس کے سپاہیوں نے ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ وہ نیم محاصرے میں آ گئے تھے۔ سالار نکل گئے۔ رات زخمیوں کے واویلے سے لرزتی رہی۔ دن بھر کی تھکی ہوئی لڑکیاں رات کو زخمیوں کو اٹھاتی رہیں۔ صبح ہوئی تو اس میدان کا منظر بھیانک اور ہولناک تھا۔ دور دور تک لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ گھوڑے مرے پڑے تھے۔ جنگی قیدیوں کو دور پرے لے گئے تھے۔ ان لاشوں میں لڑکیوں کو جو لاشیں تھیں وہ اٹھالی گئی تھیں۔

''بادشاہی کا نشہ انسان کو اس سطح پر بھی لے آتا ہے جہاں ایک انسان اپنی قوم کو دو دھڑوں میں کاٹ کر انہیں آپس میں لڑا دیتا ہے۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے میدان جنگ کا منظر دیکھ کر کہا۔ ''اپنے بھائی اپنی بہنوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ اگر ہم نے بادشاہی کے رجحان کو ختم نہ کیا تو کفار اس قوم کو قوم کے سربراہوں کے ہاتھوں آپس میں لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔''

☆

قرون حماۃ اور اس کے پہلو کا معرکہ ختم ہو گیا تھا، جنگ ابھی جاری تھی۔ معرکے کی رات بارہ چھاپہ مار حلب کی فوج کے اس ذخیرے تک پہنچ چکے تھے جہاں آتش گیر مادے کے مٹکے رکھے تھے۔ رات کے وقت مٹکے کھول کر اس سے کپڑے بھگوئے جا رہے تھے جن کے گولے بنا کر منجنیقوں سے پھینکنے تھے۔ ہانڈیاں بھی بھر کر سربمہر کی جا رہی تھیں۔ ابھی ایک فوج ریزرو میں تھی۔ اسے اطلاع مل گئی تھی کہ دونوں فوجوں کے حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا یہ فوج آخری حملے کے لیے تیار ہو رہی تھی حملے کی کامیابی کے لیے آگ پھینکنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بارہ چھاپہ ماروں نے اپنا ہدف دیکھ لیا۔ ان میں سے چار پانچ کے پاس کمانیں تھیں اور فلیتے والے تیر بھی تھے۔ وہ گھوڑوں سے اتر کر آگے چلے گئے۔ فلیتے جلا کر انہوں نے تیر چلا دیئے۔ یکلخت شعلے بلند ہوئے اور وہاں ہڑبونگ بپا ہو گئی۔

چھاپہ ماروں کو بتایا گیا تھا کہ مٹکے بے شمار ہیں۔ وہاں بھگدڑ مچی تو چھاپہ ماروں نے ہلہ بول دیا۔ شعلوں سے وہاں بہت روشنی ہو گئی تھی۔ چھاپہ ماروں کو محفوظ مٹکے بھی نظر آ گئے۔ انہوں نے اپنی برچھیوں کے ساتھ ہتھوڑیوں کی طرح لوہے کے ٹکڑے باندھ رکھے تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے انہوں نے مٹکے توڑنے شروع کر دیئے۔ ان میں سے ایک نے آگ لگانے کا انتظام کر دیا۔ دشمن نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ یہ ایک خونریز معرکہ تھا۔ بارہ جانباز سینکڑوں کے نرغے میں لڑ رہے تھے۔ شعلے ہر طرف پھیل گئے تھے۔ سارے کیمپ پر دہشت طاری ہو گئی۔ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر بھاگنے لگے۔

جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی وہاں ایک چٹان پر کھڑے کسی آدمی نے چلا کر کہا۔ ''آسمان جل رہا ہے۔ خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ایک چٹان پر جا چڑھا۔ اسے دشمن کے کیمپ کی طرف آسمان لال سرخ ہوتا نظر آیا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''آفرین۔ آفرین۔ اللہ تمہیں صلہ دے۔''

موصل کی فوج فوری طور پر جوابی حملے کے قابل نہ رہی۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے تین راتیں گمشتگین سیف الدین اور الملک الصالح کے کیمپوں میں اتنی تباہی مچائی کہ ان کے مرکز بھی ہل گئے۔ آخر

انہوں نے کسی اور طرف سے حملے کا فیصلہ کر کے کوچ کا حکم دیا۔ تب انہیں پتا چلا کہ ان کے عقب میں سلطان ایوبی کی فوج آچکی ہے۔ یہاں سلطان ایوبی نے اپنی مخصوص چالوں سے دشمن کو بے حال کر دیا۔ وہ مارتا بھی نہیں تھا چھوڑتا بھی نہیں تھا۔ یہ جنگ ''ضرب لگاؤ اور بھاگو'' کے اصول پر لڑی جارہی تھی۔ دشمن کی فوج بکھرتی جارہی تھی۔ اور اس کے سپاہی بکھر بکھر کر ہتھیار ڈالتے جارہے تھے۔ یہی سلطان ایوبی کا مقصد تھا۔

۱۹ رمضان المبارک ۵۷۰ھ (۱۳ اپریل ۱۱۷۵ء) کی صبح سحری سے فارغ ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے پلان کی آخری کڑی پر عمل کیا جس کی ہدایات وہ ایک روز پہلے جاری کر چکا تھا۔ اس نے کھلا حملہ کر دیا۔ کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں تک جا پہنچا جہاں گمشتگین اور سیف الدین کی خیمہ گاہیں تھیں مگر وہ دونوں غائب تھے۔ وہ ایسی بزدلی سے بھاگے کہ اپنی ذاتی خیمہ گاہیں جن سے جنگل میں منگل بنا ہوا تھا جوں کی توں چھوڑ گئے۔ حرم کی لڑکیاں، ناچنے گانے والیاں اور ان کے سازندے وہیں تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج گئی تو لڑکیاں خوف سے ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ انہیں پکڑ کر سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اس نے ان تمام کو رہا کر کے دمشق بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ دلچسپ خیمہ گاہ والی موصل سیف الدین کی تھی۔ وہاں لڑکیوں کے علاوہ خوشنما پنجرے بھی تھے جن میں رنگ برنگے پرندے بند تھے۔

اس رات سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے ایک اور لڑکی لائی گئی جو دشمن کے اس کیمپ میں لاشوں کو پہچانتی پھر رہی تھی جس پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شب خون مارا اور آتش گیر مادے کے مٹکے تباہ کیے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے پہچان لیا اور کہا۔ ''تم میرے ایک جاسوس انطانون کے ساتھ حرن سے آئی تھیں۔''

''جی ہاں!'' اس نے کہا۔ ''میرا نام فاطمہ ہے۔ میں لڑکیوں کی فوج کے ساتھ دمشق سے آئی ہوں۔'' وہ زخمی بھی تھی۔ کہنے لگی۔ ''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ انطانون یہاں شبخون مارنے آیا تھا۔ اس کی لاش ڈھونڈ رہی ہوں۔''

''نہ ڈھونڈو۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔

''وہ بھی کہتا تھا کہ چھاپہ ماروں کی لاشیں نہیں ملا کرتیں۔'' فاطمہ نے اداس لہجے میں کہا۔ ''اس نے مجھے کہا تھا کہ آؤ ایک دوسرے کو فرض پر قربان کر دیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس نے گناہ کا کفارا ادا کر دیا ہے۔ میرا فرض ابھی باقی ہے۔ میں گمشتگین کو قتل کرنے آئی تھی۔''

اس لڑکی کی جذباتی حالت دیکھ کر کوئی بھی اپنے آنسو نہ روک سکا...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''دمشق سے جو لڑکیاں آئی ہیں ان سب کو واپس بھیج دو۔ انہوں نے دشمن کو شکست دینے میں میری بہت مدد کی ہے۔ اس وقت میں ہی جانتا ہوں کہ مجھے مدد کی کتنی ضرورت تھی۔ یہ لڑکیاں جیسے غیب سے آئی تھیں، لیکن میں انہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔''

لڑکیاں کے احتجاج اور غصے کے باوجود انہیں دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان ایوبی اب کہیں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے دشمن کو جو شکست فاش دی تھی۔ اس سے وہ پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے حکم دے دیا کہ تمام فوج کو حلب کی سمت کوچ کے لیے تیار کیا جائے۔ اپنے سالاروں کو وہ اگلے پلان کے متعلق بتا رہا تھا ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں برچھی تھی اور برچھی میں کوئی چیز اڑسی ہوئی تھی۔ وہ قریب آیا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کے باڈی گارڈوں نے اسے روک لیا۔ سلطان ایوبی نے دیکھا کہ سوار نے کسی انسان کا سر برچھی میں اڑسا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی نے

اسے آگے آنے کی اجازت دے دی۔

وہ آذر بن عباس تھا۔ وہی جاسوس جو دمشق جاتے ہوئے محافظوں کی حراست سے بھاگ گیا تھا اس نے گھوڑے سے اتر کر برچھی سے سر اتارا اور سلطان ایوبی کے قدموں میں پھینک کر کہا۔ ''میں آپ کا مفرور قیدی ہوں۔ میں نے کہا تھا مجھے بخش دیں، میں گناہوں کا کفارا ادا کروں گا۔ آپ نے میری عرض نہ مانی۔ میں نے راستے میں سوچا کہ مجھے جاسوس، باپ نے بنایا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کیا ہے۔ میں صرف اس کام کے لیے بھاگا تھا۔ میں حلب گیا۔ اپنے باپ کو قتل کیا اور اس کا سر کاٹ کر لے آیا ہوں۔ اگر اس سے میرے گناہوں کا کفارا ادا نہیں ہوتا تو مجھے پھر قید کر لیں اور اسی طرح میرا سر کاٹ کر پھینک دیں۔''

سلطان ایوبی نے اسے حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا اور کہا۔ ''اسے اگر قابل اعتماد سمجھا جا سکتا ہے تو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اس نے میرے ایک سوال کا جوب دے دیا ہے۔ میں آج تک سوچتا رہا ہوں کہ دشمن کا جاسوس پوری معلومات لے گیا تھا، پھر بھی دشمن میرے پھندے میں آ گیا۔ اب معلوم ہوا ہے یہ خبر دینے نہیں بلکہ اپنے باپ کو قتل کرنے گیا تھا۔''

اس سے اگلے دن سلطان ایوبی خیمے میں سویا ہوا تھا۔ باہر بہت سے آدمیوں کی باتوں سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ باہر کوئی جھگڑا ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے دربان کو اندر بلا کر پوچھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ دربان نے بتایا کہ نو آدمی آپ کے محافظ دستے کی وردیاں پہنے اور آپ کا جھنڈا اٹھائے آئے ہیں۔ کہتے ہیں وہ دمشق سے آئے ہیں۔ یہ رضا کارانہ آپ کے محافظ دستے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں روکا تو کہتے ہیں کہ وہ اتنی دور سے عقیدت اور جذبے سے آئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

یہ شیخ سنان اور گمشتگین کے بھیجے ہوئے فدائی قاتل (حشیشین) تھے۔ ان کی چال کامیاب ہوگئی۔ سلطان ایوبی نے دربان سے کہہ دیا کہ انہیں اندر بھیجو۔ ان سے برچھیاں باہر رکھوالی گئیں۔ وہ خیمے میں گئے اور فوراً ہی انہوں نے خنجر اور تلواریں نکال لیں۔ سلطان ایوبی کے دو محافظ بھی ان کے ساتھ آ گئے تھے۔ ایک فدائی نے سلطان ایوبی پر حملہ کیا۔ سلطان نے پھرتی سے حملہ روک لیا اور اپنی تلوار اٹھالی۔ پہلے ہی وار سے ان نے حملہ آور کا پیٹ چاک کر دیا۔ خیمے میں جگہ تھوڑی تھی۔ دوسرے فدائیوں نے بھی سلطان ایوبی پر حملے کیے۔ دونوں محافظوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ باہر سے دوسرے محافظ بھی آ گئے۔ خیمے کے اندر تلواریں اور خنجر ٹکرانے لگے۔ باڈی گارڈوں نے قاتلوں کو اپنے ساتھ الجھالیا۔ وہ خیمے سے باہر آ گئے۔ سلطان ایوبی کی لمبی تلوار نے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ فدائیوں میں سے پانچ چھ مارے گئے۔ باقی بھاگنے لگے۔ انہیں زندہ پکڑ لیا گیا۔ خیمے کے اندر سے ایک فدائی نکلا۔ اس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی کی ادھر پیٹھ تھی۔ زخمی فدائی نے پیچھے سے سلطان پر حملہ کیا۔ ایک باڈی گارڈ نے بروقت دیکھ لیا۔ وہ چلایا۔ ''سلطان نیچے'' اور حملہ آور کی طرف دوڑا۔ سلطان ایوبی فوراً بیٹھ گیا۔ قاتل کی تلوار ہوا کو کاٹتی سلطان کے اوپر سے گزر گئی۔ باڈی گارڈ نے فدائی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ وہ تو پہلے ہی زخموں سے مر رہا تھا۔ وہ گرا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی اس حملے سے بھی بال بال بچ گیا۔

بعض یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی پر یہ قاتلانہ حملہ کرنے والے اس کے اپنے باڈی گارڈ تھے جو ایک عرصے سے اس کے ساتھ تھے، لیکن اس دور کے وقائع نگاروں کی تحریروں سے شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ بہاؤ الدین

شداد نے اور ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے لکھا ہے کہ یہ شیخ سنان کے بھیجے ہوئے نو فدائی تھے جو حلف اٹھا کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کر دیں گے۔ ورنہ زندہ نہیں لوٹیں گے۔ وہ سلطان ایوبی کو تو قتل نہ کر سکے۔ البتہ ان میں سے زندہ کوئی بھی نہ لوٹا۔ جو زندہ رہے انہیں سزائے موت دے دی گئی۔

قوم کی نظروں سے دور

کسی سپاہی کی بہادری کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک سالار کھانے کے بعد کی محفل میں کسی معرکے کی باتیں کر رہا تھا۔ ایک سپاہی کی بہادری کا ذکر آ گیا۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''لیکن تاریخ میں نام آئے گا تو وہ آپ کا اور میرا ہوگا۔ تاریخ لکھنے والوں کی یہ بے انصافی ہے کہ وہ بادشاہوں، سلطانوں اور سالاروں سے نیچے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن فتح کا سہرا ہمیشہ سپاہیوں کے سر ہوتا ہے۔ ہمارے چھاپہ مار جانباز دشمن کے پاس جا کر اس کے دوست بن جائیں۔ تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ معرکوں میں سپاہی لڑنے کی بجائے اپنی جان کی فکر زیادہ کریں تو آپ فتح کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ حق یہ ہے کہ تاریخ میں ہمارے ان سپاہیوں کا ذکر ضرور آئے جو اکیلے اکیلے دس دس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ یہ سپاہی جب کبھی ہاریں گے تو میری اور آپ کی نالائقی کی وجہ سے ہاریں گے یا انہیں وہ غدار اور ایمان فروش شکست دیں گے جو ہماری صفوں میں موجود ہیں۔''

''خدا نے ہمیں کس گناہ کی سزا دی ہے کہ ہم میں غدار پیدا کر دیے ہیں''...... محفل میں کسی نے جھنجھلا کر کہا۔

''میں عالم نہیں کہ اس سوال کا جواب دے سکوں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''شاید خدائے ذوالجلال نے غداروں کی صورت میں ہم پر یہ خطرہ مستقل طور پر سوار کر دیا ہے۔ کہ ہم ہر لمحہ چوکس اور چوکنے رہیں اور ایک کے بعد دوسری فتح حاصل کرتے کرتے مغرور نہ ہو جائیں...... خدا کی باتیں خدا ہی جانے میں ڈرتا ہوں کہ ایمان فروشی کسی دور میں اسلام کے وقار کو لے ڈوبے گی۔ آپ صلیبیوں کے اس عزم سے بے خبر تو نہیں کہ ان کی جنگ آپ کے نہیں اسلام کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک صلیب زندہ ہے چاند ستارے کے پرچم کے خلاف برسرپیکار رہے گی۔ وہ اپنی آنے والی نسلوں کے لیے یہی عزم ورثے کے طور پر چھوڑ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے ان سپاہیوں کے کارنامے قلمبند کر لیں جو شمالی مصر کے صحراؤں میں بھی لڑے اور حماۃ کی برف پوش وادیوں میں بھی۔ ان چھاپہ ماروں کے بھی تذکرے قلمبند کر لیں جو دشمن کی صفوں کے عقب میں چلے جاتے ہیں اور اتنی تباہی مچاتے ہیں جو پوری فوج بھی نہیں مچا سکتی۔ ان میں سے کتنے زندہ واپس آتے ہیں؟...... دس میں سے ایک۔ وہ بھی زخمی۔''

''ہاں سلطان محترم!''...... سالار نے کہا...... ''یہ ایک قیمتی ورثہ ہے جو ہم آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑیں گے۔ قومیں شجاعت کی روایات سے زندہ رہتی ہیں۔''

''تم شاید نہیں جانتے کہ ہمارے بعض سپاہی ملک سے دور، قوم کی نظروں سے دور ایسی جنگ لڑتے ہیں جن کا انہیں ہماری طرف سے حکم ہی نہیں ملتا''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''ان لوگوں پر اپنے مذہب کے وقار کا جنون سوار ہوتا

ہیں۔قوم کو جب فتح حاصل ہوتی ہے تو قوم ان سے ناواقف رہتی ہے جو پردوں کے پیچھے عجیب وغریب طریقوں سے جنگ لڑتے اور قوم کا نام روشن کرتے ہیں۔''

اس دور کی غیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے ہی چند ایک سپاہیوں کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر سلطان ایوبی کر رہا تھا۔ایک کا نام عمر درویش تھا۔وہ سوڈانی مسلمان تھا۔اس سلسلے کی کہانیوں میں جو آپ کو سنائی جا چکی ہیں آپ نے پڑھا ہوگا کہ سلطان ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر فوج کشی کی تھی مگر دشمن کے دھوکے میں آ کر سوڈان کے صحرا میں اتنی دور نکل گیا جہاں تک رسد کا سلسلہ قائم رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔دشمن نے رسد کے راستے روک لیے اور تقی الدین کی فوج کو صحرا میں بکھیر کر جمعیت اور مرکزیت ختم کر دی تھی۔اسلامی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔پیش قدمی کی تو امید ہی ختم ہو گئی تھی۔پسپائی بھی ممکن نہیں رہی تھی۔جنگی قیدی بہت ہوئے تھے۔جن میں تقی الدین کے دو تین نائب سالار اور کماندار بھی تھے۔

ان قیدیوں میں مصریوں اور بغدادیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ان میں کچھ سوڈانی مسلمان بھی تھے۔سلطان ایوبی نے اپنی جنگی سوجھ بوجھ اور غیر معمولی فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے تقی الدین کی بکھری ہوئی فوج کو سوڈان سے نکالا تھا۔اس کے بعد اس نے سوڈانیوں کے پاس اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے تھے کہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔سوڈانیوں نے انکار کر دیا تھا کیونکہ ان کا کوئی قیدی سلطان ایوبی کی فوج کے پاس نہیں تھا۔سوڈانیوں نے جنگی قیدیوں کے عوض مصر کے کچھ علاقے کا مطالبہ کیا تھا۔سلطان ایوبی نے جواب دیا تھا......''تم مجھے،میری بیوی اور میرے بچوں کو سولی پر کھڑا کر دو،میں تمہیں سلطنت اسلامیہ کی ایک انچ جگہ نہیں دوں گا۔میرے سپاہی غیرت والے ہیں۔اپنی قوم کے وقار کے لیے جانیں قربان کرنا جانتے ہیں۔''

اس کے بعد سوڈانی حکومت نے مصر پر حبشیوں سے حملہ کرایا تھا جن میں سے کوئی ایک بھی واپس نہیں جا سکا تھا۔جو زندہ رہے وہ قید میں ڈال دیئے گئے تھے۔توقع تھی کہ سوڈانی ان کی رہائی کا مطالبہ کریں گے لیکن انہوں نے کوئی ایلچی نہ بھیجا۔وہ ان حبشیوں کو دھوکے میں مصر میں لائے تھے۔یہ ان کی باقاعدہ فوج نہیں تھی۔سلطان ایوبی نے ان حبشی قیدیوں کی مزدور فوج بنالی تھی۔مصر میں ان سے کھدائی،بار برداری اور اس قسم کے دوسرے کام لیے جاتے تھے۔

سوڈان والے سلطان ایوبی کی فوج کے جنگی قیدیوں کو دراصل اس وجہ سے نہیں چھوڑ رہے تھے کہ انہیں وہ سوڈانی فوج میں شامل ہو جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر تھے......وہی سوڈانیوں کو سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔یہ منصوبہ انہی کا تھا کہ مصری فوج کے قیدیوں کو بہلا پھسلا کر سوڈانی فوج میں شامل کر لیا جائے۔تاریخ اور اس دور کی تحریریں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے کتنے مسلمان سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا۔البتہ یہ شہادت مل گئی تھی کہ سوڈانیوں کا پیار اور محبت کا اور اچھے سلوک کا حربہ جس پر بھی ناکام ثابت ہوا اسے انہوں نے بے رحمی سے اذیتیں دیں اور تڑپا تڑپا کر مارا۔

ان قیدیوں میں اسحاق نام کا ایک عہدیدار تھا جو سلطان ایوبی کی فوج کے کسی دستے کا کمانڈر تھا۔وہ سوڈان کا رہنے والا تھا اور نوجوانی میں مصری فوج میں شامل ہوا تھا۔سوڈان کے ایک پہاڑی علاقے میں وہاں کے مسلمان آباد تھے جن کی تعداد چار پانچ ہزار کے درمیان تھی۔ان کے مختلف قبیلے تھے لیکن اسلام نے ان میں اتحاد پیدا کر رکھا تھا۔تمام قبیلوں کے سرداروں نے ایک کمیٹی سی بنا رکھی تھی۔تمام قبیلے اس کے احکام اور فیصلوں کی پابندی کرتے تھے۔ان لوگوں نے روایت بنا رکھی تھی کہ مصری فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے۔سوڈانی فوج میں شمولیت سے گریز کرتے تھے۔وہ جنگجو بھی تھے اور خونخوار

بھی۔ تیر اندازی کے ماہر تھے۔ سوڈانی فوج اور حکومت نے انہیں بہت لالچ دیئے تھے۔ انہیں جنگ کے ذریعے ختم کرنے کی دھمکی بھی دی تھی لیکن ان مسلمان قبائل کو پہاڑیوں کا فائدہ حاصل تھا۔ دوبار ان پر سوڈانی فوج نے حملہ کیا لیکن مسلمان تیر اندازوں نے چٹانوں کی چوٹیوں سے وہ تیر برسائے کہ سوڈانیوں کے گھوڑے تیر کھا کر اپنے پیادہ سپاہیوں کو کچلتے بھاگ گئے۔

☆

تقی الدین کی جنگی لغزش سے سوڈان والوں کے ہاتھوں جہاں مصر کی بہت سی فوج قیدی ہوگئی تھی وہاں ایک کماندار اسحاق بھی تھا۔ اپنے قبیلوں پر اس کا بہت اثر ورسوخ تھا۔ جنگی قید میں سوڈانیوں نے اسے کہا کہ اگر وہ اپنے مسلمان قبیلوں کو سوڈان کی فوج میں شامل ہونے پر راضی کر لے تو اسے نہ صرف رہا کر دیا جائے گا بلکہ جس پہاڑی علاقے میں مسلمان آباد ہیں، اس تمام علاقے کی الگ ریاست بنا کر اسے اس کا امیر یا سلطان بنا دیا جائے گا۔

''میں اس ریاست کا پہلے ہی سلطان ہوں''...... اسحاق نے جواب دیا...... ''یہ ہماری آزادی ریاست ہے۔''

''وہ سوڈان کا علاقہ ہے''...... اسے کہا گیا...... ''ہم کسی بھی روز وہاں کے لوگوں کو قید کر لیں گے یا تباہ کر دیں گے۔''

''تم پہلے اس علاقے پر قبضہ کرو''...... اسحاق نے کہا...... ''وہاں کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرو۔ تم انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کر سکو گے۔ اس علاقے میں اپنا جھنڈا لے جا کر دکھا دو، پھر میں انہیں تمہاری فوج میں شامل ہونے پر راضی کر لوں گا۔''

اسحاق کو قید خانے میں رکھنے کی بجائے ایک خوشنما کمرے میں رکھا گیا جو کسی شہزادے کا محل معلوم ہوتا تھا۔ ایک سوڈانی سالار نے اسے اس کمرے میں داخل کر کے اپنی تلوار دونوں ہاتھوں میں لے کر اور دوزانو ہو کر اسے پیش کی اور کہا...... ''ہم آپ جیسے جنگجو کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ آپ ہمارے قیدی نہیں مہمان ہیں۔''

''میں آپ کی تلوار قبول نہیں کروں گا''...... اسحاق نے کہا...... ''میں مہمان نہیں قیدی ہوں۔ میں نے شکست کھائی ہے۔ میں آپ سے تلوار اسی طرح لوں گا جس طرح آپ نے مجھ سے لی ہے۔ تلوار، تلوار کے زور سے لی جاتی ہے۔''

''مگر ہم آپ کے دشمن نہیں''...... سوڈانی سالار نے کہا۔

''میں آپ کا دشمن ہوں''...... اسحاق نے مسکرا کر کہا...... ''تلواروں کا تبادلہ اتنے خوبصورت کمرے میں نہیں میدان جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری اتنی عزت کی۔''

''ہم اس سے زیادہ عزت کریں گے''...... سالار نے کہا...... ''آپ کی مسند خرطوم کے تخت کے ساتھ رکھی جائے گی۔''

''اور روز محشر میری مسند دوزخ کے تہہ خانے میں رکھی جائے گی''...... اسحاق نے کہا...... ''کیونکہ میں نے دنیا میں مسند تخت کے ساتھ رکھی تھی۔''

''میں دنیا کی بات کر رہا ہوں۔''

''مگر مسلمان آخرت کی بات کیا کرتا ہے۔ جب ہم سب اپنے اعمال نامے خدا کے حضور پیش کریں گے''...... اسحاق نے کہا...... ''مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کے بعد کون آئے گا اور کیا تحفہ لائے گا۔''

سوڈانی سالار نے مسکرا کہا...... ''اب کوئی بھی آئے مجھے کیا۔ میں سپاہی ہوں۔ آپ بھی سپاہی ہیں۔ میں نے آپ کی سپاہیانہ شان کو خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ آپ نے میرا دل توڑ دیا۔''

''آپ نے میری سپاہیانہ شان دیکھی ہی کب ہے؟''...... اسحاق نے کہا...... ''مجھے تو لڑنے کا موقعہ ملا ہی نہیں۔ میرا دستہ صحرا کے ایک ایسے حصے میں جا پھنسا جہاں پانی کی بوند نظر نہیں آتی تھی۔ تین چار دنوں میں صحرا نے میرے پیادوں، سواروں اور گھوڑوں کو ہڈیوں میں بدل دیا۔ سپاہی اور سوار زبانیں باہر نکالے پانی ڈھونڈنے لگے۔ آپ کے ایک دستے نے حملہ کر دیا اور ہم پکڑے گئے۔ ہمیں صحرا نے شکست دی ہے۔ آپ نے میری تلوار کے جوہر کہاں دیکھے ہیں کہ مجھے خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔''

''مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ بہادر ہیں''...... سالار نے کہا۔

''سنی سنائی پر یقین نہ کریں''...... اسحاق نے کہا...... ''کل صبح ایک تلوار مجھے دیں، ایک آپ لیں اور میرے مقابلے میں آئیں۔ مجھے امید ہے کہ میں آپ کی تلوار قبول کرلوں گا مگر اس وقت آپ زندہ نہیں ہوں گے۔''

سالار کچھ اور کہنے لگا تھا کہ اسحاق نے کہا...... ''غور سے سن لو محترم سالار! مجھے تم لوگ کل جو قید خانے میں ڈال دو گے، ابھی ڈال دو۔ میں اتنی خوبصورت قید میں محو ہو کر اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔

''قید خانے کی غلاظت کی بجائے آپ اس دل نشیں ماحول میں بہتر طریقے سے سوچ سکیں گے''...... سالار نے کہا...... ''میں امید رکھوں گا کہ آپ کے سامنے جو شرط پیش کی گئی ہے، اس پر آپ غور کریں گے۔ مجھے ایک سپاہی بھائی سمجھ کر میرا یہ مشورہ قبول کرلیں کہ اپنا مستقبل تاریک نہ کریں۔ خدا نے آپ کی قسمت میں بادشاہی لکھ دی ہے۔ اس پر لکیر نہ پھیریں۔''

''میرے خدا نے میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں''...... اسحاق نے کہا...... ''اور تمہارے خدا نے جو کچھ لکھا ہے میں اسے بھی جانتا ہوں...... تم جاؤ۔ مجھے سوچنے دو۔''

سالار چلا گیا تو کھانا آ گیا۔ کھانا لانے والی تین لڑکیاں تھیں۔ جوان اور بہت ہی خوبصورت۔ وہ نیم عریاں بھی تھیں۔ کھانے کی اقسام ایسی جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھیں۔ کھانے کے ساتھ خوشنما صراحیوں میں شراب بھی تھی۔ اسحاق نے ضرورت کے مطابق کھایا اور پانی پی لیا۔ دستر خوان سمیٹ لیا گیا اور ایک لڑکی اس کے پاس آ گئی۔ اسحاق اسے دیکھتا رہا اور اس کی ہنسی نکل گئی جس میں طنز تھی۔

''کیا آپ نے مجھے پسند نہیں کیا؟''...... لڑکی نے پوچھا۔

''میں نے تم جیسی بدصورت لڑکی پہلی بار دیکھی ہے''۔ اسحاق نے کہا۔

لڑکی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ تو بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اسحاق نے اس کی حیرت بھانپتے ہوئے کہا...... ''حسن حیاء میں ہوتا ہے۔ عورت عریاں ہو جائے تو اس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ عریانی نے تمہارا طلسم توڑ دیا ہے۔ میں اب تمہارے قبضے میں نہیں آسکوں گا۔''

''کیا آپ نے مجھے دیکھ کر بھی میری ضرورت محسوس نہیں کی؟''...... لڑکی نے پوچھا۔

''میرے جسم کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں''...... اسحاق نے کہا...... ''میری روح کی ایک ضرورت ہے جو تم پوری نہیں کرسکو گی۔ تم جاؤ۔''

''لیکن میرے لیے حکم ہے کہ آپ کے پاس رہوں''...... لڑکی نے کہا...... ''اگر میں نے حکم کے خلاف کوئی کام کیا تو مجھے سزا کے طور پر وحشی حبشیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

''دیکھو لڑکی!''...... اسحاق نے کہا...... ''میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ کچھ اور ہے۔ میں تمہیں اس کمرے میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر تم اس کمرے میں رات بسر کرنے کا حکم لے کے آئی ہو تو یہیں رہو اور میں باہر سو جاؤں گا۔''

''یہ بھی میرا جرم ہوگا''...... لڑکی نے کہا...... ''آپ مجھے اس کمرے میں رہنے دیں۔ مجھ پر رحم کریں''...... لڑکی نے دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص پتھر ہے۔ اس نے اسحاق کی منت سماجت شروع کر دی۔

''تمہارا کام کیا ہے؟''...... اسحاق نے پوچھا...... ''کس مقصد کے لیے تمہیں میرے پاس بھیجا گیا ہے؟ مجھے اپنا مقصد بتا دو تو اس کمرے میں رہنے دوں گا۔''

''میرا کام یہ ہے کہ آپ جیسے مردوں کو موم کروں''...... لڑکی نے جواب دیا...... ''آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ میں نے مذہب کے شیدائیوں کو اپنا گرویدہ بنایا اور انہیں سوڈان کے سانچے میں ڈھالا ہے۔'' لڑکی نے پوچھا...... ''کیا واقعی آپ نے مجھے بدصورت سمجھا ہے یا مذاق کیا تھا؟''

''تم جسے خوشبو کہتی ہو وہ میرے لیے بدبو ہے''...... اسحاق نے کہا...... ''میری نظر میں تم واقعی بدصورت ہو...... جہاں سونا چاہتی ہو سو جاؤ۔ پلنگ پر سو جاؤ، میں فرش پر سو جاؤں گا۔''

لڑکی فرش پر لیٹ گئی۔

''تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟''...... اسحاق نے پوچھا۔

''آشی۔''

''اور تمہارا مذہب؟''

''میرا کوئی مذہب نہیں۔''

''تمہارے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟''

''معلوم نہیں''...... لڑکی نے کہا۔

اسحاق پر نیند کا غلبہ ہونے لگا اور ذرا سی دیر میں اس کے خراٹے سنائی دینے لگے۔

☆

''اس شخص کے ساتھ آپ وقت ضائع کر رہے ہیں''...... اس لڑکی نے کہا جس نے رات اسحاق کو اپنا نام آشی بتایا تھا۔ اس کے سامنے سوڈانی فوج کے اعلیٰ افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ آشی نے کہا...... ''اس شخص کے اندر جذبات نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیسے کیسے پتھر موم کیے ہیں مگر اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔''

''معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی کوتاہی کی ہے''...... ایک افسر نے کہا۔

لڑکی نے پوری تفصیل سنائی کہ اس نے اسحاق کو کیسے کیسے طریقوں سے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی مگر وہ ہنس پڑتا تھا یا اسے خاموشی سے دیکھتا رہتا تھا۔ ذرا دیر بعد سو جاتا تھا۔

چار پانچ دن سوڈانی حکام اسحاق کو اپنی بات پر لانے کی کوشش کرتے رہے۔ راتوں کو اس پر بڑے بڑے حسین طلسم طاری کرنے کے جتن کیے گئے مگر اسحاق نے بات یہیں پر ختم کی کہ میں مصری فوج کے ایک دستے کا کمانڈار ہوں، مسلمان ہوں اور قیدی ہوں۔

آخر اسے محل سے نکال کر قید خانے میں لے گئے اور ایک تنگ سی کھوٹھڑی میں بند کر دیا۔ سلاخوں والے

دروازے پر قفل چڑھا دیا گیا۔ کوٹھڑی میں ایسی بدبو تھی کہ دماغ پھٹا جاتا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ایک سپاہی دیا لے آیا جو اس نے سلاخوں میں اسحاق کو دے دیا۔ اسحاق نے دیا فرش پر رکھا تو اسے کوٹھڑی میں ایک لاش پڑی نظر آئی جو خراب ہو رہی تھی۔ لاش کا منہ کھلا ہوا اور آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ لاش سوج گئی تھی۔ اسحاق نے قید خانے کے سپاہی کو آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ یہ کس کی لاش ہے۔

''تمہارا ہی کوئی دوست ہوگا۔'' سپاہی نے جواب دیا...... ''کوئی مصری تھا۔ جنگ میں پکڑا گیا تھا۔ اسے بہت اذیتیں دی گئی تھیں۔ پانچ چھ دن ہوئے کوٹھڑی میں مر گیا۔''

''لاش یہاں کیوں پڑی ہے؟'' اسحاق نے پوچھا۔

''تمہارے لیے۔'' سپاہی نے طنزیہ کہا...... ''اسے اٹھا لیا تو تم اکیلے رہ جاؤ گے۔'' سپاہی ہنستا ہوا چلا گیا۔

اسحاق نے دیا اوپر کر کے لاش کو دیکھنا شروع کر دیا۔ کپڑوں سے اس نے پہچان لیا کہ مصری فوج کا آدمی تھا۔ اسحاق نے کوٹھڑی میں جو بدبو محسوس کی تھی وہ غائب ہو گئی۔ اس نے سوجی ہوئی لاش کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور کہا......

''تمہارا جسم گل جائے گا، مگر روح تازہ رہے گی۔ تم نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ تم مجھ سے برتر ہو۔ تم زندہ ہو۔ زندہ رہو گے۔ سپاہی ٹھیک کہہ گیا ہے۔ تم نہ ہوتے تو میں اکیلا رہ جاتا۔''

وہ بہت دیر اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا اور لاش کے پاس لیٹ گیا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح اسے جگایا گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہی سوڈانی سالار کھڑا تھا جس نے اسے تلوار پیش کی تھی۔ سالار نے کہا...... ''کسی چیز کی ضرورت ہو تو حاضر کروں۔''

''میں نے تمہارے لہجے کو پہچان لیا ہے۔'' اسحاق نے کہا...... ''میں ہارا ہوا ہوں۔ تم مجھے طعنہ دے سکتے ہو۔ اگر تم واقعی میری کوئی ضرورت پوری کرنا چاہتے ہو تو میدان جنگ سے تمہیں مصر کے پرچم بھی ملے ہوں گے۔ ایک پرچم لا دو۔ میں اس لاش پر ڈالنا چاہتا ہوں۔''

سالار نے قہقہہ لگا کر کہا...... ''کیا تمہارے پرچم کو ہم نے سینے سے لگا رکھا ہوگا؟ ہم نے مصر کے کسی جھنڈے کو ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کیا۔'' اس نے سپاہی سے کہا...... ''اسے باہر نکالو اور نیچے لے چلو۔ لاش یہیں رہنے دو۔''

اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں لے گئے۔ وہاں ایسی بدبو تھی جیسے بے شمار لاشیں پڑی ہوں۔

سوڈانی سالار آگے آگے تھا۔ ایک جگہ چھ سات مصری الٹے لٹکے ہوئے تھے اور ان کے بازوؤں کے ساتھ وزن بندھا ہوا تھا۔ آگے ایک آدمی کو بہت بڑی صلیب کے ساتھ اس طرح لٹکایا ہوا تھا کہ اس کی ہتھیلیوں میں ایک ایک کیل گڑھا ہوا تھا۔ خون ٹپک رہا تھا۔ ایک جگہ ایک چوڑا اور بہت بڑا پہیہ تھا۔ اس پر ایک آدمی پیٹھ کے بل اس طرح بندھا تھا کہ ٹخنوں سے زنجیریں بندھی تھیں جو فرش میں ٹھونکی ہوئی تھیں۔ بازو اوپر کر کے پہیے کے ساتھ بندھے تھے۔ ایک آدمی پہیے کو ذرا سا چلاتا تو اس آدمی کے بازو اور ٹانگیں اوپر اور نیچے کو کھینچی جاتی تھیں۔ وہ درد سے چیختا تھا۔

اسحاق کو تہہ خانے میں گھما پھرا کر دکھایا گیا کہ یہاں کیسی کیسی اذیتیں دی جا رہی ہیں۔ جگہ جگہ خون تھا بعض قیدی قے کرتے تھے۔ اور چند ایک بے ہوش پڑے تھے۔ اذیت کا ہر ایک طریقہ دکھا کر سوڈانی سالار نے اسحاق سے پوچھا...... ''آپ کو جو طریقہ پسند ہو وہ بتا دیں۔ ہم آپ کو وہاں لے چلتے ہیں۔ اگر آپ اس کے بغیر ہی ہماری بات مان جائیں تو آپ کا ہی بھلا ہوگا۔''

"جہاں جی چاہے لے چلو، میں سے غداری نہیں کروں گا۔" اسحاق نے کہا۔

"میں ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ ہم تم سے کیا کروانا چاہتے ہیں۔" سالار نے کہا..... "تمہیں کہا گیا تھا کہ تمام مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں لے آؤ اس کے عوض تمہیں رہا بھی کیا جائے گا اور مسلمان قبیلوں کے علاقے کا امیر بنا دیا جائے گا۔ اب تم اپنا یہ حق کھو بیٹھے ہو۔ اب ہماری شرط یہی ہے مگر تمہیں یہ انعام دیا جائے گا کہ کوئی اذیت نہیں دی جائے گی اور تمہیں سوڈانی فوج میں اچھا عہدہ دیا جائے گا۔"

"عہدے کی بجائے مجھے کسی بھی اذیت میں ڈال دو۔" اسحاق نے کہا۔

اسے اس طرح الٹا لٹکا دیا گیا کہ ٹخنوں سے زنجیریں ڈال کر چھت سے باندھ دیا گیا۔ سالار نے سپاہیوں سے کہا..... "شام تک اسے یہیں رہنے دو۔ شام کے وقت اسے لاش والی کوٹھڑی میں پھینک دینا۔ مجھے امید ہے کہ اس کا دماغ صاف ہو جائے گا۔"

☆

شام تک وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ہوش میں آیا تو وہ لاش کے پاس پڑا تھا۔ ایک کونے میں تھوڑا سا پانی اور کچھ کھانا رکھا تھا۔ اس نے پانی پیا اور کھانا کھا لیا۔ اس نے لاش سے کہا..... "میں تمہاری روح کے ساتھ دھوکا نہیں کروں گا۔ میں جلدی تمہارے پاس آ رہا ہوں۔"..... باتیں کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

آدھی رات کے وقت اسے پھر جگا لیا گیا اور پہیے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ سوڈانی سالار موجود تھا۔ اس نے کہا..... "ہزاروں مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ تم اسلام کے لیے قربانی دے رہے ہو لیکن صلاح الدین ایوبی اپنی بادشاہی کو آدھی دنیا پر پھیلانے کے لیے تم جیسے پاگلوں کو مروا رہا ہے۔ وہ بدبخت شراب بھی پیتا ہے اور اس نے پریوں جیسی لڑکیوں سے حرم بھر رکھا ہے اور تم ہو کہ اس کے نام پر مرتے ہو۔"

"سالار محترم!"..... اسحاق نے کہا..... "میں تمہیں اپنے مذہب کے امیر اور سلطان کے خلاف جھوٹ بولنے سے روک نہیں سکتا، اور تم مجھے اپنے عقیدے پر جان قربان کرنے سے روک نہیں سکتے۔ میری قوم کے کسی بھی قبیلے کا کوئی ایک بھی مسلمان تمہاری فوج میں شامل نہیں ہوگا۔ مسلمان مسلمان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا۔"

"تم شاید نہیں جانتے کہ عرب میں مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔" سوڈانی سالار نے کہا..... "صلیبی فلسطین میں بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ تمام امیروں اور مسلمان حکمرانوں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔"

"انہوں نے کر دی ہوگی۔" اسحاق نے کہا..... "میں نہیں کروں گا۔ جنہوں نے بغاوت کی ہے وہ اس دنیا میں بھی سزا بھگتیں گے، اگلے جہان میں بھی..... تم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کرو اور کسی دوسرے سوڈانی مسلمان کو پکڑو۔ شاید وہ تمہارا کام کر دے۔"

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم صرف اشارہ کر دو تو تمام مسلمان ہمارے ساتھ ہوں گے۔" سالار نے کہا..... "ہم تم سے یہ کام مفت نہیں کرانا چاہتے۔ تمہاری قسمت بدل دیں گے۔"

"میں آخری بار کہتا ہوں کہ میں اپنی قوم کو نہیں بیچوں گا نہیں"..... اسحاق نے کہا۔

وہ پہیے کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ نیچے ٹخنے فرش کے ساتھ، اوپر کلائیاں پہیے کے ساتھ۔ تین چار حبشی اس لیے کھمبے کے ساتھ کھڑے تھے جسے دھکیلنے سے پہیہ حرکت میں آتا تھا۔ سوڈانی سالار نے اشارہ کیا تو حبشیوں نے کھمبے کو ایک

قدم دھکیلا۔ رہٹ کی طرح پہیہ چلا۔ اسحاق کا جسم اوپر اور نیچے کو کھنچنے لگا۔ اس کے بازو کندھوں سے اور ٹانگیں کولہوں سے الگ ہونے لگیں۔ اس کے جسم سے پسینہ اس طرح پھوٹا جیسے کسی نے اس پر پانی انڈیل دیا ہو۔

''اب سوچو اور جواب دو۔'' اس کے کانوں میں سوڈانی سالار کی آواز پڑی۔

''ایمان نہیں بیچوں گا'' اسحاق نے کراہتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اس کی کھال پھٹنے لگی۔

''اب اچھی طرح سوچ سکو گے۔''

''میری لاش بھی یہی جواب دے گی۔ اپنا ایمان نہیں بیچوں گا'' اسحاق نے یہ الفاظ بڑی مشکل سے منہ سے نکالے۔

''اسے کچھ دیر یہیں رہنے دو۔'' سالار نے حکم دیا...... ''مان جائے گا''

اسحاق نے قرآن کی آیات کا ورد شروع کر دیا۔ سالار چلا گیا۔ اسحاق کے جسم کے جوڑ کھل رہے تھے۔ کھال جیسے اتاری جا رہی تھی۔ اس کا منہ آسمان کی طرف تھا۔ اس نے تصور میں خدا کو اپنے سامنے دیکھا اور کہا۔ ''خداوند دو عالم! میں گناہگار ہوں تو مجھے اور زیادہ سزا دو۔ میں آپ کی راہ میں سچا ہوں تو مجھے سکون عطا کرو۔ میں آپ کے حضور شرمسار نہیں ہونا چاہتا...... اس نے آنکھیں بند کر کے آیات کا ورد شروع کر دیا۔

''تم چیختے کیوں نہیں؟'' اس کے پاس قید خانے کا جو سپاہی کھڑا تھا اس نے کہا...... ''زور زور سے چیخو۔ اس سے تکلیف ذرا کم ہو جاتی ہے۔''

''میں تکلیف میں نہیں ہوں۔'' اسحاق نے کہا...... ''پہیہ اور آگے کر دو۔''

قید خانے کے سپاہی درندے تھے۔ اس سپاہی نے حبشیوں سے کہا کہ پہیہ ذرا اور چلائیں۔ حبشیوں نے دھکا لگایا تو پہیہ اور آگے چلا گیا۔ اسحاق کے جسم سے کڑاک کڑاک کی آوازیں نکلیں۔ ایک اور سپاہی دوڑتا آیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا...... ''تمہیں کس نے کہا ہے کہ پہیہ چلاؤ۔ یہ مر جائے گا۔ اسے ابھی زندہ رکھنا ہے'' ...... پہیہ ذرا پیچھے کر دیا گیا۔

''یہ کہتا ہے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔'' سپاہی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''تم ہوش میں ہو؟'' سپاہی نے اسحاق سے پوچھا...... ''تم کیا بول رہے ہو؟''

''بے ہوشی میں بول رہا ہے۔'' دوسرے نے کہا...... ''تم نے چکر جہاں تک پہنچا دیا تھا وہاں انسان مر جاتا ہے۔ یہ ہوش میں نہیں ہو سکتا۔''

''میں ہوش میں ہوں دوستو!'' اسحاق کی نحیف آواز سنائی دی...... ''میں اپنے خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں۔''

دونوں سپاہیوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔ ایک نے کہا...... ''یہ اتنا طاقتور تو نہیں لگتا۔ اس حالت میں تو بھینسوں جیسے وحشی حبشی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی عالم ہوگا۔ اس کے پاس خدا کی طاقت ہے۔''

''ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔'' اسحاق نے کہا...... ''میرے پاس خدا کی طاقت ہے۔ میں خدا کا کلام پڑھ رہا ہوں۔ پہیے کو پورا چکر دے کر دیکھو۔ میرا جسم دو حصوں میں کٹ جائے گا۔ دونوں حصوں سے یہی آواز آئے گی جو تم سن رہے ہو۔''

وہ گنوار سپاہی تھے۔ توہم پرستی ان کا مذہب تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھے۔ پیروں فقیروں اور مجذوبوں کو خدا سمجھتے

تھے۔ بتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اس پہیے کو (جسے چکر شکنجہ کہتے تھے) وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے ساتھ بندھا ہوا انسان پہیے کی ذرا سی حرکت پر چیخ اٹھتا اور ہر بات مان لیتا تھا۔ ذرا مزید حرکت سے بے ہوش ہوتا اور کچھ دیر بعد مر جاتا تھا لیکن اسحاق پہیے کے آخری نشان تک زندہ ہی رہا، ہوش میں رہا۔ سپاہی جان گئے کہ یہ آدمی عام قسم کا انسان نہیں۔

تم آسمانوں کا حال جانتے ہو؟'' ایک سپاہی نے پوچھا۔

''میرا خدا جانتا ہے۔'' اسحاق نے جواب دیا۔

''تمہارا خدا کہاں ہے۔''

''میرے دل میں۔'' اسحاق نے جواب دیا...... ''وہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتا۔''

''ہم غریب لوگ ہیں۔'' ایک سپاہی نے کہا...... ''یہاں تم جیسے انسانوں کی ہڈیاں توڑ کر بال بچوں کو روٹی کھلاتے ہیں۔ تم ہماری قسمت بدل سکتے ہو؟''

''باہر جا کر۔'' اسحاق نے کہا...... ''میں جو کچھ پڑھ رہا ہوں وہ تمہیں بتا دوں گا۔ تمہاری قسمت بدل جائے گی۔''

''ہم پہیہ نیچے کر دیتے ہیں۔'' ایک سپاہی نے کہا...... ''سالار کو آتا دیکھیں گے تو اوپر کر دیں گے۔''

''نہیں!'' اسحاق نے کہا...... ''میں تمہیں یہ بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ یہی میری طاقت ہے۔ اسے ہم ایمان کہتے ہیں۔''

''ہم تمہاری مدد کریں گے۔'' ایک سپاہی نے کہا...... ''جب کہو گے جو کہو گے ہم کریں گے۔ اگر ہو سکا تو تمہیں قید خانے سے نکال دیں گے۔''

☆

سالار آ گیا۔

''کیوں بھائی؟'' اس نے اسحاق سے پوچھا...... ''ہوش میں ہو؟''

''میرے اللہ نے مجھے بے ہوش نہیں ہونے دیا۔'' اسحاق نے جواب دیا۔

سالار کے اشارے پر پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اسحاق نے صاف طور پر محسوس کیا کہ اس کا جسم دو حصوں میں کٹ گیا ہے اور اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اس نے کراہتی ہوئی آواز میں کلام پاک کا ورد اور زیادہ بلند آواز سے شروع کر دیا۔ پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اس کے جسم سے ایسی آوازیں آئیں جیسے جوڑ ٹوٹ رہے ہوں۔

''خوش نہ ہو کہ ہم تمہیں جان سے مار دیں گے۔'' سوڈانی سالار نے کہا...... ''تم زندہ رہو گے اور تمہارے ساتھ ہر روز یہی سلوک ہو گا۔ تمہاری جان لے کر تمہیں اذیت سے آزاد نہیں کرنا چاہتے۔''

اسحاق نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ورد جاری رکھا۔

سالار کے اشارے پر پہیہ ذرا نیچے کر دیا گیا۔ سالار کے ساتھ فوج کا ایک اور افسر تھا۔ سالار اسے الگ لے گیا اور کہا...... ''بہت سخت جان معلوم ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں یہ بے ہوش بھی نہیں ہوا۔ ہم نے زیادتی کی تو مر جائے گا۔ اسے ابھی زندہ رکھنا ہے۔ میں نے ایک اور طریقہ سوچا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کی ایک بیٹی کی عمر چودہ پندرہ سال ہے اور اس کی بیوی بھی ہے۔ ان دونوں کو یہ دھوکہ دے کر یہاں بلایا جائے کہ یہ شخص قید خانے میں ہے اور مر رہا ہے۔ تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اسے دیکھ جاؤ، اور اگر یہ مر گیا تو اس کی لاش لے جاؤ۔''

دوسرے افسر نے کہا......''دھوکے سے ہی بلانا پڑے گا۔ ورنہ وہاں کے مسلمان ہمارے کسی آدمی کو اپنے علاقے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔''

''ان دونوں کو بلا کر اس کے سامنے ننگا کر کے کھڑا کر دیں گے۔'' سالار نے کہا......''پھر اسے کہیں گے کہ ہماری شرط مان لو ورنہ تمہاری کمسن بیٹی اور بیوی کو تمہارے سامنے بے آبرو کیا جائے گا۔''

دونوں سپاہی جو سالار کی غیر حاضری میں اسحاق کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے قریب کھڑے سن رہے تھے۔ سالار نے انہی میں سے ایک کو بھیج کر فوج کے کمانڈر کو بلایا۔ اسے اسحاق کے گاؤں کا راستہ بتا کر پیغام دیا اور یہ بھی بڑی اچھی طرح سمجھا دیا کہ مقصد کیا ہے۔ اسے کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت ہی احترام سے بات کرے اور صلاح الدین ایوبی کی تعریفیں بھی کرے ورنہ مسلمان اسے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔

کمانڈر اسی وقت روانہ ہو گیا۔ اسحاق کو چکر شکنجے سے اتار کر اسی کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا جس میں کسی مصری سپاہی کی لاش گل سڑ رہی تھی۔ اسحاق سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ سارے جسم سے درد کی بے رحم ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر اس نے دھیان خدا کی طرف لگا رکھا تھا۔ اتنے شدید درد کے باوجود وہ اپنے آپ میں سکون محسوس کر رہا تھا۔ اس کی روح میں کوئی درد نہیں تھا۔ جسمانی درد کے احساس سے وہ بے نیاز ہو چکا تھا لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ اسے ایسی ذلت میں ڈالنے کا اہتمام ہو رہا ہے جو اس کی روح کو لہولہان کر دے گا۔ اس کی کمسن بیٹی اور جوان بیوی کو قید خانے میں لانے کے لیے ایک آدمی چلا گیا تھا۔

وہاں سے اس کا گاؤں جو پہاڑی علاقے میں تھا گھوڑے پر پورے دن کی مسافت جتنا دور تھا۔ صبح ابھی ابھی طلوع ہوئی۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی افسر کے ساتھ چلا گیا۔ قید خانے میں دونوں سپاہیوں کی ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی۔ دن بھر کے لیے دوسرے سپاہی آ رہے تھے۔ ان دونوں سپاہیوں نے آپس میں بات کی اور ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ اسحاق کو برگزیدہ انسان سمجھ رہے تھے جس کا تعلق براہ راست کسی غیبی قوت کے ساتھ تھا۔ یہ ان کی برداشت سے باہر تھا کہ اس برگزیدہ شخص کی بیٹی اور بیوی کو قید خانے میں بلا کر ذلیل کیا جائے۔ ایک سپاہی نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا کہ اس شخص کی بیٹی اور بیوی کی توہین کی گئی تو سب پر قہر نازل ہو گا۔ ان دونوں کو یہ لالچ بھی تھا کہ باہر جا کر اسحاق ان کی قسمت بدل دے گا۔

ایک سپاہی نے کہا کہ وہ اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو یہاں تک نہیں آنے دے گا۔

☆

شام ہو چکی تھی جب پیغام لے جانے والا سوڈانی کمانڈر مسلمانوں کے پہاڑی علاقے میں داخل ہوا۔ پہلے گاؤں میں جا کر اس نے پوچھا کہ اسحاق نام کے ایک سوڈانی مسلمان کا گاؤں کہاں ہے جو مصری فوج میں عہدیدار ہے۔ اسحاق کا تمام علاقے پر اثر و رسوخ تھا۔ اسے ہر کوئی جانتا تھا۔ کمانڈر نے بتایا کہ وہ زخمی حالت میں جنگی قیدی ہوا تھا۔ دوسرے قیدیوں کی طرح اسے بھی قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ اس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اسے اس کی بیٹی اور بیوی سے ملایا جائے میں ان دونوں کو لینے آیا ہوں۔

ایک آدمی ان کے ساتھ ہو گیا۔ وادیوں سے گزرتے، کچھ وقت بعد دونوں اسحاق کے گاؤں میں داخل ہوئے۔ پھر اس کے گھر جا پہنچے۔ اس کے بوڑھے باپ سے ملاقات ہوئی۔ سوڈانی کمانڈر نے جھک کر مصافحہ کیا اور نہایت اچھے انداز سے کہا۔'' آپ کا بیٹا اتنا بہادر ہے کہ ہمارے سالار بھی اسے سلام کرتے ہیں۔ وہ بہادری سے لڑا مگر ریگستان نے اسے پیاسا رکھ کر بے حال کر دیا۔ وہ زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ اس کا علاج اس طرح کیا جا رہا ہے جس طرح سوڈانی

سالاروں اور حکمرانوں کا کیا جاتا ہے۔ اتنے اچھے علاج کے باوجود وہ صحت یاب نہیں ہوا۔ اسے بچانے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اپنی بیٹی کو اور اپنی بیوی کو آخر بار دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اگر تم لوگ اس کی اتنی زیادہ عزت کرتے ہو تو اسے میرے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟'' اسحاق کے باپ نے کہا۔''ہو سکتا ہے ہمارے جراح اور طبیب اسے ٹھیک کر لیں۔''

''فرمانروائے سوڈان نے کہا ہے کہ وہ ہمارا مہمان ہے۔'' کمانڈر نے جواب دیا۔''مہمان کو بیماری کی حالت میں رخصت کرنا میزبان کی بے عزتی ہے۔ صحت یاب ہوتے ہی اسے باعزت طریقے سے رخصت کر دیا جائے گا۔''

''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی بیٹی اور بیوی اس کے پاس رہیں اور اس کی تیمارداری کریں؟'' بوڑھے باپ نے پوچھا۔

''اگر یہ دونوں وہاں رہنا چاہیں تو انہیں عزت سے رکھا جائے گا۔'' کمانڈر نے کہا...... ''ہمارے ہاں بہادروں کی عزت کی جاتی ہے۔ ہمارے مذہب الگ ہیں لیکن ہم اور آپ سوڈانی ہیں۔ ہم زمین کا احترام کرتے ہیں۔ اگر اسحاق صلاح الدین ایوبی کا سپاہی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم بھائی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کو ہم بہت بڑا جنگجو مانتے ہیں۔ اس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا دیا ہے۔''

''پھر تم اسے دشمن کیوں سمجھتے ہو؟'' بوڑھے نے پوچھا۔''تم صلیبیوں کو دوست کیوں سمجھتے ہو؟''

''محترم بزرگ!'' کمانڈر نے کہا۔''اگر میں باتیں کرنے بیٹھ گیا تو یہ میرے فرض میں کوتاہی ہوگی۔ مجھے آپ کی بچی اور آپ کی بہو کو صبح سے پہلے آپ کے بیٹے تک پہنچانا ہے۔ آپ کے بیٹے کی خواہش کی تکمیل ہمارا فرض ہے...... کیا آپ کی بیٹی اور بہو میرے ساتھ ابھی چلنے کو تیار ہیں؟''

پردے کے پیچھے سے ایک نسوانی آواز آئی۔''ہم تیار ہیں۔''

''کوئی مرد ساتھ نہیں جا سکتا؟'' بوڑھے نے پوچھا۔''میں بھی تو اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''سفر لمبا ہے۔'' کمانڈر نے کہا۔''آپ اتنی لمبی گھوڑ سواری برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مجھے جو حکم ملا ہے وہ بیٹی اور بیوی کو لانے کا ہے۔''

قید خانے کا سپاہی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر گیا۔ بہت جلدی میں اسے نے کپڑے بدلے۔ سر کو اس طرح ڈھانپا کہ چہرہ بھی چھپ گیا۔ اس نے گھوڑے کے لیے چارہ اور پانی گھوڑے کے ساتھ باندھا اور کسی کو بتائے بغیر کہ کہاں جا رہا ہے روانہ ہو گیا۔ اس نے وہ راستہ معلوم کر لیا تھا جو اسحاق کے گاؤں کو جاتا تھا۔ سالار جب پیغام لے جانے والے کمانڈر کو راستہ سمجھا رہا تھا یہ سپاہی پاس کھڑا سن رہا تھا۔ اس کے دل میں عقیدت تھی۔ آبادی سے نکل کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کمانڈر اس سے بہت پہلے نکل گیا تھا اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اسے سے پہلے اسحاق کے گھر پہنچ جاتا۔ سورج بہت اوپر آ چکا تھا۔

☆

اسحاق کے باپ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ اس نے دونوں تیار کیے۔ اسحاق کی بیٹی اور بیوی جلدی میں تیار ہو کر سوار ہو گئیں۔ گاؤں کے کچھ اور لوگ بھی وہاں آ گئے تھے۔ سب سوڈانی کمانڈر کی باتوں میں آ گئے اور انہوں نے اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو کمانڈر کے ساتھ رخصت کر دیا۔ رات کا سفر تھا۔ راستے میں کہیں رکنا نہیں تھا۔ دونوں مستورات

کے دلوں میں اسحاق کے متعلق جو جذبات تھے ان سے ان کی نیند اڑ گئی۔ ان کے لیے گھوڑے کی سواری کوئی نئی یا مشکل بات نہیں تھی۔ یہاں کے مسلمان اپنے بچوں کو گھوڑ سواری اور تیراندازی بچپن میں ہی سکھا دیا کرتے تھے۔

تینوں گھوڑے پہاڑی علاقے سے نکل گئے۔ کمانڈر خوش تھا کہ اس نے کامیابی سے دونوں مستورات کو جال میں پھانس لیا تھا۔ اسحاق اس کوٹھڑی میں بیٹھا تھا جس میں گلی سڑی لاش پڑی تھی۔ یہ لاش اسے پریشان کرنے کے لیے وہاں رکھی گئی تھی لیکن اسحاق نے اپنے آپ کو جسمانی احساسات سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ لاش کے ساتھ اس طرح باتیں کرتا تھا جیسے وہ زندہ ہو۔ اسے بدبو کا ذرہ بھر احساس نہیں تھا۔ وہ اب جسم نہیں روح بن گیا تھا۔ سارا دن اسے کوٹھڑی سے باہر نہ نکالا گیا۔ شام کے بعد بھی اسے کسی نے نہ چھیڑا۔ وہ حیران بھی ہوا کہ اسے کیوں آرام دیا جا رہا ہے۔ شاید سوڈانی سالار اس سے مایوس ہو گیا تھا؟

"کمانڈر دونوں مستورات کے ساتھ پہاڑی علاقے سے نکل کر صحرا میں جا رہا تھا۔ وہ ان دونوں کو اسحاق کی بہت اچھی اچھی باتیں سنا رہا تھا۔ دونوں پوری دلچسپی سے سن رہی تھیں۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "اپنی بیٹی اور بیوی کی بے عزتی کون برداشت کر سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کمانڈر ان دونوں کو لے آئے گا۔ میں اسحاق سے کہوں گا کہ جب تک تم مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر کے سوڈان کا وفادار نہیں بنا دیتے تمہاری بیٹی اور بیوی کو آزاد نہیں کیا جائے گا۔"

"صبح تک ہمارے کمانڈر کو آ جانا چاہیے۔" سالار کے ساتھی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ذرا پہلے آ جائے۔" سالار نے کہا۔ "آدمی ہوشیار ہے۔"

قید خانے کا جو سپاہی کمانڈر کے پیچھے روانہ ہوا تھا ریتلے ٹیلوں کے علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ اس نے آدھے سے زیادہ راستہ طے کر لیا تھا۔ اس رات چاند نہیں تھا۔ صحرا کی فضا رات کو شفاف ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی بھی مسافروں کو راستہ دکھا دیتی ہے۔ سپاہی کو رات کی خاموشی میں کسی کی باتیں سنائی دیں۔ بولنے والا اسی کی طرف آ رہا تھا۔ ٹیلے گونج پیدا کر رہے تھے۔ سپاہی ایک ٹیلے کی اوٹ میں رک گیا۔ باتیں بلند ہوتی گئیں اور گھوڑوں کے پاؤں کی آہٹیں بھی سنائی دینے لگیں۔ تھوڑی سی دیر بعد سپاہی نے ٹیلے کی اوٹ سے تین گھوڑے گذرتے دیکھے۔ اس نے تلوار نکال لی اس وقت بھی کمانڈر اسحاق کی باتیں کر رہا تھا۔ سپاہی کو یقین ہو گیا کہ یہ کمانڈر ہے اور اس کے ساتھ اسحاق کی بیٹی اور بیوی ہے۔ اس نے گھوڑا باہر نکالا اور ان کے پیچھے گیا۔ اس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز نے کمانڈر کو چونکا دیا۔ وہ تلوار سونت کر پیچھے کو مڑا لیکن سپاہی گھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا۔ اس نے دوڑتے گھوڑے سے کمانڈر پر ایسا وار کیا کہ اس کا ایک بازو صاف کاٹ دیا۔ گھوڑا روک کر وہ پیچھے مڑا۔ کمانڈر لڑنے کی حالت میں نہیں تھا۔ اس نے رحم کے لیے پکارا لیکن سپاہی نے اس کی گردن پر وار کر کے اسے گھوڑے سے لڑھکا دیا۔

دونوں مستورات سن ہو گئیں۔ اسحاق کی بیوی نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "بھاگو۔ ڈاکو معلوم ہوتے ہیں۔"

انہوں نے گھوڑے موڑے۔ سپاہی نے اپنا گھوڑا ان کے راستے میں کر لیا اور کہا۔ "یہاں کوئی ڈاکو نہیں ہے۔ مجھ سے نہ ڈرو۔ میں نے تمہیں ایک ڈاکو سے بچایا ہے۔ میرے ساتھ اپنے گاؤں میں چلو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا۔ تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ میں اکیلا ہوں۔"

وہ دونوں حیران و پریشان تھیں کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ سپاہی نے کمانڈر کے گھوڑے سے لگام اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دی اور گھوڑے کو بھی ساتھ لے چلا۔ راستے میں اس نے دونوں کو بتایا کہ اسحاق قید خانے میں بند

ہے۔ اسے کہا جا رہا ہے کہ وہ مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر دے۔ اسحاق نہیں مان رہا۔ سپاہی نے ان دونوں کو یہ نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اس نے کہا کہ تم دونوں کو اس کے سامنے عریانی کی حالت میں کھڑا کر کے اور تم دونوں کی بے عزتی کی دھمکی دے کر اسحاق کو اپنی بات پر لانے کے لیے بلایا گیا ہے۔ یہ آدمی جسے میں نے قتل کیا ہے تم دونوں کو اسی نیت سے لے جانے آیا تھا۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

"تم کون ہو؟" اسحاق کی بیوی نے پوچھا۔ "مسلمان ہو؟"

"میں قید خانے کا سپاہی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "میں مسلمان نہیں ہوں۔"

"پھر تمہیں ہمارے ساتھ کیسے ہمدردی پیدا ہو گئی۔؟"

"میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر ہوتے ہیں۔" سپاہی نے کہا۔ "تمہارا خاوند پیغمبر معلوم ہوتا ہے۔"

اسحاق کی بیوی نے اس سے پوچھا کہ وہ اس کے خاوند کو کیوں پیغمبر سمجھتا ہے۔ سپاہی نے اصل بات نہ بتائی اور کہا...... "اب تو میں اسے سچا پیغمبر سمجھتا ہوں۔ وہ قید خانے میں قید ہے۔ مسلمان ہے۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کی بیٹی اور بیوی کو بے عزت کرنے کا انتظام کر دیا ہے۔ میرے دل میں خیال آ گیا کہ میں تم دونوں کی عزت کی حفاظت کروں گا۔ میں نے ایسا کام کیا ہے جو میری ہمت سے باہر تھا۔ یہ اسی کی غیبی قوت ہے۔ میں اسے پیغمبر سمجھتا ہوں۔

☆

سحر کے وقت اسحاق کے گھر کے سامنے چار گھوڑے رکے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اسحاق کا باپ اسحاق کی بیوی اور بیٹی کو ان کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اندر جا کر سپاہی نے اسے تمام حالات اور واقعات سنا دیئے لیکن اسے بھی نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔

اسحاق کے باپ نے اسی وقت اپنے قبیلے کے لوگوں کو اطلاع دے دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ سپاہی نے انہیں بتایا کہ اسحاق کو اس شرط پر رہائی دینے کا وعدہ کیا جا رہا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو سوڈان کی فوج میں شامل کر دے۔ اور تمام مسلمان سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ سپاہیوں نے بتایا کہ اسحاق کہتا ہے کہ مجھے جان سے مار دو میں اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔

تمام لوگ بھڑک اٹھے۔ سوڈان کو بھلا برا کہنے لگے۔ کسی نے کہا...... "یہاں صلاح الدین ایوبی آئے گا۔ یہ خدا کی زمین ہے۔"

"ہم قید خانے پر حملہ کر کے اسحاق کو رہا کرائیں گے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"تمہارے لیے یہ کام آسان نہیں" سپاہی نے کہا۔ "تہہ خانے میں سے تم کسی کو نکال نہیں سکتے۔"

"تم قید خانے کے سپاہی ہو۔" اسحاق کے باپ نے کہا۔ "تم ہماری مدد کر سکتے ہوں۔"

"میں غریب اور ادنیٰ سپاہی ہوں۔" اس نے کہا۔ "میں آپ کے بیٹے کو پیغمبر سمجھتا ہوں۔ میں نے اسے کہا تھا کہ میری قسمت بدل دو۔ اس نے کہا تھا کہ باہر آ کر بدل دوں گا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے میں اس کا مرید ہوتا جا رہا ہوں۔ یہ سب لوگ اس پر جانیں قربان کرنے پر تیار ہیں۔ کیا میری زندگی بھی ایسی ہو سکتی ہے جیسی تمہاری ہے؟"

"مسلمان ہو جاؤ اور یہیں رہو۔" اسحاق کے باپ نے اسے کہا۔ "ہم لوگ جنت میں رہتے ہیں۔ یہاں پانی کے چشمے ہیں اور ہرے بھرے درخت ہیں۔ یہاں کی زمین اتنا اناج دیتی ہے کہ جو کاشت کاری نہیں کرتا وہ بھی بھوکا نہیں

رہتا۔ یہ ہمارے اللہ کی شان ہے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ اور اپنی قسمت بدل لو۔ ہم لوگ آزاد ہیں۔ یہ پہاڑیاں ہمارا قلعہ ہیں۔ جو ہمارے اللہ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔"

سپاہی نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسحاق کے باپ نے اسے حلقہ بگوش اسلام کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔

صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سوڈانی سالار بے تابی سے کمانڈر کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر اس کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ سورج اوپر اٹھتا گیا اور سالار بے چین ہوتا گیا۔ وہ سمجھا کہ کمانڈر راستہ بھول گیا ہوگا۔ اس نے ایک اور عہدیدار کو بلایا اور اسے وہی باتیں بتا کر جو اس نے پہلے کمانڈر کو بتائی تھیں روانہ کر دیا۔

اسحاق کوٹھڑی میں بند رہا۔ یہ دن بھی کوٹھڑی میں گزر گیا۔ اس کی کوٹھڑی میں پڑی ہوئی لاش پھٹنے لگی تھی۔ قید خانے کے سنتری جو انسانوں کے جسم توڑنے اور تہہ خانے کی بدبو کے عادی تھے وہ بھی اسحاق کی کوٹھڑی کے قریب آنے سے گریز کرنے لگے۔ بڑی ہی بری بدبو تھی۔ ایک سنتری نے ناک پر ہاتھ رکھ کر اسحاق سے پوچھا۔ "او مردود! تم اس بدبو کو کس طرح برداشت کر رہے ہو؟ یہ لوگ جو کچھ تم سے منوانا چاہتے ہیں مان جاؤ اور یہاں سے رہائی لو۔ اس مرداری بدبو سے پاگل ہو جاؤ گے۔"

"مجھے کوئی بدبو محسوس نہیں ہو رہی۔" اسحاق نے کہا۔ "یہ مردار نہیں شہید ہے۔ میں رات کو اس کے ساتھ لگ کر سوتا ہوں۔"

"تم پاگل ہو چکے ہو۔" سنتری نے کہا۔ "لاش کی بدبو کا یہی اثر ہوتا ہے۔"

اسحاق کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے لاش کے پاس بیٹھ کر قرآن کی ایک آیت کا ورد شروع کر دیا۔

☆

یہ رات بھی گذر گئی۔ صبح کے دھندلکے میں جس دوسرے کمانڈر کو سالار نے بھیجا تھا واپس آ گیا۔ ایک تو مسلسل اتنے طویل سفر سے اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ دیکھ آیا تھا اسے بیان کرنے سے اس کی زبان ہکلا رہی تھی۔ اس نے سالار کو بتایا کہ راستے میں کچھ علاقہ ریتلے ٹیلوں اور گھاٹیوں کا ہے۔ ایک جگہ گدھ مردار کھا رہے تھے۔ اس نے ایک جگہ تلوار پڑی دیکھی۔ جوتے اور کپڑے بھی دیکھے۔ اس نے گدھوں کو اڑایا تو پتا چلا کہ وہ کسی انسان کو کھا رہے تھے۔ چہرہ بھی خراب ہو چکا تھا۔ اسے جو چیزیں مثلاً خنجر، چمڑے کا کمربند وغیرہ ملیں وہ اٹھا کر لے گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ سوڈانی کمانڈر کی لاش تھی۔

اس نے آگے جا کر زمین دیکھی۔ گھوڑوں کے پاؤں کے نشان تھے۔ یہ کمانڈر پہاڑی علاقے تک گیا۔ گھوڑوں کے نشان وہاں تک گئے تھے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کمانڈر مستورات کو ساتھ لایا تھا یا نہیں اور اسے کس نے قتل کیا ہے۔ سوڈانی سالار نے کہا کہ معلوم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے اس علاقے میں سوڈانیوں نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے انہی مسلمانوں میں سے تھے۔ ان جاسوسوں کا وہاں اور کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ صرف مخبری کرتے تھے۔ اسحاق کے متعلق بھی لوگوں نے بتایا تھا کہ اس علاقے پر اسی کا اثر و رسوخ ہے۔

ہوا بھی ایسے ہی۔ شام کے بعد جو جاسوس پہنچ گئے۔ انہوں نے سالار کو پوری خبر سنائی کہ کمانڈر، اسحاق کی بیوی بچی کو لے گیا تھا اور قید خانے کے ایک سپاہی نے اسے راستے میں قتل کر دیا اور مستورات کو واپس لے گیا ہے۔ انہوں نے سپاہی کا نام بھی بتایا۔ سالار نے یہ مسئلہ سوڈان کے حکمران کے آگے رکھا۔ اس نے صلیبی مشیروں کو بتایا۔ ان صلیبیوں

نے مشورہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ مسلمانوں پر فوج کشی کی حماقت نہ کر بیٹھنا۔ انہیں کسی اچھے طریقے سے دوست بنانے کی کوشش کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کارروائی کرو کہ اس سپاہی کو خفیہ طریقے سے قتل کرا دو تاکہ مسلمانوں کو پتا چل جائے کہ ہمارے ہاتھ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر اسحاق تمہاری شرط تسلیم نہیں کرتا تو کسی اور سوڈانی مسلمان قیدی کو قائل کرو۔ اسحاق پر تشدد جاری رکھو۔

اسحاق کو ایک بار پھر تشدد کے شکنجے میں جکڑ لیا گیا۔ اب تو سالار اس سے اپنے کمانڈر کے قتل کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ اسے اتنی درندگی کا تختہ مشق بنا دیا گیا جتنا انسانی تصور سے باہر تھا۔ رات کے وقت وہ بیہوش ہو گیا اور اسے کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔ ہوش میں آیا تو کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔ باہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسحاق نے اپنا ہاتھ ایک طرف کیا تو ہاتھ کسی کے جسم پر لگا۔ اسے یاد آ گیا کہ یہ وہی لاش ہے جو پہلے دن سے اسے کے ساتھ پڑی ہے مگر اسے ایسے لگا جیسے لاش سانس لے رہی ہو۔ یہ اس کے دماغ کی خرابی ہی ہو سکتی تھی۔ اس کے جسم کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

لاش نے حرکت کی۔ اسحاق نے چونک کر دیکھا۔ چہرے پر نظر ڈالی۔ یہ لاش نہیں تھی۔ کوئی زندہ انسان تھا اور یہ کوٹھڑی کوئی اور تھی۔ دوسرا آدمی بھی شاید بے ہوش تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسحاق بڑی مشکل سے اٹھا اور پوچھا۔ ''تم کون ہو؟''

''عمرو درویش۔'' اس آدمی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

''اوہ..... عمرو درویش؟'' اسحاق نے حیران ہو کر کہا۔ ''میں اسحاق ہوں۔''

وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ عمرو درویش بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا وہ بھی انہی مسلمان قبیلوں میں سے تھا جو سوڈانی ہوتے ہوئے سوڈان کی فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے۔ عمرو درویش بھی جنگی قیدی ہو گیا تھا۔ اسحاق کا نام سن کر اٹھ بیٹھا۔

''تمہیں کیا کہتے ہیں؟'' اسحاق نے پوچھا۔

''کہتے ہیں کہ عالم کے روپ میں اپنے علاقے میں جاؤ۔'' عمرو درویش نے جواب دیا۔ ''اور لوگوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف دشمنی پیدا کرو۔ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں شہزادوں کی طرح رکھیں گے اور جس لڑکی کو پسند کرو گے۔ وہ تمہارے ساتھ رہے گی۔'' عمرو نے پوچھا۔ ''تم سے کیا منوانا چاہتے ہیں؟''

''کہتے ہیں اپنے تمام قبیلوں کو سوڈان کا وفادار بنا دو۔'' اسحاق نے جواب دیا۔ ''اس کے عوض مجھے مسلمانوں کے علاقے کا امیر بنانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی الگ فوج بنانا چاہتے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تمہیں بہت تکلیفیں دے رہے ہیں۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''معلوم نہیں ہمیں ایک ہی کوٹھڑی میں کیوں بند کر دیا ہے..... شاید اس میں کوئی بہتری ہو گی۔ میں چاہتا تھا کہ تم مجھے مل جاؤ۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے تمہیں تم سے اجازت لینا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا تم مل گئے۔''

''کیا طریقہ سوچا ہے؟''

''تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ لوگ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''ہم اذیتیں کب تک برداشت کریں گے۔ آج نہیں تو کل مر جائیں گے۔ یہاں اور کئی سوڈانی مسلمان قید ہیں۔ کوئی نہ کوئی ان کے جال میں آ جائے گا۔

میں ڈرتا ہوں کہ ہمارے چند ایک ساتھیوں کو یہ ورغلا کر ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیں گے۔ ایک صورت یہ ہے کہ تم ان کی شرط مان لو۔ اس بہانے آزاد ہو جاؤ اور اپنے علاقے میں جا کر کچھ بھی نہ کرو۔ رات کے اندھیرے میں مصر کو نکل جاؤ۔ تمہیں زندہ رہنا چاہیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میں ان کی بات مان لوں۔ یہ مجھے جو سبق پڑھانا چاہتے ہیں وہ پڑھ لوں۔ ان کا بتایا ہوا بہروپ دھار لوں اور اپنے تمام قبیلوں کو خبردار کر دوں کہ وہ سوڈانیوں کے کسی چکر میں نہ آئیں۔ اگر میں ان کا ساتھی بن گیا تو میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سوڈانی ہمارے علاقے پر حملہ کر دیں۔" اسحاق نے کہا۔ "ہمارے لوگ اتنی جلدی ہتھیار ڈالنے والے تو نہیں لیکن فوج اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی۔ فوج آخر فوج ہے۔"

"ہمیں قربانی دینی پڑے گی۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ہم مصر سے چھاپہ ماروں کی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ فی الحال ضرورت یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک آدمی باہر نکل جائے۔ اگر ہم دونوں اکٹھے ان کی شرط مان کر نکل جائیں تو اور زیادہ بہتر ہے۔"

"میں یہیں رہوں گا۔" اسحاق نے کہا۔ "تم انہیں دھوکہ دو۔ اگر ہم نے اکٹھے ان کی بات مان لی تو انہیں شک ہوگا۔ یہ سمجھ جائیں گے کہ ہم نے رات ایک کوٹھڑی میں رہ کر کوئی منصوبہ تیار کیا ہے۔ میں سختیاں برداشت کرتا رہوں گا۔ تم نکل جاؤ۔"

☆

صبح طلوع ہوتے ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ ایک سپاہی نے اسحاق کو برچھی چبھوئی اور اسے اٹھا کر دھکے دیتا اپنے ساتھ لے گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ پھر بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد سوڈانی فوج کا ایک عہدیدار آیا۔ اس نے سلاخوں میں سے عمرو درویش سے پوچھا۔ "اگر تم نے آج انکار کیا تو تصور نہیں کر سکتے کہ تمہارے جسم کا کیا حال ہوگا۔ ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے۔ تم اس دنیا میں دوزخ دیکھ لو گے۔ ہر روز مرو گے اور ہر روز جیو گے۔"

"مجھے کسی اچھی جگہ لے چلو۔" عمرو درویش نے کہا "میرے جسم کو ذرا سا سکون آنے دو۔ یہاں میں کچھ بھی نہیں سوچ سکتا۔"

"میں تمہیں جنت میں بٹھا سکتا ہوں۔" سوڈانی عہدیدار نے کہا۔ "تمہیں جنت کی پریوں میں بٹھا دوں گا اور اگر وہاں بھی تم نے انکار کیا تو جتنے دن زندہ رہو گے پچھتاتے رہو گے۔ ہمیں رو رو کر کہو گے کہ میں نے تمہاری شرط مان لی ہے تو بھی ہم تم پر اعتبار نہیں کریں گے۔"

وہ کراہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھلتی نہیں تھیں۔ اس نے سرگوشی سی کی۔ "ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے کہیں لے چلو اور بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

اسے اسی وقت لے گئے اور ویسے ہی خوشنما کمرے میں جا رکھا جیسا اسحاق کو دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک طبیب آ گیا۔ اس نے اس کے جسم کا معائنہ کر کے اسے دوائیں پلائیں۔ اسے اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا گیا۔ اس دوران اسی سوڈانی سالار نے جو اسحاق کا جسم توڑتا رہتا تھا عمرو درویش سے پوچھا۔ "کیا تم نے ہماری ہر بات ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

عمرو درویش نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا۔ کھانا کھاتے ہی وہ لیٹا اور گہری نیند سو گیا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو رات بھی گذر چکی تھی۔ اور اگلا دن گذر گیا تھا۔ وہ بہت دنوں سے قید خانے کے تہہ خانے میں اذیتیں برداشت کر رہا تھا۔

جسم بہت حد تک سوکھ گیا تھا۔ ہڈیاں دکھ رہی تھیں۔ اتنے نرم و گداز بستر پر اتنی لمبی نیند سے اس کے جسم میں صحت کے آثار نظر آنے لگے۔ اسے دوائیاں دی گئیں۔ اور اسے بادشاہوں والا کھانا کھلایا گیا تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو اس کے سامنے ایک لڑکی کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے بال ریشمی تھے اور کھلے ہوئے۔ اس کے کندھے، بازو اور سینے کا کچھ حصہ عریاں تھا۔ عمرو درویش فوجی تھا۔ جنگلوں میں پیدا ہوا اور فوج میں اس کی عمر میدان جنگ میں گذر رہی تھی۔ اس لڑکی کو اس نے خواب سمجھا لیکن لڑکی نے آگے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اسے یقین آیا کہ یہ خواب نہیں۔

لڑکی باہر چلی گئی اور طبیب کو بلا لائی۔ طبیب نے اسے دیکھا اور دوائی پلا کر چلا گیا۔ فوراً بعد دو صلیبی آ گئے۔ وہ سوڈانی زبان روانی سے بولتے تھے۔ تخریب کاری کے ماہر معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو اس مہم کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے علاقے میں جا کر یہ نہیں بتائے گا کہ وہ قید میں رہا ہے بلکہ یہ بتائے گا کہ میدان جنگ میں اسے ایک بزرگ ملے تھے جنہوں نے اسے کہا تھا کہ مصری فوج کا سوڈان پر حملہ مصر کے لیے مہنگا ثابت ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ سوڈان کا ساتھ دیں ورنہ تباہ ہو جائیں گے...... صلیبیوں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ مجذوب عالم کے بھیس میں مسلمانوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی اور مصر کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرے گا۔

عمرو درویش خندہ پیشانی سے رضامند ہو گیا۔ اسی وقت اس کی ٹریننگ اور ریہرسل شروع ہو گئی۔ شام کے بعد اس کے آگے لڑکیوں نے کھانا چنا۔ شراب بھی رکھی گئی جو اس نے قبول نہ کی۔ کھانے کے بعد جب لڑکیاں دسترخوان سمیٹ کر لے گئیں تو ایک اور لڑکی شب خوابی کے لباس میں آ گئی۔ اس کا جسم نیم عریاں اور چال ڈھال اشتعال انگیز تھی۔

''تم کیوں آئی ہو؟'' عمرو درویش نے لڑکی سے پوچھا۔

''آپ کے لیے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''میں آپ کے پاس رہوں گی۔''

''تمہارا نام کیا ہے۔؟''

''آشی!'' لڑکی نے جواب دیا اور اس کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''آشی!'' عمرو درویش نے کہا۔ ''مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ تم چلی جاؤ۔''

''میں حکم لے کر آئی ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔''

''مجھ سے یہ لوگ جو بات منوانا چاہتے تھے وہ میں نے مان لی ہے۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''اب مجھے تم جیسے حسین فریب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔''

''میں جانتی ہوں۔'' آشی نے کہا۔ ''آپ کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ میں انعام کے طور پر آئی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے۔ سپاہی جب میدان جنگ سے آتے ہیں تو ان کی روح عورت کی طلب گار ہوتی ہے۔''

''میں ہارا ہوا سپاہی ہوں۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''میری روح مر گئی ہے۔ مجھے اپنے جسم سے نفرت ہو گئی ہے۔ مجھے اس کی کسی بھی ضرورت کا احساس نہیں رہا۔ قید خانے میں ابلے ہوئے پتے کھاتا رہا تو بھی مطمئن رہا۔ یہاں اتنے اچھے کھانے کھائے ہیں تو بھی مطمئن ہوں لیکن خوش نہیں ہوں۔ میں شکست خوردہ ہوں۔''

لڑکی ہنس پڑی جیسے کسی نے جل ترنگ چھیڑ دیا ہو۔ ''شراب کے دو چار گھونٹ آپ کو مسرتوں سے مالا مال کر دیں گے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''حلق سے اتر جائے تو مجھے دیکھنا۔ مجھ میں آپ کو پھولوں کا حسن نظر آئے گا۔''

''میری مجبوری یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں۔'' عمر درویش نے کہا۔ ''ہم عصمتوں سے کھیلا نہیں کرتے، عصمتوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔''

''صرف مسلمان لڑکیوں کی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہو گے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''میں مسلمان نہیں۔''

''اور تم عصمت والی بھی نہیں۔'' عمر درویش نے کہا۔ ''پھر بھی میرا فرض ہے کہ تمہاری عصمت کا خیال رکھوں۔ لڑکی مسلمان ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتی ہو، اپنی قوم کی ہو یا اپنے دشمن کی، مسلمان اگر ایمان کا پکا ہے تو اس کی عصمت کی حفاظت کرے گا۔ تم تمام رات میرے پاس بیٹھی رہو، صبح سب کو بتاتی پھرو گی کہ رات ایک پتھر کے پاس بیٹھ کر گزاری ہے۔''

''کیا میں خوبصورت نہیں؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''تم جیسی بھی ہو میرے کسی کام کی نہیں۔'' عمر درویش نے کہا۔ ''میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔ اگر تم اس ذلیل زندگی سے آزاد ہونا چاہو تو میں تمہیں جان پر کھیل کر یہاں سے نکال لے جاؤں گا اور کسی شریف گھرانے میں آباد کر دوں گا۔''

''آپ سے پہلے بھی ایک یہاں آیا تھا۔'' آشی نے کہا۔ ''وہ بھی آپ کی طرح باتیں کرتا تھا۔ وہ بھی سوڈانی مسلمان تھا۔ میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی کہ چونکہ آپ مسلمان ہیں اس لیے آپ عورت میں دلچسپی نہیں لیتے۔ میں نے مصر کے کئی مسلمان دیکھے ہیں۔ وہ عورت کو دیکھ کر بھوکے درندے بن جاتے ہیں۔ میں تین ایسے مصری مسلمان بتا سکتی ہوں جنہیں میں نے اور شراب کی اس صراحی نے غدار بنایا ہے۔ وہ کیسے مسلمان ہیں؟''

''وہ ایمان فروش ہیں۔'' عمر درویش نے کہا۔ ''تم باتیں کر رہی ہو میں تمہارے چہرے پر اور تمہاری آنکھوں میں تمہاری ماں اور تمہارے باپ کی جھلک دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ کہاں ہیں؟ زندہ ہیں؟''

''معلوم نہیں۔'' آشی نے کہا۔ ''آپ سے پہلے جو یہاں آیا تھا اس نے بھی یہی پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔'' وہ اسحاق کی بات کر رہی تھی۔ اسحاق کو جب اس کمرے میں لایا گیا تھا تو اسی لڑکی کو اس کے کمرے میں بھیجا گیا تھا۔ اس نے عمر درویش سے کہا۔ ''اس سوڈانی مسلمان نے مجھ سے میرے ماں باپ کے متعلق پوچھ کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ایسا سوال مجھ سے کبھی کسی نے نہیں پوچھا تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے پوچھا تو میں رات بھر سوچتی رہی کہ میرے ماں باپ کون تھے اور کیسے تھے۔ تھے ضرور۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا اور ذہن کے اندھیرے میں غائب ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ان کی یاد سے دور رکھنے کی کوشش شروع کر دی مگر میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ آج آپ نے ان کی یاد پھر تازہ کر دی ہے۔ میں جب محسوس ہی نہیں کرتی تھی کہ میرے ماں باپ ہوں گے تو میں خوش رہتی تھی۔ آپ سے پہلے آنے والے سوڈانی مسلمان نے میرے اندر ایسے جذبات بیدار کر دیئے ہیں کہ میری خوشی پر اب اداسی کا آسیب سوار رہنے لگا ہے۔''

''تمہارا کوئی بھائی بھی تھا؟''

''کچھ بھی یاد نہیں۔'' آشی نے کہا۔ ''میں خون کے رشتوں کو سمجھتی ہی نہیں کہ کیا ہوتے ہیں۔''

''تمہیں نیند آ رہی ہو تو سو جاؤ۔'' عمر درویش نے کہا۔

''آپ کو نیند آ رہی ہو تو میں خاموش ہو جاتی ہوں۔'' آشی نے کہا۔ ''جی چاہتا ہے کہ آپ میرے ساتھ باتیں

کرتے رہیں۔ مجھے آپ جیسے آدمی اچھے لگتے ہیں۔ میں جس آدمی کے ساتھ کچھ وقت گذارتی ہوں اس سے مجھے نفرت سی ہو جاتی ہے۔ مجھے مسکرانا پڑتا ہے۔ وہ سوڈانی مسلمان جو آپ سے پہلے یہاں آیا تھا، مجھے ساری عمر یاد رہے گا جسے اس کمرے میں لایا گیا تھا۔ آپ دوسرے آدمی ہیں جن کی میں ہمیشہ قدر کروں گی۔ آپ نے میرے اندر روح اور جذبات کو بیدار کر دیا ہے۔ آپ مجھے شاید روح کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے مجھے جسم کی بھوکی نظروں سے دیکھتے ہیں۔''

میں تمہیں آبرو باختہ لڑکی سمجھتا تھا لیکن تم عقل اور فراست کی باتیں کرتی ہو۔'' عمرو درویش نے کہا۔

''میں حسین اور ہیتھاز ہر ہوں۔'' آشی نے کہا۔ ''پتھروں کو موم کرنے مجھے تربیت دی گئی ہے۔ میں کوئی سیدھی سادی لڑکی نہیں۔ جابر حکمران کی تلوار اپنے قدموں میں رکھوا سکتی ہوں۔ اور عالموں کے منہ پھیر سکتی ہوں مگر اپنے آپ کو وہ موم سمجھنے لگی ہوں جو ذرا سی حرارت سے پگھل جاتا ہے کسی پتھر کو نہیں پگھلا سکتا۔''

''یہ میری باتوں کا اثر نہیں۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''یہ میرے ایمان کی حرارت ہے جس نے تمہیں پگھلا دیا ہے۔ میں نے تمہارے اندر خون کے رشتے بیدار کر دیئے ہیں۔ تم انسان ہو۔ تم کسی کی بیٹی ہو۔ تم کسی کی بہن ہو۔ تم کسی قوم کی آبرو ہو۔ میں تمہیں ہر رنگ میں دیکھ رہا ہوں۔''

رات گذرتی جا رہی تھی۔ نیند کا خمار اور عمرو درویش کی باتیں آشی پر غالب آتی جا رہی تھیں۔ نیند سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں لڑھک گئی...... اس کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو پلنگ پر اور عمرو درویش کو فرش پر سوتے دیکھا۔ اس نے عمرو درویش کو جگایا نہیں۔ اسے دیکھتی رہی۔ اس کے سینے میں ہلچل بپا ہوگئی۔ اس نے اپنے گالوں پر اپنے آنسوؤں کی نمی محسوس کی اور حیران ہوئی کہ اس کے جسم میں آنسو بھی ہیں۔ اس کے آنسو کبھی نہیں نکلے تھے۔ اس نے عمرو درویش کے پاس دوزانو ہو کر اس کا ہاتھ اٹھایا اور آنکھوں سے لگایا۔

عمرو درویش کی آنکھ کھل گئی۔ آشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئی۔ اس نے اسے یہ بھی نہ کہا کہ تمہیں فرش پر نہیں سونا چاہیے تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پانی تھا جس سے عمرو درویش نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ آشی کمرے سے چلی گئی۔

☆

ناشتے کے بعد سوڈانی سالار دو صلیبیوں کے ساتھ آ گیا۔

''میری ایک بات غور سے سن لیں۔'' عمرو درویش نے سالار سے کہا۔ ''مجھے کسی بھی وقت اسحاق کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ آپ اسے پریشان کرنا چھوڑ دیں۔ اسے کسی کھلی اور آرام دہ کوٹھڑی میں رکھیں۔ اسے تہہ خانے سے نکال کر اوپر لے آئیں۔ وہ میرا دوست ہے۔ مجھے جب اس کی ضرورت ہوئی تو میں اسے منا لوں گا۔ اسے دھوکہ بھی دے لوں گا۔ اگر وہ نہ مانا تو آپ اس کے ساتھ جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔''

سوڈانی سالار نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ صلیبی مشیروں نے عمرو درویش کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔ اس نے خوبی سے نقل کی۔ انہوں نے اسے جو باتیں بتائیں وہ بھی اس نے زبانی یاد کرنی شروع کر دیں...... چار پانچ روز اس کی تربیت ہوتی رہی۔ دن کے دوران صلیبی اس کے ساتھ ہوتے تھے اور رات کو آشی اس کے پاس ہوتی تھی۔ یہ لڑکی اس کی مرید بن گئی تھی۔ اس کمرے میں جا کر وہ اپنے آپ کو پاکیزہ لڑکی سمجھنے لگتی تھی۔

چھٹے ساتویں روز عمرو درویش ایک درویش کے روپ میں اپنے علاقے میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسے

درویشوں اور مجذوب عالموں کے کپڑے پہنائے گئے۔ آشی نے اسے کہا تھا کہ وہ جب اپنی مہم پر روانہ ہو تو اسے بھی ساتھ لیتا چلے۔ اس کی خواہش پر عمرو درویش نے سوڈانی سالار سے کہا کہ وہ اس لڑکی کو انعام کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ لڑکی اسے دے دی گئی۔ اسے مستور کرنے کے لیے لڑکی کو برقعہ نما لبادہ دے دیا گیا۔ تین اونٹ دیئے گئے۔ ایک پر عمرو درویش سوار ہوا، دوسرے پر آشی اور تیسرے پر ایک خیمہ اور کھانے پینے کا سامان لاد دیا گیا۔ سوڈانی سالار نے عمرو درویش کو دو باتیں بتائیں۔ ایک یہ کہ اسحاق کو تہہ خانے سے نکال کر اوپر کھلے کمرے میں بھجوادیا گیا ہے۔ اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کے علاقے میں اپنے آدمی موجود ہیں جو اسے خود ہی ملیں گے اور اس کی مدد کریں گے۔

عمرو درویش آشی کو ساتھ لے کر ایک خطرناک مہم پر روانہ ہو گیا۔

سوڈانی سالار اس کے روانہ ہوتے ہی اپنے کمرے میں گیا۔ وہاں چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب سوڈانی مسلمان تھے اور مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کے رہنے والے تھے۔ انہیں سوڈان کی حکومت سے بہت انعام و اکرام ملتا تھا۔ اپنے علاقے میں وہ پکے مسلمان بنے رہتے تھے۔

''وہ جا چکا ہے۔'' سالار نے انہیں کہا۔ ''تم دوسرے راستے سے روانہ ہو جاؤ۔ اکیلے اکیلے جانا۔ اپنے علاقے میں پہنچ جاؤ اور اس پر نظر رکھو جہاں تمہیں شک ہو کہ یہ شخص دھوکہ دے رہا ہے۔ اسے ایسے طریقے سے قتل کر دو جس سے کسی کو پتا نہ چلے۔ میں اور آدمی بھیج رہا ہوں۔ انہیں اپنے گھروں میں رکھ لینا۔''

یہ سب ایک دوسرے کے بعد روانہ ہو گئے۔ سوڈانی سالار نے دو اور آدمی بلائے۔ وہ صرف سوڈانی تھے، مسلمان نہیں تھے۔ ان سے سالار نے کہا۔ ''ان مسلمانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اپنے علاقے میں جا کر سب ایکا نہ کر لیں۔ یہ چھ آدمی ہمارے ہی ہیں لیکن یہ نہ بھولنا کہ مسلمان ہیں۔ وہاں جا کر ان کی نیت بدل سکتی ہے۔ اگر عمرو درویش ٹھیک رہا تو تمہیں آتش گیر مادے کی ضرورت ہو گی۔ یہ ان آدمیوں نے گھروں میں چھپا رکھا ہے۔ تم جانتے ہو کہ اسے کب اور کہاں استعمال کرنا ہے۔

یہ دونوں بھی روانہ ہو گئے۔

وہ سپاہی جس نے اسحاق کی بیٹی اور اس کی بیوی کو بچایا اور کمانڈر کو قتل کیا تھا اسحاق کے گھر رہتا تھا جس روز عمرو درویش روانہ ہوا اس روز سپاہی کہیں باہر گھوم پھر رہا تھا۔ ایک تیر آیا جو اس کے جسم کو چھوتا ہوا ایک درخت میں جا لگا۔ سپاہی دوڑ پڑا اور اسحاق کے گھر جا پہنچا۔ اس نے اسحاق کے باپ کو بتایا کہ اس پر کسی نے تیر چلایا ہے۔ کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ تیر کس نے چلایا ہے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ سوڈانیوں نے اسے قتل کرنے کی پہلی کوشش کی ہے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے محکمہ جاسوسی و سراغرسانی (انٹیلی جنس) کا سربراہ علی بن سفیان قاہرہ میں تھا۔ اس وقت سلطان ایوبی صلیبیوں کے دوست مسلمان امراء سیف الدین گمشتگین کو اور الملک الصالح کی فوج کو شکست دے کر ان مخالفین کے مرکزی شہر حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے یہ مسلمان مخالفین ایسی افراتفری اور بوکھلاہٹ میں بھاگے تھے کہ کہیں بھی قدم جما نہ سکے۔ راستے میں تین چار اہم مقام تھے جہاں وہ رک جاتے اور اپنی بکھری ہوئی فوج کو اکٹھا کر لیتے تو صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے پسپائی کے ایسے راستے اختیار کیے جو جنگی لحاظ سے ان کے لیے مزید نقصان کا باعث بنے۔ سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی اور ان اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اس کی

منزل حلب تھی۔

اسے کچھ علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات کیسی کیسی کروٹیں لے رہے ہیں۔ قاصد اسے رپورٹیں دیتے رہتے تھے جن سے پتا چلتا تھا کہ طرح طرح کی سازشیں سر اٹھا رہی ہیں۔ وہ میدان جنگ میں کبھی پریشان نہیں ہوا تھا، سازشیں اسے پریشان کر دیا کرتی تھیں، اور یہ حقیقت اس کے لیے زہر کی طرح تلخ تھی کہ ان سازشوں اور تخریب کاری کے ہدایت کار صلیبی اور آلہ کار مسلمان تھے۔ علی بن سفیان اس کا دست راست تھا بلکہ اس کی آنکھیں اور کان تھا۔ اسے سلطان ایوبی نے مصر سے غیر حاضری کے دوران مصر میں ہی رہنے دیا تھا اور اپنے ساتھ اس کے معاون حسن بن عبداللہ کو رکھا۔ مصر کی حکومت سلطان ایوبی کے بھائی العادل کے حوالے تھی۔ اپنے بھائی کی غیر حاضر میں العادل راتوں کو سوتا بھی کم تھا۔ علی بن سفیان کو وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس طرح مصر کا امن وامان اور اس خطے میں اسلام کی آبرو کا تحفظ ان دونوں کی ذمہ داری تھی۔

انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر میں تخریب کاری بڑھ رہی ہے۔ اس کے علاوہ سوڈان کی طرف سے خطرہ تھا۔ دو چار ماہ پہلے العادل نے سوڈانیوں کے ایک عجیب وغریب اور بڑے ہی خطرناک حملے کو غیر معمولی کامیابی سے تباہ کر دیا تھا لیکن سوڈانیوں کے عزائم میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، کیونکہ ان کا یہ حملہ جو ناکام ہوا تھا باقاعدہ فوج کا حملہ نہیں تھا۔ سوڈان کی باقاعدہ فوج نقصان کے بغیر تیار کھڑی تھی۔ اس فوج کو صلیبی تربیت دے رہے تھے اور بعض دستوں کی کمان بھی صلیبیوں کے ہاتھ میں تھی۔

سوڈان کے خطرے کی پیش بندی یوں کی گئی تھی کہ سرحد پر سرحدی دستوں کی نفری میں اضافہ کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ علی بن سفیان نے اپنے شعبے کے بے شمار آدمیوں کو سرحد پر پھیلا دیا تھا۔ یہ سب جاسوس اور مخبر تھے۔ وہ صحرائی مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بھیس میں سرحد پر گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ان کا رابطہ سرحدی چوکیوں کے ساتھ تھا۔ ان چوکیوں پر ان کے لیے گھوڑے تیار رہتے تھے۔ سرحدی دستوں کے گشتی سنتری بھی ان کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ ایک انتظام اور بھی تھا۔ علی بن سفیان کے چند ایک ماہر جاسوس تاجروں کے بہروپ میں سوڈان کے ساتھ غیر قانونی تجارت کرتے تھے جسے آج کل سمگلنگ کہا جاتا ہے۔ انہیں مال دے کر سرحد پار کرا دی جاتی تھی۔ یہ لوگ سوڈان جا کر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مصر کے سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آئے ہیں۔ سوڈان میں بعض اجناس کی قلت تھی جس میں اناج خاص طور پر قلیل تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہدایت کے تحت مصر میں زیادہ اناج اگایا جاتا تھا جس کا کچھ حصہ جاسوسی کے سلسلے کی سمگلنگ کے لیے الگ کر لیا جاتا تھا۔

سوڈان کے جو تاجر مصری "تاجروں" کے ساتھ کاروبار کرتے تھے ان میں زیادہ تر جاسوس تھے جو مصر کے لیے کام کرتے تھے۔ انہیں جاسوس مصری جاسوسوں (تاجروں کے روپ میں) نے بنایا تھا۔ جاسوسی کا یہ طریقہ کامیاب ہوا تو سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ سوڈان کو اناج اور زیادہ سستا دو تا کہ یہ سلسلہ سارے سوڈان میں جال کی طرح پھیل جائے۔ چنانچہ جال پھیلا دیا گیا اور سوڈانی فوج اور حکومت کی ہر ایک نقل وحرکت قاہرہ میں نظر آنے لگی۔ علی بن سفیان نے سرحد کے ساتھ اپنے دو تین ہنگامی مرکز بنا دیئے تھے۔ جونہی کوئی خبر ادھر سے آتی سرحد کے کسی مرکز کو دے دی جاتی۔ جہاں سے برق رفتار گھوڑوں کے ذریعے قاہرہ پہنچا دی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے جو سوار رکھے گئے تھے وہ مسلسل تمام دن اور رات بغیر آرام کیے سواری کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم تھا کہ سوڈان میں ایک وسیع پہاڑی علاقہ ہے جس میں صرف مسلمان آباد

ہیں اور ان مسلمانوں کی زیادہ تر تعداد مصری فوج میں ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ مسلمان سوڈانی فوج میں بھرتی ہونا پسند نہیں کرتے۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دور امارت سے کچھ پہلے مصری فوج میں سوڈانی حبشی اور سوڈانی مسلمان ہوا کرتے تھے۔ ان کا کمانڈر بھی سوڈانی تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ اس کمانڈر کا نام ناجی تھا۔ ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے اس سلسلے کی پہلی کہانی میں اسی فوج اور اس کے سالار اعلیٰ ناجی کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی سے پہلے ناجی مصر کا مختار کل تھا حالانکہ یہاں خلافت کی گدی بھی تھی اور یہ باقاعدہ امارت تھی۔ کیا خلیفہ اور کیا امیر صحیح معنوں میں بادشاہ تھے۔ صلیبیوں نے مصر کو سلطنت اسلامیہ سے کاٹنے کے لیے یہاں تخریب کاری اور سازشوں کے اڈے قائم کر لیے تھے۔ ناجی ان کا اتحادی بن گیا تھا۔ اس نے مصر کی سوڈانی فوج کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی۔

سلطان ایوبی نے مصر کی امارت سنبھالی تو اس کی پہلی ٹکر ناجی سے ہوئی۔ سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی مرحوم سے منتخب اور جانباز دستوں کی کمک منگوا کر مصر کی پچاس ہزار سوڈانی فوج توڑ دی۔ اس کے بعض سالاروں کو قید میں ڈال دیا اور نئی فوج تیار کر لی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ سوڈان کی اس معزول فوج کے جو لوگ حلف وفاداری کے ساتھ خلوص نیت سے مصری فوج میں شامل ہونا چاہیں انہیں بھرتی کر لیا جائے۔ سوڈان کے وہ تمام مسلمان جو اس فوج میں تھے واپس آ گئے۔ وہ جان گئے تھے کہ انہیں غیر مسلم سازش کا آلہ کار بنایا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے جب صلیبیوں کے خلاف دو تین معرکے لڑے اور سلطان ایوبی کو انہوں نے قریب سے دیکھا تو ان کا ایمان تازہ ہو گیا۔ فوجی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں دین وایمان اور ملی وقار کے وعظ بھی سنائے جاتے اور نہیں بتایا جاتا تھا کہ ان کا دشمن، ان کے مذہب کا دشمن ہے۔ جس کی نظر میں اسلام کی بیٹیوں کی کوئی عزت اور عصمت نہیں۔ اب سلطان ایوبی کی جو فوج عرب میں لڑ رہی تھی۔ اس میں خاصی نفری سوڈانی مسلمانوں کی تھی۔

قاہرہ کی انٹیلی جنس اس صورت حال سے بے خبر تھی کہ سوڈان کی حکومت وہاں کے مسلمانوں کو کئی ایک طریقوں سے قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ مصری فوج میں جانے کی بجائے سوڈان کی فوج میں بھرتی ہوں۔ سوڈانیوں نے مسلمانوں پر تشدد کر کے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے نتیجے میں سوڈان کا ایک اعلیٰ فوجی افسر خفیہ طریقے سے قتل ہو گیا تھا سوڈان نے اس علاقے میں باقاعدہ فوج بھیجی تھی۔ مسلمانوں نے اسے پہاڑیوں اور وادیوں میں بکھیر کر مار ڈالا یا بھگا دیا تھا۔ مسلمانوں کو علاقے کا فائدہ حاصل تھا۔ چٹانیں اور پہاڑیاں انہیں آڑ مہیا کرتی اور تحفظ دیتی تھیں۔ یہ مسلمان جنگجو بھی تھے۔

سلطان ایوبی نے ان کے ساتھ علی بن سفیان کے شعبے کی وساطت سے رابطہ قائم رکھا ہوا تھا۔ مصری ''تاجروں'' کے قافلوں کے ذریعے ان مسلمانوں کو اتنا اسلحہ دے دیا تھا جس سے وہ سال بھر کے محاصرے میں لڑ سکتے تھے۔ انہیں چھوٹی منجنیقیں اور آتش گیر مادہ بھی پہنچا دیا گیا تھا۔ جو لوگوں نے گھروں میں چھپا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کے منصوبے میں یہ شامل تھا کہ جنگی کارروائی سے یا دیگر ذرائع سے اس علاقے کو مصر میں شامل کرنا ہے تاکہ یہ مسلمان صحیح معنوں میں آزاد ہو جائیں۔ یہ علاقہ سرحد سے آدھے دن کی مسافت پر تھا۔ علی بن سفیان نے وہاں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے۔ جو محض مخبر نہیں تھے تجربہ کار لڑاکے اور چھاپہ مار (کمانڈو) تھے۔

یہ مسلمان عسکری نوعیت کا خزانہ اور بڑی کارآمد جنگی قوت تھے حالانکہ اس کی تعداد بمشکل پانچ ہزار تھی۔ انہیں چھوڑ کر سوڈان کے پاس حبشی رہ جاتے تھے جن کے ہاں کوئی عسکری تاریخ اور جنگی روایت نہیں تھی۔ وہ ملازموں کی حیثیت

سے لڑتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا رویہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگیں تو شیر ہو جاتے تھے اور اگر دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو محتاط ہو کر لڑتے اور پیچھے ہٹنے لگتے تھے۔ ان کی ٹریننگ کے لیے صلیبی پہنچ گئے تھے یا مصری فوج کے دو تین غدار سالار زر و جواہرات کے لالچ میں سوڈان چلے گئے تھے۔ صلیبیوں اور ان کے مصری سالاروں کی بدولت سوڈان کی فوج میں کچھ اہلیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سوڈانی حکومت مصر پر کھلا حملہ کرنے سے گھبراتی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اپنی فوج میں شامل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ صلیبی مشیر جانتے تھے کہ پچاس ہزار حبشیوں کی نسبت پانچ ہزار مسلمان کافی ہیں۔

☆

علی بن سفیان کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے سوڈانی علاقے میں یہ واقعہ ہوا ہے کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے کمانڈر کو قتل کر دیا اور مسلمانوں کے علاقے میں پناہ لے لی ہے۔ یہ خبر لانے والے جاسوس نے علی بن سفیان کو پورا واقعہ سنایا۔ اس نے اس سپاہی سے تصدیق کر لی تھی۔ سپاہی سے اس نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا۔ کہ اسحاق نام کا کمانڈر قید خانے میں زندہ ہے اور اسے اس مقصد کے لیے تیار کرنے کے لیے قید خانے میں اذیتوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا دے۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ اس علاقے پر اسحاق کا اثر و رسوخ ہے۔

''یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسحاق کو قید خانے سے رہا کرایا جائے۔'' علی بن سفیان نے جاسوس سے پوری رپورٹ لے کر مصر کے قائم مقام امیر العادل سے کہا...... ''آپ جانتے ہیں کہ قید خانوں میں کیسا کیسا تشدد کیا جاتا ہے۔ ہم بھی تشدد کرتے ہیں۔ پتھر بھی بول پڑتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسحاق سوڈانیوں کے رنگ میں رنگا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دو تین اور مسلمان کمانڈر قید خانے میں ہیں۔ سب پر تشدد کیا جا رہا ہے میں تو یہاں تک مشورہ دینے کو تیار ہوں کہ اپنے کچھ چھاپہ مار مسلمانوں کے علاقے میں بھیج دیئے جائیں۔ میں یہ خدشہ دیکھ رہا ہوں کہ اپنے کمانڈر کے قتل کا انتقام لینے کے لیے سوڈانی فوج مسلمانوں پر حملہ کر دے گی۔''

''دوسرے ملک میں چھاپہ مار بھیجنے کے لیے ہمیں ہر پہلو پر غور کرنا پڑے گا۔'' العادل نے کہا...... ''اس کا نتیجہ کھلی جنگ بھی ہو سکتا ہے۔''

ہمارے پاس غور کرنے کے لیے وقت نہیں۔'' علی بن سفیان نے کہا۔ ''ہمیں فوری طور پر کارروائیں کرنی پڑیں گی۔ کسی ذہین قاصد کو پیغام دے کر محترم سلطان کی طرف بھیجا جائے اور ان سے حکم لیا جائے اور دوسری یہ کہ میں خود سوڈان میں داخل ہو کر مسلمانوں کے علاقے میں چلا جاؤں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ صحیح خاکہ صرف میری آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں فوج حملہ نہ کرے۔ وہاں صلیبی موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کو توہم پرستی میں مبتلا کر کے ان کے نظریات اور عقیدوں کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ مسجدوں میں اپنے مولوی بھیج کر لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسی چالیں مصر کے اندر آ کر بھی کر چکے ہیں۔ مجھے یہی ڈر ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے اور ملی جذبے پر حملہ ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری قوم میں یہ خامی ہے کہ دشمن کی جذباتی اور ہیجانی باتوں میں جلدی آ جاتی ہے۔ دشمن دیکھ چکا ہے کہ مسلمان کو میدان جنگ میں مارنا آسان نہیں۔ عقیدوں اور نظریوں کی معرکہ آرائی میں دشمن ایسے ہتھیار استعمال کرتا ہے کہ مسلمان ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں چلا جاؤں اور آپ ابھی ایک قاصد سلطان محترم کی طرف روانہ کر دیں۔''

''آپ کی غیر حاضری میں آپ کی ذمہ داریاں کون سنبھالے گا؟''

''غیاث بلبیس۔'' علی بن سفیان نے جواب دیا۔''اس کے ساتھ میرا ایک معاون زاہدین رہے گا۔ آپ کو میری غیر حاضری محسوس نہیں ہوگی۔''

''بہت بری طرح محسوس ہوگی۔'' العادل نے کہا......''آپ دشمن کے ملک میں جارہے ہیں۔ اگر واپس نہ آسکے تو مصر اندھا اور بہرہ ہوجائے گا۔''

''میں نہ ہوا تو قوم مر نہیں جائے گی'' علی بن سفیان نے مسکرا کر کہا......''افراد قوموں کی خاطر مرتے رہیں تو قومیں زندہ رہتی ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی یہ سوچ لیں کہ وہ مارے گئے تو قوم تباہ ہوجائے گی تو وہ گھر بیٹھ جائیں اور سلطنت اسلامیہ پر صلیبی ہاتھ صاف کر جائیں۔ مجھے سلطان کا یہ اصول بہت پسند ہے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ دشمن کا انتظار گھر بیٹھ کر نہ کرو۔ اس پر نظر رکھو۔ وہ تیاری کی حالت میں ہو تو اس کے پہلو یا عقب میں چلے جاؤ۔ میں اسی اصول پر سوڈان جارہا ہوں۔ دشمن نے مسلمانوں کے علاقے میں کامیابی حاصل کرلی تو ہم اپنے کون سے کارنامے پر فخر کریں گے۔''

''آپ چلے جائیں۔'' العادل نے کہا......''یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ احتیاط لازمی ہے۔ میں سلطان کے نام پیغام لکھ کر بھیج دیتا ہوں۔''

علی بن سفیان سوڈان میں داخل ہونے کی تیاری کرنے چلا گیا۔ العادل نے کاتب کو بلایا اور سلطان ایوبی کے نام پیغام لکھوانے لگا۔ اس نے سوڈان سے مسلمانوں کے علاقے کی اطلاع تفصیل سے لکھوائی۔ یہ بھی لکھوایا کہ یہ پیغام آپ تک پہنچنے سے پہلے علی بن سفیان سوڈان میں جاچکا ہوگا۔ العادل نے علی بن سفیان کے مشورے بھی لکھوائے اور سلطان صلاح الدین ایوبی سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے۔

قاصد کو پیغام دے کر العادل نے اسے کہا کہ اسے ہر چوکی سے گھوڑ بدلنا ہے۔ اور گھوڑے کی رفتار کسی بھی حالت میں سست نہیں ہوگی۔ کھانا پینا دوڑتے گھوڑے پر ہوگا۔ اگر راستے میں دشمن کے چھاپہ ماروں کا خطرہ ہوا تو قاصد پیغام ضائع کردے گا۔ ان ہدایات کے ساتھ قاصد کو روانہ کردیا گیا۔

☆

عمرو درویش شہر سے بہت دور نکل گیا تھا۔ اس کے اردگرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ سورج غروب ہورہا تھا۔ عمرو رات کے قیام کے لیے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا تھا۔ دور اسے درخت نظر آئے جہاں پانی بھی ہوسکتا تھا لیکن اس کے پاس پانی کا ذخیرہ موجود تھا۔ اونٹوں کو پانی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نخلستان سے دور قیام کرنا چاہتا تھا تا کہ صحرائی ڈاکوؤں سے بچا رہے۔ اس کے ساتھ آشی تھی جو سیاہ برقعے میں مستور تھی۔ یہ قیمتی لڑکی تھی۔ کسی ڈاکو کی نظر پڑ جانے سے اس کا بچنا ناممکن تھا......اسے ایک جگہ نظر آگئی۔ اس نے اونٹ روکے اور وہیں خیمہ گاڑ لیا۔

اسے دو شتر سوار اپنی طرف آتے نظر آئے۔ آشی کو اس نے خیمے میں بھیج کر پردے گرادیئے اور خود باہر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چغے میں تلوار چھپی ہوئی تھی۔ خنجر بھی تھا اور خیمے میں دو کمانیں اور بہت سے تیر بھی تھے۔ شتر سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سوچنے لگا کہ یہ ڈاکو ہوئے تو کیا وہ ان کا مقابلہ کرسکے گا۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ آشی صرف دل بہلانے والی لڑکی نہیں، وہ لڑ بھی سکتی ہے۔ تیراندازی بھی اسے تربیت حاصل تھی۔ وہ صلیبیوں کی تیار کی ہوئی تخریب کار لڑکی تھی۔ شتر سوار آرہے تھے۔ عمرو درویش نے منہ انہی کی طرف رکھا اور آشی سے کہا......''کمان میں تیر ڈال لو۔ اگر یہ ڈاکو نکلے تو

پردے کے پیچھے سے تیر چلا دینا۔“

شتر سوار خیمے کے قریب آ کر رکے۔ ایک نے اونٹ کی پیٹھ سے ہی پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟“

عمرو درویش نے ہاتھ آسمان کی طرف کر کے جھومتی ہوئی آواز میں کہا...... ”جس کے سینے میں آسمان کا پیغام ہوا س کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ میں کون ہوں؟...... مجھے بھی معلوم نہیں۔ کبھی کچھ ہوا کرتا تھا۔ آسمان سے ایک پیغام آیا۔ میرے سینے میں اتر گیا۔ ذہن سے یہ نکل گیا کہ میں کون ہوں۔ میں کہاں جا رہا ہوں؟...... میرے سینے میں جو روشنی اتر آئی ہے، وہ بتا سکتی ہے۔ اس میں میرے ارادوں کا کوئی دخل نہیں۔ میں آگے جا رہا تھا۔ صبح کو شاید پیچھے چل پڑوں۔“

دونوں اونٹوں سے اتر آئے۔ ایک نے کہا...... ”آپ تو کوئی پیر پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ کیا آپ غیب کی خبر دے سکتے ہیں، ہم گناہگاروں کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں؟“

”میں بھی مسلمان ہوں۔“ عمرو درویش نے وجد کی سی کیفیت میں کہا...... ”تم بھی مسلمان ہو۔ مجھے تمہاری تباہی نظر آ رہی ہے۔ میں بھی تمہاری طرح پوچھتا پھرتا تھا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ خون میں ڈوبی ہوئی لاشوں میں مجھے سبز رنگ کا ایک چغہ اور اس میں سفید داڑھی والا ایک انسان کھڑا نظر آیا۔ اس نے مجھے لاشوں سے اٹھایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ پھر وہ لاشوں کے خون میں غائب ہو گیا...... تم پہاڑیوں میں رہتے ہو تو صحراؤں میں چلے جاؤ۔ مصر کا نام دل سے اتار دو وہ فرعونوں کا ملک ہے۔ وہاں جو بادشاہ آتا ہے اسے مصر کی مٹی اور وہاں کی ہوا فرعون بنا دیتی ہے۔“

”اب تو وہاں کا بادشاہ صلاح الدین ایوبی ہے۔“ ایک شتر سوار نے کہا...... ”وہ پکا مسلمان ہے۔“

”اس کا نام مسلمانوں جیسا ہے۔“ عمرو درویش نے ایسے لہجے میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو...... ”وہی تمہاری تباہی لا رہا ہے۔ تم جس مٹی سے پیدا ہوئے وہ اس کی عزت پر خون بہاؤ۔ تم سوڈان کے بیٹے ہو۔“

”مگر سوڈان کا بادشاہ کافر ہے۔“ شتر سوار نے کہا۔

”وہ مسلمان ہو جائے گا۔“ عمرو درویش نے کہا...... ”وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اس کی فوج کافروں کی فوج ہے اس لیے وہ اسلام کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ۔ تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ اسے بتاؤ کہ تم اس کے محافظ ہو۔ تم سوڈان کے محافظ ہو۔“

اس نے بلند آواز سے کہا۔ ”جاؤ۔ اٹھو یہاں سے چلے جاؤ۔“

دونوں اونٹوں پر سوار ہوئے اور چلے گئے۔ کچھ دور جا کر ایک سوار نے دوسرے سے کہا۔ ”دھوکہ نہیں دے گا۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ دوسرے نے کہا۔ ”پکا معلوم ہوتا ہے۔ سبق بھولا نہیں۔“

”آشی جیسا خوبصورت انعام ہمیں مل جائے تو ہم اپنے ماں باپ کے بھی خلاف ہو جائیں۔“ شتر سوار نے کہا۔

”واپس چلتے ہیں“...... دوسرے نے کہا...... ”بتائیں گے کہ سب ٹھیک ہے...... لڑکی شاید خیمے میں ہوگی“

”آدمی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ اس نے لڑکی کو چھپا دیا تھا“...... اس نے کہا...... ”میرا خیال ہے انہیں کسی حفاظت کی ضرورت نہیں۔“

”نہیں ہونی چاہیے“...... دوسرے نے کہا...... ”سپاہی ہے۔ اس کے پاس ہتھیار بھی ہیں، تیر و کمان بھی لڑکی بھی ہوشیار ہے۔“

یہ دونوں سوڈانی جاسوس تھے جنہیں یہ معلوم کرنے کے لیے عمرو درویش کے پیچھے بھیجا گیا تھا کہ یہ کام سکیم کے مطابق کر رہا ہے یا نہیں۔ عمرو درویش نے بڑی اچھی اداکاری کی تھی جس سے یہ دونوں مطمئن ہو کر چلے گئے۔

''یہ ڈاکو نہیں تھے''...... عمرو درویش نے خیمے میں جا کر آشی سے کہا...... ''چلے گئے ہیں۔''

''یہ ڈاکوؤں سے زیادہ خطرناک تھے''...... آشی نے کہا...... ''تم نے انہیں بڑے اچھے طریقے سے ٹالا ہے''...... پھر بولی...... ''جنہوں نے تمہیں ادھر بھیجا ہے ان کے جاسوس تھے''...... آشی نے کہا...... ''یہ تمہیں دیکھنے آئے تھے کہ تم انہیں دھوکہ تو نہیں دے رہے۔''

''تم انہیں جانتی ہو؟''

''میں انہی کے درخت کی ایک ٹہنی ہوں''...... آشی نے کہا...... ''ان سے کٹ کر گر پڑی تو سوکھ جاؤں گی۔''

''مجھے تم سے بھی محتاط رہنا پڑے گا۔''

لڑکی ہنس پڑی اور بولی...... ''تم نے خود ہی مجھے انعام کے طور پر مانگا تھا۔''

☆

رات وہ خیمے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ آشی کی آنکھ کھل گئی۔ باہر بھیڑیئے غرا رہے تھے۔ اونٹ ڈر کر اٹھ کھڑے ہوئے اور عجیب طریقے سے بولنے لگے۔ آشی نے عمرو درویش کو جگایا اور اسے بتایا کہ وہ خوف کے مارے مر رہی ہے۔ عمرو درویش نے باہر کی آوازیں سنیں تو آشی سے کہا...... ''یہ بھیڑیئے ہیں۔ قریب نہیں آئیں گے۔ اونٹ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ڈر نہیں۔ بھیڑیئے ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔''

اچانک بھیڑیئے آپس میں لڑ پڑے۔ ایسی خوفناک آوازیں تھیں کہ آشی چیخ مار کر عمرو درویش پر جا پڑی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے آشی کو اس طرح اپنی آغوش اور بازوؤں کی پناہ میں لے لیا جس طرح ماں ڈرے ہوئے بچے کو چھپا لیا کرتی ہے۔ لڑکی کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ بھیڑیئے لڑتے لڑتے دور چلے گئے تھے۔

عمرو درویش لڑکی کو پرے کرنے لگا اور کہا...... ''وہ چلے گئے ہیں۔ سو جاؤ۔''

''نہیں''...... آشی نے اس کی آغوش سے سر نہ اٹھایا۔ دھیمی سی آواز میں بولی...... ''ذرا دیر اور یہیں پڑے رہنے دو۔''

عمرو درویش کو یہ صورت پسند نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اسے اپنے حسین جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اور زیادہ پتھر بن گیا۔ لڑکی کا جسم بڑا ہی گداز اور بال بہت ہی ملائم تھے۔ اس نے اتنی حسین لڑکی کو کبھی چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اب محسوس کرنے لگا کہ لڑکی اسی طرح اس کی آغوش میں پڑی رہی تو وہ اس انگیخت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ وہ آخر انسان تھا اور تنومند مرد تھا۔ اس نے اپنے نفس کا مقابلہ شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے سر اٹھایا۔ تاریکی میں اس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس نے ہاتھوں سے عمرو درویش کا چہرہ ٹٹول کر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور کہا۔ ''تم نے ایک رات مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ کون ہیں اور کہاں ہیں۔ یہی سوال تمہارے دوسرے ساتھی نے جو تم سے پہلے اس کمرے میں آیا تھا مجھ سے پوچھا تھا۔ مجھے ان کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا مگر یہ سوال مجھے پریشان کرتا رہا اور بہت ہی پرانی یادیں بیدار کرتا رہا۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا لیکن ذہن کے اندھیرے میں گم ہو جاتا تھا۔ آج یاد آ گیا ہے۔ تم نے مجھے اپنے بازوؤں میں لے کر مجھے اپنی

آغوش میں چھپالیا تو میرے ذہن میں روشنی سی چمکی۔ اس نے مجھے بہت ہی پرانا وقت دکھادیا۔ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ مجھے باپ نے اسی طرح سینے سے لگا کر مجھے اپنے بازوؤں میں چھپالیا تھا۔''

وہ چپ ہوگئی۔ وہ یادوں کی کڑیاں ملانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اچانک بچوں کی سی شوخی سے بولی......

''ہاں وہ میرا باپ تھا۔ ایسا ہی ریگستان تھا۔ معلوم نہیں رات تھی یا دن تھا۔ ہم ایک قافلے کے ساتھ جارہے تھے۔ بہت سے گھوڑ سوار آئے اور قافلے پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے پاس تلواریں اور برچھیاں تھیں۔ یہ ڈراؤنا سا خواب ہے۔ جو آج تمہاری آغوش اور بازوؤں کی گرمی سے ذہن میں زندہ ہوگیا ہے۔ مجھے باپ نے تمہاری طرح پناہ میں لے لیا تھا...... یہ بھی یاد آ گیا ہے۔ میرے باپ کے بازو ڈھیلے پڑ گئے تھے اور وہ پیچھے کو گر پڑا تھا۔ اس نے ایک بار پھر مجھے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ماں بھی یاد آ گئی ہے۔ وہ میرے اوپر گری تھی شاید مجھے بچانے کے لیے گری تھی...... پھر یاد آتا ہے کہ وہ ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ مجھے خون بھی یاد آتا ہے۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھالیا تھا اور کسی نے کہا تھا...... ''خالص ہیرا ہے۔ جوان ہوئی تو دیکھنا...... مجھے اپنی چیخیں بھی یاد آ گئی ہیں۔ میں آج رات کی طرح چیخی تھی۔''

''دماغ پر زیادہ زور نہ دو''...... عمر درویش نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا...... ''میں ساری کہانی بوجھ گیا ہوں۔ تم مسلمان کی اولاد ہو۔ تم عرب یا فلسطین کی رہنے والی ہو۔ صلیبی مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اب بھی جو علاقے ان کے قبضے میں ہیں، وہاں وہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ وہ زرو جواہرات اور تم جیسی خوبصورت بچیوں کو لے جاتے ہیں۔ میں جان گیا ہوں تم یہاں تک کیسے پہنچی ہو۔''

''میں جب کچھ سوچنے سمجھنے لگی تو میں نے اپنے جیسی بہت سی بچیوں کو دیکھا''...... آشی نے کہا...... ''ہمیں بہت اچھا کھانا اور بہت خوبصورت کپڑے پہنائے جاتے تھے۔ گورے گورے آدمی اور عورتیں ہم سے بہت پیار کرتی۔

طور کا جلوہ

عمرو درویش جب خیمہ اکھاڑ کر سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کو روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا تو وہ اس حسین جمیل لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جو اس کی ہمسفر تھی۔ لڑکی مسلمان تھی۔ اس کی حیثیت کی وجہ سے عمرو درویش اسے صلیبیوں کا آلۂ کار بنے رہنے سے باز رکھنا چاہتا تھا مگر وہ چار پانچ سال کی عمر میں صلیبیوں کے ہاتھ لگی تھی۔ انہوں نے بیس سال کا عرصہ صرف کر کے اس پر جو رنگ چڑھا دیا تھا وہ اتارنا آسان نہیں تھا۔ بیشک لڑکی نے اپنے ذہن میں اس حقیقت کو خود ہی دریافت کر لیا تھا کہ وہ مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہے اور اس نے اپنے دل میں صلیبی آقاؤں کے خلاف نفرت پیدا کر کے عمرو درویش سے کہا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گی مگر عمرو درویش سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی پر اعتبار کرے یا نہ کرے۔

رات ایک ہی خیمے میں گزار کر صبح لڑکی نے عمرو درویش سے پوچھا...... ''مجھے شک ہے کہ تم مجھے ابھی تک اپنا دشمن سمجھ رہے ہو۔''

''عورت کے جال میں الجھ کر مسلمان قوم نے بہت نقصان اٹھایا ہے آشی!''...... عمرو درویش نے جواب دیا...... ''تم بہت ہی خوبصورت ہو۔ تمہاری تربیت ایسی کی گئی ہے کہ تمہاری چال ڈھال بول چال اور انداز حیوان بیدار کر دیتا ہے۔ میں جوان ہوں۔ کئی سال میدان جنگ میں اور کچھ عرصہ سوڈان کے قید خانے میں جنگی قیدی کی حیثیت سے گزارا ہے۔ اتنی لمبی مدت گھر کی چار دیواری نہیں دیکھی۔ رات خیمے میں تم میرے ساتھ تنہا تھیں۔ میں رات بھر خدائے ذوالجلال سے مدد مانگتا رہا کہ میں حیوانیت کا مقابلہ کر سکوں۔ میں کامیاب رہا۔ خداوند دو عالم نے میری بہت مدد کی۔ پھر میں یہ سوچتا رہا کہ تمہیں اپنا دشمن سمجھوں یا دوست۔ میں اب بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ میں ابھی تمہارا یہ شک رفع نہیں کر سکتا کہ تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ تمہیں ثابت کرنا ہے کہ تم قابل اعتماد ہو۔''

''میں تمہیں ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تم نے میرے سینے میں ایمان کی شمع روشن کر دی ہے''...... آشی نے کہا...... ''اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم اگر اس مہم میں جس پر تمہیں سوڈانیوں نے بھیجا ہے۔ سوڈانیوں کو دھوکہ دینا چاہو گے تو میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ میری جان بھی چلی جائے تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ یہ میں نے ہی تمہیں بتایا تھا کہ یہ جو دو آدمی تمہارے مرید بن کر گئے ہیں دراصل سوڈانیوں کے جاسوس ہیں۔''

''مجھے سوچنے دو آشی!''...... عمرو درویش نے کہا...... ''میں جان گیا ہوں کہ میرے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ میں تمہیں بھی اسی جال کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔ تم ابھی اسی طرح کرنا جس طرح تمہیں بتایا گیا ہے۔ میں بھی اسی سبق اور ہدایت پر عمل کروں گا جو مجھے دی گئی ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں مگر میں اس مہم سے انحراف بھی نہیں کر سکتا۔ میں انحراف کا نتیجہ جانتا ہوں کیا ہوگا۔ دو تین تیروں کے رخ ہر لحہ میری طرف رہتے ہیں۔ میں انہیں اس وقت دیکھ سکوں گا جب یہ میرے سینے میں اتر جائیں گے۔''

''میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی''......آشی نے کہا......''میں ثابت کروں گی کہ میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون ہے۔''

وہ اونٹوں پر سوار مسلمانوں کے علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ تیسرے اونٹ پر ان کا خیمہ اور دیگر سامان لدا ہوا تھا۔ آشی جو نیم عریاں رہتی تھی، سیاہ کپڑوں میں ملبوس اور اس کا چہرہ مستور تھا۔ دیکھنے والا کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ آبرو باختہ لڑکی صلیبیوں کا ایک خوبصورت تیر ہے۔ جو پتھر جیسے انسان کے دل میں اتر جائے تو وہ موم ہو کر صلیبیوں کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ دور ایک گھوڑ سوار اسی سمت جا رہا تھا جدھر یہ دونوں جا رہے تھے۔ عمرو درویش نے اس سوار کو کئی بار دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سوڈانیوں کے ان جاسوسوں میں سے ہی ہوگا جو اس کے ساتھ سائے کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ یہ شک اسے پریشان کر رہا تھا کہ یہ صحرائی رہزنوں کا کوئی آدمی ہوا تو وہ کیا کرے گا۔

''آشی!''......اس نے اپنی ہمسفر سے کہا......''اس سوار کو دیکھ رہی ہو جو افق پر جا رہا ہے؟''

''بہت دیر سے دیکھ رہی ہوں۔''

''اگر یہ رہزنوں کے گروہ کا ہوا تو کیا ہم مقابلہ کر سکیں گے؟''

''ہمارے پاس ہتھیار ہیں''......آشی نے دلیرانہ جواب دیا......''رات کو سوتے وقت ہم پر آ پڑے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ دن کے وقت ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ تمہارے ساتھ میں ہی ایک دولت ہوں۔ وہ مجھے زندہ نہیں لے جا سکیں گے۔''

صحرا کے ان خطروں میں وہ چلتے گئے۔ سورج اوپر آ کر مغرب کی طرف نیچے جاتا رہا اور انہیں پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ بلند پہاڑیاں تو دور تھیں، یہ علاقہ جہاں سے شروع ہوتا تھا وہ جگہ دور نہیں تھی۔ اونٹ چلتے گئے اور وہ علاقہ آ گیا جہاں عمرو درویش کو اپنی مہم کا آغاز کرنا تھا۔ مسلمان کا پہلا گاؤں تھوڑی ہی دور تھا۔ عمرو درویش خود بھی اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ گھوڑ سوار جو دور دور جا رہا تھا، رخ بدل کر ادھر آ گیا اور ان سے آن ملا۔

''تمہارا قیام اس جگہ ہوگا''......گھوڑ سوار نے عمرو درویش سے کہا......''تم مجھے نہیں جانتے، میں تمہیں جانتا ہوں۔''......اسے دیکھ کر آشی نے چہرے سے نقاب اٹھا دیا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔ سوار نے اس سے پوچھا......''سفر اچھا گزرا؟''

''بہت اچھا''......آشی نے بیباک مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''تم دونوں گھبرانا نہیں''......سوار نے کہا......''تمہارے سفر کے دوران تمہاری حفاظت کا ایسا انتظام ساتھ ساتھ رہا ہے۔ جسے تم دونوں دیکھ نہیں سکے، ورنہ اتنی خوبصورت لڑکی یہاں تک نہ پہنچ سکتی۔''

''تم کون ہو؟''......عمرو درویش نے اس سے پوچھا۔

''سوڈانی مسلمان''......سوار نے جواب دیا۔ اس نے کہا......''اب یہ نہ سوچو کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں تم بھی میری طرح اسی علاقے کے مسلمان ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہاں ذرا سی بھی غلطی ہوگئی تو یہاں کے مسلمان ہماری بوٹیاں اڑا دیں گے''......سوار نے آگے ہو کر رازداری سے کہا......''اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم نے اپنے کام میں کوئی گڑبڑ کی تو بغیر اطلاع قتل ہو جاؤ گے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے یہاں تمہیں کیا کرنا ہے۔ آج رات تم آرام کرو گے۔ کل تمہارے پاس یہاں کے لوگ آنے لگیں گے۔ آشی کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔''

عمرو درویش کو سب کچھ معلوم تھا۔ اسے اس علاقے کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پھیلانی تھی اور مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا کر انہیں اس سوڈانی فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تیار کرنا تھا جسے مصر پر حملہ اور قبضہ کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ وہ اس وقت پیین میں برسرپیکار تھا۔ صلیبیوں کا یہ منصوبہ تھا کہ سوڈانی فوج کو تیار کر کے مصر پر حملہ کیا جائے مگر سوڈانی مسلمانوں کے جنگجو قبیلے سوڈان کے باشندے ہونے کے باوجود صلاح الدین ایوبی کے معتقد اور مرید تھے۔ عمرو درویش ان کے عقیدوں کو تہس نہس کرنے آیا تھا۔

سورج غروب ہو گیا تھا۔ جب عمرو درویش نے اس سوار کی مدد سے خیمہ گاڑ لیا۔ سوار نے جانے سے پہلے کہا۔ ''کل شاید مجھے تمہارے ساتھ الگ بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ لوگ صبح سویرے یہاں آ جائیں گے''...... اس نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا...... ''شام کو دھندلاہٹ میں بھی وہ اوپر تمہیں چھاتے کی طرح درخت نظر آتا ہوگا اسے یاد رکھنا۔ کل رات تمہیں ادھر مشعل کا اشارہ کرنا ہے۔ کل جو کپڑا تمہیں استعمال کرنا ہے اسے صبح تیار کر لینا...... میں جا رہا ہوں۔ اب ذرا ذرا سی حرکت میں بھی احتیاط کرنا۔''

وہ لڑکی کو اشارے سے باہر لے گیا اور اسے کہا...... ''تمہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہاں کے مسلمان وحشی ہیں۔ ہم تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں لیکن تمہیں اپنی حفاظت خود زیادہ کرنی ہوگی۔ اس آدمی کو اپنے قبضے میں رکھنا۔'' اس نے لڑکی کے شانوں پر بکھرے ہوئے بالوں کو چھیڑ کر اور ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لا کر کہا۔ ''ان حسین زنجیروں میں تو تم شیر کو بھی جکڑ سکتی ہو۔''

''تم بھی تو یہیں کے مسلمان ہو'' ...... آشی نے طنزیہ کہا...... ''تم وحشی نہیں ہو؟''

''تمہیں دیکھ کر کون وحشی نہیں ہو جاتا''...... اس نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شام کے گہرے ہوتے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

یہ سوار ان مسلمانوں میں سے تھا جنہوں نے ایمان بیچ ڈالا تھا۔ اور دشمن کے اس زمین دوز حملے کی قیادت کر رہا تھا جو سیدھے سادے مسلمانوں کے عقیدے پر کیا جا رہا تھا۔ وہ اسی علاقے کے کسی گوشے کا رہنے والا تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ قوم کی آستین کا سانپ ہے۔ اس حملے میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ یہ آٹھ دس مسلمانوں کا گروہ تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ایک گاؤں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک اور آدمی مل گیا۔ وہ اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہے؟''...... اس نے سوار سے پوچھا۔

''ہے تو سب ٹھیک''...... سوار نے جواب دیا...... ''کسی بھی وقت معاملہ چوپٹ ہو سکتا ہے۔ اگر صلیبیوں نے مجھے پکے سبق پڑھائے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ لڑکی کے تیور بدلے ہوئے لگتے ہیں۔ وہ کچھ بجھی بجھی اور خاموش خاموش نظر آتی ہے۔''

''آشی تو کہتے ہیں بہت ہوشیار اور تیز لڑکی ہے۔''

''شاید سفر کی تھکن سے تیزی ماند پڑ گئی ہو''...... سوار نے کہا...... ''عمرو درویش بھی تو وحشی ہے۔''

وہ باتیں کرتے گاؤں میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سوار اور ساتھی ان کے پاس رک گئے بتایا کہ وہ سفر میں ہیں اور اپنے گاؤں کو جا رہے ہیں۔ اپنے گاؤں کا نام بھی بتایا اور حیرت زدہ لہجے میں کہا...... ''یہاں سے تھوڑی دور ایک بزرگ اترا ہوا ہے۔ صرف خدا کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ دن کے وقت بھی دائیں اور

بائیں دو مشعلیں جلا کر رکھتا ہے۔ ہم اسے دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ زبانی پڑھتا ہے۔ اس نے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ ہم نے اسے بلایا۔ وہ نہیں بولا۔ اس کے خیمے کے قریب سے زمین سے دھوئیں کا بادل اٹھا بادل اوپر جا کر غائب ہو گیا اور اس میں سے ایک لڑکی نکلی۔ جس کے حسن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہم ڈر گئے کیونکہ لڑکی انسان نہیں جن معلوم ہوتی تھی اس نے بزرگ کے آگے سجدہ کیا۔ سجدہ سے اٹھ کر کان بزرگ کے منہ سے ساتھ لگایا۔ بزرگ کے ہونٹ ہلے۔ لڑکی ہمارے سامنے آن کھڑی ہوئی......

''ہم ڈر کر بھاگنے لگے لیکن زمین نے ہمیں پکڑ لیا۔ شاید لڑکی کی آنکھوں نے ہمیں جکڑ لیا۔ اس نے ہمیں کہا...... یہ خدا کا ایلچی ہے۔ تم سب کے لیے پیغام لایا ہے۔ اسے پریشان نہ کرو۔ یہ اس وقت خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ کل آؤ۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو تم سب کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔ میں ابھی ابھی کوہ طور سے آئی ہوں۔ اس نے بلایا تھا۔ اس نے میرے کان میں کہا ہے کہ ان سے کہو کہ تمہاری تقدیر بدل دوں گا۔ بے صبر ہو جاؤ گے تو کہیں اور چلا جاؤں گا...... ہم لڑکی کے ساتھ بات نہیں کر سکے۔ ہمارے جسم پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ ہم کچھ بھی نہیں بول سکے بزرگ کی طرف دیکھا تو اس کے سر پر نور کا ہالہ تھا۔ ہم وہاں سے چلے آئے۔''

ان کا لہجہ سنسنی خیز تھا۔ صاف پتا چلتا تھا کہ ان پر حیرت اور خوف طاری ہے۔ انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ حیرت انگیز بات جذبات کو ہلا دیتی ہے۔ سنسنی سرور دیتی ہے۔ یہی حال ان دو سننے والوں کا ہوا۔ انہوں نے دو گھروں کے دروازوں پر دستک دے کر دو تین آدمیوں کا بلا لیا اور جو انہوں نے سنا تھا وہ انہیں سنا دیا۔ سوار اور اس کے ساتھی نے دل پسند اور لذیذ سے اضافے بھی کر دیئے۔ لڑکی کا حسن ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ سننے والے خدا اور قرآن کی بجائے اور اس بزرگ کی بجائے اپنے دماغوں پر لڑکی کو سوار کرنے لگے۔ ان آدمیوں نے سوار اور اس کے ساتھی کو مہمان ٹھہرا لیا۔ دوسرے گھروں کے آدمی بھی آ گئے۔

☆

ابھی سورج نہیں نکلا تھا جب اس گاؤں کے تمام آدمی سوار اور اس کے ساتھی کی راہنمائی میں اس جگہ کو روانہ ہو گئے جہاں عمرو درویش اور آشی نے خیمہ لگا رکھا تھا۔ خیمے کے سامنے چھوٹے سے قالین پر عمرو درویش آلتی پالتی مارے بیٹھا، آنکھیں بند کیے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ ایک ڈنڈا اس کے دائیں طرف اور ایک بائیں طرف زمین پر گڑھا ہوا تھا۔ ان کے اوپر والے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپٹے ہوئے تھے جو جل رہے تھے۔ یہ مشعلیں تھیں۔ جب گاؤں والے وہاں پہنچے تو عمرو درویش سے آٹھ دس قدم دور تین آدمی کھڑے تھے۔ گاؤں کے لوگ آئے تو ان تینوں کے پاس رک گئے۔

ان تین میں سے ایک نے کہا...... ''میں آگے جا کر بزرگ سے بات کرتا ہوں'' ...... وہ تین چار قدم آگے گیا تو یوں پیچھے کو پیٹھ کے بل گرا جیسے آگے سے اسے کسی نے دھکا دیا ہو۔ وہ اٹھ کر لوگوں میں جا کھڑا ہوا۔ خوف سے وہ کانپ رہا تھا اس نے خوفزدہ آواز میں کہا...... ''آگے نہ جانا۔ مجھے کسی نے آگے سے دھکا دیا ہے۔ یہ کوئی جن تھا جو مجھے نظر نہیں آیا۔''

دوسرے دو نے کہا...... ''ہم آگے جاتے ہیں۔ تم ڈر کر گر پڑے تھے۔'' ...... وہ دونوں اکٹھے آگے گئے۔ تین چار قدم گئے تو دونوں پہلے آدمی کی طرف پیٹھ کے بل گرے۔ جلدی سے اٹھے۔ لوگ ڈر گئے۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اس بزرگ نے پہرے پر جنات کھڑے کر رکھے ہیں جو کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔

خیمے سے ایک لڑکی نکلی یہ آشی تھی۔ اس نے سیاہ ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ ٹھوڑی اور منہ باریک پردے میں تھے۔ آنکھیں ننگی تھیں۔ سر سیاہ کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بال شانوں سے ہوتے ہوئے سینے پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ تھی مستور لیکن لباس ایسا تھا کہ نیم عریاں لگتی تھی۔ اس پہاڑی علاقے کے لوگوں نے اس قسم کی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اسے جنات میں سے سمجھ رہے تھے۔ اس کی چال بھی نرالی اور دل کش تھی۔ آشی نے عمرو درویش کے آگے سجدہ کیا۔ سجدے سے اٹھ کر کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ اس کے ہونٹ ہلے آشی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم لوگ وہیں کھڑے رہو'' ...... آشی نے لوگوں سے کہا ...... ''کوئی آدمی آگے آنے کی جرأت نہ کرے۔ خدا کے ایلچی نے پوچھا ہے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ تم وہیں کھڑے کھڑے بات کر سکتے ہوں''

ان تین آدمیوں میں سے جو آگے گئے اور گر پڑے تھے۔ ایک آدمی بلند آواز سے بولا ...... ''اے خدا کی طرف سے آنے والے! کیا تو آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے؟''

''پوچھ کیا پوچھتا ہے؟'' ...... عمرو درویش نے مخموری آواز میں کہا۔

کیا ہم اس خطے کو اسلام کی ریاست بنا سکیں گے جو سوڈان کی غلام نہ ہو؟'' ...... اس آدمی نے پوچھا۔

عمرو درویش نے غصے سے زمین پر ہاتھ مارا۔ آشی دوڑ کر اس کے پاس جا بیٹھی اور کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ عمرو درویش کے ہونٹ ہلے۔ آشی اٹھ کر لوگوں سے مخاطب ہوئی۔

''خدا کے ایلچی نے کہا ہے کہ آگ لگ جائے تو اس خطے کو تم اسلامی ریاست بنا لو گے جو سوڈان کی غلام نہیں ہوگی'' ...... آشی نے کہا ...... ''کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر انڈیل دو۔''

عمرو درویش سے ذرا پرے ایک کپڑا اس طرح پڑا تھا جس طرح کسی نے لباس اتار کر گٹھڑی کی صورت رکھ دیا ہو۔ انہی تین آدمیوں میں سے جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے، ایک آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا چھوٹا سا مشکیزہ تھا۔ اس نے کہا ...... ''میرے پاس پانی ہے۔ میں سفر میں ہوں اس لیے پانی ساتھ رکھا ہے'' ...... اس نے آگے جاکر مشکیزے کا منہ کھولا اور کپڑے پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا۔

آشی نے زمین سے مشعل اکھاڑ کر عمرو درویش کے ہاتھ میں دے دی۔ عمرو درویش نے آسمان کی طرف منہ کر کے ہونٹ ہلائے جیسے سرگوشی کی ہو، پھر اس نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے ساتھ لگا دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ پانی سے بھیگا ہوا کپڑا جل اٹھے گا مگر ہوا یوں کہ جوں ہی مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب گیا تو کپڑا بھڑک اٹھا اور تمام تر کپڑا ایک شعلہ بن گیا۔ کئی ایک آدمیوں کے منہ سے حیرت زدہ آوازیں نکلیں ...... ''اللہ'' ...... ان کی نظروں کے سامنے پانی جل رہا تھا۔

''خدا کے اشارے کو سمجھ لو'' ...... عمرو درویش نے کہا ...... ''اور مجھے غور سے دیکھو میں کون ہوں۔ میں تم میں سے ہوں'' ...... اس نے اپنے گاؤں کا نام لے کر کہا ...... ''میں اسی علاقے کا رہنا والے ہاشم درویش کا بیٹا ہوں۔ میں نبی نہیں۔ میں پیغمبر نہیں۔ خدا اپنا آخری نبی بھیج چکا ہے۔'' ...... اس نے اپنی انگلیاں چوم کر اور آنکھوں سے لگا کر کہا ...... ''میں بھی تمہاری طرح خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پروانہ ہو۔ مجھے خدا نے روشنی دکھائی اور حکم دیا ہے کہ یہ روشنی ان کے پاس لے جاؤ جو اندھیرے میں ہیں۔''

وہ ایسے لہجے میں بول رہا تھا جیسے اس پر وجد کی کیفیت طاری ہو۔ اس نے کہا ...... ''میرے گاؤں میں جا کر

پوچھو۔ میں صلاح الدین ایوبی کا کماندار ہوں۔ میں اس فوج کے ساتھ تھا جس نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔ اس فوج کا حملہ ناکام ہو۔ ہم سب کو افسوس ہوا۔ تم سب کو افسوس ہوا ہوگا لیکن خدائے ذوالجلال نے مجھے مصر کی فوج کی لاشوں سے اٹھایا۔ اور مجھے اشارہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو کیوں شکست ہوئی۔ میرا افسوس خوشی میں بدل گیا۔ میں نے ایک درخت کی شاخوں میں خدا کا نور دیکھا۔ یہ ایک روشنی تھی جیسے ایک ستارہ آسمان سے اتر کر درخت کی شاخوں میں اٹک گیا ہوں۔ اس ستارے میں سے آواز آئی...... ''آگے دیکھ، پیچھے دیکھ، دائیں دیکھ، بائیں دیکھ......

''میں نے ہر طرف دیکھا۔ آواز آئی...... 'کوئی انسان تجھے زندہ نظر آتا ہے؟'...... مجھے ہر طرف لاشیں نظر آئیں۔ یہ سب میرے ساتھیوں کی لاشیں تھیں۔ حالت سب کی بہت بری تھی۔ زخمی بہت کم تھے۔ زیادہ۔ پیاس سے مرے تھے۔ یہ سب لڑے تھے۔ ستارے کی روشنی سے آواز آئی...... 'کیا تو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہاری تلواریں کند ہو گئی تھیں؟...... کیا تو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے تیروں کی کوئی رفتار ہی نہیں تھی؟ تو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے؟......'

''تب مجھے یاد آیا کہ میں نے سب کچھ دیکھا تھا جو روشنی کی صدا نے مجھے بتایا تھا۔ میری تلوار کی کاٹ اتنی بھی نہیں رہی تھی کہ خراش بھی ڈال سکتی۔ میں نے اپنے تیر دیکھے تھے جو ہوا میں یوں جاتے تھے جیسے ہوا کے جھونکوں سے گھاس کے خشک تنکے اڑ رہے ہوں۔ ہمارے گھوڑے چلتے نہیں تھے۔ ریگزار نے سورج کی ساری آگ لے لی اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھسم کر دیا۔ میں بھی جلی ہوئی لاش تھا۔ ستارے سے ایک شرارہ آیا۔ میری آنکھوں میں اترا اور میرے وجود میں اتر گیا۔ آواز آئی...... ''ہم نے تجھے دوسری زندگی عطا کی۔ ہم سے پوچھ ہم نے یہ کرم کیوں کیا؟''...... میں نے پوچھا۔ آواز نے جواب دیا...... ''ہمیں مسلمانوں سے محبت ہے۔ مسلمان میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارے حضور رکوع و سجود کرتے ہیں۔ جن کی یہ لاشیں ہیں، انہیں ہم نے عبرت کا سامان بنایا ہے کہ یہ بھٹک گئے تھے، اور جو بھٹک رہے ہیں انہیں ہم سیدھا راستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہم نے تجھے منتخب کیا ہے کہ تو ہر صبح قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ جا ہم نے تجھے روشنی دی ہے۔ یہ میرے مسلمان بندوں کو دکھا''......

''میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ میں نے کہا...... ''اے میرے رب کے نور! مجھے پوری بات بتا اور بتا کہ میری بات کون مانے گا۔ کس طرح مانے گا۔ مجھے بتا کہ ہماری تلواریں کند کیوں ہو گئی تھیں؟ تیروں کی رفتار کہاں گئی تھی؟ روشنی کی آواز نے کہا...... 'وہ تلوار کند ہو جاتی ہے جس کا وار اپنی ماں پر کیا جاتا ہے۔ وہ تیر کھجور کا سوکھا پتا بن جاتا ہے جو اپنی ماں کے سینے پر چلایا جاتا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ ماں کون ہے۔ وہ سرزمین جس نے تجھے جنم دیا ہے اور جس کی مٹی میں تو کھیل کر جوان ہوا ہے تیری ماں ہے۔ جا، سوڈان کے مسلمانوں سے کہہ کر سوڈان کی زمین تمہاری ماں ہے۔ اس سے محبت کرو۔ اس کی مٹی میں جنت ہے۔ اس جنت کو فتح کرنے کے لیے باہر کا کوئی مسلمان بھی آئے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ تو نے دوزخ دیکھ لیا ہے۔ جا، اپنے کلمہ گو سوڈانی بھائیوں کو بتا کہ تمہاری ماں، تمہاری جنت اور تمہارا کعبہ سوڈان ہے۔''

''اے برگزیدہ ہستی کہ جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے''...... ایک آدمی نے کہا...... ''کیا تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم سوڈان کے اس بادشاہ کے وفادار ہو جائیں جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا؟''...... یہ آدمی ان تینوں میں سے ایک تھا جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے۔

''خدا کی آواز نے کہا ہے کہ یہ بادشاہ جو کافر ہے مسلمان ہو جائے گا''...... عمرو درویش نے جھومتی ہوئی اثر انگیز

آواز میں کہا...... ''وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اس کی فوج کافروں کی ہے اس لیے وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ، تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ اسے بتاؤ کہ تم اس کے محافظ ہو۔ تم سوڈان کے بیٹے ہو...... میں نے خدا سے کہا کہ میری زبان سے یہ بات کوئی نہیں مانے گا۔ میرے مسلمان بھائی مجھے قتل کر دیں گے۔ خدا کی آواز جو درخت کے پتوں میں اٹکی ہوئی روشنی سے آ رہی تھی، نے کہا...... ''ہمارے سوا پانی کو کون آگ لگا سکتا ہے۔ جا، ہم نے یہ طاقت تجھے اس شہادت کے لیے دے دی کہ لوگ تیری آواز کو ہماری آواز سمجھیں۔ کوئی انسان پانی کو آگ نہیں لگا سکتا'...... پھر روشنی سے آواز آئی...... ''اگر تیری آواز کو لوگ پھر بھی باطل جانیں تو انہیں رات کو اپنے پاس بلا۔ میں انہیں وہی جلوہ دکھاؤں گا جو موسیٰ کو طور پر دکھایا تھا'......

''کیا تم طور کا جلوہ دیکھ کر حق کی آواز کو مانو گے؟''...... عمرو درویش نے پوچھا۔

''ہاں، اے خدا کے ایلچی!''...... ان تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا...... ''اگر تو ہمیں طور کا جلوہ دکھا دے تو ہم تیری آواز کو خدا کی آواز مان لیں گے۔''

''جاؤ''...... عمرو درویش نے زمین پر غصے سے ہاتھ مار کر کہا...... ''چلے جاؤ۔ اس وقت آنا جب سورج اپنے شعلے پہاڑوں کے پیچھے لے جائے گا اور آسمان پر ستاروں کی قندیلیں روشن ہو جائیں گی۔ جاؤ۔''

☆

لوگ جب واپس گئے تو ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں تھا۔ جاتے جاتے وہ چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں ہو گئے۔ انسانی فطرت کی کمزوریاں ابھر آئیں۔ عقیدے دب گئے۔ جذبے سرد ہو گئے۔ جذبات بھڑک اٹھے۔ یہ سیدھے سادے پسماندہ لوگ تھے۔ سنسنی خیزی نے ان کی عقل کا رخ پھیر دیا۔ عمرو درویش کے الفاظ میں کچھ اثر تھا یا نہیں، لوگوں نے اس اثر کو قبول کیا جو اس کی آواز میں اور اس کے بولنے کے انداز میں تھا۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی نے شک کا اظہار کیا تو کسی نہ کسی نے کہہ دیا...... ''کیا تم پانی کو آگ لگا سکتے ہو؟''...... ابھی رات کو طور کا جلوہ دیکھنا باقی تھا۔ یہ لوگ آتشی کو جن سمجھ رہے تھے جس کا انہوں نے صاف الفاظ میں اظہار کیا۔

یہ وہ مسلمان تھے جنہوں نے سوڈان کی غیر مسلم شہنشاہی کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔ سوڈان کی فوجوں کو انہوں نے اس پہاڑی خطے میں بے بس کر کے پسپا کر دیا تھا۔ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پرستار اور صلاح الدین ایوبی کے شیدائی تھے۔ سوڈان کے باشندے ہوتے ہوئے وہ اپنے کوہستانی خطے کو آزاد اسلامی ریاست کہتے تھے، مگر الفاظ کی سنسنی، اور چاشنی اور وجد آفرینی نے انہیں راہ سے بے راہ کر دیا اور ان کی سوچیں بھٹکنے لگیں۔ جنہوں نے فوجوں کو پسپا کیا تھا ان کے عقیدے پر صرف ایک انسان نے دلکش وار کیا تو ان کے ہتھیار گر پڑے۔ یہ لوگ جدھر گئے افواہیں پھیلاتے گئے۔ انہوں نے جو دیکھا اور جو سنا تھا اسے اور زیادہ دلنشیں بنانے کے لیے اضافے کرتے گئے۔

''مجھے یہ خدشہ پریشان کر رہا ہے کہ سوڈانی مسلمان سنسنی خیز تو ہمات کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے''...... یہ آواز سلطان صلاح الدین ایوبی کی تھی جو سوڈان سے دور، بہت ہی دور فلسطین کی دہلیز پر ایک چٹان کے دامن میں اپنے مشیروں اور سالاروں کے درمیان بیٹھا تھا۔ العادل کا بھیجا ہوا قاصد اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے العادل کا پیغام پڑھ لیا تھا۔ مصر کی انٹیلی جنس (شعبہ جاسوسی اور سراغرسانی) نے سوڈانی مسلمانوں کے متعلق پوری اطلاع مصر کے قائم مقام امیر العادل کو دی تھی جو العادل نے سلطان ایوبی کے نام ایک پیغام میں لکھ بھیجی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ علی بن سفیان

تاجروں کے بھیس میں سوڈان جارہا ہے۔ پیغام میں العادل نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی خطے میں اپنے چھاپہ مار بھیجے جائیں یا نہیں۔ اس نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا تھا کہ ہم چھاپہ مار چوری چھپے بھیجیں گے۔ اگر سوڈانی حکومت کو پتا چل گیا تو کھلی جنگ ہو سکتی ہے جب کہ ہماری زیادہ تر فوج عرب میں لڑ رہی ہے۔ پیغام میں تفصیل سے لکھا گیا تھا کہ سوڈانی حکومت مسلمانوں کو اپنا وفادار بنانے کے لیے ہمارے جنگی قیدیوں کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھ کر اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں اور مشیروں کو سنایا اور کہا۔۔۔۔۔ ''سوڈان کے یہ مسلمان سوڈان کی فوج کے لیے قہر الٰہی ہیں۔ تم سب دیکھ رہے ہو کہ ان میں سے جتنے ہماری فوج میں ہیں، وہ کس بے جگری اور جذبے سے لڑتے ہیں مگر دشمن جب انہیں طلسماتی الفاظ میں الجھاتا اور ذہن کو خیالی عیاشی کی طرف مائل کرتا ہے تو وہ ریت کے بت بن جاتے ہیں۔ العادل نے لکھا تو نہیں کہ صلیبی سوڈان کے مسلمان علاقے میں کردارکشی اور ذہنی تخریب کاری کر رہے ہیں لیکن تم سب صلیبیوں کو جانتے ہو۔ وہ اس فن کے ماہر ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر موجود ہیں۔ وہ ذہنی تخریب کاری ضرور کریں گے۔''

سلطان ایوبی نے العادل کے قاصد کو کھانے اور آرام کے لیے بھیج دیا اور کاتب کو بلا کر پیغام کا جواب لکھوانے لگا۔ اس نے لکھوایا:

''میرے عزیز بھائی۔ العادل!

خدائے عزوجل تمہارا حامی و ناصر ہو۔ تمہارے پیغام نے سوڈان کے مسلمانوں کے متعلق صورت حال واضح کردی ہے۔ تمہیں حیران نہیں ہونا چاہیے۔ تم جانتے ہو کہ کفار اسلام کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ وہ ہر حربہ اور ہر ہتھکنڈہ استعمال کر رہے ہیں۔ میں اس اقدام کی تعریف کرتا ہوں کہ علی بن سفیان سوڈان چلا گیا ہے اور تم نے اسے جانے کی اجازت دی ہے۔ اللہ علی بن سفیان کی مدد کرے۔ وہ نہایت ہوشیار اور مستعد سراغرساں ہے۔ پتھروں کے اندر سے بھید بھی نکال لاتا ہے۔ وہ واپس آ کر تمہیں بتائے گا کہ وہاں کی صورت حال کیا ہے اور اس کے مطابق کیا کارروائی کرنی چاہیے۔۔۔۔۔

''تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سوڈان کے مسلمانوں کو چھاپہ ماروں کی مدد دی جائے یا نہیں۔ تم نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا ہے کہ چھاپہ مار بھیجے تو سوڈانی جوابی کارروائی کریں گے جو کھلی جنگ کی بھی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ تم نے اچھا کیا ہے کہ میری اجازت ضروری سمجھی ہے، لیکن میں تمہیں خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کبھی حالات ہنگامی ہو جائیں تو میری اجازت لینے میں وقت ضائع نہ کرنا۔ تمہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر کے مسلمانوں کے ہاں پناہ لی اور اسلام قبول کر لیا ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سوڈانی ہمارے قیدیوں کو ہمارے خلاف تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور ہمارے اسحاق نامی ایک کماندار کی بیوی اور بیٹی تک کو انہوں نے دھوکے سے اغوا کرنے کی کوشش کی ہے تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا کہ سوڈانی مسلمانوں میں کچھ غدار بھی ہیں۔ ان حالات میں تمہیں فوری طور پر چھاپہ ماروں کی کچھ نفری تاجروں اور مسافروں کے بھیس میں سوڈانی سرحد میں داخل کر دینی چاہیے تھی۔ تاہم علی بن سفیان کا چلے جانا قابل تعریف ہے۔۔۔۔۔

''میرے عزیز بھائی! یہ الگ مسئلہ ہے کہ ہمارے پاس فوج تھوڑی ہے اور ہم دوسرا محاذ کھولنے کے قابل نہیں لیکن قرآن کے اس فرمان سے گریز نہ کرو کہ کسی بھی خطے میں مسلمانوں پر کفار ظلم و تشدد کر رہے ہوں یا انہیں لالچ سے یا

دھوکے سے عقیدوں سے گمراہ کر رہے ہوں اور ان کا قومی وقار اور دین و ایمان خطرے میں ڈال دیا گیا ہو تو تمام دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ سلطنت اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ اسلام کے تحفظ کے لیے ہم کسی بھی ملک کی سرحد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہم نے سوڈانی مسلمانوں کو اپنے چھاپہ مار دے رکھے ہیں جو ان کے ساتھ کاشت کاروں کے روپ میں رہتے ہیں۔ ہم سوڈانی مسلمانوں کو جنگی سامان بھی دے چکے ہیں۔ اگر تم ضرورت محسوس کرو تو انہیں اور زیادہ مدد دو......

''اگر سوڈانی اپنی سرحد بند کرنے کے لیے مصر پر فوج کشی کریں تو گھبرانہ جانا۔ تم تھوڑی سی فوج سے کئی گنا فوج کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ تم ان کا ایک حملہ تباہ کر چکے ہو۔ دوسرا بھی تباہ کر لو گے۔ سامنے کی ٹکر نہ لینا، دشمن کو وہاں گھسیٹ لینا جہاں تم کم تعداد سے زیادہ نقصان کر سکو چھاپہ ماروں کا استعمال زیادہ کرنا اور دشمن کی رسد کاٹنے کا انتظام کرنا۔ تمہاری آدھی جنگ علی بن سفیان کے جاسوس جیت لیں گے۔ لیکن مجھے توقع نہیں کہ سوڈانی حملے کی حماقت کریں گے۔ اگر ان کے صلیبی مشیروں نے عقل سے کام لیا تو وہ حملے کی بجائے اپنے پہاڑی علاقے کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے۔ اگر مسلمان ان کے وفادار ہو گئے اور انکی فوج میں شامل ہو گئے تو وہ ہر خطرہ مول لے سکتے ہیں، اس لیے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ مسلمان انکی ذہنی تخریب کاری کا شکار نہ ہوں......

''میں وہی بات دہراؤں گا جو سو بار کہہ چکا ہوں۔ مسلمان میدان جنگ میں شکست دیا کرتا ہے، شکست کھایا نہیں کرتا، مگر اس کے جذبات میں جب حیوانی جذبہ بیدار کر دیا جاتا ہے تو وہ تلوار اتار پھینکتا ہے۔ ملت اسلامیہ کو جب بھی زوال آیا اسی جذبے کی بدولت آئے گا۔ ہمارا دشمن ہماری قوم میں یہی آگ بھڑکا رہا ہے۔ اس طرح ہم بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں۔ ایک زمین کے اوپر دوسرا زمین کے نیچے۔ ہمارا دشمن ہمیں زہر میں بجھے ہوئے تیروں سے نہیں مار سکا، وہ اب ہمیں زبان کی مٹھاس اور الفاظ کے جادو سے بیکار اور مفلوج کر رہا ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک محاذ ہے۔ ہوشیار رہنا میرے عزیز بھائی!......

''یہاں کے حالات ساز گار ہیں۔ دشمن بری طرح بکھرا ہوا ہے۔ میں اسے مرکزیت اور اجتماع کی مہلت نہیں دوں گا۔ اللہ کی مدد ملتی رہی تو میں حلب لے لوں گا۔ مقابلہ شاید اب بھی سخت ہو لیکن میں نے کچھ اور انتظامات کر لیے ہیں۔ صلیبی ابھی سامنے نہیں آئے۔ شاید ابھی سامنے آئیں گے بھی نہیں۔ وہ بھائیوں کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اگر ان کا دشمن آپس میں ہی لڑ لڑ کر مر جائے تو انہیں سامنے آنے کی کیا ضرورت ہے......

''اللہ تمہاری مدد کرے۔ مجھے امید ہے کہ تم گھبراؤ گے نہیں۔ خدا حافظ۔''

☆

جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ پیغام قاصد کو دے کر روانہ کیا اس وقت عمرو درویش کے خیمے میں وہ تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو لوگوں کے ہجوم میں آگے ہو کر عمرو درویش کی طرف بڑھے تھے مگر اس طرح پیچھے کو گر پڑے تھے جیسے کسی نے انہیں آگے سے دھکا دیا ہو۔ لوگ چلے گئے۔ عمرو درویش باہر سے اٹھ کر خیمے کے اندر چلا گیا تھا اور یہ تین آدمی کچھ دور تک لوگوں کے ساتھ گئے اور ان کی نظر بچا کر ایک ایک کر کے واپس آئے اور عمرو درویش کے خیمے میں چلے گئے تھے۔ یہ اسی کے گروہ کے آدمی تھے اور وہ اسی علاقے کے مسلمان تھے۔ سوڈانی حکومت سے انہیں بہت انعام ملتا تھا۔

''میرا خیال تھا کہ کپڑا نہیں جلے گا۔'' عمرو درویش نے کہا...... ''اس کے نیچے آتش گیر سیال کم رکھا گیا اور اوپر

پانی زیادہ انڈیل دیا گیا تھا۔"

"تمہیں ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ یہ تیل پانی پر ڈال دیا جائے تو بھی جل اٹھتا ہے۔" اس آدمی نے کہا جس نے کپڑے پر مشکیزے سے پانی چھڑکا تھا۔ "ہم پہلے آزما چکے تھے۔"

"لوگوں پر اس کا اثر کیا ہوا ہے؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"ہم کچھ دور تک ان کے ساتھ گئے تھے۔" ایک نے جواب دیا...... "وہ پانی کو آگ لگانے کو تمہارا معجزہ سمجھتے ہیں۔ کوئی یقین نہیں کرتا کہ دنیا کا کوئی انسان پانی کو آگ لگا سکتا ہے۔ تم نے جس انداز سے باتیں کی ہیں وہ ان کے دلوں میں اتر گئیں ہیں۔ خدا کی قسم!......"

"نہ دوست!" عمرو درویش نے اسے ٹوک دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولا...... "خدا کی قسم نہ کھاؤ۔ ہم اس حق سے محروم ہو گئے ہیں کہ اس سچے خدا کی قسم کھائیں جس کے احکام کی ہم خلاف ورزی کر رہے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے ابھی تمہارے دل میں سچا خدا موجود ہے۔" ایک آدمی نے کہا...... "عمرو درویش! تم اپنا خدا اور اپنا ایمان فروخت کر آئے ہو۔"

دوسرے آدمی نے پاس بیٹھی ہوئی آشی کی ران پر ہاتھ پھیر کر کہا...... "اور قیمت دیکھ کیسی ملی ہے۔ یہ صلیب کے بادشاہوں کا ہیرا ہے جو سوڈان کے حاکموں نے تمہیں دے دیا ہے۔"

عمرو درویش نے آشی کی طرف دیکھا تو آشی نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے آنکھیں سکیڑیں۔ اس کے ماتھے پر شکن بھی پیدا ہوئے۔ عمرو درویش اس اشارے کو سمجھ گیا اور ہنس کر بولا...... "مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ میں اتنی زیادہ قیمت کے قابل نہیں تھا...... جانے دو ان باتوں کو۔ آنے والی رات کی باتیں کرو۔"

"سب انتظام تیار ہے۔" ایک آدمی نے کہا...... "تم نے ہمارا کمال دیکھ لیا ہے۔ دیکھا ہم کس طرح پیچھے کو گرے تھے؟ اور تم اس کی بھی تعریف کرو کہ ہم نے کسی اور کو بولنے نہیں دیا۔"

"رات کو تم طور کا جلوہ دکھاؤ گے۔" ایک اور آدمی نے کہا...... "یاد کر لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ ہمارے آدمی تیار ہیں۔"

"ہمیں چلے جانا چاہیے۔" تیسرے آدمی نے کہا...... "اب خیمے سے باہر نہ نکلنا۔"

وہ تینوں چلے گئے۔

☆

سورج غروب ہوتے ہی لوگ آنا شروع ہو گئے۔ دن کے وقت جو لوگ عمرو درویش کی باتیں سن گئے اور پانی کو آگ لگنے کا معجزہ دیکھ گئے تھے انہوں نے جہاں تک وہ پہنچ سکے "خدا کے ایلچی" کی تشہیر کر دی تھی کہ آج رات کو عمرو درویش کوہ طور کا وہی جلوہ دکھائے گا جو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تھا۔ سوڈان کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے افواہیں پھیلانے کا کام جانفشانی سے کیا۔ اس کے نتیجے میں شام کے بعد عمرو درویش کے خیمے کے سامنے لوگوں کا ہجوم دن کی نسبت زیادہ تھا۔ خیمے کے عقب میں اور دائیں بائیں کسی کو کھڑا ہونے کی اجازت نہ تھی۔

عمرو درویش ابھی خیمے میں تھا۔ باہر دو مشعلیں جل رہی تھیں جن کے ڈنڈے زمین میں گڑھے ہوئے تھے۔ لوگ "خدا کے ایلچی" کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ خیمے کے پردے کو جنبش ہوئی۔ آشی سامنے آئی۔ اس کا لباس سیاہ تھا۔ یہ ایک فراک سا تھا جو کندھوں سے پاؤں تک تھا۔ اس پر ابرق کے ذرے چپکے ہوئے تھے جو مشعلوں کی روشنی

میں ستاروں کی طرح ٹمٹماتے اور چمکتے تھے۔ آشی کے سر پر ریشم کا باریک رومال تھا۔ اس کے بال اسی ریشم جیسے تھے جو شانوں پر اس انداز سے پڑے ہوئے تھے کہ عریاں شانوں کی سپیدی ان میں ستاروں کی طرح نظر آتی تھی۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی، اس کا بناؤ سنگھار اور سج دھج ایسی تھی جس میں طلسماتی سا تاثر تھا اور جو حیوانی جذبے کو اکساتی تھی۔

پہاڑیوں اور جنگلوں میں رہنے والے ان لوگوں کے لیے یہ لڑکی، اس کی چال اور اس کا لباس عجوبے سے کم نہ تھا۔ ان کی نظریں گرفتار ہو گئیں اور ان پر سحر طاری ہو گیا۔ آشی کے ایک ہاتھ میں گز ڈیڑھ گز لمبے اور اس سے آدھے چوڑے قالین کا ایک ٹکڑا تھا جو اس نے دونوں مشعلوں کے درمیان بچھا دیا۔ اس نے دونوں بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھا۔ خیمے کا پردہ ہٹا اور عمرو درویش مستانہ چال چلتا قالین پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بھی آشی کی طرح بازو دائیں بائیں پھیلائے، آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ بڑبڑانے لگا۔

''اے خدا کی برگزیدہ ہستی جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے، ہم تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں۔'' یہ ان تین آدمیوں سے ایک تھا جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ اس نے کہا...... ''تیری دن کی باتیں ہمارے دلوں میں اتر گئی ہیں مگر ایک شک ہے۔ ہمیں طور کا جلوہ دکھا جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔''

''مصر فرعونوں کا ملک ہے۔'' عمرو درویش نے بلند آواز سے کہا...... ''فرعون مر گئے مگر خدا نے مصر کی بادشاہی جس کو بھی دی وہ فرعون بنا۔ یہ مصر کی زمین کی، مصر کے پانی کی اور مصر کی ہوا کی تاثیر ہے۔ جو کلمۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے وہ بھی فرعون بنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونوں کی 'خدائی' کو للکارا اور نیل کے پانی کو کاٹ کر دکھا دیا۔ اب مصر ایک بار پھر فرعونوں کے قبضے میں آ گیا ہے۔ وہاں شراب کی نہریں بہتی ہیں اور پردہ نشین کنواریوں کی عصمتوں سے کھیلا جاتا ہے۔ خدائے ذوالجلال نے ہمارے اس خطے کو یہ سعادت بخشی ہے کہ مصر کو فرعون سے آزاد کراؤ۔ خداوند دو عالم نے تمہیں کوہ طور کا جلوہ بخشا ہے۔

عمرو درویش نے بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر جوشیلی آواز میں کہا...... ''اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کو اپنا وہی نور دکھا جو تو نے موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تھا۔''

اس نے لپک کر ایک مشعل زمین سے اکھاڑی۔ رات تاریک ہو چکی تھی۔ پہاڑ چٹانیں اور درخت اندھیرے کی سیاہی میں روپوش ہو گئے۔ روشنی صرف ان دو مشعلوں کے شعلوں کی تھی جس میں عمرو درویش اور آشی نظر آ رہے تھے۔ عمرو درویش نے مشعل اوپر کی اور ایک سمت اشارہ کر کے کہا...... ''ادھر دیکھو۔ ادھر ایک پہاڑی ہے۔ تم اس پہاڑی کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا جلوہ دیکھو۔''

اس نے مشعل اور زیادہ اوپر کر کے دائیں بائیں لہرائی۔ اس کے ساتھ ہی سامنے پہاڑی سے ایک شعلہ اٹھا اور ذرا سی دیر میں کم ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔ لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ حیرت زدگی نے ان کی زبانیں گنگ کر دیں۔

''اگر تم نے خدا کے اس جلوے کو بھی اپنے دلوں میں نہ اتارا تو یہ شعلہ جو تم نے دیکھا ہے تمہارے اس سرسبز علاقے کو ریگزار بنا دے گا۔'' عمرو درویش نے کہا...... ''میں اسے روک نہیں سکوں گا۔ اسے تم نے دعوت دی ہے۔''

عمرو درویش اپنے خیمے میں چلا گیا۔ آشی نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ چلے جائیں۔ لوگ وہاں سے جانے لگے تو ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہوئے بھی گھبراتے تھے۔ ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ وہ جب خیمے سے دور نکل گئے تو ایک آدمی جوان کے ساتھ تھا، دوڑ کر آگے ہوا اور سب کی طرف منہ کر کے رک گیا۔ سب نے دیکھا۔ وہ ایک

گاؤں کی مسجد کا پیش امام تھا۔

''ذرا رک جاؤ۔'' امام نے بازو پھیلا کر کہا۔ سب رک گئے تو اس نے کہا...... ''اپنے ایمان کو قابو میں رکھو، مسلمانو! یہ جادوگری ہے۔ جو تم دیکھ آئے ہو یہ شعبدہ بازی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کے بعد نہ کوئی پیغمبر آیا ہے، نہ آئے گا۔ خدا ایسے گناہگاروں کو جلوے اور نور نہیں دکھایا کرتا جو اپنے ساتھ بے حیا لڑکیاں لیے پھرتے ہیں۔''

''یہ لڑکی نہیں جن ہے۔'' ایک آدمی نے کہا۔

''جنات انسانوں کے روپ میں نہیں آ سکتے۔'' امام نے کہا...... ''جنات کسی انسان کے غلام نہیں ہو سکتے۔ مسلمانو! اپنے عقیدے کی حفاظت کرو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی فرعون نہیں، وہ خدا کا سچا بندہ ہے۔ اس نے پیغمبر کا دعویٰ نہیں کیا۔ وہ تمہارے مذہب کا پاسبان اور صلیب کا دشمن ہے۔''

''محترم امام!'' ایک آدمی نے کہا...... ''کیا آپ پانی کو آگ لگا سکتے ہیں؟''

''اس کی نہ سنو۔'' ایک اور نے کہا...... ''یہ اپنی امامت قائم رکھنا چاہتا ہے۔''

''ہم نے جو دیکھا ہے وہ آپ دکھا دیں۔'' ایک اور نے کہا...... ''پھر ہم آپ کی اطاعت قبول کر لیں گے۔''

''میرے ساتھ اس پہاڑی پر چلو جہاں سے شعلہ اٹھا تھا۔'' امام نے کہا...... ''میں تمہیں دکھا دوں گا کہ یہ کیا شعبدہ ہے۔ اگر میں غلط ہوا تو مجھے اسی جگہ قتل کر دینا جہاں شعلہ بھڑکا تھا۔''

''ہم خدا کے کاموں میں دخل دینے کی جرأت نہیں کریں گے۔'' ایک آدمی نے کہا۔

دو تین آدمی بیک وقت بول پڑے۔ وہ بھی امام کے خلاف بول رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ایسا اشتعال دلایا کہ سب چل پڑے اور امام کو دھکے دیتے آگے چلے گئے۔ امام اکیلا کھڑا رہا۔

☆

کچھ دیر وہاں کھڑے رہ کر امام اس پہاڑی کی طرف چل پڑا جس پر شعلہ اٹھا تھا۔ وہ بہت ہی تیز چلا جا رہا تھا۔ ایک پتھریلے ویرانے سے گزر کر چٹان کے دامن میں پہنچا تو دو آدمی اس سے کچھ دور پیچھے چلے جا رہے تھے۔ امام چٹان کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ پیچھے جانے والے دونوں اور تیز ہو گئے۔ ان کی قدموں کی آہٹیں سن کر امام رک گیا۔ وہ دونوں اس کے قریب جا رکے۔ ان کے چہرے کپڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔ امام نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان میں سے ایک امام کے پیچھے چلا گیا۔ امام اس کی طرف مڑا تو دوسرے نے امام کی گردن کے گرد اپنا بازو لپیٹ لیا۔ امام نے کمربند سے خنجر نکالا مگر اس کا خنجر والا ہاتھ ایک آدمی کے ہاتھ کے شکنجے میں آ گیا۔ اس کی گردن دوسرے آدمی کے بازو کے شکنجے میں تھی جو اتنا تنگ اور سخت ہو گیا تھا کہ اس کا سانس رک رہا تھا۔

اس نے آزاد ہونے کی آخری کوشش کی۔ وہ پوری طاقت سے اچھالا۔ دونوں پاؤں جوڑ کر سامنے والے کے پیٹ میں مارے۔ اسے پیچھے سے ایک آدمی نے جکڑ رکھا تھا۔ سامنے والا امام کی لاتوں سے پیچھے کو گرا اور اس کے پیچھے والا دھکہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ بھی پیچھے کو گرا اور امام کی گردن پر اس کے بازو کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ امام نے ایک اور جھٹکا دیا اور آزاد ہو گیا۔ وہ اب ایک خونریز لڑائی کے لیے تیار ہو کر اٹھا لیکن وہ دونوں آدمی بھاگ گئے۔ ان کے بھاگنے کی وجہ صرف یہ ہو سکتی تھی کہ وہ دونوں اسی علاقے کے مسلمان تھے۔ انہیں پہچانے جانے کا خطرہ تھا۔ امام نے انہیں پکارا، للکارا لیکن غائب ہو گئے تھے۔ امام نے آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے واپس چلا گیا۔

عمرو درویش کے خیمے میں وہی تین آدمی بیٹھے تھے جو دن کے وقت بھی اس کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو بتایا کہ لوگ وہی تاثر لے کر گئے ہیں جو ان پر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ انہوں نے اسے یہ بھی بتایا کہ کل رات اسے آگے ایک اور گاؤں کے قریب جانا ہے اور ''طور کا جلوہ'' ایک اور پہاڑی پر دکھانا ہے تینوں چلے گئے۔ آشی عمرو درویش کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔

''کیا تم اپنی کامیابی پر خوش ہو؟'' آشی نے پوچھا۔

''آشی!'' عمرو درویش نے آہ لے کر کہا..... ''میں تمہیں اس قسم کے سوالوں کا جواب دینے سے ڈرتا ہوں۔''

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہوں؟'' آشی نے کہا..... ''تم نے میرے اندر ایمان بیدار کیا ہے اور اب تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔''

''میں اعتبار تمہارے عمل پر کروں گا۔'' عمرو درویش نے کہا..... ''تمہارے الفاظ پر نہیں۔''

''مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔'' آشی نے کہا..... ''جو کہو گے کروں گی۔''

''ابھی یہی کرتی رہو جو کر رہی ہو۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''وقت آنے پر تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔''

''ہوسکتا ہے تمہیں یہ بتانے کا وقت ہی نہ ملے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔'' آشی نے کہا..... ''تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جہاں تم نے ذرا سی مشکوک حرکت کی یہ جاسوس تمہیں غائب یا قتل کر دیں گے اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دو کہ تمہارا ارادہ کیا ہے تو میں تمہیں بروقت خبردار کرسکوں گی۔ مجھے تو وہ بہرحال اپنے گروہ کا فرد سمجھتے ہیں۔

آشی کے انداز میں کچھ ایسی سادگی اور خلوص تھا۔ جس سے عمرو درویش قائل ہو گیا کہ یہ لڑکی اسے دھوکہ نہیں دے گی۔ اس نے کہا..... ''تمہارے کمالات دیکھتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ تم مجھے دھوکہ دو گی۔''

''کمالات میں تو تم بھی کم نہیں ہو۔'' آشی نے کہا..... ''اسی لیے تو میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم نے اپنی قوم کو دھوکہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔''

''میں تمہیں اپنا ارادہ بتا دیتا ہوں۔'' عمرو درویش نے کہا..... ''اور یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور مجھے فریب دیا تو تم زندہ نہیں رہو گی۔ میں قتل ہو جانے سے نہیں ڈرتا اور قتل کرنے سے بھی نہیں ڈروں گا۔ میں نے راستے میں تمہیں بتایا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے امید تھی کہ میں یہاں اپنے علاقے میں آکر اپنے خفیہ مقصد میں آسانی سے کامیاب ہو جاؤں گا مگر یہاں آکر دیکھا ہے کہ سوڈانیوں نے مجھے جاسوسوں کے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ مجھے دوسرا غم یہ ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی قوم کی پیٹھ میں خنجر اتار دیا ہے۔ میں اپنے اصل مقصد کی خاطر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ رہا ہوں مگر میری کارستانی جسے تم میرا کمال کہتی ہو میری قوم کے مذہبی عقیدے کو زہر کی طرح مار رہی ہے۔ میں نے اگر یہ سوانگ جاری رکھا تو یہ مسلمان سوڈانیوں کی غلامی کی زنجیروں میں بندھ جائیں گے اور ان کا قومی وقار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' آشی نے پوچھا۔

''میں اسحاق کے گاؤں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔'' عمرو درویش نے کہا..... ''تم اسحاق کو جانتی ہو نا۔ وہی کمانڈر جو جنگی قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں پڑا ہے۔ اسے اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے تمہیں بھی ایک رات اس کے پاس

بھیجا گیا تھا۔''

''اس شخص کو تو میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گی۔'' آشی نے کہا۔ ''اس کی بھی اتنی ہی مرید ہوں جتنی تمہاری ہوں۔''

''میں اس کے گھر تک پہنچنا چاہتا ہوں۔'' عمرو درویش نے کہا...... ''پھر میں اپنے گاؤں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ یہاں آ کر غائب ہو جاؤں گا اور یہاں کے لوگوں کو بتاؤں گا کہ وہ سوڈانیوں کے ہتھکنڈوں سے بچیں۔''

''معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں بنایا تھا۔'' آشی نے کہا...... ''ہمیں جس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اس کا ہمیں بڑا واضح منصوبہ دیا جاتا ہے۔''

''میں قید خانے میں ظالمانہ اذیتیں سہہ سہہ کر نکلا ہوں۔'' عمرو درویش نے کہا...... ''اتنی ہی عقل رہی گئی تھی۔ کہ قید خانے سے نکلنے کا یہ طریقہ سوچ لیا تھا۔ یہاں آ کر حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ اپنے مقصد کی کامیابی ناممکن نظر آتی ہے۔''

''اب مجھے بھی سوچنے دو۔'' آشی نے کہا...... ''اگر ہم خدا کی راہ میں ثابت قدم رہے تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گے۔ کل ہم آگے جا رہے ہیں۔ کوئی صورت نکل آئے گی۔''

''ضرورت یہ ہے کہ ہمیں یہاں کے کسی عقل مند آدمی کے ساتھ ملاقات کا موقع مل جائے۔''

☆

اسی علاقے میں عمرو درویش کے خیمے سے دو اڑھائی میل دور مصری تاجروں کا ایک قافلہ آیا۔ چار آدمی اور چھ اونٹ تھے۔ قافلے کا سردار لمبی داڑھی والا ایک بزرگ سیرت انسان تھا جس نے ایک آنکھ پر سبز رنگ کے کپڑے کا ٹکڑا لٹکا رکھا تھا جیسے اس کی یہ آنکھ خراب ہو۔ یہ قافلہ دو راتیں پہلے سوڈان کی سرحد میں داخل ہوا تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے مصر سے سوڈان میں اناج سمگل کرنے کی درپردہ اجازت دے رکھی تھی۔ دوسری اجناس بھی سمگل کی جاتی تھیں۔ سوڈان میں ان اشیاء کی قلت تھی۔ مصر کے یہ سمگلر دراصل سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے آدمی تھے۔ انہیں مصر کے سرحدی دستے نہیں روکتے تھے اور سوڈان کی سرحد کے پہرہ دار بھی انہیں نظر انداز کر دیتے تھے۔

یہ قافلہ بھی بلا روک ٹوک سرحد پار کر کے سوڈان میں داخل ہو گیا۔ لیکن رات کی تاریکی کی وجہ سے سوڈان کے سرحدی پہرہ دار یہ نہ دیکھ سکے کہ چار تاجروں اور چھ اونٹوں کا یہ قافلہ سوڈان کے کسی شہر کی طرف جانے کی بجائے اس پہاڑی علاقے کی سمت چلا گیا ہے جہاں مسلمان آباد تھے۔ ادھر تاجروں کے کسی قافلے کو جانے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ سوڈان کی حکومت مسلمانوں کو اناج اور دیگر اجناس سے اور تجارت سے محروم رکھنا چاہتی تھی۔ یہ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو اونٹوں کو ٹیلوں کے علاقے میں چھپا دیا گیا۔ سرحد دور پیچھے رہ گئی تھی۔ ان لوگوں نے سارا دن وہیں چھپ کر گزارا۔ رات تاریک ہوئی تو قافلہ پھر چل پڑا، اور آدھی رات کے وقت پہاڑی علاقے میں داخل ہو گیا۔ یہی قافلے کی منزل تھی۔ سحر کے وقت قافلہ ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ میر کارواں ایک مکان کے سامنے رکا اور دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایک آدمی ہاتھ میں دیا لیے باہر آیا۔ میر کارواں نے اس کے کان میں کچھ کہا۔ دروازہ کھولنے والے نے کہا...... ''خوش آمدید...... تم سب فوراً اندر چلو۔ اونٹوں کو ہم سنبھال لیں گے۔''

چاروں تاجر اندر چلے گئے۔ میزبان نے اپنے گھر والوں کو اور پڑوس کے دو تین آدمیوں کو جگایا۔ سب نے

اونٹوں کو مختلف گھروں کے اونٹوں میں بانٹ کر باندھ دیا۔ سامان اتار کر میزبان کے گھر میں رکھ دیا گیا۔ میر کارواں نے کہا کہ سامان فوراً کھولو اور غائب کردو۔ سب نے سامان کھولا تو اس میں اناج کی بجائے تیروں کا ذخیرہ تھا۔ کمانیں، تلواریں اور خنجر تھے اور تین چار بوریوں میں آتش گیر مادے سے بھری ہوئی ہانڈیاں تھیں ۔ یہ سامان غائب کر دیا گیا۔

''کیا میں اپنے آپ میں آجاؤں؟'' میر کارواں نے پوچھا...... ''تنگ آگیا ہوں۔''

''کوئی خطرہ نہیں۔'' میزبان نے کہا...... ''سب اپنے لوگ ہیں۔''

میر کارواں نے لمبی داڑھی اتار دی اور آنکھ سے سبز کپڑا بھی اتار دیا۔ یہ داڑھی نقلی تھی۔ اس کی اصلی داڑھی چھوٹی تھی اور سلیقے سے تراشی ہوئی۔ سامان ادھر ادھر چھپا کر جب آدمی مہمانوں کے پاس آئے تو ایک آدمی میر کارواں کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ میر کارواں مسکرایا اور پوچھا...... ''پہچانا نہیں تھا مجھے؟''

''اوہ میرے دوست علی بن سفیان!'' اس آدمی نے کہا...... ''خدا کی قسم میں نے نہیں پہچانا تھا۔'' اس نے آہ بھر کر کہا...... ''ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ خود آگئے ہیں۔ یہاں کے حالات ٹھیک نہیں۔''

''مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر دیا ہے۔'' علی بن سفیان نے کہا...... ''اور مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ سوڈانی ہمارے جنگی قیدیوں کو ہمارے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

لمبی داڑھی اور آنکھ پر سبز پٹی اور تاجروں کے چغے کے روپ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ماہر جاسوس اور سراغرساں علی بن سفیان تھا جو یہاں کے حالات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ اسے جاسوسوں نے قاہرہ جا کر جو خبریں دی تھیں۔ وہ ان کی روشنی میں باتیں کر رہا تھا، اور وہ جس گھر میں بیٹھا تھا، وہ اس کے بھیجے ہوئے جاسوسوں کا مرکز تھا۔ اس کا میزبان سوڈانی باشندہ تھا۔ یہ سب لوگ سلطان ایوبی کے پرستار تھے۔ ان لوگوں نے علی بن سفیان کو ایک نئی بات سنائی۔

''افواہ پھیل رہی ہے کہ خدا کا کوئی ایلچی آیا ہے جو پانی کو آگ لگاتا ہے'' ...... میزبان نے علی بن سفیان کو بتایا۔

''اور وہ لوگوں کو اس قسم کی باتیں کہتا ہے کہ خدا نے مجھے یہ پیغام دے کر مردوں میں سے اٹھایا ہے کہ مسلمانوں سے کہو کہ سوڈان کے وفادار ہو جائیں کیونکہ یہ زمین تمہاری ماں ہے'' ...... اس نے عمرو درویش کے متعلق ساری باتیں سنا دیں لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش رات کو طور کا جلوہ دکھا کر لوگوں کے دلوں میں بے حد خطرناک شکوک پیدا کر چکا ہے۔

''مجھے یہی ڈر تھا کہ دشمن عقیدوں پر حملہ کرے گا'' ...... علی بن سفیان نے کہا...... ''اسی لیے میں خود آیا ہوں۔ صلیبی تخریب کاری کے ماہر ہیں اور ہماری قوم جذباتی ہے۔ صلیبی الفاظ کا بڑا ہی دلفریب جال تن دیتے ہیں۔ ہمارے بھائی کھچے ہوئے اس کے حسین تاروں میں الجھ جاتے ہیں ...... مجھے فوری طور پر اس فتنے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ملنی چاہئیں۔ میرا خیال ہے کہ عمرو درویش کو میں جانتا ہوں۔ ہماری فوج کے ایک دستے کا کماندار تھا۔''

اس علاقے میں مصری جاسوس چھاپہ مار بھی تھے۔ علی بن سفیان نے میزبان سے کہا کہ وہ چند ایک آدمیوں کو بلانے کا انتظام کرے تاکہ اس تخریب کاری پر جوابی حملہ کیا جا سکے۔

☆

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ جاسوسوں کو بلانے کے لیے آدمی دوڑا دیئے گئے۔ وہ گئے ہی تھے کہ ایک گھوڑا جو سرپٹ دوڑتا آرہا تھا اس مکان کے سامنے آرکا۔ سوار اتر کر اندر آیا تو سب احترام کے لیے اٹھے۔ یہ امام تھا، اور یہ وہی

امام تھا جس نے عمرو درویش کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ لوگ اسے دھکے دیتے چلے گئے تھے، پھر رات کو اس پر دونامعلوم آدمیوں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ امام وہیں سے واپس آگیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں نے اس گاؤں اور اس گھر کو جاسوسی اور دیگر سرگرمیوں کا خفیہ مرکز بنا رکھا ہے۔ امام اپنے گھر گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ یہ امام اس پر یقین رکھتا تھا کہ عمرو درویش شعبدہ باز ہے۔ وہ اس گاؤں میں رپوٹ دینے اور شعبدہ بازی کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے دلینے آیا تھا آگے علی بن سفیان بیٹھا تھا۔

امام علی بن سفیان سے واقف نہیں تھا۔ تعارف کرایا گیا تو امام نے تفصیل سے سنایا کہ عمرو درویش نے کیا شعبدہ دکھایا ہے اور مسلمان تماشائیوں نے اس کا کس طرح اثر قبول کیا ہے۔

''اگر ہم نے یہ سلسلہ نہ روکا تو مسلمان اپنے عقیدوں سے منحرف ہو جائیں گے۔''......... نے کہا......''یہ شخص جو اپنا نام عمرو درویش بتاتا ہے آج رات اگلے گاؤں کو جا رہا ہے۔ وہیں شعبدہ دکھائے گا۔''

انہوں نے تھوڑی دیر اس مسئلے پر غور کیا۔ ایک طریقہ یہ سوچا گیا کہ عمرو درویش کو قتل کر دیا جائے۔ علی بن سفیان نے اتفاق نہ کیا۔ اس نے اس قسم کا اظہار کیا کہ اسے یقین ہے کہ عمرو درویش کو قتل کیے بغیر راہ راست پر لایا جا سکے گا اور اسی کی زبان سے کہلوا لیا جائے گا کہ اس نے جو تجربے دکھائے ہیں وہ شعبدہ بازی تھی۔ قتل کے خلاف دلائل دیتے ہوئے اس نے کہا کہ اس طرح لوگ اسے اور زیادہ برحق ماننے لگیں گے۔

علی بن سفیان کے ساتھ تاجروں کے بھیس میں جو تین آدمی آئے تھے وہ مصری فوج کے غیر معمولی طور پر ذہین، اپنے فن کے ماہر اور تجربہ کار لڑا کا جاسوس تھے۔ علی بن سفیان نے انہیں تاجروں کے بھیس میں ساتھ لیا۔ خود لمبی داڑھی اور ایک آنکھ پر سبز پٹی کا بہروپ چڑھایا۔ گھوڑے منگوائے۔ چند اور آدمیوں سے کہا کہ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ اس نے سب کو ہدایات دیں اور امام کے ساتھ اس سمت روانہ ہو گیا جہاں عمرو درویش کو خیمہ زن ہونا تھا۔

''عمرو درویش صبح طلوع ہوتے ہی اگلے مقام کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھی اس علاقے کے لوگوں کے لباس میں اس کی حفاظت کے لیے جا رہے تھے۔ اس کی تشہیر دور دور تک ہو گئی تھی...... وہ ایک اور گاؤں سے کچھ دور رک گیا اور خیمہ گاڑ دیا۔ تھوڑی سی دیر میں وہ اور آشی تیار ہو گئے تھے۔ خیمے کے سامنے دو مشعلیں جلا کر گاڑ دی گئیں۔ اس کے ساتھیوں نے گاؤں والوں کو جا بتایا کہ انہوں نے خدا کے جس ایلچی کے معجزے سنے ہیں وہ ان کے گاؤں کے باہر خیمہ زن ہے۔ لوگ دوڑے گئے۔ جن لوگوں نے ایک روز پہلے عمرو درویش کو دیکھا تھا۔ وہ بھی دور کا فاصلہ طے کر کے آگئے۔

عمرو درویش دونوں مشعلوں کے درمیان چھوٹے سے قالین پر بیٹھ گیا۔ آشی اپنے اسی بھڑکیلے لباس اور طلسماتی بناؤ سنگھار سے آراستہ تھی۔ عمرو درویش کے سامنے کپڑا لپٹا پڑا تھا۔ اس نے وہی اداکاری شروع کر دی جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک آدمی نے وہی سوال پوچھا جو پہلے پوچھا گیا تھا۔ عمرو درویش نے وہی باتیں اسی انداز سے دہرا کر کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر ڈالا جائے۔ علی بن سفیان اپنی پارٹی کے ساتھ پہنچ چکا تھا اور اس نے عمرو درویش کو پہچان لیا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ شخص مصری فوج کے ایک دستے کا کمان دار ہے۔

علی بن سفیان کو بتا دیا گیا تھا کہ عمرو درویش پانی کو آگ لگاتا ہے۔ علی بن سفیان کو ایک شک تھا۔ یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پانی کو آگ لگ سکتی ہے۔ اس کے دماغ میں جو شک پیدا ہوا تھا، اس کے مطابق وہ چھوٹے سے مشکیزے میں

نی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ جوں ہی عمرو درویش نے کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اسے کپڑے پر ڈالے تو ایک آدمی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے پاس مشکیزہ تھا۔ اس نے کچھ پانی کپڑے پر انڈیل دیا۔

علی بن سفیان آگے بڑھا اور مشعل زمین سے اکھاڑ کر لوگوں سے کہا..... "تم میں سے کوئی آدمی آگے آئے۔" ایک آدمی جو علی بن سفیان کے ساتھ آیا تھا آگے گیا۔ علی بن سفیان نے مشعل اس کے ہاتھ میں دے کر کہا..... "اس کپڑے پر شعلہ رکھو"..... وہ آدمی ہچکچایا۔ علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا..... "تم میں سے کوئی بھی آدمی اس پانی کو آگ لگا سکتا ہے۔"

اس آدمی نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑے سے شعلہ بھڑک کر اٹھا۔ ایک آدمی جو عمرو درویش کا ساتھی تھا۔ بولا..... "تم کوئی شعبدہ باز ہو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ تم پر خدا کی اس برگزیدہ شخصیت کا قہر نازل ہوگا۔"

عمرو درویش خاموشی سے اور حیرت سے علی بن سفیان کو دیکھ رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا کمر بند کھول کر عمرو درویش کے آگے رکھ دیا اور اس پر پانی انڈیل کر کہا..... "اگر تم خدا کے ایلچی ہو تو اس کپڑے کو آگ لگاؤ"..... اس نے مشعل عمرو درویش کے آگے کر دی مگر عمرو درویش اس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

لوگوں نے آپس میں کھسر پھسر شروع کر دی۔ علی بن سفیان کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں نے عمرو درویش کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ امام کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔ عمرو درویش کے آدمیوں نے اس کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف سے بولنے والے جاسوس تھے۔ یہ بھی جنگ تھی۔ حق اور باطل معرکہ آراء تھے۔ علی بن سفیان نے لوگوں کو ادھر الجھا ہوا دیکھا تو عمرو درویش کے سامنے بیٹھ گیا۔

"عمرو درویش!"..... اس نے دھیمی آواز میں کہا..... "ایمان کی کتنی قیمت ملی ہے؟"

"تم کون ہو؟"..... عمرو درویش نے پوچھا۔

"بہت دور سے آیا ہوں"..... علی بن سفیان نے کہا..... "تمہاری شہرت سرحد پار سنی تھی اور تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔" عمرو درویش نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا..... "میں تم پر کس طرح اعتبار کر لوں؟"

"میری داڑھی پر ہاتھ پھیرو"..... علی بن سفیان نے کہا..... "مصنوعی ہے۔ ایمان کی جو قیمت وصول کی ہے۔ اس سے دگنی دوں گا۔ یہ شعبدہ بازی ختم کرو۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔"

"میں قاتلوں کے گھیرے میں ہوں"..... عمرو درویش نے کہا۔

"میری نہیں مانو گے تو بھی قتل ہو جاؤ گے"..... علی بن سفیان نے کہا..... "تم جانتے ہو کہ یہاں ہمارے بہت سے آدمی موجود ہیں..... تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"مجھے معلوم نہیں"..... عمرو درویش نے کہا اور پوچھا..... "تمہارا نام کیا ہے؟"

"بتا نہیں سکتا"..... علی بن سفیان نے کہا..... "میں جو پوچھتا ہوں وہ بتاؤ..... طور کا جلوہ کیا ہے؟" صاف بتا دو۔ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

"جب اٹھو گے تو اپنے دائیں طرف دیکھنا"..... عمرو درویش نے کہا..... "اونچی پہاڑی کے آگے ایک اونچی چٹان ہے۔ ایک بہت بڑا درخت ہے۔ شام سے ذرا بعد وہاں اپنے آدمی چھپا دینا۔ جس طرح پانی کو آگ لگنے کا بھید جان گئے ہو، طور کا جلوہ بھی جان جاؤ گے۔ مجھے موقعہ دو کہ تماشا دکھاؤں۔ تم وہاں سے شعلہ نہ اٹھنے دینا۔ میرے فرار کا اور

میری حفاظت کا فرض تم پورا کرو گے۔بس میری شعبدہ بازی یہی ہوگی کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ مجھے اسحاق کو قید خانے سے آزاد کرانا ہے...... اٹھو اور اعلان کرو کہ رات کو طور کا جلوہ دکھاؤں گا۔''

علی بن سفیان کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو وہ عمر درویش کی یہ ادھوری سی بات نہ سمجھ سکتا۔علی بن سفیان اسی میدان کا کھلاڑی تھا۔ وہ اشارے سمجھ لیتا تھا۔اس نے اٹھ کر اعلان کیا...... ''خدا کا یہ برگزیدہ انسان رات کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔میں نے اس کی بات سمجھ لی ہے۔تم سب چلے جاؤ۔شام کے بعد آنا۔''

علی بن سفیان اٹھ کر چلا گیا۔لوگوں نے اسے گھیر لیا اور پوچھا کہ عمر درویش کے ساتھ اس کی کیا باتیں ہوئی ہیں۔اس نے بلند آواز سے کہا...... ''اس برگزیدہ ہستی کے سینے میں ایک پیغام اور ایک راز ہے۔میں نے اپنا شک رفع کر لیا ہے۔رات کو اس کا معجزہ ضرور دیکھنا۔''

عمر درویش کے آدمی اس کے پاس جا بیٹھے اور پوچھا کہ اس آدمی کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں۔عمر درویش نے جواب دیا...... ''میں نے اسے قائل کر لیا ہے۔''

''لیکن یہ ہے کون؟''...... ایک آدمی نے کہا...... ''اسے ضرور پتا چل گیا ہے کہ کپڑے میں آتش گیر سیال ہے جو جل اٹھتا ہے۔''

''تم کیوں فکر کرتے ہو؟''...... عمر درویش نے مسکرا کر کہا...... ''میں آج رات اس کے شکوک رفع کر دوں گا۔''

''اگر یہ یہ رات کو آیا تو اسے ہم قتل کر دیں گے''...... دوسرے آدمی نے کہا۔

''ابھی نہیں''...... عمر درویش نے کہا...... ''کہیں ایسا نہ ہو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔اگر یہ رات کو میرے پاس آیا تو میں اس خیمے میں بٹھا لوں گا۔تم اسے باندھ کر اٹھا لے جانا۔''

''ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں''...... تیسرے آدمی نے کہا...... ''اسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔''

دو آدمی اٹھے اور ان لوگوں سے جا ملے جو واپس جا رہے تھے۔ان دونوں نے علی بن سفیان کو ڈھونڈا مگر وہ ان میں نہیں تھا۔لوگوں سے پوچھا تو کوئی بھی نہ بتا سکا کہ وہ آدمی کہاں ہے جس کی داڑھی لمبی اور ایک آنکھ پر سبز پٹی بندھی تھی۔

علی بن سفیان گھوڑے پر سوار ہو کر دور نکل گیا تھا۔

☆

عمر درویش خیمے میں آشی کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو آشی نے اس سے پوچھا...... ''یہ آدمی کون تھا؟ اس نے تمہارے ساتھ اس طرح باتیں کی تھیں جیسے وہ تم سے اور تمہارے بہروپ سے واقف ہے۔''

''سنو آشی!''...... عمر درویش نے کہا...... ''آج رات کچھ ہونے والا ہے۔میں بتا نہیں سکتا کہ کیا ہوگا۔اس آدمی کو میں پہچان نہیں سکا۔اس نے بتایا بھی نہیں کہ وہ کون ہے لیکن یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔مجھے امید نہیں کہ آج رات ہم فرار ہو سکیں،اور یہ توقع بھی ہے کہ میں قتل ہو جاؤں گا آج رات تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تمہاری رگوں میں مسلمان باپ کا خون ہے۔اگر تم نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو تم میرے ہاتھوں قتل ہوگی۔''

''اگر تم مجھے کچھ اور بھی بتا دو کہ کیا ہوگا اور مجھے کیا کرنا ہے تو شاید میں زیادہ اچھے طریقے سے تمہاری مدد کر سکوں گی۔''آشی نے کہا...... ''میں تمہاری خاطر قتل ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن اس سے تمہارا مقصد پورا نہ ہوا تو میری جان رائیگاں جائے گی۔''

''تمہیں یہ کرنا ہے''......عمرو درویش نے کہا...... ''کہ اپنے آدمیوں کی باتوں میں نہ آنا۔ کوشش کرنا کہ ان کا ارادہ قبل از وقت معلوم کرلو اور مجھے خبردار کردو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ آج رات کیا ہوگا تم تیار رہنا۔''

''تم کئی بار کہہ چکے ہو کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں''......آشی نے کہا...... ''لیکن میں نے تمہیں ایک بار بھی نہیں کہا کہ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ اگر تم یہاں سے آزاد ہو گئے تو کیا تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟''

''تم واپس جانا پسند نہیں کرو گی؟''

''نہیں''......آشی نے رنجیدہ مگر پرعزم لہجے میں کہا...... ''مرجانا پسند کروں گی۔''

''تم شہزادی ہو آشی!''......عمرو درویش نے کہا۔ ''میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ چلو گی تو تمہارا مستقبل کیا ہوگا۔ تم ان جنگلوں میں رہنا یقیناً پسند نہیں کرو گی۔ میں تمہیں قاہرہ لے جاؤں گا۔ وہاں تمہارے متعلق سوچنے کے لیے بڑے اچھے دماغ موجود ہیں۔''

''تم مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھو گے؟''......آشی نے پوچھا...... ''مجھے اپنی بیوی نہیں بناؤ گے؟''

''اگر یہ شرط ہے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا''......عمرو درویش نے کہا...... ''لوگ کہیں گے کہ میں نے اپنا فرض تمہیں حاصل کرنے کے لیے ادا کیا ہے۔ میرا گھر جہاں میری ایک بیوی موجود ہے تمہارے قابل نہیں۔ آشی! میں سپاہی ہوں۔ میرا گھر میدان جنگ ہے۔ مجھے اپنی بیوی کی صورت دیکھے تین سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ تم اگر اس لیے میری بیوی بننا چاہتی ہو کہ میں تمہاری پسند کا مرد ہوں تو تم مایوس ہو گی۔ تمہاری محبت اور تمہاری دعائیں اس تیر کو نہیں روک سکیں گی جسے میرے سینے سے پار ہونا ہے......تم مجھے اپنی خواہش بتادو۔''

''میں ذلت اور خواری کی اس زندگی سے آزاد ہونا چاہتی ہوں''......آشی نے کہا...... ''مجھے تمہاری مدد اور سہارے کی ضرورت ہے۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔''

''اگر زندہ رہا تو تمہیں پوری مدد اور سہارا دوں گا۔''

''آخر وہ گیا کہاں؟''......یہ آواز ان جاسوسوں میں سے ایک کی تھی جو عمرو درویش کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عمرو درویش کے خیمے سے کہیں دور کھڑے علی بن سفیان کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اس نے کہا...... ''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عمرو درویش اس کے دل کو اپنے قبضے میں لینے کی بجائے اپنا دل اس کے قبضے میں دے چکا ہوں۔ ہمیں اب بہت ہی محتاط ہونا پڑے گا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ عمرو درویش پر بھروسہ نہ کرنا۔''

''وہ لمبی داڑھی والا آدمی آگ کا بھید جان گیا ہے''......دوسرے نے کہا...... ''اب یہ دیکھنا ہے کہ عمرو درویش نے اس بھید پر پردہ ڈالا ہے یا اس آدمی پر۔''

''آشی کس مرض کی دوا ہے؟''......تیسرے نے کہا...... ''کیا وہ عمرو درویش کے دل کا حال معلوم نہیں کرسکتی؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ لڑکی بھی عمرو درویش کی سازش میں شریک ہو گئی ہو۔''

''اگر کوئی سازش ہے اور آشی اس میں شریک ہے تو اس کے متعلق حکم صاف ہے کہ قتل کردو''ایک نے کہا۔

کیا تم اتنی قیمتی چیز کو یوں ضائع کردو گے؟''......دوسرے نے کہا...... ''اسے اڑا لے جائیں گے اور کسی دولت والے کو منہ مانگے داموں یہ ہیرا دے دیں گے۔ وہاں یہ بتائیں گے کہ آشی کو قتل کر کے دفن کردیا ہے۔''

تینوں نے ایک دوسرے کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے ان میں اتفاق رائے ہو گیا ہو۔ ایک نے کہا...... ''آج

رات ہمیں 'طور کا جلوہ' دکھانا ہے۔ دیکھ لیں گے کہ عمرو درویش یا اس کی نیت کیا ہے۔ رات کو ہم میں سے ایک کو آشی کے ساتھ رہنا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکی ہاتھ سے نکل جائے۔''

انہوں نے طے کر لیا کہ رات عمرو درویش اور آشی کے ساتھ کون ہوگا۔

☆

''چار آدمی کافی ہوں گے......'' علی بن سفیان نے کہا...... ''میں عمرو درویش کے ساتھ ہوں گا۔ تم سب نے ان تین چار آدمیوں کو پہچان لیا ہے جو عمرو درویش کی حمایت میں بول رہے تھے۔ یہ تمہارے علاقے کے وہ مسلمان ہیں جو سوڈانیوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔ عمرو درویش نے مجھے انہی کے متعلق بتایا ہے کہ وہ قاتلوں کے گھیرے میں ہے۔ انہیں نظر میں رکھنا۔ ضرورت پڑے تو ختم کر دینا لیکن زندہ پکڑنا بہتر ہوگا۔

اس وقت علی بن سفیان ایک مسجد میں بیٹھا تھا۔ امام اسی مسجد کا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا بہروپ اتار دیا تھا۔ اس نے مسجد میں ہی رات کے لیے اپنے آدمیوں کو مختلف کام بانٹ دیئے اور کہا...... ''مجھے جو شک تھا وہ صحیح ثابت ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ رات کو بھی مجھے کامیابی ہوگی۔''

سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے اس پہاڑی پر جو عمرو درویش نے علی بن سفیان کو دکھائی تھی۔ ایک آدمی چڑھ رہا تھا۔ وہ اس احتیاط کے ساتھ چڑھ رہا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ دوسری طرف سے دو آدمی اسی کی طرح جھکے جھکے اوپر جا رہے تھے اور ایک اور آدمی کسی اور طرف سے اوپر جا رہا تھا۔ یہ آدمی جب اوپر چلا گیا تو رینگ کر ایک بہت بڑے درخت تک پہنچا۔ ادھر ادھر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ دو آدمی ایک بہت بڑے پتھر کے عقب میں بیٹھ گئے۔ یہ جگہ درخت سے دور نہیں تھی۔ چوتھا آدمی بھی اوپر چلا گیا اور ایک موزوں جگہ چھپ گیا۔ جو آدمی درخت پر چڑھا تھا۔ وہ اوپر ایک موٹے ٹہن پر اس طرح بیٹھ گیا کہ ٹانگیں اوپر کر کے سکیڑ لیں۔ شاخیں اور پتے اتنے گھنے تھے کہ یہ آدمی نیچے سے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ آہستہ سے ایک پرندے کی طرح بولا۔ اسے پرندے کی آواز میں تین ساتھیوں کا جواب ملا۔

سورج پہاڑ کے عقب میں اتر گیا تھا اور تین آدمی اکٹھے پہاڑی پڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے پاس آگ جلانے کا سامان اور مٹی کے برتن میں آتش گیر مادہ تھا۔ اس کے پاس لمبے خنجر بھی تھے۔ شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ ان تین آدمیوں کا انداز ایسا تھا جیسے انہیں کسی بھی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ ان کی باتیں ان چار آدمیوں کو سنائی دینے لگیں جو پہلے سے وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ وہ پوری طرح چھپ گئے۔ وہاں سے دور نیچے عمرو درویش کا خیمہ تھا جو شام کے اندھیرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ خیمے کے باہر گاڑھی ہوئی دو مشعلوں کے شعلے دکھائی دے رہے تھے۔

''خدا کا ایلچی تیار ہو گیا ہے۔'' ان تین آدمیوں میں سے ایک نے ہنس کر کہا جو بعد میں اوپر آئے تھے......

''سامان کھول کر تیار کر لو'' ...... ''آج میرا دل کسی اور طریقے سے دھڑک رہا ہے'' ...... دوسرے نے کہا...... ''اس کے اندر کوئی وہم بیٹھ گیا ہے۔ کیا تم محسوس نہیں کر رہے کہ آج کچھ گڑبڑ ہے؟''

''میں بھی کچھ گڑبڑ اس آدمی کی وجہ سے محسوس کر رہا ہوں جس نے ایک آنکھ پر سبز پٹی باندھ رکھی تھی'' ...... ان میں سے ایک نے کہا...... ''گھبراؤ نہیں۔ ہم طور کا جلوہ دکھا کر سب کے وہم دور کر دیں گے۔ اگر لوگ مان گئے تو اس ایک آدمی کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔ تم اپنا کام کرو۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اندھیرا گہرا ہو رہا ہے۔''

ایک آدمی نے مٹی کے برتن کا منہ کھول کر تیل کی طرح کا سیال زمین پر انڈیل دیا۔ جگہ چونکہ پتھریلی تھی اس لیے

یہ مادہ جذب نہ ہوسکا۔اس سے ذرا دور ہٹ کر ایک آدمی نے چھوٹا سا دیا جلا کر بڑے پتھروں کے درمیان رکھ دیا تاکہ دور سے اس کی لو نظر نہ آسکے۔اس کی روشنی میں یہ تینوں آدمی نظر آرہے تھے۔

''اب ادھر مشعل پر نظر رکھو'' ......ایک نے کہا...... ''جوں ہی مشعل اوپر نیچے حرکت کرے دیا تیل پر پھینک دو۔ لوگوں کو طور کا جلوہ نظر آجائے گا۔''

یہ اہتمام اس بڑے درخت کے نیچے کیا گیا تھا جس پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔نیچے تینوں آدمی اکٹھے کھڑے ہوگئے۔اس نے جھینگر کی آواز پیدا کی۔ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے سے بھی جھینگر کی آواز سنائی دی۔تینوں آدمی بے پرواہ ہوکے کھڑے رہے۔اچانک اوپر سے ایک آدمی ان تینوں میں سے ایک آدمی کے کندھوں پر گرا۔نیچے والا آدمی اوپر والے کے نیچے آگیا۔دوسرے دو بری طرح گھبرا گئے اور ادھر ادھر ہوئے۔ذرا سی دیر میں تین آدمی مختلف اوٹوں سے اٹھے اور ان دونوں پر جھپٹ پڑے۔انہیں خنجر نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ان میں سے جو آدمی اوپر والے کے نیچے پڑا تھا وہ قوی ہیکل تھا۔اس نے اوپر والے کو لڑھکا دیا۔علی بن سفیان نے کہا تھا کہ انہیں زندہ پکڑنا ہے مگر اس آدمی کو ہلاک کرنا ضروری ہوگیا۔جو آدمی اس کے اوپر گرا تھا اس نے خنجر نکالا اور اس قوی ہیکل آدمی کے دل میں اتار دیا۔دوسرے دو آدمیوں کو ان رسیوں سے باندھ دیا گیا جو اسی مقصد کے لیے ساتھ لے جائی گئی تھیں۔

☆

عمرو درویش کے خیمے کے باہر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ان میں علی بن سفیان بھی تھا اور اس کے ساتھ مصری فوج کے چھاپہ مار بھی خاصی تعداد میں تھے جو اس علاقے میں مختلف بہروپوں میں رہتے تھے۔انہیں دن کے دوران اکٹھا کر لیا گیا اور بتا دیا گیا تھا کہ ان کا مشن کیا ہے۔ان میں چند ایک گھوڑوں پر سوار تھے۔ان کے پاس ہتھیار بھی تھے...... لوگوں میں عمرو درویش پر نظر رکھنے والے اور اس کی مدد کرنے والے سوڈانی جاسوس بھی تھے۔ان کی تعداد پانچ چھ سے زیادہ نہیں تھی۔علی بن سفیان نے انہیں پہچان رکھا تھا۔وہ بھی مرنے مارنے کے لیے تیار ہوکر آئے تھے لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کے مدمقابل کتنے آدمی ہیں۔

آشی اپنے مخصوص طلسماتی لباس اور حلیے میں باہر نکلی۔اس نے اداکاری کی۔دونوں مشعلوں کے درمیان چھوٹا سا قالین بچھایا۔عمرو درویش خیمے سے نکلا اور مستانہ چال چلتا قالین پر آن کھڑا ہوا۔دونوں بازو پھیلا کر آسمان کی طرف کیے اور منہ اوپر کرکے کچھ بڑبڑانے لگا۔آشی نے اس کے آگے سجدہ کیا پھر اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔

''اے خدا کے مقدس ایلچی! جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے'' ......آشی نے کہا...... ''انسانوں کا یہ گروہ طور کا وہ جلوہ دیکھنے آیا ہے جو خدائے ذوالجلال نے موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تھا،اور جنات بھی جن سے میں ہوں طور کا جلوہ دیکھنے آئے ہوئے ہیں۔''

''کیا ان سب کو شک ہے کہ میں خدا کا جو پیغام لایا ہوں وہ برحق نہیں؟'' ......عمرو درویش نے پوچھا۔

''اگر گستاخی ہو تو مجھے بخش دینا اے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر!'' ایک آدمی نے کہا...... ''طور کا جلوہ دکھا کر ہم گناہ گاروں کے دلوں سے سارے شک نکال دے۔''

علی بن سفیان نے اس آدمی کو دیکھا۔اسے وہ پہچانتا تھا۔وہ عمرو درویش کے ساتھ کا آدمی تھا۔

''ہاں مقدس ہستی!...... علی بن سفیان نے آگے آکر کہا...... ''ہم شک میں ہیں۔ہمیں طور کا جلوہ دکھا اور اگر یہ

لڑکی جنات میں سے ہے تو اسے کہہ کہ تھوڑی سی دیر کے لیے غائب ہو جائے، پھر ہمارے شک ختم ہو جائیں گے۔''

عمرو درویش نے درخت والی پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا...... ''ادر دیکھو۔ اندھیرے میں تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا''...... اس نے زمین سے ایک مشعل اکھاڑی اور بلند کی۔ اس نے اونچی آواز میں کہا...... ''خدائے ذوالجلال! تیرے سادہ اور جاہل بندے شکوک کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ انہیں وہی جلوہ دکھا جو تو نے موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تھا اور جس سے فرعونوں کے نشیمن کو جلایا تھا۔''

اس نے مشعل دائیں بائیں لہرائی پھر اوپر کر کے نیچے کی مگر پہاڑی پر کوئی شعلہ نمودار نہ ہوا۔ عمرو درویش نے ایک بار پھر مشعل کو اوپر سے نیچے کو لہرایا مگر پہاڑی پر چھوٹا سا شرارہ بھی نہ چمکا۔ پہاڑی پر عمرو درویش کا ایک آدمی مرا پڑا تھا اور دو رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ علی بن سفیان کے چار آدمیوں کے قبضے میں تھے۔ انہیں وہاں سے عمرو درویش کی مشعل کی حرکت نظر آ رہی تھی۔ کسی نے کہا...... ''آج کسی کو طور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا''...... سب نے قہقہہ لگایا۔

''آج طور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا''...... علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا۔ وہ عمرو درویش سے مخاطب ہوا۔

''عمرو درویش! اگر تو آج پہاڑی سے شعلہ اٹھا دے تو میں خدا کی بجائے تمہاری عبادت کروں گا۔''

ایک آدمی نے خنجر نکالا اور علی بن سفیان کی پیٹھ کی طرف سے آگے کیا۔ وہ دو چار قدم آگے گیا ہو گا کہ پیچھے سے ایک بازو اس کی گردن کے گرد لپٹ گیا۔ کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ ایک آدمی خیمے کے عقب سے خیمے کے اندر چلا گیا ہے۔ اس نے خیمے میں سے آشی کو پکارا۔ آشی اندر گئی۔

''فوراً نکلو''...... اس آدمی نے آشی سے کہا...... ''ہمارا راز فاش ہو چکا ہے۔ یہ آدمی جس نے کہا ہے کہ آج طور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا یہاں کا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ مصر سے آیا ہے۔ ہمارا ایک ساتھی پکڑا گیا ہے۔ یہاں کے مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ عمرو درویش کو قتل کر دیں۔ ہم تو نکل جائیں گے، تم ان کے ہاتھ آ گئیں تو تمہارے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کریں گے۔''

''میں نہیں جاؤں گی''...... آشی نے مسکرا کر کہا...... ''مجھے ان وحشیوں اور جنگلیوں سے کوئی خطرہ نہیں۔''

''کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟''

''میں پاگل تھی''...... آشی نے کہا...... ''اب دماغ درست ہو گیا ہے۔ اب وہاں جاؤں گی جہاں عمرو درویش کہے گا۔''

باہر علی بن سفیان اور امام لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ انہیں وہاں لے جائیں گے جہاں سے طور کا جلوہ نظر آتا تھا۔ وہاں انہیں دکھایا جائے گا کہ انہوں نے ایک رات پہلے جو جلوہ دیکھا تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔ علی بن سفیان کے چھاپہ ماروں نے لوگوں میں سے تین آدمیوں کو اس طرح پکڑ لیا تھا کہ کسی کو پتا نہ چل سکا۔ ان کے پہلوؤں کے ساتھ خنجروں کی نوکیں لگا کر انہیں الگ اندھیرے میں لے گئے اور ان پر قابو پا لیا گیا تھا۔ عمرو درویش ابھی وہیں کھڑا تھا۔

☆

خیمے کے اندر ایک سوڈانی جاسوس آشی کو بچانے کے لیے اسے ساتھ لے جانا چاہتا تھا، مگر آشی جانے سے انکار کر رہی تھی۔ وہ آدمی حیران تھا کہ لڑکی انکار کیوں کر رہی ہے۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ آشی نے کہا...... ''تم بھی مسلمان ہو، میں بھی مسلمان ہوں۔ میں اب اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔''

باہر غل غپاڑہ بڑھتا جارہا تھا۔اس آدمی نے لمبا خنجر نکال لیا اور آشی کو قتل کی دھمکی دے کر ساتھ چلنے کو کہا......آشی نے تلوار ایسی جگہ رکھی ہوئی تھی۔ جہاں سے فوراً نکالی جاسکتی تھی۔عمرو درویش نے اسے کہہ رکھا تھا کہ ہتھیار ہر لمحہ تیار رہنے چاہئیں۔آشی نے لپک کر تلوار کھینچ لی اور کہا......''ہم دونوں میں سے کوئی بھی باہر نہیں جائے گا۔''

ایک مرد کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا کہ اسے ایک عورت للکارے۔وہ جان گیا کہ یہ معاملہ گڑبڑ ہے اور اتنی قیمتی لڑکی ہاتھ سے جارہی ہے۔اس قتل کر دینا یا اڑا لے جانا ضروری ہو گیا تھا۔اسے توقع نہیں تھی کہ آشی تیغ زنی کی سوجھ بوجھ رکھتی ہے یا نہیں۔وہ خنجر سے اس پر حملہ آور ہوا۔آشی نے اس کے خنجر پر تلوار ماری۔خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن خیمے سے ٹکرا کر اس کے قریب گرا۔اس نے خنجر اٹھالیا۔آشی نے اس پر تلوار کا وار کیا۔وہ تجربہ کار تیغ زن تھا۔وار بچا گیا۔آشی نے کہا......''میرا استاد بھی وہی ہے جس نے تمہیں تیغ زنی سکھائی ہے۔''

اس نے آشی کا ایک اور وار اس طرح روکا کہ ایک طرف ہوا اور آشی کے سنبھلنے تک اس کے اوپر آ گیا۔اس نے آشی کی کلائی پکڑ لی اور بولا......''میں تمہیں قتل نہیں کروں گا آشی! ہوش میں آؤ''......آشی نے اس کی ناک پر ٹکر ماری۔وہ پیچھے ہٹا تو وار اس کے خنجر پر کر کے خنجر پھر گرا دیا۔وہ وار بچانے کے لیے پیچھے ہٹا تو خیمے نے اسے روک لیا۔اب تلوار کی نوک اس کی شہ رگ پر تھی۔آشی نے کہا......''میں مسلمان باپ کی بیٹی ہوں''......اس نے نوک اس آدمی کی شہ رگ میں دبائی اور بولی......''بیٹھ جاؤ۔ہاتھ پیچھے کرلو۔میری طاقت میرا ایمان ہے۔میں اب کھلونا نہیں۔''

باہر اب یہ عالم تھا کہ ایک مشعل علی بن سفیان نے اٹھائی تھی اور دوسری امام نے۔چار پانچ چھاپہ ماروں نے عمرو درویش کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔اسے انہوں نے مجرم کی حیثیت سے حراست میں نہیں لیا تھا بلکہ حفاظت کے لیے اسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔خطرہ یہ تھا کہ جو سوڈانی جاسوس اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔وہ اسے قتل کر سکتے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے اب کوئی بھی آزاد نہیں تھا۔یہ ہدایت علی بن سفیان نے دی تھی کہ جوں ہی ہنگامہ شروع ہو عمرو درویش کو پناہ میں لے لیا جائے۔

عمرو درویش نے ایک چھاپہ مار سے کہا......''خیمے میں لڑکی ہے،اسے بھی ساتھ لے چلنا ہے۔وہ مسلمان ہے۔''
خیمے میں گئے تو وہاں کچھ اور ہی منظر تھا۔آشی نے تلوار کی نوک پر ایک آدمی کو بٹھا رکھا تھا۔اس آدمی کو پکڑ لیا گیا۔
عمرو درویش سے علی بن سفیان نے کہا......''مجھے یقین ہے کہ میرے آدمی اس پہاڑی پر پہنچ گئے ہیں،اسی لیے وہاں سے شعلہ نہیں اٹھا۔''بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو ابھی وہاں لے جاکر دکھایا جائے کہ شعلہ کیسے پیدا کیا جاتا ہے تاکہ جو اس شعبدہ بازی کے جھانسے میں آگئے ہیں،ان کے ذہن صاف ہو جائیں۔''

''ایک مسئلہ اور ہے جس کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے''......عمرو درویش نے کہا......''اسحاق کو قید خانے سے رہا کرانا ہے۔اس علاقے میں سوڈانیوں کے بہت سے جاسوس ہیں۔ان میں سے کوئی نہ کوئی یہاں کے حالات کی اچانک اور غیر متوقعہ تبدیلی دیکھ کر حکومت اور فوج کو اطلاع دے دے گا۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں ڈال کر اسے اذیت رسانی سے مار دیا جائے گا۔میں سوڈانی سالار کو یہ دھوکہ دے کر آیا تھا کہ میں یہاں کے مسلمانوں کے ذہن بدل دوں گا۔میں نے قید خانے میں اسحاق کے ساتھ بات کر لی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ میں سوڈانیوں کی بات مان لیتا ہوں،اور اپنے علاقے میں جا کر چند دن ان کی مرضی کے مطابق کام کروں گا۔میرا ارادہ تھا کہ یہاں آ کر لوگوں کو در پردہ بتا دوں گا کہ میرا اصل مقصد کیا ہے۔میرا ارادہ یہ بھی تھا کہ قاہرہ بھی اطلاع بھجوا دوں گا اور اسحاق کو فرار

کرانے کی بھی کوئی صورت پیدا کروں گا......

''یہاں آیا تو مجھے پتا چلا کہ بہت سے سوڈانی جاسوس جو اسی علاقے کے مسلمان ہیں میرے اردگرد پھر رہے ہیں اور میں آزاد نہیں ہوں۔ اتفاق سے یہ لڑکی مسلمان نکلی'' ...... اس نے آشی کے ماضی کے متعلق سب کو تفصیل سنائی اور کہا...... ''مجھے امید نہیں تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیابی ہو جاؤں گا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ ہمارے مسلمان بھائی اس قدر سادہ اور جذباتی ہیں کہ میری باتوں اور شعبدہ بازیوں کے قائل ہوتے گئے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں کیا کروں ۔میں ہر لمحہ سوڈانی جاسوسوں کی نظر میں رہتا تھا۔ خدا نے میری نیت کی قدر کی اور آپ کو بھیج دیا۔''

اس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ اس نے کیا سوچا ہے۔ علی بن سفیان نے اس کی سکیم پر غور کیا۔ کچھ ردوبدل کی اور اسے کہا کہ وہ دو چھاپہ ماروں اور آشی کے ساتھ اسی وقت روانہ ہو جائے اور اسحاق کو رہا کرائے۔ علی بن سفیان نے اسے بتایا کہ وہ لوگوں کو اس پہاڑی پر لے جائے گا اور انہیں بتائے گا کہ طور کے جلوے کی حقیقت کیا تھی۔

عمر درویش، دو چھاپہ مار اور آشی اسی وقت گھوڑوں پر روانہ ہو گئے۔

☆

وہ خیمے کی پچھلی جانب سے چپکے سے نکل گئے تھے۔ علی بن سفیان خیمے سے باہر نکلا۔ لوگ پریشانی اور حیرت کے عالم میں باہر ٹولیوں میں کھڑے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا...... ''اگر تم طور کے جلوے کی حقیقت دیکھنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ آؤ۔ تم سب جانتے ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیغمبری اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد خدا نے نہ کسی کو بھی جلوہ یا معجزہ دکھایا ہے نہ دکھائے گا۔ اس آدمی کو تمہارے عقیدے خراب کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تم نے غور نہیں کیا کہ یہ شخص تمہیں صرف یہ بات کہتا رہا ہے کہ سوڈان کی فوج کو تم نے اس علاقے سے ہمیشہ دور رکھا ہے۔ اب سوڈانیوں نے تمہارے دلوں پر قبضہ کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا ہے............

''غیور مسلمانو! دشمن جب اس قسم کے اوچھے حربوں پر اتر آتا ہے تو یہ اس حقیقت کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ میدان میں تمہارے مقابلے میں آنے سے ڈرتا ہے۔ تم حق پر ہو۔ یہ خطہ تمہارا ہے۔ یہاں اسلام کی حکومت ہوگی۔ کفار تمہارے دلوں سے قوم اور مذہب کا احساس ختم کرنے کے جتن کر رہے ہیں۔ آج تمہیں طور کے جلوے دکھائے جا رہے ہیں۔ کل تمہیں صلیبی لڑکیوں کے جلوے دکھا کر تم میں بے حیائی پیدا کی جائے گی۔ تمہیں انسان سے حیوان بنایا جائے گا پھر تم محسوس بھی نہیں کرو گے کہ تم عزت، غیرت اور وقار سے محروم ہو گئے ہو۔ تم کفار کے غلام ہو گے۔ سوڈان کا بادشاہ مسلمان نہیں ہے۔ وہ کافر ہے۔ اسلام کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بیٹیاں کفار کی بیٹیوں کی طرح مردوں کے ساتھ شراب پئیں اور بدکاری کریں؟ کیا تم پسند کرو گے کہ مسجدیں ویران ہو جائیں اور قرآن کے ورق زمین پر روندے جائیں؟''

''رب کعبہ کی قسم! ہم ایسا نہیں چاہتے'' ...... ایک آواز آئی ...... ''اسے ہمارے سامنے لاؤ۔ جو اپنے آپ کو خدا کا ایلچی کہتا ہے۔''

''وہ بے قصور ہے'' ...... علی بن سفیان نے کہا ...... ''وہ تم میں سے ہی ہے۔ وہ اب اصلی روپ میں تمہارے سامنے آئے گا اور تمہیں بتائے گا کہ کفار کس طرح تمہاری جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ ابھی تم میری باتیں سنو۔ تم مسلمان ہو۔ خدا نے تمہیں برتری اور فوقیت عطا فرمائی ہے۔ کفار تمہیں خدا کی عطا کی ہوئی عظمت سے بیگانہ کرنا چاہتے ہیں۔''

''تم کون ہو؟''...... کسی نے بلند آواز سے کہا......''تمہاری باتوں میں دانائی ہے۔ کیا تم ہمیں دکھا سکتے ہو کہ یہ سب کیا تھا جو ہمیں دکھایا گیا ہے؟''

''میں تمہیں دکھاتا ہوں''......علی بن سفیان نے کہا......''خیمے میں سے ایک برتن اٹھا لایا جس میں تیل کی قسم کا آتش گیر سیال تھا۔ اس نے یہ تیل ایک کپڑے پر ڈال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس پر پانی ڈالا۔ مشعل اٹھا کر اس کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑا بھڑک کر شعلہ بن گیا۔ اس نے سب کو بتایا کہ جس کپڑے پر پانی ڈال کر عمرو درویش آگ لگاتا تھا وہ بھی اسی تیل سے بھیگا ہوا ہوتا تھا۔

''اب میں تمہیں وہ آدمی دکھاتا ہوں جو اس کے ساتھی تھے''......علی بن سفیان نے کہا۔ اس نے کسی کو آواز دے کر کہا......''انہیں سامنے لے آؤ''

لوگوں کے ہجوم سے کچھ دور اندھیرے میں وہ آدمی پکڑے کھڑے تھے جو عمرو درویش کے سوانگ میں شامل تھے۔ انہیں چھاپہ ماروں نے نرغے میں لے رکھا تھا۔ اچانک شور اٹھا۔ گھوڑا دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کسی نے بلند آواز سے کہا......''ایک بھاگ گیا''......ایک جاسوس نکل گیا۔ دوسروں کو سامنے لایا گیا۔ مشعل اوپر کر کے ان کے چہرے سب کو دکھائے گئے۔

''یہ مسلمان ہیں''......علی بن سفیان نے کہا......''اسی علاقے کے رہنے والے ہیں۔ یہ ایمان فروش ہیں''...... علی بن سفیان نے تفصیل سے بتایا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔

''انہیں قتل کر دو''......کئی آوازیں اٹھیں......''سنگسار کر دو''......لوگ ان کی طرف بڑھے۔ مشعلوں کی روشنی میں تلواریں چمکیں......''رک جاؤ''......علی بن سفیان نے درمیان میں آ کر کہا......''خدا کا قانون اپنے ہاتھ میں نہ لو۔ ان کی سزا تمہارے بزرگ مقرر کریں گے۔ انہیں حراست میں لے لو......اور میرے ساتھ آؤ''

سارے لوگ علی بن سفیان کے پیچھے چل پڑے۔ وہ انہیں اس پہاڑی کی طرف لے جا رہا تھا جہاں اس کے چھاپہ ماروں نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا اور دو کو رسیوں سے باندھ رکھا تھا۔

☆

اس وقت عمرو درویش، آشی اور دو چھاپہ مار دور نکل گئے تھے۔ وہ سوڈان کے دارالحکومت کی طرف جا رہے تھے۔

''دوستو!''......عمرو درویش نے دوڑتے گھوڑے سے کہا......''ہمیں بہت جلدی پہنچنا ہے......آشی! اگر تم سواری سے تھک جاؤ تو میرے پیچھے بیٹھ جانا۔ سفر بڑا ہی لمبا اور وقت بہت ہی تھوڑا ہے۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ کوئی جاسوس ہم سے پہلے نہ پہنچ جائے۔''

جاسوس بھی دارالحکومت کو روانہ ہو گیا تھا۔ یہ وہی تھا جو علی بن سفیان کے آدمیوں کی حراست سے بھاگا تھا۔ وہ ایک وادی میں چلا گیا تھا کیونکہ اسے تعاقب کا ڈر تھا۔ وہ وادی سے نکلا اور اس نے دارالحکومت کا رخ کرتے بہت دور کا چکر کاٹا۔ اتنے وقت میں عمرو درویش بہت دور نکل گیا تھا۔ جاسوس کو یہ خبر دینی تھی کہ عمرو درویش کا راز بے نقاب ہو گیا ہے۔ اسے عمرو درویش پر شک کا اظہار بھی کرنا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمرو درویش کو ایک بار پھر قید خانے میں بند ہونا تھا۔ عمرو درویش اس سے پہلے پہنچ کر سوڈانی سالار کو دھوکہ دینا اور اسحاق کو رہا کرانا چاہتا تھا۔ آشی کو اس سکیم کا علم تھا اور وہ گواہ کی حیثیت سے ساتھ جا رہی تھی۔

لوگ مشعلوں کی روشنی میں پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔علی بن سفیان آگے آگے تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر اس کے آدمیوں نے دو جاسوسوں کو باندھ رکھا تھا۔ انہیں مشعلیں اوپر آتی نظر آ رہی تھیں۔ایک آدمی نے دیا اوپر کر دیا تھا کہ آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ انہیں کہاں آنا ہے۔

''ہمارے ساتھ چلو'' ...... رسیوں سے بندھے ہوئے ایک آدمی نے کہا...... ''جو مانگوں گے ملے گا ہمیں چھوڑ دو۔''

''کیا تم ہر مسلمان کو ایمان فروش سمجھتے ہو؟'' ...... اسے جواب ملا...... ''دنیا کی دولت اور دوزخ کی آگ میں کوئی فرق نہیں۔تم اپنی قوم کو دھوکہ دے رہے تھے۔''

''وہ آ رہے ہیں'' ...... دوسرے قیدی نے کہا...... ''وہ ہمیں سنگسار کر دیں گے۔ یہ بڑی اذیت ناک موت ہوگی ...... کہو کیا لیتے ہو۔ہم دوسری طرف سے بھاگ چلتے ہیں۔سونا دیں گے۔''

جوں جوں مشعلیں اوپر آ رہی تھیں، دونوں قیدیوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ایک نے کہا...... ''تمہارے پاس تلواریں ہیں۔ان سے ہماری گردنیں کاٹ دو۔ہمیں ان لوگوں سے بچاؤ۔''

''اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگو۔''

مشعلیں ان کے سر پر آن رکیں۔علی بن سفیان نے لوگوں کو دور دور کھڑا کر دیا۔لوگ دو آدمیوں کو رسویں میں بندھا دیکھ کر حیران ہونے لگے۔

''یہ ہیں طور کا جلوہ دکھانے والے'' ...... علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا اور زمین پر دیکھا۔ وہاں آتش گیر سیال گرا ہوا تھا۔ذرا پرے برتن پڑا تھا۔اس نے کہا...... ''اس برتن میں وہی تیل تھا جو میں نے کپڑے پر ڈال کر دکھایا تھا۔ یہ تیل یہاں گرایا گیا ہے۔میں نے چار آدمی شام کے وقت یہاں چھپا دیئے تھے۔عمر درویش کی مشعل کے اشارے پر ان دونوں نے اس دیئے سے اس تیل کو آگ لگائی تھی اور یہ طور کا جلوہ تھا جو تم لوگ نہ دیکھ سکے کیوں کہ میرے آدمیوں نے انہیں لگانے سے پہلے ہی پکڑ لیا تھا۔''

''یہ تین تھے'' ...... ایک آدمی نے کہا۔''تیسرے نے ہمارا مقابلہ کیا۔اس کی لاش درخت کے ساتھ پڑی ہے۔''

علی بن سفیان نے مشعل کا شعلہ تیل پر رکھا تو تیل جل اٹھا۔شعلہ اوپر تک آیا اور آہستہ آہستہ بجھنے لگا۔علی بن سفیان نے کہا...... ''کیا اس کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ خدا سے تمہارا رشتہ توڑ کر تمہیں آتش پرست بنایا جا رہا تھا'' ...... اس نے ان دو آدمیوں سے جو رسیوں سے بندھے ہوئے تھے پوچھا...... ''کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟''

''مجھے بخشش دو'' ...... ایک نے خوفزدہ آواز میں کہا...... ''تم نے جو کہا سچ کہا ہے۔''

''کیا تم اسی علاقے کے مسلمان نہیں ہو؟''

''ہاں!'' ...... دونوں سے سر ہلائے۔

''کیا تمہیں صلیبیوں اور سوڈانی کفار نے اس کام کی تربیت نہیں دی؟''

''انہوں نے ہی دی ہے۔''

''اور تم اپنی قوم کو دھوکہ دینے اور اپنے مذہب کو تباہ کرنے کا انعام نہیں لیتے؟''

''ہاں!'' ...... ایک نے جواب دیا...... ''ہم اس کا انعام لیتے ہیں۔''

''ہمیں بخش دو'' ...... دوسرے نے کہا...... ''ہم اپنی قوم کے لیے جانیں قربان کر دیں گے۔''

پیچھے سے ایک جوشیلے مسلمان نے اتنی تیزی سے تلوار کے دو وار کیے کہ دونوں کے سر جسموں سے جدا ہو کر گر پڑے۔

''اگر میں قاتل ہوں تو مجھے قتل کر دیا جائے''...... تلوار چلانے والے نے تلوار لوگوں کے آگے پھینک کر کہا۔

''خدا کی قسم، یہ شخص قاتل نہیں ہے''...... امام نے کہا۔

''یہ قتل جائز تھا''...... ایک شور اٹھا۔

☆

عمرو درویش نے سحر کے آغاز میں گھوڑے روکے۔ چھاپہ ماروں اور آشی سے کہا کہ ذرا آرام کر لیں...... گھوڑوں کو بھی آرام دینا ضروری تھا۔ دارالحکومت کی طرف جانے والا جاسوس آدمی رات تک چلا اور ایک جگہ آرام کرنے رک گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش آگے آگے جا رہا ہے۔ وہ لیٹا اور سو گیا۔ صبح طلوع ہوتے ہی عمرو درویش نے اپنے قافلے کو گھوڑوں پر سوار کیا اور روانہ ہو گیا۔ وہ فوجی تھا۔ چھاپہ مار بھی سختیاں برداشت کرنے کے عادی تھے۔ آشی لڑکی تھی جو محلات میں رہنے کی عادی تھی۔ اسے ٹریننگ تو ملی تھی لیکن اس کی زندگی عیش و عشرت میں گزر رہی تھی۔

''آشی!''...... عمرو درویش نے اسے دوڑتے گھوڑے سے کہا...... ''تمہارا چہرہ اتر گیا ہے۔ تم شب بیداری کی بھی عادی نہیں۔ میرے گھوڑے پر آ جاؤ''

آشی مسکرائی اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ عمرو درویش نے اسے ایک بار پھر کہا کہ وہ اپنا گھوڑا چھوڑ دے۔ آشی نے انکار میں سر ہلایا۔ گھوڑے دوڑے جا رہے تھے۔ کچھ دور آگے جا کر ایک چھاپہ مار نے عمرو درویش سے کہا...... ''لڑکی اونگھ رہی ہے گر پڑے گی۔''

عمرو درویش نے اپنا گھوڑا آشی کے قریب کیا اور باگیں کھینچ لیں۔ آشی بیدار ہو گئی۔ عمرو درویش نے اسے کہا کہ وہ اس کے آگے سوار ہو جائے۔

''میں سہارا لینا نہیں چاہتی''...... آشی نے کہا...... ''سہارا دوں گی۔ مجھے اپنا عہد پورا کرنا ہے۔ مجھے اپنے ماں باپ کے قتل کا اور اپنی عصمت کا انتقام لینا ہے۔ میں جاگنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

گھوڑے چلے۔ بہت آگے جا کر آشی نیند پر قابو نہ پا سکی۔ عمرو درویش اس کے قریب تھا۔ اگر وہ دیکھ نہ لیتا تو آشی گر پڑتی۔ اس نے گھوڑے روک کر آشی سے کوئی بات کئے بغیر اسے کمر سے پکڑا اور اپنے گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا لیا۔ ایک چھاپہ مار نے آشی کے گھوڑے کی باگیں اپنی زین کے ساتھ باندھ لیں اور گھوڑے دوڑ پڑے۔ آشی نے سر عمرو درویش کے سینے پر پھینک دیا اور گہری نیند سو گئی۔ اس کے کھلے بال عمرو درویش کے چہرے پر پڑنے لگے۔ ایسے ملائم اور ریشمی بالوں کے لمس سے وہ آشنا نہیں تھا مگر ان بالوں نے اس پر وہ اثر نہ کیا جو ایک جوان مرد پر ہونا چاہئے تھا۔ اسے آشی کی باتیں یاد آنے لگیں:

''تمہاری آغوش میں مجھے اپنے ماں باپ کی آغوش کا سرور آیا تھا''...... آشی نے اسے اسی صحرا میں چند راتیں پہلے کہا تھا...... ''مجھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ میرے بھی ماں باپ تھے۔ تم نے میرا ماضی میرے آگے رکھ دیا ہے''...... پھر عمرو درویش کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہوا کے زناٹوں سے اسے آشی کی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہوں...... ''مجھے اپنے

خون...... مجھے خون نظر آ رہا ہے۔ یہ میرے باپ کا خون ہے۔ یہ میری ماں کا خون ہے۔ دونوں خون مل کر بیت المقدس کی ریت میں جذب ہو گئے ہیں...... عمرو درویش...... تمہاری رگوں میں ہاشم درویش کا خون دوڑ رہا ہے۔ تمہیں اس لہو کا خراج وصول کرنا ہے جو بیت المقدس کی ریت میں جذب ہو گیا تھا۔ تمہیں فلسطین کی آبرو پکار رہی ہے۔ قبلۂ اول کو دل سے اتار نہ دینا ہاشم کے بیٹے!''

چھاپہ ماروں نے دیکھا کہ عمرو درویش نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ چھاپہ ماروں کو بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کرنی پڑی۔ آشی کے بال اور زیادہ بکھر کر ہوا کے زناٹوں سے اس کے چہرے پر اڑنے لگے۔

''عمرو درویش!''...... ایک چھاپہ مار نے گھوڑا اس کے قریب کر کے کہا...... ''گھوڑے کسی چوکی سے بدلنے کی تو امید نہیں، گھوڑے کو اس طرح نہ مارو۔ ذرا آہستہ...... ذرا آہستہ''۔

عمرو درویش نے چھاپہ مار کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ذرا کم کر دی اور بولا...... ''خدائے ذوالجلال ہمارے ساتھ ہے۔ گھوڑے تھکیں گے نہیں''۔

اس کی آواز سے آشی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھبرا کر پوچھا...... ''میں کتنی دیر سوئی رہی؟ میرا گھوڑا کہاں ہے؟''

''تم تو سو گئی تھی۔'' عمرو درویش نے کہا...... ''لیکن میرے ایمان کی جو رگ سوئی ہوئی تھی وہ جاگ اٹھی ہے...... اٹھو۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ ہم شام تک منزل پر پہنچ جائیں گے۔''

☆

علی بن سفیان اسی گاؤں میں چلا گیا تھا جسے مسلمانوں نے اپنی زمین دوز سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ اس نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کے سپرد یہ کام کیا کہ تمام علاقے میں پھیل کر عمرو درویش کی شعبدہ بازیوں کی حقیقت بتا دیں۔ اس نے وہاں کے لیڈروں کو بتایا کہ وہ لوگوں کو تیار کر لیں۔ یہ علاقہ بہرحال سوڈان کا تھا۔ جہاں مسلمانوں کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوڈانی فوج حملہ کرنے کا حق رکھتی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے علاقے میں اپنا قانون رائج کر رکھا تھا۔ انہوں نے جن جاسوسوں کو گرفتار کیا تھا انہیں اپنے بنائے ہوئے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ انہیں سزا دینی تھی جو سوڈانی قانون کے مطابق جرم تھا۔ ان مجرموں نے جو کچھ کیا سوڈانی حکومت کی بہتری کے لیے کیا تھا۔ علی بن سفیان نے خطرہ مول لیا تھا۔ اس نے چھاپہ ماروں کی دو پارٹیاں تیار کر لیں۔

قید خانے میں اسحاق کو ایک اچھے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ اسے نہایت اچھا کھانا باعزت طریقے سے دیا جاتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیوں ہو رہا ہے۔ عمرو درویش اسے اپنی پوری سکیم بتا کر گیا تھا۔ اسحاق تنہائی میں بیٹھا اسی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ اسے دو خطرے نظر آ رہے تھے۔ ایک یہ کہ عمرو درویش نے قید خانے کی اذیتوں سے تنگ آ کر سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا ہوگا۔ دوسرا خطرہ یہ کہ عمرو درویش کہیں اپنے ہی منصوبے کی نذر نہ ہو گیا ہو۔ اسحاق اپنے فرار کے متعلق بھی سوچتا رہتا تھا لیکن اسے کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ سوڈانیوں کے لیے وہ قیمتی قیدی تھا جس پر انہوں نے اضافی پہرے لگا رکھے تھے۔ جب سے عمرو درویش اس سے الگ ہوا تھا اسے کسی نے نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی قوم کو سوڈان کا وفادار بنائے...... سوڈانی سالار جو اس کے پیچھے پڑا رہتا تھا اس کے سامنے بھی نہیں آیا تھا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ چار گھوڑے سوڈان کے دارالحکومت میں داخل ہوئے اور سیدھے فوج کے مرکز کے

سامنے جا رکے۔ عمرودرویش کو معلوم تھا کہ اسے کہاں جانا اور کسے ملنا ہے۔ اسے ذہنی تخریب کاری کی تربیت یہیں سے ملی تھی۔ اس نے محافظ دستے کے کمانڈر کو اس سوڈانی سالار کا نام بتایا جس نے اسے اس کام کے لیے تیار کیا تھا۔ اسے فوراً سالار کے گھر پہنچا دیا گیا۔

''ناکام لوٹے ہو یا کوئی اچھی خبر لائے ہو؟'' سوڈانی سالار نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''اچھی خبر اس سے سنیں''...... عمرودرویش نے آشی کی طرف اشارہ کر کے کہا...... ''آپ مجھ پر شاید اعتبار نہ کریں۔''

آشی تھکن سے چور پلنگ پر گر پڑی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے عمرودرویش سے کہا...... ''انہیں ساری بات خود ہی بتاؤ اور ذرا جلدی کرو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔''

''ہماری مہم اتنی جلدی کامیاب ہوئی ہے جس کی مجھے بالکل امید نہیں تھی۔'' عمرودرویش نے کہا اور پوری تفصیل سے سنایا کہ اس نے کس طرح پانی کو آگ لگائی اور طور کے جلوے دکھائے ہیں۔

''اور اس کے بولنے کا جو انداز تھا اس نے مجھے تو حیران ہی کر دیا تھا۔'' آشی نے عمرودرویش کے متعلق کہا۔ ''لوگ اس کے شعبدوں سے اتنے متاثر نہیں ہوئے جتنے اس کی زبان سے۔''

''کیا آپ کو ابھی تک کوئی بتانے نہیں آیا کہ وہاں ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے؟''...... عمرو درویش نے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں آیا''...... سوڈانی سالار نے کہا...... ''میں تم دونوں کے متعلق پریشان تھا۔''

عمرودرویش کو یہ سن کر اطمینان ہوا کہ یہاں ابھی تک کوئی جاسوس نہیں پہنچا۔ جاسوس جو مسلمانوں کی حراست سے فرار ہو کر آ رہا تھا ابھی دور تھا۔ اس کی رفتار وہ نہیں تھی جو عمرودرویش کی تھی۔ اس رفتار سے اسے صبح کے وقت پہنچنا تھا۔ عمرودرویش کا دھوکہ اسی جاسوس کی غیر حاضری میں ہی چل سکتا تھا۔ اس کے پہنچتے ہی اصل صورت حال کو بے نقاب ہوتے ہی عمرودرویش کو قید خانے میں بند ہونا تھا۔

''اب مجھے اسحاق کی ضرورت ہے۔'' عمرودرویش نے کہا...... ''میں آدھے سے زیادہ مسلمانوں کے ذہن صاف کر چکا ہوں۔ میں نے انہیں اس پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت اور دشمنی پیدا کر دی ہے۔ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی فرعونوں کا جانشین ہے۔ اب مسلمانوں کو اپنا کوئی قائد کہہ دے کہ ہمیں سوڈان کا وفادار ہونا چاہیے۔ اس علاقے کی تمام تر آبادی آپ کی ہو گی۔ میں نے وہاں معلوم کیا ہے، اور میں خود بھی جانتا ہوں کہ یہ قائد اسحاق کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسے وہاں کے مسلمان پیر اور پیغمبر مانتے ہیں۔''

''مگر اسحاق سے منوائے کون؟'' سوڈانی سالار نے کہا...... میں اسے اس خطے کی امارت کے لالچ دے چکا ہوں۔ اسے ایسی ایسی اذیتیں دی ہیں جو گھوڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آشی بھی ناکام ہو چکی ہے۔''

''اب مجھے کوشش کرنے دیں۔'' عمرودرویش نے کہا...... ''اسے قید خانے سے نکال کر اسی کمرے میں بھیج دیں جہاں آپ نے اسے ایک بار رکھا تھا اور مجھے بھی رکھا تھا۔ آپ اس کے دشمن ہیں۔ میں اس کا ساتھی ہوں۔''

''کیا وہاں آشی کو ایک بار پھر آزماؤ گے؟'' سوڈانی سالار نے پوچھا۔

میں لے جائیں تو مجھے امید ہے کہ صبح تک میں اسے اپنے جال میں پھانس لوں گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ اس علاقے سے میری غیر حاضری لمبی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہاں مصری جاسوس بھی ہیں۔ میں نے وہاں جو جادو چلایا ہے اسے مصری جاسوس میری غیر حاضری میں بیکار کر سکتے ہیں۔"

سوڈانی سالار نے ان دو چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھا جو عمرو درویش کے ساتھ تھے۔ اس نے بتایا کہ یہ اس کے محافظ اور مرید ہیں، اور یہ اس کے ساتھ رضا کارانہ طور پر آئے ہیں۔

☆

وہ ایک عمارت کا خوشنما کمرہ تھا جس میں اسحاق کو لایا گیا۔ سالار خود اسحاق کو قید خانے میں سے لانے کے لیے گیا تھا۔ اس نے اسحاق سے کہا..... "میں تمہارے قومی جذبے اور ایمان کا قائل ہو گیا ہوں۔ تمہارا ایک دوست عمرو درویش تم سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ملاقات اچھے ماحول میں ہو۔"

"مجھے قید خانے سے زیادہ غلیظ اور جہنمی ماحول اور تمہارے محلات سے زیادہ دلفریب ماحول اپنی راہ سے ہٹا نہیں سکتے۔"...... اسحاق نے کہا..... "مجھے تہہ خانے میں لے چلو یا بالا خانے میں، میں اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔"

سوڈانی سالار ہنس پڑا اور اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں عمرو درویش اس کے انتظار میں موجود تھا۔ سوڈانی سالار بھی کمرے میں رہا۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے ان کافروں کے ہاتھ اپنا ایمان بیچ ڈالا ہے۔" اسحاق نے عمرو درویش سے کہا..... "تمہارے چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے۔ کہ تم بہت دنوں سے قید خانے سے باہر گھوم پھر رہے ہو۔ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"میں تمہارے چہرے پر بھی یہی رونق اور آنکھوں میں یہی چمک دیکھنا چاہتا ہوں جو تم میرے چہرے پر اور آنکھوں میں دیکھ رہے ہو۔" عمرو درویش نے کہا..... "ذرا مجھے مہلت دو۔ ذرا سی دیر کے لیے اپنا دل اور اپنا ذہن مجھے دے دو۔ تحمل اور اطمینان سے میری بات سنو۔"

سوڈانی سالار پاس کھڑا تھا۔ وہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسحاق اس کا نہایت اہم قیدی تھا، اور عمرو درویش بھی قیدی ہی تھا۔ یہ عمرو درویش کا دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ ان دونوں کو ایک ایسے کمرے میں آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا جو قید خانے کا کمرہ نہیں تھا۔ اس نے چار سنتریوں کا انتظام کر دیا تھا۔ دو کمرے کے سامنے کھڑے تھے اور دو پچھلے دروازے کے سامنے۔ برچھیوں اور تلواروں کے علاوہ انہیں تیر و کمان بھی دیئے گئے تھے۔ تاکہ فرار کی کوشش کامیابی نہ ہو سکے۔ عمرو درویش چاہتا تھا کہ سالار وہاں سے چلا جائے مگر سالار وہاں سے ٹلتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں عمرو درویش اسحاق کو بتا نہیں سکتا تھا کہ اس کا منصوبہ کیا ہے۔

آشی کو سوڈانی سالار نے نہانے دھونے اور آرام کے لیے اسی عمارت کے ایک کمرے میں بھیج دیا تھا۔ وہ سوڈانی سالار کو اس کمرے سے لے جا سکتی تھی مگر اس کے ادھر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سوڈانی سالار الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ جاسوس جو صحیح صورت حال بتانے آ رہا تھا شہر سے تھوڑی ہی دور رہ گیا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ عمرو درویش کے دونوں چھاپہ مار اسی عمارت کے ایک برآمدے میں عمرو درویش کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آشی باہر آئی۔ وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر آئی تھی۔ اس کا حسن نکھر آیا تھا۔ چہرے سے سفر کی تھکن بھی ڈھل گئی تھی۔ وہ چھاپہ مارو

کے پاس جارکی۔

''سالار چلا گیا؟'' آشی نے ان سے پوچھا۔

''نہیں۔'' ایک چھاپہ مار نے جواب دیا۔ ''وہ اندر ہے۔''

''اسے چلے جانا چاہیے۔'' آشی نے کہا اور وہ اس کمرے کی طرف چل پڑی۔

عمرو درویش نے اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو اسے امید کی کرن نظر آئی۔ سوڈانی سالار نے اسے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ آگئی جو اس جیسے مردوں کے ہونٹوں پر آشی جیسی دلکش لڑکی کو دیکھ کر آیا کرتی ہے۔ آشی ٹہلتے ٹہلتے سالار کے پیچھے چلی گئی۔ اس نے عمرو درویش کو گہری نظروں سے دیکھا۔ عمرو درویش کو موقع مل گیا۔ اس نے آشی کو اشارہ کیا کہ سالار کو یہاں سے غائب کرو۔

''اسحاق بھائی!'' عمرو درویش نے پوچھا...... ''کیا ہم سوڈان کے بیٹے نہیں ہیں؟''

''میں سب سے پہلے اسلام کا بیٹا ہوں۔'' اسحاق نے جواب دیا۔ ''اور میں اب بھی مصری فوج کا کماندار اور سلطان صلاح الدین کا وفادار ہوں۔ اگر سوڈان کی زمین میری ماں ہے تو میں اپنی ماں کو اسلام کے دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ عمرو درویش! میں تمہاری طرح اسلام کی عظمت اور اپنی غیرت کو فروخت نہیں کر سکتا۔''

آشی نے پیچھے سے سوڈانی سالار کے کندھوں پر دونوں بازو رکھے اور منہ اس کے کان سے لگا کر کہا...... ''چند دنوں میں آپ کا دل مر گیا ہے؟''

سوڈانی سالار نے گھوم کر دیکھا تو آشی کے گال اور بکھرے ہوئے بال سالار کے گالوں سے ٹکرا گئے۔ آشی مسکرا رہی تھی۔ اس نے مخمور اور تشنہ لہجے میں کہا...... ''میں اتنی خطرناک اور تھکا دینے والی مہم سے واپس آئی ہوں۔ کل پھر انہی جنگلیوں کے پاس چلی جاؤں گی جن کے پاس پینے کو پانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں تو شراب کی بو کو بھی ترس گئی ہوں۔''

''اوہ!'' سوڈانی سالار نے چونک کر کہا...... ''میں تو اس قصے میں تمہیں بھول ہی گیا تھا۔ میں کسی سے کہہ دیتا ہوں۔ تم اسی کمرے میں چلو۔''

''اونہہ!'' آشی نے کہا...... ''اکیلے کیا خاک مزہ آئے گا؟ آپ بھی چلیئے۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ دونوں طرف سنتری کھڑے ہیں۔ کچھ دیر بعد یہیں آ جانا۔''

آشی اس فن کی استاد تھی۔ بچپن سے اب تک اسے مردوں کو اپنے جال میں پھانسنے اور انگلیوں پر نچانے کی تربیت دی گئی تھی۔ اس نے یہی فن اپنے آقاؤں اور استادوں کے خلاف آزمانا شروع کر دیا۔ سوڈانی سالار اس کی مسکراہٹ کے فریب میں آ گیا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ باہر جا کر اس نے ایک ملازم کو شراب لانے کو کہا اور آشی کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ آشی نے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور ذرا سی دیر میں بوڑھے سالار پر جوان لڑکی کا طلسم طاری ہو گیا۔ اتنے میں شراب آ گئی۔ آشی نے سالار کو جام پہ جام پلانے شروع کر دیئے۔

☆

''نیت صاف ہو تو خدا بھی مدد کرتا ہے۔'' عمرو درویش نے اسحاق سے کہا...... ''میں نے جو سوچا تھا وہ ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے عملی شکل میں آ گیا ہے۔ ساری بات شہر سے نکل کر سناؤں گا۔ دو چھاپہ مار ساتھ لایا ہوں۔ دو سنتری ادھر

چار گھوڑے سنتریوں کے تیار کھڑے ہیں تاکہ فرار کی صورت میں وہ ہمارا تعاقب کر سکیں۔ اپنے ہاں مصر کے کچھ لوگ آئے ہیں۔ ایک آدمی بہت ہی دانشمند معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ قاہرہ اطلاع پہنچ گئی ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ سالار کو لڑکی لے گئی ہے۔ میں ذرا باہر جائزہ لے لوں۔ لڑکی کو بھی ساتھ لے جانا ہے۔''

''کیوں؟'' اسحاق نے پوچھا..... ''اس بدکار کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے۔''

''باہر چل کر بتاؤں گا'' عمرو درویش نے کہا..... ''یہ کوئی ایسا ویسا تعلق نہیں۔ لڑکی مسلمان ہے۔''

عمرو درویش باہر نکلا۔ سنتریوں نے اسے سوڈانی سالار کے ساتھ اس کمرے میں آتے دیکھا تھا، اس لیے انہوں نے اس احترام کی نظروں سے دیکھا وہ اپنے چھاپہ ماروں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ سنتریوں کو سنبھالنے کا وقت آ گیا ہے۔ پھر اس نے اس کمرے کا دروازہ آہستہ سے ذرا سا کھولا۔ سالار کے ہوش شراب میں ڈوب چکے تھے۔ اس نے جھوم کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''میں دیکھتی ہوں۔'' آشی نے کہا..... ''ہوا سے دروازہ کھل گیا ہے۔'' اس نے سالار کو سہارا دے کر پلنگ پر لٹا دیا۔ سالار نے بازو پھیلا کر لڑکھڑاتی آواز میں کہا..... ''تم بھی آؤ۔ نشے کو دگنا کر دو۔''

آشی باہر نکل آئی اور آواز پیدا کیے بغیر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ عمرو درویش اور آشی نے دونوں چھاپہ ماروں کو ساتھ لیا اور اسحاق والے کمرے کی طرف گئے۔ سوڈانی جاسوس شہر میں داخل ہو چکا تھا اور وہ جاسوسی کے مرکز کی طرف جا رہا تھا۔ عمرو درویش نے دونوں سنتریوں سے کہا..... ''دونوں اندر چلو اور قیدی کو قید خانے میں لے جاؤ۔ سالار نے حکم دیا ہے کہ ہاتھ باندھ کر لے جانا۔''

دونوں سنتری اکٹھے اندر گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ دونوں چھاپہ مار بیک وقت ان پر جھپٹے۔ دونوں کی گردنیں ایک ایک چھاپہ مار کے بازو کے شکنجے میں آ گئیں۔ چھاپہ ماروں نے خنجر پہلے ہی نکال لیے تھے۔ انہوں نے سنتریوں کے دلوں پر وار کیے اور انہیں ختم کر دیا۔ سوڈانی جاسوس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا اور ایک نائب سالار کو صحیح رپورٹ دے رہا تھا۔ عمرو درویش نے اسحاق سے کہا..... ''فوراً نکلو''..... باہر چار گھوڑے عمرو درویش کے کھڑے تھے اور چار سنتریوں کے۔ دوسری طرف کے سنتریوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

یہ سب گھوڑوں پر بیٹھے۔ رات نے فرار پر پردہ ڈالے رکھا۔ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ فرار ہونے والوں نے گھوڑوں کو فوراً ایڑ نہ لگائی۔ آشی بھی ان کے ساتھ تھی۔ سوڈانی جاسوس نے اپنی رپورٹ دی تو نائب سالار اسے سوڈانی سالار کے پاس لے گیا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ دونوں ادھر آئے تو راستے میں انہوں نے پانچ گھوڑ سوار جاتے دیکھے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب سے گزر گئے۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی کسی کو پہچان نہ سکا۔

نائب سالار نے اس برآمدے میں جا کر ادھر ادھر دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے دو سنتری کھڑے تھے۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو اسے دونوں سنتریوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں۔ خون بہہ بہہ کر ہر طرف پھیل گیا تھا۔ نائب سالار نے اندر جا کر دوسرا دروازہ کھولا۔ ادھر دو سنتری آرام سے کھڑے تھے۔ بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایک کمرے میں سالار پلنگ پر پڑا نشے میں بدمست آشی کو پکار رہا تھا۔ نائب سالار نے اسے بلایا اور اٹھایا۔ آشی نے اسے بہت ہی زیادہ پلا دی تھی۔ اسے جب بتایا گیا کہ دو سنتری کمرے میں مرے پڑے ہیں تو ذرا ہوش میں آیا۔ جب وہ بات سننے اور سمجھنے کی حالت میں آیا اس وقت عمرو درویش، اسحاق، دو چھاپہ مار اور آشی شہر سے بہت دور نکل گئے تھے۔ تعاقب بیکار تھا۔ صبح کے

وقت اسے صحیح صورت حال کا علم ہوا۔

☆

اگلی رات آدھی گزر گئی تھی جب عمرو درویش اپنے قافلے کے ساتھ اپنے پہاڑی علاقے میں داخل ہوا۔ علی بن سفیان ان کے انتظار میں بے تاب ہو رہا تھا۔ ضروری یہ تھا کہ اسحاق اور عمرو درویش کو فوراً مصر بھیج دیا جائے لیکن ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ انہیں اس علاقے میں گھمایا پھرایا جائے تاکہ جن لوگوں نے سوڈانیوں کی شعبدہ بازیاں دیکھی ہیں انہیں اصل حقیقت معلوم ہو جائے۔ البتہ فوری طور پر یہ انتظام کر دیا گیا کہ کچھ آدمیوں کو دیکھ بھال کے لیے مقرر کر دیا گیا تاکہ سوڈانی فوج حملہ کرے تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ دوسری ضرورت یہ تھی کہ مصری فوج کے کچھ اور چھاپہ مار اس علاقے میں بلا لیے جائیں جو سوڈانی فوج کے حملے کی صورت میں عقب سے شبخون ماریں اور فوج کو اس علاقے سے دور رکھیں۔

اس طرح عمرو درویش، علی بن سفیان اور اس کے چھاپہ ماروں نے وہ معرکہ جیت لیا جو کمانڈروں، بادشاہوں اور قوم کی نظروں سے اوجھل رہ کر لڑا گیا تھا۔ یہ ایک انفرادی جنگ تھی جو ایمان اور قومی جذبے کی قوت سے لڑی گئی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس درپردہ جنگ پر ہمیشہ توجہ مرکوز رکھی تھی۔ اس کا انٹیلی جنس کا نظام بہت ہوشیار تھا۔

☆

اس وقت جب سوڈانی مسلمانوں نے یہ معرکہ جیت لیا تھا، سلطان ایوبی مسلمان امرا...... گمشتگین، سیف الدین اور الملک الصالح...... کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے کر ان کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ اس نے چند ایک اہم مقامات اور چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ حلب کی طرف بڑھ رہا تھا جو ایک اہم شہر اور الملک الصالح کی فوج کا مرکز تھا۔ سلطان ایوبی اس شہر کو محاصرے میں لے کر محاصرہ اٹھا چکا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے اس کا مقابلہ ایسی بے جگری سے کیا تھا کہ سلطان ایوبی عش عش کر اٹھا تھا۔ محاصرہ اٹھانے کی وجہ اس سے پہلے سنائی جا چکی ہے۔

اس کے بعد مسلمان افواج کی آپس میں جو جنگ ہوئی اس کی تفصیلات بھی سنائی جا چکی ہے۔ سلطان ایوبی نے تینوں مسلمان فوجوں کو بے تحاشہ نقصان پہنچا کر اس طرح پسپا کیا کہ فوجیں بکھر گئیں۔ سلطان ایوبی نے تعاقب جاری رکھا۔ اس کی زیادہ تر توجہ حلب کی فوج پر تھی کیونکہ یہ بہادری سے لڑنے والی فوج تھی۔ یہ حلب کی سمت پسپا ہو رہی تھی۔ سلطان ایوبی اسے راستے میں ہی تباہ کر دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ حلب پر قبضہ کرنے کو پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس نے تعاقب کا انداز یہ نہ رکھا کہ اپنی فوج کو اس کے پیچھے ڈال دیا بلکہ اس نے اپنے برق رفتار دستے کسی دوسرے راستے سے آگے بھیج دیئے اور کچھ چھاپہ مار دونوں پہلوؤں پر بھیج دیئے۔

حلب کی فوج افراتفری کے عالم میں حلب کو جا رہی تھی۔ آگے جا کر اس کے کمانڈروں نے دیکھا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔ حلب کی فوج رک گئی۔ اس کے سپاہیوں میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ ان کا ساز و سامان بھی کم رہ گیا تھا۔ رسد اور خوراک بھی کم تھی۔ یہ فوج رکی تو پہلوؤں پر سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شب خون اور چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اعلان کرنے شروع کر دیئے...... ''حلب والو ہتھیار ڈال دو۔''

سلطان ایوبی محاذ سے پیچھے تھا۔ اسے اطلاعیں مل رہی تھیں کہ حلب کی فوج ہتھیار ڈالنے کی حالت میں آ رہی

ہے۔اس نے کہا...... ''اگر یہ فوج صلیبیوں کی ہوتی تو میں اس کے ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ چھوڑتا مگر یہ میرے اپنے بھائیوں کی فوج ہے۔ یہ لوگ ہتھیار ڈال دیں گے تو میں انہیں بخشش دوں گا۔ مجھے خوشی پھر بھی نہیں ہوگی۔ مرنے کے بعد میری روح بھی بے چین رہے گی کہ میرے دور میں مسلمانوں کو تلواریں آپس میں ٹکرائی تھیں۔ اگر ہمارے یہ بھائی اب بھی دوست اور دشمن کی پہچان کر لیں تو اس شرم ناک غلطی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔''

دوسرے ہی دن خدا نے سلطان ایوبی کی دعا سن لی۔ اس نے دو گھوڑ سوار اپنی طرف آتے دیکھے۔ ان میں سے ایک نے سفید جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ ان کے دائیں بائیں سلطان ایوبی کی اپنی فوج کے دو کماندار تھے۔ قریب آ کر گھوڑے رک گئے۔ ایک کماندار نے گھوڑے سے اتر کر سلام کیا اور کہا...... ''حلب کے حاکم الملک الصالح نے صلح کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ دو ایلچی جنگ بندی اور صلح کا پیغام لائے ہیں۔''

ایک ایلچی نے پیغام سلطان ایوبی کے ہاتھ میں دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام پڑھ کر کہا...... ''الملک الصالح سے کہنا صلاح الدین ایوبی نے جب جنگ سے پہلے صلح کا پیغام بھیجا تھا تو تم نے فرعونوں کی طرح میرے ایلچی کی بے عزتی کر کے میرا پیغام ٹھکرا دیا تھا۔ آج خدائے عزوجل نے مجھے یہ طاقت بخشی اور تجھے یہ ذلت دی کہ میں تمہاری فوج کو اس طرح پیس سکتا ہوں جس طرح دو پتھروں کے درمیان والے پیسے جاتے ہیں لیکن میرے دشمن تم نہیں۔ تم اس باپ کے بیٹے ہو جس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا رکھا تھا، اور تم صلیبیوں سے دوستی گانٹھ کر اپنے باپ کی فوج کے خلاف لڑنے آئے تھے...... اسے کہنا کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ دعا کر کہ اللہ بھی تمہیں معاف کر دے۔''

سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح کی پیش کش منظور کر لی۔ الملک الصالح کو اس شرط پر اپنی فوج حلب کو لے جانے کی اجازت دے دی کہ جب اس کی فوج حلب آئے تو حلب کی فوج کوئی مزاحمت نہ کرے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ ہوا۔ الملک الصالح اپنی فوج نکال کر لے گیا۔ سیف الدین بھی پسپا ہو کر موصل چلا گیا تھا اور گمشتگین نے اپنے قلعے حرن میں جانے کی بجائے حلب کا رخ کیا۔ سلطان ایوبی اپنی فوج کو اور آگے لے گیا اور ایک مقام ترکمان کو عارضی کیمپ بنا لیا۔ ایک روز حلب کا ایک قاصد اس کے پاس آیا اور الملک الصالح کا ایک پیغام سلطان ایوبی کو دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام کھول کر پڑھا تو چونک اٹھا کیونکہ یہ پیغام اس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین کے نام تھا۔ الملک الصالح نے سیف الدین کو لکھا تھا:

''آپ کا خط مل گیا ہے جس میں آپ نے اس پر خفگی کا اظہار کیا ہے کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کر لی ہے۔ بے شک میں نے ایسا ہی کیا ہے لیکن میرے لیے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ میری فوج اس کی فوج کے گھیرے میں آ گئی تھی۔ میرے سپاہی تھکے ہوئے، ڈرے ہوئے اور زخمی تھے۔ میرے سالاروں نے مجھے مشورہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا جائے اور اپنی فوج کو اس کے چنگل سے نکالا جائے۔ میں نے یہی بہتر جانا اور صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام دے دیا......

''محترم غازی سیف الدین! آپ مطمئن رہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے صلح کی ہے ورنہ میرے پاس آج ایک بھی سپاہی نہ ہوتا۔ میں اب حلب میں اپنی فوج کی تنظیم نو کر رہا ہوں۔ نئی بھرتی شروع کرا دی ہے میں نے صلاح الدین ایوبی کی یہ شرط تسلیم کر لی ہے۔ کہ اس کی فوج حلب میں آئے گی تو ہماری فوج مزاحمت نہیں کرے گی، لیکن وہ جب یہاں آئے گا تو اس کی فوج کو ایسی مزاحمت ملے گی جو اس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔ آپ اپنی فوج کو از سر نو تیار

کرلیں۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا اور اس کی طاقت کو ختم کرنا ہے۔''

اس پیغام میں اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ مؤرخوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ الملک الصالح نے سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا تھا اور اس پر بھی کہ الملک الصالح نے سیف الدین کے خط کے جواب میں جو جواب لکھا غلطی سے سلطان ایوبی کو مل گیا تھا یا یہ قاصد سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ قاصد کی غلطی تھی۔ دو نے لکھا ہے کہ پیغام سربمہر کیا گیا تو باہر غلطی سے سلطان ایوبی کا نام لکھ دیا گیا تھا۔ مسلمان مؤرخ جن میں سراج الدین خاص طور قابل ذکر ہے لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کا نظام جاسوسی ایسا باکمال تھا کہ الملک الصالح کا قاصد اس کا جاسوس تھا۔ وہ الملک الصالح کا اتنا اہم پیغام سلطان ایوبی کے پاس لے آیا۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ اس پیغام نے سلطان ایوبی کو اس قدر پریشان کیا کہ کئی گھنٹے اس نے کسی کے ساتھ بات بھی نہ کی۔ خیمے میں اکیلا پڑا رہا۔ البتہ اسے یہ خوشی ضرور ہوئی کہ اسے دشمن کے عزائم کا علم ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ الجزیرہ، دیار اور بقر سے فوراً لوگوں کو بھرتی کیا جائے۔ اس نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف ایک اور خونریز جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عنایت اللہ کی دیگر کتب

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
داستان ایمان فروشوں کی (تین جلد) سیٹ	1500	لہو جو ہم بہا کے آئے	160
فردوس ابلیس (دو جلد)	900	چھن چھن کے پاپی	150
اور نیل بہتا رہا (دو جلد)	800	فتح گڑھ سے فرار	140
ایک اور بت شکن پیدا ہوا (دو جلد)	850	اُستانی اور ٹیکسی ڈرائیور	160
خاکی وردی لال لہو	800	ناقابل فراموش	180
شمشیر بے نیام (دو جلد)	700	میں گناہگار تو نہیں	180
حجاز کی آندھی	400	پاکستان......ایک پیاز دو روٹیاں	180
ڈوب ڈوب کے ابھری ناؤ	220	جب میں تحفہ بنی	180
دمشق کے قید خانے میں	200	میں کسی کی بیٹی نہیں	180
ستارہ جو ٹوٹ گیا	300	سزا اُس گناہ کی	180
اندلس کی ناگن	240	چھوٹی بہن کا پگلا بھائی	180
میں کسی کی بیٹی نہیں	180	دمشق کے قید خانے میں	250
بی آر بی بہتی رہے گی	170	اُلجھے راستے	180
ہماری شکست کی کہانی	170	پیاسی رُوحیں	200
لاہور کی دہلیز پر	160	پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت	200
پرچم اڑتا رہا	170	جوانی کے جنگل میں	200
دو پلوں کی کہانی	160	ایوبی، غزنوی اور محمد بن قاسم	250
ہیرے کا جگر	160	بھٹکے ہوؤں کی داستان	180
بدر سے باٹا پور تک	160	منزل اور مسافر (اوّل، دوم)	200
طاہرہ	180		

عنایت اللہ کی بہترین کتابیں

داستان ایمان فروشوں کی (تین جلد) سیٹ	فردوس ابلیس (دو جلد)	فتح گڑھ سے فرار	اور نیل بہتا رہا (دو جلد)
ایک اور بت شکن پیدا ہوا (دو جلد)	خاکی وردی لال لہو	شمشیر بے نیام (دو جلد)	ڈوب ڈوب کے ابھری ناؤ
حجاز کی آندھی	اکھیاں میٹ کے سپنا تکیا	دمشق کے قید خانے میں	ستارہ جو ٹوٹ گیا
اندلس کی ناگن	ہماری شکست کی کہانی	بی آر بی بہتی رہے گی	میں کسی کی بیٹی نہیں
لاہور کی دہلیز پر	پرچم اڑتا رہا	دو پلوں کی کہانی	ہیرے کا جگر
اس نے کہا	کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس	چار دیواری کی دنیا	بدر سے باٹا پور تک
طاہرہ	لہو جو ہم بہا کے آئے	پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت	سزا اس گناہ کی
پانچویں لڑکی	1857ء کی داستانِ شجاعت	بھٹکے ہوؤں کی داستان	منزل اور مسافر (دو جلد)
پتن پتن کے پاپی	فتح گڑھ سے فرار	اُستانی اور ٹیکسی ڈرائیور	ناقابل فراموش
میں گناہ گار تو نہیں	پاکستان - ایک پیاز دو روٹیاں	جب میں تحفہ بنی	میں کسی کی بیٹی نہیں
چھوٹی بہن کا پگلا بھائی	اُلجھے راستے	پیاسی رُوحیں	جوانی کے جنگل میں
ایوبی، غزنوی اور محمد بن قاسم	اُس نے کہا		

واحد تقسیم کار

عِلم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔
فون: 37352332، 37232336 فیکس: 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com